جستجوئے مدینہ
تاریخ، عمرانی ارتقاء، فضائل ومحاسن، تبرکاتِ نبویہ شریفہ و آثارِ مدینہ زادہا اللہ شرفا
تحقیق وتالیف
عبدالحمید قادری
750 نایاب تصاویر، نقشے اور خاکے

تاریخ، عمرانی ارتقاء، فضائل ومحاسن، تبرکات نبویہ الشریفہ وآثار مدینہ زاداللہ شرفاہ

تحقیق وتالیف

عبدالحمید قادری

(تاریخ، عمرانی ارتقاء، فضائل ومحاسن، تبرکاتِ نبویہ الشریفہ وآثارِ مدینہ زاد اللہ شرفاہٗ)

تحقیق وتالیف

عبدالحمید قادری

Justjoo-e-Madina

Research/Compiled by: Abdul Hamid Qadri

جستجوئے مدینہ

(تاریخ، عمرانی ارتقاء، فضائل ومحاسن، تبرکات نبویہ الشریفہ وآثار مدینہ زادہا اللہ شرفاً)

تحقیق و تالیف: عبدالحمید قادری
aqadri15@yahoo.com

دوران اشاعت فہرست سازی:

عبدالحمید قادری، عبدالحمید (۱۹۳۵ء-)
تاریخ، عمرانی ارتقاء، فضائل ومحاسن، تبرکات نبویہ الشریفہ وآثار مدینہ زادہا اللہ شرفاً
جستجوئے مدینہ
لاہور، اورینٹل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ۹۳۲ص
۱۔ عنوان I۔ تاریخ II۔ سیرت III۔ مدینہ IV۔ اطلس V۔ ارض القرآن
VI۔ تبرکات نبویہ VII۔ عبدالحمید (۱۹۳۵ء-)، مؤلف
ISBN: 969-8088-02-6

الطبعۃ الاولیٰ: ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء

لے آؤٹ، پروڈکشن: سید اویس علی سہروردی
۳۵- ماڈل پارک، لاہور فون: 042-6363009
grafixinn@hotmail.com

طابع: محمد اشرف، ایم اے پرنٹرز

ISBN: 969-8088-02-6

ہدیہ: پاکستانی روپیہ =/3600 امریکی ڈالر =/140

دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور فون: 042-7213578, 6363009

انتساب

میں اپنی اس تالیف کو اُن ہستیوں کے نام کرتا ہوں

جن کا خمیر ارضِ طیبہ سے اٹھایا گیا اور ربِ ذوالجلال نے انہیں اپنی زندگی کا کچھ حصہ یہاں گزارنے کی سعادت نصیب فرمائی
اور پھر شہرِ حبیب نے اپنا دامنِ رحمت وا کر کے ابدی نیند کے لئے انہیں اپنی رحمتوں میں سمو لیا

اور

اُن ہستیوں کے نام جو زندگی بھر شہرِ حبیب کی زیارت کو ترستے رہے اور مادی کم مائیگی اُن کے آڑے آتی رہی
مگر دمِ واپسیں وہ گنبدِ خضریٰ کی تصویر دل کے آئینوں میں اتار کر اپنے ساتھ لے گئے

اور

خاص طور پر اُس ہستی کے نام کرتا ہوں جنہوں نے بچپن میں مجھے 'جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب' کا تحفہ دیتے ہوئے
فرمایا تھا کہ اس کے فریم میں عصرِ قدیم کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے مدینہ طیبہ کی تصویر لگانے کی اشد ضرورت ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ خدمت

مدینہ طیبہ ایسا شہر مقدس ہے جہاں شب و روز ہر لحظہ اور ہر سو انوار رب ذوالجلال والاکرام کی جلوہ آرائی جاری رہتی ہے۔ مدینہ ''المنورہ'' کی وجہ تسمیہ ہی یہاں نورِ اولیں و آخرین سید الثقلین اور نبی الحرمین ﷺ کا قیام ابدی ہے۔ بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو چشم بصیرت سے ان انوار و اکرام کی جلوہ آرائی دیکھ لیتے ہیں جن سے چشم ظاہر بین مستفید نہیں ہو پاتی تاہم اس کا ظاہری جاہ و جمال کسی بھی نگاہ کو خیرہ کر دیتا ہے۔ اگر کہیں رات کی ظلمتوں میں جانب شہر حبیب جانا ہو تو بہت دور سے ہی سے نگاہیں مینارہ ہائے تجلیات پر مرکوز ہو جاتی ہیں طیبہ دلنشاء کا یہ مرکز تجلیات مسجد نبوی شریف ہے جس کے آنگن سے ہونے والی ضیاء پاشی سے کون و مکاں روشن ہیں۔ جوں جوں زائر شہر آرزو کے اس مرکز انوار کے قریب آتا جاتا ہے اپنے چاروں طرف عالم جذب و شوق کا بحر بیکراں موج زن پاتا ہے اور پھر انتہائی ادب و احترام سے ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ وہ اس ادب گاہ عالمین کی طرف ایسے کھنچا چلا جاتا ہے کہ الفاظ اس کیفیت کے بیان سے یکسر قاصر رہ جاتے ہیں اقبال تو مسجد قرطبہ کے میناروں پر تجلیات کے نزول کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے تھے:

تیرا منارۂ بلند جلوہ گاہ جبرائیل تیرے در و بام پر وادی ایمن کا نور

اور اگر کہیں ان کی حاضری مدینہ طیبہ میں ہو جاتی تو یقیناً اس حُسنِ لازوال کے انوار و تجلیات کو دیکھ کر مثل کلیم اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھتے اس بقاع طاہرہ اور مرکز انوار کی شعاعوں نے شہر نبوی کے گلی کوچوں کو اس طرح منور کر رکھا ہے کہ چار دانگ عالم میں بسنے والا ہر فرزند توحید اس کو مدینہ منورہ (یعنی روشن شہر) کہہ کر پکارتا ہے صرف اس لیے کہ مدینہ طیبہ بدرالدجیٰ شمس الضحیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ واتم تسلیما کے ابدی نور، لامتناہی تجلیات اور جمال عالم آرا سے تا بہ ابد منور و تاباں ہے۔ عالم اسلام میں تقدس میں مکۃ المکرمہ کے بعد شہر حبیب کا نام آتا ہے مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق ؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ؓ جس شہر کو سب سے زیادہ فوقیت دیتے تھے وہ یہی شہر مصطفوی ﷺ ہے جہاں امام القبلتین نبی الحرمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تا بہ ابد مقیم ہیں۔ جب ام القریٰ مکۃ المکرمہ نے 'بلد الامین' ہونے کے اعزاز کا حق ادا کرتے ہوئے وہ امانت جس کی بدولت اسے 'الامین' ہونے کا اعزاز نصیب ہوا تھا کو مدینۃ المنورہ کی جھولی میں ڈال دی جس نے اب اصلاً ''صاحب امانت'' ہونے کا کردار ادا کرنا تھا تو رب العزت ﷻ نے اسے ایک اور خطاب سے نواز دیا اور وہ خطاب اور لقب ''مخرج صدق'' تھا۔ پھر جب اس امانت رب جلیل نے ناقہ مصطفوی (قصویٰ) پر سوار ہو کر یثرب کی گھاٹیوں پر قدم رنجہ فرمایا تو نہ صرف یثرب کی قسمت جاگ اٹھی اور یہ مدینۃ النبی ﷺ قرار پا گیا بلکہ رب ذوالجلال ﷻ نے اسے ''مدخل صدق'' ہو جانے کا اعزاز عنایت فرمایا اور پھر یہی 'مدخلِ صدق' تا بہ ابد ''سراج منیر'' کا مسکن و مدفن ہو گیا۔

اس موقع پر میں یہ وضاحت کرنا بھی اپنا اولین فرض سمجھتا ہوں کہ نہ تو میں کوئی عالم ہوں اور نہ ہی کبھی مجھے مورخ ہونے کا ادنیٰ سا گمان بھی ہوا ہے۔ میں تو صرف شہر حبیب ﷺ کا ایک حقیر و ادنیٰ مدح خواں ہوں جسے رب ذوالجلال نے اپنے کمال لطف و کرم سے بار بار اس سعادت سے نوازا ہے کہ ۱۹۷۵ء سے آج تک اس شہر مقدس کی زیارت سے بہرہ ور ہوتا آ رہا ہوں۔ یہ سعادت سال میں کبھی ایک یا دو بار کبھی ہر ماہ یا کبھی پندرہ دن بعد مجھے میسر آتی رہی۔ اتنی کرم فرمائیوں کے باوجود واپسی میری کیفیت بھی ہر اس زائر مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً کی طرح ہو جاتی ہے جو لوٹتے وقت ایک طرف اپنے اندر ذوق و شوق کو اور بڑھتا محسوس کرتا ہے تو دوسری طرف وہ اپنے غمگین دل کے ساتھ دوبارہ لوٹ آنے کی تمنا لیے بوجھل قدموں سے رخصت بھی ہو رہا ہوتا ہے۔

مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسن　　　جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

میں جب بھی اس شہر حبیب ﷺ سے رخصت ہوا تو اشکبار آنکھوں کے ساتھ میرے دل نے صرف ایک ہی دعا کی: ”خدایا! ایں کرم بار دگر کن“۔ اس کی روح پرور اور مشک بیز فضائیں ہر آنے والے کے دل و دماغ پر محبت کی ایسی مہر لگا دیتی ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ وہ وہیں کا ہو رہے یا بصورت دیگر اسے وہاں بار بار حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوتی رہے۔ یہ شہر حبیب اور بلدۃ میمونہ اپنے آپ میں ایک مکمل کائنات ہے جس کی حرمت و تقدس کا یہ عالم ہے کہ اس کے کانٹے وکوہ اس کے شجر و حجر، اس کے چرند پرند، اس کی ہوائیں، اس کی فضائیں اور اس ارض طیبہ کی مٹی تک تقدس میں حرم نبوی شریف کا حصہ ہیں اور واجب الاحترام ہیں۔ فرمان مصطفیٰ ﷺ میں تو اس بات تک کی صراحت کر دی گئی ہے کہ اس کی مٹی میں شفاء ہے۔ اس کی سرزمین ان گنت آثار اور تبرکات نبوی کی امین ہے جن کی کڑی کسی نہ کسی طور پر سیرت مصطفوی ﷺ سے جڑی ہوئی ہے۔ تاریخ اسلامی کے مختلف سنگ میل انہیں آثار مبارکہ کی شکل میں آج بھی ہر زائر طیبہ کے دلوں میں ان سوانح طیبہ کی یاد تازہ کر دیتے ہیں جسے عرف عام میں سیرۃ مطہرہ رسول مقبول ﷺ کہا جاتا ہے۔

اسی پس منظر میں میرے دل میں عرصہ دراز سے یہ آرزو جنم لیتی رہی کہ اس رشک جناں شہر حبیب ﷺ کی تاریخ مدون کی جائے جس سے عامۃ المسلمین اور بالخصوص ایسے قاری مستفید ہو سکیں جو اپنے دلوں میں اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب و بیقرار رہتے ہیں۔ میں جب بھی مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو وقت نکال کر اسی تگ و دو میں لگا رہتا تھا کہ جو مواد بھی تاریخ مدینہ طیبہ پر مل سکے اسے جمع کیا جائے اور یوں برسوں کی جستجو سے کافی مواد (جن میں کتب کے علاوہ رسائل اور ویڈیو اور آڈیو کیسیٹس بھی شامل ہیں) جمع ہو جانے کے بعد اس قابل ہو گیا کہ انہیں یکجا کر کے کتابی شکل دی جائے مگر جب بھی لکھنے بیٹھتا تو محسوس ہوتا کہ مجھ میں تو اتنی استعداد ہی نہیں کہ میں اس کار عظیم کا تھوڑا سا بھی حق ادا کر سکوں۔ وقت اسی ناپختگی اور کم مائیگی کے مشکل مرحلے سے گزرتا رہا۔ آخر بیتابی تمنا نے حوصلہ بڑھایا اور ایک دن میں نے کوئے حبیب میں گنبد خضراء کے سائے میں لرزتے ہاتھوں کے ساتھ قلم اٹھایا اور رب ذوالجلال کے ہاں دعا گو ہوا کہ بار الٰہا! میری خامیوں پر نہ جا اور مجھے یہ سعادت بخش دے کہ میں کوئے حبیب ﷺ پر کچھ لکھ سکوں۔ میں اس بات کا برملا اعتراف کرتا ہوں کہ میری کاوشوں کے نتیجے میں لکھی جانے والی یہ کتاب کسی بھی معیار سے تاریخ مدینہ نہیں۔ ہاں اس کام میں حتی المقدور خلوص شامل ہونے کی وجہ سے میں اسے صرف 'جستجوئے مدینہ' کا نام دے سکا ہوں اور قارئین کرام سے درخواست گزار ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو جستجوئے شہر مصطفیٰ ﷺ کی ایک ادنیٰ سی کاوش سمجھیں اور اسے تاریخ مدینہ طیبہ پر محمول نہ کریں۔

پچھلے تیس اکتیس سالوں میں میرے دیکھتے دیکھتے ارض طیبہ میں بے شمار تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ عمرانی ترقی نے تو اس کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ شہر نبوی پورے کا پورا از سر نو بسایا گیا ہے۔ جس میں عصر حاضر کی ٹیکنالوجی سے مسلح طرز تعمیر نے تاریخی مدینہ طیبہ کے قدیم عمرانی دور کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ سوچتا ہوں کہ یہ تو صرف ایک چوتھائی صدی میں ہوا ہے مگر اس سے پہلے تاریخ مدینہ طیبہ پر کتنے ہی

اور ایسے ادوار آتے رہے ہوں گے کہ جب نئے انداز فکر اور نئی تعمیرات نے اپنے سے پہلی عمرانی روایات کی جگہ لے لی ہوگی۔ تاریخ مدینہ طیبہ کا ہر قاری اس بات سے واقف ہے کہ تاریخ کے دھارے میں شہر نبوی پر اچھا اور برے وقت بھی آئے، اس کے افق پر سیاسی نشیب و فراز بھی آئے، اس نے خلفائے راشدین سے لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور بھی دیکھا جب اس شہر نبوی ﷺ کی عمرانی ترقی پر بھرپور توجہ دی گئی اور پھر ایک ایسا دور بھی آیا کہ یزیدی دور میں اسی شہر نبوی ﷺ پر لشکر کشی کر کے نہ صرف اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی بلکہ اس کے راستوں پر جابجا کٹے ہوئے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کے سر لٹکتے نظر آتے تھے۔ مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھ کر اس کی حرمت و تقدس تک کو پامال کر دیا گیا لیکن بایں ہمہ اگر اس کے ماضی کا ہمہ گیر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سوائے چند معاندانہ واقعات کے عام طور پر ہر آنے حاکم نے مدینۃ النبی ﷺ کو سنوارنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سلاطین اسلام اور اُن بادشاہوں نے جن کی مملکتیں شرق سے غرب تک پھیلی ہوتی تھیں اپنے آپ کو ”خادم الحرمین الشریفین“ کہلوانے پر فخر کیا اور ان میں سے ہر ایک نے خدمت مدینۃ النبی ﷺ میں اپنے پیشرووں پر سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی“ سے لیکر عثمانی دور تک کتنے ایسے سلاطین آئے جنھوں نے شہنشاہ کہلوانے پر اپنے آپ کو ”خادم الحرمین الشریفین“ کہلوانے کو ترجیح دی۔(۱) سعودی دور میں بھی یہ رسم وفا شاہ فہد بن عبدالعزیز نے ”خادم الحرمین الشریفین“ کا خطاب اپنا کر نبھائی ہے۔ موجودہ دور میں تو صحیح معنوں میں مدینہ طیبہ کی کایا پلٹ گئی ہے اور قدیم عمرانی ہیت کو یکسر بدل کر رکھ دیا گیا ہے۔ کسی بھی زائر کو اگر پچھلی دو دہائیوں کے بعد مدینہ طیبہ کی دوبارہ حاضری نصیب ہوئی ہو تو وہ یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ آخر اس شہر نبوی شریف کو کیا ہو گیا ہے۔ صرف چند مربع میل میں پھیلا ہوا قدیم مدینہ طیبہ اب کہاں سے ڈھونڈا جائے اب تو اس کا رقبہ ۵۸۹ مربع کیلومیٹر تک پھیل چکا ہے۔ قدیم زمانے سے موجود تنگ بل کھاتی گلیوں کی جگہ نئے اور وسیع سڑکوں کے جال بچھ گئے ہیں، قدیم مہمان خانوں اور کارواں سراؤں کی جگہ کثیر المنزلی فائیو سٹار ہوٹلوں نے لے لی ہے۔ مسجد نبوی شریف کے ارد گرد کے محلے اور بازار یکسر ختم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ بلند و بالا پلازے سر اٹھائے کھڑے نظر آتے ہیں۔ قدیم تنگ سڑکیں جہاں گھنٹوں ٹریفک رکی رہا کرتی تھی اب دو رویہ وسیع سڑکیں، پل، سرنگیں اور فلائی اوور بن چکے ہیں جہاں شب و روز گاڑیوں کے قافلے اپنی پوری رفتار سے رواں دواں نظر آتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی دکانوں اور بقالوں کی جگہ عظیم الشان تجارتی مرکزوں نے لے لی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جہاں ماضی میں صرف چند ہزار حجاج کرام اور زائرین مدینہ طیبہ کی زیارت سے بہرہ ور ہوا کرتے تھے اب جدید مواصلات کی سہولیات میسر ہو جانے سے ان کی تعداد رمضان المبارک اور حج کے مواسم میں بیس سے تیس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

عصر حاضر کا مدینہ منورہ

ماضی اور حال کا سب سے بڑا محیر العقول تغیر تو خود مسجد نبوی شریف میں رونما ہوا ہے جہاں دو دہائیاں پہلے صرف چند ہزار نفوس بیک وقت نماز ادا کر سکتے تھے مگر اب ایک اجتماع میں پانچ لاکھ سے زیادہ فرزندان توحید اس کے سائبان رحمت تلے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ فصیل شہر کے اندر موجود قدیم شہر نبوی ﷺ پورے کا پورا مسجد نبوی شریف اور اس کے گرد کھلے علاقوں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس مرکز تجلیات کے گرد

(۱) یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جب سلطان یاوز سلیم خان نے مصر کو ۹۲۳ ہجری (۱۵۱۷ء) میں فتح کیا تو انہوں نے اپنے ایک خوشامدی صاحب کو یہ کہہ کر چپ کروا دیا جس نے سلطان کے لیے یہ خطاب تجویز کیا تھا کہ مسجدوں میں خطبوں کے دوران انہیں ”سلطان الحرمین“ کے لقب سے پکارا جانا چاہیے: ”میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوگی کہ مجھے حرمین الشریفین کا ایک ادنیٰ غلام کہا جائے لہٰذا مجھے آئندہ صرف خادم الحرمین کہا جائے“۔ اسی رسم وفا کو نبھاتے ہوئے شاہ فہد بن عبدالعزیز نے ”جلالۃ الملک“ کے شاہانہ لقب کی جگہ اپنے سر پر ”خادم الحرمین الشریفین“ کے لقب کا پروقار تاج سجا کر عالم اسلام میں اپنے وقار کو چار چاند لگائے ہیں۔

واقع کھلے علاقے اور شہری خدمات کے مواقع (Civic Services) اتنی کثرت سے تعمیر کر دیے گئے ہیں کہ آئندہ کئی دہائیوں تک بڑھتے ہوئے بحر حجاج کی ضروریات پورا کرسکیں گے۔ چھوٹے شفاخانوں اور ڈسپنسریوں کی جگہ جدید آلات سے مزین بڑے بڑے ہسپتالوں نے لے لی ہے۔ تنگ و تاریک مدرسوں کی جگہ جنہیں صرف چند مخیر حضرات چندوں کی مدد سے چلایا کرتے تھے اب حکومت کے زیر اہتمام چلنے والے سمعی و بصری آلات سے مرصع وسیع و عریض سکول اور کالج معرض وجود میں آچکے ہیں۔ ماضی کے چھوٹے چھوٹے بستانوں کی جگہ خوبصورت پارکوں نے لے لی ہے۔ ایک طائرانہ نظر میں زائر کو شہر نبوی دور حاضر میں بسایا گیا ایک نیا شہر لگتا ہے۔ آج بھی اہل مدینہ طیبہ جنہوں نے چالیس سال سے زیادہ اس شہر حبیب میں گزارے ہیں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ پرانا مدینہ طیبہ تو اب صرف ایک خواب لگتا ہے۔

اس تمام عمرانی ترقی نے بہت سے تبرکات اور آثار نبوی ﷺ کے تاریخی آثار مبارکہ کو ہڑپ کر لیا ہے جو صدیوں سے تاریخ اسلام کے دیوانوں اور عشاق کی پیاس بجھاتے چلے آرہے تھے ان آثار مبارکہ کا وجود فیوض و برکات کے اس تسلسل کی ایک کڑی تھی جو کہ ہمارے حال کو ماضی سے منسلک کرتا تھا اور جس کی وجہ سے آج کا کم عمل مسلمان اپنے ماضی پر اتراتا نہیں تھکتا تھا۔ موجودہ کایا پلٹ ترقی کی کوکھ سے جنم لینے والے بلند و بالا پلازوں سے تاریخ اسلام تو مٹ نہیں سکی مگر اس کے آثار زیر خاک مدفون ہو کر رہ گئے ہیں جس سے یہ شہر مقدس اپنی روائتی تاریخیت کے ایک بہت ہی پر شکوہ اور روائتی عنصر سے محروم ہو کر رہ گیا ہے۔ جہاں ماضی میں زائر اپنی عظمت رفتہ کے سنگ ہائے میل اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دے لیا کرتا تھا وہاں آج اس قدیم تاریخ کے چوکھٹے میں عصر حاضر کے مدینہ کی تصویر آویزاں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو وہ تعریف کے پل باندھتا ہے مگر اگلے ہی لمحے آثار نبویہ شریف کے اتنی تعداد میں فقدان پر کف افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ حجاز کا عاشق زار اور تاریخ اسلام کی عظمت و سطوت کے گن گانے والا اقبال اگر آج کا مدینہ طیبہ دیکھتا تو یقیناً یہ شعر کبھی نہ لکھ پاتا:

آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

عشاق طیبہ آج بھی انہی گزرگاہوں سے گزرنا چاہتے ہیں جہاں جہاں محسن انسانیت سرکار دو عالم نے قدم رنجہ فرمائے تھے مگر جب ان گلیوں کے نشانات ہی معدوم کر دیے جائیں اور کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو سر پیٹنے کے سوا اور کیا چارہ کار رہ جاتا ہے۔ جہاں کبھی مقدس قبرستان ہوا کرتے تھے وہاں محلے کے بچے فٹ بال کھیلتے نظر آتے ہیں جہاں چند سال پیشتر تک متبرک تاریخی مساجد تھیں وہاں گاڑیاں پارک ہوتی ہیں۔ کسی بھی تہذیب یا شہر کے آثار قدیمہ اس کی عظمت و سطوت کو دلوں میں اجاگر کرنے میں جو کردار ادا کرتے ہیں وہ عصر جدید کے فلک بوس پلازے اور سکائی سکریپرز کبھی نہیں کرسکتے وہ اگر اشارہ کرتے بھی ہیں تو صرف اس کے روشن مستقبل اور مادی بقاء کی طرف جو ماضی سے یکسر کٹا ہوا نظر آتا ہے۔ لوگ سات عجائبات عالم کے ماضی کے جھروکوں سے جھانک کر ان عظیم تہذیبوں کے گن گاتے ہیں جنہوں نے انہیں بنایا تھا اور جن کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے۔ مگر انہیں محض ان تہذیبوں کی یادگار کی خاطر زندہ نہیں رکھا گیا بلکہ ان کو انسان کی اجتماعی عظمت رفتہ کا امین گردانا جاتا ہے۔ بگر وائے افسوس کہ مدینہ طیبہ کے سلسلے میں یہ زریں اصول نظر انداز کر دیا گیا اور طیرمہ، فصیل مدینہ طیبہ اور چھٹی صدی کے ماردینی رباط جیسے تاریخی شاہکار عمرانی ترقی کی بھینٹ چڑھا دیے گئے ہیں۔ ترقی زدہ فلک بوس عمارتیں کسی شہر کا مستقبل تو بن سکتی ہیں مگر ماضی اور تاریخ نہیں کہلا سکتیں۔ محبان شہر حبیب ﷺ کے لیے تو مدینہ طیبہ ایک ''ٹائم کیپسول'' سے کم نہیں جس کے روزن تاریخ سے جھانک کر انہیں اسلام کی سطوت رفتہ کے نقش پا ترو تازہ اور تو بہ تو نظر آتے ہیں۔ اسی کے افق سے وہ اپنے روشن مستقبل کا سورج طلوع ہوتے دیکھتے ہیں شائد یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان حجرہ ہائے مبارکہ کو مسمار کر کے مسجد نبوی شریف میں شامل کر دیا جن کی سادگی پر قیصر و کسریٰ کے پر شکوہ محلات رشک کرتے تھے اور جن پر تقدس و حرمت کا ہر انداز سو سو جاں سے نثار تھا تو وہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس وقت حیات تھے زار و قطار رو رہے تھے کہ اے کاش ان کاشانہ ہائے اقدس کو یونہی رہنے دیا جاتا تاکہ پتہ چلتا کہ شاہ

۱۹۰ء کی دہائی میں احد سے لی گئی مدینہ مصطفوی ﷺ کی ایک یادگار تصویر

لولاک سز کن فکاں اور سید الانس و جاں ﷺ کا کاشانہ اقدس کتنا سادہ تھا۔

درحقیقت مدینہ طیبہ کا معاملہ ہی کچھ اور ہے اس کا ماضی اسلام کی سطوت و رعنائی کا امین ہے جس کے تاریخی نقش و نگار اسلام کے حال و مستقبل کے ماتھے کے جھومر ہیں۔ اس کے عمرانی ترقی کے نشیب و فراز سے تو تاریخ نوع انسانی جڑی ہوئی ہے جیسا کہ جان کائنات سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جب یروشلم آباد ہونے لگ جائے گا تو طیبہ اجڑنا شروع ہو جائے گا اور پھر جب طیبہ آباد ہوگا تو یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی یعنی مشیت ایزدی نے اسلام کی نشاط ثانیہ اور کفر و الحاد کی موت کے ناقوس کے بجنے کو ارض طیبہ کی عمرانیات سے منسلک کر دیا ہے۔ یہاں نوع انسانی کو تہذیب سے روشناس کرایا گیا؛ اسی گہوارے میں بنی آدم کی عظمت نے انگڑائیاں لے کر آنکھیں کھولیں اور اسے ہی عاصمة الدولة اسلامیه ہونے کا اولیں شرف حاصل ہوا۔ مدینہ طیبہ حب رسول مقبول ﷺ میں اس ارفع مقام پر فائز ہوا کہ حضور ختمی مرتبت خاتم النبیین ﷺ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے اس کے سر پر رفعتوں کے تاج سجا دیے کہ "والمدینه خیرٌ لھم لو کانوا یعلمون" اس کی ہر گلی میں اور اس کی ہر نکڑ پر ہماری تاریخ کے آثار ثبت تھے جو کہ صدیوں سے ہماری رہنمائی کرتے آرہے تھے مگر وائے افسوس کہ ان میں سے اکثر و بیشتر زیر زمین مدفون ہو چکے ہیں۔ اگر کوئی آثار نبویہ باقی بچ بھی چکا ہے تو وہاں ارباب اختیار کسی کو جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ جتنی سرعت کے ساتھ مدینہ طیبہ جدید ترقی کی شاہراہ پر چلا ہے اسی رفتار سے یہ تاریخی آثار بھی معدوم ہوتے گئے ہیں اور اس رفتار سے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں کہ باقی کے چند بچے کھچے آثار کتنی دیر مزید زندگی کا سانس لے سکیں گے۔ اگرچہ ایک عرصہ سے ان تاریخی آثار مقدسہ کی حفاظت کے لیے ایک شاہی فرمان موجود ہے مگر اس کی تنفیذ کرنے والے ارباب حل و عقد ان آثار مبارکہ کی حفاظت کی بجائے شہر نبوی کو یورپ کے ترقی پذیر ممالک کی صف اول میں کھڑا کرنے کے درپے ہیں۔ اس دیوانہ پن نے اسلامی میراث کی اہمیت کا

نظریہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور اس کی نگہداشت کی بجائے نظریہ ضرورت اور مصلحت عامہ کو ترجیح دی جانے لگی ہے۔ بصرف تین جگہوں پر ایسے بورڈ لگائے گئے ہیں جن میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ انتہائی اہمیت کے حامل تاریخی آثار ہیں، مگر بدقسمتی سے ان تینوں جگہوں پر یہود کا دعویٰ ہے کیونکہ مدینہ طیبہ سے نکالے گئے یہود ڈیڑھ ہزار سال پہلے وہاں بستے تھے اور یونیسکو کے ذریعے مملکت سعودی عرب ان آثار کی حفاظت پر مامور ہے۔ یہاں پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کے سفر نامہ ارض القرآن کے یہ الفاظ دہرائے بغیر نہیں بنتی جو کہ اگرچہ انہوں نے مکۃ المکرمہ کے آثار مقدسہ ضائع ہونے پر لکھے تھے مگر مدنی آثار پر بھی اتنے ہی لاگو ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی جائے پیدائش کے بارے آپ لکھتے ہیں:

"....یہ گھر جس کی تاریخ اسلام میں یہ حیثیت اور اہمیت ہو، اس کا سرے سے نام و نشان مٹ جانا ہمارے لیے انتہائی روحانی اذیت کا باعث ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا کوئی بھی ایسی اسکیم نہیں بن سکتی تھی کہ یہ گھر اپنی جگہ قائم رہتا اور سڑکوں اور دکانوں کو کسی اور طرح سے تعمیر کر لیا جاتا؟.... مگر اب ہم وہاں کیا دیکھتے؟ افسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ تاریخی آثار سے سعودی حکومت کا تغافل ایک ایسی چیز ہے جو عرب کی سیاحت کرنے والے ہر شخص کو بری طرح کھٹکتی ہے۔ مشرکانہ افعال کو روکنا بالکل برحق، مگر اسلام کے نہایت قیمتی آثار تاریخ کو ضائع کرنا کسی طرح درست نہیں"

ان چند سطور کے لکھنے سے ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ مدینہ طیبہ کو اس کی قدیم حالت پر ہی رہنے دیا جاتا اور اس کی عمرانیات کو عصر حاضر سے ہم آہنگ نہ کیا جاتا یا یہ کہ اسے عصر حاضر کی سہولتوں سے بہرہ ور ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اس کو خوبصورت رکھنے کا حکم تو خود تاجدار مدینہ سرکار ختمی مرتبت ﷺ نے دیا ہے اور عالی شان محلات تو بعض اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی تعمیر کر لیے تھے۔ ایسے میں دور جدید میں اہل مدینہ طیبہ کا عمرانی ترقی کے لیے استحقاق تو دوسروں سے زیادہ بنتا ہے۔ ہمارا مقصد وحید تو اس کا یا پلٹ تعمیر نو کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اس خلاء سے ہے جس کی وجہ سے آج کا زائر اس صحرائے بے کراں میں راہ گم گشتہ مسافر کی طرح رہ جاتا ہے جو منزل کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے مگر وہاں تاریخی آثار مبارکہ کی نہ کوئی منزل رہ چکی ہوتی ہے اور نہ ہی اس منزل کا سراغ۔ اس پر مستزاد یہ کہ کوئی اس کو راہ دکھانے والا بھی نہیں ملتا۔ یہی مشکل مدینہ طیبہ میں ہر اس زائر کو پیش آتی ہے جو آج کے مدینہ طیبہ میں اپنی میراث گم گشتہ کے سنگ ہائے میل ڈھونڈنے کی سعی لاحاصل کرتا ہے اور اسے یہ کہہ کر چپ کرا دیا جاتا ہے کہ ان کو دیکھنا تو ایک طرف ان کے متعلق سوچنا بھی شرک ہے۔ ان تمام تر مشکلات کے باوجود ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ جتنا بھی ممکن ہو سکے ان موجود اور معدوم دونوں قسم کے آثار نبویہ شریف کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جا سکیں جو کہ تاریخ مدینہ طیبہ کے آسمان کے درخشاں ستارے ہیں۔ اس تگ و دو میں ایک اور مشکل کا احساس بھی ہوا کہ لکھا ہوا مواد تو بکثرت مل جاتا ہے مگر قدیم تصاویر نایاب ہیں بایں ہمہ جہاں بھی ممکن ہو سکا ہم نے ان مقامات کی قدیم و جدید تصاویر سے ان کی تاریخی اہمیت اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ جہاں مدینہ طیبہ کے منور و تاباں ماضی کو اجاگر کریں وہاں ساتھ ہی اس کی عظمت حالیہ کی نقاب کشائی بھی کی جائے۔

بنیادی مآخذات کے طور پر ہم نے شہ بطحاء تاجدار مدینہ قرار قلب و سینہ آقائے دو جہاں ﷺ کی احادیث مبارکہ کو اولیت دی ہے، پھر مغازی اور سوانح رسول مقبول ﷺ کی طرف رجوع کیا ہے اور پھر اس کے بعد تاریخ خلافت راشدہ اور پھر مدینہ طیبہ کی اولیں مدون شدہ تاریخوں اور پھر اس کے بعد مشاہیر مورخین کے شہ پاروں کی طرف رجوع کیا ہے۔ میں نے ابن شبہ، ابن نجار، فیروز آبادی، مطری، مراغی، عباسی، برزنجی، محدث دہلویؒ اور سب سے زیادہ امام المورخین امام سمہودی رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی وفاء الوفاء کے شاہکاروں سے بھرپور خوشہ چینی کی ہے۔

تدوینِ تاریخ مدینہ کا مختصر جائزہ

اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے یہاں ہم اجمالاً 'تاریخ مدینہ طیبہ' کی تدوین کی تاریخ پر روشنی ڈالنا چاہیں گے کہ اس جوہر بے کراں کے حالات و واقعات کو آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کرنے میں کن کن مشاہیر نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس شہر مقدس کے پہلے مورخ تو خود اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جنہوں نے احادیث مبارکہ کے جواہر ہائے بے پایاں کو روایت کیا اور یوں دیگر باتوں کے علاوہ مدینہ طیبہ کے اس کردار کو اجاگر کیا جو نسبت رسول مقبول ﷺ کے فیض بیکراں سے گمنامی کے دھندلکوں سے نکل کر آفتاب عالم تاب کی طرح افق عالم پر طلوع ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس بام شہرت پر پہنچ گیا کہ دنیا کے اس وقت کے بڑے بڑے دارالسلطنت اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ 'اکالۃ القریٰ' کے ماہ تمام نے قیصر و کسریٰ کے دارالسلطنتوں کو گہنا کر رکھ دیا تھا یوں مدینہ طیبہ کے اولین مورخین خود اس کے مؤسس اور خالق تھے جنہیں ہم اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا کہ مدینہ طیبہ ریاست اسلامیہ کا مرکز قوت اور عاصمۃ الاسلام تھا۔ اس کے بعد کے مرحلے میں یہ مشعل تابعین اور تبع تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جلائے رکھی جنہوں نے نہ صرف احادیث مبارکہ کو محفوظ اور روایت کیا بلکہ اپنے دور کی حکومتوں کے مدینہ طیبہ کے ساتھ سلوک اور روابط کو بھی قلمبند کیا۔

اس نقطہ نظر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پہلی صدی ہجری تاریخ مدینہ طیبہ کے لیے ایسے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے جس کے دوران اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں بوئے ہوئے علم و عرفان کے شجر نے ثمر باری شروع کر دی تھی اور مدینہ طیبہ کی گلی گلی میں رشد و ہدایت کے سوتے پھوٹنے لگے تھے۔ نور ہدایت کے ان علمبرداروں میں زیادہ تر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صاحبزادے اور تلامذہ شامل تھے: مثلاً حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ، حضرت خارجہ بن زید بن حارثہؓ اور حضرت سعید بن المسیبؓ وغیرہ جن کی انتھک مساعی جمیلہ سے دین اسلام کا نور ایک منظم تحریک کی شکل میں دور دور تک ہر اس علاقے میں پہنچ گیا جو کہ ریاست اسلامیہ کے تسلط میں آ چکا تھا۔ ریاست اسلامیہ اس وقت کی دنیا کے ۶۰٪ حصہ پر محیط ہو چکی تھی۔ سب سے پہلا مغازی اور سیرۃ رسول اللہ ﷺ پر تحریری کام اسی دور میں ہوا۔ اس مرحلے پر سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور تاریخ مدینہ طیبہ میں ایک خاص ربط پایا جاتا ہے۔ یوں سیرۃ رسول مقبول ﷺ کے ساتھ ساتھ مدینہ طیبہ کی سماجی، ثقافتی اور سیاسی تاریخ بھی از خود اجاگر ہوتی گئی۔ اس کے بعد اگلی نسل نے عرق ریزی کر کے واقعات کی ممکنہ جانچ پڑتال کر کے ان کو مزید وسیع بنیادوں پر مدون کرنا شروع کر دیا جو کہ بعد میں آنے والے مورخین کے لیے اصول ماخذ بن گئے۔ ان تمام ابتدائی کاوشوں کو ہم صرف تاریخ مدینہ طیبہ تو نہیں کہہ سکتے لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ بعد میں آنے والے وقتوں میں لکھی گئی سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور سوانح اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اساس اور بنیاد ٹھہریں۔ انہیں ابتدائی کاوشوں نے آنے والی صدی میں تابعین اور تبع تابعین کرام کے افکار کو مہمیز دی

اور یوں با قاعدہ طور پر علم حدیث، علوم قرآن اور سیرۃ سید المرسلین ﷺ کی بنیاد پڑ گئی. انہی علوم کی ایک شاخ کے طور پر تاریخ مدینہ طیبہ نے جنم لیا جس کے اصل ماخذ انہیں موارد (Original Sources) سے سینچے گئے تھے. دوسری صدی ہجری تاریخ اسلام میں اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں اسلامی فقہ کی عمارت مضبوط ستونوں پر قائم ہوئی. دیگر کامیابیوں کے علاوہ اسلامی قانون اور فقہ مدون ہو گیا جس میں بے شمار مشاہیر آئمہ کرام کے علاوہ سات مدنی تابعین فقہاء کے ساتھ ساتھ امام مالک بن انسؒ، امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی کاوشوں کا عمل دخل سب سے زیادہ تھا. یہ سب کے سب آئمہ فقہ و شریعت اور بانیان طریقت مدینہ طیبہ کی پر کیف فضاؤں میں پلے بڑھے تھے اور اس کے تقدس و فضائل کے گن گاتے نہ تھکتے تھے. اس کے ساتھ ہی ساتھ اسی صدی نے ہمیں ابن اسحاق اور دیگر اصحاب کی مدون کردہ سیرۃ رسول اللہ ﷺ کا تحفہ دیا جس سے ان حالات و واقعات پر روشنی پڑتی ہے جن میں سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ مدینہ طیبہ کا کردار اجاگر ہوتا ہے. تیسری صدی ہجری اس معاملے میں سب سے زیادہ سبقت لے گئی کیونکہ اس میں بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد امام بخاریؒ اور دیگر آئمہ حدیث کے ہاتھوں تدوین حدیث مبارکہ کا کام مکمل ہو گیا. آئمہ حدیث کے علاوہ اس صدی نے اسلامی دنیا کے صف اول کے مورخین کو جنم دیا جن میں ابن سعدؒ (ولادت: ۱۶۸ ہجری)، واقدی (ت: ۲۰۷ ہجری) اور الطبری (ت: ۳۱۰ ہجری) شامل تھے. ان کے شاہکار دراصل دوسری اور تیسری صدی ہجری کی مجموعی کاوشوں کا ثمر ہیں. جہاں ان صف اول کے مورخین کے شاہپارے تاریخ اسلامی کی اساس سمجھے جاتے ہیں وہیں ان میں بیان کردہ اکثر واقعات بالواسطہ یا بلاواسطہ مدینہ طیبہ سے بھی متعلق ہونے کی وجہ سے اس شہر آرزو پر بھی بھرپور روشنی ڈالتے ہیں. دوسری صدی ہجری میں ہی بعض اہل علم نے تاریخ مدینہ طیبہ پر مستقل کتابیں تصنیف کرنی شروع کر دی تھیں جن میں امام مالکؒ کے تلمیذ ابن زبالہ سرفہرست تھے.

پہلی دو یا تین صدیوں کے مورخین کی اکثر کتب تو اب ناپید ہیں لیکن چونکہ ان کی کتب سے بعد میں آنے والے مورخین نے جی بھر کے خوشہ چینی کی، ان کی نگارشات کافی حد تک دوسروں کی کتب میں محفوظ ہو گئی تھیں. خوش قسمتی سے چونکہ ان متاخرین مورخین کی کتب وقت کی دستبرد سے بچ گئی تھیں اس لیے ان دوسری صدی کے مصنفین کی کاوشیں ضائع ہونے سے بچ گئیں. قارئین کرام کے استفادے کے لیے ہم تاریخ مدینہ طیبہ کے بانیوں کے متعلق ایک سرسری سا جائزہ ذیل میں ترتیب وار پیش کرنا چاہیں گے:

(۱) **عبدالعزیز بن عمران الزہری المدنی (ت: ۱۹۷ ہجری)**: انہیں عام طور پر ابن ابی ثابت الاعرج کہا جاتا ہے. انہیں مدینہ طیبہ کے سب سے پہلے مورخ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے. ان کی مدون کردہ تاریخ تو بہت عرصہ پہلے ضائع ہو چکی ہے مگر بعد میں آنے والے مورخین نے (بالخصوص ابن شبہ وغیرہ) ان سے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں.

(۲) **محمد بن الحسن بن زبالہ المخزومی المدنی المشہور بہ ابن زبالہ**: یہ حضرت امام مالک بن انسؒ کے تلمیذ تھے اگرچہ روایت حدیث میں محدثین کے نزدیک ان کا اتنا مقام نہیں ہے مگر تاریخ مدینہ طیبہ کے نقطہ نظر سے ان کی روایات کو ثقہ سمجھا جاتا ہے. ان کی تاریخ مدینہ بعنوان "اخبار المدینہ" جو کہ انہوں نے ۱۹۹ ہجری میں مدون کی تھی جو ضائع ہو چکی ہے. جس میں انہوں نے ان تمام آثار مبارکہ کو بالتفصیل بیان کیا تھا جو کہ ان کے دور تک محفوظ و مشہور تھے. لیکن چونکہ ابن شبہ، ابن نجار اور امام سمہودیؒ نے ان کی روایات کو من و عن نقل کیا ہے اس لیے یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان کی روایات کافی حد تک محفوظ ہیں ان کی تاریخ مدینہ امام سمہودیؒ کے زیر استعمال رہی تھی مگر جب ۸۸۶ ہجری میں مسجد نبوی شریف آگ کی لپیٹ میں آ گئی تو ان کی دیگر کتب کے علاوہ یہ انمول تاریخ مدینہ طیبہ بھی آگ کی نذر ہو گئی تھی.

(۳) **محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰ـ۲۰۷ ہجری)**: جلیل القدر اصحابی حضرت سعد ابن معاذؓ کے پڑپوتے تھے. الواقدی نے کتاب المغازی رسول اللہ ﷺ مدون کر کے اپنا نام جریدہ تاریخ اسلام پر ثبت کر دیا. امام سمہودیؒ کے بیان کے مطابق انہوں نے ایک مستقل کتاب "کتاب الحرہ" بھی لکھی تھی جس میں یزید پلید کی مدینہ طیبہ پر فوج کشی کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا تھا. اس کتاب کا واحد نسخہ بھی ۸۸۶ ہجری میں نذر آتش ہو گیا تھا.

(۴) **ابی الحسن علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی (ت: ۲۱۵ ہجری)**: انہوں نے حرار المدینہ طیبہ میں سے "حرۃ الواقم" پر ایک رسالہ تحریر کیا تھا. اسی طرح ان کی ایک اور کتاب "اخبار المدینہ والجبال" بھی تھی.

(۵) **ابوبکر زبیر بن بکار (زبیر بن ابی بکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیرؓ متوفی: ۲۵۶ ہجری)** نے بھی تاریخ مدینہ طیبہ بعنوان "اخبار المدینہ" لکھی تھی جس میں ابن زبالہ کی تاریخ سے روایات منقول تھیں. وہ اپنے وقت میں مدینہ طیبہ کے جید علماء میں تصور ہوتے تھے. ان کا انتقال ۲۵۶ ہجری میں ہوا جب کہ وہ مکۃ المکرمہ میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے. تاریخ مدینہ طیبہ کے علاوہ انہوں نے ایک مستقل کتاب وادی العقیق پر بھی تحریر کی تھی جس کا عنوان تھا "العقیق واخبارہ" اس کے علاوہ ان کی دوسری کتاب "نوادر المدنیین" کے نام سے تھی. ایک اور کتاب "اخبار الاوس والخزرج" بھی تھی. ان کے ایک اور ہم عصر یحییٰ بن الحسن الحسینی المدنی (۲۱۴ـ۲۷۷ ہجری) نے بھی شہر حبیب پر ایک کتاب لکھی تھی مگر بدقسمتی سے یہ کتاب بھی ہم تک نہیں پہنچ پائی. تاہم ان کتب کے مخطوطے امام سمہودیؒ کے زیر استعمال رہے تھے مگر چونکہ ان کا تمام اثاثہ (قلمی نسخے) جل گیا تھا ان کے ساتھ یہ نادر کتب بھی ضائع ہو گئیں.

(۶) **ابوزید عمر بن شبہ النمیری البصری (۱۷۱ـ۲۶۲ ہجری)**، المشہور بہ ابن شبہ: مدینہ طیبہ کے یہ پہلے خوش قسمت مورخ ہیں جن کی کتاب وقت کی چیرہ دستیوں سے بچتی بچاتی ہم تک پہنچی ہے. اس کتاب کا اصل نام بھی "اخبار المدینہ" ہی رکھا گیا تھا. اس نادر زمانہ کتاب کے قلمی نسخہ کا معتد بہ حصہ محفوظ رہا ہے. مدینہ طیبہ کی شیخ مظہر نقشبندی (رباط مظہر علی جان جاناں نقشبندی) کی لائبریری کے نہاں خانوں سے نقل کر کے یہ کتاب چند صاحب ذوق علماء کی عرق ریزی سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور منصہ شہود پر نمودار ہو گئی. اسے "تاریخ المدینۃ المنورہ" کے نام سے طبع کیا گیا ہے اور یہ چار جلدوں میں دستیاب ہے. اس کے ابتدائی چند صفحات مفقود ہیں اور آخری حصہ بھی ناپید ہے مگر جہاں تک تاریخ مدینہ طیبہ کا تعلق ہے تو وہ حصہ کافی حد تک محفوظ ہے. اس کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک روایت حدیث مبارکہ کا علم سائنسی بنیادوں پر اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا اور یوں وہ احادیث مبارکہ جن کو اس کتاب میں نقل کیا گیا ہے وہ مروجہ طریقہ روایت کے عین مطابق ہیں جیسا کہ دیگر کتب احادیث میں پایا جاتا ہے.

(۷) **محمد بن حسن الشیبانی (ت: ۱۸۹ ہجری)**: ان کی تصنیف "کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ" محمد حسن گیلانی نے ۱۹۶۵ء میں حیدر آباد (ہند) سے شائع کی تھی.

(۸) **عبداللہ بن ابی سعد الوراق (۱۹۷ـ۲۸۴ ہجری)** وہ زبیر بن البکار اور ابن شبہ کے تلمیذ تھے. انہوں نے بھی ایک کتاب بعنوان: "کتاب المدینہ واخبارہا" کے نام سے لکھی تھی.

المدینۃ المنورۃ ۱۹۳۱ء

(۹) **علی بن احمد بن علی بن محمد بن جعفر بن عبداللہ بن الحسن بن علی ابن ابی طالبؓ (المشہور علی العقیقی)** نے "بین المسجدین" کے عنوان سے حرمین الشریفین پر کتاب تصنیف کی تھی

(۱۰) **ہارون بن زکریا الہجری (تیسری اور چوتھی صدی ہجری)** وہ طاہر بن یحییٰ الحسینی گورنر مدینہ طیبہ کے طلیق تھے وروادی العقیق میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے دیگر وادیوں کے علاوہ وادی العقیق پر بہت تفصیل سے ایک کتاب لکھی تھی۔

(۱۱) **حافظ رزین بن معاویہ العبدری الاندلسی (ت ۵۳۵ ہجری)**: وہ امام الحرمین الشریفین کے عہدے پر فائز رہے تھے ور مدینہ طیبہ کے متقدمین مورخین میں گنے جاتے ہیں ان کی کتاب کا عنوان "فی ذکر دار الہجرہ" اور "اخبار دار الہجرہ" تھا۔ المطری نے ان کی روایت سے بہت کچھ نقل کیا ہے

(۱۲) **حافظ محمد بن محمود (۵۷۸۔۶۴۱ ہجری)، المشہور "ابن نجار البغدادی"** انہوں نے تحقیق و تدقیق پر مبنی اپنی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ کو "درۃ الثمینہ فی اخبار المدینہ" کے نام سے مدون کیا یہ فن تاریخ نویسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی تاریخ مدینہ طیبہ ایجاز تحریر، فصاحت و بلاغت اور تاریخیت کا حسین امتزاج ہے فاضل مصنف نے جذبات کی بجائے صرف اور صرف تاریخی واقعات کا ذکر کرنا مناسب سمجھا ہے ان کے علاوہ ان کے ایک معاصر سیاح، ابی الحسین محمد بن احمد بن جبیر کنانی الاندلسی نے جو کہ تاریخ اسلام میں "ابن جبیر" کے نام سے جانے جاتے ہیں، ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی ور اپنی یادداشتیں اپنے سفرنامہ بعنوان "رحلۃ ابن جبیر" کے نام سے چھوڑی ہیں یہ کتاب تاریخ مدینہ طیبہ میں بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس کے مصنف نے دیار حبیب کے متعلق بیش قیمت معلومات مہیا کی ہیں جو کہ اس دور میں موجود آثار و مشاہد پر مبنی تھیں

(۱۳) **محمد احمد المطری (۶۷۱۔۷۴۱ ہجری)، المشہور جمال المطری**: "کتاب التعریف بما انست الہجرہ من معالم دار الہجرہ" ان کی تصنیف ہے۔

(۱۴) **ابی الیمن عبدالصمد بن عبدالوہاب بن عساکر الدمشقی المکی (۶۱۴۔۶۷۲ ہجری)**: ان کی تصنیف "اتحاف الزائر" میں تاریخ مدینہ منورہ پر کافی مواد شامل تھا

(۱۵) **عبداللہ بن محمد بن فرحون (۶۹۳۔۷۶۹ ہجری)**: ان کا شمار مدینہ طیبہ کے جید علمائے کرام میں ہوتا تھا اور وہ مدینہ طیبہ میں بہت دیر تک قاضی بھی رہے تھے مدینہ طیبہ کے علماء اور قضاء کے متعلق لکھنے کے علاوہ انہوں نے اپنے وقت کے مجاورین کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا اور ساتھ ہی ساتھ مدینہ طیبہ کے تاریخی مقامات کا تذکرہ بھی بہت تفصیل سے کیا ہے۔ ان کی کتاب "نصیحت المشاور و تعزیات المجاور" کے نام سے مشہور تھی

(۱۶) **تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی (ت ۷۵۶ ہجری)**: ان کی کتاب "تنزیل السکینہ علی قنادیل المدینہ" میں تاریخ مدینہ طیبہ پر کافی مواد موجود ہے تاہم ان کی تحریر میں تاریخیت کی بجائے جذباتیت اور فقہیت کا رنگ زیادہ پایا جاتا ہے

(۱۷) **محمد بن عبدالملک القرشی البکری المرجانی (ت ۷۸۱ ہجری)**: ان کی تاریخ مدینہ بعنوان "بہجۃ النفوس و الاسرار فی تاریخ دار ہجرۃ المختار" بہت مشہور ہے جس کا قلمی نسخہ مکتبۃ الحرم النبوی شریف میں محفوظ ہے۔

مدینہ منورہ ۱۹۳۰ء

(۱۸) **محمد بن احمد الاقشہری (ولادت: ۶۹۶ ہجری)**: انہوں نے بقیع غرقد پر ایک مستقل کتاب تحریر کی تھی جس کا عنوان "الروضہ الفردوسیہ فی اسماء من دفن فی البقیع" تھا

(۱۹) **زین الدین المراغی (۷۲۷۔۸۱۶ ہجری)**: المراغی نے اپنے دو مشہور پیش رووں (ابن نجار ور جمال المطری) کی تواریخ کا خلاصہ اپنی کتاب "تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرہ" میں پیش کیا ہے اور اپنے تبصروں سے ان کی آراء پر حاشیہ آرائی بھی کی ہے

(۲۰) **مجدالدین ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی الشیرازی الشافعی (۷۲۹۔۸۱۷ ہجری)** نے کئی جلدوں پر مبنی انسائیکلوپیڈیائی تصنیف "القاموس المحیط" تحریر کی جس میں سے ایک جلد صرف مدینہ طیبہ کے تاریخی مقامات پر مشتمل تھی جس کا عنوان "المغانم المطابہ فی معالم طابہ" تھا یہ کتاب اس وقت کے مدینہ طیبہ اور اس کے گرد و نواح میں واقع تاریخی مقامات پر ایک جید کتاب سمجھی جاتی ہے

(۲۱) **محمد بن ضیاء المکی (۷۸۹۔۸۵۴ ہجری)**: ان کی کتاب "البحر العمیق فی المناسک" میں مناسک حج و زیارت کے علاوہ مدینہ طیبہ کے تاریخی مقامات پر تفصیل مہیا کی گئی تھیں

(۲۲) **محمد بن محمد بن احمد بن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، المشہور بہ ابن ضیاء المکی**: ان کی کتاب "تاریخ مکۃ المشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریف" بھی تاریخ مدینہ طیبہ میں ایک گراں قدر اضافہ تصور ہوتی ہے

(۲۳) **محمد بن عبدالرحمن السخاوی (۸۳۱۔۹۰۲ ہجری)**: انہوں نے اپنی کتاب "تحفۃ اللطیفہ فی تاریخ المدینۃ الشریفہ" میں اس وقت تک لکھی گئی تواریخ مدینہ طیبہ کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ وہ پہلے مصنف تھے جنہوں نے تاریخ مورخین مدینہ طیبہ مدون کی تھی اور ان کی تحریروں پر ناقدانہ رائے زنی کی تھی

(۲۴) **امام علی بن عبداللہ بن احمد الحسنی السمہودیؒ (۸۴۴۔۹۱۱ ہجری)، المشہور بہ سمہودیؒ**: ان کا تعلق شافعی مکتب فکر سے تھا ور وہ بیس سال سے بھی زیادہ عرصہ تک مسجد نبوی شریف میں اسی فقہ کے امام رہے تھے انہوں نے اپنی شہرہ آفاق انسائیکلوپیڈیائی تاریخ مدینہ طیبہ برسوں کی تحقیق و تدقیق کے بعد لکھی جس میں تاریخ مدینہ طیبہ پر احادیث مبارکہ سے لے کر اپنے تمام پیش رووں کے خیالات اور بیانات کو جمع کر دیا تھا۔ ان کی اصلی کتاب "الاقتضاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" تو اس حادثاتی آتش زنی میں ضائع ہو گئی تھی جس نے ۱۳ رمضان المبارک ۸۸۶ ہجری کو مسجد نبوی شریف اور اس کے گرد و نواح کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ان کا حاصل عمر جل جانے سے ان کا کیا حال ہوا ہو گا یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں، مگر اس مرد جری نے ہمت نہ ہاری، اور وہ اپنی فردوس گم گشتہ کی تلاش میں نکل پڑے اور اس وقت تک دم نہ لیا جب تک کہ اس کا بدیل تخلیق نہ کر لیا یہ کتاب پہلی کتاب سے حجم میں کچھ کم رہی مگر پھر بھی اپنی ہیئت میں اسی شکل میں تاریخ مدینہ طیبہ پر سب سے ضخیم اور گراں قدر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کا نام "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" ہے قارئین کی سہولت کے لیے انہوں نے اس کتاب کی تلخیص "خلاصۃ الوفاء" کے نام سے تحریر کی تھی یہ دونوں گراں مایہ کتب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے خلاصۃ الخلاصہ بھی تحریر کی تھی جس کا عنوان تھا "ذروۃ الوفاء باخبار المصطفیٰ" اس کا قلمی نسخہ مکتبۃ الحرم المکی میں موجود ہے۔

(۲۵) **ابن حجر المکی الہیثمی (ت:۹۷۴ہجری)** ان کی کتاب "الجوہر المنظم فی زیارت القبر المکرم" اور ب زیارت رسول مقبول ور قبر اطہر پر حاضری کے سلسلے میں ایک بہت ہی معیاری کتاب سمجھی جاتی ہے

(۲۶) **شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ محدث دہلویؒ (ت:۱۰۵۲ہجری):** نے "جذب القلوب الی دیار المحبوب" فارسی زبان میں تحریر کی تھی۔ پاک و ہند میں اردو زبان میں اس کے بہت سے تراجم چھپ چکے ہیں انہوں نے اس کتاب کو ۹۹۸ ہجری میں مدینہ طیبہ میں لکھنا شروع کیا تھا ور ۱۰۰۱ ہجری میں دہلی میں مکمل کیا س کتاب میں انہوں نے امام سمہودیؒ کی خوشہ چینی کرنے کے علاوہ آثار مبارکہ کی شرعی اور فقہی حیثیت پر عالمانہ رائے زنی کی ہے اور یہ کتاب عشاق مدینہ طیبہ کے لیے ایک گراں قدر تحفے سے کم نہیں

(۲۷) **الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی (ت:۱۰۳۵ہجری):** انہوں نے "عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار" تحریر کی ان کی معلومات کا زیادہ تر انحصار امام سمہودیؒ پر ہے، ور عمدۃ الاخبار ایک لحاظ سے وفاء الوفاء کا خلاصہ معلوم ہوتی ہے جس پر حاشیہ آرائی کرکے انہوں نے امام سمہودیؒ کے بعد میں وقوع پذیر ہونے والے حوادث وواقعات کے متعلق قاری کو مزید معلومات بہم پہنچائی ہیں یہ کتاب گیارھویں صدی ہجری تک کی معلومات فراہم کرتی ہے۔

(۲۸) **السید محمد کبریت الحسینی المدنی (ت:۱۰۷۰ہجری):** مدینہ طیبہ کے فضائل ومحاسن مفصل بیان کرنے کے علاوہ فاضل مصنف نے مختلف تاریخی مقامات پر اپنی کتاب بعنوان "الجواہر الثمینہ فی محاسن المدینہ" میں اپنے دور میں ان کی حالت پر روشنی ڈالی ہے

(۲۹) **السید جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی (ت:۱۳۰۷ ہجری):** مشہور برزنجی شیخ کے پوتے تھے جنہیں مدح رسول اللہ ﷺ میں مشہور عام قصیدہ برزنجیہ لکھنے کا شرف حاصل ہے۔ جس میں سرور کائنات ﷺ پر صلوۃ وسلام پیش کیا ہے۔ جو کہ پوری عالم عرب میں محافل میلاد میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ فاضل مصنف کے آباؤاجداد کردستان کے شہر برزنج سے مدینہ طیبہ نقل مکانی کرکے آباد ہوگئے تھے اور عثمانی دور میں بقیع الغرقد میں واقع مزارات وقبہ جات کے مجاور تھے ور سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ انہوں نے سلطان عبدالمجید کی درخواست پر مسجد نبوی شریف پر ان کے ہاتھوں تعمیر نو پر تاریخ مسجد نبوی شریف لکھی تھی جس کا عنوان تھا "نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین" س کتاب کا دیباچہ سلطان عبدالمجید نے خود لکھا تھا موجودہ شکل میں یہ کتاب بغیر دیباچے کے مصر سے طبع ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں مسجد نبوی شریف کے علاوہ تاریخ مدینہ طیبہ کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

(۳۰) **علی بن موسیٰ آفندی:** عثمانی حکومت میں مدینہ طیبہ میں مقیم ایک اہم عہدیدار تھے جن کو سرکاری طور پر مامور کیا گیا تھا کہ وہ مدینہ طیبہ میں واقع تاریخی مقامات کے متعلق ان کی اہمیت اور محل وقوع اور ان کی اس وقت میں موجودہ حالت پر تفصیلات مدون کریں لہذا انہوں نے اپنا مختصر سا رسالہ بعنوان "وصف المدینۃ المنورۃ فی ۱۳۰۳ ہجری (۱۸۸۵ء)" مدون کیا جو کہ ترکوں کے آخری ایام میں مدینہ طیبہ کی عمرانی، اثری اور تاریخی حیثیت پر جامع تبصرہ ہے یہ رسالہ سعودی تاریخ دان حمد الجاسر نے شائع کیا تھا

(۳۱) **ایوب پاشا صابری:** ان کی تاریخ الحرمین اپنے سلسلے کی وہ اولین کاوش تھی جس میں حرمین الشریفین کی باتصویر تاریخ مدون کی گئی تھی وہ ترک دور میں شیخ الاسلام تھے ان کی یہ کتاب ترکی زبان میں "مرآۃ الحرمین" کے نام سے ۱۳۰۶ ہجری میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی ترکی زبان میں ہونے کی وجہ سے عام طور پر جدید مورخین اس سے استفادہ کرنے سے محروم رہے ہیں

۱۹۰۸

(۳۲) آخر میں ہم ان سفرناموں اور حرمین شریفین کے تذکروں کا ذکر کرنا بھی چاہیں گے جنہوں نے مختلف صدیوں میں بہت ہی نادر معلومات آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کی تھیں۔ ان میں دوست ودشمن سب کی یادداشتیں شامل ہیں جہاں ابن جبیر اور اولیا چلپیؒ جیسے مشاہیر سیاحوں کے گراں قدر سفرنامے اس سلسلے میں ہمیں ضروری معلومات فراہم کرتے ہیں وہاں برطانوی اور سامراجی جاسوسوں (مثلاً رچرڈ برٹن، برکہارٹ اور ہیری سانٹ جون فلبی وغیرہ) کی یادداشتیں بھی کم اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔

یہ سرسری ساخاکہ صرف ان مشاہیر ساتذہ کی کاوشوں پر مشتمل ہے جن کی تصنیف تاریخ مدینہ طیبہ کے طویل سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں مگر اس مختصر سے جائزے کو حتمی نہ سمجھا جائے کیونکہ اس کا مکمل احاطہ کرنا کسی ایک فرد کے بس کی بات نہیں۔ علامہ سخاوی (ت ۹۰۲ ہجری) کی کتاب "التحفۃ اللطیفہ" کی طرح عصر حاضر میں بھی اس معاملہ پر بہت خامہ فرسائی ہوئی ہے اور دکتور عبداللہ عسیلان (المدینۃ المنورہ فی آثار المولفین والباحثین قدیما وحدیثا) وغیرہ نے تحفہ لطیفہ کے بعد لکھی جانے والی تواریخ مدینہ طیبہ کا احاطہ کیا ہے مگر ان میں زیادہ تر ان کتابوں کو شامل کیا گیا ہے جو کہ عربی زبان میں تھیں یا پھر دیگر زبانوں کے ان اکادکا قلمی نسخوں کا سرسری جائزہ ہے جو کہ مملکت سعودی عرب کے کسی نہ کسی کتب خانہ میں موجود ہیں ان مشاہیر کے علاوہ اور بھی بہت سی تواریخ ابھی تک مختلف لائبریریوں اور کتب خانوں کی الماریوں اور نہاں خانوں کی زینت ہیں جن میں سے کثر وبیشتر قلمی نسخوں اور مخطوطوں کی صورت میں ہیں تاریخ مدینہ طیبہ کے علاوہ اگر صرف فضائل مدینہ طیبہ کو موضوع بنایا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس موضوع پر ہی بہت ضخیم کتب لکھی گئی ہیں جن میں سب سے پہلے مشہور تابعی حضرت حسن البصری کی کتاب ہے اس کے بعد مشاہیر علماء کرام نے مختلف ادوار میں فضائل ومحاسن مدینہ طیبہ اور آداب زیارت خیر الانام ﷺ پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں جو ہر زبان ور زمان میں لکھی گئیں۔ مدینہ طیبہ کی ادبی کلب نے صرف مدینہ طیبہ کے نہاں خانوں میں غیر مطبوعہ قلمی نسخوں کی ایک فہرست شائع کی ہے جس میں ایک سو منتخب نسخوں کے متعلق تفاصیل مہیا کی ہیں جو کہ (Medina al-Munawwara in Hundred Manuscripts) کے نام سے طبع ہوئی ہے ان تاریخی کتب کے علاوہ سب سے اہم وہ احادیث مبارکہ ہیں جن پر مشتمل مستقل ابواب ہمیں صحیح بخاری شریف یا صحیح مسلم یا الموطاء امام مالکؒ میں ملتے ہیں تاریخ مدینہ طیبہ کے علاوہ محاسن وفضائل مدینہ طیبہ بذات خود ایک ایسا مستقل موضوع رہا ہے جس پر صحاح ستہ ور مختلف محدثین (مثلاً مفضل الجندی وغیرہ) سے لے کر ابن الجوزی جیسے علماء نے ضخیم کتابیں قلمبند کی ہیں ابن عساکر (الاتحاف الزائر واطراف المقیم للسائر) جیسے علماء نے ضخیم کتابیں قلمبند کی ہیں ابن عساکر (الانباء المبینۃ عن فضل المدینۃ)، شیخ محمد بن احمد الحصنی الشاذلی (اربعون حدیث فی فضائل المدینہ) ور دیگر مشاہیر علمائے کرام نے ان احادیث مبارکہ کا احاطہ کیا ہے جو کہ فضائل مدینہ طیبہ میں وارد ہوئی ہیں بیسویں صدی تو اس معاملے میں ماضی پر سبقت لے گئی ہے ور شہر نبی ﷺ پر اتنی کتابیں اس صدی میں قلمبند ہوئی ہیں جتنی کہ پہلی کسی ایک صدی میں نہیں لکھی گئی تھیں عہد حاضر کے مدینۃ النبی میں ہی اتنے مورخین ہوئے ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور اور قابل ذکر

استاذ عبدالقدوس الانصاری، الشیخ غازی شنقیطی، خاندان خیاری، سید عبید مدنی و ابراہیم احمد العیاشی ہیں اس معاملے میں مدینہ طیبہ کی دینی کلب کی مساعی قابل قدر ہیں۔ یہ تو صرف عربی زبان میں تاریخ مدینہ طیبہ پر چند کتب کا ذکر ہے دیگر زبانوں میں متعلق مدینہ طیبہ نے جو کتب تحریر کی ہیں ان کا احاطہ کرنا ہی محال ہے ہر ملک کی ہر علاقائی زبان میں بیشمار کتابیں ضبط تحریر میں لائی جا چکی ہیں

ہم اس بات کی مزید وضاحت کرنا چاہیں گے کہ دوران مطالعہ کئی مراحل پر ہمیں ایک دوسرے سے متضاد اور متصادم روایتوں اور نظریات سے واسطہ پڑتا رہا ہے اگرچہ ایسے مواقع شاذونادر ہی آئے ہیں کہ کسی ایک معاملے پر متقدمین کی آرا میں شدید اختلاف پایا گیا، مگر ہم نے ان تمام معاملات میں غیر جانبداری اور توازن قائم رکھنے کے لیے صرف ان مشاہیر کے اقوال اور بیانات کو ترجیح دی ہے جو کہ نہایت ہی ثقہ اور صاحب الرائے سمجھے جاتے ہیں تاہم ان تمام مخلصانہ کاوشوں کے باوجود ہمیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ غیر ارادی طور پر یا علمی کم مائیگی کی وجہ سے بہت سے ایسے موضوع ہیں جو کہ ابھی مزید تشنہ تحقیق ہوں گے اور ہماری قارئین کرام سے درخواست بھی ہوگی کہ جہاں کہیں وہ ہماری معلومات میں کوئی سقم پائیں ہمیں اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ضروری اضافہ اور تصحیح کی جا سکے

اختتام سے پہلے ہم اپنے ان تمام کرم فرماؤں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے نہ صرف تحقیق و تدقیق کے مختلف مراحل پر کتب اور اپنی قیمتی آراء سے مستفید فرمایا بلکہ بہت سے معاملات پر اس ادنیٰ ترین خادم مدینہ طیبہ کی رہنمائی بھی فرمائی اس معاملے میں ہم اپنے محترم سید جناب مدین جلال پاشا قادری صاحب، برادرم جناب ملک عبدالرشید صاحب، برادرم جناب محمد طفیل بھٹی مدنی صاحب، اخی الکریم جناب احمد نواز نیازی صاحب کے شکر گزار ہیں۔ جناب محمد ظفر اقبال نظامی صاحب (ایمن آباد) جنہوں نے بڑی محبت سے پروف خوانی فرمائی اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں میں برادرم سید وسیم علی سہروردی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب کی ڈیزائننگ اور پروڈکشن کے تمام مراحل کی نگرانی کی۔ میں اپنی رفیقہ حیات ارشد طاہرہ، اپنی بیٹی میمونہ قادری اور بیٹوں بلال، اویس اور مسعود کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی تدوین اور اشاعت کے مختلف مراحل میں میری ڈھارس بندھائے رکھی بایں حالیکہ میں مرض درد میں مبتلا تھا اور ایک عدد بائی پاس کے مرحلے سے بھی گزر چکا تھا میں اُن تمام دیگر احباب کا بھی ذاتی طور پر مشکور ہوں جنہوں نے کتاب کی تدوین و تدقیق اور اشاعت کے کسی نہ کسی مرحلے پر میری مدد اور رہنمائی کی

آخر میں میں رب ذوالجلال والاکرام کا نہایت شکر گزار ہوں جس نے اپنے پیارے حبیب پاک، صاحب لولاک ﷺ کے توسل اور خاک مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاۂ کے صدقے سے مجھے اس قابل کیا کہ مجھ جیسا خطا کیش ہیچمداں بندہ فقیر اس کام سے عہدہ برآ ہو سکا۔

میری دعا ہے کہ یہ دلی سی کاوش بحضور سرور دو عالم، سیدنا و مولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ گوہر بار میں شرف قبولیت حاصل کرے آمین! گر قبول افتد زہے عزت و شرف

عبدالحمید قادری

مدینہ منورہ، بروز جمعہ ۲ ربیع الاول ۱۴۲۳ - ۲۴ مئی ۲۰۰۲ء

(اردو ترجمہ مورخہ ۱۷ رجب المرجب ۱۴۲۳ ہجری کو مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاۂ میں مکمل ہوا)
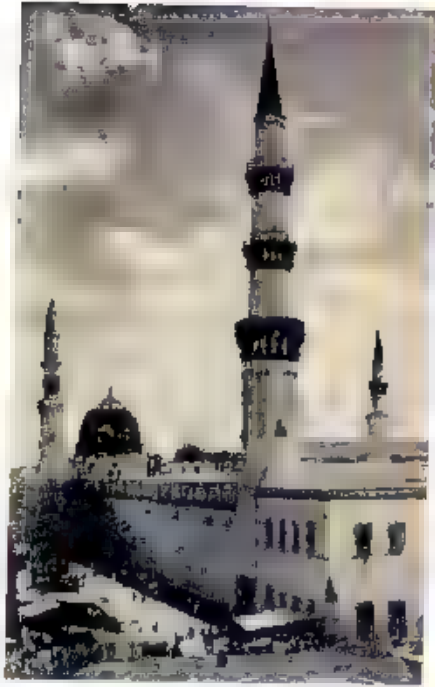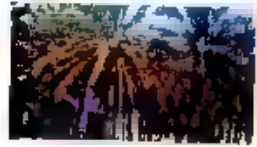
باب ۱

اَلْمَدِيْنَةُ الْمُنَوَّرَة زاداللہ شرفاۂ
قبل از اسلام
تاریخ کے آئینے میں

من دعا ھا یثرباً یستغفر　　فقولہ خطیئة تسطر

(جس نے بھی اسے یثرب کہہ کر پکارا اس پر واجب ہے کہ وہ استغفار کرے کیونکہ وہ ایسا کہنے سے خطاوار گردانا جائے گا)

تا حد مدینہ سرور قلب و سینہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود سے پہلے اس بلدہ طاہرہ کو یثرب کہا جاتا تھا۔(۱) یہ کوئی نئی بستی نہیں تھی جو حضور والا شان ﷺ کی آمد مبارک سے کچھ دیر پہلے آباد ہوئی ہو بلکہ اس کی بنیاد بہت عرصہ پہلے رکھی گئی تھی اور اس کی جڑیں زمانہ قبل از تاریخ سے ملی ہوئی ہیں وہ اولین آبادکار کون لوگ تھے جنہوں نے شمالی حجاز میں یہاں سب سے پہلے بسنا شروع کیا اس بارے میں مورخین کی مختلف آراء ہیں جن کی معلومات کے زیادہ تر ماخذ صرف قدیم ترین زبانی روایات ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کا سفینہ بعد از غرقاب عالم لنگر انداز ہوا تو اس وقت اس میں اسی [۸۰] جوڑے تھے جن سے بعد میں آنے والی انسانی نسل پھلی اور پھولی۔ جب ان کی اولاد مختلف خطہ ہائے ارض پر پھیلنے لگی تو علیحدہ علیحدہ زبانیں اور بولیاں معرض وجود میں آئیں جو کہ بہتر [۷۲] تھیں جن میں سے ایک زبان عربی تھی (۲) عربی بولنے والوں میں سے ایک کا نام یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن رم بن عبیل بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام تھا۔(۳) مختلف انساب نگاروں کی آراء میں ان ناموں میں تھوڑا بہت اختلاف بھی ہے لیکن زیادہ معتبر شجرہ نسب یہی تصور کیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر یثرب تک کم از کم آٹھ نسلیں گزری تھیں اور اگر طوالت حیات کے سلسلے میں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کو مدنظر رکھا جائے (۴) تو ہمیں یہ باور کرنا پڑے گا کہ اوائل دور نوح علیہ السلام کی عمروں کا دور نہایت خاصہ طویل ہوا کرتا تھا جس کا صحیح اندازہ لگانا صرف ظن و تخمین کی حدود سے تجاوز کرنے کے مترادف ہوگا لہذا اس وقت کا تعین کرنا کہ یثرب کب آباد ہوا سعی بے سود ہے ہاں مگر قدیم ترین تاریخی حوالوں کی روشنی میں اتنی بات ضرور مسلمہ ہے کہ یثرب بن قانیہ وہاں کی اولاد نے اس مقام پر آ کر ڈیرہ ڈالا جو بعد میں ان کے نام سے ہی موسوم ہوا عرب مورخین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ ہو عبیل (یعنی عبیل بن عوص کی اولاد) بنی عاد کے معاصر تھے جن میں حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے اور جنہیں طوفان نوح علیہ السلام کے بعد پہلے پہل بسنے کا شرف حاصل ہوا۔(۵)

جیسا کہ اوپر دیے یثرب بنو عبیل میں سے تھے انہیں یثرب بن عبیل بھی کہا نے وہاں کی وادی سے آباد سے شہرت پا گئی یثرب کا عبیل سے اور ساتویں نسل سے جا ملتا ہے عرب بچے ور کی ہے وہ سامی النسل دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ذکر کیا ہے جسے 'عوبی' کہا قدیم یونانی مورخ پلینوس جزیرہ نمائے عرب کے شمال کردہ 'جوبلی' یا 'جبیلی' انہی

گے شجرہ نسب سے واضح ہے اور اسی لیے بعض مقامات پر گیا ہے یہ بستی چونکہ انہوں کی تھی اس لیے انہی کے نام سلسلہ نسب چوتھی نسل میں میں سام بن نوح علیہ السلام انساب پر بہت فخر کرتے ہیں کہلاتے ہیں (۶) یہ بات بطلیموس نے ایک ایسی نسل کا جاتا تھا اور اسی طرح دوسرے نے 'عبیلیوں' کا ذکر کیا ہے جو میں آباد تھے اور عین ممکن ہے یثرب کے اجداد ہوں۔(۷)

مدینۃ المنورہ ۲۲۰ھ ہجری ۱۸۹۰ء میں

یثرب اور قدیم تہذیبیں

یثرب کی قدیم تاریخ خاصی دلچسپ رہی ہے۔ اس کے تانے بانے کا متعدد بہ حصہ قدیم قصوں اور ما قبل از تاریخ کے دھندلے نقوش سے بنا گیا ہے۔ عمرانی طور پر گر دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یثرب چار قدیم ترین تہذیبوں کے سنگم پر واقع تھا جس میں انباط یا نبطی شمال کی طرف (موجودہ اردن سے لیکر مدائن صالح تک) آباد تھے جبکہ سبائیوں کی حکومت جنوب میں حضر موت اور عدن یعنی موجودہ بحر عرب کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ مشرقی حصے میں قدیم بابلی تہذیب کا طوطی بولتا تھا اور مغربی جانب سمندر پار مصری اور حبشی (تھیوپی) تہذیبیں اپنے بام عروج پر تھیں۔ ان تمام تہذیبوں کے درمیان جو حد فاصل کا کام دیتا تھا وہ نہ صرف صحرا بے آب و گیاہ تھا بلکہ اکثر و بیشتر آتش فشانی عمل سے معرض وجود میں آنے والے سنگلاخ سرخ و سیاہ سلسلہ ہائے حرہ پر مشتمل تھا یہی وجہ تھی کہ شاید اس وقت کی متمدن دنیا اس کی آبادکاری میں اتنی دلچسپی نہ لے سکی اور شاید یہی مشیت الٰہی بھی تھی کہ حجرہ کی وجہ سے جنم لینے والی اور ابراہیم (علیہ السلام) کی صلب طاہرہ سے پیدا ہونے والے نبی ﷺ کا آفتاب رسالت آپ جب مطلع عالم پر طلوع ہو تو ان کے قدوم میمنت لزوم اسی دھرتی پر پڑیں جو فرعونوں اور شدادوں کے منحوس قدموں سے پاک رہی ہو۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہی حد فاصل ان تہذیبوں کے درمیان تجارتی اور معاشرتی تعلقات کا اہم وسیلہ بھی تھا۔ سال کے مختلف اوقات میں مال تجارت سے لدے پھندے اونٹوں کے قافلے جب اس علاقے کو پار کرتے تو ان کے حدی خوان خیبر و فدک کے میدانوں سے گزرتے ہوئے اپنے اونٹوں کی قطاروں کے رخ یثرب و بطحاء کے مرغزاروں کی طرف موڑ دیتے جہاں آل عمیل اور پھر بعد میں قوم عاد نے محنت شاقہ سے اور سے بنی سنگلاخوں کی آبیاری کر کے ان کو ہرے بھرے نخلستانوں میں بدل دیا تھا۔

شمالی جانب مدائن صالح کی باقیات اس معدوم تہذیب کی عظمت و سطوت کے قصے بیان کرتی ہیں جو انباط یا نباطی یا نبطی کہلاتی تھی اور دو ہزار سال قبل مسیح وہاں آباد ہو چکی تھی۔ پیٹرا کے کھنڈرات اس تہذیب کے ارتقاء اور تمدن کی نشان دہی کرتے ہیں نبطی لوگ حضرت اسماعیل

علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے نبط کی اولاد تھے اور حجاز کے شمالی علاقوں میں دور دور تک پھیل گئے تھے (۸) یثرب کے نخلستان اس شاہراہ تجارت (ٹریڈ روٹ جس کو مغربی مورخین نے ncense and Spice Trade Route کا نام دیا ہے) پر واقع تھے جہاں سے گزر کر نبطی جنوب میں یمنی تجارتی منڈیوں تک رسائی حاصل کرتے اور اسی طرح عطریات اور مصالحہ جات لیکر یمنی تجار جب شمال کی طرف سفر کرتے تو صحرائے حجاز کے وسط میں واقع یثرب کے مرغزاران کے تھکے ہارے قوافل کو سکونت و سکون مہیا کرتے تھے یوں بلاد شام کا جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں واقع عسیر اور حضر موت سے تجارتی تعلق صدیوں سے قائم تھا
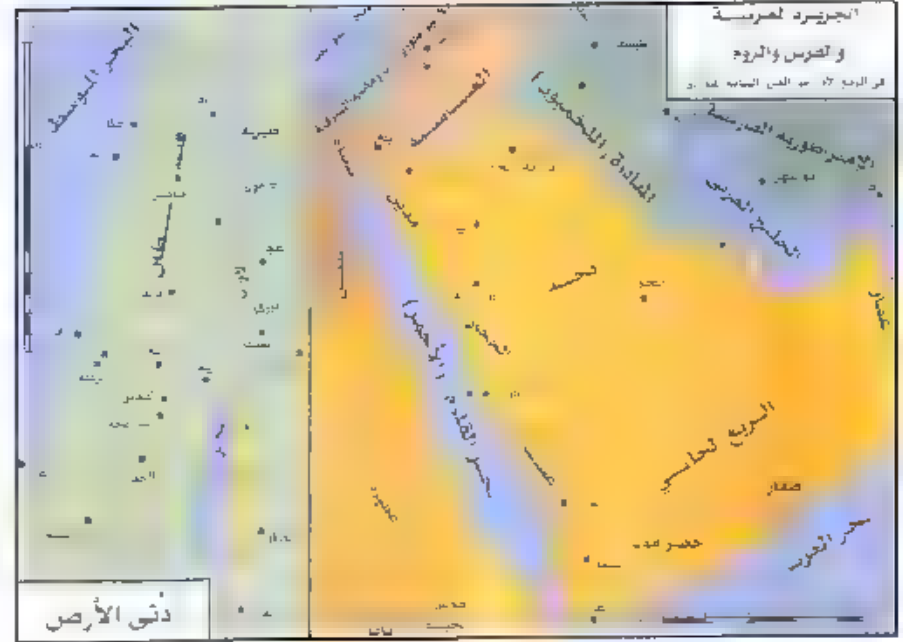
جس میں تجارتی شاہراہ (ٹریڈ روٹ) کا اہم عمل دخل تھا جو کہ یثرب سے ہو کر گزرتی تھی مزید برآں یثرب، بطحیٰ نہ صرف تجارت عرب کا نقطۂ اتصال تھا بلکہ شرقی عرب کی بابل کی باقیات اور مکہ مکرمہ کے مابین جو تجارت ہوتی تھی وہ بھی اسی جنکشن سے ہو کر گزرتی تھی ان تجارتی قوافل کے اوقات سفر میں موسمی حالات کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ بلاد شام میں موسم سرما میں برف باری ہوتی اور سخت سرد اور برفانی ہوائیں چلتیں جبکہ جنوبی سواحل پر نسبتاً گرمی کا سماں ہوتا اور موسم گرما میں جنوب میں درجہ حرارت ناقابل برداشت حد تک بلند ہو جاتا جبکہ شمالی علاقوں میں موسم معتدل رہتا تھا لہذا سردیوں میں بلاد شام کے قوافل جنوب کا رخ کرتے اور گرمیوں میں حضر موت اور باقی ماندہ یمن کے قوافل بلاد الشام کا رخ کرتے تھے چونکہ دونوں موسموں میں یہ قوافل ارض حجاز سے گزرتے تھے یہ گرمیوں اور سردیوں کے قافلے مشہور ہو گئے تھے جن کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ قریش میں رحلۃ الشتاء والصیف کے نام سے کیا ہے (۹)

اس طرح ان تجارتی قافلوں کا سلسلہ سال بھر چلتا رہتا تھا عام طور پر ایک ہی قافلہ بلاد شام سے روانہ ہوتا اور مختلف مقامات پر رکتا، تجارتی میلے لگاتا اور خرید و فروخت کرتا ہوا ایک طرف سے دوسری طرف رواں دواں رہتا تھا۔ بلاد شام سے جب یہ قافلہ روانہ ہوتا تو پہلا پڑاؤ دومۃ الجندل میں ڈالتا اور وہاں تقریباً ایک ماہ تجارتی میلہ لگا کر ہجر (موجودہ بحرین) روانہ ہو جاتا اور پھر وہاں سے وہ کارواں آہستہ آہستہ جنوب کی طرف گامزن رہتا اور صحراؤں اور وادیوں سے گزرتا اور مختلف قصبوں اور قریوں میں رکتا ہوا یہ کارواں عدن آ نکلتا جہاں مال کے بدلے مال کی سب سے بڑی منڈی لگا کرتی تھی اور پھر وہاں سے عطریات، گرم مصالحے، ریشمی کپڑے اور دیگر سامان تجارت لیکر وہ کارواں مکہ مکرمہ کا رخ کرتا اور سفر کا پروگرام عموماً اس طرح بنایا جاتا کہ جب حج کے مہینے شروع ہوتے تو یہ قافلہ مکہ مکرمہ کے گرد و نواح میں خیمہ زن ہو چکے ہوتے تھے۔ مکہ کا تجارتی میلہ نسبتاً طویل دورانیے کا ہوتا تھا۔ وہاں قدیم مشرکانہ روایت کے مطابق وہ لوگ حج کرتے اور پھر ساتھ ہی عکاظ (جو مکہ مکرمہ سے تھوڑے فاصلے پر آج بھی بہت مشہور مقام ہے) میں بہت بڑے تجارتی میلے میں شرکت کرتے تھے جہاں تجارت کے ساتھ ساتھ پہلے سے ترتیب دیے گئے اور اعلان کردہ بہت سے تفریحی اور معاشرتی پروگرام بھی منعقد ہوتے تھے۔ دیگر باتوں کے علاوہ وہاں ادبی محفلیں سجتیں اور شعری مقابلے ہوتے جن میں دور دراز سے آئے ہوئے شعراء کو اپنے قصائد اور ہجویں پیش کرنے کے لیے مدعو کیا جاتا تھا اور جو شاعر عکاظ کے مشاعرے نہ لوٹ سکتا اسے شعراء کے حلقوں میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا یثرب و بطحاء کے نامی گرامی شعراء جو بعد میں فجر اسلام کے درخشندہ ستارے بنے (مثلاً حضرت حسان ابن ثابتؓ وغیرہ) انہی میں عرب مشاعروں میں اپنا لوہا منوا چکے تھے بعد میں جب عکاظ کا میلہ اپنے اختتام کو پہنچتا تو کارواں کے جم غفیر کا اگلا پڑاؤ یثرب ہوتا اور یوں یثرب کے گرد و نواح کے تمام نخلستانوں میں خیمے گاڑ دیے جاتے جو وہاں ایک مہینے کا سا سماں پیش کرتے تھے۔ جتنا عرصہ بھی وہ قوافل وہاں رکتے نہ صرف تجارتی کارروائیاں اپنے عروج پر ہوتیں بلکہ اور بھی بہت سے معاشرتی اور تفریحی پروگرام منعقد ہوا کرتے تھے جس سے یثرب کے باسی جی بھر کے مستفید ہوتے ادبی محفلوں کے علاوہ وہاں نہ صرف پہلوانوں کے دنگل منعقد ہوتے بلکہ گھڑ دوڑ کے مقابلے بھی ہوا کرتے تھے۔ ہجرت مبارکہ

رچرڈ برٹن کا تاثر ۱۸۵۰ء
مدینہ طیبہ کا قدیم نقشہ
جسے کسی مصور نے
تیار کیا تھا - (۱۹۵۲ء)

سے پہلے سرکارِ دو عالم ﷺ بھی سالانہ اجتماعات کے موقعوں پر تبلیغِ اسلام کے لیے کئی بار عکاظ بھی تشریف لے گئے تھے جہاں دور دراز سے آئے ہوئے قوافل کے عمائدین کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے (۱۰)

آہستہ آہستہ حجاز کے اس خطے کی یہ سٹراٹیجک اہمیت دوسری خود سراقوام عالم کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی شمالی ترکی میں 'حیران' کی مسجد کے مقام پر کھدائی کے دوران دریافت ہونے والی لوحِ سنگ (کتبے) سے، جس کا تعلق نبونیدس (Nebunid) جو کہ بابلی ملوک کا آخری تاجدار تھا) کے دور سے ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شمالی حجاز میں واقع تیما اور گرد و نواح کے دوسرے شہروں (مثلاً خیبر، موجودہ خیبر، اور فدک وغیرہ) پر قبضہ جما لیا تھا اس کے علاوہ جدید تحقیق اور آثارِ قدیمہ سے متعلق کھدائیوں کے نتیجے میں حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق بھی اس بات کا قوی امکان ہے کہ عصرِ قدیم میں کسی وقت (جس کا تعین کرنا محال ہے) یمن کی معینی حکومت نے بھی اس علاقے پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا بعض محققین کا تو یہ خیال ہے کہ از منۂ قدیم میں یہ تمام علاقے یمنی معینی سلطنت کا سیاسی حصہ بن چکے تھے (۱۱) ایسا ۱۰۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ ہوا ہوگا ایسے محققین اپنے اس مفروضے کے لیے ان آثارِ قدیمہ کے کتبوں سے استناد کرتے ہیں جن سے ایسا لگتا ہے کہ ایک وقت یہ بھی گزرا تھا جب یثرب، معان، عموں اور غزہ کی بستیاں معینی عملداری میں آچکی تھیں جہاں کا نظم و نسق وہاں پر آباد لوگوں میں سے چنے گئے عمائدین معینی سلطنت کے نام پر چلایا کرتے تھے اس سلسلے میں حضرت کعب بن مالک جن کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے اور جو دربارِ نبوی کے دوسرے مشہور شاعر بھی تھے کا ایک شعر قابلِ ذکر ہے جس میں وہ ان کنوؤں کا ذکر بڑے فخریہ انداز سے کرتے ہیں جو کہ یثرب اور اس کے گرد و نواح میں قوم عاد نے کھودے تھے

"ارضِ مدینہ ملک ہے جس پر وہ اونٹ جو حرب آزمودہ ہیں قوم عاد کے کھودے ہوئے کنوؤں سے پانی ڈھوتے ہیں" (۱۲)

جس سے اس نظریے کو مزید تقویت ملتی ہے۔

بقول ڈاکٹر عبداللہ حسن مصری کے جو سعودی وزارتِ تعلیم میں شعبہ آثارِ قدیمہ اور عجائب گھروں کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں [(شمالی حجاز میں) از منہ قبل از مسیح کے دوسرے ہزاریے (Millennium) کے درمیانی اوقات میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بڑے بڑے قصبے معرضِ وجود میں آچکے تھے جن کے گرد اگرد حفاظتی فصیلیں بھی تعمیر کی جاتی تھیں ان میں تیماء، دیدان (موجودہ العلاء) خیبر، الجوف (جسے انجیل میں دومہ کہا گیا ہے (۱۳)) اور قریات شامل ہیں] (۱۴) ماہرینِ آثارِ قدیمہ اس بات پر متفق ہیں کہ قبل مسیح کے پہلے ہزاریے کے لگ بھگ نبطی سلطنت کا اس پورے شمالی عرب کے علاقے پر بول بالا تھا۔ وہ لوگ لوحِ عصر پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑ گئے ہیں۔ نبطی سلطنت کا دائرہ اختیار شامی میدانوں اور اردن کی وادیوں سے لیکر حجاز کے دور دراز شمال مغربی علاقوں تک پھیل ہوا تھا۔ وادی سرحان (قریات الملح) میں نبطی کھنڈرات جو قدیم میدانوں، درختستانوں اور شہرہ 'کاف' اور 'الحدیثہ' کے قریوں تک پھیلے ہوئے ہیں اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ نبطی اثر و نفوذ شمالی حجاز تک پہنچ چکا تھا۔ (۱۵) چونکہ یثرب شمالی حجاز میں آباد ان تمام تہذیبوں کے لیے جنوب کی طرف سے ایک اہم مدخل تھا اس لیے یہ قدرتی بات ہے کہ یہ بھی نبطی اثر و نفوذ سے نہ بچا ہو

نبطی تہذیب کے بیخ و بن ۱۰۶ء میں رومیوں نے اکھاڑ پھینکے وران کو بحیثیت آزاد قوم کے تہس نہس کر دیا گیا اس کی باقیات کے اکلوتے قدیم تمدنی ورثے سے جس سے عرب قوم بہت زیادہ مستفید ہوئی ہے ان کا ایجاد کردہ رسم الخط ہے جو عربی رسم الخط کا پیشرو سمجھا جاتا ہے۔ وہ اگرچہ عبرانی (آرامائی) زبان استعمال کرتے تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنا تشخص قائم رکھنے کے لیے اپنا ایک الگ رسم الخط بھی ایجاد کر لیا تھا جسے بعض عرب محققین نے 'خطِ نسخ' کا نام دیا ہے جس کی کوکھ سے بعد میں کوفی، ثلث اور النسخ کے رسوم الخط نے جنم لیا (۱۶) اس سلسلے میں سب سے قدیم کتبہ جو دریافت ہوا ہے وہ جبل دروز پر واقع امرؤ القیس اول (تقریباً ۳۲۸ء) کی لوحِ قبر ہے جس پر

سوویں صدی کے آغاز میں مدینہ طیبہ کی ایک نادر تصویر

لکھائی نبطی رسم الخط میں ہے اسے 'نقشِ نمارہ' کا نام دیا گیا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قدیم عربی رسم الخط کا پیشرو ہے (۱۷)

ڈاکٹر مصری موصوف کی تحقیق کے مطابق [پہلے ہزاریے (Millinum) قبل از مسیح تک ان عربوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے سمندر (بحر احمر) تک رسائی حاصل کر لی تھی اور اس کے کنارے کنارے آباد ہونا شروع ہو گئے تھے جیسے کہ جدہ قدیم تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اچھے خاصے گاؤں اور قریے معرضِ وجود میں آچکے تھے مثلاً 'دومتو' (بائبل میں اسے دومتو کے نام سے پکارا گیا ہے مگر اس کا اصلی نام لدومہ یعنی لدومۃ الجندل تھا جو عصرِ حاضر کے الجوف کے پہلو میں آباد تھا) اور یثربو (یعنی یثرب) وغیرہ جبکہ ایسے بہت سارے اور بھی ہوں گے جن پر آثارِ قدیمہ کے نقطۂ نظر سے ابھی تک کام نہیں ہو سکا] (۱۸)

جب گمنامی اور ابہام تاریخیت کے دھندلکے چھٹنے لگے اور قدیم مورخین نے لوحِ عصر پر اپنے دور کے مشہور سوانح و واقعات کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تو یہ منکشف ہوتا ہے کہ وہ شہرِ مقدس جس کو آج ہم مدینۃ المنورہ کے نام سے جانتے ہیں وہ زمانہ قبل از تاریخ میں 'یثربو' (Yathribu) کے نام سے جانا جاتا تھا۔ سکندریہ کے مشہور ریاضی دان اور منجم کلاڈی بطلیموس نے اسے 'لاتھریپو' Lathrippo اور 'ایاتھریپو' Iathrippo کے نام سے تحریر کیا ہے۔ (۱۹) جب بطلیموس نے اپنے دور میں آباد دنیا کی جغرافیائی اٹلس ترتیب دی تو اس نے خوشحال عربستان (Arabia Felix یعنی موجودہ یمن) اور صحرائی عربستان Arabia Deserta (موجودہ حجاز اور نجد) کے تقریباً ایک سو چودہ [۱۱۴] قصبوں کا ذکر کیا۔ دیگر قصبوں کے علاوہ اس نے 'لاتھریپو' کا محلِ وقوع ساحلی قصبے 'ینبع' Ianbia (یعنی موجودہ ینبع) کے قریب مگر ساحلِ سمندر سے ہٹ کر اندرونی علاقے میں بیان کیا ہے (۲۰) جو حقیقت پر مبنی ہے کچھ دیگر یونانی مورخین نے بھی اس کا ذکر 'یثربا' کے نام سے کیا ہے تجارتی قافلے جب عرب کے لق و دق صحرا سے گزر کر نخلستان یثرب میں کچھ عرصہ ٹھہر کر گزرتے تو اس کی سہانی یادیں اپنے ساتھ ضرور لے جاتے یہی وجہ ہے کہ یہ نام خوشحال عربستان' (Arabia Felix) یعنی یمن اور حضر موت کے علاقے اور 'پتھریلے عربستان' (Arabia Petra) یعنی بطی علاقوں (موجودہ اردن اور بلاد الشام) (۲۱) میں اچھی طرح جانا جاتا تھا یمن سے دریافت ہونے والے قدیم ترین کتبوں نے تو اس نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے جن میں اسے 'یثرب' (YTHRB) لکھا گیا ہے (۲۲)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ۱۹۵۶ء میں ترکی میں 'حیران' کے مقام پر کھدائی کے دوران ایک کتبہ دریافت ہوا تھا جس کے مندرجات

سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابلی شہنشاہ نبونیدس (Nabonidus ,556-539 B C) نے شمالی عرب (یعنی حجاز) کا رخ کیا تو اس نے تیماء کے مقام پر بابل کی طرز پر ایک خوبصورت شہر آباد کرنے کی ٹھانی کیونکہ اس کی اپنی سلطنت پر اشمیدی حکمرانوں نے قبضہ کر لیا تھا جس کی وجہ سے وہ بابل سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا تھا۔ (۲۳) وہ تقریباً دس سال تیماء میں رہا اور اس دوران اس نے تیماء کے گرد و نواح میں واقع دیگر قصبہ جات ددیر بھی کی اور خیبر اور فدک سے ہوتا ہوا وہ یثرب بھی آیا تھا۔ یثرب کے متعلق قدیم ترین ذکر جو حجر سنگ (Cuneiform inscription) پر کندہ ملتا ہے وہ یہی بابلی کتبہ ہے۔ (۲۴)

غزوہ خندق کے موقع پر جب کفار مکہ کی یلغار سے اہلیان مدینہ کو بڑی نازک صورت حال کا سامنا تھا تو منافقوں کے ٹولے نے ابن ابی کی سرکردگی میں لشکر اسلام کو دھوکا دیا اور حیلے بہانے سے علیحدگی اختیار کر لی تو اس وقت قرآن کریم نے ان لوگوں کے الفاظ میں لفظ یثرب کا ذکر کیا ہے [اور جب ان کے ایک گروہ نے کہا: اے اہل یثرب تمہارے لیے کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لیے واپس پلٹ جاؤ اور ایک گروہ نے اللہ کے رسول سے یہ کہہ کر اجازت طلب کی کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں پڑے تھے۔ ان کا مقصد جنگ سے فرار کے سوا کچھ اور نہیں تھا] (۲۵) یہ آیت کریمہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یثرب کا لفظ غزوہ احد تک (یعنی ۳ھ تک) استعمال ہوتا رہا تھا گو کہ یہ نام یہود اور منافقین تک ہی محدود ہو کر رہ گیا تھا لیکن چار دیگر مقامات پر قرآن حکیم نے اس بلدہ طاہرہ کو مدینہ کہہ کر پکارا ہے جس سے ظاہر ہے کہ رب ذوالجلال نے اس کا نام بدل دیا تھا اور وہی مسلمانوں میں رواج پا گیا۔

عمالقہ یثرب میں آباد ہوتے ہیں

جیسا کہ اس باب کے شروع ہی میں بیان کیا گیا ہے، قدیم ترین روایت کے مطابق اس قصبے کو عمالیق کے ایک فرد یثرب نے آباد کیا تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے اولاد میں سے تھے (۲۶) زمانہ قدیم میں یہی رواج تھا کہ جو کوئی بھی کسی قصبے یا گاؤں کو آباد کرتا یا اسے فتح کر لیتا تو وہ قصبہ اسی کے نام ہی سے جانا جاتا مثلاً اسکندریہ سکندر اعظم کے نام سے منسوب ہو گیا اور قسطنطنیہ شاہ قسطنطین کی وجہ سے جانا جانے لگا۔ اسی طرح یثرب نے اپنے بانی کے نام سے شہرت پائی۔ مشہور اسلامی مورخ بلاذری (جو دوسری صدی ہجری کے اواخر میں پیدا ہوئے) کا خیال ہے کہ بعد میں بنو جرہم کے قبیلے نے بھی وہاں آبادی اختیار کر لی تھی مگر وہ دیرپا ثابت نہ ہوئی اور بنو عمالقہ نے ان کو وہاں سے

NEBATEAN ALPHABET نبطی رسم الخط

k	y	t	h	z	w	h	d	g	b
ک	ی	ط	ح	ز	و	ھ	د	ج	ب

t	s	r	q	s	p	'	s	n	m	l
ت	ش	ر	ق	ص	ف	ع	س	ن	م	ل

نبطی رسم الخط جس کی ترقی سے عربی رسم الخط نے جنم لیا

جبل احد کی ایک چوٹی پر واقع قبہ ہارون علیہ السلام، علامہ سمہودی نے اس کا ذکر تفصیل سے کیا ہے ← ساتھ دیے گئے تصویر

خیبر کا قلعہ... (تصویر: ستمبر ۲۰۰۱ء)

مار بھگایا اور ان کی اراضی پر قبضہ جما کر بیٹھ گئے (۲۷) تاہم سوائے ان کے نام کے تاریخ ہمیں تفصیلی معلومات فراہم نہیں کرتی کہ وہ کیسے اور کتنی دیر وہاں آباد رہے اور کون لوگ ان کی جگہ پر قابض ہوئے وغیرہ۔ بنو جرہم مکہ کی طرف سے آئے تھے اور پسپا ہو کر وہیں تک محدود ہو گئے مگر ایسا لگتا ہے کہ یہ بنو قامت عمالقہ (Amalekites) کافی عرصہ تک یثرب پر قابض رہے۔ (۲۸)

انجیل، عہد نامہ عتیق (Old Testament) کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند جن کا نام ایساو (Esau) تھا، جن سے الیفاز (Eliphaz) پیدا ہوئے جن سے ان کی کنیزہ تمنا (Timma) کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عمالق (Amalek) تھا (۲۹) انجیل کے ریکارڈ کے مطابق بنو عمالقہ کا مسکن فلسطین کا جنوبی حصہ بتایا جاتا ہے جو جزیرہ نمائے عرب کے شمالی حصوں تک پھیلا ہوا تھا اس کے برعکس اسلامی مورخین کا خیال ہے کہ عمالق یا عملیق ارفخشد کا بیٹا تھا جو سام بن نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا۔ (۳۰) ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت دراز قد اور قوی جثہ لوگ ہوا کرتے تھے اور طوالت عمر میں تو ان کا جواب نہیں تھا جو بسا اوقات سینکڑوں سالوں سے تجاوز کر جاتی تھی (۳۱) مشہور عربی مورخ العوفی نے ملوک الارض میں الکلبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بنو عمالقہ میں سے بچ جانے والا ایک فرد جس کا نام عملق تھا حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت تک زندہ رہا تھا جس کی عمر ۳۵۰ سال سے بھی متجاوز تھی۔ اس نے حضرت عمر فاروقؓ کو بتایا کہ میں تمہارے نخلستان (مدینہ طیبہ) سے اچھی طرح واقف ہوں، یہاں کوئی شجرکاری نہیں تھی اور نہ ہی کھجور کا کوئی ایسا درخت ہوا کرتا تھا جسے تم لوگ اب دیکھ رہے ہو۔ میں اپنی قوم کے بہت سے ایسے لوگوں سے مل چکا ہوں جو ایک ایسا ہی کلمہ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ تم یعنی "لا الہ الا اللہ" پڑھتے ہو (۳۲) ابراہیم العیاشی نے اپنی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ وہ لوگ دیگر مشغلوں کے علاوہ اپنے مقتولین کو حنوط کر کے ان کی ممیاں بنا دیتے تھے اور فرعونوں کی طرح ان کی تمام تر دولت ان کے ساتھ ہی دفن کر دیتے تھے۔ (۳۳) سید سمہودیؒ نے ابن زبالہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب ہو قینقاع کو مدینہ بدر کیا گیا تو ان میں سے کچھ یہودیوں نے اپنے عرب حلیفوں بنو انیف کے ہاں پناہ لے لی تھی جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور جن کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ بنو عمالقہ کی اولاد سے تھے۔ (۳۴)

جرجی زیدان کے بیان کے مطابق، جنہوں نے عصر حاضر میں تاریخ عرب پر خاصی خامہ فرسائی کی ہے، بنو عمالقہ پھیلتے پھیلتے مصر میں دریائے نیل کے کنارے تک پہنچ گئے تھے وہ کہتا ہے کہ یونانی ان کو ہکسوس (Hyksos) کہہ کر پکارتے تھے جبکہ عرب ان کو العمالقہ کہتے ہیں.(۳۵) چونکہ وہ لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ ہوا کرتے تھے انہوں نے اپنے زیر تسلط علاقوں (بشمول ارض یثرب) کو قابل کاشت بنانے میں بہت کردار ادا کیا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اردن (Trans Jordan) ہجرت کی تو اس وقت بنو عمالقہ کا تسلط ان تمام علاقوں پر ہو چکا تھا اور بزدل یہودی ان کا مقابلہ کرنے سے گھبرا رہے تھے قرآن کریم کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم یہود کو حکم دیا کہ وہ انہیں اس ارض مقدس سے نکال باہر کریں تو انہوں نے صاف جواب دے دیا قرآن پاک کے الفاظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو کہا [اے قوم داخل ہو جاؤ اس ارض مقدس میں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقرر کر دی ہے اور خبردار پیٹھ دکھا کر واپس نہ لوٹ آنا ورنہ تم خسارے میں رہو گے تو وہ بولے اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے جو بہت زبردست ہے اور ہم وہاں ہرگز نہیں جائیں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہیں جاتے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے.ان میں سے دو متقی مردوں نے جن پر اللہ تعالیٰ کی نوازش تھی نے ان سے کہا کہ (فصیل کے) دروازے میں سے گھس کر داخل ہو جاؤ اور ان پر حملہ کر دو اور اس طرح تم ان پر غالب آ جاؤ گے.اور اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل رکھو.(اس پر) وہ بولے کہ اے موسیٰ ہم ہرگز ہرگز بھی وہاں نہیں جائیں گے جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں جائیے آپ اور آپ کا رب ان سے لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے](۳۶) قوم یہود کا یہ اجتماعی انکار حکام الٰہیہ اور اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے بغاوت کے مترادف تھا جس سے وہ غضب الٰہی کے سزاوار ٹھہرے اور پھر اس بزدلی اور عمالقہ کے خلاف جہاد سے انکار اور حکم عدولی کی پاداش میں چالیس سال تک دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوئے

بنو عمالقہ پھلتے پھولتے رہے اور وہ اردن کے اردگرد تمام علاقوں پر قابض ہو چکے تھے.اسرائیلی مورخ رالنسن (Rawlinson) کے الفاظ میں

"عمالقہ بہت جنگجو اور اچھی طرح مسلح اور منظم ہوا کرتے تھے اور ایک مدت مدید سے اپنے گردونواح میں بسنے والے تمام اعداء سے برسر پیکار رہنے کی وجہ سے وہ اپنا لوہا منوا چکے تھے"(۳۷)

اردن سے نیچے کی طرف جنوب کے علاقے بھی ان کی دست برد سے نہ بچ پائے تھے اور بعض شارحین انجیل تو اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ ان میں سے بہت سارے عمالقہ تو دریائے فرات کے کنارے تک جا پہنچے تھے اور اسی طرح جنوب کی جانب مارچ کرتے ہوئے وہ لوگ خیبر اور یثرب تک چھا چکے تھے.

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم یہود کو ان کا قلع قمع کرنے کا حکم دیا تھا (۳۸) عہد نامہ عتیق کے الفاظ میں

"رب الافواج کا حکم ہے مجھے معلوم ہے کہ عمالقہ نے اسرائیل سے کیا سلوک کیا تھا اور کس طرح اس نے سب خون مار کر اس کا راستہ روکا تھا جبکہ وہ مصر سے واپس لوٹ رہا تھا لہٰذا اب نکلو اور عمالیق کو قتل کر دو اور جو کچھ بھی ان کے پاس ہے اس کو تباہ و برباد کر دو اور دیکھنا ان میں سے کوئی بچنے نہ پائے، سوائے عورتوں اور شیر خوار بچوں کے، مع ان کے مال مویشی کے مثلاً بیل بکری اونٹ اور گدھے کے۔"

پھر طالوت نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور تلیم میں سے دو لاکھ اور یہودہ میں سے دس ہزار نفری جمع کر لی پھر طالوت عمالقہ کے ایک شہر پہنچے اور وادی میں پڑاؤ کیا اور اس نے اگاگ (Agag) جو کہ عمالقہ کا بادشاہ تھا کو گرفتار کر لیا اور باقیماندہ عمالقہ کو تلواروں سے ذبح کر دیا،لیکن طالوت اور اس کی فوج نے اگاگ (Agag) اور ان کے مال مویشی کو زندہ رکھ لیا اور اس کے علاوہ جو مال ومتاع بھی ہاتھ لگا بچا لیا اور باقی ہر

رچرڈ برٹن کا شائع کردہ مدینہ طیبہ کا قدیم سکیچ جسے کسی مصور نے تیار کیا تھا۔(۱۹۵۲ء)

ذی روح کو تہہ تیغ کر دیا.(۳۹) لیکن چونکہ وہ بھی اگاگ (Agag) کو بچا کر حکم عدولی کا مرتکب ہوا تھا اس لیے اسے بھی اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونے پڑے اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو یروشلم سے نکال دیا گیا اور وہ لوگ یونہی بھٹکتے رہے پادری چارلس فاسٹر کے الفاظ میں

"عہد نامہ عتیق کے تمام تر واقعات میں سے عمالقہ کے اعدام کے علاوہ زیادہ کوئی اہم اور کوئی واقعہ نہیں ہے جسے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے پس ماندگان نے انجام دیا ہو (۴۰) اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے ورثاء نے اس قوم کو تہس نہس کر دیا اور یوں وہ قوم ۲۲۰ قبل مسیح میں صفحہ ہستی سے معدوم و ناپید ہو گئی.یثرب میں وہ قوم موجودہ الجرف اور العیون کے علاقوں میں آباد تھی.(۴۱) انکے حاکموں میں سے ایک بادشاہ کا نام الارقم بن ابی الارقم تھا اور وہ اپنے جور و ستم کی وجہ سے بہت بدنام تھا،شمالی حجاز کا علاقہ جو اس کا پایہ تخت ہوا کرتا تھا جہاں تک یثرب کا تعلق ہے وہاں کی آبادی زیادہ تر عمالقہ میں سے لاف بن عملیق کی اولاد پر مشتمل تھی.(۴۲)

یہود بے بہبود یثرب میں پناہ لیتے ہیں

جب بخت نصر نے ۵۸۶ ق م میں ہیکل سلیمانی کو تاخت وتاراج کر کے یہود کو فلسطین سے نکال باہر کیا تو وہ ان کی اکثریت کو پابہ زنجیر کر کے اپنے ساتھ بابل لے گیا تھوڑے بہت جو بچ سکے انہوں نے جنوب کی طرف راہ فرار اختیار کی اور نفود کے لق ودق صحراء کو عبور کر کے شمالی حجاز کے مرغزاروں میں پناہ تلاش کی اس طرح یہ لوگ تیماء، خیبر، فدک، اور یثرب کے نخلستانوں میں آباد ہو گئے.(۴۳) مستشرق الفریڈ گیوم کے مطابق

"سریا کی تباہی پر یہودی خطہ عرب میں ۷۲۱ ق م کے لگ بھگ آباد ہو گئے تھے.اس کی رائے میں سقوط سریا پر قوم یہود مصر میں اسوان کے اردگرد ایک آزاد فوجی بستی کی صورت میں جا بسے تھے،اور یہ بات ناممکنات میں سے نہیں کہ ان

میں سے کچھ بھگوڑے محفوظ پناہ گاہوں کی تلاش میں خطہ عرب میں آ بسے ہوں کیونکہ پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں یہی خطہ ایک ایسا خطہ تھا جہاں ظالم رومیوں سے ان کو پناہ مل سکتی تھی"۔

اس کے برعکس ایک دوسرا مفروضہ جو بعض مورخین نے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب رومیوں نے پہلے ۷۰ء میں اور پھر بعد میں ۱۳۲ء میں فلسطین میں یہودیوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی تو ان میں سے بہت سے یہودی رومیوں کے جبر و ستم سے پناہ لینے کے لیے وہاں سے دم دبا کر بھاگے اور شمالی حجاز میں صحرا و دریا کو عبور کرتے یثرب کے شمال مغرب میں واقع الغابہ کے جنگل تک کو عبور کر گئے اور پھر اس کے بعد وادی بطحان وادی مہزور کے اردگرد یثرب میں پناہ گزیں ہو گئے۔(۴۴) بعض اسرائیل نواز مورخین کا یہ کہنا کہ یثربی یہودی دراصل وہ لوگ تھے جو حقیقتاً تو عرب تھے مگر انہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا سراسر فتنہ ہے اس لیے کہ قرآن کریم نے ان لوگوں کو ہمیشہ بنی اسرائیل ہی کے نام سے پکارا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں معدودے چند عربی النسل بھی تھے مثلاً کعب بن الاشرف یا اس جیسے کچھ اور لوگ مگر اکثریت کا تعلق بنی اسرائیل یعنی یہودی نسل سے تھا۔ بنو قینقاع (جو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا قبیلہ تھا) حضرت یوسف علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتا تھا جس طرح کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں بیان کیا ہے۔(۴۵) دوسرا بڑا قبیلہ بنی نضیر کا تھا جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہودی معاشرے میں ان کا مقام بہت بلند سمجھا جاتا تھا اور وہ "کاہنین" اور یہودی پادریوں کا قبیلہ تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی ایک مرفوع روایت کے مطابق بعض مورخین مدینہ کا خیال ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال یثرب میں ہوا اور ان کو ان کے بڑے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبل احد کی ایک چوٹی پر دفن کر دیا تھا (۴۶) یہودی روایات سے اس بات کی تصدیق ہمارے لیے ممکن نہ تھی لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جبل احد کی شمال مغربی چوٹی پر ایک قبر قرون اولیٰ سے موجود رہی ہے جس کے کھنڈرات آج بھی قبر ہارون علیہ السلام کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ماضی میں یہ نیم منہدم غیر مسقف چار دیواری ہوا کرتی تھی۔(۴۷) مگر اب سعودی حکومت نے وہاں خوبصورت گول عمارت تعمیر کر دی ہے جس میں قدیم طرز کے بہت سے کمرے ہیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی قبر کا نشان موجود نہیں۔ مجد الدین فیروز آبادی (۷۲۹ھ۔۸۲۳ ہجری) نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر جبل احد پر ہے۔(۴۸) لیکن اس مرفوع روایت پر جس سے اکثر محدثین نے صرف نظر کرنا مناسب سمجھا ہے تحقیق و اتقان کر لینا زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا خاص طور پر جب کہ تاریخی شواہد اس کے برعکس گواہی دے رہے ہوں جن کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر مبارک صحرائے سینائی میں واقع ہے۔ طبری اور ابن کثیر نے تو بالصراحت بیان کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال صحرائے سینائی میں "تیہ" کے مقام پر ہوا تھا (۴۹) یہ مقام موجودہ اردن میں وادی موسیٰ میں پیٹرا (البطرا) کے علاقے میں ایک پہاڑی پر واقع ہے جسے تورات میں جبل ہور کہا گیا ہے مگر اب وہ جبل ہارون کہلاتا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یثرب میں آباد بہت سے شعوب و قبائل کا سلسلہ نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے جڑا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حی بن اخطب جن کو فتح خیبر پر حضور نبی اکرم ﷺ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا وہ بھی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں (۵۰)

یثرب آنے پر یہود کی اکثریت ان علاقوں پر اپنا قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گئی جو زرخیز تھے اور ذرائع آبپاشی سے مالا مال تھے۔ یثرب کثیر الوادی خطہ مشہور ہے اور اس کی وادیاں بارانی موسموں میں پانی سے بھر جاتی تھیں۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی وادیاں بڑی نالوں کی صورت میں بہتی ہوئی سب سے بڑی وادی "وادی العقیق" میں آ کر گرتیں اور یوں اعوان کے آخر میں ان کا سنگم ہوتا جو تقریباً سارا سال پانی سے بھرا رہتا۔(۵۱) یہود جو اکثر زراعت پیشہ لوگ تھے اسی کے قرب و جوار میں بسنا شروع ہوئے تھے۔ بنی نضیر اور اس کے تمام فروعی شعوب وادی مذینب کے کنارے آباد ہو گئے جبکہ بنو قریظہ اور اس کی تمام شاخیں وادی مہزور کے کنارے کنارے آباد ہوئیں۔(۵۲) پانی اور زرعی

المدینۃ المنورۃ
۱۸۹۰ء ۱۹۰۰ء

خور و دوش کی وافر مقدار کے علاوہ جو عنصر یہود کی یثرب میں آبادکاری کا سبب رئیسی تھا وہ ان کے لیے انجیل کے وہ احکام تھے جس میں انہیں جنوب کی جانب اس سرزمین میں ہجرت کی ترغیب دی گئی تھی جہاں اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے ان کے بیٹے کیدار (عربی ان کو قیدار لکھتے ہیں) رہا کرتے تھے۔ انجیل کے الفاظ میں: [اٹھو اے اہل حضر دور پیچھے کی طرف کوچ کر جاؤ کیونکہ بخت نصر شاہ بابل نے تمہاری تباہی کی قسم اٹھا رکھی ہے اور وہ تمہارے خلاف سازشوں میں مصروف ہے لہذا اٹھو اور آل کیدار کی اس دولتمند قوم کی طرف ہجرت کر جاؤ جو اپنے اللہ کے کرم سے بلا خوف و خطر ایسے شہر میں بستے ہیں جس کا نہ کوئی دروازہ اور نہ کوئی فصیل ہے اور وہ مکمل آزادی سے وہاں رہتے ہیں](۵۳) یاد رہے کہ قریش قیدار ہی کی اولاد میں سے ہیں لہذا یہود کا ان علاقوں کی طرف رجوع کرنا بدیہی طور پر دو اسباب کی وجہ سے تھا:

(۱) تاکہ وہ رومیوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ایک پرامن خطہ میں رہ سکیں

(۲) تورات نے انہیں اس بات کی واضح نشاندہی کر دی تھی کہ ان کا نجات دہندہ ایک ایسی سرزمین میں ظاہر ہو گا جہاں بنو قیدار بستے ہوں گے۔

تورات نے آخری موعود نبی کے قیداری علاقے میں ظہور کے متعلق یہ پیشین گوئی کر رکھی تھی: [قیدار کی تمام اولاد تمہارے حضور جمع ہو گی وہ تمہارے پاس میرے بیت العتیق پر آ کر اپنی اطاعت قبول کرے گی اور پھر میں اپنے گھر کو عظمت و جلالت کا گھر بناؤں گا](۵۴) اس پیش گوئی میں نبی آخر الزماں ﷺ کے متعلق بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ آل قیدار (یعنی قریش) جمع ہو کر بیت العتیق (یعنی کعبہ مشرفہ) پر آپ کی اطاعت قبول کرے گی اور اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے اس گھر کو اپنی عظمت و جلال کا مظہر بنائے گا

قرآن پاک کی بہت سی آیات میں انجیل کی انہیں پیش گوئیوں کے متعلق اشارہ ہے۔ تاریخ اسلام کے بانیوں میں سے طبری اور ابن

خلدون نے اس موضوع پر خاصی روشنی ڈالی ہے ہجرت طیبہ پر تمام یہود نے یک آواز ہو کر میثاق مدینہ پر س یے رضامندی سے دستخط کر دیے تھے کیونکہ وہ دل سے جانتے تھے کہ ان کے نبی موعود جو دعائے خلیل اور نوید مسیحا ہیں وہ حضور سرور دو عالم ﷺ کے سوا اور کوئی نہیں کچھ یہود تو فوراً ایمان لے آئے مگر باقی پس و پیش میں لگے رہے جس کی وجہ صرف اور صرف نسلی تعصب تھا (۵۵) سربرآوردہ یہود میں سے سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا وہ حصین بن شلوم ان کے مشہور عالم تھے جن کو آقائے نامدار ﷺ نے عبداللہ بن سلام کا نام دیا جو بعد میں حضور نبی کریم ﷺ کے معتمد خاص صحابی رہے اور چاروں خلفائے راشدین بھی ان کی رائے کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے (۵٦) مشہور مستشرق ڈی لیسی ویری (De Lacy O Leary) لکھتا ہے [بنی اسرائیل کے بہت سے شعوب وقبائل نے یثرب اور اس کے گردو نواح میں دائمی سکونت اختیار کر لی تھی جہاں تک عربی قبائل کی بات ہے تو ان میں سے دو سب سے زیادہ مشہور تھے اوس اور خزرج جو بنو قحطان سے تھے قحطان شعوب وقبائل کے اس مجموعے کا نام ہے جن کا مورد و مصدر اسلامی تواریخ میں مناطق جنوب سے بتایا گیا ہے عباسی مورخین نے تمام جنوبی باشندوں کو قحطانی النسل بتایا ہے ان کے کہنے کے مطابق قحطان انجیل باب پیدائش ۱۰-۲۵ میں بیان کردہ یقطان ہی کا دوسرا نام ہے اس لیے کہ انجیل نے یقطان کو سبا کا والد بتایا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ قحطان ایک ایسا مجموعہ شعوب وقبائل ہے جس کا ذکر کلاڈیس بطلیموس نے دوسری صدی میں قطانی کہہ کر کیا ہے اور ممکن ہے اس کا تعلق قصبہ قحطان سے ہی ہو جو زابد اور صنعاء کے درمیان واقع ہوا کرتا تھا] (۵۷) بدو ذری کے مطابق پہلا قحطانی جس نے یثرب میں سکونت اختیار کی وہ عمرو بن عامر بن حارثہ بن ثعلبہ بن امرء القیس ابن مازن بن ازد بن غوث بن نبط بن ملک بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا (۵۸)

ڈی لیسی ویری کے الفاظ میں۔

> [یثرب میں مقیم یہودی شعوب تین بڑے قبائل میں بٹے ہوئے تھے جو سب کے سب عربی ناموں سے جانے جاتے تھے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ موخر الذکر دو قبائل کا تعلق کاہنین یعنی علماء سے تھا جو اپنے آپ کو بیت ہارون (علیہ السلام) سے بتاتے تھے] (۵۹)

اس نظریے کو مزید تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ بنو قینقاع اپنے آبائی پیشہ یعنی آہنی ہتھیار اور آلات بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاص قوت عطا کی تھی جس سے لوہا ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح ڈھل جاتا تھا اور اسی لیے انہوں نے آہنی ڈھالوں کے بنانے کا پیشہ اختیار کیا تھا

عربوں کا یثرب میں آباد ہونا اور یہود سے یہود کے ساتھ صراع اور رسہ کشی

جہاں تک عرب آبادکاروں کا تعلق ہے ہمیں بنو قحطان کے دو جڑواں قبائل اوس وخزرج کے نام ملتے ہیں جو دونوں قحطانی النسب تھے مدینہ طیبہ کے بعض مورخین کا خیال ہے کہ اوس وخزرج سے بہت پہلے ہی وہاں کچھ دیگر خانہ بدوش عرب قبائل کا گزر ہو چکا تھا جنہوں نے جبل سلع کے دامن میں آباد ہو کر کھیتی باڑی کی بنیاد رکھی تھی۔ ایسے مورخین حضرات ان قبائل کی موجودگی سے استناد کرتے ہیں جو اپنے آپ کو بنو عمالقہ سے بتاتے تھے مثلاً بنو انیف اور بنو مریدو وغیرہ (٦۰) ان میں سے بہت سوں نے زراعت اور تجارت سے بہت سرمایہ اکٹھا کیا جس کی وجہ سے وہ اپنے 'اطم' (حصن، محل، یا قلعہ) بنا کر رہا کرتے تھے۔ ہجرت مبارکہ کے موقع پر کم وبیش بیس قبائل یہود کے تھے جبکہ عرب شعوب وقبائل کی تعداد لگ بھگ ستر کے تھی (٦۱) یہودی قبائل میں بنو قینقاع (٦۲) بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو سعیدہ، بنو حشتم، بنو بہم، بنو زاعورہ، بنو ثعلبہ، بنو ہفنہ اور بنو شلیبہ شامل تھے جن میں سے بنو نضیر اپنے نسب کے لحاظ سے سب سے برتر سمجھے جاتے تھے (٦۳) اس کے علاوہ چونکہ یہود اپنے دین کی تبلیغ عربوں میں بھی کرتے تھے اس لیے انہوں نے بنو اوس اور بنو خزرج سے چند افراد کو بھی یہودی بنا لیا تھا (٦۴) وہ عربوں کے ساتھ

المدینۃ المنورہ زادہا اللہ شرفاہ ۱۹۰۸ء میں ...

شادی بیاہ بھی رچاتے تھے بدنام زمانہ کعب بن اشرف کا باپ (یعنی اشرف) دراصل یہودی النسل نہیں تھا بلکہ وہ عربی قبیلہ بنی نبہان کی ایک شاخ طئی سے تھا اس نے یہود میں شادی رچائی ہوئی تھی اس طرح کعب نے اپنی ماں کے اثر کی وجہ سے اپنے باپ کے دین کی بجائے اپنی ماں کے دین (یہودیت) کو اپنا لیا ہوا تھا مزید برآں چونکہ یہودی توہم پرست تھے انہوں نے عربوں کو بھی اپنی توہم پرستی کے جال میں پھنسایا ہوا تھا اگر کسی عرب کا پلوٹھا بچہ عالم شیر خواری میں مر جاتا تو غمزدہ عرب ماں باپ کو یہ باور کرا دیا جاتا تھا کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ اللہ ان کو دوبارہ اولاد نرینہ سے نوازے تو وہ منت مانیں کہ آئندہ پیدا ہونے والے بچے کو وہ یہودی مذہب میں جانے دیں گے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ [ہر وہ عورت جس کا شیر خوار بچہ قضائے الٰہی سے مر جاتا تو وہ منت مان لیتی کہ وہ آئندہ پیدا ہونے والے بچے کو یہودی بنائے گی بعد جب بنو نضیر کو مدینہ بدر کیا گیا تو وہ انصار کے ایسے بچوں کو بھی ساتھ لے جانے پر مصر تھے ان کا اصرار تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی اپنے ان بچوں کو پیچھے چھوڑ کر نہیں جائیں گے اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی (دین میں کوئی مجبوری روا نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے جدا ہو چکی ہے)] (٦۵)

یہود تجار بھی تھے اور کاشت کار بھی اور چونکہ وہ سود کی بنیاد پر قرضے دیا کرتے تھے اس لیے آہستہ آہستہ ان کی معاشی برتری کی دھاک عرب آبادکاروں پر بیٹھ گئی تھی۔ مشہور یہودی مستشرق ڈی ایس مارگولیتھ کے الفاظ میں'

> [اگرچہ ہم اکا دکا پیثربیوں کا نام بھی سنتے ہیں جو متمول تھے لیکن ان کی اکثریت مفلس ہوا کرتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں صرف ایک عروسی لباس ہوا کرتا تھا (جس کو سب پہنا کرتے تھے) اور زیورات یہود سے ادھار لیکر شادی کی رسمیں نبھائی جاتی تھیں ان کے اس افلاس کو یہود کی ساہوکاری اور سود خوری نے مزید بدتر کر دیا تھا۔] (٦٦)

اراضی کے بڑے بڑے قطعات، خصوصاً کھجوروں اور پھلوں کے باغات، سے لے کر بڑی منڈیاں اور تجارتی مراکز یہود کے قبضہ

میں تھے خوردہ فروشی سے لیکر سنارہ بازار تک تمام بازار یہودیوں کی ملکیت تھے بنو قینقاع کی آشیرباد سے چلتے تھے سوق بنی قینقاع کی مثال اس سلسلے میں کافی ہے جہاں یہود کا سکہ چلتا تھا اور جنہیں بلا شرکت غیرے اجارہ داری حاصل تھی دوسری چھوٹی منڈیاں بھی ان کے تسلط سے مستثنیٰ نہیں تھیں یہی وجہ تھی کہ اوس اور خزرج کو یہود کی برتری کے سامنے ہتھیار ڈالنا پڑا اور امن قائم رکھنے کے لیے عرب قبائل کو یہود کے کسی نہ کسی گروہ سے جنگ نہ کرنے یا دیگر دفاعی معاہدے بھی کرنے پڑے تھے یہ ان عرب قبائل کی کمزوری نہیں بلکہ مجبوری تھی جس کا استحصال یہودی پوری طرح سے کرتے تھے اور نتیجے کے طور پر ان سے اکثر دوسرے درجے کے شہریوں کا سا سلوک کیا جاتا تھا اور معاملات اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ ان کے ایک عیاش اور عاقبت نااندیش رئیس فیطیون (بعض مصنفین نے غلطی سے فطیون لکھا ہے) نے ایک حکم نافذ کر دیا تھا کہ عربوں کی ہر نوبیاہتا دلہن پہلی شب عروسی اس کے ساتھ منایا کرے گی۔ (۶۷) یہ ایک ایسا جابرانہ حکم تھا جو زیادہ دیر نہ چل سکا اور ایک غیرت مند خزرجی، جس کا نام مالک بن عجلان تھا، بھیس بدل کر اس کے محل میں گھس گیا اور اس کو تہ تیغ کر کے دم لیا تب سے آپس میں طے شدہ عدم جارحیت کے معاہدے یکسر ختم ہو گئے اور نئے سرے سے عداوت و معاندت کے سوتے پھوٹ پڑے جس سے دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما ہو گئے عرب چونکہ اتنے مضبوط نہیں تھے انہیں شام میں، اتبع غسانی عیسائی حکومت سے مدد حاصل کرنے بغیر نہ بنی انہوں نے ابا جبیلہ کے ذریعے مدد کی درخواست کی جو غسانیوں کا ایک صاحب الرائے اور صاحب اثر و رسوخ متمول فرد تھا غسانی خود بھی قحطانی عرب تھے اس لیے انہوں نے اپنے عرب حلیفوں کی مدد کے لیے ایک لشکر روانہ کر دیا جس نے یہود کی خوب دھنائی کی اور ان کے غرور و تکبر کو خاک میں ملا کر رکھ دیا جس کی وجہ سے وہ دوبارہ عربوں کے ساتھ مختلف معاہدوں میں منسلک ہونے پر مجبور ہو گئے اس ذلت آمیز شکست کا ذکر یہودیوں کی کتاب تالمود میں بھی ہے۔

جہاں تک عمومی معاشرتی ماحول کا تعلق ہے وہ بھی معاشی زبوں حالی کی مکمل تصویر تھا۔ یہود عربوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کو امی یعنی ان پڑھ اور گنوار کہہ کر ان کے حقوق کو سلب کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے بالفاظ قرآن حکیم وہ یہ کہتے [یہ اس لیے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر امی لوگوں (یعنی عربوں) کا حق چھین لینے میں کوئی گناہ نہیں] (۶۸) غلہ (جس میں جو اور کچھ حد تک گندم کی اجناس شامل تھیں)، کھجور، شراب اور کپڑوں کی تجارت میں ان کو مکمل اجارہ داری حاصل تھی۔ (۶۹) بنو قینقاع کے یہودی کاریگر ڈھالیں، اور چاند کی طرح خمدار (Moon-curved) تلواریں اور سر کی حفاظت کے لیے خود (He met) بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے وہ دیگر سامان حرب مثلاً کانسی کی زرہیں اور تلواریں بنانے میں بھی شہرت تامہ رکھتے تھے۔ ان کا دوسرا بڑا پیشہ سونے چاندی کے زیورات بنانا بھی تھا۔ لفظی لحاظ سے قینقاع کا مطلب ہی سنار ہے۔ نضیر عبرانی زبان میں چمڑے کی ہریالی کو کہتے ہیں اس لیے بنی نضیر اکثر زراعت پیشہ ہوا کرتے تھے قریظہ ایک ایسے درخت کا نام ہے جو کھالوں کو سکھانے اور صاف کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس لیے بنی قریظہ کے لوگ کھالوں کو صاف کر کے ان کی اشیائے صرف بنانے میں مشہور تھے یہ چند پیشے تھے جن میں یہود دوسروں پر سبقت رکھتے تھے۔ (۷۰) لیکن یہودی اکثریت کا پیشہ زرگری ہی تھا بن زبالہ کے کہنے کے مطابق صرف یثرب کے گاؤں میں ۳۰۰ سنار رہتے تھے (۷۱) یثرب کے برعکس خیبر وغیرہ میں بھی یہود کی غالب اکثریت ہوا کرتی تھی جو زیادہ تر تجار، ساہوکار اور کاشتکار تھے اور ان کی معاشی برتری یثرب کے یہود کے لیے باعث تقویت تھی

عمرانی ترقی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یثرب کی عام آبادی مٹی کے بنائے ہوئے گھروں میں رہتی تھی جب کہ متمول گھرانے اپنے لیے اطم (حویلی نما پکی عمارتیں-جمع۔ آطام) بنا لیتے تھے جب حضور پرنور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ہجرت فرمائی تو اس وقت یثرب میں کل بہتر [۷۲] اطم ہوا کرتے تھے جن میں سے انسٹھ یہود کی ملکیت تھے جبکہ باقی کے تیرہ عربوں کے تھے (۷۲) قباء میں ۱۴ آطام بنی زید بن مالک بن عوف بن عمرو کی ملکیت تھے (۷۳) وہ تمام کے تمام آطام حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی موجود

تھے، صرف ایک اطم ایسا تھا جو کہ حضرت ابو دجانہ انصاریؓ اپنے لیے بنوا رہے تھے جو بنو ساعدہ کے گاؤں میں بیر بضاعہ کے پاس تھا (۷۴) یہ تمام آطام مدینہ طیبہ میں بہت صدیوں تک محفوظ رہے مگر آہستہ آہستہ وقت کی چیرہ دستیوں نے انہیں نیست و نابود کر دیا یہود کے اجلاء کے بعد اب پر زیادہ تر مسلمان مالکین نے قبضہ کر لیا تھا یا پھر ان کی جگہ دیگر مسلمین نے اپنے گھر بنا لیے تھے یہ کہنا قطعی تسلیم نہیں ہے کہ یثرب میں ان آطام کا رواج یہود کی آمد پر ہوا اس وقت کی عمرانیات پر تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہے کہ ایسے آطام اور حویلیاں حمیر کی یمن میں بہت پہلے معرض وجود میں آ چکی تھیں اور اوس و خزرج کے وہ مہاجرین جو نقل مکانی کر کے یہاں آباد ہوئے وہ اپنے ساتھ فن تعمیر کے یہ تصورات بھی لائے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے صاحب حیثیت لوگوں نے اپنے لیے خوبصورت آطام بنا لیے تھے۔ ان میں سے بہت سے آطام تو اپنی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے اس وقت کے ایسے آطام میں سے جو کہ عربوں کے تعمیر کردہ تھے چند ایک مشہور نام یہ ہیں اجوش، لاجرد، الاشق، بلحان، فارع (حضرت حسان بن ثابتؓ کا محل ہوا کرتا تھا)، اطم حضرت ابو دجانہؓ، راتج، اریان، اثریان، الشیخ اور الصحیان وغیرہ (۷۵)

ان تمام آطام میں سے کچھ اب بھی کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور حصن کعب بن الاشرف ہے جو نیم منہدم حالت میں آثار قدیمہ کے طور پر حرہ واقم کے آخر میں مسجد قباء کی جنوب مشرقی جانب وادی مذینب کے کنارے ایک ٹیلہ پر واقع ہے اس اطم کے معائنے سے جو ابھی بھی آثار قدیمہ کے نقطہ نظر سے اچھی حالت میں ہے، ناظر کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ متمول یہودی کس طرح کی حویلیوں اور محلات میں رہا کرتے تھے۔ یہودی اکثریت کے مکانات یا آطام میں رہتی تھی جو حرہ کے آتش فشانی لاوہ سے بنی سنگلاخ اور چٹانوں کے سیاہ پتھروں کو تراش کر بڑے بڑے بلاکوں سے بنائے جاتے تھے۔ ان کے کمرے عموماً ایک ہی بار وقت مربع زمین پر ہوتے اور ایک گھر عام طور پر بہت سے کمروں پر مشتمل ہوتا تھا بہت سے گھر کثیر المنزلہ بھی ہوتے تھے کھاتے پیتے گھرانوں کے آطام زیادہ وسیع اور پائیدار ہوتے اور زندگی کی تمام تر سہولیات سے مزین ہوتے مثلاً ہر اطم میں ایک کنواں ضرور ہوتا اور اکثر و بیشتر ان کے صحنوں میں کھجور کے درخت بھی ہوا کرتے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ حصن کعب بن الاشرف ایک سرسبز و شاداب وادی کے وسط میں کھجوروں کے باغ میں واقع تھا اور جیسے کہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اسے قتل کیا گیا تو اس کی چیخ و پکار سے اردگرد کے ہمسائے جاگ پڑے اور انہوں نے اپنے گھروں کی روشنیاں جلا دیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اطم اکیلا ہی نہیں تھا بلکہ اس کے اردگرد اور بھی بہت سے گھر یا آطام ہوں گے جنہوں نے اس انتہائی خوبصورت وادی کو اپنا مسکن بنایا ہوا تھا۔ آج بھی اس جگہ کی خوبصورتی ہر آنے والے کو دعوت فکر و نظارہ دیتی ہے اس کی حویلی کے اردگرد کھجوروں کے سرسبز باغات ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انتہائی سرسبز اور زرخیز خطہ تھا۔ ان قلعہ نما حصون یا آطام کے متعلق ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن لکھتا ہے

یہ قلعے یثرب کی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتے تھے اس لیے کہ ایک قبیلے کے لوگ دشمن کے حملے کی صورت میں انہیں

مکانی حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرت مبارکہ سے تقریباً دو سو سال پہلے وقوع پذیر ہوئی اس طرح یثرب میں اوس وخزرج کی آبادکاری عمل میں آگئی۔

جیسا کہ اوپر تفصیلاً بیان کیا گیا ہے ایک بہت بڑا تجارتی راستہ یثرب سے ہو کر گزرتا تھا اور تاجروں کے قافلے زادِ راہ حاصل کرنے اور تجارتی مقاصد کے لیے یثرب رکتے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے ضمناً قرآن کریم نے بھی اسی شاہراہ کا ذکر کیا ہے (۸۷)۔ اسی طرح سورۃ القریش میں ان تجارتی قافلوں کا ذکر کیا ہے جو گرمیوں اور سردیوں میں رختِ سفر باندھتے اور سامان خورد ونوش لاتے تھے (۸۸) ماہرین آثار قدیمہ کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اس تجارتی شاہراہ نے قبائل کی نقل وحمل میں بہت بڑا کردار ادا کیا تھا جس کی بدولت نہ صرف تجارتی قافلوں کی آمد ورفت آسان تھی بلکہ ارضِ حجاز میں واقع مقاماتِ مقدسہ (خاص طور پر وادی مکہ میں بیت اللہ شریف) کی زیارت کے لیے آنے جانے والے لوگ اس شاہراہ سے باآسانی سفر کر سکتے تھے جیسا کہ اس بات سے عیاں ہے کہ سب سے پہلا کسوہ (غلاف) خانہ کعبہ پر حمیری تبع نے اپنے اظہارِ عقیدت کے طور پر چڑھایا تھا۔ (۸۹)

قبا میں واقع قدیم قلعہ (قلعہ قار) تصویر جون ۲۰۰۱

یثرب میں سب سے پہلا یمنی آبادکار ثعلبہ العنقاء بن عمرو بن عامر تھا جو قحطانی تھا اس کی اولاد سے دو قبیلوں کے سوتے پھوٹے جو بعد میں یثرب کے شب وروز پر چھا گئے ان قبیلوں کا نام اوس اور خزرج تھا۔ (۹۰) اوس کا معنی 'تحفہ' ہے زمانہ جاہلیت میں ان کو اوس مناۃ (آلہ یا خدائے منات کا تحفہ) کہا جاتا تھا اور جب وہ اسلام لے آئے تو اوس اللہ (اللہ کا تحفہ) کہا جانے لگا (۹۱) باقی تمام قبائل مثلاً بنو نجار، بنو عوف، بنو سلم، بنو غفار وغیرہ انہی دونوں قبیلوں کی شاخیں تھیں جب اوس یثرب میں آباد ہوئے تو انہوں نے محنت شاقہ سے بعد اس کے صحراؤں کو گلزاروں میں بدل دیا اور یثرب کی وادیوں کے کنارے واقع اراضی سونا اگلنے لگ گئی یہود نے اپنے جتنے مسکراتے ماضی کو جو وہ یمن میں بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے یثرب کے میدانوں میں دوبارہ تخلیق کرنے کی انتھک کوشش کی اور یوں ایک ہی صدی میں وہاں ہر طرف سبزہ زار اور مرغزار نظر آنے لگے یہودی زیادہ تر زرخیز وادیوں کے کنارے آباد تھے اس کے برعکس عربوں (خاص طور پر اوسی قبائل) نے عالیہ (جو اب العوالی کے نام سے مشہور ہے) میں رہنا پسند کیا تھا خزرج زیادہ تر ان علاقوں میں آباد ہوئے جو جبل سلع اور جنت البقیع کے درمیان واقع تھے جس کے قریب بعد میں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی مسجد ومسکن کی بنیاد رکھی (۹۲)

ہجرت کے بعد جب اوس وخزرج حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو تقریباً ہر قبیلے نے اپنے اپنے علاقے میں چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنائیں تھیں جن میں سے چند آج بھی موجود ہیں جو انہی قبائل کے نام سے مشہور ہیں اس طرح آج بھی چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان مختلف قبائل کے گاؤں یا آبادیوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ مسجد بنو معاویہ (موجودہ نام مسجد الاجابہ)، بنو معاویہ قبیلہ کی آبادی میں واقع تھی (۹۳) مسجد بنو ظفر جس کے کھنڈرات آج بھی جنت البقیع کے مشرقی جانب شارع ستین کے پار ایک احاطے میں موجود ہیں انہیں اس قبیلے کی یادگار ہے جو اس وقت وہاں آباد تھا۔ اسی طرح بنو عبدالاشہل کا قبیلہ موجودہ جنت البقیع کے شمال مشرقی کونے سے شروع ہوتا تھا بنو زریق مسجد نبوی کے جنوب میں اس جگہ آباد تھا جہاں آج کل مدینہ منورہ کی شرعی عدالتوں کا صدر دفتر ہے۔ اسی طرح سقیفہ بنی ساعدہ کے اردگرد خزرجی بنو ساعدہ کا گاؤں ہوا کرتا تھا جبکہ بنو عدی اور چند اور خزرجی شعوب اس جگہ پر آباد تھے جہاں آج نئی تعمیر شدہ مسجد نبوی کا باب ملک فہد

یہ بنو حرام جبل سلع کے دامن میں واقع مسجد بنو حرام کے اردگرد آباد تھے اور بنو اسلم حرہ وبرہ میں رہائش پذیر تھے جہاں اب مسجد قبلتین ہے

یہودیت توحید کا دین ہے اس لیے یہودی خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے جب وہ یثرب آئے تو اپنے ساتھ اپنے عقائد اور رسم ورواج اور دینی علوم بھی لے کر آئے اس کے علاوہ (جس کو ربی یا حبر کہا جاتا تھا) اپنی سوسائٹی کی کریم سمجھے جاتے تھے جو کہانت اور دینی علم کی وجہ سے دوسروں سے افضل سمجھے جاتے تھے عام یہودی زیادہ تر کاشتکار، مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے، بیوپاری، تاجر اور جاگیردار ہوا کرتے تھے جدید علوم وفنون جو کہ اس وقت تک ناپید تھے گو کہ ان میں بہت سے طبیب، ریاضی دان اور منجم بھی تھے جادوگری اور کہانت کا سکہ عام چلتا تھا (۹۴) ان کے معبد کے ساتھ ہی ان کی تعلیم گاہیں (مدراس یا مدراش) ہوا کرتے تھے جہاں زیادہ تر دینی تعلیم دی جاتی تھی اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو عرب قبائل بھی ان سے کوئی خاص بہتر مقام نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ یہود سے بھی بہت پیچھے تھے علاج معالجہ زیادہ تر جڑی بوٹیوں اور دیسی ٹوٹکوں سے کیا جاتا تھا مردوں کے علاوہ خواتین بھی علاج معالجہ کرتی تھیں جیسا کہ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابیات (حضرت رفیدہ اور کعیبہ جو حضرت سعد انصاری کی بیٹیاں تھیں) مسلمان زخمیوں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں (حضرت سعد بن معاذ کے علاج پر بھی مامور تھیں)۔ طبیب زیادہ تر قبیلہ بنو ثقیف سے طائف سے بلوائے جاتے تھے جیسا کہ ایک حدیث مبارک سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے ایک مرتبہ حارث بن کلدہ الثقفی کو حضرت سعد بن ابی وقاص کے علاج کے لیے بلوایا گیا تھا

یہود کے علاوہ یثرب میں کچھ عیسائی بھی آباد تھے جو دراصل مشرکین عرب میں سے تھے مگر انہوں نے عیسائیت قبول کی ہوئی تھی ان کا ایک راہب بھی تھا جس کا نام ابو عامر الراہب تھا اور قبیلہ اوس سے اس کا تعلق تھا (حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کا والد) وہ تقریباً چالیس پچاس اس کے پیروکار بھی تھے جیسا کہ ابن اسحاق کی نگارشات سے معلوم ہوتا ہے ابو عامر بھی اپنے پیروکاروں کے ساتھ جنگ احد کے ختم ہوتے ہی مدینہ طیبہ سے بھاگ گیا تھا۔ اوس وخزرج زیادہ تر مشرکین تھے اور اصنام کی پرستش کیا کرتے تھے۔ (۹۵) وہ اپنے اصنام کا بہت احترام کرتے اور عبادت کرتے ہر گھر میں لکڑی یا پتھر کی مورتیاں عام ہوا کرتی تھیں لیکن کسی باقاعدہ صنم خانے کے وجود کا ذکر نہیں ملتا گو کہ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے اندر ۳۶۰ بتوں کی تمثیلیں رکھی ہوئی تھیں مگر ان بتوں کے اصل بہت بڑے بتوں کی صورت میں حجاز میں مختلف مقامات پر نصب ہوا کرتے تھے۔ مثلاً منات (اوس جس کی پوجا کرتے تھے) کا اصل بت مشلل بحر احمر کے کنارے جبل قدید کے پاس تھا جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع تھا یہ کالے پتھر کا بنا ہوا گھڑا بت تھا اور قسمت کی دیوی مانی جاتی تھی عربی میں اس کا مشتق (م ن ی) ہے جس کے معنی موت کے ہیں دوسرا مشتق (م ن) ہے اور منی کے معنی تقدیر کے ہیں، یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ منات دراصل بطیوں کی دیوی تھی جس کو وہ منوات یا مناوتن کے نام سے پکارتے تھے جب عربوں میں بت پرستی کا رواج چلا تو نبطیوں کی منوات یا مناوتن سکڑ کر صرف مناۃ یا منات رہ گئی حجاز میں اس کا بہت چرچا تھا اور بہت سے لوگ اپنے بچوں کے نام اس دیوی کے نام پر رکھتے تھے مثلاً عبد مناۃ یا زید مناۃ وغیرہ اوس اور خزرج اس کی بہت تکریم کرتے تھے اور بہت سی قربانیاں اس کے سامنے بھینٹ کیا کرتے تھے ابو المنذر ہشام بن محمد نے ابو عبیدہ بن عمار بن یاسرؓ (جو کہ اوس اور خزرج کے معاملے میں سب سے زیادہ معلومات رکھتے تھے) سے روایت کی ہے کہ اوس اور خزرج اور یثرب کے دیگر عرب جو کہ مناۃ کے پجاری تھے جب حج پر آتے تو وہ حج کے تمام واجبات ادا کرتے جو کہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھے سوائے اس کے کہ وہ اپنے سر نہ منڈواتے اور جونہی حج اپنے اختتام کو پہنچتا تو وہ سیدھے مناۃ کا رخ کرتے اور اس کے سامنے اپنے سر منڈواتے تھے اسی طرح لات خزرج کا صنم تھا اور تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ یہ منات سے بھی قدیم تر تھا اور حجاز کے بیشتر حصوں میں اس کی پوجا ہوا کرتی تھی حتیٰ کہ قریش مکہ میں سے بھی بعض اس کو پوجتے تھے۔ یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے بھی اس کا ذکر کیا ہے (۹۶) اس طرح یہود کو چھوڑ کر جو موحد تھے یثرب کے زیادہ تر عرب لات ومنات کے پجاری تھے اور مشرک تھے بہت سی احادیث میں

اس بات کا ذکر ہے کہ جس جگہ مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی وہاں چند مشرکین کی قبور تھیں جن کی ہڈیوں کو کھود کر جگہ کو صاف کیا گیا تھا (۹۷)

کچھ عرب دائمی طور پر یثرب میں مقیم تھے جن کو حضارہ کہا جاتا تھا اور بعض اس وقت تک خانہ بدوشی کی سی حالت میں تھے جن کو بدو (بلفظ قرآن کریم اعراب) کہا جاتا تھا۔ یہ اعراب ایک جگہ جم کر نہیں رہتے تھے اور اپنے مویشیوں کو ہانک کر جہاں کوئی چراگاہ یا مرغزار ملتا اور پانی کا ذریعہ مل جاتا وہیں خیمہ زن ہو جایا کرتے تھے۔ یہ سدا بہار کے مسافر کاشتکاری بھی نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ طبع آزاد زندگی گزارتے تھے۔ ان کے برعکس حضارہ عرب قبائل ایسے تھے جنہوں نے گاؤں آباد کیے اور کاشتکاری کو فروغ دیا۔ یہود کے برعکس وہ لوگ اس وقت تک جدید تمدن سے تقریباً تقریباً نابلد تھے۔ یہ اور بات ہے کہ انہیں اپنی بدویانہ روایت پر جو کثرت و بیشتر نہیں زبانی یاد ہوا کرتی تھیں بڑا ناز تھا۔

تعلیم کا فقدان تھا اور سیاسی شعور اپنے اپنے قبائل کے رؤسا کی فرماں برداری اور قبائلی روایات سے وابستگی تک محدود تھا۔ تمام قبیلے اپنے رئیس کا مطیع ہوتا اور ہر سطح پر اس کا حکم چلتا تھا۔ وہی قانون سازی کرتا اور وہی منصف ہوتا اور قانون کو نافذ بھی وہی کرتا۔ امور جنگ سب اس کے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی اور قتل کے معاملات میں وہی دیت یا قصاص کا تعین بھی کرتا تھا۔ عام طور پر قبیلے کا سربراہ اپنے مزرعے (ڈیرے) یا اطم میں اپنے دیوان خانے (سقیفہ) پر مجلس لگاتا اور اپنے قبیلے کے لوگوں کے معاملات نمٹاتا۔ سقیفہ کی عمارت عموماً کھلی شیڈ یا پورچ یعنی چھپری کی صورت میں ہوتی جس کی عموماً تین دیواریں ہوتیں اور چوتھی جانب کھلا دروازہ ہوتا۔ انہیں سقیفوں میں پنچایتیں یا چوپال منعقد ہوا کرتے تھے۔ ایک موقع پر حضرت حسان بن ثابتؓ اپنے حریفوں کی ہجو کے جواب میں اپنی خاندانی برتری کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں

تم میرے خاندان کی عزت و وقار کی بات کرتے ہو۔ تمہیں شاید وہ دن یاد نہیں جب میرے آباؤ اجداد کا سکہ ہر گھر میں چلتا تھا۔ میرے والد 'مسیحہ' کی منڈیر کے قریب (سقیفے میں بیٹھ کر) لوگوں کے مقدمے سنتے اور ان پر اپنا فیصلے صادر کیا کرتے تھے۔ (مسیحہ ان کے مشہور کنوئیں اور سقیفہ کا نام تھا)۔(۹۸)

سقیفہ یثرب کی سماجی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا۔ ان میں سے بعض سقیفے دو منزلہ ہوتے اور بعض ایک منزلہ۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے متعلق روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اکثر وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور ایک مرتبہ آں حضور ﷺ نے اس کی بالائی منزل پر نماز بھی ادا کی تھی۔(۹۹)

اسلام کی آمد کے بعد سقیفہ کا مقام اور بلند ہو گیا تھا۔ پہلے تو وہ صرف قبائلی دیوان خانہ ہوا کرتا تھا مگر اب وہ پبلک ہاؤس بن گیا تھا کیونکہ شعوب و قبائل ایک امت واحدہ میں ضم ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں سقیفہ بنی ساعدہ کی مثال دی جاتی ہے جسے اسلام کا سب سے پہلا پارلیمنٹ ہاؤس ہونے کا شرف حاصل ہوا کیونکہ بحث و مباحثہ کے بعد انصار و مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو خلیفہ رسول اللہ چن کر ان کے ہاتھ پر اس سقیفہ میں بیعت کی تھی۔

اہل یثرب میں سے بہت کم ایسے تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے جس کی وجہ سے یہودی ان کو امیین یعنی ان پڑھ کہہ کر طعنہ زنی کرتے تھے (۱۰۰) لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ بادیہ نشین اپنی روایات کو زبانی یاد رکھتے تھے۔ ماضی بعید میں وقوع پذیر جنگ و جدل کے قصہ ہائے پارینہ شاعری کی مختلف صنفوں میں طویل مثنویوں یا قصیدوں میں ڈھال دیئے جاتے تھے۔ اللہ جل شانہ نے ان بادیہ نشینوں کو بلا کا حافظہ دیا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ شاعری ان کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔ بنو قینقاع کے علاقے میں ایک سالانہ میلہ لگا کرتا تھا جس میں شعری مقابلے ہوا کرتے تھے اور ہر قبیلے کے شعرا اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے جن میں یہود یا عرب کی تفریق نہیں تھی (۱۰۱)۔ زمانہ قدیم سے ہی عربی شاعری کا قصیدہ اور ہجو گوئی میں کوئی ثانی نہیں تھا مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ زبان غزل گوئی میں کسی سے پیچھے تھی۔ عشقیہ شاعری میں بھی وہ لوگ یکساں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ چونکہ شروع ہی سے عربی شاعری ردیف و قافیہ کی سختی سے پابند تھی اس لیے عربی لغت کے قواعد بہت قدیم تصور کیے جاتے ہیں۔ یہ عربی شاعری ہی تھی جس نے عربی زبان کو جلا بخشی تھی۔ زبان دانی، فن تقریر اور شاعری

مدینہ منورہ کے مضافات

قدرت کا وہ انمول عطیہ تھے جس سے یثرب کی سرزمین سے حسان، کعب اور ابن رواحہ جیسے نابغہ روزگار شعرا پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عوف سے روایت ہے کہ ایک عرب حضور ﷺ کی خدمت قدس میں حاضر ہوا اور شعر کہنے لگا جس پر آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا بعض اوقات شعر بھی جادو کی طرح اثر کرتے ہیں۔ (۱۰۲)

اس دور کے مشہور شعرا میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالک کا نام آتا ہے۔ حضرت کعب کا قبول اسلام کے بعد ... حضرت کعب بن مالک ... کم شہرت کے مالک نہیں تھے ...

...

مدینہ منورہ ... تاریخی جائزے ... سے تمام مکتوبات محفوظ ... حضور ﷺ نے اپنے وقت کے ... مکتوبات ... عربی تھی ... رسم الخط کوفی تھا ... میں سے کچھ ... اس وقت یثرب میں عربی و عبرانی ... ایک مکتوب ... اہل یمن ... یہ نامہ مبارک ... اس کا رسم الخط عبرانی تھا ... میں ان دونوں نامہ ہائے مبارکہ کی تصویریں دی جا رہی ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت اہل یثرب خط و کتابت کے لیے بہت سے ... ایک دوسرا تاریخی شاہد حضور نبی کریم ﷺ کی ... جس کا نام ... اس وقت قاہرہ میں ... میں محفوظ ہے ... یہ تلوار حضرت سعد بن عبادہ نے حضور ... حضرت سعد بن عبادہ ...

... جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے ... اس وقت متروک ہو چکا ہوتا تو حضرت سعد بن عبادہ کا ... رسم الخط ...

چونکہ شرک و بت پرستی کا دور دورہ تھا اس لیے ناچ گانا اور شراب نوشی نے وہاں خوب ڈیرہ جما رکھا تھا یثرب کے باسیوں کے نیم خانہ بدوشی پس منظر نے اعلیٰ جاہلانہ اعمال کے تقدس کا احساس بھی اجاگر نہیں ہونے دیا تھا چوری اور بدکرداری عام تھی اور کچھ قبائل تو دن دہاڑے ڈاکہ زنی میں بدنام تھے قافلوں کو لوٹ کر ان کا مال و متاع ایسے مستعمل کرتے جیسے شیر مادر ہو قبول اسلام سے پہلے غفاری قبیلہ قزاقی اور رہزنی میں سب سے پیش پیش تھا فرقہ بندی، قتل و غارت اور لوٹ مار روز مرہ کا معمول بن چکا تھا اس طرح خاندانوں اور قبائل میں نفرتوں اور عداوتوں نے اپنی جڑیں اتنی مضبوط کر لی تھیں کہ ایک قتل کا بدلہ لینے کے لیے کئی کئی نسلوں تک معرکے لگے رہتے بین القبائلی کشمکش میں یہود نے یہودی کی شکست خوردہ ذہنیت نے جلتی پر تیل چھڑک کر عداوت کو اور زیادہ کشیدہ کر دیا تھا اس طرح اوس اور خزرج جو ایک ماں کے بطن سے پیدا ہونے کے سبب ہم قبیلہ کہلایا کرتے تھے دو متحارب گروہوں میں بٹ گئے تھے یہودی چونکہ ساہوکار بھی تھے اور سخت سود خور بھی اس لیے جب جی چاہتا جنگ کا الاؤ جلا دیتے اور خود دور سے تماشہ دیکھتے یا پھر دونوں میں سے ایک گروہ کا ساتھ دے کر قوت کا توازن (Balance of Power) قائم کرنے کا ذریعہ بن جاتے ابن اسحاق کے الفاظ اس سلسلے میں سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں وہ کہتے ہیں [یثرب میں دو دھڑے قائم ہو چکے تھے بنو قینقاع اور ان کے حاشیہ بردار جو خزرج کے حلیف بن گئے تھے اور بنی نضیر، بنی قریظہ اور ان کے تمام گماشتے جو اوس کے حلیف بن چکے تھے] (۱۰۳) اس طرح دونوں قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے تھے اور یہود ان دونوں کو سامان حرب و ضرب اور بوقت ضرورت سود پر سرمایہ فراہم کیا کرتے تھے جنگ کی ابتدائی چنگاریاں اتنی پرانی تھیں کہ وہ کسی کو یاد بھی نہ تھیں کہ کس زمانے میں بھڑکیں یہ وہی اتحاد تھے جن کے عقد میں سلمیٰ نجاریہ تھیں اور مطلقہ ہونے پر انہوں نے ہاشم بن عبد مناف کی و قریش سے شادی کر لی تھی اور ان کے بطن سے حضرت عبدالمطلب تولد ہوئے تھے۔ مورخین کے اندازے کے مطابق اس جنگ کی ابتدا ۴۹۲ء کے لگ بھگ ہوئی تھی تقریباً ایک صدی سے دونوں قبیلوں میں دائمی سرد جنگ کا سا ماحول تھا جو کبھی کبھی گرم جنگ کا روپ بھی دھار لیتی تھی قبل از اسلام کی ایک صدی میں نہ جانے کتنے خونی تشام معرکے ہوئے اور کتنے اوس و خزرج کے مردان جری اس کی بھینٹ چڑھے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے صرف وہ معرکے جو کسی نہ کسی ایک فریق کی ذلت آمیز پسپائی پر ختم ہوتے وہی معرکے زبان زد عام رہتے عام طور پر ایسے معرکے ان مقامات کے نام پر شہرت پاتے جہاں میدان کارزار گرم ہوتا اور پھر کئی کئی نسلوں تک فاتح قبیلے میں ان کا چرچا رہتا اور بیاہ شادیوں یا دیگر خوشی کے موقعوں پر گویے قصیدے گا کر اپنے ان سپوتوں کو خراج تحسین پیش کرتے جو ان معرکوں میں کام آئے ہوتے ان میں سے چند ایک معرکے جو تاریخ کے اوراق کی زینت بنے وہ یہ ہیں یوم سمیر، یوم کعب، یوم ربیعہ، یوم الدیک اور یوم البقیع اور یوم ارمیعہ پر اوس نے خزرج کو شکست فاش دی تھی جبکہ یوم

یہ تصویر اس معاہدہ کی ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ نے عبرانی رسم الخط میں خیبر کے یہود کے ساتھ کیا تھا

البقیع کے دن بنو خزرج نے اوس کے دلاوروں کو عبرت ناک شکست دے کر اپنا حساب چکایا تھا اس دن میدان کارزار چونکہ بقیع الغرقد میں جما تھا اور وہاں بنو اوس کے کشتوں کے پشتے لگ گئے تھے اس لیے وہ معرکہ یوم البقیع کے نام سے جانا جاتا تھا (۱۰۴)

رسول مقبول ﷺ کے ورود مسعود سے پہلے یثرب ایک ایسی ہی ہولناک جنگ سے گزر چکا تھا جو دونوں قبیلوں میں ایک عرصہ مدید سے چلی آ رہی تھی اس سیریز کی آخری جنگ ہجرت مبارکہ سے چند ہی سال پہلے لڑی گئی تھی جو جنگ بعاث کے نام سے جانی جاتی تھی اس جنگ کی چنگاری ایک معمولی جھگڑے سے شروع ہوئی جو قبیلہ بنی عامر بن عوف کے ایک فرد حاطب بن قیس اور قبیلہ بنی حارث کے سپوت یزید بن فسحم کے درمیان بعاث کے گاؤں کے قریب ہوا جو وادی مہزور کے کنارے بنو حارث کا گڑھ تھا تیز و تند الفاظ پہلے تو دھینگا مشتی میں بدلے مگر پھر شمشیر زنی پر منتج ہو گئے دو آدمیوں کی لڑائی نے جلد ہی دونوں فروعی قبیلوں میں اعلانیہ جنگ کا روپ دھار لیا جو دیکھتے ہی دیکھتے اتنی پھیلی کہ دونوں جدی قبیلے (یعنی اوس اور خزرج) ایک دوسرے کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور اس طرح اس جنگ کی آگ نے پورے یثرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا چونکہ یہ جنگ بعاث کے گاؤں سے شروع ہوئی تھی اس لیے مجموعی طور پر اس جنگ کے تمام معرکوں کو جنگ بعاث کا نام دیا جاتا ہے یہودی سازشوں نے معاملات کو اور بھی الجھا دیا اور یہ جنگ پانچ سال سے زیادہ عرصہ پر محیط ہو گئی بے شمار معرکے ہوئے اور دونوں طرف سے فریقین کا بے حد جانی و مالی نقصان ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف کے جنگجو اس حرب لاحاصل سے بیزار ہو گئے چونکہ دونوں متحارب گروہ مکار یہودی کی چالوں کو سمجھنے لگ گئے تھے اس لیے دونوں ہی باہر سے کسی غیبی مدد کی طرف نگاہیں لگا کر بیٹھ گئے تھے باہمی افہام و تفہیم سے گو کہ وقتی طور پر جنگ کے شعلے مدھم پڑ گئے تھے مگر پھر بھی احتمال تھا کہ کسی وقت بھی غلط فہمی کی کوئی چنگاری اس افہام و تفہیم کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔ (۱۰۵) فریقین میں جنگ بندی تو ہو چکی تھی مگر باہمی اعتماد مفقود تھا۔ اوس کے لوگ خزرجی علاقوں میں جانے سے کتراتے تھے اور خزرجی ان علاقوں سے نہ گزرتے جہاں اوس کی اکثریت تھی مبادا کہ تقدم کی جبلت فریق ثانی کو شب خون پر نہ اکسا دے۔ (۱۰۶) یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے قبائلی تعصب اپنی موت آپ مر گیا تھا مگر ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا کہ نفرت کے بیج جو ماضی کے تجربے کر اس کی تہہ میں چھپے گئے تھے دوبارہ صلح و آشتی کی سطح آب پر نمودار ہو گئے تھے صحیح بخاری میں روایت کی گئی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق ایک مرتبہ اس نفرت و انتقام کی ایک چنگاری نے معاملات کو اس حد تک بگاڑ دیا تھا کہ خود رسول مقبول ﷺ کو بنفس نفیس جا کر اس آگ کو بجھانا پڑا حضرت سہل بن سعد الساعدی بیان کرتے ہیں [ایک مرتبہ قباء کے لوگ آپس میں الجھ پڑے کہ فریقین نے آزادانہ ایک دوسرے پر سنگباری کی جونہی رسول اللہ ﷺ کے علم میں یہ بات لائی گئی تو آپ نے فرمایا [چلو ہم فریقین میں صلح کروا دیتے ہیں] (۱۰۷)

یہ تصویر خیبری رسم الخط میں اہل یمن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ایک معاہدے کی دستاویز ہے

یثرب کا عمرانی خاکہ

وہ یثرب جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی قدم بوسی کر کے آپ کو خوش آمدید کہا تھا یقیناً وہ آج کے مدینۃ المنورہ سے کہیں مختلف تھا جو ہمیں تیسرے ہزاریے کے طلوع کے وقت نظر آتا ہے۔ یثرب میں اس وقت مختلف قبائل آباد تھے جن میں سے ہر ایک قبیلے کا الگ الگ گاؤں ہوتا تھا اور وہ تمام گاؤں ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع ہوا کرتے تھے۔ ان تمام گاؤں کے درمیان ڈیڑھ دو فرلانگ کا فاصلہ ہوتا تھا چونکہ یثرب کا علاقہ مختلف مرتفع اور ناہموار اراضی سے بنا تھا لہٰذا عام طور پر ایسا ہوتا تھا کہ ایک ہی گاؤں ناہموار زمین پر آباد ہوتا، اگر قبیلے کے کچھ افراد ٹیلوں پر گھر بنا کر رہتے تو دوسرے اس سے ذرا نیچے جہاں ان کو جگہ ملتی اپنے گھر بنا لیتے مگر ہر طرح کی زمین کی ناہمواری ان کے قبائلی رشتوں میں حائل نہ ہوئی تھی۔ جغرافیائی اعتبار سے قباء سے احد تک کا علاقہ دو مختلف طبقات پر مشتمل تھا۔ اونچائی والے علاقے یعنی (High Land Areas) موجودہ اعوالی کہلاتے تھے جب کہ نچلی طرف میں تمام علاقے ڈھلوان والے علاقے (Low Lying Areas) سافلہ کہلاتے تھے جو مسجد نبوی سے ذرا آگے سے شروع ہو کر احد تک جاتے تھے اور تمام اراضی کہیں اونچی اور کہیں نیچی سطوح سے بنی ہوئی تھی یہی حالت ہر گاؤں کی ہوا کرتی تھی جیسے کہ مسجد نبوی کا علاقہ جو بنی معاویہ قبیلے کا گاؤں تھا اور آج سے تقریباً پچاس ساٹھ سال پہلے تک ایک ٹیلے پر واقع تھا جبکہ مسجد بنو غفاری کے اردگرد کا علاقہ سافلہ (ڈھلوانی) تھا اور وہاں بسنے والے سافلہ کے باسی کہلاتے تھے۔

اس طرح غیر ہموار سطح اراضی پر واقع مختلف گاؤں یثرب کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے جن میں اکثر و بیشتر کے درمیان کوئی نہ کوئی وادی یا ندی نالہ حد فاصل بنا ہوا تھا۔ ہر ایک گاؤں ایک خود کفیل وحدت کے طور پر آباد تھا جس میں بسا اوقات ایک سے زیادہ کنویں ہوتے جو اس قبیلے کی اجتماعی آب رسانی کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ بعض صاحب ثروت لوگ اپنے گھروں میں بھی کنویں کھدوا لیتے تھے۔ گھروں میں کھدے ہوئے کنویں ذرا تنگ بور کے ہوتے جبکہ مرکزی کنویں بڑے ہوتے تھے۔ بڑے کنوؤں میں کچھ ایسے بھی تھے جن کو اردو میں باؤلی کہتے ہیں۔ ان میں نیچے تک سیڑھیاں اترتی تھیں۔ عام گھر مٹی کے بنے ہوتے تھے جو ایک منزلہ بھی تھے اور بعض دو منزلہ بھی تھے جیسے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر تھا جو حدیث کے مطابق دو منزلہ تھا۔ مٹی کے گھر زیادہ تھے اور ان کے مالک ان کی مناسب دیکھ بھال کے لیے ان کی وقتاً فوقتاً مٹی سے لپائی کر دیتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت کردہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ [رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ایک ایسے وقت تشریف لائے جب کہ میں اور میری والدہ اپنے گھر کی دیوار کی لپائی کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے؟ جس پر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس (گھر) کو مرمت کر رہا ہوں تو حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا [(حیات کا) مسئلہ تو اس سے بھی مستعجل ہے (یعنی اس کچے گھروندے کو تو پھر بھی تھوڑا بہت ثبات ہے مگر انسان کی زندگی کو تو ذرا بھی ثبات نہیں)] (۱۰۸) ہر گاؤں میں کچھ کچے مکانات بھی ہوتے اور کچھ متمول حضرات پتھر کے اطم (پکی حویلیاں) بنا کر بھی رہتے تھے۔ شام ہوتے ہی گھپ اندھیرا چھا جاتا تھا مگر چند گھروں میں تیل سے جلنے والے دیوں سے روشنی کا بندوبست ضرور ہوتا تھا۔ ہر گاؤں کا اپنا الگ قبرستان بھی ہوتا جو اسی گاؤں کے قریب ہی ہوا کرتا تھا۔ تاریخ یثرب میں ہمیں ایسے بہت سے قبرستانوں کا ذکر ملتا ہے مثلاً بقیع الغرقد (بنو خزرج اور بنو عبدالاشہل اور بنی خدرہ کا مشترکہ) بقیع الزبیر، بقیع الخیل، بقیع بنی ساعدہ، بقیع بنی سلمہ اور بقیع قباء وغیرہ۔

بہت سارے گاؤں کا تو اب نہ تو وجود ہے اور نہ ہی ان کے نام معلوم ہیں، تاہم تاریخ یثرب میں مختلف واقعات و سوانح کے ضمن میں چند گاؤں کے اسماء ہم تک ضرور پہنچے ہیں جن میں سب سے مشہور یہ ہیں: قباء، یثرب، السنح، اسواف، بعاث، زہرہ، بنی سالم، بنی معاویہ، بنی ظفر اور بنی عبدالاشہل کی آبادیاں وغیرہ جبکہ قباء آج بھی پوری آب و تاب سے موجود و آباد ہے دیگر قدیم بستیوں کے نام و نشان بھی باقی

میں پہنچ پایا۔ وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں مدینہ طیبہ عمرانی ارتقاء کی منازل طے کرتا رہا اور آبادی میں اضافہ ہوتا رہا تو چھوٹی چھوٹی بستیوں کی جگہ بڑے بڑے گاؤں آباد ہوتے گئے جو آگے چل کر مدینہ عظمیٰ میں ضم ہو گئے مثلاً عوالی اور حفاف کی جگہ پر قربان سے دائیں بائیں کی طرح ایک آبادی الزوراء ہوا کرتی تھی جہاں حضرت عثمان بن عفانؓ نے اپنا محل بھی تعمیر کروایا تھا وہ جگہ لمناخہ اور قبیلہ بنی ساعدہ سے شروع ہو کر مشرق کی طرف جاتی تھی۔ اسی علاقے میں آپ ﷺ کے والد سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر بھی تھی اور قریب ہی حضرت مالک بن سنانؓ کا مشہد امر رتق (۱۰۹) ہے۔ یہ تمام علاقہ مسجد نبوی کے توسیعی منصوبے کی نذر ہو گیا ہے۔ اس دور میں وہاں بنی عدی (خزرج) کے کچھ گھر آباد ہوا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی قبیلہ بنی ساعدہ کی منازل تھیں جن کے وسط میں سقیفہ بنی ساعدہ تھا جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا تھا۔ اسی طرح مسجد شریف کے مشرقی جانب ذرا فاصلے پر اوس کی مشہور شاخ قبیلہ بنی عبدالاشہل کے مکانات تھے (حضرت سعد بن معاذؓ اسی قبیلے کے چشم و چراغ تھے)۔ یہ تو صرف چند مثالیں تھیں جبکہ حقیقت میں یثرب میں ایسے گاؤں ہر سمت پھیلے ہوئے تھے کچھ اوس و خزرج کے اور کچھ یہودیوں کے۔ قرآن کریم نے ان آبادیوں (Townships) کو قریٰ یعنی قریے اور گاؤں کہہ کر پکارا ہے۔ سورۃ الحشر میں بنی نضیر کے جلاوطن ہونے کا ذکر ہے تو وہاں اسی قسم کی آبادیوں کو قریٰ کہا گیا ہے (۱۱۰)

ان مختلف آبادیوں کے درمیان والی جگہیں کچھ زیادہ ہی ناہموار ہوا کرتی تھیں کبھی کبھار تو وہاں گڑھے ہوتے یا پرانے کھنڈرات یا پھر اونچی نیچی جگہوں پر خودرو جنگلی درخت اور جھاڑیاں ہوا کرتی تھیں۔ زمین کی بناوٹ ایسی تھی کہ آتش فشانی عمل سے معرض وجود میں آئے حرہ کے سنگلاخ علاقوں کی حد سے ملتی تھی۔ حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے علاقے تو خاص طور پر اسی قسم کے تھے۔ جب کبھی بارش ہو جاتی تو پانی کے جوہڑ لگ جاتے جن سے نہ صرف مویشی پانی پیا کرتے بلکہ کبھی کبھار ان سے مچھلیاں بھی پکڑی جاتی تھیں جیسے کہ چند احادیث مبارکہ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کئی مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ کے لیے حرہ غربیہ سے مچھلی شکار کر کے لائے۔ اگر ہم اس وقت کے یثرب کا ایک تخیلی نقشہ ذہن میں لائیں تو جو خاکہ ابھرتا ہے وہ کچھ ان حدیث مبارکہ سے مختلف نہیں ہوگا جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے قرآن کریم کی آیہ کریمہ (سورۃ بنی اسرائیل ۸۵) کی شان نزول بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ مدینے کے کھنڈرات سے گزر رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ ایک سوکھی ہوئی کھجور کے ٹوٹے ہوئے تنے سے ٹیک لگا کر رک گئے اس وقت یہودیوں کا ایک ٹولہ آپ کے پاس سے گزرا اور انہوں نے روح کے متعلق حضور ﷺ سے استفسار کیا کہ روح کیا ہے۔ الخ (۱۱۱) ایک گاؤں سے دوسرے قبیلے کے گاؤں تک جانے کے لیے جانی پہچانی پگڈنڈیوں کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا خطرے سے خالی نہ تھا خاص طور پر جب اندھیرا چھایا ہوتا تھا۔ حضرت ابن ام مکتومؓ نابینا تھے اور انہیں فجر اور عشاء کی نماز کے لیے مسجد نبوی شریف میں آتے وقت خاصی دشواری ہوتی تھی لہٰذا ایک دفعہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا [یا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں زہریلے حشرات اور جنگلی جانوروں کی بہتات ہے (اس لیے مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کروں کیونکہ میں نابینا ہوں) الخ (۱۱۲)

ان آبادیوں کی گلیاں زیادہ تر ان لوگوں کے نام سے جانی جاتی تھیں جو وہاں آباد ہوتے جیسے کہ حضرت انس بن مالکؓ کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے [چشم تخیل سے گویا کہ میں ابھی دیکھ رہا ہوں مجھے بنو غنم کی گلی میں دھول اڑتی ہوئی نظر آ رہی ہے کیونکہ جبریل امین علیہ السلام فرشتوں کی فوج کے ہمراہ وہاں سے گزرے تھے جب حضور نبی اکرم ﷺ غزوہ بنو قریظہ پر روانہ ہو رہے تھے] (۱۱۳) یہی اور بہت سی احادیث میں جو ہیں تو کسی اور سیاق میں مگر ضمناً یثرب کی عمرانی صورت پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں [ان قریوں اور گاؤں کے علاوہ جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے یثرب میں بہت سے باغات و بستان ہوا کرتے تھے جو مختلف قبائل کی آبادیوں میں انہی لوگوں کی ملکیت ہوا کرتے تھے۔ ایسے بساتین یثرب کے اطراف و اکناف میں پھیلے

ہوئے تھے۔(۴) حضرت انس بن مالک ؓ کی روایت ہے [ابوطلحہ ؓ انصار میں سب سے زیادہ امیر تھے اور بیرحاء، جو ان کی ملکیت تھا، ان کو بے حد پیارا تھا اور یہ مسجد (نبوی) کے سامنے کی جانب واقع تھا حضور نبی کریم ﷺ اس کنویں میں تشریف لے جاتے اور اس کا میٹھا پانی نوش فرماتے۔(۵) اس کنویں کے گرد ایک خوبصورت باغیچہ ہوا کرتا تھا جو مدت مدید تک قائم رہا یہ تاریخی کنواں اور باغیچہ باب مجیدی کے سامنے رباط مکھویں اور یتیم خانہ کی جگہ میں جانب واقع تھا اور آج کل یہ ملک فہد کی طرف سے مسجد شریف کے اندر شامل ہو چکا ہے

جیسا کہ اس باب کے شروع میں بیان کیا گیا ہے دیگر قریوں کی طرح یثرب بھی ایک گاؤں تھا جو جبل احد کے جنوب مغرب کی طرف آباد تھا مدینہ طیبہ کے قدیم و جدید مورخین (مثلاً ابن نجار، السمہودی اور انصاری وغیرہ) کی رائے میں یثرب کا قریہ ایسے مقام پر واقع تھا جس کی شرقی جانب وادی قناۃ تھی اور مغرب میں حرف تھا اور یہ دیگر علاقوں کی نسبت یہ گاؤں زیادہ سرسبز و شاداب ہوا کرتا تھا اور اس میں کھجوروں کے باغات سب سے زیادہ تھے۔(۱۶) تاہم زین الدین مراغی جو نویں صدی ہجری کے مشہور مورخ تھے وہ اس بات پر مصر نظر آتے ہیں کہ یثرب کا گاؤں مشہد سیدنا حمزہ ؓ کے پاس تھا جو عین الزرق کی مشرقی جانب ہوا کرتا تھا جسے آج کل عین الشہداء یا سیدنا حمزہ کا چشمہ کہہ کر پکارتے تھے (۱۷) مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ گاؤں دامن احد (وادی قناۃ) سے جبل حرف تک کے علاقے میں پھیلا ہوا تھا مگر جو بھی ہے کہ مدینہ منورہ کا وہی قلب جیسا کہ آج ہے تیار کردہ خاکوں میں سے وادی مذینب اور وادی مہزور کے درمیانی علاقے میں دکھتا ہے جو صرف یہاں سطح پر بہتی ہے

بہر حال یثرب جو صرف ایک گاؤں کا نام تھا جس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی رفتہ رفتہ ان تمام قریوں کا نام پڑ گیا جو اس کے ارد گرد واقع تھے قرآن کریم سے بھی جب منافقین کے قول بطور کا ذکر ہے تو صاف ظاہر ہے کہ یثرب سے تمام مدینہ طیبہ ہی مراد لیا ہے (۱۸) یونانی اور رومی بھی جب یثرب کہتے تو اس سے ان کی مراد پورا شہر ہوتا جو مختلف قریوں کا مجموعہ تھا عربی عام بولی اور سمجھی جاتی تھی گو کہ یہودی اپنی زبانیں یعنی عبرانی (Hebrew) اور ارمیائی (Aramaic) بھی استعمال کرتے تھے مگر یثرب کے تمام قریوں کے باسیوں کی مشترکہ زبان (Lingua Franca) عربی ہی تھی اور یہودی بھی نہ صرف اس کو بولتے تھے بلکہ اس میں شاعری بھی کرتے تھے اور بہت سے محققین کی رائے میں قدیم عربی شاعری کا معتدبہ حصہ یہودی شعراء سے بھی منسوب ہے یہودیوں میں سب سے مشہور شاعر کعب بن اشرف تھا جو ہجویہ اشعار لکھتا تھا (۱۱۹) اور چونکہ اسے اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے خدا واسطے کا بیر تھا وہ بدبخت پرلے درجے کا گستاخ رسول تھا۔ چونکہ عربی شاعری کی دو اصناف (قصیدہ اور ہجاء) بہت مقبول تھیں یہودی شعراء اور شاعرات اپنی شعری مہارت کو اسلام کے خلاف اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے اگرچہ وہ میثاق مدینہ کی شرائط کے تحت اس بات کے پابند تھے کہ وہ ریاست مدینہ کے وفادار بن کر رہیں، مگر وہ بدبخت اسلام دشمنی میں اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ اپنی شاعری میں کھلم کھلا اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ کفار کے کچھ شعراء بھی اس سلسلے میں ان کے ساتھ تھے مثلاً عبداللہ بن الزبعری اور سفیان بن الحارث وغیرہ چونکہ منع کرنے کے باوجود کعب بن الاشرف حضور نبی کریم ﷺ کی گستاخی سے باز نہ آیا تو نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔(۲۰) اسی طرح یہودی شاعرہ (عصماء قرظیہ) بھی اپنے ہی قبیلے کے ایک فرد کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئی۔ ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ عربی ایسی زبان تھی جو تمام یثرب میں بولی اور پڑھی جاتی تھی جبکہ عبرانی یہودیوں کی مذہبی تعلیم تک محدود تھی اور صرف ان کے مدرسوں (Midrashes) میں پڑھائی جاتی تھی

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے [اہل کتاب اپنی تورات کو عبرانی میں پڑھتے اور پھر عربی میں مسلمانوں کو بیان کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب پر اتنا زیادہ بھروسہ نہ کرو بلکہ صرف یہ کہہ دیا کرو (ہم تو صرف اللہ پر اور جو ہم پر اور تم پر نازل ہوا ہے اس

پر ایمان لائے ہیں۔)] (۱۲۱) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی الامی لعالی القدر ﷺ نے حضرت زید ابن ثابت ؓ کو عبرانی سیکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جس پر انہوں نے حضور والا شان ﷺ کی دعا و برکت سے تھوڑے ہی عرصے میں عبور حاصل کر لیا تھا (۲۲)

اسلام کا آفتاب عالم تاب یثرب کے گھپ اندھیروں کو مدینۃ النبی ﷺ کی صورت میں منور کر دیتا ہے

یثرب کے معانی میں ایک یہ بھی ہے "ایسی جگہ جو انسانوں کا شکار کرے یا ایسی جگہ جہاں انسان بیماریوں کا شکار ہو جائے"۔ جدید لغت میں ایسی جگہ جو آلودگی اور ملوث سے پر ہو وہ یثرب ہے جو عربی لفظ ثرب اور تثریب سے مشتق ہے قرآن کریم نے لفظ تثریب "مواخذہ، سرزنش اور مجرم کے محاسبے کے لیے" استعمال کیا ہے (۲۳) اور ثرب کا مطلب "فساد" ہے نبی اکرم ﷺ کے ورود مسعود سے پہلے یثرب ان تمام قباحتوں کا مجموعہ تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسلام سے پہلے کے یثرب کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ [اے عربو اسلام سے پہلے تم بدترین عقائد اور رسم و رواج کے پیروکار تھے اور تم مکروہ ترین قطعہ ارضی پر بستے تھے تم سنگلاخ دھرتی پر زہریلے سانپوں کے درمیان رہتے تھے، اور آلودہ پانی پیا کرتے تھے کھانے کو تمہیں کچھ نہیں ملتا تھا تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور صلہ رحمی کے تمام تقاضے بھول چکے تھے تمہارے دن رات اصنام پرستی اور شرک میں گزرتے اور گناہوں نے تمہیں نامرد بنا چھوڑا تھا] (۲۴)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں [جب رسول مقبول ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کرۂ ارض پر اس سے زیادہ بیماریوں سے اٹا ہوا کوئی اور خطہ نہیں تھا جس کی وجہ سے آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی بیمار پڑ گئے تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا] (۱۲۵) اسی طرح وادی بطحان کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ اس کا پانی بہت زیادہ آلودہ ہوا کرتا تھا [جب ہم مدینہ پہنچے تو یہ اللہ تعالیٰ کی تمام زمینوں سے زیادہ مضر صحت جگہ تھی اور وادی بطحان میں آلودہ، ناپاک اور بے رنگ پانی بہا کرتا تھا] (۱۲۶) شائد یہی وجہ تھی کہ وہاں کے قدیم باسی بھی اسے طنزیہ "یثرب" کہہ کر پکارنا زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔(۱۲۷) سبحان اللہ کیا مقام تھا ان قدوم میمنت لزوم کا کہ جہاں پڑ گئے اسے جنت نظیر کر دیا جہاں سراج منیر روشن ہو وہاں اندھیروں کا کیا کام؟

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرہ خاک کو دیا تو نے طلوع آفتاب

حضرت محمد مصطفی احمد مجتبی، بدر الدجی ﷺ کے انوار لامتناہیہ یثرب کی تیرہ و تار شب دیجور کو من الظلمت الی النور اس طرح نکھار آئے کہ یثرب کے بچے بچے کی زبان پر تھا

صـــــع البـــدر عـــيـــنـــا مـــن ثـــنـــيـــات الـــوداع

یعنی ارض مدینہ بدر کامل سے روشن اور منور ہو گئی ہے۔

حضرت انس ابن مالک ؓ کا ارشاد ہے کہ: [جس دن رسول مقبول ﷺ نے قباء میں قدم مبارک رکھا یثرب کے اندھیرے چھٹ گئے۔] وادی بطحان جس کا پانی سارے زمانے سے زیادہ آلودہ اور بدبودار تھا جنت کی وادی کہلائی، وہی قصبہ جو بیماریوں اور وباؤں کا گھر تھا اس کی تراب باعث شفاء بن گئی۔(۱۲۸) اس کی سنگلاخ دھرتی جس کے سینے پر بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ زہریلے سانپ لوٹا کرتے تھے حرم مدنی بن کر تقدس و تکرم کی سدرۃ المنتہی پر پہنچ گئی۔ خود رب ذوالجلال نے اس کا نام بدل کر "یثرب" سے طابہ کر دیا۔(۱۲۹) اس کے اندر اور

باہر کے کھوٹ کو حرم مدنی کی بھٹی نے باہر پھینک کر پرقیمتہ کو یہ کندن بنا دیا جس کی قدر و قیمت انسان کیا سمجھ سکتا ہے ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے [والمدینہ خیر لھم لو کانوا یعلمون - مدینہ ان کے لیے بہتر ہے کاش کہ وہ یہ جان لیں کہ مدینہ کیا ہے]۔ ایک اور ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے [مجھے ایک ایسے قصبے میں ہجرت کرنے کا حکم ملا ہے جو کہ شہروں پر غالب آجائے گا وہ اسے یثرب کہتے ہیں مگر اس کا نام مدینہ ہے یہ برے لوگوں کو اپنے سے نکال باہر کرتا ہے جیسے کوٹھی یا بھٹی فولاد سے زنگ اور کھوٹ کو دور کر دیتی ہے](۱۳۰)

یثرب کی کایا ایسی پلٹی کہ وہ حکم الٰہی سے مدینہ بھی ہو، طیبہ (اچھائی اور نفاست) ہو، طابہ (پاک اور خوشبودار) ہو، اور پھر مطابہ (لطافت و محبت) ہو اور پھر بحکم تاجدار بطحیٰ و طیبہ ﷺ اس کو یثرب کہنے کی بھی ممانعت کر دی گئی اور جو بھی اس گناہ کا مرتکب ہوتا اسے دس مرتبہ استغفار کرنے کا حکم ہوا۔ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے کہ [وہ جو مدینہ کو یثرب کہے گا اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، یہ طابہ ہے طابہ](۱۳۱) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے یثرب مت کہو، بلکہ طیبہ کہو جو بھی اسے یثرب کہے اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ رب العزت سے تین بار استغفار کرے۔ یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے](۱۳۲) حضرت ابوحمیدؓ نے روایت کی ہے کہ [ہم حضور نبی کریم ﷺ کی معیت میں غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے جب آپ کی نگاہ کرم مدینہ پر پڑی تو ارشاد فرمایا [یہ طیبہ ہے اور یہ احد جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔](۱۳۳)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے یہودی صحف سماوی کے ارشاد کے مطابق علاقہ حجاز میں جو قیدار (قریش) کے آنگن سے طلوع ہونے والے آفتاب عالمتاب کے انوار کے منتظر تھے وہ قریہ قریہ گاؤں گاؤں تلاش کرتے اور یثرب میں اس لیے آباد ہوئے تھے کہ گوہر مقصود وہیں سے ہاتھ لگنا تھا وہ خیبر بھی گئے، تیماء بھی ہو آئے اور فدک کے نخلستانوں کو بھی آباد کر کے دیکھ چکے مگر کوئی بھی قصبہ ان کے علماء کی بتائی ہوئی نشانیوں پر پورا نہ اترتا تھا لہٰذا مزید پیچھے کی طرف جنوب میں کوچ کر کے کوہ اضم کے دامن میں غابہ کے جنگلوں کے پار انہوں نے یثرب کی وادیوں کا انتخاب کیا کیونکہ اس کے نخلستان اور اس کے سلسلہ ہائے کوہسار زبان حال سے پکار پکار کر اس بات کی تصدیق کر رہے تھے کہ آنے والا یہیں آئے گا۔ زمانہ طفولیت میں جب حضور پرنور ﷺ اپنی والدہ محترمہ حضرت آمنہ بنت وہبؓ کے ہمراہ یثرب آئے تو یہودی کھوج لگا کر بنو نجار کی شاخ بنو عدی کے دروازے تک آگئے تھے جہاں آپ ﷺ اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ مقیم تھے اور آپ ﷺ کو دیکھتے ہی وہ یہ پکار اٹھے تھے کہ یہی گوہر مقصود ہیں جس کا ان کو صدیوں سے انتظار تھا جب کبھی وہ عرب مقیمین سے نبرد آزما ہوتے تو ان کے ربی ورعلماء علی الاعلان اوس و خزرج کو چیلنج کرتے ذرا ٹھہرو نبی آخر الزماں کو آنے دو پھر ہم تمہیں نکال باہر کریں گے (۱۳۴) اور اس سے صدیوں پہلے یمن کا ایک حمیری تبع اپنا خط اپنے علماء میں سے ایک کے ہاتھ میں دے کر اس کو یثرب میں بسا گیا تھا کہ جب بھی وہ نبی منتظر تشریف لائیں تو اس کا وہ خط آپ تک پہنچا دیا جائے کئی صدیوں کی مسافت طے کر کے ایک نسل سے دوسری نسل منتقل ہوتا ہوا وہ خط حضرت ابوایوب انصاریؓ تک پہنچا اور انہیں یہ سعادت نصیب ہوئی کہ تبع کا مکتوب آپ کی خدمت میں پیش کریں۔(۱۳۵) عیسائیوں کا ایک راہب (بحیرہ) آمد نبی ﷺ کے انتظار میں دمشق سے یثرب آنے والے طریق پر سر راہ ڈیرہ جما کے بیٹھ گیا تھا اور حضور سرکار دو عالم ﷺ کے عالم طفولیت میں ہی چہرہ پرنور کو دیکھ کر پکار اٹھا تھا اے ابی طالب اس بچے کی جتنی بھی ہو سکے حفاظت کرنا اس کی قوم اسے اپنے مولد سے نکال دے گی اور یہ ابی طالب آپ حضور ﷺ کو مکہ واپس لے آئے تھے (۱۳۶) ہزاروں میل دور سے سفر کرتے ہوئے سلمان فارسیؓ نور ہدی اور شمس الضحیٰ ﷺ کی تلاش میں زندگی کی ہر آسائش کو تیاگ کر مختلف ہاتھوں میں بکتے بکاتے بنی قریضہ کے یہودی کی غلامی اختیار کر کے صرف اس لیے یثرب میں آباد ہو گئے تھے کہ حضور نبی آخر الزماں سید الانس والجاں ﷺ کا ظہور وہیں پر ہونا تھا۔ وہ پیدائشی زرتشت تھے، تلاش حق میں پہلے نصرانی ہوئے اور پھر انہوں نے یہودیت اختیار کر لی تھی۔ اس طرح مختلف ادیان کی روایت سے وہ یہ جان چکے تھے کہ

۸۰ء کی دہائی میں مسجد نبوی شریف کے اردگرد آبادی کی ایک جھلک

وہ یہیں ہجرت کر کے آئیں گے اور عرب میں پیدا ہوں گے مگر اپنے مولد سے ہجرت کر کے ایک ایسے شہر میں آبسیں گے جو دو حروں کے درمیان واقع ہو گا وہ ایک ایسا قصبہ ہو گا جہاں کھجوروں کی بہتات ہو گی۔ ان کی نشانیاں یہ ہوں گی آپ تحفے میں دی گئی چیز قبول کر کے کھا لیں گے مگر صدقہ کی چیز قبول نہیں کریں گے اور آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی

اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یثرب کی ایک نہایت ہی منفرد حیثیت تھی جو محض اس لیے نہیں تھی کہ وہاں کی زمین زرخیز تھی اور وہاں خوبصورت اور سرسبز نخلستان تھے بلکہ اس لیے کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ کی جائے ہجرت اور مقام ظہور تھا۔ شمالی حجاز میں کون سا قصبہ ایسا تھا جہاں سامان زیست وافر و فراوانی سے مہیا نہیں تھا خیبر و فدک، تیماء و دومۃ الجندل سب کے سب سرسبز تھے مگر یہ فخر تو روز ازل سے ہی یثرب کے حصے میں لکھا جا چکا تھا کہ اسی کی سرزمین سید الاولین و الآخرین ﷺ کا ابد تک مسکن بنے گی اور پھر متواتر پیش گوئیوں کے سبب یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی بھی نہیں تھی۔ یہود و نصاریٰ، زرتشتی و حمیری، عرب و عجم، آقا و عبید، سب کی نگاہیں اس خطہ ارض پر لگی ہوئی تھیں جو اس کائنات کے مقصود وجود کا مسکن ہونے والی تھی

ہر ایک فرد منتظر تھا کہ رسول مقبول ﷺ کا ہر ایک قوم چشم براہ تھی اپنے نجات دہندہ کی، یثرب کے حسن و خوب پر شیدا ہونے کن کن انبیاء نے قدم رنجہ فرمایا ہو گا وہاں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی آئے اور چلے گئے لیکن یثرب کی تقدیر نہ بدل سکی مگر اب کی بار اس کے کاخ و کو، اس کے نشیب و فراز، پہاڑ، اس کی بل کھاتی وادیاں، اس کی سرزمین کا ایک ایک ذرہ اس ہستی عظیم کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے تھا

جس کے لیے وہ تو کیا ساری کائنات معرض وجود میں آئی تھی اور جن کی بدولت یثرب اکالۃ القریٰ ورئیس البلدان بننے والا تھا

ہم اس باب کے اختتام سے پہلے قارئین کی توجہ ایک اور بہت باریک اور دلچسپ نقطے کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے یثرب کے دور میں یا اس سے بھی بہت پہلے شمالی حجاز کے دیگر قصبے اور شہر تہذیب وتمدن کے گہوارے تھے وہ اس لحاظ سے یثرب سے کہیں آگے تھے دومۃ الجندل (الجوف کے نواح میں آج بھی اس کے کھنڈرات موجود ہیں) تو غسانی سلطنت کا پایہ تخت تھا مدائن صالح اور تیماء پر عاد وثمود کی وہ قومیں راج کرتی تھیں جو مٹی سے بنائے گھروں میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں وہ اس کی بجائے پہاڑوں کو کھود کر اپنے مسکن ومسرح اور مدفن بنایا کرتی تھیں تاکہ ان کے عروج پر زوال نہ آنے پائے۔ خیبر کا قلعہ مرحب آج بھی دیکھنے والے کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ وہ اپنی سطوت رفتہ پر نوحہ گر ہے۔ تہذیب وتمدن کے یہ گہوارے آج کھنڈرات کی شکل میں دیدہ عبرت نگاہ کو اپنی کم مائیگی اور بے ثباتی پر خون کے آنسو بہانے کی التجائیں کرتے ہیں۔ اگر کسی میں او بولتے ہیں تو دوسرے میں شپرہ چمگادڑ درختوں کی ڈالیوں پہ الٹے لٹک کر آنکھیں موند لیتے ہیں مبادا کہ کوئی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان سے یہ سوال نہ کر بیٹھے کہ تمہارے آثار قدیمہ کے محلات کی عظمت رفتہ کہاں گئی اس کے برعکس یثرب نسبت رسول مقبول ﷺ کا جامہ زیب تن کر کے ببانگ دہل اعلان کرتا ہے:

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد نبوی ہے: [آخری قریہ جو قیامت برپا ہونے سے قبل پہلے صفحہ ہستی سے مٹایا جائے گا وہ مدینہ طیبہ ہوگا۔] (۱۳۷) اور ایک دوسری حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ یوم نشور کو صور اسرافیل پھونکے جانے پر پوری کائنات میں سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھنے والی ذات مبارکہ خود نبی اکرم ﷺ ہوں گے اور پھر اس کے بعد شیخین کریم رضوان اللہ علیہما اور پھر بقیع الغرقد سے دیگر لوگ اٹھائے جائیں گے جو کہ اس شہر مقدس کی ابدیت کی دلیل ہے یثرب اگر یثرب ہی رہتا تو کبھی کا ناپید ہو چکا ہوتا اور دنیا اس کا نام تک بھول چکی ہوتی مگر چونکہ یہ شہر حبیب مدینۃ النبی بن گیا تھا اسے نہ صرف دوام بدل مل گیا بلکہ سراج منیر ﷺ کے وجود مسعود کے طفیل سے مومنین کے دلوں کو مدینہ منورہ کے نام نامی سے تا ابد منور کرتا رہے گا جو چیز یثرب کو دوام بخش گئی وہ اس کا فخر موجودات اور فخر نوع انسانی ﷺ کا مسکن ومدفن ہو جانا تھا اور اسی نسبت میں اس کی عظمت وسطوت کا راز پنہاں ہے اس کی معطر ہوائیں اس کی پرنور فضا میں وقت کی جلترنگ پر ہر دم یہ نغمہ الاپتی ہیں

مدینہ کعبہ صفت محترم زعالم شد
زافتخار قیام تو یا رسول اللہ

حواشی

(۱) القرآن الکریم (الاحزاب: ۱۳)

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب (اردو ترجمہ حکیم سید عرفان علی ۱۹۳۴) تاج کمپنی دہلی طبعہ اولی ۱۹۸۷ صفحات ۴۹-۵۰

(۳) شہاب الدین ابی عبداللہ یاقوت الحموی (ت ۶۲۶ ہجری) معجم البلدان، دار احیاء التراث العربی، بیروت (۱۹۹۷)، ج ۴، ص ۴۹۶

(۴) قرآن مجید فرقان حمید کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال سے زیادہ تھی اس لیے حضرت نوح علیہ السلام سے یثرب بن عبیل تک کی آٹھ نسلوں کی عمروں کا دورانیہ آج کل کی آٹھ پیڑھیوں کے برابر نہیں سمجھنا چاہیے۔

(۵) محمد حسن شراب، المدینۃ النبویۃ، فجر الاسلام والعصر الراشدی، دار القلم، دمشق، طبعہ اولی (۱۹۹۴) ص ۲۸

(۶) محققین کی عام رائے یہ ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد اللہ کے کرم سے بچ رہ جانے والے افراد میں سے چند الاحقاف (حضرموت) میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ عاد کا قبیلہ تھا جو سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور پھر انہیں کی اولاد میں سے تمام عرب پیدا ہوئے، اسی لیے تمام عرب اپنے آپ کو سامی النسل کہتے ہیں

(۷) ڈاکٹر یاسین العصیان، مدینۃ یثرب قبل الاسلام، ص ۵۰

(۸) انجیل کے عہد نامہ عتیق کے مطابق نبیوط حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ان کے دوسرے بیٹے کا نام کیدار تھا نبیوط کی اولاد پھیل کر ان علاقوں پر چھا گئی جن کو آج فلسطین کہا جاتا ہے جس کی سرحدیں اس وقت مدائن اور جزیرہ نمائے عرب کے صحرائے نفود تک تھیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ نبط بذات خود نبیوط کی بگڑی ہوئی شکل ہے پیٹرا ان کی حکومت کا پایہ تخت تھا یہ اہل عمالقہ کی طرح معدوم نہیں ہوئے بلکہ ان میں سے کچھ حضور ﷺ کے دور مبارک تک زندہ تھے جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن حکیم کو پتہ چلا کہ حمص کے حاکم نے کچھ نبطیوں کو جزیے کی ادائیگی میں قید کیا ہوا تھا تو اسے منع کیا (صحیح بخاری ج ۳، نمبر ۶۳۳۰) اس کے علاوہ چند دیگر احادیث میں بھی نبطیوں کا ذکر ملتا ہے جو یثرب میں سوق بنو قینقاع میں کاروبار کیا کرتے تھے ابن سعد نے تو یثرب میں ایک بازار کا بھی ذکر کیا ہے جو بنی عامر کے علاقے میں سوق نباط کے نام سے جانا جاتا تھا (ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج ۵، ص ۳۹۵) حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور میں چالیس قبطی معمار جو نبط میں سے تھے شام سے مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے مدینہ طیبہ لائے گئے تھے بہرحال وقت کے ساتھ ساتھ چونکہ بہت سارے نبطی دائرہ اسلام میں آ گئے تھے وہ باقی عربوں کی طرح معرب ہو گئے اور انہوں نے بعد از اسلام میں اسلامی افواج میں شامل ہو کر جہاد اور فتوحات میں بہت کردار ادا کیا تھا اردن، شام اور لبنان کے بہت سے عرب انہیں نبطیوں کی اولاد میں سے ہیں۔ بنو امیہ اور بنو عباس کی خلافت کے ادوار میں ان میں سے زیادہ تر کاشتکاری کرنے لگ گئے تھے اور یوں آہستہ آہستہ وہ لوگ عربی دھارے میں شامل ہو گئے تھے

جہاں تک حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے کیدار (عربی اس کو قیدار لکھتے ہیں) کا تعلق ہے اس کی اولاد ان علاقوں میں پھیلی پھولی جن کو آج ہم ارض حجاز کہتے ہیں اور ان سے بہت سارے قبیلوں نے جنم لیا جن میں سے ایک قبیلہ قریش بھی تھا پلینی (Pliny) جو قدیم یونان کے مشاہیر مورخین میں سے ایک ہے ان قبیلے کیداریوں کو کیدری (Cedre)، کیدرینی (Cedareni) اور گیدرانائے (Gedranitae) کا نام دیتا ہے پادری (Reverend) چارلس فورسٹر اپنی کتاب جیوگرافی آف عریبیہ (Geography of Arabia) کی ج ۱ صفحات ۲۴۳ ۲۴۴ میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ کیداری جن کا ذکر انجیل میں آیا ہے وہ ان علاقوں میں بس گئے تھے جن کو آج کل ہم حجاز کہتے ہیں۔ وہ عہد نامہ عتیق کی مندرجہ ذیل آیت سے استنباط کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ [بیابان اور اس کی بستیاں اور قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں] ترجمہ شدہ متن میں: [اور بستیوں کو بلند آواز میں ان گاؤں اور قریوں کے متعلق گانا چاہیے سلع (چٹان) کے باشندوں کو حمد گانا چاہیے انہیں چاہیے کہ وہ چٹانوں کی چوٹیوں پر سے حمد گائیں اور اپنے رب کی پاکی بیان کریں اور اس کی حمد ہر جگہ پہنچائیں] (isarah, xlii 11and12) وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ انجیل میں ذکر کی گئی تفاصیل ارض حجاز میں واقع آبادیوں سے مل جاتی ہے (ایضاً ص ۲۴۴)

یہ کتاب پہلے ۱۸۴۴ میں آرک بشپ آف کینٹربری کے لیے چھپی تھی اور پھر ۱۹۸۴ میں دوبارہ طبع کی گئی ہے۔ (یاد رہے کہ عبرانی زبان میں سلع کا ترجمہ 'چٹان' ہے اس سے مراد جبل سلع ہے جس کے ایک درے میں ثنیات الوداع واقع ہوا کرتی تھے جہاں یثرب کے باشندوں نے دف بجا کر طلع البدر علینا کا خوش آمدیدی نغمہ گایا تھا انجیل کے مترجموں نے اس پیش گوئی کو گڈمڈ کرنے کے لیے سلع کی جگہ عام چٹان کا لفظ لکھا ہوا ہے تاکہ انجیل پڑھنے والے اس

روکنے کی کوشش کی جو ہجرت کرنا چاہتے تھے، کیونکہ وہ سونتی ہوئی تلواروں اور چلہ میں تنے ہوئے تیروں اور اس جنگ کی وجہ سے بھاگے تھے جو ان پر تھوپ دی گئی تھی)'' عرب کا جغرافیہ تو دی تھا جس کو یونانی lathrippa اور Yathribu یعنی سبائی YTHRB کہتے تھے اور وس وخزرج کے کہنے کے مطابق وہ یثرب تھا جس کو یثرب بن عبیل نے آباد کیا تھا

حضرت داؤد علیہ السلام (Psalms of David) کے باب نمبر ۷۲ میں ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی شان مبارکہ میں پیش گوئی ملتی ہے۔ ان کا حکم ایک سمندر سے دوسرے سمندر پار اور یک دریا سے دنیا کے ہر کونے تک چلے گا۔ بادیہ نشین ان کی اطاعت کریں گے اور ان کے دشمن ذلیل وخوار ہوں گے ترشیش کے حکمران اور دور دراز واقع ملکوں کے شہنشاہ انہیں خراج ادا کریں گے شیبا اور سبا کے حکمران انہیں تحائف بھیجیں گے، شہنشاہ عام ان کے سامنے اپنا سر نیچا کر لیں گے اور تمام قومیں ان کی خدمت کریں گی کیونکہ وہ حاجتمندوں کی حاجت روائی اور مظلوموں کی دادرسی کریں گے وہ کمزور ومحتاجوں پر رحم کریں گے اور مسکینوں کو (افلاس کی وجہ سے) موت سے بچائیں گے۔ وہ انہیں ظلم و بربریت سے نجات دلائیں گے کیونکہ ان کی نظر میں دکھی انسانیت کے خون کی بڑی قیمت ہوگی۔ یہ بھی پیشینگوئیوں کی حقانیت تھی جن سے حضور نبی کریم ﷺ کے یثرب پہنچتے ہی حصین ابن شیوم قبول اسلام کرکے عبداللہ ابن سلام بن گئے۔ یہی پیش گوئیاں یہودیوں میں تو زبان زد عام تھیں کہ ان کا بچہ بچہ آپ کو پہچانتا تھا۔ بالفاظ قرآن کریم [وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے آپ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو مگر ان میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپا رہے ہیں۔] (القرآن کریم البقرہ-۱۴۶)

(۵۶) یہود اس نبی موعود کی یثرب آمد پر اس درجہ یقین رکھتے تھے کہ وہ عربوں کو دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ جونہی آپ ﷺ تشریف لائے تو وہ عربوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے اس قسم کی باتوں سے عربوں کے دل میں بھی یہ بات جاگزیں کر دی تھی کہ ایمان لانے میں وہ یہود پر سبقت لے جائیں گے یہ اثر تھا عربوں کے پہلے گروہ کے قریب جب حضور نبی کریم ﷺ سے مکہ کی جو میں ملے اور بیعت عقبہ بجا لائے تو وہ ایک دوسرے سے یہ کہتے تھے [اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی وہ نبی ہیں جس کے نام سے یہودہمیں دھمکیاں دیتے رہتے ہیں، چلیں ہم ان سے بھی پہل کرتے ہیں اور آپ پر ایمان لے آتے ہیں۔] قرآن الکریم (بقرہ:۸۹) نے ان کی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے

(۵۷) De Lacy O'Leary، مصدر مذکور، صفحات ۷-۸

(۵۸) البلاذری، مصدر مذکور، ص ۲۹

(۵۹) De Lacy O'Leary، مصدر مذکور، ص ۳-

(۶۰) ابن نجار، مصدر مذکور، صفحات ۳۷-۳۸

(۶۱) اوس اور خزرج دو سگے بھائی تھے جو قیلہ کے بطن سے پیدا ہوئے پھر ان دونوں کی اولاد پھل پھول کر دو الگ الگ قبیلوں میں منقسم ہو گئی۔ ان کے قبیلے میں ماں کے درجے کا بہت خیال رکھا جاتا تھا اور اسی لیے مجموعی طور جب دونوں کو مخاطب کرنا ہوتا تو انہیں بنو قیلہ کہا جاتا تھا۔ خزرج قبیلہ کی بہت سی شاخیں تھیں بنو نجار، بنو حارث، بنو حرام، بنو سلمہ، بنو عوف، وغیرہ اور اوس شاخوں میں بٹ چکا تھا بنو ظفر، بنو عمرو بن عوف، بنو عبد الاشہل اور بنو حارثہ وغیرہ وغیرہ۔ اوس اور خزرج کی مختلف شعوب سے چنے گئے بارہ نقباء نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت عقبہ اولیٰ میں یک زبان ہو کر عہد کیا کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی پرستش نہیں کریں گے، ہم چوری نہیں کریں گے اور نہ ہی زنا کا ارتکاب کریں گے اور نہ اپنے بچوں کو ماریں گے ہم کسی طور بھی نبی اکرم ﷺ پر انگلی نہیں اٹھائیں گے، ور نہ ہی حق و صداقت میں ان کی حکم عدولی کریں گے۔ ان بارہ نقباء میں سے نو خزرج میں سے تھے اور تین اوس سے تھے (صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، دار السلام، ریاض، ۱۹۹۳، ص ۱۵۲).

(۶۲) مشہور صحابی حضرت عبداللہ ابن سلام جو پہلے یہودی عالم تھے یہود کے قبیلہ بنو قینقاع سے تعلق رکھتے تھے (صحیح بخاری، فضائل عبداللہ ابن سلام، نمبر ۳۶۰۷).

(۶۳) سنن ابی داؤد، ۳۹۹۱-۴۴۷۹

(۶۴) یہود کے قبائل جنہوں نے میثاق مدینہ پر دستخط کئے ان کے نام نص میثاق میں درج تھے۔ دیگر یہودی جو اوس اور خزرج سے تبدیل دین کر کے یہودیت میں داخل ہوئے تھے اور جو میثاق مدینہ میں فریق مانے گئے تھے ان کو بھی یہود کے برابر درجہ دیا گیا تھا

(۶۵) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، ۲۶۷۶-۲۹۷۶

(۶۶) ڈی ایس مارگولیتھ (Muhammad and the Rise of Islam, London, 1931)

(۶۷) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، ناشر اسعد طرابزونی، الحسینی (۱۳۰۵ ہجری) ص ۲۶ جہاں پر تمام مورخین نے یہ واقعہ بیان کیا ہے وہاں چند جدید ذہن کے عربی مورخین جنہوں نے تاریخ مدینہ پر قلم اٹھایا ہے اس روایت کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں مثلاً ڈاکٹر محمد السید الوکیل، یثرب قبل الاسلام، دوسرا ایڈیشن (۱۹۸۹) صفحات ۷۵-۷۹ اور ڈاکٹر احمد ابراہیم الشریف، مکۃ والمدینۃ فی الجاہلیۃ وعہد الرسول، دار الفکر العربی قاہرہ، ۲۰۰۰، صفحات ۲۷۳-۲۷۴

(۶۸) القرآن الکریم (آل عمران ۷۵)

(۶۹) صفی الرحمن مبارکپوری، مصدر مذکور، ص ۱۸۰

(۷۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ The Life and Work of the Prophet of Islam، اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلام آباد (۱۹۹۸) جلد ا، ص ۳۲

(۷۱) زین الدین بن ابی بکر المراغی (ت ۸۱۶ ہجری) تحقیق النصرہ بتلخیص معالم دار الہجرہ، مکتبۃ العلمیہ مدینۃ المنورہ، ۱۹۸۱، ص ۲۳.

(۷۲) محمد طاہر الکردی، کتاب التقویم المکی وبیت اللہ الکریم، طبعہ اولیٰ (۱۳۱۲ ہجری) صفحات ۳۹۰-۳۹۱، نیز ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۳۹

(۷۳) مجدالدین محمد ابن یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ھ)، مصدر مذکور، ص ۲۲۵

(۷۴) عبدالقدوس ہاشمی، آثار المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن (۱۹۸۵) ص ۲۹

(۷۵) الطاہر مکی، ڈاکٹر محمد عید، شعر العرب فی الجاہلیۃ عند الاوس والخزرج، دار القلم، بیروت، ۱۹۸۰، صفحات ۵۳-۶۰

(۷۶) ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن، تاریخ الیہود فی بلاد العرب، قاہرہ (۱۹۲۷) صفحات ۱۶-۱۷ ایسے قلعے یثرب میں یہودی تہذیب میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے قرآن کریم نے سورۃ الحشر (۵۹: ۱۴) میں انہیں قسم کے قلعوں کا یہ کہہ کر ذکر کیا ہے یہ لوگ (یہود) سب مل کر بھی تم سے لڑ نہ سکیں گے مگر ایسی بستیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیواروں کی آڑ میں چھپ کر

(۷۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مصدر مذکور، ص ۳۳

(۷۸) یہ بات قابل ذکر ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک معاصر اور مدنی مورخ نے کہا ہے کہ یہ قلعہ اس جگہ بنایا گیا ہے جہاں پر کبھی ثنیات الوداع واقع تھی جہاں پر حضور نبی کریم ﷺ کا استقبال کیا گیا تھا اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ قلعہ قدیم دور قبل از اسلام کا نہیں ہو سکتا تاہم قدیم ہونے کی وجہ سے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی طرز پر بنایا گیا ہوگا جو کہ باقی قدیم قلعوں کی ہوگی

(۷۹) سید میر علی، روح اسلام The Spirit of Islam، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور، پاکستان، ص ۵۳

(۸۰) القرآن الکریم (النمل ۴۴)

(۸۱) القرآن الکریم (السباء ۱۵)

(۸۲) القرآن الکریم (النمل ۴۴)

(۸۳) القرآن الکریم (السباء ۹)

(۸۴) ایضاً

(۸۵) وادی تحریری التراث (Asir Heritage and Civilization) سعودی وزارۃ اطلاعات (۱۹۸۷) صفحات ۷-۱۸ [عصر حاضر میں یہ خیال بھی عام ہے کہ جنوب مغربی قبائل نے شمال کی طرف نقل مکانی کی عسیر اور اردگرد کے علاقوں سے جو آثار قدیمہ دریافت ہوئے ہیں جن میں سبائی اور معینی کتبہ جات بھی شامل ہیں سے اس خیال کو خاصی تقویت ملتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ قحط سالی اور شدید موسمی صعوبتوں اور دیگر زبوں حالی نے ان لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور کیا ہو۔ اس بڑے پیمانے پر نقل مکانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ شمال میں ۳۵۰ ق م کے لگ بھگ نبطی مملکت قائم ہوگئی۔]

(۸۶) القرآن الکریم (السباء ۱۶-۱۷)

(۸۷) القرآن الکریم (الحجر ۸۰) قرآن کریم نے اس ایک قوم کا بھی ذکر کیا ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی امت تھے اور ثمود (اہل مدائن) کا بھی جو اس خطے میں آباد تھے اور پتھروں کو کھود کر اپنے گھر بنایا کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں ان کے کھنڈرات آج بھی سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں

(۸۸) القرآن الکریم (القریش ۲).

(۸۹) قرآن کریم نے بھی خاندان تبع کے بادشاہوں کا ذکر کیا ہے (سورہ الدخان ۳۶ اور سورہ ق ۱۴) یہ وہ قوم تھی جو اپنے نبیوں کو جھٹلاتی تھی اور اس لیے رب العزت کے غضب اور عتاب کا نشانہ بنی تبع ان بادشاہوں کا سرکاری لقب تھا جو حضرموت اور حمیار کے علاقوں پر حکمران تھے۔ ابن اسحاق کے مطابق وہ تبع جس نے یثرب پر چڑھائی کی تھی اس کا نام تبان "اسعد ابو کریب" تھا جو حمیری خاندان (جو قحطانی النسل تھے) کا آخری تاجدار تھا اس نے کعبۃ المشرفہ پر سب سے پہلے باقاعدہ چڑھاوا چڑھایا تھا (ڈاکٹر علی حسن الخربوطلی، تاریخ الکعبہ، دار الجیل بیروت، ۱۹۷۸، ص ۴۱) یہ وہی تبع تھا جس نے یثرب پر چڑھائی کی تھی تاکہ اس کی حفاظت سے بیعت ہو جائے کیونکہ وہاں بسنے والے یہودیوں نے اس کے شہزادے کو مار دیا تھا۔ عصبیات حرب کے دوران چند یہودی ربیوں نے اس کو باور کروا دیا کہ وہ یثرب کو تباہ کرنے کا خیال دل سے نکال دے کیونکہ یہ وہ جگہ تھی جہاں نبی آخر الزماں ﷺ نے تشریف لانی تھی اس پر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا (سیرۃ رسول اللہ انگریزی ترجمہ الفریڈ گیوم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی (۱۹۷۸) صفحات ۷-۹) ابن اسحاق نے وہ نعت بھی نقل کی ہے جو تبع سے منسوب ہے جس میں وہ یہ کہتا ہے:

میں جب یثرب آیا تو میرا سینہ اپنے فرزند کے انتقام کی آگ سے جل رہا تھا اور میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں اس کے شہر یثرب کو تباہ کر کے اس کی

بعثت سے بعثت تک ہتھیاروں کا دم نہ لوں گا مگر قریظہ سے ایک عالم دانا نے مجھے مشورہ دیا کہ اس قریشی ہادی برحق کے صدقے جو مکہ سے آئیں گے اس شہر محفوظ سے دوری رہو ساتو پچھتاؤ گے، لہٰذا میں نے ان سب کو معاف کر دیا اور ان کا معاملہ روز حشر تک اللہ پر چھوڑ دیا میں یہاں پے چند لوگ اس نبی موعود کے لیے چھوڑ کر جا رہا ہوں جو خاندانی ہیں اور بیماری میں پتا تا نہیں رکھتے اور جو فتح کے حصول تک میدان کارزار میں ڈٹے رہتے ہیں، مجھے امید ہے کہ رب محمد (ﷺ) مجھے اس کا صدہ دیں گے

جب یہود نے اسے یہ بتایا کہ وہ بذات خود کئی نسلوں سے اس شہر میں اس لیے مقیم ہیں کہ تورات میں مذکور نبی موعود کا ظہور یہیں سے ہونا ہے تو اس نے بے تحاشا نوں میں سے ایک قریب ترین کو ایک خط لکھ کر دیا اور سے وہاں آباد کر دیا اس خط میں اس نے یہ لکھا تھا

شهدت على احمد انه — رسول من الله بارى النسم
فلو مد عمرى الى عمره — لكنت وزيرا له وابن عم

میں شہادت دیتا ہوں کہ احمد برحق ور اللہ (جو خالق روح ہے) کے رسول ہیں، اگر میں اس دور تک زندہ رہا تو میں ان کا وزیر و قرابت دار بنوں گا (یعنی میں ان کو اپنا شہنشاہ و حکمران کی تحقیق میں رہوں گا)

نسل در نسل یہ خط ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ منتقل ہوتا رہا تا آنکہ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کے پاس پہنچا اور انہیں وہ خط حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کا فخر حاصل ہوا (شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ناشر نوری کتب خانہ لاہور، ص ۹۰

(۹۰) جرجی زیدان، مصدر مذکور، ص ۴۴۳
(۹۱) صالح لمعی مصطفیٰ کی (Al-Madina al-Munawwara-Urban Development and Architectural Heritage) بیروت (۱۹۸۱) ص ۳۲۹
(۹۲) یہ مقام جنت البقیع کی جنوبی جانب ایک اونچی سطح پر واقع تھا جس طرف شارع علی ابن ابی طالب ہے جو پہلے شارع عوالی ہوتی تھی
(۹۳) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج ا، ص ۶۷.
(۹۴) قرآن پاک کی بہت سی آیات اور احادیث مبارکہ یہود کے عمل میں رائج جادو ٹونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں، خود نبی کریم ﷺ کو بھی یہود نے اپنے سحر کا ہدف بنانے کی کوشش کی تھی۔ (صحیح بخاری، ج ۷، نمبر ۶۵۸)
(۹۵) فلپ کے حتی، مصدر مذکور، ص ۹۹ نیز دکتور سید عاقل، تاریخ عرب القدیم العصر الجاہلی، جامعہ دمشق، ۱۹۸۲ء، صفحات ۲۵۷-۲۵۸ منات کا بت ایک بہت بڑے بتکدے میں مشلل (قدید) کے مقام پر تھا، فتح مکہ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے ایک سریہ روانہ کیا تھا جس نے جا کر اس بتکدے کو مسمار کر دیا تھا اور منات کے صنم کو پاش پاش کر دیا تھا
(۹۶) دکتور احمد ابراہیم شریف، مکہ والمدینہ فی الجاہلیہ وعہد الرسول ﷺ دار الفکر العربی، قاہرہ، (۲۰۰۰) ص ۳۸
(۹۷) صحیح بخاری باب الصلوٰۃ نمبر ۴۱۰ صحیح مسلم نمبر ۱۰۸۱ اور ۸۱۷، مسند امام احمد نمبر ۸۸۵
(۹۸) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۲۰۶
(۹۹) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج ا، ص ۷۷.
(۱۰۰) القرآن الکریم (آل عمران ۳: ۷۵)
(۱۰۱) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج ا، ص ۲۸۹
(۱۰۲) سنن ابو داؤد ۳۱-۳۹۹۴
(۱۰۳) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۲۵۴
(۱۰۴) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ھ) کامل فی التاریخ دار الکتب العربی، بیروت، ۱۹۹۹، ج ۱ صفحات ۵۹۶-۹۸
(۱۰۵) منٹگمری واٹ (Muhammad at Medina)، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی۔ اس نے عرب قبائل پر بہت سا مواد اپنی اس کتاب میں پیش کیا ہے جو قاری کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں۔
(۱۰۶) جب حضور نبی اکرم ﷺ نے ہجرت پر قباء میں نزول فرمایا تو ہر صحابی آپ کے استقبال کے لیے وہاں موجود تھا حضور ﷺ نے خاص طور پر حضرت اسعد بن زرارہؓ کی محسوس کی جو وہاں موجود نہ تھے آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ اس لیے قباء تشریف نہیں لائے کیونکہ جنگ بعاث کے دوران انہوں نے اوس کے کسی فرد کو مار دیا تھا اور اب اسی ڈر کی وجہ سے وہ اوس کی علاقوں میں نہیں جاتے نبی کریم ﷺ نے ان کو بلا بھیجا اور پھر فریقین کی صلح کروا دی تھی
(۱۰۷) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۸۵۸
(۱۰۸) سنن ابی داؤد ۳۱-۴۷

(۱۰۹) احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینہ المنورہ، چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۳ء، ص ۲۳۷
(۱۱۰) القرآن الکریم (الحشر ۲)
(۱۱۱) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۲۷
(۱۱۲) سنن ابی داؤد ۲-۵۳۳.
(۱۱۳) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۴۴
(۱۱۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ The Battlefields of the Prophet Muhammad، حذیفہ پبلیکیشنز، کراچی، ص ۴۳
(۱۱۵) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۵۱
(۱۱۶) عبدالقدوس الانصاری، مصدر مذکور، صفحات ۱۷۳-۱۷۴
(۱۱۷) زین الدین المراغی، مصدر مذکور، ص ۴۴
(۱۱۸) القرآن الکریم (الاحزاب ۱۳)
(۱۱۹) ابن سعد، مصدر مذکور، ج ۲، ص ۳۵۸
(۱۲۰) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۶۹
(۱۲۱) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۳۶۰
(۱۲۲) سنن ابی داؤد ۲۵-۳۶۴۸ حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں یہود کی لکھائی سیکھوں آپ نے فرمایا [رب العزت کی قسم مجھے یہود پر اعتبار نہیں جب وہ مجھے کچھ لکھ کر دیتے ہیں] لہذا میں نے اسے سیکھا اور صرف دو ہفتوں میں ہی میں نے اس میں مہارت حاصل کر لی تھی جب بھی آں حضرت ﷺ کو یہود کو کچھ لکھنا ہوتا تھا تو میں آپ کے لیے لکھتا تھا اور جب وہ آپ ﷺ کو کچھ لکھتے تو میں آپ کو پڑھ کر سناتا تھا]
(۱۲۳) القرآن الکریم (یوسف ۹۴) بہت سی احادیث کے مطابق انہی معانی میں استعمال ہوئے صحیح بخاری نمبر ۲۰۸۰، ۲۳۳۳، ۲۳۲۴، سنن ابی داؤد نمبر ۲۸۷ اور مسند امام احمد نمبر ۸۸۰۷
(۱۲۴) نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۶ سے ایک اقتباس، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۸۹
(۱۲۵) ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات ۲۷۹-۲۸۰
(۱۲۶) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۱۳ نیز دیکھیے دکتور صالح بن حمید بن سعید الرفاعی، الاحادیث الواردۃ فی فضائل المدینہ، ص ۵۰-۱۷
(۱۲۷) یہود نے بھی اس کو یثرب کہنا ترک کر دیا تھا وہ اس کو مدینتا (Medinta) کہنے لگ گئے تھے جو آرامائی زبان میں شہر یا قصبے کے لیے استعمال ہوتا ہے بعض مستشرقین نے مروہ سرائی کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یثرب کو یہود کی موافقت حاصل کرنے کے لیے مدینہ کہنا شروع کیا تھا جو کہ سراسر لغو اور بے سروپا بہتان ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے خود قرآن کریم نے اس بلدۃ طاہرہ کو مدینہ کہہ کر پکارا ہے اس کے علاوہ کسی بھی سابقہ روایت میں اسے اس نام سے نہیں پکارا گیا
(۱۲۸) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۹۶
(۱۲۹) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ا، ص ۶۴
(۱۳۰) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۹۸
(۱۳۱) القرآن الکریم (البقرہ ۸۹)، شان نزول کے لیے دیکھیے مسند امام احمد نمبر ۱۷۷۸۸
(۱۳۲) الدر المنثور ۱، ۸۸-کنز العمال ۵، ۳۵۴، مجمع الزوائد ۳-۳۰۰
(۱۳۳) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۹۶، و ج ۲، نمبر ۵۵۹
(۱۳۴) ایضاً ج ۵، نمبر ۲۰۷
(۱۳۵) ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات ۶-۷
(۱۳۶) ابن حبان کی روایت در سنن ترمذی، نمبر ۳۹۱۹ سمہودی، مصدر مذکور، ص ۸۳
(۱۳۷) سمہودی، ص ۱۰

باب ۲

دار الہجرہ
یثرب سے مدینہ طیبہ کا سفر

اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید کر دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے
(الانفال ۳۰) (۱)

ایک صحرائی گاؤں کے بچے
کسی کے انتظار میں
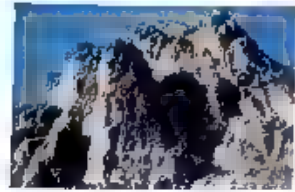
عصر و زماں کا رخش بے زمام اپنی تمام تر جولانیوں کے ساتھ رواں دواں تھا کہ یکایک تقویم عالم نے خواب غفلت سے بیداری کے لیے انگڑائیاں لینی شروع کر دیں ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء (بروز سوموار) کی صبح کے سورج کی سنہری طشتری حجاز کے نیلگوں آسمان پر ابھر کر حسب معمول آہستہ آہستہ نصف النہار کی طرف گامزن ہوئی تو یثرب کے قریب نے گمنامی کے گوشوں سے نکل کر تاریخ عالم کے منصۂ شہود پر نمود ہونے کے لیے اپنے پر تولنے شروع کر دیے شب تاریک حیات تہ بتہ سمٹ رہی تھی تاکہ صبح صادق طلوع ہو جائے جب سے حضور رسالت مآب ﷺ کی مکہ سے روانگی کی خبر پہنچی تھی یثرب کے باسی کاروبار حیات ترک کر کے قباء میں ایک ٹیلے پر جمع ہو کر بدر منیر اور نور الہدیٰ ﷺ کا انتظار کیا کرتے تھے جو کائنات کی شب دیجور کو روز روشن میں بدلنے والا تھا معرکۂ وجود کا نقش ناتمام آج اپنی تکمیل کے قریب تر ہو رہا تھا۔ یثرب کی گلی گلی مضطرب اور بے چین نظر آ رہی تھی وہ امانت جسے بلد امین مکۃ المکرمہ پچھلے ترپن سال سے اپنے دامن قدسیت میں سجائے بیٹھا تھا اور اب بالآخر اس کی امانت کو صاحب امانت کے سپرد کر کے سرخرو ہوا چاہتا تھا جس کے بدلے رحمت ایزدی نے اسے "مخرج صدق" کے لقب سے نوازا تھا، وہ امانت جب صاحب امانت (مدخل صدق) کے دامن میں کسی وقت بھی ڈالنے والی تھی چنانچہ یثرب کے کوہ و دمن اور کاخ و کو چشم براہ تھے ہر ذی روح رسول محتشم ﷺ کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے تھا سینے میں دھڑکنے والا ہر دل ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا

ہر آنکھ قباء کے اس پار افق پر لگی ہوئی تھی جہاں سے اس ماہ تمام نے طلوع ہونا تھا مگر منتظر رہے کے لمحے تھے کہ شب ہجراں کی طرح طویل سے طویل تر ہوتے جا رہے تھے۔ انبوہ جانبازاں اس دن بھی اسی گھاٹی پر کھڑا بے چینی سے حبیب رب ذوالجلال ﷺ کی آمد کا منتظر تھا لمحہ بہ لمحہ سورج کی تمازت رخ قباء کو گرم سے گرم تر کر رہی تھی اور جب امیدیں ناامیدی میں بدلنے لگیں اور حدت آفتاب ناقابل برداشت ہو گئی تو منتظرین اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے پر مجبور ہو گئے کتنے دن بیت چکے تھے اس انتظار میں' حضرت محمد ابن جعفر بن زبیرؓ کی روایت ہے

[جب سے ہم نے یہ خبر سنی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو ہم بڑی بے چینی سے آپ کی راہ دیکھا کرتے تھے۔ نماز فجر کے بعد ہم لاوا سے بنی ہوئی اس چوٹی پر چلے جاتے جو ہماری اراضی سے ذرا آگے تھی ہم اس وقت تک انتظار کرتے رہتے جب تک وہاں سایہ رہتا اور پھر گرمی کی وجہ سے واپس اپنے اپنے گھروں کو آ جاتے۔] (۲)

منتظرین میں صرف وہ لوگ (انصار) ہی شامل نہیں تھے جنہوں نے بیعت ہائے عقبہ اول اور دوم میں ہر اچھے برے حالات میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہنے اور ساتھ مرنے کی قسمیں کھائی تھیں بلکہ وہ نومسلمین بھی تھے جو ان انصاری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تبلیغ کی وجہ سے اسلام لے آئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مہاجرین بھی تھے جو اپنے آقا و مولا کے اذن کر مفرما سے آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی یثرب پہنچ چکے تھے ایسے صحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین یا تو قباء میں عارضی خیموں میں یا پھر اپنے اپنے جاننے پہچاننے والوں کے ہاں قیام فرما تھے۔ حضرت براء بن العازبؓ کی روایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ سے پہلے جنہوں

مسجد مصبح (یا مسجد بنو عنیف) اس چوٹی پر تعمیر کی گئی تھی جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور سرور دو عالم ﷺ کے انتظار میں جمع ہو کر تے تھے

نے مکہ سے ہجرت کی وہ حضرت مصعب بن عمیرؓ (۳) اور حضرت ابن ام مکتومؓ تھے (۴) اس طرح تقریباً بیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پہلے تشریف لا چکے تھے جن میں سے زیادہ معروف شخصیتیں حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ، حضرت بلال ابن رباحؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور سیدنا عمر ابن الخطابؓ کی تھیں (۵) حضرت براء بن العازبؓ مزید فرماتے ہیں [جو حضرات سب سے پہلے ہمارے پاس مدینہ طیبہ آئے وہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ تھے جو لوگوں کو قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے پھر حضرت بلالؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عمار ابن یاسرؓ تشریف لائے۔ اس کے بعد سیدنا عمر بن الخطابؓ بیس دوسرے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف لائے اور پھر جناب رسول مقبول ﷺ تشریف لائے اور میں نے مدینے کے لوگوں کو اس بات سے زیادہ خوش و خرم کبھی نہیں دیکھا کیونکہ کنیزیں اور لونڈیاں بھی خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں (۶) یہ چند نفوس پر مشتمل مہاجرین کی جماعت تھی جو ہراول دستے کے طور پر پہلے یثرب پہنچ چکی تھی اس کے علاوہ اوس و خزرج کے انصار تھے کل تعداد پانچ سو کے لگ بھگ تھی

پہلے دنوں کی طرح آج بھی پیر و جواں کی آنکھیں افق کی رفعتوں میں جھانکتے جھانکتے تھک گئی تھیں مگر سب کو اطمینان تھا کہ چونکہ حضور نبی کرم ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں آج نہیں تو کل ضرور آ جائیں گے (۷) یہ تو کڑی دھوپ تھی جو ان کو وہاں سے گھر جانے پر مجبور کر رہی تھی (۸) ان کو سب اپنے گھروں میں پہنچے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی ہوگی کہ انہوں نے ایک یہودی کو بآواز بلند پکارتے سنا جو کسی کام کی غرض سے اپنی حویلی کی چھت پر چڑھا تھا اور اس کی نگاہوں نے دور افق میں گرد اٹھتے دیکھی تھی ذرا غور سے دیکھنے پر اس نے دیکھا کہ دو گھڑ سوار جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے (۹) سراب صحرا سے نکل کر یثرب کی طرف آ رہے تھے (۱۰) دو 'یار غار' (۱۱) قصویٰ پر سوار تھے (۱۲) جبکہ ان کے پیچھے دو اور اونٹ آ رہے تھے۔ یہودی چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔ [اے معشر عرب، اے قیلہ کی اولاد (۱۳) لو یہ آ گئے تمہارے جد امجد - وہ جن کا تم کو انتظار تھا] (۱۴) بس پھر کیا تھا جس جس کے کان میں یہ آواز پڑی اپنے محبوب کے استقبال کے لیے دوڑ پڑا ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ شتر سوار قریب سے قریب تر آ رہے تھے سرکار دو عالم ﷺ نے شتربان کو حکم دیا [ہمیں قباء میں سیدھے بنی عمرو کی طرف لے چلو، شہر کی طرف ابھی نہ جانا] (۱۵) اس سے عشاق کا شوق دید اور تیز ہو گیا تھا۔ ہر آنکھ کا جھروکا یک ہی طرف کھلا ہوا تھا اور ہر نگاہ اپنے محبوب حبیب رب ذوالجلال علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھی یثرب کی سرزمین نے اتنی بے چینی سے کبھی کسی ذی روح کا انتظار نہیں کیا تھا اور نہ ہی اتنے والہانہ پن سے کبھی کسی اور کا استقبال کیا تھا بنو نجار، بنو غفار، بنو عمرو، بنو اسلم نومسلمین اور وہ جو تھوڑے ہی دنوں میں مسلمان ہونے والے تھے، مرد و زن، آقا و

مسجد بنات ہوتیاد کی ایک قدیم تصویر
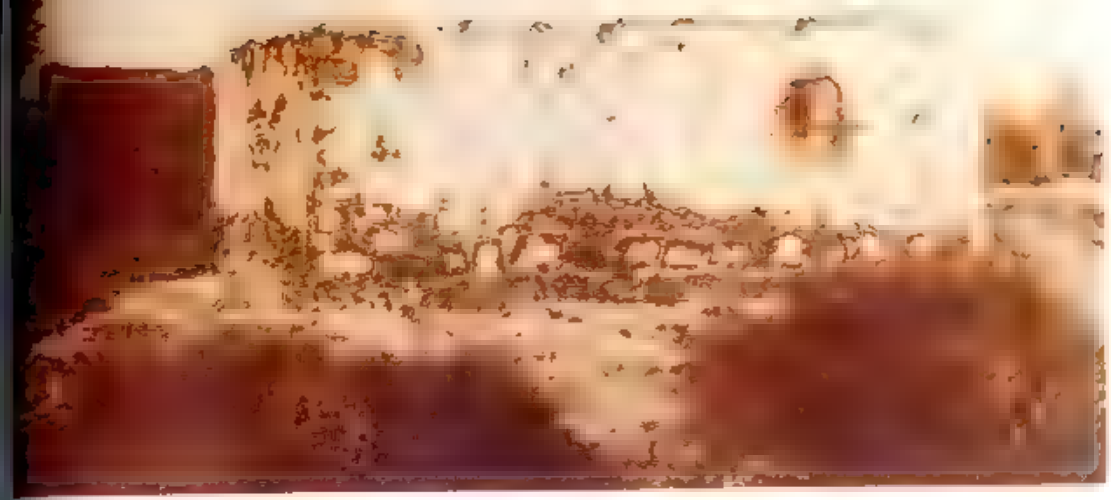
غلام سب کے سب بھاگے آرہے تھے (١٦) یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی۔ کہ پل بھر میں ساری خدائی جگادی (حالی۔ تھوڑے سے تصرف کے ساتھ)

بخاری شریف کی حدیث کے مطابق (لوگ اپنے گھروں کو دوڑے تاکہ مکمل طور پر تیار ہوکر اللہ کے رسول ﷺ کا استقبال کریں ننھے بچے دف ہاتھوں میں لیے، آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں معصومانہ اور سریلی آوازوں سے گا رہے تھے۔ (١٧)

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

وداع کی گھاٹیوں کی اوٹ سے ہم پر بدر کامل طلوع ہوا ہے (١٨)

وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

اس دعوت الی اللہ پر ہم پر شکر واجب ہوگیا ہے

ایہا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

اے نبی مبعوث آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہوگی

جئت شرفت المدینہ — مرحبا یا خیر داع

آپ نے مدینہ کو شرف بخشا۔ ہم آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہیں

یہ وجد آفرین خوش آمدیدی اور ترحیبی کلمات ہر لحاظ سے عہد آفریں تھے نہ صرف اس دن عہد جاہلیت رخصت ہو رہا تھا بلکہ رشد و ہدایت اور علم و نور کے بدر منیر نے طلوع ہوکر ظلمت و تیرگی کو ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ دیا تھا ان اشعار کے خالق کون سے صحابی تھے یہ تو معلوم نہیں ہو سکا مگر یہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں نعتیہ ادب میں ان اشعار کو نہایت ہی بلند مقام حاصل رہا ہے۔ یہاں ہم قارئین کی توجہ ایک تاریخی سہو ظریفی کی طرف ضرور مبذول کرنا چاہیں گے کہ فجر اسلام کے بہت سے مورخین نے (جن میں ابن ہشام اور طبری بھی شامل ہیں) اس نعت مبارکہ کا ہجرت کے موقع پر کوئی ذکر نہیں کیا غالب امکان یہ ہے کہ یہ نعت حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ طیبہ ہجرت کے موقع پر نہیں بلکہ اس وقت گائی گئی تھی جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران ہونے تھے جب کہ لشکر اسلام مدینہ طیبہ میں شامی ثنیات الوداع، جو کہ اس صدی کے خیر تک جبل سلع کے دامن میں واقع ہوا کرتی تھی، کے راستے داخل ہوا تھا در حقیقت مدینہ طیبہ میں ازمنہ قدیم سے دو مختلف درے یا راستے ہوا کرتے تھے جن سے گزر کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوا جا سکتا تھا بدو الشام کی طرف سے آنے والے جبل سلع کے دامن میں واقع شامی ثنیات الوداع کے ذریعے وارد ہوا کرتے تھے جب کہ مکہ مکرمہ سے آنے والے جنوبی ثنیات الوداع والا درہ استعمال کرتے تھے اس لیے مورخین کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ ﷺ کا ہجرت کے وقت ورود

مسعود مکہ مکرمہ سے آتے ہوئے براستہ قباء ہوا تھا اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ آپ جنوبی ثنیات الوداع کے درے سے تشریف لائے ہوں گے یہی سبب ہو کہ اب مدینہ بھی کہا گیا ہے اس وقت بنی نجار کی بچیوں نے دف بجا کر جو استقبالیہ نغمات کہے تھے وہ یہ ہیں

نحن جو ر من بنی لنجار

وحبذا محمد من جار

(ہم بنی نجار کی بیٹیاں ہیں اور محمد مصطفی ﷺ کی صورت میں ہمیں کیا ہی اچھے ہمسائے نصیب ہوئے ہیں)

اور اس کے جواب میں حضور والا شان ﷺ یہ فرما رہے تھے [اللہ گواہ ہے کہ میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں](٩) لیکن جب آنحضور ﷺ غزوہ تبوک سے لوٹ رہے تھے تو مدینہ طیبہ میں جبل سلع میں واقع ثنیات الوداع کے راستے سے ورود مسعود فرمایا اور اس وقت طلع البدر علینا والے ترحیبی کلمات گائے گئے تھے۔ مدینہ طیبہ کے بچے اور وہ لوگ جو غزوہ تبوک میں شرکت سے قاصر رہے تھے سب نے نکل کر آپ کا والہانہ استقبال کیا یہ ثنیات الوداع اس جگہ کے قریب ہوا کرتی تھی جہاں اب نقل و حمل کی بسوں کے اڈے کے قریب شارع ابوبکر الصدیق اور شارع عثمان ابن عفان کا چوک ہے اس سلسلے میں ہم بخاری شریف کی دو احادیث قارئین کرام کے گوش گزار کرنا چاہیں گے حضرت سائب ابن یزید بیان کرتے ہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنے بچپن میں باقی بچوں کے ہمراہ حضور نبی کریم ﷺ کے استقبال کرنے ثنیات الوداع گیا تھا۔ (٢٠) دوسرے مقام پر وہ تفصیل سے غزوہ تبوک کا ذکر کرتے ہیں مجھے یاد ہے کہ میں دیگر بچوں کے ساتھ ثنیات الوداع حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرنے گیا تھا جب آپ حضور ﷺ غزوہ تبوک سے لوٹ رہے تھے (٢١)

اسی طرح ترمذی نے ان کی ایک اور روایت بیان کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں، جب اللہ کے رسول ﷺ ثنیات الوداع پر تشریف لائے تو لوگوں کا ایک جم غفیر آپ کے والہانہ استقبال کے لیے ثنیات الوداع پہنچا ان میں میں بھی شامل تھا اس وقت میں نے ابھی بلوغت میں قدم رکھنا شروع کیا تھا۔ (٢٢)

آقا ﷺ کا قباء سے مدینة المنورة جانے کی راستہ

حقیقت یہ ہے کہ اہل مدینہ طیبہ کو حضور نبی کریم ﷺ کا دوہرا استقبال کرنے کی سعادت نصیب ہوئی پہلے اس وقت جب آپ حضور ﷺ نے ہجرت کے موقع پر ثنیات الوداع جنوبی کے راستے ارض یثرب پر قدم رنجہ فرمایا اور بنو نجار کی بچیوں نے دف بجا کر آپ کو خوش آمدید کہا اور دوسری بار اس وقت جب کہ آپ حضور ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران لوٹ رہے تھے اس وقت آپ کا استقبال ثنیات الوداع الشامی پر ہوا جو جبل سلع کے دامن میں ایک درے پر واقع تھی جس میں اور بچوں کے علاوہ حضرت سائب بن یزید نے بھی شرکت کی تھی اس وقت چونکہ یثرب کا نام متروک ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا بچہ بچہ اس کو مدینۃ النبی کہنے لگ گیا تھا اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نعت میں یثرب کی بجائے یہ لفاظ ملتے ہیں

جئت شرفت المدینہ

مرحبا یا خیر داع

بخاری شریف اور ترمذی کی روایت کردہ احادیث سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ دوسرا استقبال جبل سلع والی ثنیات الوداع میں ہوا تھا انجیل میں عہد نامہ عتیق میں ایک پیش گوئی میں بھی سلع والے راستے کا ذکر ہے جہاں بہت پہلے ہی یہ بتا دیا گیا تھا کہ آپ کا استقبال مدح گا کر کیا جائے گا۔ سیدنا یوشع علیہ
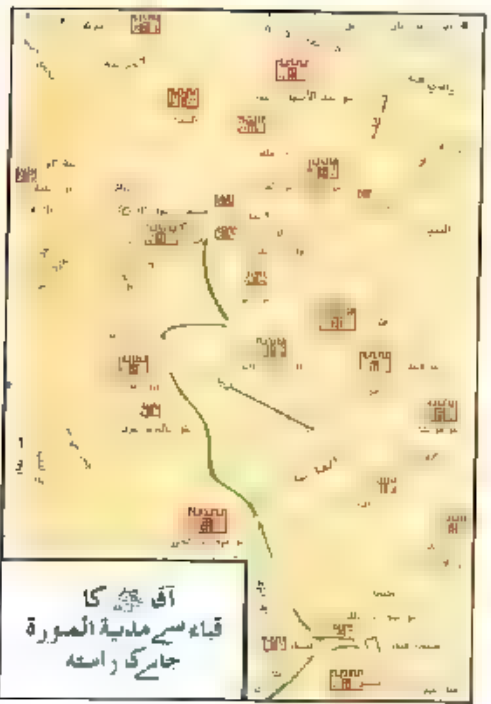
محلہ بنو نجار میں وہ جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کا بندوبست کیا گیا تھا اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنی چادر تان کر آپ حضور ﷺ پر سایہ کر دیا تھا اسی مناسبت سے اس جگہ کو مقامِ مستظلین (یعنی سایہ کی جگہ) کے نام سے جانا جاتا تھا

اسلام کی پیشین گوئی کے مطابق [ویرانوں اور آبادیوں کو بلند آواز میں ان گاؤں اور قریوں کے متعلق گانا چاہیے سلع (چٹان) کے باشندوں کو حمد گانا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سے حمد گائیں اور اپنے رب کی پاکی بیان کریں اور اس کی حمد ہر جگہ پہنچائیں] (۲۳) جس میں جگہ کے تعین کے لیے سلع 'اسم معرفہ' کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ عبرانی زبان میں سلع کے معنی 'چٹان' ہیں۔ (۲۴) انجیل کے مترجمین نے بدنیتی سے اسے اسم معرفہ کی بجائے اسے اسم نکرہ سمجھ کر اس کا ترجمہ 'چٹان' کر دیا ہے۔ مدینہ طیبہ کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ سلع نام کا ایک اوسط درجے کا پہاڑ حرم مدنی کی حدود میں مسجد نبوی کے شمال مغرب میں واقع ہے جہاں ثنیات الوداع واقع ہو کر تھی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا پرجوش استقبال کیا گیا تھا اور یوں عہد نامہ عتیق کی پیش گوئی پوری ہو گئی تھی۔ (۲۵)

جس دن حضور رسالت مآب ﷺ کا ماہِ تمام یثرب کے افق پر طلوع ہوا وہ بارہ ۱۲- ربیع الاول تھی (بمطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء) اور یہ یعنی سوموار کا دن تھا۔ انصار میں سے تقریباً پانچ سو افراد نے حضورِ والا شان ﷺ کو خوش آمدید کہا تھا (۲۶) حضرت انس ابن مالکؓ کی بیان کردہ حدیث مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ: [جب رسول مقبول ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حبشیوں نے خوشی میں نیزہ بازی کے کھیل کا مظاہرہ کیا تھا۔] (۲۷) اور اوس و خزرج کے مرد اور عورتوں نے تحائف بھی پیش کیے تھے

صدیوں سے کتنے ملک، شہر اور قصبے فاتحین کے ہاتھوں مات کھا کر ان کے قبضے میں آتے رہے ہیں اور تاریخ عام نے اکثر و بیشتر بوقت فتح ان کی زبوں حالی کا صحیح نقشہ بھی کھینچا ہے۔ تمام انسانی اخلاق و اقدار کو بالائے طاق رکھ کر فاتحین نے ہمیشہ مفتوحین کے ساتھ وہ برا سلوک کیا ہے کہ اس کے تصور سے انسانیت کی روح کانپ اٹھتی ہے قرآن کریم کے الفاظ میں [ملکہ سبا نے کہا بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اجاڑ کر رکھ دیتے اور وہاں کے سرداروں اور عزت داروں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں] (۲۸) سکندر و چنگیز خان کے قصے تو سب کو معلوم ہیں سقوط بغداد پر کیا نہیں ہوا؟ شہر کو زیر کرنے کے لیے کیا لاکھوں انسانوں کے خون کی بلی نہیں دی گئی؟ جاپان کو شکست دینے کے لیے کیا ہیروشیما اور ناگاساکی کے بیگناہ انسانوں کو شعلہ کی بھٹی میں نہیں ڈالا گیا؟ اسی طرح اور بھی ان گنت مثالیں ہیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس بارہ ربیع الاول کو جب یثرب فتح ہو رہا تھا تو مفتوح ترحیبی کلمات گا کر اپنے فاتح کا استقبال کر رہے تھے جہاں نو ہو رہا تھا یہ ورِ علم پیر مرہا تھا۔ جاہلیت پاؤں تلے روندی جا رہی تھی اور عام سورج کی جگہ شمس الضحیٰ فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہو کر یثرب کی تیرگی کو سراج منیر (۲۹) کے انوار لامتناہیہ سے منور کر رہا تھا یثرب مفتوح ہو چکا تھا مگر جس انداز سے اس کے فاتح نے اپنا قدم مبارک اس کی سرزمین پر رنجہ فرمایا تھا تاریخ عالم اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں کر سکتی۔ فاتح تن تنہا صرف اپنے ایک یارِ غار کی ہمراہی میں بغیر کسی حفاظتی دستے کے شہر مفتوح میں داخل ہو رہے تھے۔ نہ دائیں بائیں کوئی چاک و چوبند مسلح افواج ساتھ آئی تھی، نہ کوئی ذاتی باڈی گارڈ تھے، اور نہ ہی فاتح مدینہ حضور پرنور ﷺ خود تصویر بند تھے یہ شان تھی فاتح القلوب و فاتح یثرب سیدنا و مولانا محمد مصطفی ﷺ کی جب انہوں نے یثرب کو فتح کیا تھا کمر میں علامتی طور پر صرف ایک تلوار تھی جس کا نام 'ثور' تھا جو آنحضرت ﷺ کو اپنے والد ماجد حضرت عبد اللہ ابن عبدالمطلبؓ سے

مقامِ مستظلین کی جگہ پر یادگاری تعمیر ہے جسے منہدم کر دیا گیا ہے

ورثے میں ملی تھی جس کو آپ اپنے والد ماجد کی نشانی سمجھ کر بہت عزیز رکھتے تھے جہاں تک مفتوح قوم کا تعلق تھا وہ اس فاتح القلوب کے دیدار کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے مفتوح سڑکوں کے دونوں طرف کھڑے ہو کر پوری طرح شمشیر و سناں سے لیس ہو کر اپنے اس نفیس فاتح کی حفاظت کے عہد کو نبھا رہے تھے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے کیا خوب کہا ہے [ہر شہر تلوار سے فتح ہوا مگر مدینہ طیبہ صرف قرآن کریم سے فتح ہوا]

یہ تھی وہ والہانہ ادا جس میں اہالیان مدینہ طیبہ نے اپنے آقا و مولا ﷺ کا استقبال کیا تھا تشریف آوری پر دونوں معزز مہمانوں کو قبا میں جو کہ ایک چھوٹی سی بستی ہے چند روز مقام پر ٹھہرایا گیا چونکہ اہالیان مدینہ طیبہ کی اکثریت نے حضور نبی کریم ﷺ کو پہلے نہیں دیکھا ہوا تھا اس لیے بہت سے لوگ آپ حضور ﷺ کی جگہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو پیغمبر اعظم سمجھ رہے تھے کیونکہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ سے عمر میں زیادہ نظر آ رہے تھے اور ان کی ریش مبارک بھی سفید تھی جب سورج کی تمازت بڑھنے لگی تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اٹھ کر حضور نبی کریم ﷺ کے اوپر اپنی چادر سایہ کی غرض سے تان دی اور یوں اہالیان مدینہ طیبہ نے آپ کو پہچانا (۳۰) ہر آنے والا آپ پر تصدق ہو رہا تھا حتیٰ کہ بہت سے یہودی بھی تجسس کی غرض سے وہاں موجود تھے

حضور نبی کریم ﷺ حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے ہاں فروکش ہوئے جو اوس کے بنو عمرو قبیلے سے تھے سیدنا ابوبکر صدیقؓ حضرت خبیب بن اساف (جو خزرجی تھے) کے ہاں سنح میں ٹھہرے جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تین دن بعد مکہ مکرمہ سے تشریف لائے تو قریب ہی کے ایک مکان میں رہے قبا میں چودہ دن گزار کر یہ قافلہ آگے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا مدینہ طیبہ کی تاریخ میں اس سے زیادہ خوشی کا کوئی اور دن نہیں تھا قبا سے روانگی کے بعد قافلہ وادی رانونا کی ایک جانب جہاں قبیلہ بنو سالم مقیم تھا تھوڑی دیر کے لیے رکا اہل قبیلہ نے آپ حضور ﷺ کی تواضع کی اتنی دیر میں نماز کا وقت ہو چکا تھا ارض مدینہ طیبہ پر یہ پہلی جمعہ کی نماز تھی جو مسلمانوں نے پوری آزادی سے آقا و مولا حضور نبی اکرم ﷺ کی اقتدا میں ادا کی (۳۱) جس کے بعد قافلہ آگے روانہ ہوا گویا چارلس ڈکنز کے الفاظ میں [خوبصورت لباس زیب تن کیے محمد مصطفی ﷺ مدینہ طیبہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ ستر مسلح سواروں کا ایک دستہ آپ کے جلو میں تھا جن میں سے ایک نے اپنے نیزہ پر سبز پگڑی باندھی ہوئی تھی ہمیشہ مستقبل پر نظر رکھنے والی شخصیت جس پر ان کے اہل شہر نے کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے تھے آج ایک حکمران کے طور پر مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہے تھے جنہوں نے اس دن کے بعد رب ذوالجلال کے احکام نافذ کر کے دنیا میں منقسم انسانیت میں صلح و آشتی کی بنیاد رکھ دی] (۳۲) حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں [جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے تو خاص و عام اپنے گھروں سے باہر آ گئے سڑکوں اور گلیوں میں بے پناہ ہجوم تھا اور بچے اور خدام مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر باآواز بلند کہہ رہے تھے [وہ دیکھیے محمد مصطفی ﷺ تشریف لا رہے ہیں، وہ دیکھیے محمد مصطفی ﷺ تشریف لا رہے ہیں، وہ دیکھیے محمد مصطفی ﷺ تشریف لا رہے ہیں] (۳۳).

ایک اور ایک دوسرے سیرۃ نگار کا ہجرت کے متعلق قلمی خاکہ قارئین کی نذر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے [حضور نبی اکرم ﷺ کے

مسجد بنات بنونجار کی ایک قدیم تصویر

دائیں بائیں، پوری طرح مسلح اور چاک و چوبند اوس و خزرج کے دستے ساری (گارڈ آف آنر) دے رہے تھے وہ اپنے اس حلف اور بیعت کا عملی ثبوت دے رہے تھے جو انہوں نے عقبہ کے مقام پر کی تھی حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ آپ حضورﷺ کو کسی کی حفاظت کی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی وہ اپنی طرف سے ایفائے عہد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھ رہے تھے اس سے زیادہ سرور و مسرت کا دن شائد ہی مدینہ طیبہ نے کبھی دیکھا ہو۔ ہر طرف مرد و عورتیں، بچے اور بوڑھے قطار اندر قطار حضور رسالت مآبﷺ کی خدمت میں آداب بجا لا رہے تھے، ہر طرف ایک ہی نعرہ ہر پا تھا "رسول اللہ تشریف لے آئے ہیں" "رسول اللہ تشریف لے آئے ہیں" اس جم غفیر میں ناقہ رسول مقبول ﷺ 'قصوی' آہستہ آہستہ ڈگ بھرتی پوری شان سے باغات و باغات سے گزرتی جنوب مدینہ کی طرف گامزن تھی]۔ (۳۴)

حضرت انس ابن مالکؓ جن کو دس سال تک حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی تھی فرماتے ہیں [جس دن آپ حضورﷺ نے مدینہ کی دھرتی پر اپنے قدم مبارک رنجہ فرمائے ہر سو روشنی و تابانی پھیل گئی تھی اور جس دن آپ ﷺ کا انتقال پرملال ہوا تھا یوں لگتا تھا کہ مدینہ طیبہ تاریکی میں ڈوب گیا ہو]۔ حضرت براءؓ بن عازبؓ فرماتے ہیں [پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے میں نے اس دن کے علاوہ اہل مدینہ کو کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا حتی کہ لونڈیاں اور کنیزیں بھی پکار پکار کر کہہ رہی تھیں کہ وہ دیکھو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں (۳۵)۔ اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں [جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حبشی غلاموں نے اپنی خوشی کے اظہار کے لیے نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا (۳۶) ہر طرف شمع رسالت کے پروانوں والہانہ استقبال کرنے والوں کے جھرمٹ نظر آ رہے تھے رؤسا اپنے اپنے قبیلوں کے مسلح دستوں کو لیکر حضور نبی کریم ﷺ کی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اوس و خزرج تو خاص طور پر زرق برق کپڑے پہنے اور اپنی کمروں میں چمکتی تلواریں لٹکائے ہراول دستے کے طور پر سب سے آگے آگے جا رہے تھے وہ یوں اپنے عہد وفا کو نبھانے کے لیے دنیا پر ثابت کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ اگر بھی بیکا ہو تو وہ کشتوں کے پشتے لگا دیں گے۔ ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ اس کے گھر کو اپنے قیام کی سعادت بخشیں۔ ہر رئیس قبیلہ اور ہر متمول فرد التجا کر رہا تھا کہ حضور میرے ماں باپ آپ پر فدا! میرے غریب خانے پر تشریف لایئے۔ بنو سالم سے عتبان بن مالکؓ اور عباس بن عبادہ بن نضلہؓ، بنی بیاضہ سے زیاد بن لبیدؓ اور فروہ بن عمروؓ بنی ساعدہ میں سے سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ جیسے رؤسا دست بستہ عرض کر رہے تھے [یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں اپنی میزبانی کا فخر دے دیجیے، ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے، افرادی قوت، دولت اور ہتھیار، چراگاہیں اور باغات سب کچھ ہیں۔] (۳۷) ہر کوئی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح محسن انسانیت سید البشر ﷺ اس کے ہاں تشریف لے جائیں۔ آپ حضور ﷺ سب کو صرف یہی فرما رہے تھے [میری یہ سواری اللہ کی طرف سے مامور ہو چکی ہے، جہاں رک جائے گی وہیں پر میرا گھر ہوگا۔]

حضور والا شان ﷺ سب کا شکریہ ادا کرتے اور آگے روانہ ہو جاتے ہر گلی کوچے سے صرف ایک ہی صدا بلند ہو رہی تھی۔ اللہ اکبر اور

مسجد بنات بنونجار سنہ (۷۰) کی دہائی میں

والی اللہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں (۳۸) آقائے نامدار ﷺ ناقہ قصوی پر تشریف فرما تھے اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ حضور ﷺ کے پیچھے سوار تھے ناقہ رسول مقبول ﷺ آہستہ آہستہ مدینہ طیبہ کی گلیوں سے گزرتی انتہائی وقار کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ کبھی دائیں دیکھتی اور کبھی بائیں جیسے کہ اپنی منزل کی ٹوہ لگا رہی ہو لوگوں کا جم غفیر تھا کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا، دائیں، بائیں اور آگے پیچھے حد نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آ رہے تھے (۳۹)۔ جن میں سے کچھ تو اپنی اپنی سواریوں پر تھے اور باقی ماندہ پا پیادہ ساتھ چل رہے تھے مکان کی کثیر تعداد اپنے اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر نبی آخر الزمان ﷺ کے دیدار پر انوار سے بہرہ ور ہو رہی تھی بنو نجار کے علاقے میں تو یہ شوق اور بھی دیدنی تھا۔ انصار میں سے چونکہ بنو نجار رشتے میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ددھیال حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کے ننھیال تھے اس لیے جب آپ نے ان کو طلب کیا تو وہ اپنی تلواروں سے مسلح ہو کر آ گئے۔ (۴۰) عمومی طور پر سب انصار (اوس و خزرج) آپ کی حفاظت کی خاطر شمشیر بکف سڑکوں کی دونوں جانب کھڑے تھے۔ (۴۱) حضرت اسعد ابن زرارہؓ سار بان رسالت مآب ﷺ فریضہ کر رہے تھے جو کبھی کبھی زمام ناقہ اپنے ہاتھ میں بھی لے لیتے تھے

کبھی جب بھیڑ زیادہ ہو جاتی اور قصوی کا رستہ رک جاتا تو حضور رحمت دو عالم ﷺ پیار سے فرماتے [اس کا رستہ چھوڑ دیجیے یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے (یعنی اس کو حکم مل چکا ہے کہ اس نے کہاں جانا ہے)۔] (۴۲) یوں پورا کارواں اب صرف قصوی کے اختیار کردہ راستے پر گامزن تھا کیونکہ منزل تو صرف اس کو بتائی گئی تھی چلتے چلتے ایک تنگ سی گلی سے گزر کر جب وہ بنو نجار کے علاقے میں ایک چار دیواری کے پاس پہنچی تو اس نے چاروں طرف دیکھا جیسے کہ وہ اس جگہ کا جائزہ لے رہی ہو پھر لمحہ بھر کے تامل کے بعد وہ رکی اور وہیں بیٹھ گئی (۴۳) اگلے ہی لمحے وہ اپنے پاؤں پر دوبارہ کھڑی تھی اور چند قدم آگے کو چل دی پھر اسی طرف واپس لوٹ آئی اور اپنے مقام پر بیٹھ گئی (۴۴) ابن اسحاق کے الفاظ میں [جب پہلی مرتبہ قصوی بیٹھی تو حضور نبی اکرم ﷺ نیچے تشریف نہیں لائے وہ پھر اٹھی اور تھوڑی دور تک گئی نبی کریم ﷺ نے اس کی زمام ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھی اور وہ اپنی آزادی سے چل رہی تھی، مگر اگلے ہی لمحے وہ الٹے پاؤں واپس لوٹی اور پہلے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس کا سارا جسم کانپ رہا ہو مگر پھر تھکی ہوئی سواری کی طرح اس نے اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا (۴۵) تب حضور سرور دو عالم جان کائنات ﷺ نیچے تشریف لے آئے اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے آپ کی رحل اور سامان کو اٹھایا اور اپنے گھر کو چل دیے (۴۶)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ قصوی اس جگہ پر رکی تھی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا منبر شریف بنایا گیا تھا جب حضور نبی کریم ﷺ نیچے تشریف لائے تو فرمایا [ان شاء اللہ یہی ہمارا مقام ہوگا] (۴۷) ہر کوئی حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے رہا تھا مگر آپ کسی کا بھی دل نہیں توڑنا چاہتے تھے اس لیے قرعہ ڈالا گیا جس میں حضرت خالد بن زید بن کلیبؓ کا نام نکلا جنہیں اسلامی تاریخ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی کنیت سے ہی جانا جاتا ہے خزرج میں سے کچھ اصحاب پھر بھی مصر تھے کہ آپ حضور ﷺ ان کے ساتھ تشریف لے چلیں ایک روایت میں ہے کہ جب قصوی بیٹھ گئی تو ایک صحابی نے اس کو مہمیز لگا دی تاکہ وہ اٹھ کھڑی ہو یہ دیکھ کر حضرت ابو ایوب انصاریؓ بہت سیخ پا ہوئے اور کہنے لگے [اگر رسول مقبول ﷺ کی ناراضگی کا خوف نہ ہوتا تو ابھی تلوار نکال لیتا اور تمہیں وہ سبق سکھاتا جو تم ہمیشہ یاد رکھتے] پھر انہوں نے آں حضرت ﷺ کا سامان اٹھایا اور اپنے گھر چل دیے۔ سرکار دو عالم ﷺ مسکرا دیے اور یہ فرماتے ہوئے ان کے پیچھے ہو لیے [آدمی کو وہاں جانا چاہئے جہاں اس کی رحل (یعنی سامان) گیا ہو۔] (۴۸)۔

مسجد بنات النجار کی جگہ جہاں پر بنو نجار کی بچیوں نے دف بجا کر رسول اللہ ﷺ کے استقبال میں ترحیبی کلمات گائے تھے یہ جگہ مسجد جمعہ کے سامنے واقع ہے مسجد بنات النجار شہید کر دی گئی ہے مگر وہ جگہ ابھی باقی ہے

ثنیۃ الوداع شامی، جہاں تبوک یا شام جانے و آنے والوں کو الوداع کہا جاتا تھا سرکارِ دوعالم ﷺ نے تبوک جاتے ہوئے یہاں اپنا خیمہ نصب کروایا تھا۔

مٹی کا بنا ہوا دو منزلہ مکان جو سڑک کے ایک کنارے پر واقع تھا حضرت ابوایوب انصاریؓ کی آبائی ملکیت تھا جہاں کئی نسلوں سے ان کے آباؤاجداد اس انتظار میں اپنی عمریں بتا چکے تھے کہ دعائے خلیل و نوید مسیحا سید الانبیاء والاتقیاء ﷺ وہاں تشریف لائیں گے جیسے کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے ہیں حمیری بادشاہ تبع کئی سو سال پہلے جب یثرب آیا تھا تو حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے اپنا خط ایک نمائندہ کو دے گیا تھا اور یہ تاکید کر گیا تھا کہ ایک نسل دوسری نسل کو وہ خط منتقل کرتی رہے تا آنکہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ورودِ مسعود ہو اور وہ خط آپ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا جائے وہ خط اس وقت حضرت ابو ایوب انصاری ﷺ کے پاس تھا ورود تو پہلے ہی آپ کی آمد کے منتظر تھے جب آنحضرت ﷺ نے ان کے گھر کو سعادت بخشی تو یہ اعزاز بھی انہیں حاصل ہوا کہ وہ نامہ تبع جناب سید الاولین و الآخرین و خاتم المرسلین حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں پیش کریں کئی نسلوں کی امانت کا حق ادا کر کے حضرت ابوایوب انصاریؓ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے (۴۹)

آقائے نامدار ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں نچلی منزل میں قیام فرمایا کیونکہ خدمتِ اقدس میں آنے والوں کو تانتا بندھا رہتا تھا ضیافت کے لیے اصحابِ کبار رضوان اللہ علیہم کھانا پکوا کر اپنے سروں پر اٹھا کر حضرت ابوایوب انصاریؓ پر حاضری دیتے تھے حضورِ والا شان ﷺ وہاں تقریباً سات ماہ تک مقیم رہے اور اسی اثناء میں مسجدِ نبوی شریف اور آپ کی بود و باش کے لیے دو کمرے بھی تعمیر ہو گئے حضرت افلحؓ نے جو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کی ہے [اللہ کے رسول ﷺ کا ورودِ مسعود ابوایوبؓ کے گھر میں ہوا اور آپ نے نچلی منزل میں قیام فرمایا جبکہ ابوایوبؓ اوپر کی منزل میں رہا کرتے تھے ایک رات ابوایوبؓ نیند سے بیدار ہوئے تو کہنے لگے کیا یہ بدنصیبی ہے ہماری کہ حضور سرورِ دوعالم ﷺ نچلی منزل میں مقیم ہوں اور ہم آپ کے سرِ مبارک کے اوپر چل پھر رہے ہوں الغرض وہ دونوں میاں بیوی ایک طرف ہو کر ایک کونے میں سو رہے اور صبح ہوتے ہی حضور نبی اکرم ﷺ کو اس بارے میں عرض کیا جس پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے نچلی منزل ہی زیادہ آرام دہ ہے لیکن حضرت ابوایوبؓ مصر رہے کہ وہ اوپر سکونت اختیار نہیں کریں گے چنانچہ آقائے نامدار ﷺ اوپر کی منزل میں منتقل ہو گئے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ نے نچلی منزل میں رہنا شروع کر دیا](۴۹) حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت ہے [ایک دن پانی کا ایک برتن ٹوٹ گیا اور میں اور ام ایوبؓ نے اپنے کپڑوں سے پانی کو خشک کیا تا کہ پانی حضور نبی اکرم ﷺ کے اوپر نہ گرنے پائے ہمارے پاس اور کوئی کپڑا نہیں تھا جو اس کام کے لیے استعمال کرتے](۵۰)

اس طرح رہتے ہوئے جب چھ ماہ گزر گئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور ابو رافعؓ کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ وہ آپ حضور ﷺ کے اہلِ خانہ کو مدینہ طیبہ لا سکیں (۵۱) ابن عبدالبرؓ نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے (۵۲) جس میں وہ دیگر باتوں کے علاوہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن الحارثہؓ اور ابو

ثنیۃ الوداع شامی کی ایک قدیم تصویر

مسجد قباء کے قدیم کی جانب پیلے رنگ کے تیر کا نشان اس مقام کو ظاہر کرتا ہے جو کہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ کا گھر تھا جہاں سرکارِ دوعالم ﷺ نے ہجرت کے وقت قیام فرمایا تھا سرخ نشان بیرِ عریس کو ظاہر کرتا ہے

رافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دیے اور ابوبکرؓ نے عبداللہ بن اریقط کو دو یا تین اونٹ اور تین سو درہم اور ایک خط دے کر اپنے بیٹے عبداللہ بن ابوبکرؓ کے پاس بھیجا اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیاں (سیدتنا فاطمۃ الزہراءؓ اور سیدہ ام کلثومؓ) ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ اور سیدۃ ام ایمنؓ (مع اپنے بیٹے حضرت اسامہؓ یاد رہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ سیدۃ ام ایمنؓ کے خاوند اور حضرت اسامہؓ کے والد تھے) کی ہمراہی میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے اہلِ خانہ کے ساتھ مدینہ طیبہ آ گئے۔ مدینہ طیبہ آنے پر سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ رہیں (کیونکہ ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی) اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے اہلِ خانہ (ام المومنین سیدۃ سودہؓ اور شہنشاہ دوعالم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی دونوں شاہزادیاں) مسجدِ نبوی سے متصل نو تعمیر شدہ گھر میں مقیم ہوئے (۵۳) بعض روایت کے مطابق انہوں نے چند دن حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے ہاں بھی قیام فرمایا تھا (۵۴) واللہ اعلم بالصواب

طلعت البدر علینا شب تار ظلمت بہت پیچھے رہ گئی تھی اور یثرب سراج منیر کے طفیل منور و تاباں ہو کر مدینہ طیبہ بن چکا تھا اس کو اب یثرب کہنا بھی جرم قرار دے دیا گیا تھا اور اگر کوئی سہواً ایسا کر بیٹھے تو رحمت اللعالمین ﷺ نے حکم صادر فرما دیا تھا کہ ایسے شخص کو رب ذوالجلال سے دس بار استغفار کرنا ہوگا۔ تاریخی حوالے کے لیے ہمیں مجبوراً کہیں کہیں لفظ یثرب استعمال کرنا پڑا ہے جس کے لیے ہم رب ذوالجلال سے بار بار استغفار کے طالب ہیں۔

حضرت کلثوم بن ہدمؓ کا مکان

(۲۰) صحیح بخاری، ج ۵ نمبر ۱۷۰

(۲۱) ایضاً نمبر ۱۷۱

(۲۲) الترمذی (اردو ترجمہ۔ بدیع الزمان) ضیاء القرآن پبلشرز، لاہور، ج ۱، ص ۲۱۳

(۲۳) Isaiah xiii, 11, 12

(۲۴) جرجی زیدان، العرب قبل الاسلام، ص ۹۱

(۲۵) Isaiah xiii, 11, 12

(۲۶) منقول از سمہودی، وفاء الوفاء، جز ۱، ص ۲۵۵

(۲۷) سنن ابی داود، ۳ ۔ نمبر ۴۹۰۵

(۲۸) القرآن الکریم (الشمس ۳۵)

(۲۹) القرآن الکریم (الاحزاب ۳۵، ۳۶)

(۳۰) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۲۲۷

(۳۱) عبدالسلام ہارون، تہذیب سیرۃ ابن ہشام، دمشق، ص ۱۳۵

(۳۲) Charles le Gai Eaton (Hasan Abd al-Hakim) Islam and the Destiny of Man
سہیل اکیڈمی، لاہور، طبع اولیٰ ۱۹۹۷ء، ص ۱۵

(۳۳) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۹۸۵ء، ج ۴، ص ۳۲۶

(۳۴) Dr. Martin Lings Muhammad: His Life based on the Earliest Sources، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۲۳

(۳۵) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۶۲

(۳۶) سنن ابی داود، ۳۱۔ ۴۹۰۵

(۳۷) تہذیب سیرۃ رسول اللہ، ابن ہشام، مصدر مذکور، ص ۱۳۶۔ حضرت عتبان بن مالکؓ کا اطم وادی رانونا کے قریب تھا جہاں بعد میں مسجد جمعہ تعمیر ہوئی جو آج تک زیارت گاہ عشاق ہے

(۳۸) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۵۰

(۳۹) سمہودی، مصدر مذکور، ص ۲۵۶

(۴۰) بنو نجار حضور نبی اکرم ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلبؓ کے ماموں تھے کیونکہ حضور ﷺ کی پڑدادی (حضرت ہاشم کی زوجہ محترمہ) جن کا نام سلمیٰ بنت عمرو تھا نجاریہ تھیں۔ ہاشم بلاد الشام تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ سلمیٰ سے شادی کے بعد ایک مرتبہ وہ شام گئے اور واپس لوٹ کر آرہے تھے کیونکہ کسی بیماری کی وجہ سے ان کا انتقال وہیں ہوگیا تھا جب کہ ان کے بیٹے حضرت عبدالمطلب اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں تھے ان کا اصل نام شیبہ بن ہاشم تھا۔ آپ نے اپنے بچپن کے تقریباً آٹھ سال مدینہ طیبہ میں ہی گزارے۔ پھر ان کے چچا ان کو مکہ لے گئے جہاں جوان ہو کر انہوں نے کعبۃ اللہ کی تولیت سنبھالی۔ اپنے دادا محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت عبدالمطلبؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے تجارت پیشہ اختیار کیا اور وہ بھی بلاد الشام تجارتی قافلوں کے ہمراہ جایا کرتے تھے حضرت آمنہ بنت وہبؓ سے شادی کے بعد وہ ایک تجارتی کارواں کے ساتھ شام گئے اور واپسی پر یثرب ٹھہر گئے وہاں ان کو بیماری نے آلیا اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے ننھیال نے ان کو وہیں دفن کیا۔ در یتیم اور یتیموں کے والی نبی اکرم ﷺ کی پیدائش حضرت عبداللہؓ کے انتقال پر ملال کے بعد ہوئی تھی

(۴۱) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۴۵۰۔ یہ ایک بہت طویل حدیث ہے جس میں ہجرت مبارکہ کی تمام تفصیل دی ہوئی ہیں

(۴۲) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۳۲۰

(۴۳) ابن ہشام، مصدر مذکور، ص ۳۶

(۴۴) ایضاً صفحات ۳۶ ۔ ۱۳۷

(۴۵) ابن کثیر، الفصول فی سیرۃ الرسول، الکتب الثقافیہ، بیروت ۱۹۹۳ء، ص ۵۵

(۴۶) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۲۲۸

(۴۷) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۴۵

(۴۸) غازی محمد الامین الشنقیطی الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین، طبعہ ثالثہ، دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ ۱۹۹۱ء، ص ۲۱

(۴۹) شیخ عبدالحق محدث، جذب القلوب، صفحات ۵۷-۵۸

(۵۰) صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۵۰۹۹، و ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات ۲۲۹-۲۳۰

(۵۱) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۲۳۰

(۵۲) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۳، ص ۱۷۶

(۵۳) ابن الجوزی، مصدر مذکور، ص ۲۵۳

(۵۴) مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ (عربی) دار المعرفہ، بیروت ج ۱، ص ۳۵۴

(۵۵) ابن سعد، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۲۳۸

اے اللہ تو مجھے اس شہر سے باہر لے آیا ہے جو مجھے پسند تھا
اب تو مجھے اس شہر لے چل جسے تو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے (1)

غار جبل احد جہاں رسول کریم ﷺ نے استراحت فرمائی

شہر نبی (مدینۃ النبی ﷺ) اور بلدہ طاہرہ جس کی قسمیں رب ذوالجلال کھائے اس کے فضائل و محاسن یقیناً انسان کے ادراک سے کہیں زیادہ ہیں اس کے فیوض و برکات کا اندازہ لگانا انسان کے بس کی بات نہیں. حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے: [نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ مدینہ طیبہ کو مکۃ المکرمہ سے دوگنا اور دو چند فیوض و برکات سے نواز](۲) جس طرح سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے وادی ام القریٰ یعنی مکۃ المکرمہ کو حرم مقرر کیا اسی طرح تاجدار مدینہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو حرم کا رتبہ دیا یوں ارض مدینہ طیبہ حرم نبوی شریف بن کر بلد اسلام اور بلد الامان قرار پائی یہ دعائے رسول مقبول ﷺ کا اثر تھا کہ یثرب کی آلودگیاں اور آلائشیں دھل گئیں اور خود رب ذوالجلال سبحانہ وتعالیٰ نے اس کا نام 'طیبہ' اور 'طابہ' رکھ دیا (جس کا مطلب 'پاک کر دیا گیا' یا 'طاہر و خوشبودار' ہے).(۳) حضور نبی اکرم ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے نسبت ہوتے ہی یہ رشک فردوس شہر خوباں مدینۃ النبی کہلانے لگ گیا اور پھر 'مدینۃ المنورہ' ہو گیا. حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں [جب حضور نبی اکرم ﷺ کا سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں مدینہ طیبہ میں ورود مسعود ہوا تو مدینہ طیبہ کا حسن و جمال ایسے چمک اٹھا جیسے کہ پہلے کبھی بھی نہیں تھا](۴) فرمان رب کریم ہے

﴿یا ایها النبی انا ارسلناک شاهدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی الله باذنه و سراجا منیرا﴾(۵)

(اے نبی ہم نے آپ کو شاہد بنا کر اور خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے کے طور پر بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور چمکتا ہوا دوسروں کو منور کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے)

اسی 'سراج منیر' کے دائمی اور ابدی نورانی تجلیات سے مدینہ طیبہ کے کاخ و کو منور ہو گئے، یثرب کی ظلمتیں قصہ پارینہ ہو گئیں اور یہ بلدہ طاہرہ 'بلدہ منورہ' یعنی روشن و تاباں ہو گیا جہاں سے ہر لحظہ انوار الٰہیہ کے کثیر الجہتی اور ما فوق الادراک سوتے پھوٹتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حرم نبوی شریف ہونے کی وجہ سے تقدس اور تفاخر کا وہ مقام ملا ہے کہ یہاں کی ہر چیز واجب الاحترام ٹھہری ہے اس کے درختوں تک کے پتے نہیں توڑے جا سکتے، اس ارض مقدس میں شکار کی بھی ممانعت ہے کیونکہ یہاں کے چرند پرند حرم نبوی کی امان میں ہیں اور یہاں کی ہوائیں اور فضائیں بھی پاک ہیں اور غبار و تراب بھی شفاء بخش ہیں.

صفحہ ہستی پر مدینہ طیبہ ایک ایسا مقدس بقعہ نور ہے جہاں ہر لحظہ ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں قدسی عشاق رسول مقبول ﷺ کا درود و سلام لے کر کرہ ارضی کے کونے کونے سے حاضر ہوتے ہیں. ہماری کثیف آنکھیں چونکہ ان قدسیوں کی موجودگی کا مشاہدہ نہیں کر پاتیں اس لیے ان کی تعداد اور ان کا انداز حاضری ہمارے ظن و تخمین اور فہم و ادراک سے ماورا ہے.(۶) صدیوں سے ذہنوں میں چند سوال اٹھتے رہے ہیں جن کا جواب ندارد. کیا پوری کائنات کی پہنائیوں میں حجرہ مطہرہ کے علاوہ کوئی اور بقعہ مبارکہ ہے جہاں جان کائنات فخر موجودات علیہ افضل السلام والصلوات تا ابد محو استراحت ہیں؟ کیا مدینہ طیبہ کے علاوہ کوئی اور قطعہ ارض بھی ہے جہاں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ (روضۃ من ریاض الجنۃ) ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے اور جہاں روز محشر حوض کوثر سجایا جائے گا جس کے کنارے بیٹھ کر شافع محشر شفیع المذنبین ﷺ اپنی امت کے عاصیوں کی شفاعت فرمائیں گے؟(۷) مدینہ طیبہ کے علاوہ کیا اور بھی کوئی مقام ہے جہاں جبل احد ہے جو نہ صرف کہ جنت کے دروازے پر واقع ایک پہاڑ ہے بلکہ جو رسول اللہ ﷺ سے پیار کرتا ہو اور جس سے تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ ﷺ خود محبت فرماتے ہوں؟(۸) کیا مدینہ طیبہ کے علاوہ اور بھی کہیں وادی عقیق ہے جو جنت کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے؟(۹) کیا ارض طیبہ کے علاوہ کہیں اور بھی مسجد قبا واقع ہے جہاں کی دو رکعت نماز آپ کو مکمل عمرے کا ثواب دے سکتی ہو؟(۱۰) اگر مسجد قبا کی یہ فضیلت ہے تو مسجد نبوی شریف میں دوگانہ ادا کرنے کا کیا صلہ ملے گا اس کا اندازہ عقلمند انسان خود کر سکتا ہے. بیہقی نے الجامع لشعب الایمان میں یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے. [میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری کسی مسجد میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے، یہاں ایک نماز جمعہ کی ادائیگی دوسری مساجد میں

ہزار جمعہ ادا کرنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے اور میری اس مسجد میں ایک ماہ روزے رکھنا دوسری مساجد میں ہزار ماہ کے صیام سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے] حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [مدینہ طیبہ میں میری مسجد میں نماز کا ثواب کسی اور جگہ نماز پڑھنے سے دس ہزار گنا ہے جبکہ مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنے کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور مسجد الحرام میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک لاکھ نماز ادا کرنے کے برابر ہے

اوقات نزول کے حساب سے قرآنی آیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی مکی اور مدنی آیات. اگرچہ مکہ مکرمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے نزول قرآن کے بعد اپنی حیات طیبہ کے تیرہ سال گزارے تھے اور اس کے مقابلے میں صرف دس سال مدینہ منورہ میں تنزیل قرآن کا سلسلہ رہا مگر تعداد کے حساب سے مدنی آیات اور سورتیں مکی آیات سے کہیں زیادہ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نزول وحی زیادہ تر حرم نبوی شریف یعنی مدینہ طیبہ میں یا اس کے گردونواح میں ہوئی اس پر مستزاد یہ کہ قرآن کریم کو عملی طور پر نافذ کرنے اور اس کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کا مرحلہ بھی مدینہ طیبہ میں ہی سر ہوا، چونکہ اسی ارض مقدس میں دولت اسلامیہ قائم ہوئی جہاں شاہنشاہ دو عالم ﷺ دربار رسالت لگایا کرتے تھے. اس لیے عاصمۃ الاسلام ہونے کا شرف بھی مدینہ طیبہ ہی کے حصے میں آیا. مدینہ طیبہ کی دنیوی اور دینی عظمت پر ان گنت کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں مشاہیر آئمہ کرام سے لیکر ناقدین تک سب نے خامہ فرسائی کی ہے. ان سب کا احاطہ کرنا محال ہے. اس شہر حبیب کو ننانوے ناموں سے پکارا گیا ہے کرہ ارضی کا کوئی اور شہر اسمائے گرامی کے تعدد و تکاثر میں مدینہ طیبہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا. احادیث مبارکہ میں مدینہ طیبہ کے اتنے فضائل بیان ہوئے ہیں کہ تقریباً تمام کی تمام کتب احادیث نے فضائل مدینہ کے نام سے الگ الگ باب قائم کئے ہیں جو بدیہی طور پر اس کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے صرف امام سمہودیؒ نے ۹۹ وجوہات بیان کی ہیں جن کی وجہ سے مدینہ طیبہ کو دوسرے شہروں پر فضیلت حاصل ہے(۱). ذیل میں ہم صرف چند حدیث نبوی ﷺ بیان کریں گے جن سے قارئین کرام اس 'شہر رسول ﷺ' کی عظمت و برکات اور محاسن و فضائل کا تھوڑا سا اندازہ کر سکیں گے. ہم احادیث مبارکہ کے بحر زخار کی پوری طرح غواصی کرنے سے عاجز ہیں اور صرف چند لولوئے لالا بطور مشتے از خروارے پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں

حضرت انس ابن مالکؓ بیان فرماتے ہیں [رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ مدینہ کو مکہ سے دو چند اور دو گنا حسنات و برکات عطا فرما](۱۲) الموطا میں یحییٰ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے [... اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے برابر کوئی چیز نہیں ہے. کرہ ارض پر ایسا کوئی زمین کا ٹکڑا نہیں ہے جہاں میری خواہش ہو کہ میری قبر بنے. سوائے اس جگہ کے (یعنی مدینہ طیبہ کے) اور آں حضور ﷺ نے یہ تین بار مکرر ارشاد فرمایا.](۱۳) عمرو بن سعد (بن ابی وقاص) نے اپنے والد (یعنی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ) کی روایت بیان کی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے مدینہ کے اس تمام علاقے کو جو دو آتش فشانی لاوے سے بنے سنگلاخ علاقوں کے درمیان ہے حرم قرار دے دیا ہے. لہذا اس کے درخت نہ کاٹے جائیں نہ ہی اس کے چرند پرند کا شکار کیا جائے.] حضور والا شان ﷺ نے مزید فرمایا [مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر یہ اس کی قدر جانیں. کوئی اس کو ناپسندیدگی سے نہیں چھوڑے گا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مدینہ کو اس کا نعم البدل دے دیگا. اور جو بھی یہاں کی سختی اور تنگی صبر سے جھیلے گا بروز محشر میں اس کا شفیع و شاہد ہوں گا](۱۴) ایسی ہی ایک حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کے سلسلے سے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے.

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [جسے بھی یہ استطاعت ہو کہ وہ حرمین الشریفین میں سے کسی جگہ انتقال کرے اور دونوں میں سے کسی ایک جگہ مر جائے تو میدان حشر میں میں سب سے پہلے اس کی شفاعت کروں گا. اور اس دن اس پر کوئی عذاب نہیں ہوگا اور وہ بغیر کسی مواخذہ، حساب اور عذاب کے بخش دیا جائے گا](۱۵) ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے

مروی ہے [وہ جس کے لیے ممکن ہو کہ وہ مدینہ میں مرے تو اسے یہیں مرنا چاہیے کیونکہ یوم حشر میں اس کا شفیع ہوں گا۔] (۱۶) ایک اور حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں [جس کے لیے ممکن ہو کہ وہ مدینہ میں مر سکے تو بہتر ہے کہ وہ یہیں مرے کیونکہ جو بھی یہاں مرتا ہے میں روز حشر اس کی شفاعت کروں گا] (۱۷) اگر خود حضور نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی خواہش فرمائی تھی کہ آپ کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہو تو بھلا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کس طرح پیچھے رہ سکتے تھے حضرت زید بن اسلمؓ نے اپنے والد سے روایت کی ہے [سیدنا عمر فاروقؓ نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے نبی کے شہر میں موت دے۔] (۱۸) یہ حقیقت کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے دس ہزار سے بھی زیادہ بقیع الغرقد میں نبی اکرم ﷺ کے حجرہ اطہر سے ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر مدفون ہیں اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ مدینہ طیبہ میں اپنی موت اور تدفین کو کتنا عزیز جانتے تھے۔ مدینہ طیبہ میں موت، اور تدفین کے اعزاز کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ متقدمین اور متاخرین میں سے کتنے لوگ تھے جن کا انتقال بلدہ طاہرہ مدینہ طیبہ کے حرم پاک سے باہر ہوا مگر ان کی میتیں کندھوں پر اٹھا کر اور سواریوں پر لاد کر مدینہ طیبہ لائی گئیں تا کہ ان کی تدفین حرم مدینہ میں ہو۔ اس میں کچھ ایسی بھی مثالیں ہیں کہ میتوں کو ہزاروں میل دور موصل، قاہرہ یا دمشق سے اونٹوں پر لاد کر لایا گیا اور پھر جوار مسجد نبوی میں دفن کیا گیا جمال الدین اصفہانی (جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے قریبی عزیز تھے) اور نجم الدین شیرکوہ (جو صلاح الدین کے سگے چچا تھے) کی مثالیں مورخین مدینہ نے خاص طور پر نقل کی ہیں۔

فرخا شہرے کہ تو بودی دراں   اے خنک خاکے کہ آسودی دراں
کوکبم را دیدہ بیدار بخش   مرقدے در سایہ دیوار بخش

اقبال

بیت اللہ شریف کی وجہ سے مکۃ المکرمہ کا مقام اتنا عظیم ہے کہ اس کا اندازہ لگانا محال ہے مگر وہاں پر مدفون اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (جن میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ ابن زبیرؓ جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں) کی تعداد مدینہ طیبہ میں مدفون اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد سے بہت کم ہے یہاں پر تو صرف بقیع الغرقد کے قبرستان میں دس ہزار سے زیادہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدفون ہیں اور مدینہ طیبہ کے باقی قبرستانوں میں مدفون اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حساب لگانا چاہیں تو عملاً ناممکن ہے۔ مدینہ طیبہ کا صرف یہی اعزاز کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا مسکن اور مدفن ہے وہ اسے تمام بلاد عالم سے برتری دینے کے لیے کافی ہے

تاہم مدینہ طیبہ کا مقارنہ جب مکۃ المکرمہ سے کیا جائے تو یہ طے کرنا ذرا مشکل ہے کہ دونوں میں سے افضل کونسا شہر ہے اور اس سلسلے میں اختلاف آئمہ کبار کے درمیان روز اول سے چلا آ رہا ہے۔ تین آئمہ کرام (امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ) کا نقطہ نظر یہ رہا ہے کہ وہ مکۃ المکرمہ کو مدینہ طیبہ پر فوقیت دیتے تھے اور اس سلسلے میں وہ حضرت حسن بصریؒ سے استناد کرتے تھے جو برملا کہتے تھے کہ چونکہ اللہ جل جلالہ نے مکہ کو ام القریٰ (۱۹) کے خطاب سے نوازا ہے اس لیے زیادہ فضیلت مکۃ المکرمہ کے حصہ میں آتی ہے (۲۰) تاہم حضرت امام مالک بن انسؒ جو سیدنا عمر فاروقؓ اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے مقلد تھے کی رائے یہ تھی کہ چونکہ سیدنا عمر فاروقؓ مدینہ طیبہ کو مکۃ المکرمہ سے افضل سمجھتے تھے اس لیے مدینہ طیبہ کو مکہ مکرمہ پر فوقیت حاصل ہے۔ (۲۱) محمد بن احمد بن عمر تستری (ت ۳۲۵ ہجری) نے "کتاب فی فضائل المدینہ و الحجۃ لہا" اور پھر بعد میں علامہ جلال الدین السیوطی (ت ۹۱۱ ہجری) نے بھی اس موضوع پر مکمل کتاب تالیف کی تھی جس کا عنوان تھا "الحجج المبینۃ فی التفضیل بین مکۃ و المدینۃ" ابن کثیر کے بیان کے مطابق امام مالکؒ اور ان کے تلامذہ تو ایک قدم اور آگے نکل گئے تھے اور اس نقطہ نظر کے قائل تھے کہ مسجد نبوی شریف کو بھی مسجد الحرام پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ ان کے قول کے مطابق مسجد الحرام کو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بنایا تھا جبکہ مسجد نبوی کو تو سید الابرار سید الانبیاء ﷺ نے تعمیر کیا تھا چونکہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام نبیوں کے سید و سردار ہیں اس لیے ان کی مسجد کو دنیا کی ہر مسجد پر فوقیت حاصل ہے۔ (۲۲) اب یہ قاری پر منحصر ہے کہ وہ ایک تابعی حضرت حسن بصریؒ کی رائے اختیار کریں یا خلیفہ راشد سیدنا عمر ابن الخطابؓ کی رائے کو اپنائیں ہم تو صرف اتنا کہنا چاہیں گے کہ اگر مکۃ المکرمہ بلد الامین ہے تو مدینہ طیبہ بلد الامان ہے اور چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر (جس میں حضور سرور کائنات ﷺ کا جسم اطہر موجود ہے) دنیا کی ہر پیدا کی ہوئی چیز (مخلوق) سے اعلیٰ و افضل ہے اس لیے مدینہ طیبہ کو انفرادی مقام و سبقت حاصل ہے جس کا کسی سے موازنہ یا مقارنہ نہیں کرنا چاہیے صرف یہ چیز محل نظر رہے کہ حضرت بکر ابن عبد اللہ المزنیؒ کی حدیث مبارک کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے [میری زندگی تم سب کی زندگیوں میں بہتر و افضل ہے، تم مجھ سے باتیں کرتے ہو اور میں تم سے ہم کلام ہوتا ہوں اور جب میرا انتقال ہو جائے گا تو میری موت بھی تمہارے لیے کہیں بہتر اور افضل ہوگی، میرے سامنے تمہارے اعمال پیش کیے جایا کریں گے۔ اگر تمہارے اعمال اچھے ہوئے تو میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور تمہاری تعریف کیا کروں گا اور اگر میں اس کے برعکس دیکھوں گا تو تمہارے لیے استغفار کیا کروں گا] (۲۳) سبحان اللہ کیا شان ہے دربار رسالت مآب ﷺ کی 'ہر لحظہ ہے طیبہ کی نئی شان نئی آن۔ یہاں ہر لحظہ دربار رسالت مآب ﷺ سجتا ہے اور اس کا انعقاد قیامت تک جاری و ساری رہے گا'

اس میں کوئی شک نہیں کہ مکۃ المکرمہ حضور نبی اکرم ﷺ کا مولد تھا اور آں حضرت ﷺ نے وہاں اپنی حیات دنیوی کے ترپن سال بتائے تھے مگر ایک بار جب آپ حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن بنا لیا تو آپ حضور ﷺ کا پیار مدینہ طیبہ سے زیادہ ہو گیا تھا اس سلسلے میں بے شمار احادیث جو مختلف راویان کرام کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد ایک ایسا مرحلہ آیا کہ انصار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذہنوں میں یہ بات آ گئی کہ شاید اب رسول اللہ ﷺ ان کو چھوڑ کر مکہ واپس جانا پسند کریں گے مگر سرور دو عالم حضور نبی الصادق الوعد ﷺ نے ان پر صاف واضح کر دیا کہ جینا مرنا وہیں پر (یعنی مدینہ طیبہ میں) ہوگا۔ ہجرت طیبہ سے بھی بہت پہلے جب انصار کے وفد سے بیعت عقبہ دوم لی جا رہی تھی اور ان میں سے کچھ نے اس سلسلے میں اپنے چند خدشات اور تحفظات کا اظہار کیا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے برملا وضاحت کر دی تھی کہ حضور والا شان ﷺ ان سے کبھی جدا نہیں ہوں گے۔ ابن اسحاق نے وہ مکالمہ جو انصاری وفد اور جناب رسول مقبول ﷺ کے درمیان ہوا تھا سیرۃ النبی میں نقل کر دیا ہے: [جب انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول: ہمارے ان لوگوں (یعنی یہود) کے ساتھ عہد و روابط ہیں اور اگر ہم ان معاہدوں کو توڑ دیں اور مستقبل میں اللہ عزوجل آپ کو فتح عطا فرما دے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی قوم میں واپس چلے جائیں اور ہم اکیلے رہ جائیں۔] اس پر رسول اللہ ﷺ مسکرا دیے اور یوں گویا ہوئے: [خون خون ہی ہوتا ہے اور جس خون کی کوئی قدر نہیں ہوتی اس کی واقعی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ میں تو تم میں سے ہوں اور تم مجھ میں سے ہو (یعنی میرا اور تمہارا خونی رشتہ ہے)۔ میں ہر اس شخص یا گروہ کے خلاف جنگ کروں گا جس سے تم برسر پیکار ہو گے اور ہر اس سے امن سے رہوں گا جس سے تمہارا امن کا معاہدہ ہوگا۔] (۲۴) ایسی تمام احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کو بے حد چاہتے تھے۔

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے [جب کبھی حضور نبی اکرم ﷺ کسی سفر سے واپس تشریف لاتے اور جونہی مدینہ طیبہ کے در و دیوار آپ حضور ﷺ کی نظروں کے سامنے آ جاتے تو حضور پر نور ﷺ اپنی سواری کو مہمیز لگا کر تیز دوڑا دیتے کیونکہ آں حضرت ﷺ کو مدینہ طیبہ سے بہت پیار تھا] (۲۵) صدیوں سے اہل یثرب حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد کے منتظر تھے اور پھر جب آں حضرت ﷺ کا وہاں ورود مسعود ہو گیا تو وہاں کی ہر چیز کو تقدس کی وہ رفعتیں عطا ہو گئیں کہ جزو حرم ہو کر ہر چیز باعث صد تکریم و تقدس ٹھہری جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہاں کے شجر و حجر آپ ﷺ سے دیوانہ وار عشق کرتے تھے جیسا کہ جبل احد کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ احد ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں ستون حنانہ کا قصہ تو اس سے بھی زیادہ زبان زد خاص و عام ہے کھجور کا تنا جس سے ٹیک لگا کر حضور نبی اکرم ﷺ مسجد نبوی

شریف میں خطبہ دیا کرتے تھے اس طرح آنحضرت ﷺ سے پیار کرتا تھا کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ حضور ﷺ کے لیے لکڑی کا ایک منبر بنوا دیا اور آپ حضور ﷺ نے اس پر بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کر دیا تو وہ کھجور کا تنا اپنے آقا و مولا ﷺ کی جدائی برداشت نہ کر سکا اور زار و قطار رونے لگ گیا کہتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہاں موجود تھے جنہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی ہے کہ اس کے رونے کی آواز بھی اس دور بھی جیسے کہ کسی حاملہ اونٹنی کی چیخ و پکار ہو (جس کو عربی زبان میں حنانہ کہا جاتا ہے)۔(۲۶) اسی وجہ سے اس کا نام اسطوانہ حنانہ پڑ گیا تھا

مدینہ منورہ میں حیات طیبہ کے دوران کتنی بار ایسے مواقع آئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے بارے میں پیش گوئیاں فرمائیں اس کے اچھے اوقات کا بھی ذکر فرمایا اور بہت سے ایسے واقعات کی نشاندہی بھی فرمائی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ دن دور نہیں جب مدینہ طیبہ پر آفت و بلیات کی یلغار ہوگی اور یہ کہ اس وقت اہل مدینہ پر ظلم و تشدد کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے لیکن ہر بار آپ حضرت ﷺ نے اہل مدینہ کو صبر و استقامت سے مدینہ ہی میں رہنے کی تلقین فرمائی۔ ایسا ہی ایک مرحلہ مدینہ طیبہ کی سیاسی زندگی میں اس وقت آیا جب یزید پلید کی فوج نے حرم نبوی کا تقدس پامال کر دیا۔ مسجد نبوی میں گھوڑے بندھوا دیئے اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا جس کے نتیجہ میں بہت سے تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دل برداشتہ ہو گئے اور مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا سوچنے لگے تھے۔ ابو سعید جو حضرت المہری کے آزاد کردہ غلام تھے ایک رات چھپ چھپا کر صحابی جلیل حضرت ابو سعید الخدری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور مہنگائی اور ایسے حالات میں ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لیے مدینہ طیبہ میں جینا محال ہو گیا ہے اور اجازت طلب کی کہ انہیں مدینہ طیبہ سے باہر جانے دیا جائے اس پر حضرت ابو سعید خدریؓ نے ان کی سرزنش کی اور فرمایا: [برا ہو تیرا، میں تمہیں اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ میں نے حضور نبی کرم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جو مسلمان بھی مدینہ طیبہ کی صعوبتیں اور مشکل برداشت کرے گا یوم حشر میں آپ حضور ﷺ اس کی گواہی دیں گے اور اس کی شفاعت فرمائیں گے۔](۲۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے [جب مدینہ طیبہ کے موسم کے لحاظ سے کوئی بھی نیا پھل آتا تو لوگ سب سے پہلے وہ پھل حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کرتے، آپ حضرت ﷺ سے قبول فرماتے اور دعا فرماتے [یا اللہ ہمارے پھلوں میں برکت ڈال دے، ہمارے شہر میں برکت عطا کر، ہمارے صاع اور مد (یہ دونوں تولنے کے پیمانے ہوا کرتے تھے) میں برکت ڈال دے اے اللہ ابراہیم (علیہ السلام) تمہارے بندے تمہارے خلیل اور تمہارے رسول تھے میں بھی تیرا بندہ، تیرا دوست اور تیرا رسول ہوں، انہوں نے مکہ کے بارے میں دعا کی تھی اور میں تیرے حضور مدینہ کے لیے ایسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی انہوں نے مکہ کے لیے کی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ پھر حضور رحمت للعالمین ﷺ سب سے چھوٹے بچے کو طلب فرماتے اور وہ پھل اس کو عنایت کر دیتے۔](۲۸)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں، مگر یہ مدینہ ہے، یہ انسان کو اس کی خباثتوں سے ایسے پاک کر دیتا ہے جس طرح ایک بھٹی یا کٹھالی فولاد کو اس کی آلائشوں سے پاک کر دیتی ہے](۲۹) حضرت زید ابن ثابتؓ کی روایت ہے [اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا یہ طیبہ ہے (یعنی طیب اور پاک) یہ ناپاکی اور خبث کو انسان سے ایسے الگ کر دیتا ہے جیسے ایک بھٹی یا کٹھالی چاندی سے اس کا کھوٹ دور کر دیتی ہے۔](۳۰) ام المومنین سیدۃ عائشہؓ روایت کرتی ہیں: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ ہمیں مدینہ طیبہ سے محبت عطا کرتا کہ ہم اس سے اتنی محبت کریں جتنی کہ مکہ سے بلکہ اس سے بھی زیادہ، اے اللہ ہمارے صاع اور مد کے پیمانوں میں برکت ڈال دے اور مدینے کی آب و ہوا کو ہمارے مزاجوں کے مطابق کر دے اور اس کے بخار (بیماریوں) کو 'جحفہ' (مدینہ طیبہ سے جنوب مغرب کی طرف ایک مقام ہے) سے پار پھینک دے۔](۳۱)

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بھی کوئی اہل مدینہ کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے گا اللہ اس کو تباہ و برباد کر دے گا اور وہ ایسے نیست و نابود ہو جائے گا جیسے پانی میں نمک غائب ہو جاتا ہے](۳۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ کے تمام راستوں پر فرشتے متعین ہیں تاکہ طاعون اور دجال اس کے اندر نہ داخل ہونے پائیں](۳۳) ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے کہ [دجال مدینہ طیبہ کی مشرقی جانب سے اس غرض سے آئے گا کہ اس پر حملہ کرے اور جبل احد کی مشرقی جانب تک آ جائے گا پھر فرشتے اس کو شام کی طرف دھکیل دیں گے اور وہ وہاں غارت ہو جائے گا](۳۴) اسی سلسلے میں ایک اور حدیث مبارکہ حضرت ابو بکرؓ نے روایت کی ہے [وہ حالت اور دہشت جو دجال کی وجہ سے برپا ہوگی وہ مدینہ طیبہ میں کبھی داخل نہیں ہو سکے گی کیونکہ مدینہ طیبہ کے ساتوں راستوں پر دو دو فرشتے حفاظت کے لیے مامور ہوں گے](۳۵) اسی طرح صحیح بخاری ہی کی ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے [مدینہ طیبہ کے راستوں پر فرشتے تعینات ہیں، طاعون اور دجال اس میں کبھی نہیں آ سکیں گے۔](۳۶) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے [مدینہ طیبہ پر قدسیوں کی قطاریں حفاظت کے لیے مامور ہیں وہ مدینہ طیبہ کے ہر راستہ پر محافظ بن کر کھڑے ہیں](۳۷)

مدینہ طیبہ واد قرقاہ کی درمیانی شق

حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا ہے کہ [حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی لگاتار چالیس فرض نمازیں بغیر کسی ناغہ کے اس مسجد میں ادا کرے گا وہ نار جہنم، عذاب اور نفاق اور فرقوں سے محفوظ ہوگا](۳۸) مدینہ طیبہ کو ایمان کا گھر (دار الایمان) کہا گیا ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی بیان کردہ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا [بے شک ایمان مدینے سے جاتا اور واپس آ جاتا ہے جیسے ایک سانپ خطرے کے وقت اپنی بل میں ہمیشہ واپس لوٹ آتا ہے (یعنی مدینہ طیبہ ایمان کا اصل مسکن ہے)](۳۹)

حضور نبی کرم ﷺ نے بالصراحت یہ اعلان فرما دیا کہ مدینہ طیبہ سب سے آخری شہر ہوگا جو قیامت سے پہلے تباہ ہوگا اور آخری ذی روح جو قیامت برپا ہونے سے چند ساعتیں پہلے مریں گے وہ بھی مدینہ طیبہ سے ہوں گے جس میں مدینہ طیبہ کی ابدیت کی طرف بہت لطیف اشارہ ہے یہ وہ شہر ہے جس کی بساط قیامت برپا ہونے سے پہلے سب سے آخر میں (یعنی چند گھڑیاں پہلے) لپیٹی جائے گی اور آخری بنی آدم جو قضا اجل ہوگا وہ بھی مدنی ہوگا۔(۴۰) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں "آخری شہر جس کی بساط قیامت برپا ہونے سے تھوڑی دیر پہلے لپیٹی جائے گی وہ مدینہ طیبہ ہوگا۔(۴۱) اور جب صور اسرافیل پھونکا جائے گا اور بنی آدم میں سے پہلی شخصیت کو اٹھایا جائے گا تو وہ مقصورہ شریف یعنی حجرہ مبارکہ سے سیدنا و مولانا محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذات بابرکات ہوگی حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی روایت کے مطابق [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں وہ ہوں جسے یوم النشور کو سب سے پہلے اٹھایا جائے گا پھر اس کے بعد ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ کو اٹھایا جائے گا اور پھر ہم تینوں بقیع غرقد کی طرف روانہ ہوں گے اور تب اس کے مکین اٹھائے جائیں گے](۴۲) ایک اور حدیث مبارکہ کی روایت کچھ یوں ہے [حضور نبی اکرم ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ سے اس طرح برآمد ہوئے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضور والا شان ﷺ کی دائیں جانب تھے اور حضرت عمر فاروقؓ آں حضرت ﷺ کی بائیں جانب تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسی انداز سے ہو گا جب ہم یوم حساب کو اس کمرے سے اسی طرح باہر آئیں گے۔](۴۳)

حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: [مدینہ طیبہ کی مٹی

مسجد نبوی ﷺ کے باب السلام کا بیرونی منظر

کوڑھ کا علاج ہے] ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں ایک اصحابی لنگڑاتے ہوئے آئے کیونکہ ان کی ٹانگ مجروح ہو چکی تھی آپ حضور ﷺ نے اپنی انگلی مبارک کو اپنے لعاب دہن سے گیلا کر کے زمین پر رگڑا اور اس طرح اس پر (مدینہ طیبہ کی) تراب لگ گئی، پھر آپ حضور ﷺ نے اس انگشت مبارک کو اس کی مجروح ٹانگ پر مل دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ [اللہ کے نام سے ہم میں سے کچھ کا لعاب دہن اگر مدینہ طیبہ کی خاک اور تراب سے ملا کر لگا دیا جائے تو شفاء نصیب ہوگی] ان اصحابی کی ٹانگ اسی وقت ٹھیک ہوگئی اور وہ شفایاب ہوگئے۔ اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابراہیم بن جہمؓ نے روایت کیا ہے [ایک مرتبہ بنی حارث کے کچھ لوگ ایک متعدی مرض میں مبتلا ہو گئے اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ وہ وادی صعیب (جو کہ وادی بطحان کا ایک حصہ ہے اور العوالی میں ماجشونیہ کی شمال مشرقی جانب واقع ہے) کی مٹی کو پانی میں گھول کر اپنے جسموں پر لگائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور شفایاب ہوگئے] (۴۴) وہ جگہ جہاں سے وہ تراب لی گئی تھی روز اول سے ہی مشہور ہے اور خاک شفاء کے نام سے جانی جاتی ہے۔ حافظ ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں (یعنی چھٹی صدی ہجری) لوگ اس مقام سے مٹی لے جایا کرتے تھے اور شفایاب ہوتے تھے۔ انہوں نے خود اس بات کی تصدیق کی ہے کہ انہوں نے بھی اس مبارک تراب شفاء کو استعمال کیا اور اس سے شفاء پائی تھی۔ (۴۵)

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است ۔۔۔ آں خوش شہرے کہ آں جا دلبر است

مدینہ طیبہ چونکہ حرم مکی کی طرح کا حرم ہے چہار دانگ عالم میں جہاں بھی امت اسلامیہ ساکن ہے وہاں مسلمانوں کے دلوں میں مدینہ طیبہ کے لیے خاص مقام اور احترام پایا جاتا ہے۔ کوئی چاہے کسی بھی مکتبہ خیال سے کیوں نہ تعلق رکھے چودہ صدیوں سے مسلمان تلاش علم و عرفاں اور فیضان مدینہ طیبہ سے بہرہ ور ہونے کے لیے یہاں آنے کی خواہش ضرور رکھتا ہے۔ یہ وہ شہر خوباں ہے جہاں دنیا کے تاجدار اور سلاطین عالم بنا خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے نہایت ادب و احترام سے حاضری دینے آتے ہیں۔ یہ وہ مقدس بقعہ ارض ہے جہاں علماء و مشائخ، صوفی و ولی، اور عامی و خاصی تمام اپنا نفس گم کر کے نہایت ہی عجز و انکساری سے حاضری دیتے ہیں۔ مسلمانوں پر ادب دربار رسالت ﷺ واجب کر دیا گیا ہے اس لیے کہ یہ وہ بقاع ارض طاہرہ ہے جسے نہ صرف اللہ کے رسول ﷺ نے چاہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمیں بھی کھائیں اس لیے یہاں حاضری کے وقت انتہائی ادب احترام کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔ اس سلسلے میں ہم قارئین کرام کی توجہ اس فتوی کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے جس کے مطابق حضرت امام مالک ابن انسؒ جیسے عظیم امام دار الہجرہ نے یہ حکم صادر فرمادیا تھا کہ اگر کوئی تراب مدینہ طیبہ کو سہوا بھی ردی کہہ کر پکارے تو اس کو تیس کوڑے لگائے جانے چاہئیں اور اسے اس وقت تک محبوس اور قید کر دینا چاہئے جب تک کہ وہ اپنی غلطی پر نادم نہ ہو اور توبہ نہ کرے۔ (۴۶)

رب ذوالجلال والاکرام نے مسلمانوں پر فرض کر دیا ہے کہ وہ اس کے پیارے حبیب محمد مصطفی ﷺ پر درود و سلام پڑھا کریں۔ ارشاد الہی ہے کہ [بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والے والو تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔] اس میں زمان و مکاں کی تخصیص نہیں مومن کہیں بھی ہو اللہ کے پیارے حبیب ﷺ پر درود و سلام پڑھنے کا پابند ہے خواہ وہ مدینہ طیبہ میں ہو یا اس سے کئی ہزار میل دور بیٹھا ہوا ہو لیکن اگر اس کو مدینہ طیبہ کی حاضری کی سعادت نصیب ہوتی ہے تو اس کا سرور ہی کچھ اور ہے۔ ابن ماجہؒ اور ابی داؤدؒ کی بیان کردہ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق جان کائنات سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے [جمعہ کو مجھ پر بار بار درود پڑھا کرو۔ تمہارا درود و سلام مجھ تک پہنچتا ہے۔] جب آپ حضور ﷺ سے استفسار کیا گیا کہ آیا آپ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد بھی درود و سلام آپ کو پہنچے گا تو رسالت مآب ﷺ نے صراحت فرمادی کہ [قبر کی مٹی انبیاء (علیہم السلام) کے جسد کو نقصان نہیں پہنچاتی جب بھی مجھ پر کوئی مومن درود بھیجے گا فرشتے اسے مجھ تک یہ کہہ کر پہنچا دیں گے کہ آپ کی امت سے فلاں ابن فلاں نے فلاں جگہ سے آپ حضور پر درود بھیجا ہے۔] ایک اور حدیث مبارکہ میں یہ

ساحت مدینہ کے ایک بازار کی تصویری جھلک ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء

روایت بھی آئی ہے کہ [جو میری قبر کے قریب آ کر مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے اس کا درود و سلام میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے] (۴۷) اس پیے یہ فخر صرف مدینہ طیبہ کو حاصل ہے کہ جب کوئی فرزند توحید وہاں حاضر ہو کر قبر اطہر کے پاس سے حضور نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام پڑھے تو اسے صاحب مقام محمود ﷺ بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ ایک حدیث کے معانی کچھ اس طرح ہیں [جب بھی کوئی مجھ پر درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میرے جسد میں لوٹا دیں گے تاکہ میں اس کے درود و سلام کا جواب دے سکوں] (۴۸) حضرت کعب احبارؓ جو جلیل القدر تابعین کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ کوئی دن ایسا طلوع نہیں ہوتا کہ آسمان سے ستر ہزار فرشتے نازل نہ ہوں وہ قبر اطہر کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں وہ اپنے پروں سے فضاء میں تیرتے رہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھتے رہتے ہیں۔ وہ شام ڈھلے تک اسی طرح صلوۃ و سلام میں مشغول رہتے ہیں اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو اتنی ہی تعداد دوسرے فرشتوں کی (یعنی ستر ہزار) ان کی جگہ آ کر لے لیتے ہیں۔ یہ اس وقت تک جاری و ساری رہے گا جب تک کہ زمین شق نہ ہو جائے۔ (۴۹) سبحان اللہ کیا شان ہے اس بقعہ مبارکہ کی!

جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں ہم نے بیان کیا ہے کہ مدینہ طیبہ کے فضائل و برکات اور انوار و فیضان کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے اس کا ادراک حسی طور پر نہیں بلکہ روحانی طور پر ہی کسی حد تک ہو سکتا ہے، وہ بھی جسے رب ذوالجلال توفیق اور سعادت بخشے۔ اگر کسی خوش نصیب کو قرب دربار رسالت مآب ﷺ نصیب ہو تو اسے ساعت کو غنیمت جاننا چاہئے اور جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے محسن انسانیت حبیب رب ذوالجلال ﷺ کی خدمت قدس میں بہتر سے بہتر الفاظ میں درود و سلام عرض کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی توجیہ اور ارشاد قابل ذکر ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ [اگر آپ حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجنا چاہیں تو بہتر سے بہتر کلمات سے مزین درود پاک بھیجیں، کیونکہ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا درود و سلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا جائے اور چاہے تو درود و سلام ایسے پڑھے (اللهم اجعل صلواتك و رحمتك و بركاتك على سيد المرسلين، و امام المتقين، و خاتم النبيين، محمد عبدك و رسولك امام الخير، و رسول الرحمه. اللهم ابعثه مقاما محمودا يغبطه فيه الاولون و الآخرون. اللهم صل على محمد، و على آل محمد كما صليت على ابراهيم، انك حميد مجيد. اللهم بارك على محمد، و على آل محمد، كما باركت على ابراهيم، انك حميد مجيد)

حضرت حسن البصریؒ کا ارشاد ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ مصطفی جان رحمت ﷺ کے حوض کوثر سے جام پیو تو پڑھو

اللھم صل علی محمد و علی آلہ و صحبہ و اولادہ و ازواجہ و ذریتہ و اھل بیتہ و اصھارہ و انصارہ و اشیاعہ و محبیہ و امتہ و علینا معھم اجمعین یا ارحم الراحمین]

ہم قارئین میں سے ہر اس مسلم کو جس کو زندگی بھر کی امنگوں کے حاصل شہر آرزو یعنی مدینہ مقدسہ کی حاضری نصیب ہو یہ تاکید ضرور کریں گے کہ جب حدود حرم مدنی میں داخل ہو جائیں تو بہترین اخلاق و اطوار کا مظاہرہ کریں قدم قدم پر انتہائی ادب ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کیونکہ یہ مدینۃ النبی ہے جہاں وہ نبی والاشان ﷺ آرام فرما ہیں جن کا ارشاد گرامی ہے [مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے] جب در اقدس پر حاضری ہو اور سید الانبیاء و الاتقیاء ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی سعادت نصیب ہو تو آواز اتنی دھیمی ہو کہ پاس کھڑا دوسرا سن نہ سکے۔ اللہ جل شانہ کے ہاں اس جگہ پر آواز بلند کرنا ناقابل معافی جرم ہے تنبیہ ربانی ملحوظ خاطر رہے ﴿ اے ایمان والو اپنی آوازیں رسول اللہ ﷺ کی آواز سے زیادہ بلند نہ کرو اور جب آپ سے مخاطب ہو تو ایسی آوازوں سے آپ کو مخاطب نہ کیا کرو جس سے تم ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہو، کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ﴾(۵۰)

بارگاہ ناز میں آہستہ بول ہو نہ سب کچھ رائیگاں آہستہ چل

یہ وہ ادب کا مقام ہے کہ جہاں ادب محض فرض میں ہی نہیں بلکہ اس کے بدلے اللہ عزوجل کے انعام و اکرام کی بے انتہاء بارش ہوتی ہے۔ ﴿ وہ لوگ جو رسول اللہ کے حضور دبی آواز میں ادب سے بات کرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ عزوجل نے تقویٰ کے عوض امتحان لیا ہے، ان کے لیے مغفرت اور معافی و اجر عظیم ہے ﴾(۵۱)

مدینہ طیبہ کے فضائل و برکات کے بارے میں اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں جو کرہ ارضی پر موجود کسی اور شہر کی فضیلت کے بارے میں نہیں لکھی گئیں، حتیٰ کہ مکۃ المکرمہ کے لیے بھی اتنی کاوش نہیں کی گئی ایسی تمام کتب میں مدینہ طیبہ کے فضائل و محاسن میں دیوں کے انبار لگا دیے گئے ہیں اور بعض عشاق حبیبہ نے تو مدینۃ النبی کی فضیلت واضح کرنے کے لیے پچپن سے زیادہ شرعی اور عقلی دلائل دیے ہیں۔(۵۲) ہم نے سارا انحصار حدیث نبوی پر کیا ہے تا کہ محاسن دار المصطفیٰ بفرمان مصطفیٰ ﷺ بیان ہو سکیں ورنہ دیگر ثقہ ترین روایات کے مطابق دیار حبیب کی خوبیاں تو اتنی ہیں کہ اس موضوع پر ضخیم کتابیں بھی حق ادا نہیں کر سکتیں

اختتام سے پہلے ہم عاشق مدینہ طیبہ، امام دار الہجرہ، حضرت امام مالکؒ کے ادب مدینہ طیبہ کی مثال دینا چاہیں گے۔ آپ نے اپنی تمام زندگی مدینہ طیبہ میں گزار دی اور صرف ایک بار حج کی غرض سے حدود مدینہ طیبہ سے باہر گئے اور جب تلامذہ اور احباب کہتے تھے کہ مکہ مکرمہ چلیں تا کہ عمرہ کر سکیں تو فرماتے کہ حج کے لیے جانا ایک بار فرض تھا اس لیے مدینہ طیبہ سے باہر گیا تھا اور اب کون جانتا ہے کہ حدود حرم نبوی سے نکلوں تو میری موت آجائے۔ اس لیے اپنی زندگی مدینہ طیبہ میں ہی گزار دی۔ عباسی خلیفہ محمد المہدی نے تین ہزار دینار اپنے معتمد خاص ور نامہ بر ربیع کے ذریعے امام مالکؒ کی خدمت میں ارسال کیے اور خواہش ظاہر کی کہ آپ میرے ساتھ بغداد چلیں۔ امام مالکؒ نے قاصد سے کہا تھیلیاں اب بھی سربستہ اسی طرح پڑی ہیں، جی چاہے لے جاؤ لیکن مالک مدینہ نہیں چھوڑ سکتا اس لیے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ: المدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون۔(۵۳) پھر مہدی نے سواری بھیجی کہ اس پر سوار ہو کر بارگاہ خلافت میں آئیں، حضرت مالکؒ نے یہ کہہ کر سواری واپس لوٹا دی کہ میں مدینہ طیبہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتا کہ انہی گلیوں میں تاجدار مدینہ ﷺ پیدل پھرتے تھے (۵۴) ان کے اصطبل میں کثرت سے گھوڑے اور خچر تھے مگر کبھی بھی مدینہ طیبہ کی گلیوں میں سوار ہو کر نہ نکلے اور ہمیشہ پاپیادہ چلتے تھے لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا [مجھے شرم آتی ہے کہ جو سرزمین نبی الحرمین ﷺ کے قدمین الشریفین سے مشرف ہوئی ہو اس کو میں جانوروں کے

سموں سے روندوں۔](۵۵) اور پیدل چلتے ہوئے اگر رستہ میں کسی صحابی کے مکان کی باقیات کے پاس سے گزرتے تو از راہ ادب اس قدیم و عظیم تاریخی یعنی اس عمارت کو اپنے ہاتھوں سے مس کر کے گزرتے تھے اور گلیوں سے گزرتے وقت ہمیشہ گلی کے کنارے کنارے چلتے اور فرمایا کرتے تھے کہ درمیان میں اس لیے نہیں چلتا کیونکہ تاجدار انبیاء و ختمی مرتبت ﷺ عموماً سڑک کے وسط میں چلا کرتے تھے اور مالک کی کیا مجال کی اس جگہ پر سے گزرے جو قدمین رسول مقبول ﷺ سے کہکشاں صفت بن چکے ہوں(۵۶)۔ ایسی ہی ایک اور مثال حضرت اویس قرنیؒ کی بھی ہے کہ جب وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو درود و سلام کے لیے بہت ہی تھوڑی دیر مدینہ طیبہ قیام کیا اور یہ کہہ کر مدینہ طیبہ سے بھاگ گئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سید الانس و الجن علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام تو زیر زمین محو استراحت ہوں اور اویس قرنی سطح زمین سے اوپر گھومتا پھرے یہ تھی عشاق رسول ﷺ اور عشاق مدینہ طیبہ کے احترام مدینۃ النبی کی ایک جھلک اور ان کا انداز و ادب

اللہ کریم ہمیں آداب مدینہ طیبہ بجا لانے کی توفیق فرمائے۔ آمین

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

مقام خاک شفاء (وادی صعب جو وادی بطحان کا حصہ تھی) تصویر-۲۰۰۰ء

حواشی

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث ہے جسے ہم نے حافظ ابن کثیر (ت: ۷۷۴ ہجری) کی البدایہ والنہایہ سے نقل کیا ہے (البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، ج سوم، ص ۱۷۹) نیز یہ حدیث حاکم کی مستدرک میں بھی ہے جسے شیخ اسماعیل بن عبداللہ السکندری (ت: ۱۸۲ ہجری) نے اپنے تالیف ترغیب اہل المودہ والوفاء فی سکنی دار الحبیب المصطفیٰ نے صفحہ ۱۰۹ پر نقل کیا ہے اس کے علاوہ دیکھیے المحلی لابن حزم، ۷-۲۵۳ اور امام شمس الدین سخاوی (ت ۹۰۲ ہجری) تحفۃ اللطیفہ فی تاریخ مدینۃ الشریفہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۹۳، ج ، صفحہ ۲۱

(۲) صحیح مسلم (انگریزی ترجمہ عبدالحمید صدیقی)، انٹرنیشنل اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ریاض، ج ۲، نمبر ۳۱۶۲

(۳) ایضاً، ج ۲، نمبر ۱۳۹۳، مسند امام احمد، ج ۵، نمبر ۸۹، ۱۰۳ اور ۲۰

(۴) مسند امام احمد ۳، ۲۲۰-۲۲۱

(۵) القرآن الکریم (الحزاب ۳۵-۳۶)

(۶) مسند امام احمد ۱، ۴۵۲ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے۔ [رسول اللہ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے فرشتے جو روئے زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور جونہی کوئی مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو میری امت کے اس فرد کا سلام مجھ تک پہنچا دیتے ہیں]

(۷) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۱۲

حضرت جابر ابن عبداللہؓ کی روایت ہے [میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرے منبر کا پایہ جنت میں ہے اور جو جگہ میرے منبر اور (ام المومنین) سیدہ عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے] ابن الجوزی (۵۰۸-۵۹۷ ہجری) الوفاء باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۸، ص ۲۵۹، اسی مضمون پر مزید احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، نسائی، مسند امام احمد، ابن سعد، طبرانی، بیہقی، ابو نعیم (حلیۃ الاولیاء) اور ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں کثرت سے ملتی ہیں (حاشیہ ابن جوزی، مصدر مذکور، ص ۲۵۹)

(۸) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۴۳۳، اور ج ۲، نمبر ۵۵۹، نیز موطا امام مالک، نمبر ۵۳-۳-۱۰

(۹) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۵۳۰، ۵۲۹

(۱۰) مسند امام احمد ۳، ۳۳۳-۳۹۵ اور امام بخاری، تاریخ الکبیر ۳ ۲۹

(۱۱) سمہودی، وفاء الوفاء، مصدر مذکور، جز ء صفحات ۴۷-۸۹

(۱۲) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۲۰۹

(۱۳) الموطا امام مالک، ج ، نمبر ۱۰۰۵

(۱۴) صحیح مسلم، مصدر مذکور، ج ۲، نمبر ۳۱۵۳

(۱۵) الحسن البصری، فضائل المکہ، مکتبہ ثقافت مدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ۱۹۹۵، ص ۲۷، یہ حدیث ترمذی، ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی نقل کی ہے۔

(۱۶) الہیثمی، مجمع الزوائد ۳، ۳۰۰

(۱۷) الترمذی، المناقب (۳۹۱۷)، ابن ماجہ کتاب، مناسک (باب فضائل المدینہ، ۳۱۱۲)

(۱۸) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۱۲، ابن شبہ النمیری البصری نے تاریخ مدینہ (ج ۳، ص: ۸۷۸) میں یہی حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کی ہے

(۱۹) قرآن کریم، (غافر ۵۹) سے مقتبس کیا گیا ہے

(۲۰) حسن البصری، مصدر مذکور، ص ۲۶

(۲۱) ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری) البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، ج ۳، ص ۹۰، شیخ جعفر بن السید اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین و الآخرین، دار مکتب والوثائق المصریہ ISBN NO 977 5231 14-0، ۱۹۹۵، ص ۲۶۱

(۲۲) ابن کثیر، مصدر مذکور، ص ۱۹۲

(۲۳) امام اسماعیل بن اسحاق الجہضمی القاضی مالکی (۱۹۹-۲۸۲ ہجری)، فضائل الصلاۃ علی النبی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۷، الطبعۃ الثالثہ، صفحات ۳۶-۳۷

(۲۴) ابن اسحاق، The Life of Muhammad Trans.Alfred Gillume، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۸۰، صفحات ۲۰۳-۲۰۳

(۲۵) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۱۰

(۲۶) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۳۰۸، اور ج ۲، نمبر ۳۱، اور ج ۴، نمبر ۷۸۳

(۲۷) صحیح مسلم، مصدر مذکور، ج ۲، نمبر ۳۱۷۵

(۲۸) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۷۰، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: "اے میرے رب اس شہر کو امان والا کردے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو ان میں اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں" القرآن البقرۃ: ۱۲۶ ایضاً سورۃ ابراہیم ۳۵ اور ۳۷

(۲۹) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۸۹، نیز ابی سعید المفضل بن محمد الجندی المکی (ت ۳۰۸ ہجری)، فضائل المدینہ، دار الفکر، دمشق، ص ۲۶

(۳۰) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۹۲

(۳۱) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۰۳

(۳۲) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۹۷ صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۰۱

(۳۳) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۰۲

(۳۴) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۱۸۷

(۳۵) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۰۴

(۳۶) صحیح بخاری، الیکٹرانک مجموعہ احادیث- سی ڈی- نمبر ۱۸۸۰ اور ۳۱۷۵

(۳۷) ڈاکٹر صالح بن حامد بن سعد الرفاعی، الاحادیث الواردہ فی فضائل المدینہ، ص ۶۸

(۳۸) مسند امام احمد، جامع الاحادیث ۶، ۲۲۳-۲۲۴، نمبر ۲۲۲۷

(۳۹) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۰۰

(۴۰) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۲۰۳، نیز صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۹۸ نیز ابن شبہ النمیری البصری نے اس حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ ثنیات الوداع کے قریب ہوا تھا، مصدر مذکور، ج ، صفحات ۲۶۹ - ۲۷۷

(۴۱) ابن حبان کی روایت در ترمذی (دیکھیے سمہودی، مصدر مذکور، جز ء، ص: ۸۳)

(۴۲) جمال المطری (ت ۷۴۱ ہجری) التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ، مکتبہ دار مصطفیٰ الباز، مکہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۷، ص ۱۰۱

علامہ سیوطی، جامع الاحادیث، نمبر ۵۶ے۴، نیز ترمذی اور حاکم نے بھی ہی حدیث مبارکہ کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے

(۴۳) ابن الجوزی، مناقب امیر مومنین عمر بن الخطابؓ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۰ء، ص ۲۷

(۴۴) جمال المطری، مصدر مذکور، ص ۵

(۴۵) ابن نجار، الدرۃ الثمینۃ فی تاریخ المدینۃ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، مصر، ص ۲۲

(۴۶) قاضی عیاضؒ، الشفاء، ج ۲ صفحات ۴۴-۴۵، سمہودیؒ، الوفاء بما یجب لحضرت المصطفیٰ، ناشر حمد الجاسر (رسائل فی تاریخ المدینۃ)، صفحات ۱۰۹-۱۱۰
نیز قطب الدین حنفی (ت۔ ۹۹۰ ہجری) تاریخ مدینہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، مصر، ص ۴۳

(۴۷) بیہقی نے حیات، انبیاء اور شعب الایمان میں نقل کیا ہے (۲: ۲۱۸، نمبر ۵۸۳)

(۴۸) سنن ابی داود (مناسک ۲۰۳۹)، مسند امام احمد ۲: ۵۲۷ و تفسیر ابن کثیر، ۶: ۳۶۴

(۴۹) ابن الجوزی، مثیر العزم، ص ۴۷۳

(۵۰) القرآن الکریم (حجرات ۲)

(۵۱) ایضاً، الحجرات ۳

(۵۲) عبدالرحمن محمد حمید نبر، التحفۃ الذکیہ فی فضائل المدینۃ النبویہ، دار الیقین، مصر، ۲۰۰۰

(۵۳) قاضی عیاض، الشفاء، ج ۲، ص ۴۳، نیز قطب الدین حنفی، مصدر مذکور، ص ۴۳، ۹۹

(۵۴) سید سلیمان ندوی، حیات (امام) مالکؒ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص ۶۵

(۵۵) ایضاً

(۵۶) ابن خلکان، ترجمہ مالک بن انس، تزئین الممالک، مصر، ج ۱، ص ۴۳۹

مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاۂ کے اسمائے مبارکہ

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کا نام "طابہ" رکھوں (حدیث شریف)(۱)

مورخین اور محدثین نے مدینہ منورہ کے سو سے زیادہ اسمائے مبارکہ بیان کئے ہیں، یاقوت الحموی وہ پہلے مورخ ہیں جنہوں نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف معجم البلدان میں اس بلدہ طاہرہ کے ۲۹ (انتیس) نام شمار کیے تھے جن میں سے چند یہ ہیں۔ المسمیہ، طیبہ، طابہ، مسکینہ العذراء، الجابرہ، المحبہ، المحببہ، المجبورہ، یثرب، الناجیہ، الموفیہ، المجنہ، القدسیہ، العاصمہ، المرزوقہ، الشافیہ، الخیرہ، المحبوبہ، المرحومہ، القاصمہ، طابہ، المحرح صدق وغیرہ (۲)

اس کے بعد تقریباً ہر محقق نے اس تعداد میں اضافہ کیا ہے، سید سمہودی نے ۹۵ نام گنوائے ہیں جبکہ علامہ زرکشی، مجدالدین فیروز آبادی اور محمد بن یوسف الصالحی نے بہت سارے اسماء کی تشریح بالتفصیل بیان کی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ از منہ قبل از اسلام میں یہ قصبہ یثرب کے نام سے جانا جاتا تھا، دراصل یہ شہر خوباں بہت سارے قریوں کا مجموعہ تھا جس میں سے سب سے زیادہ مشہور قریہ یا گاؤں یثرب کا تھا اور اسی وجہ سے یہی نام تمام قریوں کے مجموعے کے لیے بھی استعمال ہونے لگ گیا تھا، اور جیسا کہ ایک دوسرے باب میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے قدیم یونانی مورخین نے اسے 'ایثربیا' یعنی یثرب کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے مگر جونہی حضور سرور کائنات رحمت دو عالم ﷺ نے اپنا قدم مبارک یہاں رکھ کر اسے اپنا مسکن بنایا تو پھر یہ شہر مقدس مدینۃ النبی کے نام سے ہی مشہور ہوا۔

اس بلدہ مبارکہ کے اتنے سارے نام ہونے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دل میں اس مقدس بقعہ ارض کا کیا مقام اور احترام ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسے جتنے بھی نام دیے گئے ہر نام نہایت ہی مناسب اور اسم بامسمیٰ ثابت ہوا ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک کبھی اسے مدینۃ النبی، کبھی مدینہ المبارکہ، کبھی مدینہ المشرفہ اور کبھی صرف المدینہ یا مدینہ کہا جاتا رہا ہے۔ یہ صرف عثمانی (ترکی) دور میں ہی تھا جب کہ اسے مدینۃ المنورہ کہا جانے لگا جو بظاہر اس لیے کہا گیا کہ اس شہر مقدس کی نسبت صرف اور صرف رسول مقبول ﷺ سے ہے اور چونکہ حضور سید الاولین والآخرین ﷺ کو قرآن پاک میں 'سراجاً منیراً' کہہ کر پکارا گیا ہے (۳) اس لیے اسی زاویہ نگاہ سے حضور پرنور ﷺ کے مسکن و مدفن کو 'مدینہ منورہ' کہا جانے لگا اور پھر اس کے بعد یہ نام زبان زد خاص و عام ہو گیا اور یہی نام بین الاقوامی سطح پر ہمیشہ کے لیے مسلم ہو گیا ہے۔ چند اسمائے مبارکہ کا ذکر تو قرآنی آیات یا احادیث مبارکہ میں بھی ملتا ہے مگر دیگر اسمائے مبارکہ فقہاء اور علماء نے مدینہ طیبہ کی کسی نہ کسی خصوصیت یا صفت کی بنا پر وضع کیے ہیں۔ ذیل کے چند صفحات میں ہم چند مشہور اسمائے مبارکہ کی تفصیل بیان کر رہے ہیں

مدینہ:

قرآن کریم نے لفظ مدینہ کا ذکر بطور اسم نکرہ اور اسم معرفہ دونوں طرح کیا ہے۔ مندرجہ ذیل چار آیات میں لفظ مدینہ بطور اسم معرفہ استعمال ہوا ہے

(۱) اور تمہارے گرد جو اعراب (بدو قبائل کے لوگ) ہیں ان میں سے کچھ منافق ہیں، اور کچھ لوگ مدینہ سے بھی (ان میں شامل ہیں) وہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، تم ان کو نہیں جانتا مگر ہم جانتے ہیں۔ (۴)

(۲) نہ چاہئے مدینہ والوں کو اور ان کے اردگرد کے (بادیہ میں بسنے والے) گنواروں کو کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے سے پیچھے رہ جائیں اور نہیں چاہئے کہ وہ اپنی جانوں کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ عزیز رکھیں (۵)

(۳) البتہ اگر منافق اور جن کے دل میں روگ ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں طرح طرح کی افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں ان کے پیچھے لگا دیں گے اور پھر وہ تیرے پاس (یہاں یعنی مدینہ میں) زیادہ دیر نہ رہ پائیں گے۔ (۶)

(۴) وہ لوگ (یعنی منافق) کہتے ہیں اگر ہم مدینہ میں واپس گئے تو عزت والے لوگ کمتروں کو نکال باہر پھینکیں گے۔ اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کی ہے۔ یہ بات منافق کیا جانیں۔ (۷)

ہجرت مبارکہ کے وقت مہاجرین کو اپنے گھربار چھوڑنے پڑے تھے اس کے بدلے اللہ رب العزت جل جلالہ نے ان کو دنیا میں بہترین نعم البدل دینے کا وعدہ کیا جو کہ مدینہ طیبہ میں آبادکاری کی صورت میں ہوا۔ سورۃ النحل کی آیت ۴۱ میں فرمان الٰہی ہے: ﴿اور وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھربار چھوڑے مظلوم ہو کر، ضرور ہم ان کو دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور بیشک آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے اگر یہ لوگ جان سکیں﴾ اس آیت کریمہ میں مدینہ طیبہ کا نام لیے بغیر فرما دیا گیا ہے کہ وہ جگہ دنیا میں سب سے بہترین جگہ ہے۔

عربی زبان میں عام معانی میں لفظ مدینہ کا مطلب شہر یا قریہ ہوتا ہے اور چار یا پانچ مقامات پر اسے ان معانی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ بر سبیل مثال سورہ یٰسین میں لفظ مدینہ ایک قریہ یا شہر کے بطور اسم نکرہ استعمال ہوا ہے۔ مگر جیسا کہ اوپر دی گئی چار آیات میں کہا گیا ہے وہاں مدینہ اسم معرفہ ہی کے طور پر استعمال ہوا ہے (۸) جو اس بات کی دلیل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کو اس نام مبارکہ سے بہت پیار تھا کیونکہ اور کسی شہر کا اتنی بار تکرار کے ساتھ ذکر نہیں ہوا۔ قرآن کریم کے علاوہ احادیث مبارکہ میں تو اس اسم مبارکہ کا اتنی بار ذکر ہے کہ احاطہ کرنا محال ہے۔

مدینہ منورہ کے چند دیگر مشہور اسمائے مبارکہ

حضرت زید بن اسلمؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا [مدینہ کے دس اسماء ہیں (جن میں سے نو یہ ہیں)۔ المدینہ، طیبہ، طابہ، مسکینہ، جابرہ، مجبورہ، یندد، یثرب اور الدار] حضرت عبد اللہ بن جعفر ابن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ [اللہ جل جلالہ نے مدینہ طیبہ کا نام الدار اور الایمان رکھا ہے] (۹) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا [مجھے ایک ایسے قصبے کو ہجرت کرنے کا حکم ملا ہے جو دوسرے قصبوں اور شہروں پر غالب آئے گا اسے یثرب کہا جاتا ہے مگر اس کا اصلی نام المدینہ ہے یہ خبیث انسانوں کو اپنی دھرتی سے یوں نکال باہر پھینکتا ہے جیسے آتشیں بھٹی خام لوہے کی میل کو نکال کر پھینک دیتی ہے] (۱۰) اس حدیث مبارکہ سے تین نقاط واضح ہوتے ہیں

(۱) یہ کہ زمانہ قبل از ہجرت میں مدینہ منورہ کا نام یثرب ہوا کرتا تھا (یثرب کا مطلب مواخذہ، سرزنش اور فساد ہے)۔ درحقیقت یثرب ان بہت سارے قریوں میں سے ایک قریے کا نام تھا جو مدینہ طیبہ کی ارض مقدسہ پر صدیوں سے آباد تھے ان تمام قریوں میں سے یثرب معاشی اور معاشرتی طور پر بہت نمایاں حیثیت کا حامل تھا، زمخشری کے بیان کے مطابق یثرب دوسرے تمام گاؤں سے بڑا تھا جو وادی قناۃ اور الجرف کے درمیان والے علاقے میں واقع تھا اور اس میں یہودیوں کی اکثریت تھی] (۱۱) مرور ایام کے ساتھ یہودیوں کے ساتھ ساتھ اس میں عرب کے بعض شعوب وقبائل کی کثیر تعداد آباد ہو گئی تھی۔ یثرب کے دیگر اسماء جو زمانہ قبل از اسلام میں رائج تھے ہم نے باب یثرب میں دیئے ہیں۔ ابن حجر اور امام نووی رحمت اللہ علیہم (صحیح بخاری اور مسلم شریف کی شہرہ آفاق شروح کا سہرہ انہی کے سر ہے) دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ جب حضور پرنور ﷺ نے یثرب کو مدینہ کا نام دے دیا تو اس کے بعد صرف منافقین ہی ایسے لوگ تھے جو اسے یثرب کہا کرتے تھے جب کہ مومنین نے اسے مدینۃ النبی کے نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا (۱۲) قبل از اسلام یثرب کے لیے ایک اور مترادف نام اثرب بھی تھا جو شاید عبرانی اور عربی کی روزمرہ کی بول چال میں لسانی تفاوت کا نتیجہ تھا جو اس وقت مدینہ طیبہ میں رائج تھیں۔ (۱۳) جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ قریہ یثرب کی معاشی برتری کا نتیجہ تھا کہ اسم یثرب دوسرے قریوں کے اسماء کو پس پشت ڈال کر مشہور ہو چکا تھا

(۲) یہ کہ یہ شہر دوسرے قصبوں پر غلبہ حاصل کرے گا اس حدیث مبارکہ میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ ہے 'اکلۃ القریٰ' جس کا لفظی مطلب دوسرے شہروں اور قصبوں کو ہڑپ کر جانے والا شہر ہے۔ درحقیقت یہ صادق مصدوق ﷺ کی مدینہ طیبہ کے متعلق پیش گوئی تھی جو حرف بحرف سچ ثابت ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے جونہی مدینہ طیبہ عاصمۃ الاسلام یعنی دولت اسلامیہ کا مرکز اور

دارالخلافہ قرار پایا اس وقت کی عالمی قوتوں کے تمام دارہائے سلطنت یک یک کر کے سرنگوں اور مغلوب ہو کر مدینہ طیبہ کے باج گزار بن گئے کیونکہ اسلام کی افواج قاہرہ نے ان کی عظمت و سطوت کو اپنے پاؤں تلے روند کر وہاں مدینہ طیبہ کی عظمت و جبروت کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔

(۳) تیسری بات یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کا نام نامی مدینہ رکھ دیا تھا جونہی اس بات کا چرچا ہوا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے یثرب کہنا یکسر ترک کر دیا۔ اب اس کا ذکر اگر کیا جاتا ہے تو صرف تاریخی حوالے سے۔ حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کرم ﷺ نے رشاد فرمایا [جو کوئی بھی مدینہ کو یثرب کے نام سے پکارے گا اسے رب ذوالجلال سے استغفار کرنا ہوگی۔ یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے](۱۴) جلال الدین السیوطی ؒ کی مرتبہ جامع الاحادیث (۹-۳-۵) میں دی گئی حدیث مبارکہ کے الفاظ تو بالصراحت اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ [جس نے بھی مدینہ کے لیے یثرب کا لفظ استعمال کیا کفارے کے طور پر اسے دس بار "المدینہ" کہنا چاہیے

طابہ: یہ حدیث مبارکہ کہ [بلا شک مجھے رب ذوالجلال نے حکم دیا ہے کہ میں اس شہر کا نام طابہ رکھوں] اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے نزدیک مدینہ منورہ کا محبوب ترین نام طابہ تھا حضرت جابر بن سمرہ ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ: [اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے] طابہ کا مطلب نفیس، طاہر (پاک) عمدہ اور میٹھا ہے (۱۵) طیب خوشبو کو بھی کہتے ہیں اس لیے طابہ کا ایک مطلب خوشبودار بھی ہے حضرت جابرؓ کی ایک اور روایت میں جو دوسرے راویان کرام کی وساطت سے بیان کی گئی ہے کہا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا [اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مدینہ کا نام طابہ رکھوں۔](۱۶) حضرت ابو حمید الساعدیؓ نے بیان کیا ہے کہ [جب ہم غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے تو جونہی مدینہ ہماری نظروں کے سامنے نمودار ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا [یہ طابہ ہے، یہ جبل احد ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں](۱۷) ابن شبہ النمیری نے بھی ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ حضرت عبدالرحمنؓ کے حوالے سے بیان کی ہے جس کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا [جو بھی مدینہ کو یثرب کہے گا اسے توبہ کرنی چاہیے اور تین مرتبہ استغفر اللہ کہنا چاہیے۔ یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے](۱۸) کیوں نہ ہو کہ وہی یثرب جو کہ رسول مقبول ﷺ سے پہلے فساد و تخریب کا گڑھ تھا قدم بوسی دانائے سبل ﷺ کے بعد فروغ وادی سینا کی رفعتوں کو بھی اپنے پیچھے چھوڑ چکا تھا۔ نعلین مبارکہ در پوش ختم الرسل ﷺ نے اس کی غبار راہ تک کو عرش کا ہم پایہ کر دیا تھا اس کی گلی گلی رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے عطر بیز ہو گئی تھی ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب کبھی حضور نبی اکرم ﷺ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظروں سے اوجھل ہوتے تو انہیں حضور والا شان ﷺ کو تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوتی کیونکہ جس طرف آں حضرت ﷺ کا گزر ہوتا تھا وہ راستے اور وہ ہوائیں بہت دیر تک معطر رہتیں اور اصحابہ کرام اسی طرف کا رخ کرتے اور جا کر حضور پرنور ﷺ کو پا لیتے

یا خیر من دفنت فی الترب اعظمه فطاب من طیبهن القاع و الاکم

(اے وہ سب سے اچھی ذات کہ جس کا جسد اطہر مٹی میں دفن کیا گیا، تو اس کی خوشبو سے میدان اور ٹیلے مہک اٹھے۔)

طیبہ: حضرت زید بن ثابتؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے کہ [یہ طیبہ ہے جس کا مطلب مدینہ ہے۔ یہ خبث و نجاست کو ایسے نکال باہر پھینکتا ہے جیسے آتش چاندی کے کھوٹ کو الگ کر دیتی ہے](۱۹) جب شہر مدینہ نے صفت کاملہ اسلام قبول کر لیا تو اس میں کفار کی سکونت کی گنجائش نہ تھی اور یہود بے یہود کے اجلاء اور دیگر غیر مسلم عناصر کے انخلاء کے بعد یہ شہر خوباں طاہر و طیب ہو گیا۔ مشہور صحابیہ سیدہ فاطمہ بنت قیسؓ فتنہ دجال کی حدیث مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ [یہ

مدینہ طیبہ ... باب النساء کی طرف سے ...

طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے](۲۰) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ [رب ذوالجلال کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مدینہ کی مٹی اور اراضی مومنہ ہے (یعنی ایمان لا چکی ہے اور امان پا گئی ہے)](۲۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کرم ﷺ نے فرمایا کہ [ایک وقت ایسا آئے گا کہ ایک مدنی اپنے عزیز یا رشتہ دار کو بلا کر کہے گا کہ چلو کسی اور جگہ چل کر بسیں جہاں سامان زیست ارزاں اور بافراط ملتا ہو مگر سچ یہ ہے کہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہوگا اے کاش کہ وہ اسے جان پاتے۔ رب ذوالجلال کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ کوئی مدینہ چھوڑ کر چلا جائے اور اللہ تعالیٰ مدینہ طیبہ کو اس کی جگہ بہتر نعم البدل نہ دے۔ یاد رکھو مدینہ ایک بھٹی کی مانند ہے جو ہر خبث اور کھوٹ سے اس کو پاک رکھے گی قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ مدینہ طیبہ اس خباثت اور کھوٹ کو جو اس میں در آئی ہوگی اس کو اس طرح باہر نکال کر نہ پھینک دے جس طرح ایک بھٹی فولاد سے خام مادے کو الگ کر دیتی ہے۔](۲۲) اس طرح کی اور بہت سی احادیث وارد ہوئی جس کی وجہ سے محدثین نے طیبہ کا ایک معنی یہ بھی لیا ہے کہ پاک کرنے والا

مطیبہ: یہ مبارک نام بھی طیبہ اور طابہ ہی کے مصدر سے مشتق ہے اور کم و بیش ان جیسے معانی رکھتا ہے ایسا ہی ایک دوسرا مشتق مطابہ بھی ہے جو کہ اس بلدہ طاہرہ کا ایک اور نام ہے۔ طیبہ اور طائبہ بھی اسی مصدر سے مشتق ہے ایک ہی مصدر کے مشتقات کی بہتات مدینہ طیبہ کی ان تمام تر خوبیوں اور خصوصیات کا ظہار کرنے کے لیے ہے جن کے معانی طہارت اور پاکیزگی، عمدگی، لطافت اور نفاست، مٹھاس اور عطر بیزی ہیں جو بلاشک مدینہ طیبہ کی ارض مقدسہ اور فیوض و برکات سے مالا مال ماحول کا طرہ امتیاز ہے۔ یاقوت الحموی البغدادی (ت ۶۲۶ ہجری) فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی ہوا معطر ہے جو فضا کو عطر بیز رکھتی ہے وہ لطیف عطر باقی عطوروں سے کہیں افضل و اعلیٰ ہے

ابان مولده عن طیب عنصره یا طیب مبتدا منه و مختتم

(آنجناب ﷺ کی میلاد یعنی پیدائش نے آپ کے عنصر جسدی کی خوشبو کو ظاہر کر دیا۔ سبحان اللہ کیا لطافت و نفاست ہے آپ حضور ﷺ کے دور کی اور آخر کی) (امام بوصیریؒ)

مدخل صدق: قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ میں مدینہ منورہ کا ذکر یوں کیا گیا ہے ﴿اور کہہ اے رب مجھے مدخل صدق (یعنی مدینہ) میں خوش اسلوبی اور نہایت آبرو سے پہنچا اور جہاں سے تو مجھے نکالنا چاہتا ہے (مخرج صدق یعنی مکۃ المکرمہ) وہاں سے بھی نہایت خوش اسلوبی سے نکالنے کا بندوبست کر، اور اپنی جناب سے مجھے قوت و نصرت عطا کر۔﴾(۲۳) مفسرین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ

قرآن [illegible] کی قسم   ہم کون ہیں خدا کو ہے تیری گلی عزیز

الدار: حضور سرور کائنات ﷺ سے [illegible] ہونے کے ناطے مدینہ طیبہ نے دار رسول اللہ ﷺ یا مدینۃ الرسول ﷺ کے ناموں سے بھی شہرت پائی ہے حضرت عبداللہ ابن جعفر بن ابی طالب ؓ فرماتے ہیں [اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کا نام دار اور [illegible] کا نام دیا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ ﴿و الذین تبوؤ الدار و الایمان﴾ (۳۱) سے واضح ہے سورہ حشر کی اس آیت مبارکہ میں مال غنیمت کو تقسیم کرنے کے اصول وضع کیے ہیں اور اس کے مستحقین کی وضاحت فرمائی ہے چونکہ اہالیان مدینہ منورہ کو مکان دار اور ایمان کہہ کر پکارا گیا ہے اس لیے اس بلدہ طیبہ کو دار اور دار الایمان کے نام سے نوازا گیا ہے

العاصمہ: عربی زبان میں اس کا مطلب عیوب و نقائص سے مبرا اور منزہ ہے۔ مدینہ منورہ کے لیے عاصمہ سے زیادہ اور کیا مناسب نام ہوگا جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے با صراحت فرما دیا ہے کہ اللہ رب ذوالجلال نے مدینہ طیبہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے وہ اس کی مٹی ایمان اگلتی ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ مسلمانوں نے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے کفار کے ظلم و ستم سے نجات پائی تھی اور وہاں آ کر ان کے شر سے محفوظ ہو گئے تھے اس لیے بھی مورخین نے شہر مصطفوی ﷺ کو العاصمہ کا لقب دیا ہے اسی طرح اس کا ایک اور نام ''الفاضحہ'' بھی ہے جس کا مطلب منافقین اور کفار کے عزائم کو شکست اور ناکام کرنے والا تھا جس کی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

دار الابرار: حضور سرور کونین ﷺ کے خوبصورت ناموں میں سے ایک نام مبارک ''سید الابرار'' بھی ہے جس کا مطلب پرہیزگاروں کے سید و سردار اسی نسبت سے مدینہ طیبہ کو دار الابرار (یعنی پرہیزگاروں کا گھر) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ شہر خوباں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد کا پسندیدہ مسکن بن گیا تھا۔ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ تابعین فقہاء اور اولیاء رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد نے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دی تھی یہ حقیقت ہے کہ دس ہزار سے زائد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صرف جنت البقیع میں مدفون ہیں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ ان اتقیاء اور اولیاء شخصیات کا مرغوب و محبوب مسکن تھا۔ مدینہ طیبہ وہ دار الابرار ہے جہاں پر مرنے اور دفن ہونے کی دعا خود سید الابرار ﷺ اور آنجناب کے جلیل القدر صحابی (سیدنا عمر فاروق ؓ) نے بھی کی۔

[illegible]

(اقبال)

دار الاخیار: آقائے دوسرا ﷺ کے اسمائے مبارکہ میں ایک نام ''سید الاخیار'' بھی ہے جس کا مطلب ''چنے گئے پسندیدہ اور بہترین شخصیتوں کا سردار'' اسی نسبت سے مدینہ طیبہ کو بھی بلدان عالم میں وہی حیثیت حاصل ہو گئی اور اسے بہترین افراد کا مسکن قرار دیا گیا۔ اسلامی علوم کا مرکز اور منبع ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ دیگر بلدان عالم سے سبقت لے گیا اور تاریخ گواہ ہے کہ جتنے علماء، فقہاء اور زبدۃ الامت مدینہ منورہ نے پیدا کیے شاید ہی کوئی دوسرا شہر اس کی مثال دے سکے

دار الایمان: رسول اللہ ﷺ کے ورود مسعود سے یثرب کی قسمت جاگ اٹھی اور وہ ''دار شرک'' سے ''دار الایمان'' بن گیا اور پھر ایسا ''دار الایمان'' بنا کہ رہتی دنیا تک ایمان کا گھر ہی رہے گا۔ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق مدینہ طیبہ ایمان کا مصدر و منبع ہے اور ایمان اس سے کبھی جدا نہیں ہوگا حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مثال دی ہے کہ جس طرح ایک سانپ اپنی بل سے زیادہ دیر باہر نہیں رہ سکتا اور ہمیشہ اسی میں ہی لوٹ کر آتا ہے بعینہ ایمان بھی مدینہ طیبہ میں واپس لوٹ آتا ہے یعنی مدینہ طیبہ اور ایمان لازم و ملزوم ہیں اسی وجہ سے علماء کرام نے اسے دار الایمان کہا ہے اس حرم مقدس سے علم و عرفان اور انوار و تجلیات کے سوتے پھوٹتے ہیں اور حکمت و ایمان کے متلاشی عمر بھر اس حسرت میں رہتے ہیں کہ

کب مدینہ طیبہ کی زیارت ہو اور کب وہ اس کے ایمان کے چشموں سے اپنی پیاس بجھ سکیں

دار الفتح: فرمان ایزدی ہے ﴿انا فتحنا لک فتحا مبینا﴾ بے شک ہم نے تمہارے لیے فتح مبین کا راستہ کھول دیا ہے۔ مدنی سورۃ فتح کی اس پہلی آیت سے اسلام کی عالمگیر فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فتح کے معانی 'کھولنا'، کامیابی یا فتح کرنا ہوتا ہے ہجرت طیبہ کے بعد چونکہ اللہ تعالیٰ نے افواج اسلام کو پے در پے فتح و نصرت عطا کی اور چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگ گیا اس لیے مدینہ طیبہ کو دار الفتح کے نام سے بھی پکارا گیا ہے جب مسلمان مہاجرین مدینہ منورہ آئے تو وہ بیکس و بے خانماں تھے مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اللہ کریم نے ان کے صبر و استقامت کو اس طرح نوازا کہ دیکھتے ہی دیکھتے عرب کے یہی بادیہ نشین اس وقت کی متمدن دنیا و عالمی قوتوں کو سرنگوں کر کے دنیا کی زمام قیادت اپنے ہاتھوں میں لے کر دین حق کا بول بالا کر رہے تھے اس فتح مبین کی بدولت مدینہ طیبہ کو دار الفتح کہا گیا ہے

دار النخیل یا دار النخل: زمانہ قبل از تاریخ سے ہی مدینہ طیبہ (جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا) کھجور کی پیداوار کے لیے مشہور تھا یہاں پر سب سے پہلے کھجور کی شجرکاری عمالقہ نے کی۔ رب ذو الجلال نے ارض حبیب کو پانی کی نعمت سے مالا مال کیا ہوا تھا اس کے بعد جب قوم عاد کچھ دیر مدینہ طیبہ میں آباد ہوئی تو انہوں نے کنویں کھود کھود کر پانی کشید کیا اور اس زمین کو مزید قابل کاشت کر دیا اور اس طرح مدینہ طیبہ نخیل (یعنی کھجور) کی کاشت کے لیے مشہور ہو گیا ہجرت سے پہلے نبی الامی والعظیم الکریم ﷺ نے عالم رؤیا میں دیکھ کر وہ ایک ایسے علاقے میں ہجرت کریں گے جہاں کی زمین کی آبیاری کنوؤں سے کی جاتی تھی اور جہاں کھجور کی شجرکاری بکثرت تھی۔ یہ تھا رؤیائے صادقہ کا خاکہ جس کی تعبیر مدینہ منورہ تھی آج بھی سعودی عرب کی سرزمین پر کم و بیش ۳۰۰ (تین صد) اقسام کی کھجور ہوتی ہے جس میں سے ۱۲۷ اقسام صرف بلدہ طاہرہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی نسبت سے مدینہ طیبہ کو دار النخیل یا دار النخل بھی کہا گیا ہے۔

غالبہ: غالبہ کا مطلب واضح ہے یعنی غلبہ حاصل کرنے والا۔ الکاملۃ القری کی طرح غالبہ کا بھی وہی مطلب ہے کیونکہ یہ شہر حبیب اس وقت کے بلدان عالم پر غالب آیا تھا مدینہ طیبہ سے طلوع ہونے والے آفتاب اسلام نے دنیا کے تیرہ و تاریک گوشوں کو منور اور تابندہ کر دیا بھٹکی ہوئی انسانیت کو طریق حق پر گامزن کر دیا۔ کیا ساسانی کیا رومی۔ کیا مصری اور کیا اتھوپی۔ ہر طاغوتی طاقت چشم زدن میں مغلوب و مفتوح ہو کر عاصمۃ الاسلام مدینہ طیبہ کی باجگزار ہو گئی تھی۔ یہ اعزاز شہر نبوی مدینہ طیبہ کو ایک اور نام دے گیا جسے غالبہ کہا جاتا ہے

حسنہ: حسنہ کا مطلب خوبی یا نیکی ہوتا ہے اس شہر حبیب کی حسنات و برکات کا اندازہ لگانا ہمارے بس کی بات نہیں جہاں ۷۰۰۰۰ فرشتے آسمان سے نازل ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر شب بھر درود و سلام پیش کرتے ہوں اور صبح ہوتے ہی اتنی تعداد آسمانوں سے دن بھر کے لیے نازل ہوتی ہو اور یہ عمل روز قیامت تک جاری و ساری ہے۔(۳۲)

فرشتے سینکڑوں آتے ہیں اور جاتے ہیں بہت قریب ہے عرش خدا مدینے سے

(سیماب اکبر آبادی)

الحبیبہ: جس سے محبت کی جائے اسے حبیبہ کہا جاتا ہے حبیب کبریا ﷺ نے رب ذو الجلال سے دعا کی کہ اے اللہ مومنین کے دلوں میں مدینہ کی محبت اجاگر کر دے تاکہ اسے وہ اتنی ہی محبت کرنے لگیں جتنی کہ مکہ مکرمہ سے کرتے ہیں ایک حدیث مبارکہ میں تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ [اے اللہ ہمیں مدینہ کی محبت عطا کر تاکہ ہم اس سے اتنی محبت کریں جتنی کہ مکہ سے کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ] (۳۳) یہ دعائے رسول اور استجابت الٰہی کا ثمرہ تھا جس سے مدینہ طیبہ کو الحبیبہ کا محبوب ترین لقب دیا گیا اور اردو اور فارسی شاعری میں تو یار حبیب ایک بہت ہی معروف و مقبول نام بن چکا ہے اس لیے کہ یہ شہر مقدس نہ صرف اللہ کو حبیب ہے بلکہ جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا ہے خود

حبیب خدا سے بے حد محبوب رکھتے تھے جب کبھی آنجناب ﷺ کسی سفر سے لوٹتے اور جونہی مدینہ طیبہ رسالت مآب ﷺ کی نظروں کے سامنے آ جاتا تو اپنی سواری کو مدینہ کی طرف مزید تیز کر دیتے تاکہ جتنی جلدی ہو سکے وہاں پہنچ جائیں جو سکون آنحضرت ﷺ کو مدینہ طیبہ میں ملتا وہ کہیں اور نہیں ملتا تھا یہی مرتبہ ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محاسن مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اور مدینہ ان کے لیے بہت بہتر ہے اے کاش کہ انہیں یہ معلوم ہوتا۔

محفوظہ: چونکہ خالق کائنات کی بارگاہ میں یہ مقدر ہو چکا تھا کہ تمام تر ریشہ دوانیوں کے باوجود بھی مدینہ طیبہ مومنین کے لیے ایک ناقابل تسخیر اور مضبوط قلعہ ثابت ہو جس نے نہ صرف کفر و الحاد کے غبار سے ہو نکال دی بلکہ چار دانگ عالم میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اس لیے مدینہ طیبہ کو المحفوظہ کا نام بھی دیا گیا ہے انتقال پر ملال سے چند روز پہلے حضور سرور کائنات ﷺ نے بہت سارے معاملات پر امت کو در پیش تھے اظہار خیال فرمایا اور ایک خطبہ شریف میں یہ فرمایا کہ [اب شرک مدینہ طیبہ میں کبھی داخل نہیں ہوگا۔] ایک دوسرے موقع پر یہ ارشاد فرمایا [طاعون اور دجال کبھی مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے] (۳۴) عیسائی جاسوس برکہارٹ جس نے انیسویں صدی کے اوائل میں حجاز کے حرمین الشریفین کا دورہ کیا تھا کہتا ہے کہ ۱۸۱۵ء میں جب مکہ ینبع اور جدہ طاعون کی تباہ کاریوں سے بری طرح متاثر ہوئے تھے مدینہ المنورہ اور وہ علاقہ جو دو بندرگاہوں کے درمیان ہے طاعون کی وباء سے بالکل محفوظ رہے تھے۔] (۳۵) اسی طرح خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں جب حجاز کے شمالی مناطق طاعون کی وباء کی لپیٹ میں آ گئے تھے مدینہ طیبہ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق بالکل محفوظ رہا تھا

جہاں تک مدینہ طیبہ کا دجال کے دخول سے محفوظ رہنے کا تعلق ہے ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ [دجال مدینہ طیبہ کی مشرقی جانب سے مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے گا یہاں تک کہ وہ جبل احد کے پچھواڑے پڑاؤ ڈالے گا تب فرشتے اس کا منہ موڑ کر شام کی طرف کر دیں گے اور وہ وہاں جا مرے یعنی جہنم رسید ہو جائے گا] (۳۶) یہ حدیث مبارکہ تقریباً تمام کتب احادیث میں مذکور ہے دجال اور طاعون کا مدینہ طیبہ میں نہ آ سکنا اس کے محفوظ ہونے کا بین ثبوت ہے یہی وجہ ہے کہ اس بلدہ طاہرہ کو محفوظہ کہا گیا ہے

الشافیہ: اس کا مطلب ہے شفا دینے والی نبی رحمت ﷺ نے متعدد بار ارشاد فرمایا کہ تراب مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی ہے بالخصوص تربت صعیب (خاک شفاء) وہ حضور عالی شان ﷺ نے بہت سی بیماریوں کے لیے ایک نسخہ اکسیر فرمایا ہے اور متعدد مورخین مدینہ طیبہ نے اور اس نسخے سے صحتیاب ہو کر اس حدیث مبارکہ کی تصدیق کی ہے جن میں ابن نجار اور سید سمہودی بھی شامل ہیں خاص طور پر جلدی امراض کے لیے تو یہ اکسیر مجرب ہے۔ جب کبھی بھی کسی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس پر مدینہ منورہ کی گرد اٹ جاتی تو آپ حضور ﷺ عموماً اسے صاف نہ کرتے اور اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی منع فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ غبار مدینہ میں شفاء ہے۔ حضرت امام مالکؒ تو مدینہ طیبہ کی تراب اور غبار کے اتنے عزیز تھے کہ ایک مرتبہ جب کسی نے مدینہ طیبہ کی مٹی کے بارے میں حقارت سے اسے ردی بتایا تو آپ نے اسے تیس (۳۰) کوڑے لگانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اس کو محبوس اور مقید کرنے کی سزا بھی سنا دی۔

مہاجر ارسول: چونکہ حضور سرور دوعالم ﷺ نے مکیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر نہ صرف مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی بلکہ تا دم آخر اسے اپنا مسکن بنا لیا اس لیے مدینہ طیبہ کو مہاجر رسول کے لقب سے بھی پکارا گیا ہے

ذات الحرار: ارض مدینہ طیبہ بلحاظ جغرافیہ ایک حجری ساخت رکھتی ہے اور خصوصیت کی وجہ سے ذات الحرار بھی کہا گیا ہے (۳۷) کیونکہ اس کی بیشتر اراضی سیاہ رنگ کی چٹانوں سے بنی تھی جو حرار کی صورت میں مرتفع کہلاتی تھیں حرہ عربی زبان میں ایسی پتھریلی زمین کو کہتے ہیں جو آتش فشانی عمل کے نتیجے میں جل کر سیاہ چٹانوں میں بدل چکی ہو مدینہ طیبہ کے دو علاقے تو اس سلسلے میں خاصے مشہور رہے ہیں حرہ شرقیہ اور حرہ

مدینہ طیبہ جزیرہ نمائے عرب کے شمال مغربی حصے میں خط طول بلد کے حساب سے (۳۹-۳۶ ا) ڈگری اور خط عرض بلد کے (۲۴-۲۸ ۵) ڈگری پر واقع ہے (۲) یہ مقدس شہر جدہ سے تقریباً ۴۲۵ کیلومیٹر (۲۶۴ میل) دور ہے، جب کہ مکۃ المکرمہ سے یہاں تک پہنچنے کے لیے ۴۹۷ کیلومیٹر (۳۰۸ میل) کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے ینبع کی بندرگاہ سے اس کا فاصلہ ۲۷۵ کیلومیٹر (۱۷۰ میل) اور ریاض سے، جو کہ مملکہ سعودی عرب کا دارالخلافہ ہے، اس کا فاصلہ ۹۹۴ کیلومیٹر ہے زیادہ سے زیادہ چوڑائی کے مقام پر مدینہ طیبہ کا قطر تقریباً ۸۰ کیلومیٹر بنتا ہے جبکہ اس کا کل رقبہ ۵۸۹ مربع کیلومیٹر پر محیط ہے جس میں سے ۲۹۳ مربع کیلومیٹر رہائشی اور تجارتی مراکز پر مشتمل عمارتوں اور دیگر شہری سہولیات پر محیط ہے۔ باقی کا رقبہ زیادہ تر سلسلہ ہائے جبال اور وادیوں پر مشتمل ہے (جغرافیائی لحاظ سے وادی کا لفظ مدینہ طیبہ کے قدرتی ندی نالوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے جو بارش کے دنوں میں جنوب سے شمال کی طرف بہتے ہیں) اسی باقی ماندہ رقبے میں مدینہ طیبہ کے بہت سارے قبرستان، پارکوں اور سڑکوں کے جال اور دیگر بلدیاتی خدمات کے علاقے بھی شامل ہیں یہ بلدہ طاہرہ سطح سمندر سے ۶۲۵ میٹر بلندی پر واقع ہے۔ اس کے مغرب میں تقریباً ۲۵۰ کیلومیٹر دور کوہستانی سلسلے (جسے زمانہ قدیم سے 'جبال الحجاز' کا نام دیا گیا ہے) کے اس پار بحر احمر کا ٹھاٹھیں مارتا نیلگوں سمندر واقع ہے جس کے کنارے قریب ترین بندرگاہ ینبع ہے۔ شہر مصطفوی کے ارد گرد بلند و بالا پہاڑ ہیں جن میں سے مغرب کی جانب حدود حرم سے ذرا باہر جبال الحجاج (حاجیوں کے پہاڑ) ہیں اور جنوب مغرب میں مسجد نبوی سے تھوڑے ہی فاصلے پر جبل سلع واقع ہے طویل و عریض 'جبل عیر' جنوب میں کئی میلوں تک پھیلا ہوا ہے جبکہ شمال میں مشہور و معروف پہاڑ 'جبل احد' ہے۔ مدینہ طیبہ کا وسطی علاقہ زرخیز اور متبرک وادی عقیق، بطحان اور الحمض کے سنگم کے قریب سطح مرتفع پر واقع ہے (۳) جس میں کسی زمانے میں اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی وادیوں نے اپنے راستے بنائے ہوئے تھے۔

سرسبز و شاداب قطعات میں منقسم ارض حرم نبوی شریف جس میں اکثر و بیشتر برگ نخیل اپنے روائتی حسن سے لہلہاتے ہیں اور جہاں العقیق اور بہت سی دیگر وادیاں بل کھاتی ہوئی جبل احد کے مغرب کی طرف رواں دواں نظر آتی ہیں حضور سرور کونین ﷺ کے اس دعوئے صادقہ کی حسین تعبیر پیش کرتی ہیں جو شروع میں بیان کی گئی ہے جدید طریقہ فن اور آلات تعمیر نے اس بقاع نور میں واقع اراضی ناہمواریاں بہت حد تک ختم کر دی ہیں، ازمنہ قدیم سے وہ آتش فشانی 'احر' جن کی سطوح مرتفع کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے آج ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے مگر پھر بھی متلاشی نگاہیں دیکھ سکتی ہیں کہ بعض علاقے آج بھی نسبتاً ناہموار سطوح پر مشتمل ہیں، جن میں 'حارہ غربیہ' کی آبادی (جو دراصل حرہ غربیہ کا بگڑا ہوا نام ہے) وغیرہ شامل ہیں

سامراجی دور میں جنگ عظیم اول کی ابتدا پر عرب دنیا میں جاسوسی اور سازشوں کے جال پھیلانے کے لیے برطانوی حکومت کے مشرق وسطی میں عرب بیورو مقیم قاہرہ نے حجاز کے متعلق جو حقائق نامہ جاری کیا تھا، اس کے مطابق

"مدینہ خالی میدانی علاقے میں اونچی سطح مرتفع پر واقع ہے جس کی اونچائی تقریباً ۲۵۰۰ فٹ ہے۔ تین اطراف سے مدینہ پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے جو اندرون شہر سے پانچ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ مدینہ کے نواح میں مختلف وادیوں کے سنگم کی آبیاری نے اس کو حجاز میں سب سے زیادہ زرخیز علاقہ بنا دیا ہے۔ (۴)

مدینہ طیبہ زمانہ قدیم سے ہی نخلستانی علاقہ رہا ہے آتش فشانی عمل سے پیدا ہونے والے لاوے اور پانی کی بہتات نے اس سرزمین کو بہت ہی زرخیز اور قابل کاشتکاری خطہ بنا دیا تھا۔ عمالقہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے یہاں کھیتی باڑی شروع کی۔ اس کے زیادہ تر زرخیز علاقے حرے کے سنگلاخ اور چٹانی علاقوں پر مشتمل تھے اس پتھریلی زمین میں وہ مٹی جو سینکڑوں میل دور سے وادی عقیق وغیرہ میں بہل کے طور پر مدینہ طیبہ آجاتی تھی ملا دی جاتی تھی جس سے مدینہ طیبہ کے گرد و نواح کی ساری اراضی

مدینہ طیبہ کے مضافات میں کھجوروں کے باغات کا ایک منظر

صدیوں سے قابل کاشت ہو چکی تھی اس کو مزید زرخیز بنانے کے لیے اس میں نرم ریت اور مویشیوں کا فضلہ وغیرہ بھی دیا جاتا تھا جس سے وہاں ہر طرح کی کاشتکاری ہونے لگ گئی تھی۔ آج بھی سب سے زیادہ زرعی فارم اور کھجوروں کے باغات اور بساتین انہیں علاقوں میں پائے جاتے ہیں جن میں عوالی، قباء، العیون (جو عہد جدید میں تقریباً تمام کا تمام علاقہ رہائشی خطہ قرار دے دیا گیا ہے)، الجرف، العقیق اور حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے علاقے شامل ہیں۔ پہلے شہری علاقے کے ارد گرد زرعی اراضی کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا گیا تھا مشرقی جانب کے علاقے کی اراضی سفیدی مائل مٹی سے بنی ہوئی تھی جبکہ حرہ غربیہ کی اراضی زیادہ تر سیاہ رنگ کی ہوا کرتی تھی جس میں زرخیزی دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ تھی۔ اس لیے اس جانب اراضی میں سبزیاں، گندم، جو اور بہت سے انواع کے پھل ہوا کرتے تھے قباء، العوالی اور قربان کے علاقے حرہ کے نخلستانوں کی نسبت زیادہ نرم مٹی سے بنے تھے اس لیے یہاں صدیوں سے سبزیاں اگائی جاتی تھیں (۵) مزید برآں ان دونوں آبادیوں میں سے نہ صرف وادی بطحان، وادی مہزور اور وادی مذینب گزرا کرتی تھیں بلکہ جتنے کنویں اس علاقے میں کھودے گئے تھے اور کسی علاقے میں نہیں تھے اس لیے مدینہ طیبہ کے یہ علاقے ہر قسم کی سبزی، پھل (جن میں انگور، انار، لیموں، کیلا، آڑو، اور سیب تھے) اور کھجور کی مختلف اقسام کی کاشت کے لیے مشہور تھے زمانہ قبل از اسلام میں اور عہد نبوی شریف میں مدینہ طیبہ میں جو اجناس کاشت ہوتی تھیں ان میں جو (شعیر) سرفہرست تھا اس کے علاوہ کہیں کہیں گندم بھی بوئی جاتی تھی عام طور پر کھیت کھجور کے درختوں سے بھرے ہوتے تھے مگر ان درختوں کے نیچے زمین میں کیاریاں بنا کر جو اور سبزیاں اگائی جاتی تھیں اسی طرح شمال میں احد سے پہلے واقع علاقہ وادی قناۃ کی وجہ سے بہت زرخیز تھا ۱۳۹ ھ میں مدینہ طیبہ کا کل قابل کاشت رقبہ ۵۰۰۰ ہیکٹر پر محیط تھا جو عمرانی توسیع کی وجہ سے ۱۳۹۸ھ میں کم ہو کر ۱۲۷ ہیکٹر رہ گیا تھا (۶)

آج کل مدینہ طیبہ کی زراعت زیادہ تر اجناس، پھل، کھجوروں اور سبزیوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ مال مویشی کے لیے چارہ بھی کاشت ہوتا ہے جس میں برسیم سب سے زیادہ ہوتا ہے پھلوں میں سب سے زیادہ تربوز، انار اور انگور ہوتے ہیں جو مدینہ طیبہ کے نواحی کھیتوں سے آتے ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ خرما (کھجور) ہے جو مدینہ طیبہ کی سوغات سمجھی جاتی ہے اور برآمد بھی کی جاتی ہے حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں مشہور خرما العجوہ، لون اور برنی ہوا کرتی تھی (۷) اور آج بھی مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجور مدینہ طیبہ کا خاص تحفہ تصور ہوتی ہے۔ (۸) دوسری اقسام میں الحدی، حلوہ، خلاصی (بغیر گٹھلی کے جو نخل کے نام سے بھی جانی جاتی ہے)، مبروم، البیض، الرابعہ، البرنی، الصفوی، اروثانہ اور العنبرہ بہت مشہور ہیں۔ (۹) مدینہ طیبہ کی کھجور کی منڈی (سوق التمور) میں کم و بیش ۵۰ اقسام کی کھجور بکتی ہے جن میں العنبرہ سب سے زیادہ مہنگی ہے پورے سعودی عرب میں تقریباً ۳۰۰ اقسام کی کھجور ہوتی ہے جس میں سے ۱۲۵ اقسام صرف مدینہ طیبہ کے علاقے سے آتی ہیں۔ (۱۰) درحقیقت کھجور مدنی زندگی میں اقتصاد مدینہ کی ریڑھ کی ہڈی سمجھی جاتی رہی ہے اس کے بیج و بن، اس کے تنے اور ڈالیاں تک استعمال میں لائی جاتی ہیں جن سے بہت سی گھریلو چیزیں (مثلاً چٹائیاں، دستی پنکھے اور چھوٹے چھوٹے ڈبے وغیرہ) تیار ہوتی ہیں ابتداء میں یہ کام غلاموں سے لیے جاتے تھے مگر اب باہر کے ممالک سے افرادی قوت منگائی جاتی ہے یاد رہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ پہلے یہود کے ہاں غلام رہ چکے تھے وہ ہاتھ کے پنکھے بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور آپ رضی اللہ عنہ سرور دو عالم جان کائنات ﷺ اور آپ حضور کے اہل خانہ کے لیے کھجور کی پنکھیاں بنا کر لایا کرتے تھے اور اپنے آقا و سرکار دو عالم ﷺ کو مسجد نبوی میں اپنے ہاتھ سے پنکھا جھلا کرتے تھے۔

آسمان مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً
دسمبر ۲۰۰۲ء

میں ٹریفک کو آسان بنانے کے لیے تعمیر کی گئی تھی اب تو حدودِ حرم کے گرد بہت وسیع دوسری رنگ روڈ (طریق دائری) بھی تعمیر کر دی گئی ہے

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا [اس سرزمین (یعنی مدینہ طیبہ) میں بارش کی بہت کمی ہے] (۱۴) ایک اور حدیث مبارکہ ہے جس کو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے [مدینہ طیبہ جنت کے دو چشموں یعنی شام اور یمن، کے درمیان واقع ہے مگر اس میں بارش کا فقدان ہے۔] ان احادیث کے مصداق یہاں آب و ہوا صحرائی، گرم خشک ہے چونکہ یہ شہر حبیب سطح سمندر سے ۹۵۸، افٹ (یعنی ۵۹۷ میٹر) کی بلندی پر واقع ہے اس لیے اس کی حدت میں اور بھی شدت محسوس ہوتی ہے عموماً مدینہ طیبہ کی آب و ہوا گرمیوں میں سخت گرم، خزاں میں ذرا معتدل اور سردیوں میں کافی سرد ہوتی ہے۔ موسم گرما میں خاص طور پر جون جولائی کے مہینوں میں درجہ حرارت ۴۸ ڈگری (اور کبھی تو ۵۰ ڈگری) سلسیس (Celsius) سے بھی تجاوز کر جاتا ہے مگر بیچ در خریف میں قدرے معتدل ہوتا ہے سخت گرمی کی وجہ سے ہوا میں نمی کی مقدار بہت کم ہوتی ہے اوسطاً نمی ۲۲ فیصد کے لگ بھگ رہتی ہے جو سردیوں میں تھوڑی زیادہ ہو جاتی ہے مگر گرمیوں میں تو ۱۴ فیصد تک گر جاتی ہے۔ موسم سرما میں سردی زیادہ ہو جاتی ہے تو درجہ حرارت ۱۰۔۱۵ ڈگری تک گر جاتا ہے بارش کم ہی ہوتی ہے اور عموماً سردیوں یا پھر موسم بہار میں ہوتی ہے کبھی کبھار جب اچانک گرمیوں یا سردیوں میں باران رحمت ہوتی ہے تو موسم بہت خوشگوار ہو جاتا ہے موسم بہار میں کبھی کبھار موسلا دھار بارشیں بھی دیکھنے میں آ جاتی ہیں ہوائیں عام طور پر دھیمی اور خوشگوار چلتی ہیں مگر کبھی کبھار سخت طوفانی ہوائیں بھی آ جاتی ہیں جنوب مغربی جھکڑ عموماً ۵ سے ۸ ناٹس (Knots) فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہیں

از منہ قدیم کی طرح جب مدینہ طیبہ شاہراہ تجارت پر واقع ہونے کی وجہ سے قوافل تجار کی کاروان سرائے یا پڑاؤ کا کام دیتا تھا جو شام، جنوبا یمن اور بلاد شام کو آیا جایا کرتے تھے، آج کا مدینہ طیبہ بھی اپنے ارد گرد کے تمام شہروں سے منسلک ہے۔ صدیوں پرانے 'طریق سلطانی' جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کو ملاتا تھا کی جگہ اب بہت وسیع اور دو رویہ شاہراہ حرمین الشریفین کا وسیلہ اتصال ہے جس کو 'طریق ہجرہ' کا نام دیا گیا ہے جس کا کچھ حصہ اس رستے پر سے ہو کر گزرتا ہے جو ہجرت کے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنایا تھا۔(۱۵) دیگر شاہراہیں اس شہر مقدس کو سعودی عرب کے تقریباً سب بڑے شہروں سے ملاتی ہیں، مثلاً قصیم، ریاض اور تبوک وغیرہ۔ مدینہ طیبہ شہر مساجد ہے اور جدھر دیکھیں مسجدوں کے مینار نظر آتے ہیں۔ مدینہ طیبہ ایک خوبصورت جدید ترین شہر کے طور پر ابھرا ہے جس کی فلک بوس عمارتیں کسی بھی ماڈرن شہر کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیتی ہیں پچھلی تین دہائیوں میں اتنی ترقی ہوئی ہے کہ ایسا زائر جو پچیس تیس سال پہلے اگر مدینہ منورہ کی زیارت کر چکا ہو اگر آج دوبارہ زیارت کے لیے شہر نبی میں آئے تو انگشت بدنداں رہ جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ شہر مدینہ میں اب اتنی بلند و بالا عمارتیں اور فائیو سٹار ہوٹل نظر آتے ہیں کہ سعودی عرب کے کسی اور دوسرے شہر میں نہیں اربوں ریال لگا کر اس
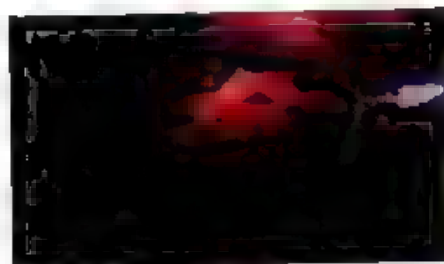
۱۱۴ گھنگھور گھٹائیں، گرج چمک اور مسجد نبوی ﷺ کا ایک نایاب منظر

شاہراہ ہجرت کے ذریعے
مکہ المکرمہ سے آتے ہوئے
مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً
میں داخلے کا آرائشی دروازہ

شہر کی حدوں سے خوب بہتر طریقے سے تراش و جاری ہے آج کا مدینہ طیبہ ماضی کا صرف ایک قدیم تاریخی اور اسلامی شہر ہی نہیں رہا بلکہ اس کے وسیع و عریض صنعتی علاقے، تجارتی مراکز، جدید رہائشی آبادیوں، ایک ماڈرن اسلامی یونیورسٹی، سکول اور کالج، قرآن کریم کی طباعت کا عظیم الشان کمپلیکس اور کئی جدید ترین گرانڈ وغیرہ نے اس کی ہیئت قصائی بدل کر رکھ دی ہے۔(۶) کثیر المنزلہ رہائشی مکانات نے آہستہ آہستہ پرانی طرز پر بنائے گئے یک منزلہ مکانات کی جگہ لے لی ہے تاکہ حجاج کرام اور زائرین کو تمام جدید رہائشی سہولتیں دی جا سکیں طول و عرض میں پھیلے سڑکوں کے جال اور دیگر ذرائع مواصلات اور دوسری شہری سہولیات نے حجاج کرام کی بڑھتی ہوئی تعداد کے آرام دہ قیام اور نقل و حرکت کو تمدنی سطح تک بہت آسان کر دیا ہے۔ عمرہ و حج کے مواسم میں (خاص طور پر یکم رمضان سے لیکر ماہ ذوالحج کے اخیر تک) مدینہ طیبہ میں حجاج کرام و زائرین کرام کا بے تحاشا ہجوم ہوتا ہے کھوے سے کھوا چھلتا ہے حجاج کی تعداد جو آج سے تقریباً ۳۰ سال پہلے ایک یا دو لاکھ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی اب ۱۴۲۰ ہجری (۲۰۰۰ء) کے اعداد و شمار کے مطابق بیس لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی (جس میں سے بیس لاکھ بیرون ملک سے آنے والے لوگ تھے اور دس لاکھ سے زائد اندرون ملک بسنے والے سعودی اور غیر سعودی حجاج تھے) جو حجاج کرام بیرون ملک سے تشریف لاتے ہیں وہ مدینہ طیبہ حاضری دیے بغیر نہیں جاتے اور یہی حال تقریباً اندرون ملک حجاج کرام کا ہے

آبادی کے اعداد و شمار:

حضور نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں مدینہ طیبہ بشمول تمام قریوں کے ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جس کی آبادی چند ہزار نفوس سے زیادہ نہیں تھی (۷) اس مقدس شہر کی مردم شماری سب سے پہلے آقائے دو عالم تاجدار مدینہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی کی گئی تھی جب حضور ﷺ نے غزوہ حدیبیہ پر روانگی سے پہلے حکم دیا کہ مدینہ طیبہ کے تمام مردوں کی تعداد معلوم کی جائے وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے غزوہ حدیبیہ میں آپ کی سربراہی میں شرکت کی ان کی تعداد چودہ سو تھی۔(۸) صحیح بخاری شریف کے مطابق ان کی تعداد پندرہ سو تھی (۹) جس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اگر ہر گھر سے ایک یا دو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس غزوہ میں شرکت کی ہو تو مدینہ طیبہ کی مسلم آبادی تقریباً ۷۰۰ سے لیکر زیادہ سے زیادہ ۱۰۰۰ گھروں پر مشتمل ہوگی (۲۰) ہمیں یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا کہ ان مجاہدین اسلام میں سب کے سب مدنی ہی نہیں تھے بلکہ مدینہ طیبہ کے ارد گرد بسنے والے قبائل میں سے بھی کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شریک سفر تھے اسی طرح کا ایک اور اندازہ اس وقت کی آبادی کا بھی لگایا جا سکتا ہے جب فاتح اقلیم سیر امم سالار اعلیٰ امت اسلامیہ ﷺ فتح مکہ پر روانہ ہوئے تھے جب حضور نبی کریم ﷺ نے وادی فاران کو فتح کیا تو اس وقت لشکر اسلام کی عددی قوت دس ہزار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مشتمل تھی۔ ان میں سے بھی تمام کے تمام مدینہ طیبہ کے باسی نہیں تھے بلکہ دیگر قبائل سے بھی مجاہدین شریک ہوئے تھے۔ اس کے بعد جب اہل عرب فوج در فوج حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے تو جزیرہ نمائے عرب کے گوشے گوشے سے وفود مدینہ طیبہ آنے شروع ہو گئے۔ ان میں

سے بہت سے قبائل تو مدینہ طیبہ میں ہی آباد ہو گئے تھے جیسے کہ بنو مزنی اور بنو جہینہ کے کچھ لوگ جن کو جبل سلع کے دامن میں آباد ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی کیونکہ مسجد نبوی شریف کے ارد گرد کے تمام علاقے پہلے ہی آباد ہو چکے تھے اور اس علاقے میں آبادکاری کی مزید گنجائش نہیں تھی مزید نووارد دین کے لیے زمین تنگ پڑ گئی تھی اور ان کو سلع کے دامن کوہ میں بسنے کی اجازت دی گئی تھی مدینہ طیبہ میں نقل مکانی کے اس رجحان سے یہاں کی آبادی میں حیرت انگیز اضافہ ہوا جب حضور نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع پر تشریف لے گئے تو آپ کی معیت میں تقریباً ایک لاکھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے مگر یہ تعداد جزیرہ نمائے عرب کے تقریباً تمام علاقوں سے تعلق رکھتی تھی جن میں مدینہ طیبہ کے مرد و زن سب سے آگے تھے۔ اگرچہ مدینہ طیبہ کی آبادی ان دو سالوں میں بہت تیزی سے بڑھی تھی مگر یہ اندازہ لگانا کہ وہاں سے کتنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے اس کا تعین کرنے کے لیے ہمیں ٹھوس شواہد کی بجائے صرف ظن و تخمین سے کام لینا پڑتا ہے

یہودیوں کی مدینہ طیبہ میں آبادی کے متعلق بھی صحیح معلومات میسر نہیں جیسا کہ پہلے باب میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کے چھوٹے چھوٹے قبیلے تین بڑے قبائل (بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ) کی شاخوں کے طور پر زیادہ تر مدینہ طیبہ کے مشرقی حصہ میں رہائش پذیر تھے ان کی آبادی کے بارے میں مختلف اندازے پیش کیے گئے ہیں بنو نضیر (جو جنوب مشرقی حصے میں آباد تھے) کی تعداد کا اندازہ دو سے تین ہزار نفوس کا لگایا گیا ہے جب انہیں مدینہ بدر کیا گیا تو وہ لوگ چھ سو اونٹوں پر سوار ہو کر گئے تھے ان کے بعد دوسرا بڑا قبیلہ بنو قریظہ کا تھا ان کی غداری اور ریشہ دوانیوں کی پاداش میں ان کے چھ یا سات سو آدمیوں کو قتل کی سزا دی گئی تھی اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا تھا بنو قینقاع کو بھی مدینہ بدر کیا گیا تھا مگر ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ بہر حال چونکہ ان لوگوں کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا گیا تھا اس لیے مدینہ طیبہ کی آبادی کے سلسلے میں ان کی تعداد کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ وہ شہر سے نکال
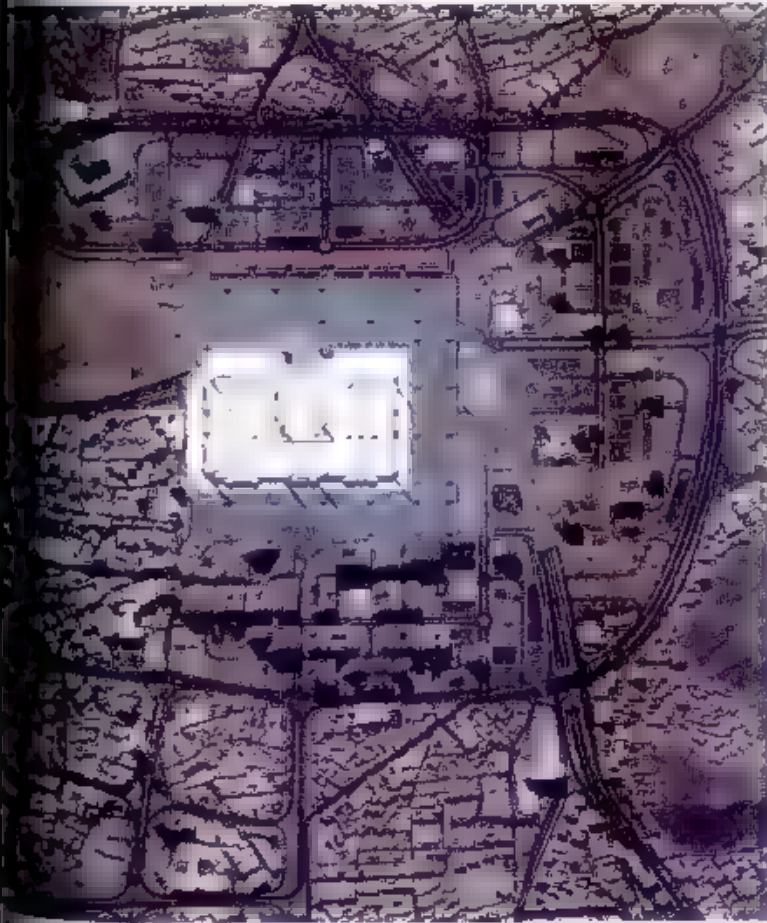
سیٹلائیٹ سے لی گئی مدینہ طیبہ اور الحرم شریف کی تصویر ۲۰ ۱۹۹۹ء بشکریہ "اسلام و سعودیہ"

ے گئے تھے

امام شافعیؒ کے بیان کے مطابق جب حضور نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت آپ حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد ساٹھ ہزار تھی جس میں سے تقریباً تیس ہزار مدینہ طیبہ کے شہری تھے جب کہ باقی جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے (۳۱) حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد مدینہ طیبہ میں آبادی میں کمی واقع ہونی شروع ہو گئی تھی کیونکہ عساکر اسلام آئے دن جہاد پر روانہ ہوتے رہتے تھے اور پھر جوں جوں فتوحات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، بہت سے خاندان دور دراز علاقوں میں منتقل ہوتے گئے، کچھ کو تو انتظامی امور کے لیے نئے مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق کے لیے جانا پڑا اور کچھ تبلیغ دین یا کاروباری سلسلہ میں مدینہ طیبہ سے باہر (خاص طور پر دمشق، عراق، مصر اور یمن وغیرہ میں) منتقل ہو گئے تھے حضرت سفیان بن ابی زہیرؓ نے روایت کی ہے [میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یمن فتح ہو جائے گا اور بہت سے لوگ اس کی طرف راغب ہو جائیں گے اور اپنے اہل و عیال اور اپنے غلاموں اور کنیزوں کو ساتھ لیکر وہاں جا بسیں گے۔ مدینہ ان کے لیے بہت بہتر تھا مگر ان کو اس کا علم نہیں پھر شام کے علاقے فتح ہو جائیں گے اور لوگ اس طرف متوجہ ہو جائیں گے اور اپنے اہل و عیال اور غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ وہاں چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر رہتا۔ اے کاش وہ یہ جانتے۔ پھر عراق فتح ہو جائے گا اور اسی طرح لوگ اپنے خاندانوں اور جن پر ان کا حکم چلتا ہوگا اپنے ساتھ لیکر وہاں منتقل ہو جائیں گے اے کاش کہ ان کو معلوم ہوتا کہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر ہے] (۳۲)

فتوحات کا سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ امت مسلمہ کو آفات و مصیبت نے آن گھیرا تیسرے خلیفہ راشد، سیدنا عثمان ابن عفانؓ کو بہت بیدردی سے شہید کر دیا گیا اور مدینہ منورہ کے امن و آشتی کو خانہ جنگی کی آتش مردم افگن نے اپنی لپیٹ میں لے لیا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مدبرانہ فیصلے کے پس منظر میں سب سے زیادہ عنصر جو کارفرما تھا وہ یہی تھا کہ مدینہ طیبہ کو رزم گاہ نہ بنایا جائے، اور اسی لیے وہ عازم بصرہ ہو گئے اس کے نتیجے میں مدینہ طیبہ کی آبادی کو زبردست دھچکا لگا، اور ہزاروں مدنی مدینہ طیبہ کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کے ایک طرف اعلان خلافت نے مسلم امت کو دو دھڑوں میں تقسیم کر دیا تھا جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خانہ جنگی نے رہی سہی کسر نکال دی جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مکتوب بنام گورنر مدینہ طیبہ سے ظاہر ہوتا ہے، بنو امیہ ہر ہتھکنڈہ استعمال کر کے اہل مدینہ کو یا تو اپنے ساتھ ملانے کی سرتوڑ سعی کر رہے تھے یا بصورت دیگر ان کو دھونس کے ذریعے خائف اور ہراساں کیا جا رہا تھا تاکہ وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ساتھ دینے سے باز آ جائیں افراتفری کا یہ عالم تھا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے نامزد کردہ گورنر مدینہ (حضرت ابوایوب انصاریؓ) کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا گیا اور ان کے خلاف وہ شورش برپا کی گئی کہ انہوں نے بھی مدینہ طیبہ سے بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی بڑے بڑے جلیل القدر اصحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین، مثلاً حضرت سعد ابن ابی وقاص وغیرہ، مدینہ طیبہ سے چالیس یا اس سے بھی زیادہ میل دور جا کر آباد ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے تو اس خانہ جنگی کو دیکھنے کی بجائے مدینہ طیبہ سے بہت دور

بیسویں صدی کے شروع میں مدینہ منورہ کی ایک گلی کی تصویر جس میں خوبصورت لکڑی کے چھجے دکھائی دیتے ہیں

اپنے اونٹوں کے باڑے میں کئی سال گزر رہے تھے۔ (۲۳)

تاہم جونہی خانہ جنگی کی صورت حال ختم ہوئی اور مدینہ طیبہ میں امن و امان کا دور دورہ ہوا تو بہت سے لوگ جو مدینہ طیبہ سے فرار ہو گئے تھے وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے اور اس شہر مقدس کی رونقیں بحال ہونے لگ گئیں۔ بہت سے صاحب ثروت لوگوں نے (جن میں کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مگر زیادہ تر بنو امیہ کے متمول لوگ شامل تھے) وادی العقیق کے مرغزاروں میں اپنے عالی شان محل تعمیر کرنے شروع کر دیے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وادی العقیق مدینہ طیبہ کی سب سے زیادہ پرشکوہ آبادی بن گئی جس میں وسیع و عریض محلات، قلعے، بنگلے، جدید طرز کی عمارات اور مساجد تھیں مغرب میں وادی ذوالحلیفہ تک اور شمال مغرب میں الجرف تک کا علاقہ خوبصورت باغیچوں اور بنگلوں سے بھر گیا تھا۔ المطری کے بیان کے مطابق سعید بن العاصؓ کی امارت کے دور میں وادی عقیق کی آبادی ۴۰۰۰۰ نفوس سے تجاوز کر چکی تھی (۲۴) العقیق کی زمین کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں پلاٹ حاصل کرنے کے لیے امیر مدینہ طیبہ کی بجائے دمشق میں خلیفہ کے دیوان خاص سے رجوع کرنا پڑتا تھا۔

جب بنو امیہ کی حکومت مستحکم ہو گئی تو مدینہ طیبہ کی رونقیں واپس لوٹ آئیں۔ مگر اس مرتبہ سیاسی مرکز کے طور پر نہیں بلکہ مدینہ طیبہ دینی اور روحانی مرکز کے طور پر ابھرا جہاں سے اسلامی تعلیمات کے سوتے پھوٹتے تھے۔ اسلام کے پہلے سات جید فقہاء مدینہ طیبہ کے افق پر ہی طلوع ہوئے۔ مدینہ طیبہ سے ایک مینارہ نور کی صورت میں دینی اور روحانی علوم میں ہر طرف روشنی بکھیرنی شروع کر دی۔ درحقیقت یہ مرتبہ سیاسی مرکز ہونے سے کہیں اہم اور بلند تھا اور یہی وہ مقام ہے جس سے مدینہ طیبہ کی ہیبت میں آج تک کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہونے دی۔ بنی امیہ کے دور میں مدینہ طیبہ میں شہری سہولتوں پر خاص توجہ دی گئی۔ مشہور زمانہ عین الزرقاء کی زیر زمین نہر مروان بن حکم کے دور امارت میں کھودی گئی جس کے ذریعے پانی کی فراہمی قباء سے مدینہ طیبہ کے ہر گھر کو باآسانی ممکن ہو گئی۔ آب رسانی کا یہ انوکھا طریقہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں مدینہ طیبہ میں آزمایا گیا۔ بنو امیہ نے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی کے لیے بہت کام کیے جس میں سرفہرست حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر نو اور ان تمام مقامات پر خوبصورت مساجد کی تعمیر شامل تھی جہاں حضور نبی کریم ﷺ نے ایک یا دو مرتبہ نماز ادا کی تھی۔ شہر نبی کو انتہائی خوبصورتی سے سجایا گیا۔ مختلف جگہوں پر پبلک کنویں کھدوائے گئے اور ولید بن عبدالملک کے دور میں مدینہ طیبہ کے وسط میں ایک دیدہ زیب فوارہ بھی نصب کرایا گیا تھا۔ (۲۵) اس شہر مقدس نے بہت سے نشیب و فراز دیکھے۔ خلافت ایک ہاتھ سے دوسرے میں اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل ہوتی رہی اور ایک ایسا وقت بھی امت مسلمہ پر آیا کہ تاتاری منگول خلافت اسلامیہ کے مختلف صوبوں کو روندتے ہوئے ایک خوفناک طوفان کی شکل میں نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بغداد میں خلافت عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ لیکن اس دور پرآشوب میں بھی مدینہ طیبہ کی ہیبت اور رونقیں ماند نہ پڑیں اور اس کا ماہ کامل آسمان اسلام پر تابندہ و درخشندہ چمکتا رہا۔ پچھلے چودہ سو سال سے دنیا کے ہر کونے سے مسلمان مدینہ طیبہ کے علمی اور روحانی فیضان سے بہرہ ور ہونے کے لیے اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ یہ اسی کشش کا نتیجہ ہے کہ آنے والوں میں سے بہت سوں نے اس کو اپنا دائمی مسکن بنا لیا جس کی وجہ سے ہمیں مدنی آبادی میں ہر رنگ و نسل کے لوگ ملتے ہیں۔ مراکش سے لے کر جاوا اور کاشغر اور یمن سے لے کر بوسنیا تک کے لوگوں کو مدینہ طیبہ نے اپنے دامن رحمت میں سما لیا ہے۔

برکہارٹ (جو سوئٹزر لینڈ کا باشندہ تھا اور برطانوی سامراج کا جاسوس اور ایجنٹ تھا) ۱۸۱۵ء میں مدینہ طیبہ آیا۔ اس کے اندازے کے مطابق مدینہ طیبہ کی آبادی اس وقت تقریباً ۱۶،۰۰۰ اور ۲۰،۰۰۰ کے درمیان تھی جبکہ ویول (Wavel) کے کہنے کے مطابق اس کی آبادی ۱۹۰۸ء میں ۳۰،۰۰۰ تک پہنچ گئی تھی۔ تاہم رچرڈ برٹن (جو برطانوی استعمار کا جاسوس تھا اور جو عبداللہ افغانی کے نام سے حرمین الشریفین میں کافی سال رہا تھا) ۱۸۵۳ء میں لکھتا ہے کہ: [حکومتی محتاط اندازے کے مطابق قدیم شہر جو فصیل کے اندر واقع ہے اس میں تقریباً ۱۵۰۰ گھر یا مکانات

بیسویں صدی کا شروع
در مدینہ منورہ کی ایک گلی

ہیں جبکہ فصیل سے باہر مدینہ طیبہ کے مضافات میں تقریباً ایک ہزار مکانات ہیں میری رائے میں یہ اندازے مبالغہ پر مبنی ہیں۔ شہر کے اندر ۸۰۰ سے زائد مکانات نہیں جبکہ مضافات کے علاقے میں تقریباً ۵۰۰ گھر آباد ہیں مگر مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ یہ بھی میرا اندازہ ہی ہے کیونکہ میں نے پوری طرح گنتی نہیں کی۔ کیپٹن سیڈلیر (۱۸۱۹ء) کے بیان کے مطابق ترکوں نے جب بیسویں صدی کے شروع میں مردم شماری کروائی تھی تو کل آبادی ۶۰۰۰ (چھ ہزار) گھروں پر مشتمل تھی جس کی تمام تر نفری ۸۰۰۰ تھی لیکن اگر ہم اس اندازے کو صحیح بھی مان لیں کہ برکہارٹ کے مطابق اس شہر کی آبادی ۱۶،۰۰۰ اور ۲۰،۰۰۰ کے درمیان تھی جن میں سے ۹۰۰۰ افراد اندرون شہر مقیم تھے اور ۷۰۰۰ بیرون شہر مضافات یا قلعہ شامی وغیرہ میں تھے تو اس طرح فی گھر اوسطاً دو افراد کی نکلتی ہے جو کہ عرب کے معاشرے میں عین ممکن ہے کیونکہ افراد خانہ کے ساتھ ساتھ غلاموں اور کنیزوں کی بھی ایک کثیر تعداد ہوتی ہے۔] لیکن اس بیان کی وضاحت کے لیے اس نے حاشیہ آرائی بھی کی ہے اور فٹ نوٹ میں مزید انکشاف کیا ہے کہ: [بعد میں برطانوی نائب سفیر (چارلس کول) مقیم جدہ نے مندرجہ ذیل معلومات مہیا کی ہیں۔ مغربی عرب کے ایک واقف حال نے جسے سرکاری معلومات تک دسترس حاصل ہے مجھے بتایا ہے کہ مدینہ طیبہ کی آبادی ۶،۰۰۰ اور ۸،۰۰۰ کے درمیان ہے جبکہ انتظام کے عسکری کی تعداد قلعہ میں ۴۲۰ افراد پر مشتمل ہے۔] (۲۷)

بیسویں صدی کے شروع میں جب مدینہ طیبہ میں ریل کا اجراء ہوا اور حجاج و زائرین کرام کو سفر کی سہولتیں میسر آئیں اور قافلوں کے لٹنے کا خطرہ نہ رہا تو مدینہ طیبہ میں واردین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ ایک جرمن سیاح موریٹز (Moritz) کے اندازے میں بیسویں صدی کی ابتداء میں مدینہ طیبہ کی آبادی لگ بھگ ۲۰،۰۰۰ اور ۳۰،۰۰۰ کے درمیان تھی۔ یہی اندازہ حبیب بتونی نے اپنے سفرنامہ میں دیا ہے کہ ۱۹۰۹ء میں مدنی آبادی ۶۰،۰۰۰ کے لگ بھگ تھی مگر جب عالمی جنگ شروع ہوئی اور ترکوں کی اس جنگ میں شرکت سے مدینہ طیبہ کے معاشی حالات بگڑنے لگے تو بہت سے بدیشی جو یہاں بس گئے تھے اپنے اپنے وطن جانے پر مجبور ہو گئے۔ برطانوی سامراج کا مشرق وسطیٰ کا دفتر (جو جنگ عظیم اول میں عربوں کی پشت پناہی کر رہا تھا) یعنی 'عرب بیورو' مستقر قاہرہ، اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے [ترکوں کے لشکریوں کو چھوڑ کر مدینہ کی آبادی ۳۰،۰۰۰ نفوس سے زیادہ نہیں جن میں سے اکثر کا گزارہ حج اور زیارات کے سلسلے میں آنے والے لوگوں پر ہوتا ہے یا پھر محاصل مسجد نبوی پر اور حکومتی امداد پر جس کو صرہ کہا جاتا ہے۔] دوران جنگ جب مدینہ طیبہ پر فخری پاشا کی سربراہی میں عسکری نظام نافذ کر دیا گیا تھا تو شہری زندگی مزید مفلوج ہو کر رہ گئی تھی معاشی بدحالی نے دو وقت کی روٹی کا حصول بھی ناممکن کر دیا تھا اس لیے لوگ بڑی تعداد میں مدینہ طیبہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ نقل مکانی کر گئے اور مدینہ طیبہ کی گلیاں سنسان نظر آنے لگیں۔ سید مناظر احسن گیلانی جنہوں نے ۱۹۲۷ء میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی اپنی یادداشتوں میں بیان کرتے ہیں کہ جنگ عظیم کے نتیجے میں مدینہ طیبہ کی آبادی سکڑ کر ۲۰،۰۰۰ نفوس تک آ گئی تھی (۲۸) لیکن جونہی حالات معمول پر آنے لگے تو صورت حال بہتر ہونے لگی۔ ۱۹۲۶ء کے شروع میں جب ابن سعود نے نظم و
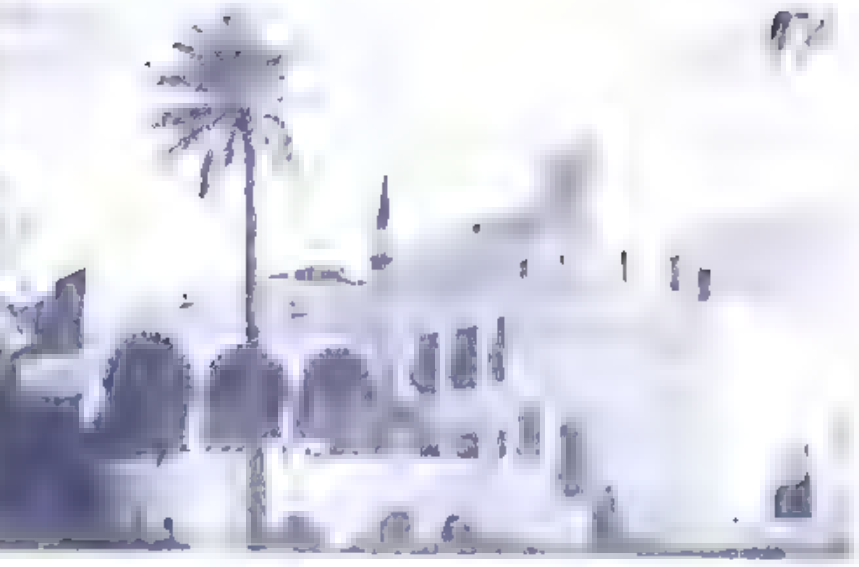
مسجد نبوی ﷺ سے متصل
ایک حویلی کے پچھواڑے کی
قدیم تصویر

جدید مدینہ منورہ کا ترتیب دیا ہوا ایک نقشہ جو آبادی کی کثافت اور گنجان آباد علاقوں کو ظاہر کرتا ہے

نسق اپنے ہاتھ میں لیا تو اس وقت مدینہ طیبہ کی کل آبادی ۵۰،۰۰۰ نفوس پر مشتمل تھی۔ پھر جونہی حالات مزید سدھرنے لگے آبادی میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا سعودی حکومت نے سب سے پہلی مردم شماری ۱۹۷۴ء میں کروائی جس کے مطابق منطقہ مدینہ کی آبادی ۵۱۹،۲۹۵ نفوس پر مشتمل تھی جس میں سے مدینہ طیبہ کے شہر مقدس کی آبادی صرف ۹۸،۱۸۲ افراد تھی۔ (۲۹) آخری بار تفصیلی مردم شماری ۱۹۹۳ء میں کرائی گئی جس کے مطابق مدینہ طیبہ کی آبادی چھ لاکھ کے لگ بھگ تھی جو پچھلے دس سال میں بڑھ کر آٹھ لاکھ ہو چکی ہے۔ (۳۰) شروع سے ہی آبادی کی کثافت (Density) کا مرکز مسجد نبوی شریف اور اس کے اردگرد کا علاقہ رہا ہے لیکن مسجد نبوی شریف کے توسیعی پروگرام کے بعد ایسا نہیں رہا اس سے پہلے مدینہ طیبہ کی پوری آبادی کا ۲۵ فیصدی حصہ مسجد نبوی کے آس پاس آباد ہو کرتا تھا جبکہ باقی علاقوں کی آبادی کی تقسیم کچھ اس طرح تھی (۳۱)

حرہ شرقیہ	۱۶	فیصد
حرہ غربیہ	۴۷	فیصد
سید الشہداء (احد)	۱	فیصد
سلطانہ ڈسٹرکٹ	۱	فیصد

مسجد نبوی کے توسیعی منصوبے کے بعد آبادی کی کثافت (Density) کے انداز (Pattern) میں بہت تبدیلی آئی ہے کیونکہ تمام گنجان آباد علاقے، مثلاً محلہ مجیدیہ، حارۃ الاغوات، تحریریہ اور عنبریہ (اور اب تو سحائیہ بھی) وغیرہ سب کے سب ختم کر کے ان کی جگہ فائیو سٹار ہوٹلوں نے لے لی ہے تاہم تحریر عنابیہ کا کچھ علاقہ اور سحائیہ کی پٹی بچی ہے مگر ان کے مکینوں کا انخلاء بھی جاری ہے اور مستقبل قریب میں وہ علاقے بھی صاف ہو جائیں گے شارع ستین کے باہر باب تمار کا علاقہ ابھی تک تھوڑا بہت بچا ہوا ہے مگر تیزی سے پھیلتے ہوٹل ان کو جنگل میں آگ کی طرح اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں اس وجہ سے آبادی کی کثافت والے گنجان آباد علاقے اب معدوم ہو چکے ہیں اور ان کے مکین باہر کے دور دراز علاقوں میں منتقل ہونے پر مجبور ہو گئے ہیں اس لیے اب مدینہ طیبہ کی آبادی کی کثافت (Density) دور دراز کے سیٹیلائٹ ٹاؤنوں کی طرف زیادہ مائل ہے۔ مدینہ طیبہ کے قدیم طرز تعمیر کی مثال اب شاذ و نادر ہی ملتی ہے کیونکہ ان کی جگہ کثیر المنزلی فلیٹ اور بنگلے اور عمارتیں ہر طرف سر اٹھائے کھڑی نظر آتی ہیں (۳۲) چونکہ مدینہ طیبہ کی مختلف جہت میں بلند و بالا پہاڑ ہیں، ان میں سے بھی اکثر و بیشتر کو ہموار کیا گیا ہے مگر جہاں بڑے بڑے پہاڑ ہیں ان کو صاف کرنے کی بجائے ان کے دامن میں آبادیوں کو بسا دیا گیا ہے تاہم ایک بات اب بھی بہت واضح ہے کہ گو کہ پرانی آبادی ملیا میٹ ہو گئی ہے، نئی آبادی کا محور اب بھی مسجد نبوی ہی ہے۔ اس لیے تمام کی تمام نئی بستیاں بھی مسجد نبوی کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں اور آبادی کی طرز نمو (Pattern) دائری شکل میں باہر کی اطراف کی طرف بڑھتی ہے یعنی (Radiocentric Growth Pattern) ہے۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے ان تمام مقیمین کو سعودی قومیت عطا کر دی تھی جو ۱۹۳۵ء سے پہلے حرمین الشریفین میں آباد ہو چکے تھے علاوہ ازیں شاہ فیصل مرحوم نے ۶ نومبر ۱۹۶۲ کو سعودی عرب میں غلامی پر مکمل قدغن لگا دیا جس کی وجہ سے غلاموں کی کثیر تعداد آزاد ہو کر مساوی معاشرتی حقوق کی مالک بن گئی (۳۳) ان کو آزادی سے آنے جانے اور اپنی مرضی سے کاروبار کرنے اور جائیداد بنانے کے حقوق مل گئے اور تعلیم اور سرکاری ملازمتوں کے دروازے بھی ان پر کھول دیے گئے۔ ان معاشرتی اصلاحات نے تھوڑے ہی عرصے

اب سڑک شجرکاری نے مدینہ منورہ واللہ شرفاً کے حسن و زیبائش کو مزید خوبصورت بنا دیا ہے (مسجد قبا کے سامنے کی تصویر جنوری ۲۰۰۱ء)

میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا جس نے شہری اور معاشی ترقی کے نئے افاق پیدا کر دیے چھوٹے چھوٹے کاروبار زیادہ مقبول ہو گئے جس نے معاشی انقلاب کو تیز تر کرنے میں بہت مدد دی وہ لوگ جنہیں سعودی قومیت ملی تھی اور وہ خدام جو آزاد ہوئے اب آزادی سے اپنی مرضی سے جہاں چاہے رہ سکتے تھے، جائیداد بنا سکتے تھے اور کاروبار بھی کر سکتے تھے ایسے افراد کی اکثریت حرمین الشریفین کے ارد گرد آباد ہو گئی اور آہستہ آہستہ سعودی معاشرے میں ضم ہو گئی۔ ان اصلاحات کی وجہ سے ہمیں مدینہ طیبہ میں مختلف النسل اور مختلف زبانیں بولنے والے افراد ملتے ہیں مراکش سے لے کر پاکستان اور ہندوستان تک کے لوگ سعودی معاشرے میں ضم ہو چکے ہیں تاشقندی، بخاری، فلانی، ہندی، سندھی، پنجابی، بوشناق (بوسنیائی) ایرانی، ترکستانی، ترکی، افریقی حبشی مغربی اور سعودی سب شیر و شکر ہو کر رہ رہے ہیں جس سے ایک انوکھا بھائی چارہ معرض وجود میں آ گیا ہے جو ایک دین اور ایک معاشرے اور ایک زبان میں ڈھل کر مدینہ طیبہ کی بابرکت فضا میں یگانگت، اخوت اور محبت کا رس گھولتا ہے جس میں ترکی و تازی سب اپنی نیرنگیاں چھوڑ کر مدنی یک رنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں

مدینہ طیبہ کے گرد فصیل کی تعمیر:

ازمنہ قدیم میں اہم شہروں کے گرد فصیلیں ہوا کرتی تھیں جو ایک قلعہ کی طرح اس شہر کو حملہ آوروں کی یورشوں اور ڈاکوؤں کی لوٹ مار سے محفوظ رکھتی تھیں مختلف غزوات النبی ﷺ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسی دفاعی فصیلیں دیگر شہروں کے علاوہ خیبر اور طائف کے گرد بھی موجود تھیں جو بہت مضبوط حصاروں کی طرح تھیں۔ طائف کے لوگوں نے تو ان میں محصور ہو کر مسلم فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا وہاں کا حصار تو اتنا مضبوط تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو چند ہفتوں کے بعد ان کا محاصرہ ترک کرنا پڑا اس روایتی قلعہ بندی کے برعکس مدینہ طیبہ (یعنی اس وقت کے یثرب) کے گرد کوئی حصار نہیں تھا بلکہ چونکہ تین اطراف سے بلند و بالا پہاڑ
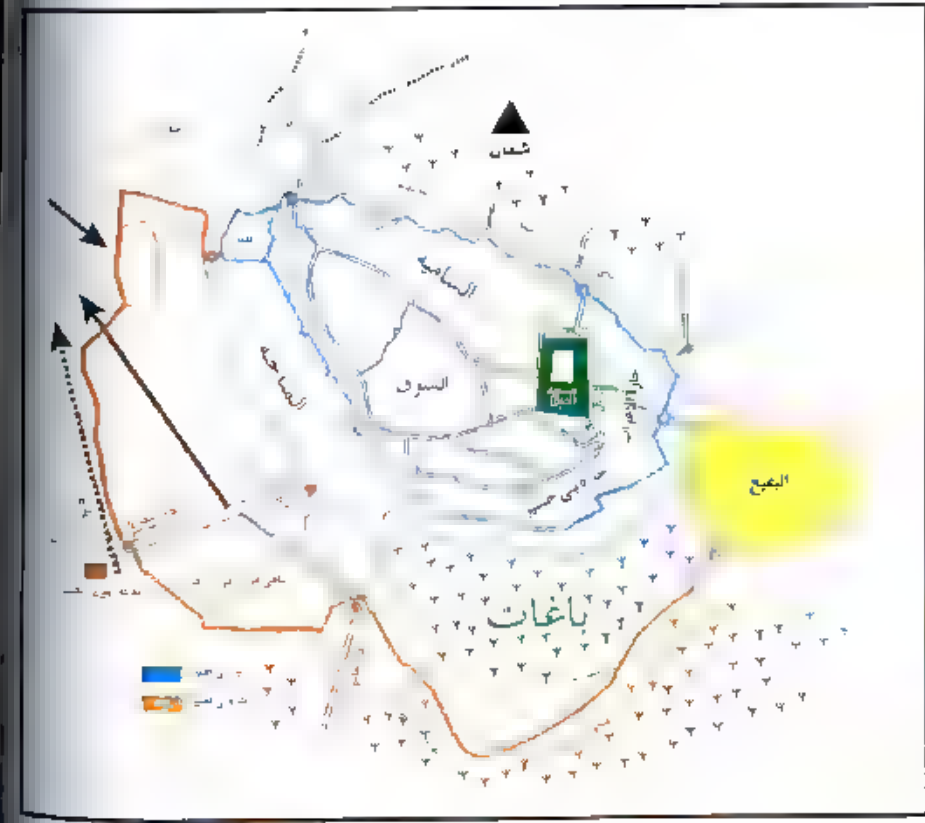
مدینہ مصطفوی کی فصیل شہر کا
یہ قدیم منظر ١٩٠٢ء

اور حرہ کی سنگلاخ زمینیں تھیں اور چوتھی جانب جو کھلا علاقہ تھا وہ بھی الغابہ کے گھنے جنگلات سے گھرا ہوا ہوتا تھا، ان قدرتی رکاوٹوں نے مدینہ طیبہ کو مصنوعی حصاروں سے بے نیاز کر دیا تھا غزوہ احزاب کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے شمالی جانب لمبی اور گہری خندق کھدوا کر ابو سفیان اور اس کی افواج کو بے نیل و مرام واپس ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ خندق شکست و ریخت کا شکار ہو گئی اور کچھ تو آر پار آنے جانے کی غرض سے اہل مدینہ نے اس کے بعض حصوں کو بھر کر گزرگاہیں بنا لی تھیں اور باقی کی کسر وادی بطحان کے سیلابوں نے پوری کر دی تھی اور سیلابی ریلوں کے ساتھ بہہ کر آنے والی مٹی نے اس خندق کو بہت حد تک بھر دیا تھا اس طرح یہ جانب پھر سے غیر محفوظ ہو گئی تھی سیاسی رسہ کشیوں کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ مدینہ طیبہ کو بھی قلعہ بند کر دیا جائے۔

امویوں کے آخری ایام میں مدینہ طیبہ کی امن و امان کی صورت حال کچھ تسلی بخش نہیں تھی اور بسا اوقات ارد گرد کے بدو قبائل لوٹ مار کی غرض سے شہر میں گھس آتے تھے پھر جب عباسی خلافت کا سورج طلوع ہوا تو چونکہ ان کا حصول اقتدار بنی امیہ کی مخاصمت اور دشمنی پر مبنی تھا، اس لیے عنان حکومت سنبھالتے ہی انہوں نے ہر طرف انتقام کی آگ بھڑکا دی اور جو اموی بھی ان کے ہاتھ لگا اسے تہ تیغ کر دیا گیا جب ابو العباس سفاح نے اقتدار سنبھالا تو اس نے ایک حکم نامہ جاری کر دیا کہ جہاں کہیں بھی اموی لوگ یا ان کے ہم خیال اور حلیف ہاتھ لگیں ان کا صفایا کر دیا جائے چنانچہ ۱۳۳ھ میں سفاح کے چچیرے بھائی داؤد نے مدینہ طیبہ میں بنو امیہ کی پوری نسل کو نیست و نابود کر دیا بظاہر تو وہ بنی امیہ سے ان کی اہل بیت طاہرہ پر چیرہ دستیوں کا انتقام لے رہے تھے مگر ان کا خفیہ ایجنڈا یہ تھا کہ نہ صرف وقتی طور پر سیاسی مخالفین کو ختم کیا جائے بلکہ دور رس نتیجے کے طور پر اہل حجاز کے دلوں پر اتنی دہشت طاری کر دی جائے کہ عباسی حکومت کے خلاف کسی کو بھی بغاوت کرنے کی جرأت نہ ہو

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب امویوں کی سطوت بام عروج پر تھی تو ان کے امراء اور روساء نے جو مدینہ طیبہ میں بستے تھے وادی عقیق میں اپنے محلات اور حویلیاں بنا کر اس علاقے کو اتنی ترقی دے دی تھی کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ صرف وادی عقیق کی آبادی ۲۰۰۰۰ نفوس سے متجاوز تھی مگر جب بنو عباس نے بنی امیہ اور ان کے حلیفوں کی گردنیں مارنی شروع کیں تو سب سے زیادہ نشانہ بھی یہی وادی عقیق بنی مکین تہ تیغ کر دیے گئے اور مکان لوٹ لیے گئے اور وہی عقیق جو مدینہ طیبہ کا سب سے ترقی یافتہ علاقہ سمجھا جاتا تھا وہاں ویرانیوں نے ڈیرے ڈال لیے کل کے محلات آج کے بھوت بنگلے بن گئے تھے۔ جو زندہ بچ گئے تھے انہوں نے امان اسی میں سمجھی کہ مدینہ طیبہ کے وسطی علاقوں میں منتقل ہو جائیں اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں بسنے والے بدو قبائل گھوڑوں پر سوار ہو کر آتے اور لوٹ مار مچا کر چلے جاتے تھے۔ اس طرح یہ خوش و خرم اور خوبصورت وادی، وحشت و ویرانی کا ہولناک منظر پیش کرنے لگ گئی۔ بنو عباس نے چونکہ بجائے بغداد کو اپنا دار الخلافہ چن لیا تھا اس لیے ان

کے رو نما ہونے مدینہ طیبہ کے اس دشت ویراں کو پھر سے آباد کرنے کا کبھی سوچا تک نہیں محلات اور حویلیاں آہستہ آہستہ منہدم ہوتے گئے یوں سایہ جنت کی با برکت وادی صدیوں تک کھنڈرات کی شکل میں ہر آنے والے کو دنیا کی بے بضاعتی کا درس عبرت دیتی رہی چھٹی صدی مدینہ طیبہ کے مورخ ابن نجار نے اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔ [آج وادی عقیق میں کوئی بھی تو نہیں بستا کسی ذی روح کا نشان تک نہیں ہے۔ لے دے کر اگر کچھ بچا ہے تو وہ ان محلات کے آثار اور کھنڈرات ہیں جو کبھی بہت عالیشان ہوا کرتے تھے] (۳۴) صادق مصدوق حضرت نبی اکرم ﷺ نے اسی وادی کی قسمت کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا [کوئی سوار جب مدینہ طیبہ کی وادی کے پاس سے گزرے گا تو یاس و حسرت میں یہ کہے گا کہ کیا ہو گیا ہے اس وادی مبارک کو؟ یہاں تو کبھی بہت سے مومنین انبوہ در انبوہ بسا کرتے تھے] (۳۵)

بڑے پیمانے پر تباہی اور بدؤں کی آئے دن کی یلغار کے بعد کون ایسا جری تھا جو وہاں ایک پل بھی رہ سکتا تھا لہذا ہر کس و ناکس مدینہ طیبہ کے وسطی علاقے میں منتقل ہو گیا تھا۔ ایک ہزار میل دور بغداد کے دارالخلافے سے عباسیوں کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ ان خانماں برباد وں کی فریاد سنتے، خاص طور پر پہلی صدی میں جب کہ ان کے پاؤں بھی ابھی پورے طور پر جم نہیں پائے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ طیبہ سے انہیں ہر وقت اہل بیت طاہرہ کی بغاوت کا دھڑکا لگا رہتا تھا جیسا کہ محمد ابن عبداللہ ابن حسن المثنیٰ یعنی نفس الذکیہ کے معاملے میں ہو چکا تھا۔ درحقیقت ان چند عوامل کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی بری طرح متاثر ہوئی اور آبادی دن بدن کم ہونے لگ گئی بڑھنے کی بجائے مدینہ طیبہ کا رقبہ سکڑتے سکڑتے مسجد نبوی کے ارد گرد صرف چند ہزار گھروں تک محدود ہو کر رہ گیا وہ قبیلے جو روز اول سے حرہ شرقیہ یا حرہ غربیہ میں آباد تھے اور جہاں پر تاریخی مساجد بھی ہوا کرتی تھیں (مثلاً مسجد قبلتین اور مسجد بنی بیاضہ وغیرہ) وہ بھی یا تو نقل مکانی کر گئے تھے یا پھر فصیل کے اندر گھر حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے اور وہ مساجد یا مقامات آبادی سے دور ٹیلوں کے اوپر اپنی تنہائی اور وقت کی ستم ظریفی پر نوحہ خواں نظر آیا کرتے تھے۔ بدوؤں کی یلغار پہلی صدی سے لیکر تیسری صدی تک جاری رہی پھر جب فصیل بن گئی تو مدینہ طیبہ کے باسیوں نے سکھ کا سانس لیا مگر جونہی آبادی پھر بڑھنے لگی اور لوگوں کو مجبوراً فصیل کے باہر آباد ہونا پڑا تو دوبارہ پھر سے بے چینی اور بدامنی کا آسیب ان کو تنگ کرنے لگ گیا

اس بدامنی کی تمام تر ذمہ داری صرف گرد و نواح کے بدو قبائل پر ہی نہیں ڈالی جا سکتی کیونکہ علوی باغیوں نے بھی اہالیان حرمین شریفین کا ناک میں دم کر رکھا تھا، وہ بھی کسی نہ کسی طرح جزیرہ نمائے عرب پر اپنا تسلط حاصل کرنے کے درپے تھے مورخہ ۳ ربیع الاول ۲۵۱ ہجری کو اسماعیل بن یوسف علوی نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر دی اور عباسی گورنر جعفر ابن الفضل بن العیسیٰ کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا جس کی وجہ سے میدان علویوں کے ہاتھ رہ گیا بس پھر کیا تھا! قتل و غارت گری نے وہ کھیل کھیلا کہ درندگی و بربریت کے تمام حربے مکہ مکرمہ کے نہتے اور بے بس و مجبور باسیوں پر آزمائے گئے۔ حرم مکی کے تقدس کو بھی بری طرح پامال کیا گیا۔ بیت اللہ شریف کے ارد گرد جو بھی ان کے مقابلے میں آتا اس کو ذبح کر کے چاہ زمزم میں پھینک دیا جاتا جس کی وجہ سے چاہ زمزم انسانی لاشوں سے اٹ گیا تھا جاتے جاتے وہ درندے بیت اللہ شریف میں صدیوں سے موجود نوادرات اور تبرکات بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ ان لوگوں نے جب مکہ مکرمہ میں اپنا شیطانی کھیل ختم کیا تو مدینہ طیبہ کا رخ کر لیا اہلیان شہر نبی بے خبری کے عالم میں مارے گئے اور اس شب خون میں لاتعداد مدنی شہید ہوئے عباسی خلیفہ معتز باللہ کو جب خبر ہوئی تو اس نے ایک لشکر جرار بغداد سے روانہ کیا جنہوں نے سر علویوں کا قلع قمع کیا یوں امن تو قائم ہو گیا مگر اہل مدینہ کو اس کی بہت جانی اور مالی

باب شامی ۱۹۱۳ء

مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً ۱۸۸۰ء میں

قیمت چکانی پڑی تھی۔ وقتی سکون تو قائم ہو گیا تھا مگر مستقبل کے خطرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے عمائدین شہر رسول مقبول ﷺ نے عباسیوں سے درخواست کی کہ مدینہ طیبہ کے گرد فصیل تعمیر کر دی جائے چنانچہ ایک دہائی کے اندر اندر (یعنی ۲۶۳ ہجری میں) مدینہ کے گورنر محمد بن اسحاق الجعدی نے شہر طیبہ کے وسطی خطے کے گرد فصیل تعمیر کروادی۔ یہ مٹی اور گارے سے بنی مضبوط دیوار تھی جس میں آنے جانے کے لیے چار دروازے رکھے گئے تھے۔ مشرقی دروازہ بقیع الغرقد کی طرف کھلتا تھا، مغربی دروازہ وادی العقیق کی طرف تھا، شمالی دروازہ جبل احد کی طرف کھلتا تھا جبکہ ایک دروازہ جنوب کی جانب بھی تھا جہاں سے لوگ قباء آیا جایا کرتے تھے فصیل کی دیواریں چونکہ کچی تھیں اس لیے ایک ہی صدی میں منہدم ہونی شروع ہو گئیں۔ جب قرامطیوں نے ۳۱۷ ہجری میں مکہ مکرمہ میں تباہی مچائی اور وہ لوگ حجر اسود لوٹ کر چلے گئے تو ایک بار پھر اہل مدینہ پر خوف طاری ہو گیا کہ کہیں پہلی تاریخ دوبارہ نہ دہرا دی جائے (۳۶) لہذا مدینہ طیبہ کے گورنر نے عباسی خلیفہ کو درخواست کی کہ شہر نبی کے گرد فصیل کو دوبارہ تعمیر کروا دیا جائے۔ (۳۷) یوں ۳۱۸ ہجری میں عباسی خلیفہ نے حکم دیا کہ ایک نئی اور مضبوط فصیل تعمیر کر دی جائے جس کی تعمیل جلد ہی کر دی گئی عین ممکن ہے کہ نئی فصیل پرانی دیوار کی جگہ پر تعمیر کی گئی ہو۔ اس میں بھی چار دروازے تھے۔

(۱)	باب البقیع	(سے باب الجمعہ بھی کہا جاتا تھا)
(۲)	باب المصری	(یہ جنوب کی طرف تھا)
(۳)	باب الشامی	(اس کا رخ شام کی طرف تھا جو شمال میں تھا)
(۴)	باب جنوبی	(اس کا رخ قباء کی طرف تھا)

تمام دروازے رات کو بند رکھے جاتے تھے اور ان پر مسلح پہرے دار رہا کرتے تھے جن کی تعداد جنگ یا خطرے کے موقعوں پر زیادہ کر دی جاتی تھی فصیل کی اس تعمیر نو نے اہالیان مدینہ طیبہ کو کافی حد تک مامون و محفوظ تو کر دیا تھا مگر اس نے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی کو بری طرح محدود کر دیا تھا خطرات کے پیش نظر کوئی بھی اپنا مکان فصیل کے باہر بنانے کو تیار نہ تھا اور چار و ناچار فصیل کے اندر کئی منزلہ عمارتوں نے رواج پایا، رہائشی زمین کی قلت سے اسکی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگ گئیں۔

۳۶۷ ہجری میں عضد الدولہ نے عباسی خلیفہ الطائع بامر اللہ کے دور میں اس فصیل کو مرمت کروایا جو وقت کے ساتھ ساتھ پھر شکست و ریخت کا شکار ہونے لگ گئی ۵۴۰ ہجری میں جمال الدین اصفہانی نے، جو نور الدین زنگی کے وزیر تھے، نہ صرف اسکی مرمت کروائی بلکہ اسکو اور مضبوط بھی بنا دیا ۵۵۵ ہجری میں نور الدین کو بشارت ہوئی تھی جس میں انہیں نصاریٰ کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے کہا گیا تھا صلیبیوں کے حوصلے اتنے بڑھ چکے تھے کہ وہ مدینہ طیبہ کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مدینہ طیبہ کی نزدیکی بندرگاہ ینبع کے ذریعے مدینہ پر یلغار کرنے کے لیے عملی اقدامات بھی کیے تھے ان کے کچھ دستوں نے ینبع پر حملہ کر دیا تھا مگر مصری

بحری دستوں نے اپنے امیر بحر ہوہو کی سرکردگی میں ان کو وہاں سے مار بھگایا اور ان کی بہت سی فوج کو واصل جہنم کر دیا تھا۔

جب نور الدین مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے اہالیان مدینہ طیبہ کی حالت زار دیکھی جو ہر طرف سے خطرات ان کے سر پر منڈلا رہے تھے۔ انہوں نے فصیل مدینہ طیبہ کو اور زیادہ مضبوط بنایا اور صرف یہی نہیں بلکہ ان آبادیوں کو جو فصیل سے باہر المناخہ کی جانب بس گئی تھیں ان کو بھی مطلوبہ حفاظت فراہم کرنے کے لیے انہوں نے ایک اور فصیل تعمیر کروا دی جس سے تمام اہل مدینہ نے سکھ کا سانس لیا۔ تمام کام ۵۵۸ ہجری میں مکمل ہو جیسا کہ باب البقیع پر نصب لوح سنگ سے معلوم ہوتا تھا (اب نہ وہ باب البقیع ہے اور نہ ہی وہ لوح سنگ)۔(۳۸) انہوں نے فصیل کی تعمیر نو کا سارا خرچہ خود برداشت کیا (۳۹) جب ابن جبیر نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو ان کے الفاظ میں وہ فصیل انتہائی شاندار حالت میں تھی۔ ان کے الفاظ میں [مدینۃ المکرمہ کے چار دروازے ہیں اور اس کی دو فصیلیں ہیں۔ ہر دیوار سے ایک دروازہ نکلتا ہے جو اندرونی دیوار کے دروازے کے سامنے ہی بنایا گیا ہے۔ ایک دروازہ تو خالص فولاد سے بنایا گیا ہے جس کو باب الحدید کہتے ہیں، اس کی دوسری طرف باب الشریعہ ہے جس کے بعد باب القیہ ہے جو عموماً بند رہتا ہے اور پھر اس کے بعد باب البقیع آتا ہے۔](۴۰)

بمشکل ایک ہی صدی گزری ہوگی کہ شکست و ریخت کی وجہ سے فصیلوں کی تعمیر نو کی ضرورت دوبارہ محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ ۶۳۶ ہجری میں ان کی مرمت کی گئی اسی اثناء میں چونکہ مدینہ طیبہ کی آبادی بڑھ گئی تھی لوگوں نے مجبوراً فصیل کے باہر بھی گھر بنانا شروع کر دیے تھے لہذا بنی بویہ کے ملک منصور نے ۶۳۶ ہجری میں ایک نئی فصیل ان نئی آبادیوں کی حفاظت کے لیے بھی تعمیر کر دی۔ (۴۱) المطری کے بیان کے مطابق سلطان صالح بن ناصر بن قلاوون کے دور میں ۷۵۵ ہجری میں ان فصیلوں کی پھر مرمت کروائی گئی۔ اس کے بعد کچھ حصوں کی مرمت کا کام ۸۸ ہجری میں سلطان قیتبائی کے دور میں بھی کروایا گیا عثمانی خلافت میں جب سلطان سلیمان قانونی نے عثمانی سلطنت اپنے ہاتھوں میں لی تو ایک بشارت کے ذریعے رسول مقبول ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ نہ صرف فصیل مدینہ طیبہ کو مضبوط بنائیں بلکہ ایک قلعہ بھی مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لیے تعمیر کروائیں۔ سلطان سلیمان قانونی نے ۹۳۹ ہجری میں فصیل کو دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ تعمیر نو میں سات سال صرف ہوئے اور اس نئی فصیل مدینہ طیبہ کو سنگ سیاہ سے بنوایا اور جبل سلع کی جانب نزدیکی پہاڑی پر اس نے ایک بہت مضبوط قلعہ تعمیر کروایا جو شمالی جانب بجانب الشام کی طرف واقع تھا اس لیے اسے قلعہ شامیہ بھی کہا جاتا تھا (۴۲) اس وقت کے رائج الوقت سکے کے مطابق ایک لاکھ دینار اس منصوبے پر صرف ہوئے تھے بعد میں عثمانی دور ہی میں ۱۰۷۸ ہجری میں سلطان محمد خان بن ابراہیم خان نے اس کی مرمت کروائی مکمل ہونے پر فصیل کی لمبائی ۳۰۷۲ ذرع یعنی ۱،۵۳۶ میٹر تھی (۴۳)

ایک بار پھر سلطان محمود خان نے ۱۱۶۲ ہجری میں اس فصیل کی مرمت کروائی مگر مکمل فصیل کی تعمیر نو ترکی سلطان عبدالعزیز کے دور میں ۱۲۸۵ ہجری میں ہوئی جب فصیل کی اونچائی ۲۵ میٹر تک کر دی گئی۔ سلطان نے قلعے کو مضبوط کرنے پر خاص توجہ دی اور اس میں مختلف مقامات پر ۴۰ برج تعمیر کروا دیے جن میں ہر وقت مسلح پولیس گشت کرتی رہتی تھی عثمانی عہد میں آخری ترمیمات اور مرمت سلطان عبدالحمید ثانی کے دور میں ۱۳۰۵ ہجری میں ہوئی جس کے بعد جب شریف حسین نے ترکوں کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا تو اس نے بھی شمالی جانب کچھ ترمیمات کر دیں۔ اس نے فصیل کے چاروں دروازوں پر مسلح پولیس بھی متعین کی (۴۴)

برطانوی جاسوس رچرڈ برٹن نے (جو ۱۸۵۲ء میں مدینہ طیبہ آیا تھا) فصیل کی خاص طور پر تعریف کی ہے وہ کہتا ہے [فصیل نہایت ہی اچھی حالت میں ہے۔ اس کی دیواریں گرینائٹ اور لاوا کی

مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً کی فصیل کے عمارتی خد و خال

بیسویں صدی عیسوی کی ابتداء میں مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً کا فضائی منظر

چٹانوں کے بلاکوں سے بنائی گئی ہیں جن کو چونے سے پلستر کیا گیا ہے۔ اس میں مزغل (برج) بنائے گئے ہیں جن میں لمبے لمبے سوراخ ہیں (باہر سے آنے والے حملہ آوروں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے)۔ ان برجوں کے اوپر خوبصورت گول قسم کی چھتیں ہیں اور ان میں گیلریاں ہیں جن میں جھروکے رکھے گئے ہیں۔](۴۵)

فصیل شہر کے باہر مغربی اور شمال مغربی جانب ترکی رؤسا نے وسیع و عریض قطعہ ہائے اراضی خرید کر وقف عمارتیں تعمیر کر دی تھیں۔ مناخہ کی طرف نئی آبادکاری ممنوع قرار دے دی گئی تھی کیونکہ وہ تمام علاقہ حاجی کیمپ بن چکا تھا جہاں کاروان حجاج کرام آ کر رکتے تھے۔ درحقیقت یہ جگہ سوق النبی کی جگہ تھی ترکی دور میں اسے 'بر المناخہ' کہا جاتا تھا۔ المناخہ کا عربی میں مطلب ایسی جگہ ہے جہاں اونٹ بٹھائے جاتے ہوں چونکہ یہ میدان مدینہ طیبہ کی فصیل سے باہر تھا اس لیے 'بر المناخہ' کے نام سے شہرت پا گیا۔ اکثر و بیشتر فقراء اور وہ حجاج کرام جن کے لیے کرائے کے مکان یا کاروان سرائے میں رہنا محال تھا وہ وہاں اپنے خیمے نصب کر لیتے تھے۔

آج کے مدینہ طیبہ میں اس فصیل کا کوئی نشان باقی نہیں رہا سوائے نام کے کیونکہ کچھ علاقے ابھی تک پرانے ناموں سے معروف ہیں جیسے کہ 'باب تمار' کا علاقہ جو مسجد نبوی کے شمال میں پہلی سرکلر روڈ کے بعد آتا ہے جو باب تمار (جو باب المجیدی کا ہی ایک نام تھا کیونکہ اس کے سامنے کھجوریں بیچنے والے اپنی دکانیں سجایا کرتے تھے) جہاں تک قلعہ شامی کا تعلق ہے یہ ایک دھماکے سے اڑا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے اس میں جمع شدہ تمام اسلحہ بھی تباہ ہو گیا اور اردگرد کی آبادیاں بھی بری طرح متاثر ہوئی تھیں پھر ایکا دکی فصیل کے حصے لوگوں نے خود گرانا شروع کر دیے کیونکہ بیسویں صدی کی عمرانی نشوونما کے راستے میں فصیل بری طرح حائل ہو رہی تھی۔ مزید برآں جدید مواصلاتی ٹریفک (جس کو زیادہ عروج تیل سے حاصل شدہ دولت سے ملا تھا) بھی فصیل مدینہ کی وجہ سے متاثر ہو رہی تھی لہذا بلدیہ مدینہ طیبہ نے ۱۳۶۸ ہجری میں اس فصیل کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا (۴۶) اور پھر چند سالوں کے اندر اندر وہ 'سد مدینہ' نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اس کے کچھ حصے باقیات کے طور پر بعض حضرات نے محفوظ کر لیے تھے مگر جدید عمرانی تقاضوں کے سامنے وہ حصے بھی آہستہ آہستہ دم توڑ گئے اور یوں وہ فصیل جس نے مدینہ طیبہ اور مدنیوں کی حفاظت میں پچھلے ۱۱۰۰ سال سے (۲۶۳ ہجری سے ۱۳۶۸ ہجری تک) ایک نہایت اہم کردار ادا کیا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے

دامنِ احد میں ایک قدیم دفاعی چوکی کی تصویر

لیے قصہ پارینہ بن گئی۔

مدینہ منورہ کے گرد بنائے گئے دفاعی قلعے:

مدینہ طیبہ کے عمرانی خصائص میں جہاں خوبصورت رہائشی عمارتیں ہیں وہاں محلات اور قلعے بھی اس کی عمرانی زندگی کا طرہ امتیاز رہے ہیں۔ ترکوں نے فصیل مدینہ طیبہ پر صرف قلعہ شامی اور اس کے برج ہی نہیں تعمیر کیے بلکہ اس بلدہ طاہرہ کو کسی بھی بیرونی جارحیت سے محفوظ کرنے کے لیے مختلف مقامات پر مضبوط قلعے بھی بنوا دیے تھے جو اس شہر مقدس کے چاروں اطراف میں ہوا کرتے تھے۔ قلعہ شامی کو دوسری دفاعی لائن سمجھا جاتا تھا جبکہ حدود حرم کے اردگرد چاروں طرف قلعے اور چوکیوں کا جال بچھا دیا گیا تھا۔ سب سے بڑا قلعہ جبل اجرف کے اوپر تھا جو آج بھی موجود ہے۔ شمالی مدینہ چونکہ شروع سے ہی دفاعی لحاظ سے کمزور تھا جتنے بھی حملہ آور آئے (خواہ وہ قریش مکہ ہوں یا افواج یزید یا نفس الذکیہ کے خلاف عباسی افواج یا اس سے بہت پہلے کے یمنی تبع کے عساکر) سب کے سب اسی جانب سے مدینہ طیبہ پر حملے کی غرض سے وارد ہوئے تھے۔ (دجال بھی اسی راستے سے مدینہ طیبہ کا رخ کرے گا) لہذا اس جانب جبل الجرف پر سب سے بڑا قلعہ بنایا گیا تھا اور اس کے اردگرد مختلف سٹراٹیجک مقامات پر قلعہ نما چوکیاں تعمیر کر دی گئی تھیں۔ اگرچہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی کاوشوں سے صلیبی طالع آزما اپنی موت آپ مر چکے تھے مگر پھر بھی ترکوں نے دفاع مدینہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

جنوب میں جبل عیر کی چوٹی پر ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں اور مغرب میں حضرت عروہ ابن زبیرؓ کے محدث کو بھی عسکری چوکی بنا دیا گیا تھا۔ اسی طرح جبل احد کے ساتھ ساتھ مغربی جانب بھی چند چوکیاں ہوا کرتی تھیں اور جبل احد سے مدینہ منورہ آتے ہوئے مسجد المستراح کے ساتھ بھی ایک قلعہ تعمیر کر دیا گیا تھا تاکہ خدانخواستہ اگر جارحین پہلی دفاعی لائن عبور کر لیں تو پھر بھی مدینہ طیبہ کے مضافات میں انہیں سخت مزاحمت کرنی پڑے۔ قلعہ شامی کے باہر دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے جبل سلع کی چوٹی پر بھی ایک چوکی قائم کی ہوئی تھی جس کے کھنڈرات ابھی تک موجود ہیں۔ اسی طرح کا ایک قلعہ قباء میں بھی ہوا کرتا تھا۔ ان تمام قلعوں میں ترکی فوج کے چاک و چوبند دستے ہر وقت موجود رہا کرتے تھے

ان سب میں مشہور ترین قلعہ "قلعہ شامی" تھا جو فصیل شہر سے متصل شمال مغربی کونے پر تھا۔ سے سلطان سلیمان الفاتح (قانونی) نے رسول اللہ ﷺ کی ایک بشارت کے نتیجے میں تعمیر کروایا تھا۔ شاہ عبدالعزیز کے دستوں نے جب مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تو اس میں گھس کر اس کے گولہ بارود کے ذخیرہ کو آگ لگا دی گئی تھی جس سے نہ صرف وہ قلعہ تباہ ہو گیا بلکہ اردگرد کی بہت سی عمارتیں بھی زمیں بوس ہو گئیں تھیں۔

باب معری کے باہر کا سماں پس منظر میں مسجد نبوی شریف نظر آرہی ہے

آج کے مدینہ طیبہ میں ان قلعوں کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے اور شائد یہی وجہ ہے کہ اہل مدینہ نے ان سے بے اعتنائی برت کر ان کو منہدم کر دیا ہے اور سوائے چند ایک کے کھنڈرات کے باقیوں کے تو نشانات بھی معدوم ہو چکے ہیں۔

مدینہ طیبہ کا عمرانی اور تمدنی ارتقاء:

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے مدینہ طیبہ چند قریوں پر مشتمل تھا جو شمالاً جنوباً جبل احد سے لیکر جبل عیر اور شرقاً غرباً حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے اندر واقع تھے۔ ان تمام قریوں میں مختلف قبائل رہا کرتے تھے: کچھ علاقے یہود کے لیے مختص تھے جبکہ باقیماندہ قریوں میں عربوں کی اکثریت تھی۔ بعد میں جب یہود بے یہود کو مدینہ بدر کر دیا گیا تو ان کی رہائشی آبادیاں بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حکم صادر فرمادیا کہ وہ آطام اور قلعے یا حویلیاں جو یہود کے انخلاء اور اجلاء کے بعد مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو ملی تھیں ان کو مسمار نہ کیا جائے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا [ان آطام کو مسمار مت کرو کیونکہ یہ مدینہ طیبہ کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں] (۴۷) بہت سے قلعے یا حصون (آطام) جو مدینہ طیبہ کی مختلف اکناف میں موجود ہوا کرتے تھے ان میں سے چند کے کھنڈرات تو آج بھی موجود ہیں۔ قرون اولیٰ میں ان میں مسلمان آباد ہو گئے تھے۔

جب حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی اور اپنی مسجد اور مسکن تعمیر کیا تو اس مقام نے مرکزی حیثیت حاصل کر لی۔ مہاجرین کو تو وہاں آباد ہونا ہی تھا مگر انصار بھی وہاں آباد ہونے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے تاکہ نبی اکرم ﷺ کے جوار رحمت میں آ جائیں۔ اس وجہ سے پہلے قریوں کے طرز وقوع کے برعکس (جو ایک دوسرے سے دور دور واقع تھے) نئی تمام تر تعمیرات کا محور مسجد نبوی اور دار رسول مقبول ﷺ بن گیا اور اس طرح جو بھی تمدنی ترقی ہوئی وہ ایک دائرے کی شکل میں باہر کی طرف پھیلتی گئی جس کا نقطہ ارتکاز مسجد نبوی شریف ہی رہا۔ پھر جب عرب قبیلوں کے وفود مدینہ طیبہ آ کر مشرف بااسلام ہو گئے ان نو واردین کی آبادکاری کے لیے جبل سلع کے دامن میں جگہ دینی پڑی۔ بنو حرام اور بنو جہینہ کو جبل سلع کے دامن میں آباد ہونے کی اجازت مرحمت ہوئی اور بنی مزنہ اور بنی مصطلق کو مسجد نبوی کے جنوب میں حرہ غربیہ میں آباد کیا گیا۔ مدینہ طیبہ کے تمدن میں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کا بڑا دخل رہا ہے اور جوں جوں فتوحات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، مدینہ طیبہ کی آبادی بڑھتی گئی اور شہر نبی پھلتا پھولتا گیا مگر نو واردین چونکہ مختلف پس منظر رکھتے تھے (ان کی معاشی اور معاشرتی حالت الگ الگ تھی) اس لیے ہر قسم کے مکانات ایک ساتھ دیکھنے کو ملتے تھے۔ اگر ایک مقام پر کوئی اطم یا محل نما گھر ہوتا تھا تو ہمسائے میں کچی مٹی سے بنے ہوئے گھروندے کو بھی اسی عزت و وقار کی نظر سے دیکھا جاتا تھا کیونکہ اسلامی معاشرے میں مکان کی

بجائے مکین کی عزت کو اولیٰ درجہ حاصل تھا حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے محل پر گنبد ہوا کرتے تھے (دار قرآن) اور اسی طرح سیدنا عثمان ابن عفانؓ کا محل جو کہ "زوراء" تعمیر کیا گیا تھا شان و شکوہ میں اپنی مثال آپ تھا ان محلات کے سایوں میں جھونپڑیاں بھی تھیں اور ٹاٹ کے خیمے بھی تھے، مثلاً فساطیط (وہ خیمے جو مسجد الغمامہ اور مسجد نبوی کے درمیان والے علاقے میں نصب ہوا کرتے تھے)

قلعہ قباء کی ایک تصویر

ہجرت نبوی کے بعد دو دہائیوں میں مدینہ طیبہ کے تقریباً تمام قریے اتنے بڑھ گئے تھے کہ سب ایک دوسرے سے متصل ہو گئے تھے اور ان میں قبیلوں کی تفریق مٹ گئی تھی بڑھتے بڑھتے وسطی مدینہ طیبہ کی آبادی جبل سلع تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت ہے [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مدینہ میں گھروں کی تعمیر جبل سلع تک پہنچ جائے تو تم بلاد الشام چلے جانا۔ اسی لیے میں اب شام جا رہا ہوں۔] (۴۸) حضرت ابوذرؓ پہلے شام چلے گئے تھے اور پھر بعد میں وہ سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور خلافت میں ربذہ جو مدینہ طیبہ سے تقریباً ۲۲۵ کیلو میٹر دور واقع ہے کوچ کر گئے تھے مندرجہ بالا حدیث شریف کے بین السطور مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب وہ شام روانہ ہوئے تو اس وقت مدینہ طیبہ جبل سلع تک پھیل چکا تھا

نت نئے واردین وزائرین کے مدینہ طیبہ میں قیام سے مدینہ طیبہ کی آبادی کافی گنجان ہو گئی تھی اور خلافت راشدہ کے آخری ایام میں جب دولت کی ریل پیل ہوئی تو بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ کے مرکزی علاقے سے دور کھلے علاقوں (خاص طور پر وادی العقیق) میں گھر بنانے شروع کر دیئے تھے اور اس طرح وہ علاقہ مدینہ طیبہ کا متمول ترین رہائشی علاقہ تصور ہوتا تھا۔ بعد کے دور میں تو وہاں محلات اور قصور کی بھرمار ہو گئی جنوب مغربی علاقے کو عنبسہ کہا جاتا تھا (کیونکہ وہاں عنبسہ نامی بہت سے افراد کے محلات تھے) جب کہ تمام مغربی علاقہ عروہ اور قصر عروہ کے ناموں سے جانا جاتا تھا جب العقیق اپنے عروج پر تھا تو وہاں کی آبادی ۴۰،۰۰۰ نفوس تک پہنچ گئی تھی اس سے مدینہ طیبہ کے وسطی علاقے پر آبادی کا بوجھ ذرا کم ہو گیا تھا۔

آبادی میں اضافے کا یہ رجحان بنو امیہ دور میں جاری رہا تا آنکہ عباسیوں کی خون آشام تلواروں نے ان کے خاندان کو نیست و نابود کر دیا جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے عباسی دور میں امن و امان کی صورت حال ایسی بگڑی کہ العقیق ویران ہو گیا اور لوگوں نے دوبارہ مدینہ طیبہ کے مرکزی علاقے کی طرف رجوع کر لیا جس کو بعد میں فصیل سے محفوظ کرنا پڑا۔ (۴۹)

احواش (مدینہ طیبہ کی حویلیاں–Housing Compounds)

جب اندرون شہر آبادی مکانات کے تناسب سے بہت زیادہ ہو گئی تو چار و ناچار لوگ فصیل شہر سے باہر آباد ہونے پر مجبور ہو گئے غرباء تو جھونپڑیاں یا کچے مکانات بنا کر رہ لیتے تھے مگر صاحب ثروت لوگوں میں بڑی بڑی حویلیاں بنانے کا رواج چل پڑا تھا یہ بڑی حویلیاں در اصل چھوٹی چھوٹی بستیاں ہی تھیں جن کے گرد چاروں طرف بلند دیواریں بنائی جاتی تھیں تاکہ حملہ آور یا ڈاکو اندر نہ گھس سکیں اندرون شہر تو

مسجد نبوی شریف سے متصل محلہ مجیدی

فصیل کی موجودگی میں امن و امان کی صورت حال تسلی بخش تھی مگر فصیل کے باہر بسنے والے لوگوں کے لیے اپنی رہائشوں کو محفوظ بنانے کا کوئی اور طریقہ نہیں تھا لہذا ان کے گرد بلند اور مضبوط دیواریں کھڑی کر کے آبادیوں کو محفوظ کرنے کا رواج ترکی دور حکومت میں عام ہو گیا۔ ایسی حویلیوں کو حوش کہا جاتا (جس کی جمع احواش ہے) اس طرح اگر دیکھا جائے تو مدینہ طیبہ کی عمرانی حیات دو مختلف زاویے ہائے نگاہ پیش کرتی تھی۔ اندرون شہر تو ہر معیار سے مدینہ طیبہ ایک مکمل شہر ہوا کرتا تھا مگر فصیل سے باہر مختلف احواش ایک گاؤں جیسا منظر پیش کرتے تھے مگر یہ حالات کی ستم ظریفی سمجھیے یا وقت کی ضرورت، بعد میں یہی احواش مدینہ طیبہ کی عمرانی زندگی کا طرہ امتیاز بن گئے تھے۔ ایسے احواش زیادہ تر فصیل شہر سے باہر المناخہ کے میدان یا پھر اس سے بھی آگے جنوب مغربی علاقے میں بنائے گئے تھے۔ ایک حوش مکمل شہر کی تصویر ہوا کرتا تھا جس کے گرد دیواریں ہوتیں اور آمد و رفت صرف ایک یا دو دروازوں سے ہوتی جو کثر و بیشتر مسلح گارڈ کی نگرانی میں رہتے تھے اس کے اندر ہی دکانیں بنتیں اور عام ضرورت کا سامان ایک حوش میں ہی مل جاتا ایک حوش کئی کئی مکانات پر مشتمل ہوتا تھا؛ بعض احواش میں تو ۲۰۰ گھروں تک کی گنجائش ہوا کرتی تھی۔ مثلاً حوش الراعی جو تکیہ مصریہ کے پاس ہوا کرتا تھا، یا حوش امیرہ جو ۱۵۰ مکانات پر مشتمل تھا، یا حوش قلوافر جس میں ساٹھ سے زیادہ مکانات تھے (۵۰) دیگر احواش عموماً پچاس سے ساٹھ مکانوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ زیادہ تر احواش میں ایک منزلہ مکانات ہوتے مگر کچھ ایسے بھی احواش تھے جن میں دو منزلہ یا اس سے بھی زیادہ منزلی مکانات ہوتے تھے۔ مکانوں کے درمیان ۶ سے ۸ میٹر چوڑی سڑکیں ہوا کرتی تھیں جب سے مدینہ طیبہ جدید عمرانیت کی راہ پر گامزن ہوا ہے ایسے احواش ایک ایک کر کے منہدم ہوتے گئے اور ان کی جگہ دوسری عمارات تعمیر ہوتی رہیں اب سوائے ان کے ناموں کے تاریخ مدینہ طیبہ میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ چند احواش جو کبھی بہت مشہور ہوا کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں حوش السید، حوش کرات باش، حوش القائد، حوش ابو شرشاہ، حوش مناع، حوش مغاربہ اور حوش بودیرج وغیرہ

اگرچہ مورخین اور علماء نے تاریخ مدینہ پر بے شمار کتابیں تحریر کی ہیں اور ان کے تاریخی اور اسلامی پس منظر اور متبرک مقامات پر دل کھول کر تفاصیل مہیا کی ہیں۔ مگر ہمارے لیے حیرت کا مقام یہ ہے کہ کسی نامور مورخ نے بھی مدینہ طیبہ کے عمرانی ارتقاء پر قلم نہیں اٹھایا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں اس شہر رسول ﷺ کے متعلق شہری ترقی اور عمرانی ارتقاء پر بہت کم مواد ملتا ہے۔ البتہ چند زائرین کرام نے جو پچھلی چند صدیوں میں مدینہ طیبہ آئے اپنے اپنے سفر ناموں میں تھوڑی بہت نقشہ کشی ضرور کی ہے جن میں زیادہ تر مغربی (مراکش یا الجزائر وغیرہ) یا ترک سیاحین شامل ہیں۔ ایسے ہی ایک زائر مشہور ترک سیاح تھے جن کو اولیاء چلبی (ولادت ۱۰۲۰ ہجری) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے مدینہ طیبہ کے ان پوشیدہ گوشوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور ڈھیر ساری معلومات فراہم کی ہیں۔ گیارھویں صدی میں ان کے سفر مدینہ طیبہ کے وقت وہاں موجود دینی اداروں کے متعلق وہ لکھتے ہیں: باب الرحمہ کے باہر مدرسہ سیف الدین سلطان ہے جو ۸۷۲ ہجری میں سلطان سیف الدین خوبان اور اس کی ملکہ نے بنوایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان قیطبائی کا مدرسہ ہے باب جبریل کے باہر سوقوی محمد پاشا کا

قدیم مدرسۃ الرستمیہ کی یک تصویر

بنایا ہوا مدرسہ ہے جو سلطان محمد لقانونی کا مشیر خاص تھا۔ اسی طرح باب سلام کے قریب ایک بہت بڑا وقف ہے جسے سلطان محمد سوم نے بنایا تھا۔ مدینہ طیبہ میں کل مدارس کی تعداد ۱۱۸ ہے۔ (۵)

دوسری چیزوں کے علاوہ وہ تحریر کرتے ہیں کہ اندرون شہر چند حمام اور کارواں سرائے بھی تھیں اور وہاں (کچی) سڑکیں بڑی صاف ستھری اور سفید رنگ کی تھیں شام کے وقت ان پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جاتا تھا جس سے گرد بیٹھ جاتی اور ان میں تھوڑی سی خنکی بھی آ جایا کرتی اس شہر مقدس میں بیس کتاب (ایسے مدرسے جہاں بچوں اور نوجوانوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کو بعد کے مورخین نے کتاتیب کے نام سے لکھا ہے) تھے اس کے علاوہ سات دار القرأۃ تھے جہاں قرآن کریم پڑھایا جاتا تھا اور سات دار الحدیث تھے جہاں حدیث شریف کا درس دیا جاتا تھا ستر کے قریب سرائیں تھیں جہاں غرباء کو مفت رہائش اور خوراک مہیا کی جاتی تھی۔ ان سب سراؤں کے چلانے کی لیے مختلف اوقاف بنائے گئے تھے عین الزرقاء سے نکال کر تین بڑی بڑی سبیلیں شہر کے مختلف حصوں میں بنادی گئی تھیں جن سے لوگ دریا سے پانی استعمال کیا کرتے تھے۔ ان سبیلوں میں پانی تک پہنچنے کے لیے سیڑھیوں سے اتر کر نیچے جانا پڑتا تھا یہ سبیلیں بھی سلطان سلیمان نے تعمیر کروائی تھیں ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی سبیلیں تھیں جو مختلف مقامات پر ہوا کرتی تھیں۔ ان تمام مدارس اور کتاتیب کا خرچہ ترکی حکومت کی گرانٹ (جس کو صرہ کہا جاتا تھا) سے پورا کیا جاتا تھا ترک سلاطین نقد اور اجناس و اشیاء کی صورت میں ہر سال 'صرہ' مدینہ طیبہ رسال کرتے تھے اس کے علاوہ بہت سارے لنگر خانے بھی تھے جن کو مخیر حضرات چلایا کرتے تھے جہاں مساکین اور مسافروں کو دو وقت کا کھانا دیا جاتا تھا۔ (۵۳)

جہاں تک مکانات کی تعداد کا تعلق ہے وہ یہ لکھتے ہیں کہ اندرون شہر تقریباً ۲۰۰۰ مکانات تھے سرائیں، مدرسے، مساجد، تکیے، دار الحدیث اور دار القرآن ان کے علاوہ تھے شامی قلعے کے اندر ۸۰ توپیں تھیں، محافظ دستے اور پولیس کے سپاہی اور فوج کی کچھ نفری ہوا کرتی تھی جن میں بینڈ بجانے والی ایک پلٹن بھی ہوا کرتی تھی جو سرکاری مناسبات پر دھنیں بجایا کرتی تھی۔

مدینہ طیبہ میں برصغیر ہندوستان کے بہت سے والیان ریاست نے دل کھول کر مدینہ طیبہ میں رفاہی کاموں میں شرکت کی تھی بہت سوں نے مدرسے بھی بنوائے اور بعض نے تو وہاں باقاعدہ رباطیں تعمیر کروادی تھیں، مثلاً رباط بھوپال، رباط حیدرآباد اور رباط بہاولپور وغیرہ ان سب کا ذکر رباطوں کے باب میں تفصیل سے کیا جائے گا

حارۃ الاغوات میں واقع ایک قدیم عمارت جس کو طیرمہ کہا جاتا تھا کبھی یہ مدینہ منورہ کی سب سے اونچی عمارت تصور ہوتی تھی
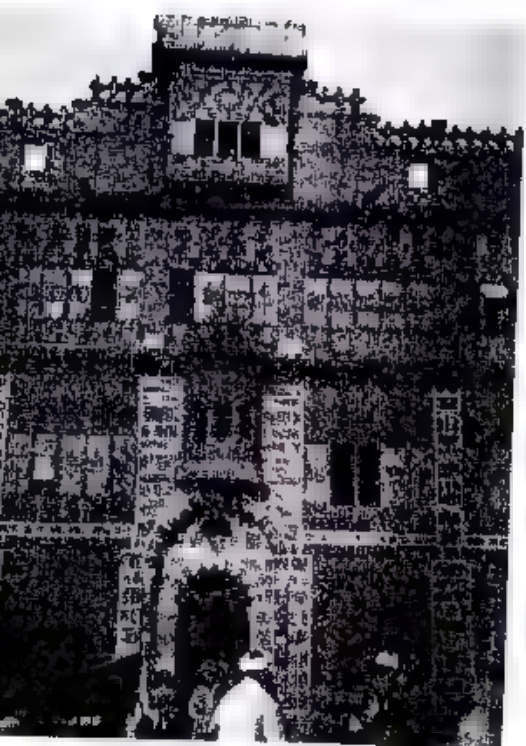
اس کے برعکس انیسویں صدی میں برطانوی اور یورپی حکومتوں نے ارض مقدس پر اپنے جاسوسوں کا جال بچھا دیا اور وقتاً فوقتاً مختلف قوموں سے تعلق رکھنے والے جاسوس جعلی اسلامی ناموں کے تحت حرمین الشریفین کے علاقوں میں دراندازی کرتے رہے ان کا مقصد امت مسلمہ اور خاص طور پر ترکی سلطنت کے خلاف جاسوسی مواد اکٹھا کرنا تھا تاکہ مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت کا خاتمہ کیا جائے اور اس طرح ان دونوں مقدس شہروں کے متعلق معلومات اور شماریات جمع کرکے وہ اپنی حکومتوں کو ارسال کردیتے تھے جس میں ارض مقدس کی ارضیاتی رپورٹیں، معاشی اور معاشرتی حالات اور مختلف قبائل کے سیاسی تعصبات اور وفاداریوں پر معلومات ہوا کرتی تھیں (۵۳)۔ وقت گزرنے کے بعد وہ رپورٹیں خفیہ نہ رہیں اور بہت ساری رپورٹیں تو ان جاسوسوں کے ورثاء نے شائع کردیں تاکہ مال کمایا جاسکے اور باقی ماندہ ان حکومتوں نے افشاء (Declassify) کردیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان جاسوسوں نے امت مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا، مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ معلومات جو انہوں نے اکٹھی کی تھیں ان کے افشاء سے حرمین الشریفین کی تاریخ کے بہت سے چھپے گوشے ہم پر ظاہر ہوگئے ہیں، لہذا اس مرحلے پر ہمارے لیے ان کی تاریخی، ور علمی حیثیت خاصی نفع بخش ہے۔ چونکہ وہ جاسوس پوری طرح اپنے اپنے کاموں میں ماہر تھے انہوں نے اپنا کام پوری تندہی سے کیا اور اپنی رپورٹوں کے ساتھ اثبات اور شہادت کے طور پر بعض ضروری نقشہ جات اور خاکے بھی بنائے تھے جن سے تاریخ مدینہ کے بعض گوشے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اس باب کے شروع میں دیا گیا خاکہ رچرڈ برٹن کی کتاب سے مستعار ہے جو ارض مقدس کی نقشہ کشی کی تاریخ میں سب سے پہلا خاکہ ہے جو ۱۸۵۲ء سے پہلے کا ہے۔ اسی طرح اگرچہ انکی تحریروں سے معاندت اور اسلام دشمنی صاف ظاہر ہو جاتی ہے مگر ان کی آراء اور حاشیہ آرائی سے ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مدینہ طیبہ ۱۸۵۰ء میں کیسا لگتا ہوگا۔ اس کے کہنے کے مطابق اندرون شہر مدینہ طیبہ میں مکانات کی تعداد ۶۰۰ سے زیادہ نہ تھی۔ مدینہ طیبہ کی ٹاؤن پلاننگ اور عمرانیاتی شکل کے بارے میں وہ رقمطراز ہے

بیسویں صدی کے شروع میں مدینہ طیبہ میں صرف یک بڑا ہوٹل ہو کرتا تھا جو سید عبداللہ المدنی کی ملکیت تھا (مرآۃ لحرمین)

اندرون شہر (فصیل کے اندر) سڑکیں بالکل ایسی ہی ہیں جو ایسی سخت زمینوں پر ہوا کرتی ہیں، گہری، تنگ اور چند جگہوں سے پکی بھی ہیں،... اور عموماً مٹی کی ہیں جن پر پانی چھڑک کر ان کو پختہ سا بنا دیا گیا ہے ہر سڑک کا رخ مسجد (نبوی) کی طرف ہے عوام کے لیے معدودے چند عمارات ہیں پبلک ایجنسیاں۔ کاروان سرائے۔ (وکالہ) صرف چار ہیں جن میں سے یک باب السلام، یعنی حرم کے پاس ہے جبکہ دوسرا وکالہ جبراتی ہے، ور و مصری دروازے کے اندر واقع ہے۔ تمام کی تمام عربوں کی ملکیت ہیں یہ کاروان سرائے عموماً سٹور کے طور پر استعمال ہوتی ہیں اور جیسے کہ قاہرہ میں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ان کو رہائش کیلیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ مسافرین کو مجبوراً کرائے کے مکانوں میں ٹھہرنا پڑتا ہے جو کافی مہنگے ہیں یا پھر انہیں غیر صحت مند اور نہائی نامساعد حالات میں شہر کے باہر خیمے گاڑنے پڑتے ہیں پبلک عمارتیں بہت کم ہیں، چند قہوہ خانے ہیں، اور ایک چھ حمام زروان کے علاقے میں ہے۔ مشرقی نقطہ نظر سے مکانات اچھی طرز کے ہیں جن پر سیدھی چھتیں ہیں اور اکثر دو منزلہ مکان ہیں عمارتیں زیادہ تر حرہ کے سیاہ پتھروں کے بلاکوں اور مواد اور پکی ہوئی اینٹوں سے بنائے جاتے ہیں اور ان پر کھجور کے تنوں کی چھتیں ڈالی گئی ہیں چند اچھی عمارتوں میں کھلے صحن بھی ہیں اور چھوٹے باغیچے بھی ہیں جن کی آبیاری کے لیے مناسب پانی کا بندوبست کیا گیا ہے اور ان کی ہریالی دیکھنے والوں کے دلوں کو موہ لیتی ہے۔] (۵۴)

برٹن کے علاوہ دوسری، اہم یادداشتیں ایک اور عیسائی جاسوس جون برکہارٹ (John Ludvig Burkhardt) کی ہیں جو سوئٹزرلینڈ کا

باشندہ تھا جو جاسوسی کی غرض سے مدینہ طیبہ آیا تھا، چونکہ ایسے تمام جاسوس مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے مسلم نام رکھ لیتے تھے بہت سے مسلم علماء بھی ان کے جھانسے میں آجاتے تھے اور ان کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔(۵۵)

ان کفار کے نمائندوں کے علاوہ مسلم دنیا میں صرف ایک ہی ایسا نام ملتا ہے جس نے مارچ ۱۸۸۶ء میں مدینہ طیبہ کے مختلف مقامات کا تفصیلی خاکہ دیا ہے، وہ ہیں علی بن موسیٰ آفندی جن کی کاوشوں سے ہمیں اس وقت کے مدینہ طیبہ کے چند اہم گوشوں سے جانکاری ہوتی ہے ان کی مہیا کی گئی تفصیل سے جو سعودی محقق حمد الجاسر نے رسائل فی التاریخ المدینہ کے ضمن میں شائع کی ہیں ہمیں بہت سی معلومات مل جاتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ طیبہ انیسویں صدی کے اواخر میں ایک چھوٹا سا شہر تھا، جس میں اور چیزوں کے علاوہ یہ سب کچھ بھی تھا

دینی عمارتیں	
مساجد (مسجد نبوی شریف کے علاوہ)	۳۳
رباط (وقف عمارتیں)	۸
زاویے (خانقاہیں)(۵۶)	۱۴
پبلک عمارتیں	
بازار	۱۱
مدرسے	۳۰
پبلک حمام	۲
تکیے (غرباء اور مساکین کی مفت رہائش گاہیں)	۲
لائبریریاں	۷
ہسپتال (عام لوگوں کے لیے)	۱
ہسپتال (فوجیوں کے لیے)	۱

علی بن موسیٰ آفندی کے مطابق لکھاتے پیتے لوگوں کے پکے تعمیر کیے ہوئے گھروں کی تعداد ۲۲ تھی تاہم اس نے تمام عامیانہ گھروں کی تعداد نہیں لکھی۔ مدینہ طیبہ میں اندرون شہر کل ۴۲ گلیاں ہوا کرتی تھیں اور تین بڑی سڑکیں اور ۱۲ چھوٹی سڑکیں تھیں۔ مدینہ طیبہ کی کل آبادیاں (حارے) آٹھ ہوا کرتے تھے اور عامۃ الناس کے لیے ۵۵ باغ اور باغیچے ہوا کرتے تھے عسکری عمارت میں سے صرف ایک ہی مشہور عمارت ہوا کرتی تھی جس کا نام قلعہ شامیہ تھا جو فصیل مدینہ کے شمال مغربی کنارے پر واقع تھا (۵۷) فوجیوں کی بارکیں عنبریہ کے علاقے میں تھیں اس علاقے کو کتیبہ (فوجی بارکیں) کہا جاتا تھا اب تو یہ تمام علاقہ صاف کر دیا گیا ہے مگر مسجد کتیبہ (آج کل یہ مسجد پل کے ساتھ مسجد ذوالنورین کے مقابل واقع ہے) ابھی بھی ان فوجی بیرکوں کی یاد تازہ کرتی ہے جو کبھی وہاں ہوا کرتی تھیں یہاں ترکیوں کی نظامی رجمنٹ کے فرد رہا کرتے تھے اس کے علاوہ آفندی نے اور بھی معلومات مہیا کی ہیں مثلاً یہ کہ مدینہ طیبہ میں کتنے نخلستان تھے اور ان میں سے ہر ایک میں کتنے کتنے کھجور وغیرہ کے درخت ہوا کرتے تھے۔(۵۸) جنرل ابراہیم رفعت پاشا نے مرآۃ الحرمین شریفین کے نام سے اپنا سفرنامہ لکھا

ایک قدیم عمارت جس پر لکڑی کا کام بہت خوبصورت انداز سے کیا گیا تھا لکڑی کے ان روشن دانوں کو اہل مدینہ روشن کہہ کر پکارتے تھے

ایک قدیم بازار جو اب نایاب ہے

ہے۔ وہ ۱۹۰۲ء سے تین مرتبہ امیر الحج کی حیثیت سے مصری کاروان حج کی قیادت کر چکے تھے انہوں نے بھی کافی مواد فراہم کیا ہے جو بیسویں صدی کی ابتداء سے متعلق ہے ان کی تحریروں کے مطابق مدینہ طیبہ کے مکانات عموماً پتھر کے بلاکوں سے بنے تھے، عام مکانات دو منزلہ تھے اور چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل ہوا کرتے تھے بالائی منزل عموماً رہائش کے لیے مستعمل ہوتی تھی جب کہ نچلی منزل میں سٹور اور دکانیں ہوا کرتی تھیں صاحب ثروت لوگوں کے گھر کافی کھلے ہوتے اور کافی دیدہ زیب ہوا کرتے تھے کھڑکیاں اور روشن دان مکانوں کو کافی ہوادار بناتے تھے لکڑی کے کام پر کافی نقش و نگار کیا جاتا تھا گھر کے دروازے عموماً گلیوں اور سڑکوں کی سطح سے کافی اونچے رکھے جاتے تھے۔(۵۹)

ان کی مہیا کی ہوئی معلومات کے مطابق ۱۳۰۹ ہجری میں (۱۸۸۸ء) میں مدینہ طیبہ میں ۷ مساجد اور ۸ لائبریریاں (کتب خانہ جات) اور ۷ سکول (مدرس) تھے ان مدارس کے علاوہ ۲۰ ابتدائی تعلیم کے مراکز بھی تھے جن میں مدنی بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ۸ عدد تکیے (غریب خانے) ہوا کرتے تھے جن میں سب سے بڑا تکیہ مصریہ تھا اور پانی پینے کی ۷ اسبیلیں اور ایک ہسپتال بھی تھا شہر میں ۱۰۸ باغیں بھی تھیں جہاں مسافر اور غرباء کے قیام و طعام کا بندوبست تھا رفعت پاشا کے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت مدینہ طیبہ میں کل ۴۰۰۰ مکانات تھے، ۸ بیکریاں اور ۳۶ قہوہ خانے تھے اور چھوٹے بڑے باغیچے ملا کر ان کی کل تعداد ۲۸۵ ہوا کرتی تھی اس وقت صرف ایک ہی ہوٹل ہوا کرتا تھا جو عبد اللہ المدنی کی ملکیت تھا جہاں موسم حج اور زیارت میں مسافرین کا تانتا بندھا رہتا تھا۔(۶۰) لکڑی کی بنی ہوئی بالکونیاں اور روشن دان (روشن دان کی جمع جو مدینہ طیبہ میں عام سمجھا اور بولا جاتا تھا) نہایت خوبصورت نقش و نگار کی حامل ہوا کرتی تھیں جس نے مدینہ طیبہ کی روحانی فضاء میں عمارتی خوبصورتی کا عنصر بھی شامل کر دیا تھا۔ مکانوں کی چھتیں عموماً لکڑی کی بنی ہوتیں جن پر بھی نقش و نگار کندہ ہوا کرتے تھے

عرب بیورو کے شروع میں مذکورہ کتابچے نے مدینہ طیبہ کا یہ نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے

شہر کے مکانات گرینائٹ اور دوسری چٹانوں کے بنے بلاکوں سے بنائے گئے ہیں جن کے اوپر چونے کا پلستر کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض تو چار یا پانچ منزلہ بھی ہیں اور ان میں باغیچے بھی موجود ہیں گلیاں ذرا تنگ اور

مسجد نبوی شریف کے بابِ ملک فہد کے سامنے حل احد کو جانے والی سڑک (عربی ملک فہد حتمہ ۲۰۰۰ء)

اندھیری ہیں لیکن بہت پرسکون اور ٹھنڈی ہیں اور ان کے کچھ حصے پکے بنا دئے گئے ہیں
شہر کی دفاعی استعداد کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ
(فصیل کے) مشرقی اور مغربی دروازوں میں دوہرے برج بنائے گئے ہیں فوجی چھاونی باب قباء سے شہر کے باہر کی طرف واقع ہے، جبکہ ریلوے سٹیشن شہر کی مغربی جانب ایک چوتھائی میل پر واقع ہے، وراس کی عمارتیں بندوقوں کی گولیوں کا آسانی سے مقابلہ کر سکتی ہیں یعنی (Bullet-proof) ہیں۔ (۶۱)

چونکہ مدینہ طیبہ کا نقشہ جو اس کتاب نے کھینچا ہے وہ خاصہ دلچسپ ہے، ہم قارئین کو اس کے کچھ مزید اقتباسات پیش کرنا چاہیں گے۔
حاجی حضرات جو خود ریل کے ذریعے یا براستہ ینبع آئیں وہ مغربی دروازے سے آتے ہیں اور ان کو برلمناخہ کا کافی بڑا میدانی علاقہ عبور کر کے شہر میں داخل ہونا پڑتا ہے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، برلمناخہ میں حجاج کرام کا پہلا پڑاؤ لگتا ہے اور ایسے حجاج کرام جو کرائے کے مکان لینے کی توفیق نہیں رکھتے وہ اپنے خیمے وہیں نصب کر دیتے ہیں پرانے شہر میں داخلہ باب مصری سے برلمناخہ سے ہو کر گزرتا ہے جہاں سے ایک بڑی سڑک حرم نبوی کی طرف مڑ جاتی ہے جس میں داخلہ باب السلام سے ہوتا ہے جو کہ مسجد کے جنوب مغربی کونے میں واقع ہے اس صدر دروازے کو بہت ہی خوبصورت سنگ مرمر، ناموں اور سنہری کتابت سے سجایا گیا ہے اور مسجد اپنے بلند و بالا میناروں اور ایک عالی شان سبز گنبد اور بہت سے چھوٹے چھوٹے گنبدوں اور ایک وسیع صحن کے ساتھ ہر طرف تنگ گلیوں اور مکانات میں گھری ہوئی ہے (۶۲)

مدینہ طیبہ کے بہت سے پرانے مکان بہت ہی چھوٹی چھوٹی پکی اینٹوں سے بھی بنے ہوئے تھے چونکہ اس شہر مقدس نے صدیوں پر محیط ایک طویل عرصے میں بہت سے حکمران اور ادوار دیکھے ہیں جنہوں نے بحیثیت مجموعی درمے، درمے اور قدمے ہر طرح سے اس شہر حبیب کی تزئین و آرائش میں نام پیدا کرنے کی سعی کی ہے اس لیے تعمیراتی نقطہ نظر سے مدینہ طیبہ میں ہر دور میں رائج الوقت ذوق اور وسائل کے مطابق شاہکار عمارتیں معرض وجود میں آتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ چونکہ زائرین اور حجاج دنیا کے ہر کونے سے یہاں حاضر ہوتے تھے جن میں ہر قسم کے پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد بھی شامل ہوتے تھے اس لیے اس شہر مقدس کو کبھی پیشہ ور اور ماہر کاریگروں کی کمی نہیں پڑی، وہ انجینئر اور ماہرین جن کو مسجد نبوی شریف پر کام پر لگایا جاتا تھا وہ اکثر و بیشتر یہیں کے ہو کر رہ جاتے تھے اور مدینہ طیبہ کو ہی اپنا مسکن دائمی بنا لیتے تھے۔ اس طرح مدینہ طیبہ میں دنیا کے ہر کونے سے آئے ہوئے فنی ماہرین نے، اپنے پیارے نبی ﷺ کے محبوب شہر کی تزئین کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور ان میں بین الاسلامی تعمیراتی رجحانات اور ذوق ہمیشہ دیکھنے کو ملتا تھا۔ یہاں پر اگر افریقی طرز تعمیر کے نمونے بھی ملتے تھے تو ساتھ ہی ترکی کے تعمیری شاہکار بھی نظر آیا کرتے تھے برصغیر ہندوستان و ایرانی کاریگر لکڑی کے کام میں ایسا دیدہ زیب کام کر گئے کہ صدیوں تک ان کے شاہکار اپنی نفاست و نقش و نگار میں مشہور رہے لہذا مدینہ حبیبہ میں صرف عربی طرز تعمیر ہی دیکھنے کو نہیں ملتا تھا وہاں نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر ہر قسم کا تعمیراتی فن پارہ موجود ہوا کرتا تھا جو اگر کسی اور ملک اور قوم میں ہوتے تو ان کو تاریخی و قومی ورثہ سمجھ کر محفوظ کر لیا جاتا ایسی ہی ایک عمارت حارۃ الاغوات میں رباط یاقوت المارد ینی تھی جسے ۷۰۶ ہجری میں تعمیر کیا گیا تھا۔ موجودہ صدی میں مدینہ منورہ میں یہ قدیم ترین عمارت ہوا کرتی تھی مگر مسجد نبوی کے توسیعی منصوبے کی نظر ہو گئی گو کہ جس جگہ وہ واقع تھی وہ جگہ آج بھی مسجد کے احاطے سے باہر خالی پڑی ہے، صالح سمعی مصطفیٰ کے بقول آج بھی مدینہ طیبہ میں سب سے قدیم اور قیمتی ورثے کی شکل میں جبل سلع کے دامن میں مسجد حضرت سلمان فارسیؓ موجود ہے جو ۷۰۵ ہجری میں تعمیر کی گئی تھی۔ (۶۳) لیکن اگر بروقت اقدام نہ کئے گئے تو وہ آثار قدیمہ اور تاریخی عمارت جو اپنی عمر کی آٹھ سو بہاریں دیکھ چکی ہے جلد ہی خزاں کی نذر ہو جائے گی۔ عمارت پہلے ہی بوسیدہ حالت میں ہے اور اس کے معدوم ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہیں اور اپنی دیگر ساتھی عمارتوں کے نقش قدم پر چلتے یہ قدیم ترین عمارت بھی کسی مسلم سربراہ حکومت یا مذہبی رہنماء کے احتجاج

قدیم مدینہ طیبہ کی گلیوں میں سے حارۃ الاغوات کی وہ گلی جس کو پاکستانی حجاج حنت کی گلی کہا کرتے تھے کیونکہ یہ مسجد نبوی کے باب جبریل سے شروع ہو کر بقیع الغرقد تک جایا کرتی تھی

سے پہلے ہی ملک عدم کو سدھار جائے گی۔ اس کی چند تصاویر ہم نے اسی کتاب کے باب "مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد" کے زمرے میں دی ہیں۔
مندرجہ بالا صفحات میں مدینہ طیبہ کی قدیم عمرانیات پر ہم نے ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ اگر ان اعداد و شمار کو مدینہ طیبہ کی دور حاضر کی وسعت سے موازنہ کریں گے تو یہ ایک سعی، حاصل ہوگی آج کا دیار حبیب آج سے تیس سال پہلے کے مدینہ طیبہ سے کئی گنا وسیع و عریض ہے۔ آبادی کے لحاظ سے بھی اس میں معتد بہ اضافہ ہوا ہے۔ آج کے مدینہ طیبہ کا کل رقبہ تقریباً ۶۰۰ مربع کیلومیٹر سے بھی تجاوز کر گیا ہے۔ مشرق میں اس کی حدود سد العقول سے بھی پر مدینہ ائرپورٹ تک جا چکی ہیں، مغرب میں الجرف اور العقیق تک کا علاقہ زیر آبادکاری آ چکا ہے اور شمال میں آبادی جبل احد کے اس پار، دور تک چلی گئی ہے جبل احد کے پار شمالی علاقہ صنعتی اور تجارتی منطقہ بن گیا ہے جہاں نہ صرف بڑے بڑے تجارتی مراکز ہیں بلکہ بڑی بڑی تجارتی نمائشیں بھی وہیں منعقد ہوتی ہیں، وہیں پر ایک جدید طرز کا مذبحہ اور مال مویشیوں کی منڈیاں بھی ہیں۔ اسی طرح جبل احد اور دیگر تمام چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کے درمیان آبادیاں اور باغیچے موجود ہیں چوڑی دو رویہ جرنیلی سڑکیں، بلند و بالا تجارتی مراکز اور پارکوں سے مزین اس علاقے کو مزید حسین بنا دیا گیا ہے۔ الغابہ کا قدیم جنگل اب ناپید ہو چکا ہے اور اس کی زمین جس کو

تاریخ مدینہ میں دلدلی اور شوریلی زمین کہا گیا ہے اب سونا اگلنے والی زمین بن چکا ہے انکلیں کی خوبصورت آبادی (جو بڑے بڑے بنگلوں پر مشتمل ہے) کے علاوہ مدینہ طیبہ کے خوبصورت پارک اور باغات اور زرعی فارم اسی قدیم الف بد کی جگہ دیکھنے کو ملتے ہیں

آج کا مدینہ طیبہ جدید طرز تعمیر اور وافر ثروت و دولت کا آئینہ دار ہے، قدیمیت میں سے صرف مدینہ طیبہ کا اسلامی اور روحانی پس منظر ہے جس کے نگینے میں جڑے ہر طرف بڑے بڑے بنگلے کوٹھیاں اور فائیو سٹار ہوٹل اور کثیر منزلی تجارتی پلازے نظر آتے ہیں عالیشان عمارتیں اور حکومتی دفاتر جن میں ماڈرن دنیا کی ہر سہولت موجود ہے ان زائرین کو بھی شرمندہ کر دیتی ہیں جو یورپ اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ علاقوں سے آتے ہیں بہت سے ایسے زائرین اس کی عمارات اور جدید طرز تعمیر پر انگشت بدنداں نظر آتے ہیں اس میں شک نہیں کہ مدینہ طیبہ سعودی عرب کے باقیماندہ شہروں میں ایک عظیم الشان تعمیراتی تجربہ نظر آتا ہے جو ہر لحاظ سے تئے الفیے کی ابتداء میں عصر جدید میں ایک منفرد مقام حاصل کرے گا۔ پچھلے تیس چالیس سالوں میں مدینہ طیبہ نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اور کسی منصوبے کا آخری باب بھی ختم نہیں ہو پاتا کہ دوسرے منصوبے کی تنفیذ کا مرحلہ آ پہنچتا ہے آج کل ایک بہت بڑے منصوبے پر کام ہو رہا ہے جس کو وسط مدینہ کی ترقی یعنی (Development of the Centre of Medina) کا نام دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں مسجد نبوی کی مشرقی جانب پہلی سرکلر روڈ (طریق دائری۔ شارع فیصل یا شارع ستین) کے اندر اندر تمام پرانی آبادیوں کو خرید کر مسمار کیا جا رہا ہے اس علاقے کو ترقی دینے کے بعد اس کا نام جو نیو ڈسٹرکٹ ہو جائے گا مغربی جانب کی طرح یہ علاقہ بھی پرآسائش تجارتی پلازوں اور فائیو سٹار ہوٹلوں کا مرکز ہوگا۔ عالمی شہرت کے تقریباً تمام ہوٹلز مدینہ طیبہ میں پہلے ہی وارد ہو چکے ہیں، بلکہ بعض کی تو کئی کئی برانچیں اور عمارتیں ہیں ہلٹن، انٹرکونٹی نینٹل، وبرے، شیراٹن، حیات ریجنسی وغیرہ سب ہوٹل وہاں پر موجود ہیں جو اپنے مہمانوں کو تقریباً ہر وہ سہولت مہیا کرتے ہیں جو بین الاقوامی معیار کے مطابق اور مدینہ منورہ کی حدود و قیود میں رہ کر میسر آسکتی ہے بین الاقوامی ہوٹلوں کے علاوہ مقامی تجار بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے طیبہ سنٹر، ایلاف، الانصار اور دیگر تمام بڑے بڑے رہائشی پلازے مسجد نبوی شریف کی چاروں طرف دیکھنے کو ملتے ہیں ترقی کے انعامات کی بارش صرف مسجد نبوی شریف کے گرد و نواح کے علاقوں پر ہی موقوف نہیں بلکہ تمام شہر اس سے بہرہ ور ہوا ہے عصر حاضر کا مدینہ طیبہ اپنے باسیوں کے لیے صرف روحانی مرکز ہی نہیں بلکہ جدید ہسپتال سکول اور کالج، مدینہ یونیورسٹی، وسیع و عریض صنعتی علاقے، چڑیا گھر، عجائب گھر، تفریحی مراکز کھیل کود کے گراؤنڈ اور سٹیڈیم، ٹیلیفون کے دفاتر، انٹرنیٹ کیفے اور وسیع مواصلات کی ہر سہولت (مثلاً بسیں، جی ٹی کا بسوں کا اڈہ اور ایئرپورٹ وغیرہ) کا سامان فراہم کرتا ہے۔

ان تمام تر رعنائیوں کے باوجود ایک خاص چیز جو مدینہ طیبہ کو انتہائی اعلیٰ و ارفع مقام اور تقدس سے ہمکنار کرتی ہے وہ دور حاضر کی ترقی نہیں بلکہ اس کی تاجدار مدینہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اٹوٹ نسبت ہے جسے صرف اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے۔

(والمدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون)

اور ان کے لیے مدینہ بہتر ہے اگر وہ اس کو جانیں

حواشی

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر بیروت، ۱، ص ۲۲۶ نیز صحیح بخاری (انگریزی ترجمہ محسن خان) ج ۳ نمبر ۲۹۳ [آپ کی جائے ہجرت مجھے دکھا دی گئی ہے جو ... میں دیکھی ہے جو شوریلی ہے مگر جس میں کھجور کے درختوں کی بہتات ہے اور جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو وہاں کیونکہ ... جب رسول اللہ ﷺ نے بتایا تو ... کچھ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ ہجرت اختیار کر لی اور بعض جو پہلی ہجرت پر حبشہ گئے تھے وہ بھی مدینہ طیبہ منتقل ہو گئے] ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق جو کافی طویل ہے اور جسے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے روایت کیا ہے اس وقت جب رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ میں قیام پذیر تھے آپ نے مسلمانوں سے فرمایا [عالم رؤیا میں مجھے تمہاری جائے ہجرت دکھا دی گئی ہے جو نخلستانوں پر مشتمل دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو کہ دو سنگلاخ حروں کے علاقے ہیں] صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۴۵ اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے [میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے ایک ایسی سرزمین میں جا رہا ہوں جہاں کھجوروں کے درختوں کی بہتات ہے، پہلے تو میں نے سوچا کہ وہ یمامہ یا ہجر (موجودہ بحرین وغیرہ) کا علاقہ ہوگا مگر یہ مدینہ تھا جس کو یثرب کہا جاتا تھا] صحیح بخاری، ج ۵ نمبر ۳۳۳ اور ج ۹ نمبر ۱۵۹ (قوسین کے درمیان تصرف صرف وضاحت کے لیے ہے) نیز دیکھیے صحیح مسلم (انگریزی ترجمہ عبدالحمید صدیقی) ج ۳ نمبر ۵۶۲۹

(۲) المرعاش الشریف، المشاعر فی العہد السعودی الظاہر، دیکھیے مطبوعات سعودی وزارت اطلاعات ۱۴۲۰ (جو سعودی حکومت کی پہلی صد سالہ برسی پر جاری کی گئی تھی) ص ۱۱

(۳) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۱۰۹، سیدنا عمر فاروقؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [میرے رب کی طرف سے میرے پاس آج ایک فرشتہ آیا اور مجھے اس وادی بابرکت میں نماز پڑھنے کے لیے کہا اور یہ بھی کہا کہ یہیں سے حج اور عمرہ کا احرام باندھا جائے]

(۴) Col David George Hogarth Hejaz Before the World War I - A Handbook 2nd Edition, 1917, p 26 reprinted by falcon-Oleander, NY ISBN 0 902675 74 5.

(۵) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینۃ المنورہ (۱۳۰۳ ہجری۔ ۱۸۸۵ء) ص ۱۹

(۶) Ministry of Municipalities and Rural Affairs, the Depty Ministry of Town Planning, Al-Medina al-Munawwara Action Master Plan, prepared by the Consultant Group "Group of Arab Consultants for Development & Reconstruction undated p. 13 (copy available at al-Haram al-Madani Library).

(۷) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۲۷۷ اور نمبر ۵۰۶

(۸) ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۶۸: [بیشک عجوہ جنت کے پھلوں میں سے ایک پھل ہے] صحیح مسلم نمبر ۲۰۴ (جو اپنے دن کی ابتداء عجوہ کی سات کھجوروں سے کرتا ہے وہ زہر اور سحر کے اثر سے دن بھر محفوظ رہے گا)

(۹) ابراہیم بن احمد حمدی المدنی خربوطلی، الصدحات المدینہ، دیکھیے اس منشورات ادارہ توجیہ زراعی، مدینہ منورہ ۱۹۸۹ صفحات ۲۳-۶۸

(۱۰) انجینئر ادیب عمر الحفظر، تمور طیبہ (مدینے کی کھجوریں) مدینہ منورہ، ۱۹۹۸ء، ص ۳۷

( ) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۲۷۲، ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: [رسول اللہ ﷺ بدر کے لیے روانہ ہوئے، جب آپ حضور ﷺ حرہ وبرہ پہنچے تو ایک آدمی جو اپنی بہادری میں بہت مشہور تھا آپ حضور ﷺ کے پاس آیا ...] اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرہ وبرہ کا نام اسلام سے پہلے کا رائج تھا

(۱۲) عبد القدوس انصاری، آثار مدینۃ المنورہ، چوتھی ایڈیشن، ص ۲۰۶

(۱۳) الموطاء امام مالک، ج ۲ نمبر ۱۶۴۵

(۱۴) ناجی محمد حسن عبد القادر انصاری، عمارۃ و توسعۃ المسجد النبوی الشریف عبر التاریخ ناشر مدینہ منورہ ریسرچ سنٹر، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۶، ص ۲۱

(۱۵) بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آج کا طریق ہجرہ جس راستہ پر بنایا گیا ہے جس سے گزر کر حضور سرورِ کونین ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تھے مگر یہ بات سچائی پہ مبنی نہیں ہے بعض مقامات سے ضرور وہاں سے گزرتا ہو گا مگر حقیقتوں کا بنایا ہوا تجور (طریق سلطانی) جو صدیوں پہلے سے موجود راستوں سے گزرتا تھا وہ اصل طریق ہجرت کے قریب تر تھا

(۱۶) ان تمام مقامات کی تفصیل متعلقہ ابواب میں مہیا کی گئی ہیں

(۱۷) صحیح بخاری، ج ۱ نمبر ۵۲۲

(۱۸) صحیح مسلم، ۱۹۰، نمبر ۳۳۵۰

(۱۹) صحیح بخاری، ج ۴ نمبر ۲۹۳ حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا ان لوگوں کی تعداد لکھو جنہوں نے اپنے مسلم ہونے کا اعلان کیا ہے]لہذا ہم نے جب ان کی گنتی کی تو وہ ایک ہزار اور پانچ سو مرد نکلے

(۲۰) ویسے تخمینے میں یہودی آبادکاروں کی تعداد شامل نہیں کیونکہ وہ تھوڑے ہی عرصہ بعد مدینہ بدر ہو گئے تھے

(۲۱) ابن کثیر (۷۰۱-۷۷۴ ہجری) نے اس کا ذکر الفصول فی سیرۃ الرسول مطبعہ بیروت ۱۹۹۳، ص ۲۱۷ پر کیا ہے

(۲۲) الموطاء امام مالک ابن انسؒ، ج ۲، نمبر ۱۶۴۲ نیز صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۹۹

(۲۳) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی حالت تو یہاں تک ہو گئی تھی کہ خانہ جنگی کے دوران جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت ہو گئی اور امام حسن علیہ السلام نے معاویہؓ کے حق میں علانِ دست برداری کر دیا اور مدینہ طیبہ میں مکمل امن قائم ہو گیا تو اس وقت جب کچھ اصحاب ان کو بیعت کے لیے ان کے ڈیرے پر گئے جو مدینہ طیبہ سے چالیس میل دور تھا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا [میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ اپنے اس بندے سے محبت کرتا ہے جو خالصتاً اللہ کا ہو جاتا ہے اور طمع کو ترک کر دیتا ہے اور لوگوں سے چھپ چھپ کر رہتا ہے] صحیح مسلم، ۴۲۲۰، نمبر ۷۰۷۲

(۲۴) جمال المطری (ت ۷۴۱ ہجری)، التعریف بما انست الہجرہ من معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ مدینۃ المنورہ، ص ۴۳

(۲۵) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری) الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج ۳، ص ۱۵

(۲۶) صالح لمعی مصطفیٰ، Al-Medina Al Munawwara - Urban Development and Architectural Heritage, Beirut. ۱۹۸۱، ص ۳۲

(۲۷) رچرڈ برٹن Personal Narrative of a Pilgrimage to Al-Medinah & Meccah, (A reprint in 1964 of the Memorial Edition originally published by Tylston and Edwards in 1893, Dover Publications, New York, ISBN No. 486-21217 3) Vol. 1

(۲۸) سید مناظر احسن گیلانی، دربار نبوت کی حاضری (جون کی ۱۹۲۷ء کی حاضری کی یادداشتیں ہیں)، فرقان بک ڈپو لکھنؤ، ہند، ۱۹۸۰ء، ص ۹۳

(۲۹) Saudi Arabia and Its Place in world، کے از مطبوعات وزارۃ اطلاعات، ریاض، ۱۹۷۹، صفحات ۴۱-۴۲

(۳۰) مذکورہ معلومات اس ویب سائٹ سے لی گئی ہیں (www a-madinah org) جو مدینہ منورہ ریسرچ اینڈ سٹڈی سنٹر کا ترجمان ہے

(۳۱) ڈاکٹر عمر فاروق سید رجب، Al-Medina al-Munawwara a Study of its Economics Housing Population and Morphology, Dar ash-Shoruq, Jeddah, 1979, pp 105-106

(۳۲) اس وقت جب میں نے اس انگریزی مسودے کا ترجمہ شروع کیا (جون ۲۰۰۲ میں) تو عنبریہ ورستانیہ کا کافی علاقہ مسمار کر دیا گیا تھا باقی کی عمارتوں کو بھی نوٹس مل چکے ہیں تاکہ وہ ایک معینہ مدت کے اندر اپنے کاروبار سمیت ہیں

(۳۳) احمد سعید بن سلم، المدینۃ المنورہ فی القرن الرابع العشر الہجری، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۳، صفحات ۵۴-۵۵

(۳۴) ابن نجار (حافظ محب الدین ابو عبد اللہ، ولادہ ۵۷۸ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ الدینیہ، پورٹ سعید مصر، ۱۹۹۵، ص ۹۸

(۳۵) شیخ اسماعیل بن عبد اللہ سعد اری النقشبندی (ت ۱۱۸۲ ہجری)، ترغیب اہل المودہ، ص ۱۵۷

(۳۶) قتل و غارت کی ایک مثال یہ ہے کہ ۳۱۷ ہجری میں تقریباً ۹۰۰ قرامطی مکۃ المکرمہ میں داخل ہو گئے اور ہر طرف لوٹ مار مچا کر انہوں نے مکیوں کی لاشوں سے بئر زمزم کو بھر دیا اس پر بھی ان کا دل نہیں بھرا تو ان کے سردار ابو طاہر قرامطی نے حجر اسود کو چھوٹے ٹکڑوں میں توڑ دیا اور ان کو اپنے ساتھ لے گیا (اس وقت سے حجر کہا جاتا تھا) یہ تو صرف ۳۳۹ ہجری میں یعنی پندرہ سال گزر جانے کے بعد ممکن ہو سکا کہ انہوں نے حجر اسود کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے مکۃ المکرمہ کو واپس لوٹائے اور تب ان کو ان کی اپنی اصلی جگہ پر پھر سے نصب کر دیا گیا۔ دیکھیے سائد بکداش، فضل الحجر الاسود ومقام ابراہیم، بیروت، تیسرا ایڈیشن ۱۴۲۰، صفحات ۳۰-۳۱ طبری کے مطابق یہ دہشت گرد نہ صرف حجر اسود کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے ساتھ لے گئے، بلکہ وہ بیت اللہ شریف سے بہت سارے نوادرات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے مثلاً بہشت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجے گئے مینڈھے کے سینگ اور عصائے موسیٰ علیہ السلام وغیرہ، حجر اسود تو واپس لوٹا دیا گیا مگر انبیاء کے تبرکات کبھی بھی واپس نہیں آئے (محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک یعنی تاریخ طبری)، بیروت، ج ۱، ص ۱۹

(۳۷) ڈاکٹر سلیمان حبو شی، ملکی، ص ۱۸۱

(۳۸) جمال المطری، مصدر مذکور، ص ۸۹

(۳۹) ڈاکٹر سلیمان حبو شی، ملکی، ص ۱۸۲

(۴۰) ابی الحسن محمد بن احمد المشہور ابن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، ۱۳۵۰ یہ دلچسپی کی بات ہے کہ مدینہ طیبہ کے مختلف دروازوں کے نام کئی ادوار میں بدلتے رہے ہیں، جیسے کہ وہ باب جس کو ابن جبیر نے باب ترعیہ کہا ہے وہ بعد میں باب العنبریہ کے نام سے جانا جاتا تھا (کیونکہ وہاں سیدی عنبر آغا نے مسجد عنبریہ بنا کر اس علاقے کو عنبریہ کے نام سے موسوم کر دیا تھا) اور باب القبلہ کو باب قباء کا نام دے دیا گیا تھا جبکہ باب البقیع کو اسی نام سے جانا جاتا رہا اسے باب الجمعہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ لوگ جو فصیل سے باہر تھے ان کی سہولت کے لیے اس دروازے کو عموماً جمعہ کے روز کھول دیا جاتا تھا۔

(۴۱) ایضاً

(۴۲) یوسف عبد الرزاق، معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ، دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۱، صفحات ۲۹۳-۲۹۵

(۴۳) احمد یاسین خیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ قدیماً و حدیثاً، چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۳، ص ۲۵۴

(۴۴) احمد سعید بن سلم، مصدر مذکور، صفحات ۱۷۴-۱۷۶

(۴۵) رچرڈ برٹن، مصدر مذکور، ص ۳۹۳

(۴۶) خیاری، مصدر مذکور، ص ۲۵۴

(۴۷) انجینئر عبد العزیز بن عبد الرحمٰن الکعکی، معالم المدینۃ المنورہ بین العمارہ والتاریخ، جزء دوم، ص ۹۲

(۴۸) شیخ اسماعیل بن عبد اللہ سکدار ی نقشبندی (ت ۱۱۸۲ ہجری) ترغیب اہل المودہ والوفاء فی سکنی دار الحبیب المصطفیٰ، مکتبۃ الثقافہ، مدینۃ المنورہ، ص ۲۳۱ ابن الاثیر نے اس حدیث کو حسن بن ابی الحسن یعنی حضرت حسنؓ بن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے، اسد الغابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۶، ص ۱

(۴۹) انجینئر عبد العزیز بن عبد الرحمٰن الکعکی، مصدر مذکور، ص ۳۰

(۵۰) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینۃ المنورہ، ص ۳۰

(۵۱) اولیاء چلپی (ولادت ۱۰۲۰ ہجری)، سیاحت نامہ (عربی ترجمہ الرحلۃ الحجاز، ڈاکٹر الصفصافی احمد المرسی) دار الآفاق العربیہ، مدینہ نصر، قاہرہ ۱۹۹۹، ص ۲۸

مدینہ طیبہ زادہ اللہ شرفاً
بطور حرم نبوی

تاجدار حرم منبع جود والکرم ﷺ
نے اپنی انگشت مبارک مدینہ طیبہ کی طرف
کی اور ارشاد فرمایا
یہ ارض حرم ہونے والی ہے

(۵۲) ایضاً (تصرف کے ساتھ)، صفحات ۳۷۔۴۰

(۵۳) برطانوی جاسوس، رچرڈ برٹن، کو اس کی خدمات کے صلے میں 'لارڈ' بنادیا گیا تھا اور اس کو مشرق وسطیٰ کا سب سے عظیم سیاح' کا خطاب دیا گیا تھا
اراضی مقدسہ میں عبداللہ قفاقی کے جعلی نام کے تحت دراندازہو تھا، وہ ایک اچھا شاعر، ادیب اور برطانوی فوج میں ہندوستان میں کرنل کے عہدہ پر
تھا۔ ترکی حکومت کو کمزور کرنے کے لیے اس کو مکہ المکرمہ اور مدینہ طیبہ کی جاسوسی سونپی گئی تھی۔ وہ عربی بہت اچھی طرح بول سکتا تھا اور اس نے کافی وقت بلاد
مقدسہ میں گزارا تھا اس کی کتاب (Persona Narrative of a Pilgrimage to al-Medinah & Meccah) نقشوں اور دیگر
کے علاوہ مدینہ طیبہ کے متعلق بہت ساری معلومات فراہم کرتی ہے۔ ایسا ہی ایک اور جاسوس بشپ آف کنٹربری کی طرف سے بلاد مقدسہ میں بھیجا گیا تھا جس
کا نام یادی ڈوسٹر تھا۔ اس کی کتاب بھی انیسویں صدی کے بلاد العرب کے متعلق کافی معلومات فراہم کرتی ہے

(۵۴) رچرڈ برٹن (Personal Narrative of a Pilgrimage to al-Medinah & Meccah) ص ۳۴۲

(۵۵) اگرچہ سعودی علماء اس بدبخت برکہارٹ کی بہت تعریف کرتے ہیں لیکن نہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ جامعۃ الازہر میں جہاں وہ عربوں کو عربی کی تعلیم دیتا
تھا، وہاں کے مسلمانوں نے بالآخر یہ معلوم کر لیا تھا کہ وہ بدبخت مسلمان نہیں بلکہ کافر تھا اور اس نے کلمہ طیبہ اپنے پیروں کے تلووں پر نقش کروایا ہوا تھا۔ اس
کے اعتراف جرم پر اس کی گردن کاٹ دی گئی اور اس کی سربریدہ لاش کو کافر کے طور پر دفن کر دیا گیا۔ ہمیں ڈاکٹر عبداللہ صالح العثیمین کی علمیت پر افسوس ہوا
ہے کہ انہوں نے اس کی یادداشتوں کا ترجمہ کر کے اپنے فرقے وہابیت کی تعریف میں اس کی یادداشتوں کو 'مواد تاریخ الوہابیین لمرحۃ جون لوئیس
برکہارٹ' کے نام پر شائع کیا ہے (ایڈیشن دوم، ۹۹، الریاض) صد افسوس کہ وہابیت کی مدد کے لیے کس کافر کو مدد کے لیے پکارا گیا!

(۵۶) تمام زاویوں (خانقاہوں) میں باب جبریل کے مقابل زاویہ سماں (زاویہ قادریہ)، مسجد کتیبہ کے پاس زاویہ سنوسی، اور مسجد نبوی سے متصل درعہ میں واقع
زاویہ الشیخ جنید البغدادی اور حارہ اغوات میں واقع زاویہ الشیخ مظہر الدین نقشبندی (خانقاہ نقشبندیہ) اور زاویہ مولویہ اور زاویہ شاذلیہ بہت مشہور تھے چونکہ
یہ تمام زاویے یا خانقاہیں مشہور صوفی طریقہ ہائے تصوف سے متعلق تھے، وہابیوں نے انہیں ختم کر دیا تھا

(۵۷) صالح لمعی مصطفیٰ Al-Madina al-Munawwara - Urban Developmnent and Architectural Heritage بیروت
۱۹۸، ص ۲۲

(۵۸) علی بن موسیٰ آفندی، مصدر مذکور، صفحات: ۲۲۔۲۳

(۵۹) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین الشریفین، پہلا ایڈیشن، مطبعہ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۹۲۵ء، ج ۱، ص ۴۱۳

(۶۰) ایضاً، صفحات ۴۰۷۔۴۱۰

(۶۱) Col David George Hogarth، مصدر مذکور، صفحات: ۲۶۔۲۷

(۶۲) ایضاً، ص ۲۷

(۶۳) صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، ص ۲۴۴ لیکن اس کے برعکس مؤلف ہذا کی رائے میں اس سے بھی قدیم عمارات جو اب صرف کھنڈرات کی صورت میں
موجود ہیں وہ جبل احد کے دامن میں واقع مسجد فسح اور عنبریہ کے پار مغرب کی طرف واقع مسجد منارتین ہیں۔ بدقسمتی سے تاریخ اسلام کے یہ دونوں قیمتی
ورثے انتہائی کس مپرسی کی حالت میں اپنی زبوں حالی کا ماتم کرتے ہیں۔ ان دونوں مساجد کی محرابیں بچی کھچی حالت میں ابھی تک موجود ہیں مگر بے اعتنائی
کا یہ عالم نہ جانے کب ان کو ہڑپ کر جائے

حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [میں مدینہ کے تمام علاقے کو جو دو سنگلاخ میدانوں (حروں) کے درمیان ہے حرم قرار دیتا ہوں۔ یہاں سے درخت نہ کاٹے جائیں، نہ ہی یہاں کے جانوروں کا شکار کیا جائے۔ حضور ﷺ نے مزید فرمایا: مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر یہ اس کی قدر جانیں۔ کوئی اس کو ناپسند کر کے نہیں چھوڑے گا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مدینہ والوں کو اس کا نعم البدل دے دے گا، اور جو بھی یہاں کی سختی اور تنگی صبر سے جھیلے گا روزِ محشر میں اس کا شفیع و شہید ہوں گا۔] (۱) حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا، میں مدینہ کے دو پہاڑوں کے درمیان والے علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں (اس علاقے میں) درخت نہ کاٹا جائے اور نہ ہی کسی جانور کا شکار کیا جائے۔] (۲)

قول حرمت کے معنی یہ ہیں کہ جس میں قتل و قتال وغیرہ کی ممانعت ہے جن کی دوسری جگہوں پر اجازت ہے۔ حضرت سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی انگشت مبارک سے مدینہ طیبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا [یہ ارض حرم ہے اور جائے امن و امان ہے۔] (۳) حدودِ حرم میں کسی قسم کا ناحق خون بہانا حرام ہے، نہ ہی کوئی درخت کاٹا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہاں کے چرند پرند کا شکار کیا جا سکتا ہے۔ حضرت رسول موذی جانوروں (یعنی سانپ بچھو یا جنگلی درندے) کے علاوہ کسی چرند پرند کے حدود حرم میں شکار کرنے کی اجازت نہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا [کسی کو اجازت نہیں کہ خونریزی کے لیے حدود حرم میں ہتھیار لے کر جائے۔] (۴) یہاں پر جانے والے کے لیے ضروری ہے کہ کسی آدمی کو اذیت نہ دی جائے حتیٰ کہ جانوروں کے چرند و پرند وغیرہ تک کو بھی نہ ستایا جائے۔

حضرت ابو سعید جو حضرت المہری کے غلام تھے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول مقبول ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور اسی طرح میں نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے اور مدینہ میں دو پہاڑوں کے درمیان والی جگہ کو (جبل العیر اور جبل ثور) حرم قرار دیتا ہوں۔ یہاں پر کوئی خونریزی نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی (لڑائی کی غرض سے) ہتھیار اٹھائے گا، اور جانوروں کے چارے کے علاوہ درختوں کے پتے بھی نہیں کاٹے جائیں گے۔ اے اللہ ہمارے اس شہر کو برکت والا بنا دے، اے اللہ ہمارے صاع میں برکت دے، اے اللہ ہمارے مد میں برکت دے (صاع اور مد ناپنے کے پیمانے تھے) اے اللہ ہمارے شہر کو برکت دے اے اللہ ہمارے اس شہر کو مزید دوگنا برکت دے۔ (یعنی مکہ سے بھی دوگنا زیادہ، جیسا کہ باقی احادیث مبارکہ کے الفاظ سے ظاہر ہے) مجھے قسم ہے اس رب ذوالجلال کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے مدینہ طیبہ کے در اور پہاڑی راستوں پر دو دو فرشتے کھڑے کر دیے گئے ہیں تاکہ ان کی حفاظت کی جا سکے ... الخ] (۵)

جبل احد ... عقب میں ... ۲۰۰۲ء

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جبل احد کی طرف نظر مبارک اٹھائی اور ارشاد فرمایا [یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔ اے اللہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں ان دونوں سیاہ سنگلاخ علاقوں کے درمیانی علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں۔] (۶) حضرت محمد بن مسلمہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا [اے اللہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کے لیے تجھ سے دعا مانگی اور میں اسی طرح تجھ سے
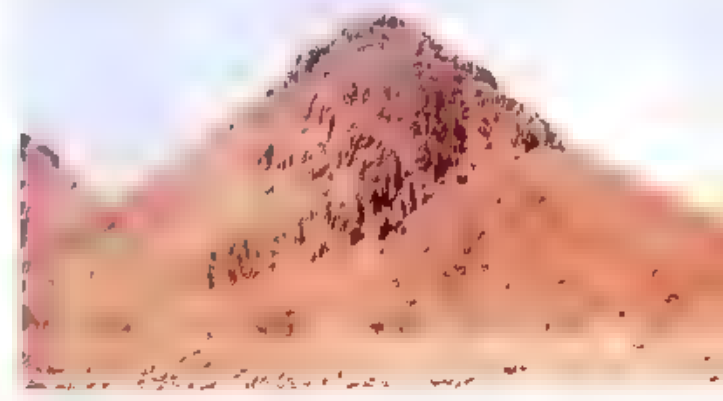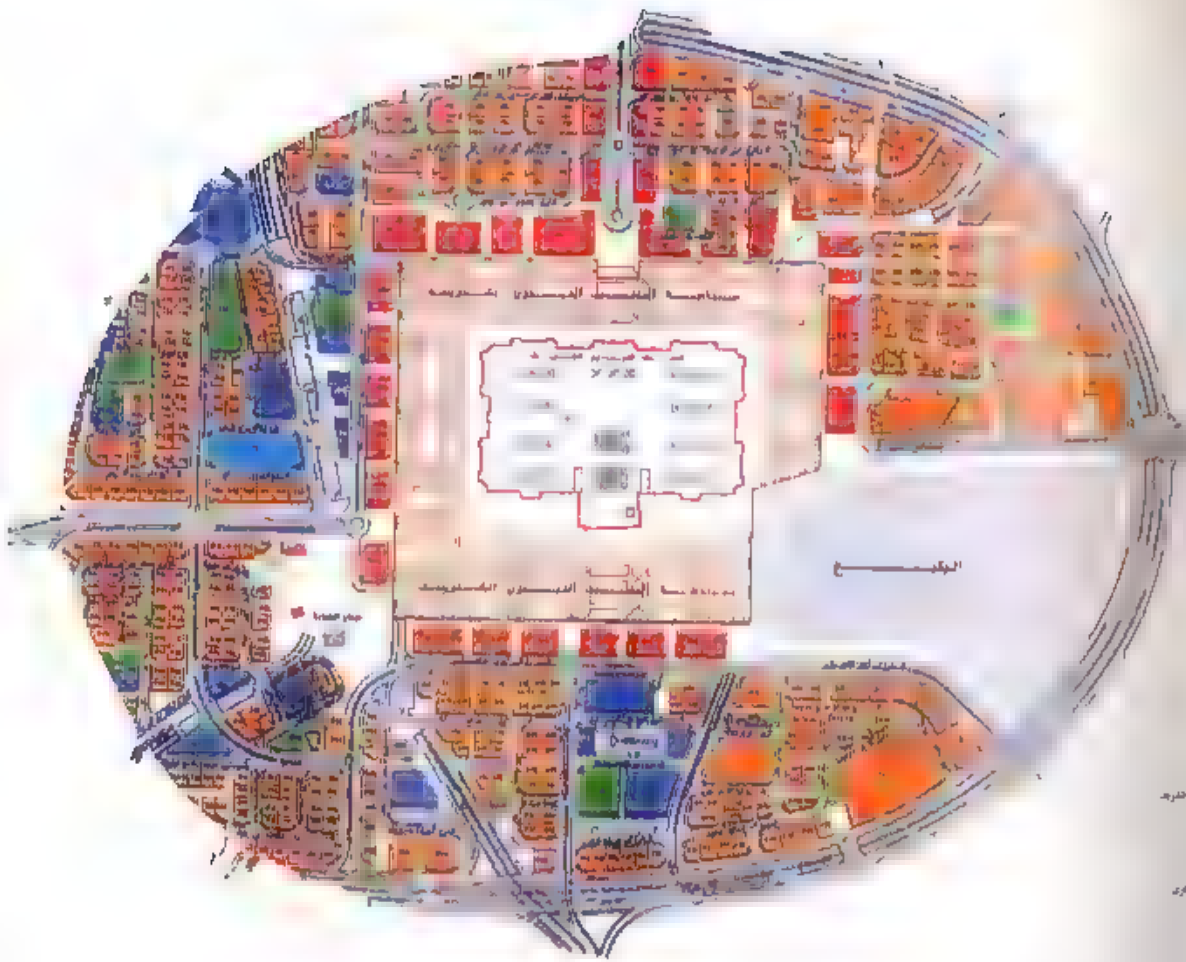
مدینہ طیبہ کے لیے دعا کرتا ہوں۔] (۷) ابی قتادہؓ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حرہ (غربیہ) میں واقع حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی اراضی پر نماز ادا کی اور ارشاد فرمایا [اے اللہ بے شک ابراہیم (علیہ السلام) تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی نے تجھ سے مکہ کے لیے دعا کی تھی اور بے شک محمد، تیرا بندہ اور تیرا رسول، آج مدینہ کے لیے اسی طرح تجھ سے دست بدعا ہے کہ تو اہالیانِ مدینہ کو ان کے صاع اور مد میں اور ان کے پھلوں میں برکت عطا کر۔ اے اللہ مدینہ ہم کو اتنا ہی پیارا کر دے جتنا کہ مکہ اور اس کی بیماریوں کو خُم سے باہر لے جا۔ اے اللہ میں نے دونوں لابوں (یعنی حروں) کے درمیانی علاقے کو اسی طرح حرم قرار دیا ہے جس طرح کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔] (۸)

حرم کے معانی اور مضمرات پر ایک اور حدیث مبارکہ سے مزید روشنی پڑتی ہے جو کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا [ہمارے پاس اللہ کی کتاب کے علاوہ اور کچھ نہیں، ماسوا اس صحیفے کے جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا جس میں یہ لکھا ہے کہ مدینہ طیبہ جبل عیر سے فلاں مقام تک حرم ہے اور جو کوئی بھی اس میں کوئی بدعت کا ارتکاب کرے یا اس میں کسی جرم کا ارتکاب کرے یا کسی ایسے شخص کو پناہ دے جو بدعت کا ارتکاب کرے وہ اللہ کے غضب کا سزاوار ہوگا اور فرشتے اور عامۃ الناس کی لعنت ہو اس پر اور اس کے فرائض اور نوافل قبول نہیں ہوں گے۔] (۹) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ایک دوسری حدیث مبارکہ میں آیا ہے: [اس (حرم) کے شجر اور گھاس کے پتے تک نہ کاٹے جائیں، اس کے شکار کے جانوروں کو نہ ڈرایا جائے اور اگر کوئی کسی کی گری ہوئی (گمشدہ) چیز اٹھا لے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس کے مالک کو ڈھونڈنے کے لیے اس کا اعلان کرائے، اور خونریزی کی غرض سے اس میں کوئی ہتھیار لیکر نہ آئے۔ اس کے درختوں کو سوائے اپنے اونٹوں کے چارہ کے لیے اور کسی مقصد کے لیے نہ کاٹا جائے۔] (۱۰)

حضرت نافع بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ مروان بن الحکم نے عوام سے خطاب کیا جس میں اس نے مکہ، اس کے مقیمین اور اس کے حرم

کا تذکرہ کیا مگر اس نے مدینہ طیبہ کا کوئی ذکر نہ کیا حضرت رافع بن خدیج کے پاس گئے اور کہا [یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے مکہ اور اس کے لوگوں اور اس کے حرم ہونے کا تو ذکر کیا ہے مگر مدینہ، اس کے مقیمین اور اس کے حرم ہونے کے متعلق کچھ نہیں کہا جبکہ جناب رسول مقبول ﷺ نے مدینہ کے دونوں حروں کے درمیانی علاقہ کو حرم قرار دیا ہے اور اس کے متعلق ہمارے پاس لکھے ہوئے احکام موجود ہیں جو کہ خولانی کی جھلی پر لکھے ہوئے ہیں اگر تمہیں یقین نہیں تو میں تمہیں اس کو پڑھ کر سنا سکتا ہوں۔](۱۱) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [مدینہ طیبہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک حرم ہے اس کے درخت نہ کاٹے جائیں نہ اس میں بدعت کا اجراء کیا جائے اور نہ ہی اس میں کوئی برعمل (جرم) کیا جائے، اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور عامۃ الناس کی لعنت ہوگی](۱۲)

ان تمام احادیث مبارکہ اور احکام سے فقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں شمالاً جنوباً جبل ثور (۱۳) اور جبل عیر اور شرقاً غرباً حرہ

نقشہ بیت سے نادر گئی
اس تصویر سے حدود حرم
واضح ہو جاتی ہے
۲۰۰۶

مسجد نبوی شریف سے
جبل عیر تک کی آبادی کا
ایک منظر

شرقیہ اور حرہ غربیہ کا درمیانی علاقہ حرم کا علاقہ ہے۔ جبل ثور مدینہ طیبہ کے شمال میں جبل احد کے اس پار ایک چھوٹا سا مخروطی شکل کا پہاڑ ہے جب کہ جبل عیر جنوب میں قبلہ کی جانب میقات کی طرف ایک کافی بڑا پہاڑ ہے۔ جبل ثور احد کے شمال میں وادی النقمی میں واقع ہے طبری نے عبدالسلام البصری سے روایت کی ہے کہ اس نے مدینہ طیبہ کے بہت سے لوگوں سے جبل ثور کے متعلق استفسار کیا تھا اور سب نے بیک آواز یہ کہا تھا جبل احد کے بائیں جانب ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جس کو جبل ثور کہا جاتا تھا۔ (۱۴) قرون اولیٰ سے اب تک اس چھوٹے سے پہاڑ کو جبل ثور ہی کے نام سے جانا جاتا ہے حتیٰ کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی کبھی اس بارے میں کسی قسم کے شک کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں پوچھتے۔

مدینہ طیبہ کے اس علاقہ کے باسی اس پہاڑ کو جبل اعدقاقات کے نام سے بھی پکارتے ہیں (۱۵)۔ اس علاقے میں شروع سے قبیلہ ولد محمد کے لوگ آباد رہے ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جبل ثور اسی پہاڑ کا نام ہے۔ یہ قبیلہ اگرچہ اس پہاڑ سے کافی دور شمال میں بستا آیا ہے مگر روز اول سے ان کے ہاں جب بھی کوئی فوتیدگی ہو جاتی تھی تو وہ میت کو کندھوں پر اٹھا کر جبل ثور کے اس پار یعنی حدود حرم کے اندر دفناتے رہے ہیں کیونکہ ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ جبل ثور سے جنوب کی طرف حدود حرم مدنی شروع ہو جاتی ہیں۔ (۱۶) ان تمام شواہد کی بنا پر تمام محدثین، مثلاً امام نووی وغیرہ، کا اتفاق رہا ہے کہ حدود حرم جبل عیر اور جبل ثور کے درمیان اس علاقے میں واقع ہے جو شرقاً غرباً دونوں حروں میں (بشمول دونوں حروں کی اراضی کے) واقع ہے۔ (۱۷) ہمیں ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہی حدود حرم کے تعین کے لیے ان مقامات پر نشان نصب کرنے کا حکم دے دیا تھا حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت ہے کہ [رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حدود حرم میں واقع تمام اشجار کو بھی حرم کا حصہ قرار دیا گیا تھا اور حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے ذات الجیش، مشیرف، اشراف اور تیم پر بھیجا تاکہ میں حدود حرم کے نشانات لگا دوں۔] (۱۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی ایک عربی مخطوطے سے جو انہیں شیخ عارف حکمت کے کتب خانہ میں ملا تھا ایک اقتباس نقل کیا ہے جسے ہم قارئین کی سہولت کے لیے درج ذیل کرتے ہیں (۱۹)

حضرت کعب ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ: [مجھے رسول اللہ نے بھیجا تاکہ میں حرم مدینہ کی حد بندی کر کے آؤں۔ لہٰذا میں نے المشیرف میں ذات الجیش اور حفیہ میں ماخد، ذوالعشیرہ اور تیم میں حرم کے نشانات نصب کیے](۲۰)

وہ مزید فرماتے ہیں

جہاں تک ذات الجیش کا تعلق ہے یہ مکہ اور مدینہ والی سڑک پر حفیہ کے درے پر واقع ہے (۲۱) مشیرب ذات الجیش کی بائیں جانب ایک پہاڑی ہے (اس کے اور خلائق کے درمیان لدوبہ ہے)۔ جہاں تک ماخد کا تعلق ہے، یہ پہاڑ شمال کی جانب طریق شام پر واقع ہیں حفیہ الغابہ میں واقع ہے جو مدینہ طیبہ کے شمال میں جنگل ہے اور ذوالعشیرہ ایک پہاڑی راستے کا نام ہے جو حفیہ میں واقع ہے اور تیم مدینہ طیبہ

کے مشرق میں ایک پہاڑ کا نام ہے..... یہ تمام مقامات مدینہ طیبہ سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہیں] (۲۲)

تاجدار حرم ﷺ نے حدود حرم کے تعین اور اس کے تقدس کو ہمیشہ برقرار رکھنے کے لیے خاص احکامات صادر فرمائے تھے جن کی پابندی اور تنفیذ امت پر واجب ہے صرف یہی نہیں کہ آپ حضور ﷺ نے احکامات کا اجراء کیا تھا بلکہ وقتاً فوقتاً اس کی تنفیذ کا جائزہ بھی لیتے رہتے تھے جیسے کہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [میں نے مدینہ کے دو حروں کے درمیان والے علاقے کو حرم قرار دے دیا ہے] اس کے بعد ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ قبیلہ بنی حارثہ کے گاؤں تشریف لے گئے اور ان کو ارشاد فرمایا [میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ حدود حرم سے باہر رہ رہے ہو۔] مگر پھر ارد گرد کا جائزہ لیکر آپ حضور ﷺ نے فرمایا [نہیں تم حدود حرم کے اندر ہی ہو۔] (۲۳) اصحابہ کرام رضوان اللہ

مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً ۲۰۰۰ء

علیہم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے احکامات کا کما حقہ اتباع کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں: [اگر مجھے کوئی غزال صحرائی بھی دونوں پہاڑوں کے درمیان مل جائے تو بھی میں نہ اس کا پیچھا کروں گا اور نہ اس کا شکار کروں گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے مضافات کے بارہ میل کے علاقے کو مرغزار یا چراگاہ بنانے سے منع فرما دیا تھا] (۲۴) یہ بات قابل ذکر ہے کہ شمالاً جنوباً جبل عیر اور جبل ثور کے درمیان سے ۱۶ کیلومیٹر کی مسافت ہے جو تقریباً بارہ میل ہی بنتا ہے۔ اس لیے جو علاقہ بھی ان دو پہاڑوں کے درمیان آتا ہے وہ حرم نبوی کہلاتا ہے۔ اور شرقاً غرباً تعین تو مسجد نبوی کے مغرب میں واقع تین پہاڑ جن کو جماوات کہا جاتا ہے (جماء تضارع، جماء ام خالد اور جماء العاقل (جماء الاقرا) بھی حرم کا حصہ تصور ہوتے ہیں۔ یہ پہاڑ بیر عروہ ابن زبیرؓ کے پاس تک پھیلے ہوئے ہیں جہاں سے آگے وادی العقیق شروع ہو جاتی ہے۔

ابن جریجؒ نے حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اگر تم کو کوئی (حدود حرم میں) درختوں کو کاٹتا نظر آ جائے تو تم اس کے پاس جو کچھ بھی ہو ضبط کر سکتے ہو۔] (۲۵) عمرو ابن سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا ہے کہ: [ایک مرتبہ ان کے والد حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سواری پر العقیق میں واقع اپنے محل کی طرف جا رہے تھے جب ان کی نظر ایک غلام پر پڑ گئی جو درختوں کو کاٹ رہا تھا یا ان کے پتے جھاڑ رہا تھا۔ انہوں نے اس کے پاس جو کچھ بھی تھا چھین لیا بعد میں جب آپ وہاں سے گزرے تو اس غلام کے مالکوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان کا غلام اور جو کچھ اس سے آپ نے چھینا تھا واپس کر دیں۔ اس پر حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے فرمایا خدا نہ کرے مجھے وہ سب کچھ واپس کرنا پڑے جو اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے غنیمت میں دیا ہے اور ان کو کوئی چیز دینے سے صاف انکار کر دیا] (۲۶) الموطاء امام مالکؒ میں بھی ایک ایسی ہی روایت ہے کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت زید ابن ثابتؓ میرے پاس آئے جب کہ میں 'الاسواف' میں تھا۔ میں نے ایک شاہین کو پکڑ لیا۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے شاہین کو چھین کر اس کو آزاد کر دیا] (۲۷)

سیدنا عمر ابن خطابؓ نے اپنے برادر نسبتی حضرت قدامہ ابن مظعونؓ کو حدود حرم میں اشجار کی حفاظت کے لیے مامور کیا ہوا تھا تاکہ لکڑہارے ان کو نہ کاٹیں۔ انہوں نے ان کو حکم دے رکھا تھا کہ (تمہارا کام لکڑہاروں پر نظر رکھنا ہے جو کوئی بھی تمہیں دونوں لابوں (حرہ) کے درمیان لکڑی کاٹتا نظر آئے تمہیں اجازت ہے کہ تم اس کا کلہاڑا اور رسی اپنے قبضے میں لے لو۔) (۲۸) جب حضرت قدامہؓ نے آپ سے

مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً ۲۰۰۰ء

کے درمیان لکڑی کاٹتا نظر آئے تمہیں اجازت ہے کہ تم اس کا کلہاڑا اور رسی اپنے قبضے میں لے لو۔) (۲۸) جب حضرت قدامہؓ نے آپ سے پوچھا کہ آیا وہ ان کے کپڑے بھی چھین سکتے ہیں تو سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ نہیں یہ زیادتی ہوگی۔] (۲۹) تمام مکاتب فکر کے فقہاء میں اس امر پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ حدود حرم کے اندر شکار کرنا یا درخت کاٹنا قابل دست اندازی یا قابل تعزیر جرم نہیں مگر یہ امر ممنوع ضرور ہے

جہاں تک مدینہ طیبہ کے حرم کے احترام اور تقدس کا تعلق ہے چاروں مذاہب میں کچھ اختلاف رائے پایا جاتا ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ باقی تینوں ائمہ کرام (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) کی رائے میں حرم مدنی کی حدود میں شکار کی مکمل ممانعت ہے اور یہ نقطہ نظر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث مبارکہ سے مطابقت رکھتا ہے مگر امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ حرم مدنی کے معاملے میں شرائط نرم ہیں اور چونکہ اگر کسی سے احترام حرم کی خلاف ورزی کا ارتکاب ہو جائے تو اس کو قابل تعزیر نہیں ٹھہرایا گیا جیسے کہ حرم مکی کے ضمن میں ہے، اس لیے احترام حرم کی پابندیاں اتنی سختی سے نہ لگائی جائیں جتنی کہ حرم مکی کے معاملے میں لازمی ہیں۔ (۳۰) لہذا احناف کی نظر میں تقدیس حرم مدنی سے مراد اس کا مکمل احترام ہے لیکن اگر کسی نے وہاں کسی جانور کا شکار کر کے احترام حرم نبوی شریف کی خلاف ورزی کی ہے تو اسے قابل تعزیر نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ احادیث مبارکہ میں اس کی کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی۔ (۳۱) وہ ایک اور بات سے بھی استنباط کرتے ہیں کہ کوئی غیر مسلم حدود حرم مکی میں داخل نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی اس کا ارتکاب کر لیتا ہے تو وہ نص قرآنی کے مطابق قابل گردن زدنی ٹھہرتا ہے (۳۲)، جبکہ مدینۃ المنورہ کے حرم کے متعلق ایسی کوئی سزا وضع نہیں کی گئی حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ سے لے کر اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار میں ہمیں ایسی بیشمار مثالیں ملتی ہیں کہ غیر مسلمین مدینہ طیبہ میں آتے جاتے رہتے تھے حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں جب نجرانی نصاریٰ کا وفد مدینہ طیبہ آیا تو نہ صرف ان کا استقبال مسجد نبوی شریف میں ہوا بلکہ انکو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت مرحمت فرمائی گئی تھی اور حق مہمان نوازی ادا کرنے کے لیے ان کو اس مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا جو مدینہ طیبہ میں بیت بنت الحارث کے نام سے مشہور تھا۔ (۳۳) حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ سے لیکر جب کبھی بھی ضروری سمجھا گیا تو غیر مسلموں کو مدینہ طیبہ آنے کی اجازت دی گئی۔ (۳۴) احناف اس مثال کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں مسجد نبوی شریف کی توسیع ہوئی تو شاہ روم سے چالیس قبطی عیسائی کاریگر بلائے گئے تھے جنھوں نے مسجد کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا

مزید برآں میثاق مدینہ اس وقت کے یثرب کے مسلم اور غیر مسلم (یہود) کے درمیان طے شدہ ایک معاہدہ تھا جس میں یہ طے پایا گیا تھا کہ 'یثرب' کا عرصہ 'حرم' تصور ہوگا۔ حرم کے مضمرات سے یہود بھی اچھی طرح واقف تھے ایسا ہی ایک اور معاہدہ حضور نبی اکرم ﷺ نے عمائدین طائف سے کیا تھا جب طائف کا محاصرہ ختم ہوا تھا جس کی رو سے طائف کی 'وادی وجہ' کو بھی حرم تصور کیا گیا تھا۔ تاہم علماء کرام حرم وادی وجہ کو وہ رتبہ نہیں دیتے۔ البتہ امام شافعیؒ کی رائے میں وادی وجہ کا حرم مدینہ طیبہ کی طرز کا ہی حرم ہے اور یہی نظریہ شوکانی وغیرہ کا بھی ہے لیکن علماء کی اکثریت (خاص طور پر احناف) اس نظریہ سے اتفاق نہیں کرتی اور اسے حرم تصور نہیں کرتی۔ بعض علماء کے نزدیک مسلمانوں اور

غیر مسلموں کے درمیان طے پانے والے معاہدے کی رو سے وادی وجہ کو محض اس لیے حرم کہا گیا تھا کہ وہاں قتل و غارت نہیں ہوگی اور یہ کہ اس کی حیثیت محض ایک سیاسی اصطلاح کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں جبکہ اس کے برعکس حرم مکی کے مضمرات خالصتاً دینی ہیں اور اسی لیے اس کے تقدس کی خلاف ورزی پر تعزیر عائد ہو جاتی ہے

بہر حال ان فقہی موشگافیوں سے قطع نظر حرم مدنی کا تقدس اسلام کے دونوں بڑے فرقوں (شیعہ اور سنی) میں مسلمہ ہے۔ دونوں کی نظروں میں حرم مدنی بہت زیادہ محترم اور مقدس ہے اسی لیے حرم مدنی کو کم و بیش وہی مقام حاصل ہے جو حرم مکی کو ہے۔ اس سلسلے میں ہم عبدالحمید صدیقی صاحب کی رائے کا جنہوں نے صحیح مسلم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے، اقتباس پیش کرتے ہیں جنہوں نے نہایت ع[illegible] نفیس انداز سے اس بحث کو سمیٹا ہے: اس معاملے میں یہ بات ذہن میں رہے کہ گو حرم مکی اور حرم مدنی دونوں تقدس کے حامل ہیں لیکن (سوائے تعزیراتی نظام کے تحت) حرم مکی کو حرم مدنی پر فوقیت دی گئی ہے۔ مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ دونوں کا پوری طرح احترام کریں۔ ان دونوں حرموں میں لڑنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی وہ وہاں درخت کاٹ سکتے ہیں ورنہ ہی وہ دونوں حرموں کی حدود میں شکار کھیل سکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ان کو حکم ہے کہ وہ اس جائے امن اور امان میں مکمل امن و آشتی سے رہیں اور ایک دوسرے کو گزند نہ پہنچائیں، نہ صرف یہ کہ وہ انسانوں کے ساتھ امن و آشتی سے رہیں بلکہ چرند پرند اور اشجار کے ساتھ بھی امن و آشتی کا مظاہرہ کریں (۳۵)

حدود حرم مدنی کا تعین کرنے کے لیے سعودی حکومت نے چند علماء کی ایک کمیٹی قائم کی تھی تا کہ مختلف نقطہ ہائے نظر کی روشنی میں ان نقاط کا عملی معائنہ کیا جائے جو حدود حرم مدنی کے لیے مشہور چلے آئے ہیں۔ اس کے ذمہ اراضی مدینہ طیبہ کے ان علاقوں کا مکمل سروے کرنا بھی شامل تھا۔ اس سلسلہ میں شاہ سعود نے ایک حکم جاری کیا تھا (حکم نمبر ۹۲۵۳ مورخہ ۲۵_۲_۳۷۸ ہجری) جس کی توثیق مفتی اعظم سعودی عرب نے بھی کی تھی۔ وزارت داخلہ، امیر منطقہ مدینہ المنورہ اور مدینہ طیبہ کے سپریم کورٹ سے باقاعدہ اجازت کے بعد شیخ محمد الحافظ (جو مدینہ طیبہ کی عدالت عالیہ کے جج تھے) کی سربراہی میں ایک کمشن ترتیب دیا گیا جس میں مندرجہ ذیل علماء اور عمائدین شامل تھے۔

(۱) السید محمود احمد (۲) السید عبید مدنی

(۳) السید محمد الحافظ (۴) الشیخ عمر بن عبداللہ

(۵) الشیخ ابوبکر جابر (۶) السید اسعد طربزونی

اس پینل میں السید عبداللہ بن عقیل نے دارالافتاء کی نمائندگی کی۔ (۳۶) اس کمشن نے پورے غور و خوض کے بعد اور تینوں مذاہب کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء سے (شافعی، مالکی اور حنبلی) اور سارے علاقوں کا مکمل سروے کرنے کے بعد اپنی رپورٹ مورخہ ۲۳_۱۱_۱۳۸۰ ہجری کو کونسل آف منسٹرز (مجلس الوزراء) کو پیش کر دی (۳۷)۔

اس کمشن کے ممبران نے جدید ترین آلات کی مدد سے پورے علاقے کا کئی بار سروے کیا اور بحث و تمحیص کے بعد یہ طے کیا کہ شمالاً جنوباً وہ تمام علاقہ جو جبل ثور اور جبل عیر کے درمیان واقع ہے وہ حرم مدنی میں شامل ہے جہاں تک شرقاً غرباً حدود کا تعلق ہے تو ان کا خیال تھا کہ اگر صرف دونوں لابوں کے درمیان والے علاقے کو حرم سمجھا جائے تو وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی بتائی ہوئی بارہ میل کی مسافت سے بہت کم پڑتا تھا (۳۸) اس لیے چند دیگر احادیث مبارکہ کے مضمرات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ طے کیا گیا کہ دونوں لابے (حرہ شرقیہ یعنی حرہ واقم اور حرہ غربیہ یعنی حرہ وبرہ) کی زمینیں بھی حدود حرم میں شامل ہیں، کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ جب بنی حارثہ کے قبیلے میں تشریف لے گئے تو پہلے تو ایک نظر دیکھنے پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا گاؤں حدود حرم سے باہر چلا گیا ہے مگر پھر چاروں طرف نظر ڈال کر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ حدود حرم کے اندر ہی ہیں۔ (۳۹) واضح رہے کہ قبیلہ بنی حارثہ

حرہ شرقیہ کی انتہائی شرقی جانب بستا تھا اسی طرح حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا وادی عقیق میں غلام سے کپڑے چھین لینا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ حدود حرم [illegible] سے باہر تک ہوا کرتی تھی جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ دونوں حروں کی اراضی حدود حرم میں شامل ہے۔

ان شواہد کی روشنی میں کمشن نے طے کیا کہ شمالاً جنوباً حدود حرم جبل ثور سے جبل عیر تک پھیلی ہوئی ہیں اور شرقاً غرباً نہ صرف یہ کہ دونوں حروں کی اراضی (بشمول جبل جموات) حرم کا حصہ ہیں بلکہ مدینہ یونیورسٹی کا کیمپس، شاہی محلات، الجرف، بیر رومہ اور ذوالحلیفہ سے لیکر وادی عقیق کا وہ حصہ جو الجرف تک اور البیعہ کے میدان تک چلا گیا ہے وہ بھی حرم کی مقدس حدود میں شامل ہیں۔ اسی طرح طریق خواجات (طریق غیر مسلمین) کے مشرق کی طرف کا تمام علاقہ حدود حرم میں شامل ہے جس میں جبل حرم کی دونوں پہاڑیاں آجاتی ہیں جن سے ترکوں کے دور میں پتھر حاصل کر کے مسجد نبوی شریف کی تعمیر کی گئی تھی چونکہ حرہ شرقیہ (حرہ واقم) کے تقریباً تمام علاقے کو ہموار کر دیا گیا ہے اور اس وقت زیر تعمیرات آچکا ہے اس لیے کمشن کے بعض ممبران کی رائے میں اس طرف کی حدود حرم کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف پایا گیا تھا کیونکہ مشرقی حرہ کی مشرقی حدود کا تعین کرنا [illegible] حاصل ہے، لیکن اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی بتائی ہوئی مسافت (یعنی بارہ میل) کو قول فیصل مان لیا جائے تو میدان البیعہ سے بارہ میل کا علاقہ حرہ شرقیہ کی آخری حدود تک ہی جاتا ہے۔ (۴۰)

حواشی

( ) صحیح مسلم، انگریزی ترجمہ عبدالحمید صدیقی، ج:۲،نمبر ۳۱۵۴

(۲) ایضاً،نمبر ۳۱۵۳

(۳) ایضاً،نمبر ۳۱۷۷(...حرم ور جائے امان، یعنی دو بار مکرر فرمایا گیا ہے) ڈاکٹر صالح بن حمید بن سعید الرفاعی، ،احادیث واردہ فی فضائل المدینہ۔ان احادیث مبارکہ پر نقد ونظر جو مدینہ طیبہ کے فضائل کے باب میں مروی ہیں۔ دار الخضیری ،مدینہ المنورہ،ص ۳۹.

(۴) مسند امام احمدؒ،۳-۳۳۶،۳۹۳

(۵) صحیح مسلم،مصدر مذکور،ج:۲،نمبر ۳۱۷۲

(۶) الموطا،امام مالکؒ،ج ۲،نمبر ۱۶۲۵،صحیح بخاری میں یہی حدیث مبارکہ کچھ ان الفاظ میں ہے [حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا جو نہی جبل احد حضور نبی اکرم ﷺ کی نظر مبارکہ کے سامنے آیا تو آپ حضور ﷺ نے فرمایا یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے، اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اے اللہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں مدینے کے دو پہاڑوں کے درمیان والے علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں۔] صحیح بخاری،ج ۹،نمبر ۴۴۳.

(۷) ابی سعید المفضل بن محمد الجندی المکی (ت ۳۰۸ ہجری) ،فضائل المدینہ، دار الفکر، دمشق، ۱۹۸۷، ص ۱۹، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی جس دعا کا حوالہ دیا جا رہا ہے وہ قرآن کریم میں سورہ بقرہ (آیت ۱۲۶) میں شامل ہے.

(۸) ایضاً،صفحات ۱۸-۹

(۹) صحیح بخاری، ج ۳،نمبر ۲۰۳، نیز صحیح مسلم،ج:۲،نمبر ۳۶۰

(۱۰) سنن ابی داود،۱۰،۲۰۳۰، نیز یہی حدیث مبارکہ مسند امام احمد میں بھی روایت کی گئی ہے

(۱۱) صحیح مسلم،ج:۲،نمبر ۳۱۵۲

(۱۲) صحیح بخاری،ج ۳،نمبر ۹۱

(۳) اسی نام کا ایک اور پہاڑ مکۃ المکرمہ کے مضافات میں بھی ہے جہاں غار ثور واقع ہے جہاں ہجرت کے موقع پر حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے یار غار سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ تین دن گزارے تھے مدینہ طیبہ کا جبل ثور جبل احد کے پچھواڑے ہے اور صدیوں سے اہل مدینہ اسے اسی نام سے پکارتے ہیں سمہودی، خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ،المکتبۃ العلمیہ، مدینۃ المنورہ،۱۹۷۲، ص ۵۱

(۱۴) غازی بن سالم التمام، رسائل فی آثار المدینہ النبویہ، ناشر مدینہ طیبہ ادبی کلب، پہلا ایڈیشن،۲۰۰۰،ص ۸۰

(۱۵) جریدۃ المدینہ، نمبر شمار ۸۳۲۹، مورخہ ۳-۸-۱۴۱۰ ہجری.

(۱۶) سعود بن عبدالحی الساعدی اور یوسف بن مطر المحمدی، احد (الآثار، المعرکہ، التحقیقات)، جدہ، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۲،ص ۴۴.

(۱۷) النووی، شرح صحیح مسلم، ج ۹،نمبر ۱۳۶

(۱۸) ابن نجار، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ،ص ۹۱

(۱۹) یہ مکتبہ (۱۴ ہجری) مسجد نبوی کے توسیعی منصوبے کی وجہ سے مسمار کر دی گئی تھی اور اس کی تمام کتب مکتبہ حرم (واقع مسجد نبوی) میں ضم کر دی گئی تھیں.

(۲۰) سید سمہودی، خلاصۃ الوفاء،مصدر مذکور،ص ۳۹

(۲) شیخ غازی الشنقیطی کے قول کے مطابق دشت بیداء ذوالحلیفہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس میدانی علاقے میں آج کل دوسری عمارات کے علاوہ مدینہ المنورہ کا ٹیلی ویژن سٹیشن قائم ہے، اور جب ہم مکہ کے طرف طریق ہجرہ سے جاتے ہیں تو مدینۃ الحجاج کے بعد تقریباً ۱۰۰ میٹر بعد ذات الجیش آجاتا ہے یہاں یہ

ذکر بے محل نہیں ہو گا کہ غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر جب مسلم افواج نے پڑاؤ لگایا تو وہ اسی مقام پر تھا اور اسی وجہ سے جگہ ذات الجیش کے نام سے مشہور ہو گئی یہی وہ مقام ہے جہاں سے کوچ کرتے وقت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے اپنا ہار گم ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں قرآن کریم کے آیات تیمم کے بارے میں نازل ہوئیں۔ غازی الشنقیطی، الدرالثمین فی معالم دارالرسول، ۱۴ مین، ص ۲۵۰

(۲۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Battlefields of the Prophet Muhammad)، حذیفہ پبلیکیشنز، کراچی، ص ۱۴، ڈاکٹر موصوف نے جس مسودے کا ذکر کیا ہے وہ اب الدرالثمینہ فی تاریخ المدینہ کے نام سے شائع ہو چکی ہے جو ابن نجار کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ ہے حوالے کے لیے دیکھیے مصدر مذکور، ص ۹۱.

(۲۳) صحیح بخاری، ج ۳،نمبر ۹۳

(۲۴) صحیح مسلم، ج ۲،نمبر ۳۱۶۸، ۳۱۶۹ نیز الموطا، امام مالک، ج ۲،نمبر ۱۶۳۶ اور صحیح بخاری،ج ۳،نمبر ۹۷

(۲۵) ابی سعید المفضل بن محمد الجندی، مصدر مذکور، ص ۳۸

(۲۶) صحیح مسلم، ج ۲،نمبر ۳۵۶

(۲۷) الموطا، امام مالک، ج ۲،نمبر ۱۳-۲۴۷

(۲۸) لابہ عربی کا لفظ ہے جسے اردو میں ... بولا جاتا ہے.

(۲۹) ابی سعید المفضل بن محمد الجندی، مصدر مذکور، صفحات ۴۹-۵۰، نیز البلاذری، فتوح البلدان، ص ۲۲

(۳۰) علامہ ابن الجوزی، باب ذکر مدینۃ الرسول، ناشر مرزوق علی ابراہیم، مدینہ المنورہ، ص ۳۳، نیز ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۹۰

(۳۱) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۹

(۳۲) القرآن الکریم (التوبہ ۲۸)

(۳۳) ابن شبہ، تاریخ مدینہ، ج ۲، ص ۵۷۳ (حاشیہ)

(۳۴) اگرچہ یہودیوں کو مدینہ بدر کر دیا گیا تھا مگر پھر بھی ان کے مدینہ آنے جانے پر پابندی نہیں لگائی گئی تھی۔ بہت سے یہود تو مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال سے پہلے آپ حضور ﷺ نے اپنی ڈھال مبارکہ چند صاع غلہ کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ اسی طرح بہت سے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے غلام غیر مسلم ہوا کرتے تھے۔ فیروز لولو، جس نے سیدنا عمر فاروقؓ کو شہید کیا تھا پارسی تھا جو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام تھا، اور مدینہ طیبہ میں ہی کام کرتا تھا.

(۳۵) تعلیق عبدالحمید صدیقی برحدیث نمبر ۳۱۷۱ (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۹۰).

(۳۶) انجینئر عبدالعزیز بن عبدالرحمن کعکی، معالم المدینۃ المنورہ، مصدر مذکور، ص ۲۲۵

(۳۷) حنفی مکتب فکر کے علما کو اس کمیٹی میں شامل نہیں کیا گیا تھا کیونکہ ان کی نظر میں احناف حرم مدنی کو وہ مقام نہیں دیتے جو حرم مکی کو حاصل ہے

(۳۸) صحیح مسلم، ج ۲،نمبر ۳۱۶۸، نیز الموطا، امام مالکؒ، ج ۲،نمبر ۱۶۳۶، نیز صحیح بخاری، ج ۳،نمبر ۹۷

(۳۹) صحیح بخاری، ج ۳،نمبر ۹۳

(۴۰) یہ معلومات سید محمد کبریت الحسینی کی کتاب جواہر الثمینہ فی محاسن المدینہ کے حواشی سے لی گئی ہیں جو محمد بن ابراہیم آل الشیخ کے 'رسائل فتاویٰ' جلد ۵، صفحات ۲۳۲-۲۳۸ سے ماخوذ ہیں، لیکن ہماری رائے میں اس کمیشن کی رپورٹ کی نسبت حضرت کعب ابن مالکؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے حدود حرم کے تعین کے لیے تاجدار حرم ﷺ کے ارشادات کے مطابق حرم کی مختلف اطراف میں سنگ میل نصب کیے تھے۔ دیکھیے سید سمہودی، وفاء الوفاء، صفحہ ۹۱

مدینہ طیبہ زاداللہ شرفہٗ
کے چند ادوارِ پرفتن ومصائب

جو اہالیانِ مدینہ کو اپنے ظلم سے ڈرائے گا اللہ اس کو ڈرائے گا
اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو
ایسے شخص کے کوئی فرض و نفل یا اختیاری نیک عمل بروزِ قیامت
اللہ کے حضور قبول نہیں ہوں گے ( )
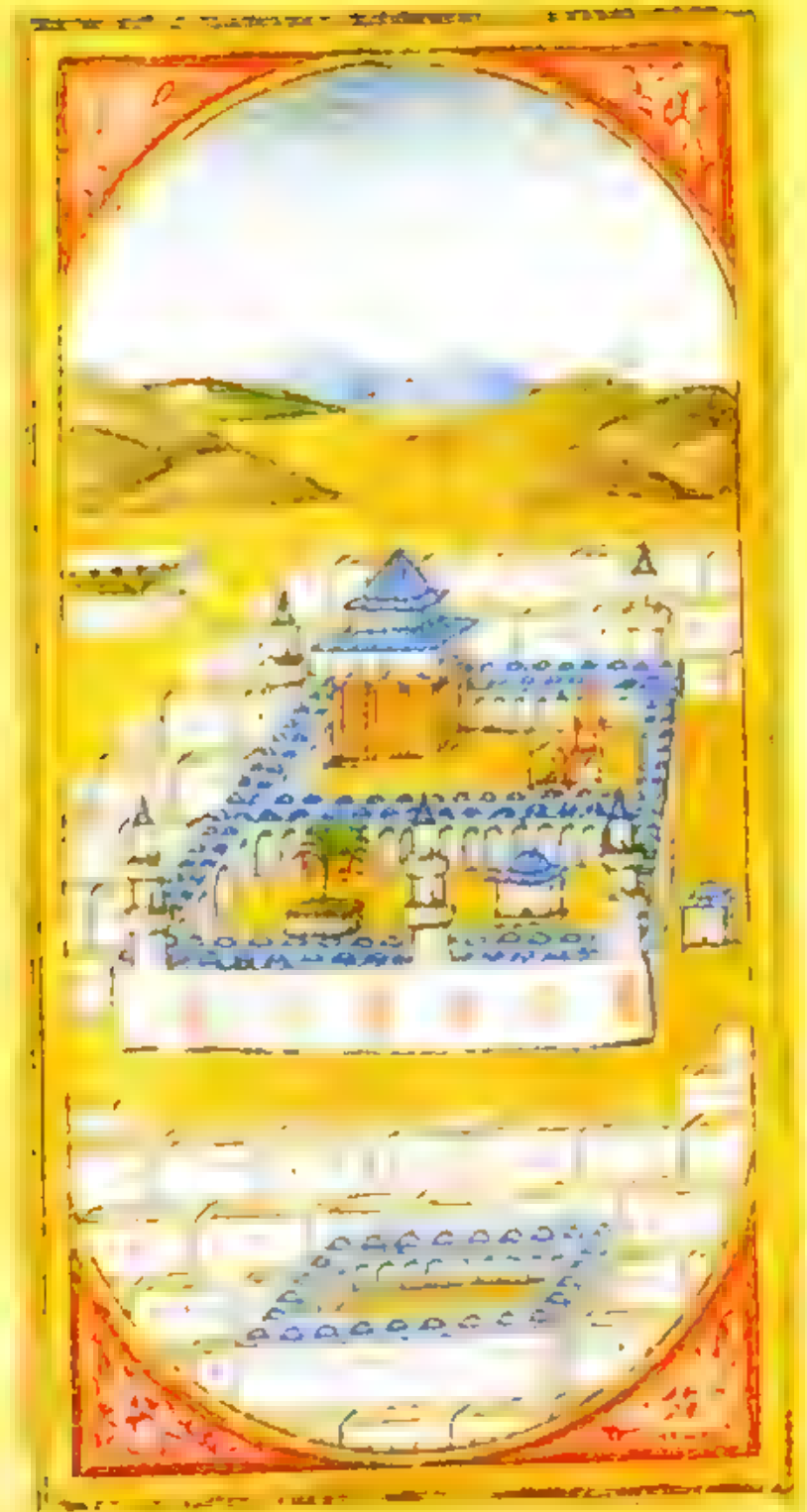
مسجد نبوی اور روضہ اقدس ﷺ کا خاکہ جو ۱۲۱۰ ہجری میں تیار کیا گیا
اسے دلائل الخیرات کے ایک صفحہ پر بنایا گیا تھا جہاں سے ہم نے حاصل کیا

سب دو جہان سے عدم وہ ہر چیز فانی ہے اور بے ثبات ہے اور حوادث و نشیب و فراز اس کا تابع ہے تقدیر کے قاضی کا دستور ہے یہی قانون ہے کہ قدرت کے کارخانے میں سکون محال ہے۔ پوری کرۂ ارض پر کوئی بھی شہر یا قصبہ نہیں جس پر اس قانون فطرت کا اطلاق نہ ہوتا ہو۔ شہروں کے کھنڈرات اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ تاریخ کے جھروکوں سے اگر مدینہ طیبہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ اس میں شک و شبہ بھی اس قانون فطرت سے مستثنیٰ نہیں رہے۔ دنیا کے دوسرے شہروں اور قصبوں کی طرح اس شہر مقدس کی تاریخ میں سیاسی مدوجزر، قدرتی اور طبیعی عناصر سے حادثات اور بھی متعدد بار اسے اچھے اور برے دن آتے رہے ہیں۔

صادق مصدوق جناب رسول مقبول ﷺ نے واضح طور پر فرمایا تھا۔ آپ حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے بعد مدینہ النبی جلدی ہی فتن کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کی ایک بلند عمارت (اطم) پر کھڑے تھے، لوگوں سے مخاطب ہوئے کہ کیا تم وہ سب کچھ دیکھ رہے ہو جو کہ میں دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا حضور نہیں۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میں تمہارے گھروں پر فتنوں کی بارش دیکھ رہا ہوں جیسے کہ موسلا دھار بارش ہو۔"(۲) یہی ایک دوسری حدیث مبارکہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [وقت بہت تیزی سے گزر جائے گا، نیک اعمال کم پڑ جائیں گے، لوگوں کے دلوں میں کنجوسی اور بخل بھر جائے گا اور فتنے ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے اور بہت زیادہ ہرج ہوگا۔ جب لوگوں نے عرض کیا کہ حضور ہرج کیا ہے تو حضور والا شان ﷺ نے ارشاد فرمایا قتل، قتل۔](۳) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں کم و بیش بارہ واقعات یا حوادث کا ذکر فرمایا گیا ہے جو قیامت برپا ہونے سے پہلے وقوع پذیر ہوں گے۔ ان میں سے ایک کے متعلق ارشاد ہے کہ مسلمانوں میں باہمی جنگ و جدل ہوگا اور معاندت و دشمنی جڑیں پکڑ لیں گی [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک کہ دو گروہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے جس کے نتیجے میں دونوں فریقوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوگا اور دونوں گروہ ایک ہی مذہب کے پیروکار ہوں گے](۴)

حضرت محجن ابن ادرعؓ نے یوں فرمایا [ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی کام کی غرض سے بھیجا، واپسی پر جب میں بھی مدینہ طیبہ کے مضافات میں ہی تھا تو میں نے آپ حضور ﷺ کو دیکھ لیا۔ حضور والا شان ﷺ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور ہم اکٹھے جبل احد کی طرف چل دیئے۔ وہاں پر آپ حضرت ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف رخ مبارک کر کے مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔ دوران گفتگو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا [اے شہر مجھے تم پر رحم آ رہا ہے ایک دن یہ بھی آئے گا کہ تمہارے باشندے تمہیں ایسے چھوڑ جائیں گے جس کی کوئی مثال نہ مل سکے گی۔] میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ تو ایسے میں اس کے پھلوں کو کون کھائے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا [پرندے اور جنگلی جانور۔](۵) صحیح بخاری میں مختلف راویوں کے سلسلے سے مروی ایک حدیث مبارکہ ہے جس میں حضرت ابو سعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں [میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا تھا اور مروان بن الحکم بھی ہمارے ساتھ تھا حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا [میں نے صادق مصدوق یعنی رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ [میری امت کی تباہی قریش کے چند نوجوانوں کے ہاتھوں سے ہوگی] اس پر مروان نے کہا اللہ لعنت کرے ان قریشی نوجوانوں پر! اس پر ابو ہریرہؓ نے کہا اگر چاہتے ہو تو میں ان کے نام بھی تمہیں بتا سکتا ہوں۔ یعنی فلاں بن فلاں وغیرہ......](۶)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [اس قریش قبیلے کے لوگ میری امت کے افراد کو قتل کریں گے۔] صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تو ایسی صورت میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہوا [اے کاش کہ لوگ ان سے الگ ہی رہتے (اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہ رنگتے)] صحیح مسلم نے اسی حدیث کو حضرت شعبہ (بن مغیرہؓ) سے بھی روایت کیا (۷) کس کو نہیں معلوم کہ مروان بن الحکم، یزید اور اس کی آل قریش کے لوگ قریش میں سے ہی تھے حضرت ابو

ہریرہؓ ہمیشہ اللہ جل جلالہ سے دعا کیا کرتے تھے [اے اللہ مجھے (۶۰ھ) کے فتنوں سے بچانا اور اس سے پہلے کہ وہ فتنے وقوع پذیر ہوں مجھے موت آ جائے](۸) یزید پلید ۶۰ ہجری سے لیکر تین سال تک حکمران رہا اور اس کی منحوس حکومت میں یکے بعد دیگرے تین ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی ہولناکی کی مثال پوری اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی: یعنی شہادت امام حسین علیہ السلام، مدینہ منورہ کی تباہی اور اس کے عواقب۔ ان فتنوں کی تباہ کاریوں کے نتیجے میں بے پناہ جانی اور مالی نقصان ہوا جن کے عواقب آج بھی مسلم امت کے لیے باعث تفریق بنے ہوئے ہیں حضرت سعید ابن المسیبؒ کے الفاظ میں [جب حضرت عثمان ابن عفانؓ کی شہادت کے نتیجے میں شروع ہونے والے فتنے نے جنم لیا تو کوئی بھی بدری اصحاب زندہ نہ بچا پھر جب دوسرے فتنے نے سر اٹھایا (یعنی واقعہ حرہ) تو کوئی بھی ایسا اصحابی زندہ نہ بچا جس نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی۔ اس کے بعد جب تیسرا فتنہ شروع ہوا تو وہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ مسلمانوں کی پوری قوت ختم نہیں ہو گئی۔](۹)

سیاسی خلفشار اور بد قسمتیوں کے علاوہ جنہوں نے مدینہ طیبہ پر دھاوا بول دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ مدینہ طیبہ حادثات اور زلازل کا بھی شکار ہوگا۔ ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ کے مطابق جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس وقت تک قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک کہ حجاز میں ایک آگ نمودار نہیں ہوگی جس کی روشنی سے بصریٰ کے بادیہ نشین رات کے وقت اپنے اونٹوں کی گردنیں نہ دیکھ پا کریں گے۔](۱۰) ایک اور حدیث مبارکہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: [جب کوئی سوار مدینہ کے مضافات کے پاس سے گزرے گا تو (اس کی ویرانی کو دیکھ کر) کہے گا کیا ہو گیا اس جگہ کو، یہاں تو مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد بسا کرتی تھی۔](۱۱) حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہالیان مدینہ اس کو چھوڑ جائیں گے اس کے بعد مدینہ پھر آباد ہوگا یہاں تک کہ یہ شہر آبادی سے بھر جائے گا مگر ایک وقت پھر آئے گا کہ یہاں بسنے والے پھر اسے چھوڑ جائیں گے اور پھر اس کے بعد کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے](۱۲) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے۔ [رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دجال آئے گا اور مدینہ کے نواح میں خیمہ زن ہو جائے گا تب مدینہ طیبہ میں تین بار زلزلہ آئے گا اور ہر کافر اور منافق مدینہ طیبہ سے نکل کر اس کی طرف چلا جائے گا](۱۳)

مدینہ طیبہ پر نازل ہونے والے آفات و فتن کے بارے میں اتنی کثرت سے احادیث مبارکہ ہیں کہ بعض معروف علماء کرام نے تو اس موضوع پر الگ کتابیں تحریر کی ہیں، مثلاً ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری) کی کتاب الفتن والملاحم وغیرہ۔ ان احادیث مبارکہ میں بتائے گئے واقعات میں سے چند تو پہلے ہی وقوع پذیر ہو چکے ہیں جب کہ ابھی بہت سی پیشین گوئیاں پوری ہونا باقی ہیں جن میں سے زیادہ کا تعلق آثار قرب قیامت سے ہے۔ ذیل کے صفحات میں ہم نے ان چند واقعات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے جو پہلے ہی ہو چکے ہیں اور جنہوں نے مدینہ طیبہ کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کئے تھے۔ ان واقعات کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، یعنی سیاسی مصائب و فتن اور قدرتی آفات و بلیات جن سے یہ شہر مقدس گزر چکا ہے۔

(۱) سیاسی مصائب و فتن:

سب سے پہلے ہم سیاسی حوادث اور مصائب و فتن کا ذکر کرنا چاہیں گے جنہوں نے نہ صرف مدینہ طیبہ کے امن و آشتی کو غارت کیا بلکہ تمام امت مسلمہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی روایت کردہ، ایک طویل حدیث مبارکہ سے ہم صرف ایک اقتباس پر اکتفاء کریں گے [میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا: سب سے پہلے جو حوادث و فتن نازل ہوں گے وہ شخصی نوعیت کے ہوں گے، یعنی ایک فرد کے اہل خانہ، اس کی جائیداد، اس کی ذات اور اس کے ہمسایوں تک محدود ہوں گے جن کا کفارہ صیام و قیام، زکوٰۃ، صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تمسک و التزام سے ممکن ہوگا (۱۴)

اگر منظر عام دیکھا جائے تو سب سے پہلا فتنہ جس نے مدینہ طیبہ کو اپنی لپیٹ میں لیا وہ اسی قسم کا تھا حفص حضرت اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ یہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور سے متعلق پیشین گوئی تھی شر پسندوں نے حضرت عثمان ذی النورینؓ کی ذات مبارکہ، ان کے اہل خانہ کی دولت اور ان کی مبینہ اقربا پروری پر سوالات اٹھائے تھے اور پھر یہ سلسلہ چھ سال کی مدت تک طول کھینچ گیا آخر کار جب بلوائی مدینہ میں گھس آئے تو حالات اس حد تک قابو سے باہر ہو گئے تھے کہ سیدنا عثمانؓ کو ان کے گھر میں محصور کر دیا گیا محاصرہ ڈیڑھ دو ماہ تک جاری رہا اور آخر کار امیر المومنین کی شہادت پر منتج ہوا یہ پہلا فتنہ تھا جس نے مدینہ طیبہ کے امن و آشتی کو ختم کر دیا تھا شہادت خلیفہ راشد بھی اس فتنے کا اختتام تک نہ پہنچ سکی بلکہ شہر نبی پر مصائب اور آفات کے دروازے کھل گئے جس سے طوفانی موجوں کی طرح فتنے پر فتنے مدینہ طیبہ کی طرف امڈ آنے لگے اس موقع پر ہم اوپر دی گئی حدیث مبارکہ کے دوسرے حصے سے ایک اور اقتباس نقل کرنا چاہیں گے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی پہلے دی گئی روایت پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ ان کے سوال کا رخ چھوٹے چھوٹے فتنوں کی طرف نہیں تھا بلکہ وہ ان مصائب اور فتن کے بارے میں جاننا چاہیں گے جو امواج بحر کی طرح نمودار ہوں گے اس پر حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے فرمایا [اے امیر المومنین! آپ (یعنی آپ کا دور) ان فتنوں سے محفوظ ہیں ان کا دروازہ آپ پر نہیں کھل سکے گا](۱۵) حدیث مبارکہ کی دیگر تفصیل سننے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جب یہ دروازہ کھل گیا تو سعی بسیار کے باوجود پھر کبھی بند نہیں ہوگا

یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی جب ایک مرتبہ نفرت و نفاق کے اژدہے نے مدینہ طیبہ کے باسیوں کو ڈس دیا تو پھر اس کا زہر امت اسلامیہ کے رگ و پے میں سرایت کر گیا جس نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے چین کیے رکھا ہے نفرتیں بڑھتی رہیں، اور شورشیں زور پکڑتی رہیں اور ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا معرکہ جنا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نفوس طیبہ بھی ان فتنوں سے قطع نظر نہ کر سکے اور حالات کو سدھارنے کی غرض سے ایک گروہ دوسرے کے خلاف سینہ سپر ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سال کی قلیل مدت میں جنگ جمل اور جنگ صفین نے پوری امت کو نڈھال کر کے رکھ دیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور مبارکہ میں دار الخلافہ مدینہ طیبہ سے منتقل ہو کر بصرہ چلا گیا اور اس طرح مدینۃ النبی مسرح العصبیات (یعنی میدان کارزار) بننے سے بچ گیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ کی عاصمہ اسلام کی حیثیت تو ضرور ختم ہو گئی مگر بلد الحرم کی ارض مقدس ان معرکہ آرائیوں سے کافی حد تک محفوظ ہو گئی تھی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مدینہ طیبہ کی ارض حرم تو اس خون خرابے سے بچ گئی مگر اہل مدینہ کے لیے اس کشمکش اور رسہ کشی سے چھٹکارا پانا ناممکن ہو گیا تھا چونکہ فریقین کی قیادت کا تعلق زیادہ تر حجاز سے تھا اس لیے اہلیان مدینہ بھی اس سے اغماض نہ کر سکے اس آتش نفاق کو ختم کرنے کے لیے بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی جانوں کا نذرانہ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام تر سیاسی زلزلوں کے جھٹکے مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے پہنچتے تھے جس سے اس بلدۃ طاہرہ کے در و دیوار لرز جاتے تھے تحکیم کے نتیجے میں حضرت معاویہؓ کو جب امت مسلمہ پر مسلط کرا دیا گیا تو بھی مدینہ طیبہ کی اکثریت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں تھی حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے شہر نبی کے گورنر تھے حضرت معاویہؓ نے مدینہ طیبہ پر اپنا تسلط جمانے کی غرض سے ایک لشکر جرار بسر بن ارطاہ (بقول ابن اثیر کے بشر بن ارطاہ) کی سالاری میں مدینہ طیبہ بھیجی حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے قتال کی بجائے شہر نبی سے انخلاء کرنا مناسب سمجھا اور اس طرح میدان بغیر خون خرابے کے امویوں کے ہاتھ رہ گیا جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی جماعت مدینہ سے فرار ہونے پر مجبور ہو گئی اور انہوں نے مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں غار و کوہ میں پناہ لیکر اپنی جانیں بچائیں یہی حال اس وقت ہوا جب حجاج ابن یوسف مدینہ طیبہ پر مسلط ہوا حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کا بیان ہے کہ وہ حجاج بن یوسف کے سامنے لائے گئے تو حجاج نے ان سے کہا: [اے اکوع کے بیٹے تم نے مدینہ چھوڑ کر بدوؤں کے ساتھ رہنا شروع کر دیا ہے اس لیے تم اسلام سے پھر گئے ہو] انہوں نے برجستہ فرمایا: [نہیں! مجھے رسول

اللہ ﷺ نے (ایسے حالات میں) وہاں جا بسنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔] یزید ابن ابی عبیدؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان ابن عفانؓ شہید کر دیئے گئے تو حضرت سلمہ بن اکوعؓ مدینہ طیبہ سے بہت دور "الربذہ" چلے گئے تھے۔](۱۶) حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے ربذہ جا کر شادی کر لی تھی اور وہیں ان سے اولاد بھی ہوئی اور اپنی وفات سے چند دن پہلے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے۔(۱۷) اسی طرح حضرت محمد ابن مسلمہؓ بھی اپنا بستر مدینہ طیبہ سے گول کر کے چلے گئے تھے اور بہت دور جا کر خیمے میں زندگی گزارتے رہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ تو مدینہ طیبہ سے نکل کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ اس طریقے سے اموی راج مدینہ طیبہ پر مسلط ہو گیا اور بسر بن ارطاۃ کی دھونس اور دھاندلی سے اہل مدینہ نے حضرت معاویہؓ کی اکراہاً بیعت بھی کر لی (۱۸) کچھ قبائل ابھی بھی پس و پیش کر رہے تھے اور خدشہ تھا کہ کہیں قتل و غارت شروع نہ ہو جائے ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کی بروقت مداخلت سے قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوتے ہوتے رہ گیا کیونکہ بنی سلمہ (جو حضرت جابر ابن عبداللہؓ کا قبیلہ تھا) بیعت حضرت معاویہؓ پر راضی نہیں تھا اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کو ان کے حوالے کرنے سے انکاری تھا، کیونکہ حکام بالا نے واضح الفاظ میں ان کو یہ حکم نامہ بھیجا تھا [تمہارے لیے نہ کوئی امن ہے ورنہ ہی معافی نامہ جب تک کہ تم (حضرت) جابر ابن عبداللہؓ کو ہمارے حوالے نہ کر دو](۱۹) حضرت جابر بن عبداللہؓ جیسے جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جس طرح سے جبر و اکراہ کے ساتھ بیعت لی گئی تھی اس سے اس اندازے پر خوب روشنی پڑتی ہے کہ مدینہ طیبہ میں خلافت راشدہ سے موروثی راج کو کس طرح اقتدار منتقل ہوا تھا حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ بھی خبر دے دی گئی تھی کہ یہ دردناک دور ۶۰ ہجری سے شروع ہوگا وہ فرمایا کرتے تھے "لوگ مجھے پہلے ہی بہت طعن و تشنیع کرتے ہیں کہ میں نے معاویہؓ کا ساتھ دیا۔ اے اللہ مجھے ۶۰ ہجری سے پہلے ہی اٹھا لینا" حضرت عمیر بن ہانیؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے "اللھم لا تدرکنی سنة ستین۔ اے اللہ مجھے ساٹھ سن نہ دیکھنے دینا" (ابی زرعہ الدمشقی (ت ۲۸۱ ہجری)، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص ۶۹)

واقعہ حرہ واقم یا حرہ زہرہ:

مدینہ طیبہ کی ابتدائی تاریخ میں گرچہ فتنوں اور آفات کی یورش رہی ہے مگر "واقعہ حرہ" یا "واقعہ حرہ زہرہ" سے زیادہ ہولناک واقعہ شائد ہی رسول اللہ ﷺ کے شہر مقدس کی تاریخ میں کبھی رونما ہوا ہو۔ نبی برحق ﷺ نے اس حادثہ عظیم کی پیشین گوئی بہت پہلے کر دی تھی آپ حضور ﷺ ایک مرتبہ حرہ شرقیہ سے گزر رہے تھے کہ اچانک فرمانے لگے "انا للہ و انا الیہ راجعون" اور پھر حرہ کی طرف انگشت مبارک اٹھا کر آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے بہترین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بہت سے وہاں پر ذبح کر دیئے جائیں گے واقدی نے اپنی مشہور "کتاب الحرہ" میں اس حدیث مبارکہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس حرہ میں میرے اصحابہ کے بعد میری امت کے بہترین لوگ قتل ہوں گے۔](۲۰)

حضرت محمدؓ اور عبدالرحمنؓ ابناء حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے: [ایک مرتبہ ہم اپنے والد کی ہمراہی میں حرہ کے علاقے سے گزر رہے تھے کہ انتہائی دلگداز حالت میں انہوں نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور فرمایا: [لعنت ہو ان لوگوں پر جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ڈرایا۔] ہم نے ان سے پوچھا کہ والد محترم کیا کوئی نبی اکرم ﷺ کو بھی ڈرا سکتا ہے؟ جس پر وہ یوں گویا ہوئے [میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارکہ سے سنا ہے کہ: جو بھی اس علاقے (یعنی مدینہ طیبہ) کے انصاری لوگوں کو ڈرائے گا، اس نے گویا ان دو مقامات کی درمیانی جگہ کو ڈرایا اور پھر آں حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنی جبین طاہرہ پر رکھ کر اشارہ کیا (یعنی اپنی جبین مبارکہ کی طرف اشارہ کیا جو کہ

دونوں آنکھوں کے درمیان ہوتی ہے)۔ جس سے حضور نبی اکرم ﷺ کا شارہ تھا کہ گویا ایسے مردود نے آپ حضرت ﷺ کو ڈرایا۔ اسی طرح حضرت سائب ابن خلادؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [جو کوئی بھی مدینہ میں بسنے والوں کو ڈرائے گا، اللہ اسے ڈرائے گا۔ وہ ایسے شخص پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور علامۃ الناس کی لعنت ہو۔] انہی دو احادیث مبارکہ کی بنیاد پر محدثین اور علماء کرام نے یہ رائے قائم کی تھی کہ چونکہ یزید نے اہل مدینہ کو قتل کرنے کے لیے شام سے اپنی افواج روانہ کی تھیں اس لیے اس کو لعن طعن کرنا جائز ہے۔

اہل مدینہ نے کبھی بھی یزید کو اپنے دل سے خلافت کا حقدار نہیں سمجھا تھا کیونکہ ان سے بیعت ان کی مرضی کے خلاف جبر و اکراہ سے لی گئی تھی۔ تاریخ کے قاضی نے روز اول سے ہی اپنا فتویٰ صادر کر دیا تھا کہ وہ طریق کار جو حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی العہد نامزد کرنے میں استعمال کیا تھا وہ نہ تو ان کے پیشروؤں یعنی خلفائے راشدین کے معمول کے مطابق تھا اور نہ ہی حالات اس کا تقاضا کر رہے تھے جس کے نتیجے میں اسلامی سیاسی نظام پٹڑی سے اتر گیا اور خلافت کی جگہ خاندانی ملوکیت نے لے لی۔ پھر یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کو مختلف حوادث نے آن گھیرا۔ چند ہی سال گزرے ہوں گے کہ دمشق سے ایک اور بڑے عظیم معرکہ کرب و بلا کی شکل میں وارد ہوگئی۔ وہ اس برق ناگہانی نے تو امت مسلمہ کے نشیمن کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ شہزادگان رسول خدا ﷺ کے جسد اطہر کا خون ناحق بنو امیہ کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن کر چمک گیا۔ مدینۃ النبی میں ایسے لگتا تھا جیسے کوئی بھونچال آ گیا ہو۔ پورے حجاز میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اہالیان مدینہ طیبہ مختلف سیاسی حوادث سے پہلے ہی پریشان تھے کہ عثمان ابن محمد بن ابوسفیان (جو کہ یزید کا چچیرا بھائی تھا) کو مدینہ طیبہ کا گورنر لگا دیا گیا جس کے جور و ستم نے رہی سہی کسر نکال دی اور اہل مدینہ طیبہ کا جینا دوبھر ہو گیا۔ اسی اثناء میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے مکہ مکرمہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ایسے میں مدینہ طیبہ کے شہری بھلا کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔ سید میر علی کے الفاظ میں: [مدینہ طیبہ میں جذبات اتنے بھڑک اٹھے تھے کہ یزید نے افراتفری میں اپنا ایک خاص آدمی مدینہ پر مسلط کر دیا تاکہ حالات کو قابو میں لایا جا سکے۔ اس کے کہنے پر چند عمائدین مدینہ طیبہ کا ایک وفد دمشق روانہ کیا گیا۔ وہ وفد یزید کی بدکرداری اور رویے سے متنفر ہو کر مدینہ واپس لوٹ آیا۔ اس سفر کا حاصل سے دلبرداشتہ ہو کر مدنیوں نے اپنے گلے سے یزیدی بیعت کے طوق کو اتار پھینکنے کا تہیہ کر لیا۔ انہوں نے اس کے گورنر کو نکال باہر کیا۔ اس خبر پر یزید غم و غصے سے آپے سے باہر ہو گیا اور شامیوں کا ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلم بن عقبہ (جسے مسرف بن عقبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور بعض مورخوں نے اسے ملعون قاتل کا نام دیا ہے) کی زیر کمان مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔(۲۱)

یزید نے حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کو جو اس وقت عمائدین شہر میں صاحب الرائے تھے اور مدنی معاشرے میں ایک بلند مقام رکھتے تھے دمشق طلب کیا اور انہیں اپنی بیعت یاد دلائی۔ تاہم یزید کے تخت رویے اور بدتمیزی نے الٹا اثر دکھایا اور جب حضرت عبداللہؓ واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان کے غیظ و غضب کا جوالہ مکھی پھٹ پڑا اور انہوں نے علی الاعلان یزید پلید کی بیعت سے خلع اور چھٹکارا کر لیا۔ ۶۳ ہجری میں ان کے اتباع میں مدنیوں نے بھی یکے بعد دیگرے یزید کی بیعت کا طوق گلے سے اتار پھینکا (۲۲)۔ ایک فاسق و فاجر، شرابی اور تارک صلوٰۃ کا مسلم امت کا خلیفہ رہنا ناقابل برداشت تھا۔ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کی بیعت اختیار کر لی اور تھوڑے ہی عرصے میں مدینہ طیبہ میں ہر طرف علم بغاوت لہرانے لگ گیا۔ لوگ جوق در جوق حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کی بیعت کر رہے تھے اور یوں سول نافرمانی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ بنی امیہ کے مقرر کردہ گورنر کو برطرف کر دیا گیا اور انصار اور مہاجرین کے دونوں گروہوں نے الگ الگ اپنا ایک ایک امیر چن لیا۔ حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ انصار کی نمائندگی کرتے تھے اور قریش کے امیر حضرت عبداللہ ابن مطیع العدویؓ تھے اور حضرت معقل بن سنان الاشجعیؓ (یہ وہ اصحابی تھے جن کو حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غزوہ فتح مکہ میں اپنے قبیلے کے علم بردار ہونے کا شرف حاصل تھا) مہاجرین

حرہ شرقیہ وہ حصہ جہاں یہ معرکہ برپا ہوا تھا آج کل یہ جگہ شاہراہ فیصل پر مرکزی پولیس آفس کے سامنے ایک چار دیواری میں محیط ہے۔ ۲۰۰۱ء

کی طرف سے امور مدینہ چلانے کے لیے چنے گئے تھے۔

مروان بن حکم اور برطرف گورنر (عثمان بن محمد بن ابوسفیان) کو حضرت عثمان ابن عفانؓ کے بیٹے عمرو کے ساتھ ان کے گھروں میں نظر بند کر دیا گیا اور ان کے ایک ہزار سے بھی زیادہ ساتھیوں کو شہر کے مرکز سے دور (البرکہ اور الجرف کے درمیان) ایک محظورہ علاقے میں محصور کر دیا گیا جو کہ وادی العقیق میں واقع تھا۔(۲۳) جب یزید کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے بارہ ہزار شامیوں کا ایک لشکر تیار کر کے مدینہ روانہ کر دیا۔ ان کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ مری الغطفانی تھا، جو ایک نہایت ہی سفاک اور پیشہ ور مجرم تھا جو اپنی چالاکی سے حضرت معاویہؓ کا منظور نظر ہو چکا تھا کیونکہ اس نے یزید کی نامزدگی اور بیعت میں بہت نمایاں کردار ادا کیا تھا (۲۴)۔ حضرت معاویہؓ نے اپنی وصیت اور آخری نصیحت میں اپنے ولی عہد یزید کو ہدایت کی تھی کہ اگر کل کلاں کو مدینہ میں بغاوت ہو جائے تو ان کو زیر کرنے کے لیے آہنی ہاتھ استعمال کرے اور اس کام کے لیے مسرف بن عقبہ کی خدمات حاصل کی جائیں (۲۵) جو اہل مدینہ سے قتل عثمانؓ کا بدلہ لینے کی قسم کھائے بیٹھا تھا (۲۶)۔ وہ ملعون تو مدینہ کو جسے حضور نبی اکرم ﷺ طیبہ اور طابہ کہہ کر پکارتے تھے اس کو بھی 'فتنہ' کہا کرتا تھا۔ یزید نے اس وصیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس بدبخت کو اپنے اس لشکر کا سالار مقرر کر دیا تاکہ باغیان مدینہ کو سبق سکھایا جا سکے۔ ان لشکریوں سے ہر طرح کے وعدے وعید بھی کیے گئے۔ اس لشکر میں شامل ہونے کے لیے روانگی سے پیشتر ہی ان کو ایک ایک سو دینار بھی دیئے گئے اور لالچ دیا گیا کہ وہ فتح پاتے پر ڈھیروں مزید انعامات کے مستحق ٹھہریں گے۔(۲۷)

اہالیان مدینہ طیبہ نے نہایت پامردی اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ وہ خندق جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں غزوہ احزاب کے موقع پر کھدوائی تھی اس کو نئے سرے سے کھودا اور مرمت کیا گیا۔ تزویری (Strategic factors) نقطہ نگاہ سے اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ راتج سے مسجد الاحزاب (مسجد الفتح) تک اس کی نگرانی قریشی کر رہے تھے جن کے امیر فتح مکہ کے ایک اصحابی یعنی حضرت معقل بن سنانؓ تھے، وہاں سے لیکر بنی سلمہ کے علاقے تک انصاری تعینات تھے جن کی کمان حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کر رہے تھے اور باقی کا حصہ دیگر مدنی حضرات کر رہے تھے جن کی کمان حضرت ابوہریرہؓ کے فرزند ارجمند (حضرت محمدؓ) کر رہے تھے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن ابن زہیر بن عوفؓ (جو حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے چچیرے بھائی تھے) کو پوری خندق کی عمومی نگاہداری سونپی گئی تھی (۲۸)۔ یزیدی افواج نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا۔ مروان نے اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کو چھڑوانے کے لیے عام معافی کی ایک چال چلی اور سادہ لوح مدنی اس کے جال میں پھنس گئے اور ان سب کو رہا کر دیا۔ اس نے یزیدی افواج سے خفیہ رابطہ رکھ کر ان کو حرہ واقم کی جانب سے خندق میں خفیہ راستے کی خبر دے دی جہاں سے یزیدی فوج اندر آ گھسی اور یوں اہالیان مدینہ طیبہ بے خبری کے عالم میں مارے گئے (۲۹)۔ بہت گھمسان کا رن پڑا۔ مدنیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر یزیدی فوجوں کی عددی برتری اور مفاجاتی شب خون کے حربے نے ان کا بس نہ چلنے دیا۔ مدنیوں کے تینوں امیر یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش فرما گئے۔ سب سے پہلے حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ بے جگری سے لڑتے

ہوئے شہید ہوئے، پھر ان کے آٹھ فرزندوں نے بھی جام شہادت نوش فرمایا پھر دوسرے امیر حضرت عبداللہ ابن مطیع ؓ بھی اپنے سات فرزندوں کی ہمراہی میں شہید ہوگئے (۳۰) اسی طرح ایک ایک کر کے اصحابی اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میدان کارزار میں کام آرہے۔ تابعین میں سے مشہور اسماء جو تہہ تیغ ہوئے وہ یہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن محمد بن ابو بکرؓ، حضرت عبدالملک بن جابر بن مالک النجاریؓ (ان کی والدہ مشہور صحابی حضرت اسعد بن زرارہؓ کی صاحبزادی تھیں)، حضرت یزید بن ابی الیسرؓ، حضرت عبدالرحمن بن زید بن ثابتؓ (۳۱)، حضرت عبدالرحمٰن بن زہیر بن عوفؓ، حضرت یحییٰ بن زید بن ثابتؓ اور حضرت محمد بن ابو ہریرہؓ وغیرہ۔ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چند شخصیتیں جن کو بچ جانیں اس فتنے کی نذر کرنا پڑیں وہ یہ تھے حضرت فضل بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلبؓ، حضرت محمد بن سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت محمد بن ثابت بن قیس بن شماسؓ (جو حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کے سوتیلے بھائی تھے)، حضرت ربیعہ ابن کعبؓ (جو حضور نبی اکرم ﷺ کے عاشق زار اور اصحاب صفہ میں سے تھے)، حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ (۳۲)، حضرت معاذ ابن الحارث الانصاریؓ، حضرت افلحؓ جو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، (۳۳) اور یزید بن عبداللہ بن زمعہؓ، ابو سلمہ بن عبداللہ بن زمعہ، عبداللہ بن عبدالرحمن بن حاطب بن ابی بلتعہ، عمیر اور عمرو پسران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ابو بکر بن عبیداللہ بن عمر بن الخطاب، عبداللہ وسلیمان پسران عاصم بن عمر بن الخطاب وغیرہ اہل بیت طاہرہ سے اور آل ابی طالب سے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ اور جعفر بن محمد بن علی بن ابی طالبؓ نے شہادت پائی (۳۴) بنو ہاشم سے دیگر شہداء میں عبداللہ بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلبؓ اور عباس بن عتبہ بن ابی لہب وغیرہ شامل تھے سرکردہ عمائدین کے بریدہ سروں کو یزید کے پاس دمشق روانہ کر دیا گیا (۳۵)۔

طاقت کے نشے میں چور یزید نے اپنی افواج کو حکم دیا ہوا تھا کہ جونہی شہر کا سقوط ہو اس کے لشکری جس گھر میں چاہیں گھس جائیں، لوٹ مار مچائیں اور جو چاہیں کریں اور آئندہ بغاوت کے امکان کو یکسر مٹانے کے لیے ان کو کھلی چھٹی تھی کہ وہ ہر بالغ مرد کو تہہ تیغ کر دیں، مستثنیٰ تھا تو صرف اہل بیت طاہرہ میں سے حضرت علی بن حسین علیہ اسلام (حضرت زین العابدینؓ) کی ذات اور ان کے اہل بیت کے لیے تھا کہ ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے (۳۶)۔ حضرت زین العابدینؓ نے اس معاملے سے قطع تعلق کر لی تھی اور وقتی طور پر آپ ینبع چلے گئے تھے (۳۷) حضرت محمد بن علیؓ (جن کو اسلامی تاریخ میں محمد ابن حنفیہؒ کے نام سے جانا جاتا ہے) پہلے ہی حج کی غرض سے مکہ مکرمہ جا چکے تھے (جہاں انہیں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے نظر بند کر کے روکا ہوا تھا) اور مدنیوں پر جو قیامت ٹوٹی تھی وہ ان کی غیر حاضری میں تھی (البتہ ان کے فرزند ارجمند جعفر ابن محمدؒ شہید کر دیے گئے تھے)۔ یہ دلفگار واقعہ مورخہ ۲۸ ذوالحج ۶۳ ہجری کو ہوا تھا۔

نہتے مدنی حرہ واقم کی طرف جمع ہوگئے تھے جو مسجد نبوی شریف سے تقریباً ایک یا ڈیڑھ کیلو میٹر دور تھا پیروجوان، مہاجر و انصار، اصحابی در تابعی اب کسی کی کوئی تفریق و تمیز باقی نہیں رہ گئی تھی یزیدیوں کی خون آشام تلواریں سب پر یکساں برس رہی تھیں۔ یزیدی افواج نے نتیجے میں چور ان نہتے مدنیوں کا قتل عام جس درندگی اور بربریت سے کیا کہ لکھتے وقت قلم کانپ جاتا ہے ان کی تیغ ستم کش سے صرف وہ مدنی بچ سکے تھے جو یا تو بہت ہی عمر رسیدہ یا اپاہج تھے یا وہ لوگ تھے جنھوں نے وقتی طور پر پاگلوں کا سا روپ دھار لیا تھا (۳۸) یا پھر وہ لوگ تھے جنہوں نے بھاگ کر مدینے کے مضافات میں غار و کوہ میں پناہیں ڈھونڈ لی تھیں (۳۹)۔ ان کے علاوہ وہ لوگ بھی امان پا گئے جنھوں نے اپنے آپ کو اس فتنہ سے دور رکھا ہوا تھا اور یزید کی بیعت کا خلع نہیں کیا تھا۔ (۴۰) جلیل القدر صحابی حضرت ابو سعید الخدریؓ کے گھر میں وہ لوگ دو بار گھس آئے تھے پہلے ہلے میں جو کچھ ان کے ہاتھ لگ سکا وہ سب کچھ لے گئے اور دوسری بار جب وہ آئے اور انہیں لوٹنے کے لیے کچھ نہ مل سکا تو اس صحابی جلیل رضی اللہ عنہ کو مارا پیٹا گیا اور ان کی ریش مبارک کے بال تک نوچ لیے گئے۔ (۴۱) مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں لاشوں کے انبار لگ گئے تھے۔ جدھر نگاہ جاتی موت ہی موت رقص کناں نظر آتی تھی شہیدوں کو کفنانا تو ایک طرف کسی کو دفن کرنے والا کوئی نہیں رہ گیا تھا کٹے

ہوئے سر چوراہوں میں آویزاں تھے (۴۲) کچھ عمائدین شہر کے بریدہ سر دمشق میں اموی شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیے گئے تھے اور باقیوں کو بہت مدت بعد اجتماعی قبروں میں دفن کیا گیا تھا۔ بقیع الغرقد کے وسط میں اجتماعی قبر آج بھی اسی بربریت کی یاد تازہ کرتی ہے۔ مدینۃ النبی مسلم افواج ہی کے ہاتھوں ظلم و بربریت پر نوحہ کناں تھا۔ وہ شہر نبی جو نبی الرحمت علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کو اتنا پیارا تھا کہ آپ حضور ﷺ اس کے لیے رحمت و برکت کی دعائیں کیا کرتے تھے آج بد بخت یزیدی افواج کے ہاتھوں خون میں لت پت پڑا سسکیاں لے رہا تھا۔ امان صرف اس کو ملی تھی جو یزید کی غیر مشروط بیعت کے علاوہ یہ اقرار کرتا تھا کہ وہ اس کا غلام بے دام بن گیا ہے (فرق واضح ہے کہ وہ لوگ جو کل کے بیعت تھے اب یزید کی غیر مشروط غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے پر مجبور تھے) حضرت یزید بن عبداللہ بن زمعہؓ کو گرفتار کر کے جب مسرف بن عقبہ کے سامنے لایا گیا تو اس نے پوچھا: "کیا بیعت کرتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا ہاں مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب برحق اور سنت رسول مقبول پر اتنا سا جواب بھی اس فرعون کا ناپسند گزرا اور فوراً انہیں تہہ تیغ کر دیا گیا

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو حرم اور جائے امن و امان قرار دیا تھا (۴۳) مگر یہ بلد الامان آج خود زبان حال سے امان کا فریادی تھا۔ ہر طرف الاماں الحفیظ کی پکار تھی۔ حرم مدنی کا تقدس پامال کیا جا رہا تھا شقی القلب یزیدی لشکری مدینہ طیبہ کی گلی گلی منہ اٹھائے ہر ذی روح کی (جو بچ گیا تھا) تضحیک کر رہے تھے سب سے زیادہ ناگفتہ بہ حالت ان عفت مآب اور باپردہ خواتین مدینہ طیبہ کی تھی جن کی کھلے بندوں آبرو ریزی کی جا رہی تھی اس لیے کہ ان کی لاج اور عزت کے رکھوالے سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تھے۔ ابن الاثیر کے الفاظ میں: [مسلم بن عقبہ نے اپنی افواج کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ تین دن تک وہ جو چاہیں کریں۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم کریں اور مال غنیمت کے طور پر جو بھی چاہیں لوٹ لیں۔ ان ظالموں کے ہاتھوں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی نہ بچ سکے تھے۔] (۴۴) وہ درندے اپنے گھوڑوں کو مسجد نبوی شریف کے اندر باندھا کرتے تھے اور چونکہ دروازے کھلے رہتے تھے مسجد شریف میں بلیاں اور دیگر جانور آزادی سے اندر آیا جایا کرتے تھے۔ (۴۵) حضرت سعید ابن المسیبؓ جو مدینہ طیبہ کے سات جلیل القدر تابعین اور فقہاء میں سے ایک ہیں فرماتے ہیں

میں نے حرہ کی راتیں دیکھی ہیں، میرے علاوہ کوئی بھی مسجد نبوی شریف میں نہ ہوتا تھا شامی گروہ در گروہ مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور میری تضحیک کرتے اور کہتے دیکھو اس بڈھے دیوانے کو! کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ نماز کا وقت آتا اور میں (حجرہ اطہر سے) قبر مبارک سے اذان کی آواز نہ سنتا۔ پھر میں آگے بڑھتا اور اقامت صلوٰۃ کہتا جس کے بعد میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ میرے علاوہ مسجد نبوی میں کوئی دوسرا فرد نہ ہوتا تھا۔ (۴۶)

عصمتوں اور عمر کا لحاظ تو درکنار ان درندوں نے جو بھی عورت ذات ہاتھ لگی اس کی عزت لوٹ لی۔ کٹے ہوئے سر چوراہوں میں ایک ہولناک منظر پیش کر رہے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں: [میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر مدینہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ ان کی نظر ایک کٹے ہوئے سر پر پڑ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ نامراد ہے وہ شخص جس نے اسکو قتل کیا ہے جب وہ کچھ آگے گئے تو فرمانے لگے، میں اس کو بدقسمتی ہی کہہ سکتا ہوں میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ، اگر کوئی آدمی میری امت کے کسی فرد کو قتل کرنے کے درپے ہو جائے تو یہ کہنا چاہیے کہ جو قاتل ہے وہ جہنم میں جائے گا اور جو مقتول ہے وہ جنت میں جائے گا] (۴۷) مورخین نے اکثر و بیشتر ان روح فرسا واقعات کی تفصیل میں جانے سے احتراز کیا ہے مگر مجموعی طور پر تفاصیل ضرور مہیا کی ہیں مجموعی طور پر ۱۲،۴۹۷ سے زیادہ افراد شہید ہوئے تھے۔ (۴۸) ان میں سے، کثریت کے لاشے اجتماعی قبروں میں حرہ میں ہی دفنا دیے گئے تھے مگر کچھ کو بعد میں بقیع الغرقد میں، اجتماعی قبر میں دفنایا گیا تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وہ جگہ آج بھی مشہد شہدائے حرہ کے نام سے مشہور ہے۔ صرف عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالبؓ کی قبر الگ ہے جو ان کے چچا عقیل ابن ابی طالبؓ کے پہلو میں ہے۔ القرطبی کے مطابق اس فتنے کی وجہ سے شہید ہونے والوں کے اعداد و شمار کچھ یوں تھے:

مہاجرین، انصار اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین		۷۰۰
بے گناہ عامۃ الناس		۱۰,۰۰۰
حفاظ کرام		۷۰۰
قریش		۹۷
کل تعداد	....	۱۲,۴۹۷

البدایہ والنہایہ نے مہاجرین اور انصار شہداء کی تعداد سات سو اور عامۃ الناس کی تعداد دس ہزار بتائی ہے.(۴۹) مہاجرین و انصار میں سے ۳۰۶ شدید زخمی ہوئے تھے

بنی ہاشم میں سے مشاہیر جنہوں نے جام شہادت نوش فرمایا ان میں سے چند کے نام یہ تھے فضل بن عباس بن ربیع بن الحارث بن عبدالمطلب، عباس بن عتبہ بن ابی لہب بن عبدالمطلب، اور ۹۰ سے زیادہ دیگر بنو قریش تھے.(۵۰) ابن الجوزی کے مطابق خواتین مدینہ طیبہ کے ساتھ زیادتی کے نتیجے میں ایک ہزار سے زائد بچے پیدا ہوئے تھے. ان بچوں کو بعد کے مورخین نے 'اولادِ حرہ' کا نام دیا ہے(۵۱) اور جب وہ جوان ہو گئے تو حضرت عمر ابن عبدالعزیزؓ نے بیت المال سے ان کے لیے وظیفوں کا اجراء کیا تھا تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں.

تاریخ کے اوراق میں اس واقعے کو 'واقعہ حرہ' یا 'واقعہ حرہ زہرہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو کہ حرہ شرقیہ میں العریض کے علاقے میں وقوع پذیر ہوا تھا جو مسجد نبوی شریف کے مشرق میں تقریباً ڈیڑھ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہوا کرتا تھا.(۵۲) علماء اور تاریخ دانوں کے لیے یہ ایک بہت ہی معروف جگہ تھی کیونکہ یہ مقام ہمیشہ ان منحوس واقعات کی یاد تازہ کرتا تھا جہاں کبھی تاریخ مدینہ طیبہ کا بدترین باب رقم ہوا تھا. عام طور پر اسے حرہ واقم یا صرف حرہ شرقیہ بھی کہا جاتا ہے جو ان دو لاہوں (لاوے سے بنے سنگلاخ علاقوں) سے بنے سنگ سیاہ کے غیر ہموار پتھریلے علاقے ہوا کرتے تھے جو حرم مدنی کی حدود میں تھے

ان جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جو اس واقعہ سے زندہ بچنے میں کامیاب ہو گئے تھے وہ مشہور ترین اصحابی حضرت ابو سعید الخدریؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور تابعین کرام سے حضرت سعید ابن المسیبؒ تھے. اہل بیت طاہرہ میں سے حضرت امام زین العابدینؒ اور حضرت محمد بن الحنفیہؒ کا نام آتا ہے جن کے متعلق یزید نے خاص احکامات دیے تھے کہ ان پر دست درازی نہ کی جائے اور انہیں مزید ہراساں نہ کیا جائے. مدینہ طیبہ کے فضائل و برکات کا یہ عالم تھا کہ حضور نبی کرم ﷺ کے فرمان کا اتباع کرتے ہوئے کوئی بھی باقی زندہ بچنے والا وہاں سے جانے کے لیے تیار نہ تھا. حضرت ابو سعیدؒ جو حضرت المہریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے ایک رات چھپ چھپا کر حضرت ابو سعید الخدریؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور مہنگائی اور ستمگر حالات میں ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لیے مدینہ طیبہ میں جینا محال ہو گیا ہے اور اجازت طلب کی کہ انہیں مدینہ طیبہ سے جانے دیا جائے. اس پر حضرت ابو سعید خدریؓ نے ان کی سرزنش کی اور فرمایا [برا ہو تیرا، میں تمہیں اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جو مسلمان بھی مدینہ طیبہ کی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کرے گا یوم حشر میں آپ حضور ﷺ اس کی گواہی دیں گے اور اس کی شفاعت فرمائیں گے.](۵۳) صحیح مسلم کی اس روایت سے ہمیں اس تباہی و بربادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بدنظمی اور زبوں حالی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جو مدینہ طیبہ پر نازل ہوئی تھی. طبرانی، ابن الجوزی، واقدی اور دیگر وقائع نگاروں نے ضخیم کتب تحریر کر کے اس منحوس واقعہ کے متعلق تفاصیل مہیا کی ہیں. واقدی نے تو ایک پوری کتاب اس موضوع پر تحریر کی تھی جس کا نام "کتاب الحرۃ" تھا. طبری (۵۴) اور ابن کثیر نے بھی بہت سی معلومات فراہم کی ہیں (۵۵). تاہم اگر کوئی قاری اس معاملے میں مزید معلومات سے آگاہی کرنا چاہتا ہے تو اسے ابراہیم العیاشی المدنی کی عربی کتاب مدینہ بین الماضی والحاضر، مطبوعہ مکتبہ

بقیع الغرقد میں اجتماعی مدفن شہداء حرہ ۱۹۹۸ء

اشرف، مدینہ منورہ (صفحات ۳۱۰-۳۲۴) کا مطالعہ کرنا چاہیے جو کافی مواد پر مبنی ہے. البتہ اگر کوئی قاری سنجیدگی سے اس معاملے کی تفصیل کے متعلق چھان بین کرنا چاہتا ہے تو اس کو تاریخ خلیفہ بن خیاط، تاریخ طبری اور ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیے

حضرت سعید بن المسیبؒ کا قول ہم نے اس باب کے شروع میں بھی نقل کیا ہے مگر سیاق و سباق میں وہ اس موقع پر زیادہ برمحل معلوم ہوتا ہے اور تکرار کا متقاضی ہے. انہوں نے فرمایا [جب حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت کے نتیجے میں شروع ہونے والے فتنے نے جنم لیا تو کوئی بھی بدری اصحابی زندہ نہ بچا. پھر جب دوسرے فتنے نے سر اٹھایا (یعنی واقعہ حرہ) تو کوئی بھی ایسا اصحابی زندہ نہ بچا جس نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی. اس کے بعد جب تیسرا فتنہ شروع ہوا تو وہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ مسلمانوں کی پوری قوت ختم نہیں ہو گئی۔ جو حجاج ابن یوسف کی چیرہ دستیوں کی طرف اشارہ تھا.](۵۶)

اگرچہ مورخین کی کثریت نے اس بات کے واضح اشارے دیئے ہیں کہ وہ جگہ مسجد نبوی شریف سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر مشرقی جانب واقع تھی، لیکن آج کے مدینہ طیبہ میں عمرانی ارتقاء نے کچھ ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ وہ تمام علاقہ جسے حرہ شرقیہ کہا جاتا ہے وہ ہموار کر دیا گیا ور زیر تعمیر ہے اور اس بات کا تعین کرنا کہ وہ مقتل کس جگہ پر برپا ہوا تھا ذرا مشکل ہے. حرہ شرقیہ کے علاقے میں ایک چھوٹا سا خطہ حرہ زہرہ کے نام سے تھا جہاں سے گزرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس جگہ پر آپ حضور ﷺ کے بہترین امتی شہید ہوں گے. وہ یہی حرہ زہرہ کا واقع تھا جس میں تاریخ مدینہ طیبہ کا بدترین مقتل ۶۳ ہجری میں برپا ہوا تھا. مدینہ طیبہ کے چند معاصر مورخین نے اس سلسلے میں کافی رہنمائی کی ہے اور وہ مسجد ابو ذر غفاریؓ کی شمالی جانب کے علاقے کی طرف اشارہ کرتے ہیں. غالی الشنقیطی نے اس علاقے کی طرف اشارہ کیا ہے جو العریض اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہے(۵۷) جو کہ ایک بہت ہی وسیع علاقہ ہے. اس وقوعے کی جائے حدوث کی نشان بندی دشوار ہے تاہم ابراہیم العیاشی المدنی کی رائے میں، جنہوں نے اس پورے واقعے پر اپنی کتاب 'المدینہ بین الماضی والحاضر' میں سیر حاصل بحث کی ہے، یہ جگہ شارع ستین کے اس پار اس جگہ واقع ہے جس کے ارد گرد اب اونچی چاردیواری کر دی گئی ہے. یہ جگہ موجودہ مدینہ طیبہ کے پولیس کے صدر دفتر (شرطۃ المدینہ المرکزیہ۔ یعنی محکمہ پولیس کا ہیڈ کوارٹر) کے سامنے واقع ہے ان کی رائے ہے کہ اس سطح مرتفع پر تاریخی مسجد قرصہ ہوا کرتی تھی جو اب ناپید ہے اور اسی جگہ بیگناہ مدنیوں کا بہیمانہ قتل ہوا تھا.(۵۸) فجر الاسلام کی شاعری میں بھی ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو عبد الاشہل کا علاقہ (جو حرہ شرقیہ میں ہی واقع تھا) قتل گاہ بنا تھا اور یہی نظریہ ابراہیم العیاشی کا بھی ہے.(۵۹)

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا حجاز میں دور حکومت:

واقعہ حرہ کے بعد گرچہ مدینہ طیبہ میں امویوں کے خلاف بغاوت پوری طرح کچل دی گئی تھی مگر جونہی یزید کی موت واقع ہوئی بنو امیہ میں افراتفری کے آثار نمایاں ہونے لگ گئے تھے. حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ جنہوں نے بہت پہلے ہی علم بغاوت بلند کر کے مکہ اور اس کے نواحی علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا اور دیکھتے دیکھتے ان کی خلافت کی سرحدیں بصرہ تک پھیل گئی تھیں بنی امیہ کے لیے سب سے بڑا چیلنج بن

کر بھرے۔ واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ روانہ ہوا تو راستے میں ان کا بدبخت امیر لشکر (مسلم بن عقبہ) مر گیا اور باقی افواج ابھی مکہ ہی میں تھیں کہ پیغام آ گیا کہ یزید مر چکا ہے۔ یزید کی موت اور اس کے جانشین کے تخت اموی پر بیٹھنے سے انکار سے حالات مزید بے قابو ہو گئے۔ اسی اثناء میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا اثر و رسوخ دور دور تک پھیل گیا۔ سوائے شام اور مصر کے چند مرکزی علاقوں کے باقی سب علاقے بنو امیہ کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ عبدالملک بن مروان نے دوبارہ مکہ پر چڑھائی کی مگر دونوں بار اسے منہ کی کھانی پڑی۔

تاہم حضرت ابن زبیرؓ کا دور حکومت بہت تھوڑا عرصہ چل سکا۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کے کئی گورنر بدلے مگر ان کی ناعاقبت اندیشیاں ان کو لے ڈوبیں جس سے ان کی حکومت کو بدنامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ ان کے نامزد کردہ گورنر نااہل ثابت ہوئے۔ اہالیان مدینہ جو پہلے اموی جور و ستم سے دل برداشتہ تھے اب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے گورنروں کے ہاتھوں نالاں ہو گئے۔ انہوں نے عمائدین شہر کو معمولی رنجشوں پر جیلوں میں ڈالا اور اس طرح حضرت ابن زبیرؓ کی حکومت کی ساکھ تباہ ہو گئی۔ ادھر عبدالملک کو بنو امیہ کا سب سے بڑا محسن حجاج بن یوسف (جو طائف کے بنو ثقیف سے تعلق رکھتا تھا) کی شکل میں ہاتھ آ گیا تھا (۶۰) اس نے ۷۲ ہجری میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو شکست دے کر بنو امیہ کے تخت کو گرنے سے بچایا۔ طلحہ بن عبداللہ بن عوفؓ نے (جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے) ہتھیار ڈال دیے اور اس طرح مدینہ طیبہ مکمل طور پر امویوں کی حکومت کے زیر اثر آ گیا اور پھر جب تک بنو امیہ کا زوال نہیں ہوا مدینہ طیبہ پر دمشق سے ہی حکومت ہوتی رہی۔ انہوں نے بہت سے گورنر بدلے مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ جیسا گورنر مدینہ طیبہ کو کبھی نصیب نہ ہوا۔

حجاج بن یوسف کے جور و ستم سے بنو امیہ کے بیے مزید ساٹھ سال تک حجاز میں ہر طرح کی مخالفت اور بغاوت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ گئی اور اس طرح ان کی حکومت بہت مستحکم ہو گئی جس کے نتیجے میں مدینہ طیبہ میں امن و امان کی صورت حال سدھر گئی اور شہر کی رونقیں واپس لوٹ آئیں۔ حضرت معاویہؓ کے دور میں مدینہ طیبہ میں پینے کے پانی کی فراہمی کے لیے عین زرقاء کا اجرا ہوا۔ اس پورے عرصے میں بہترین دور حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کا تھا جو پہلی بار تین سال تک مدینہ طیبہ کے گورنر رہے اور بعد میں سلیمان بن عبدالملک کی موت کے بعد امیر المومنین بھی رہے۔ ان کی گورنری کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع اور تزئین ہوئی اور مدینہ طیبہ میں اور بہت سے ترقی اور بہبود عامہ کے منصوبوں پر کام ہوا۔ انہیں کے دور میں ان تمام مقامات پر چھوٹی چھوٹی مسجدیں تعمیر کی گئیں جہاں جہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی جبین طاہرہ سجدہ ریز کی تھی۔ بنو امیہ کے اسی دور میں مدینہ طیبہ کی آبادی وادی العقیق تک پھیل گئی اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا لیکن جونہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو زہر دے کر شہید کیا گیا ان کے جانشین حکمرانوں کی رنگ رلیوں نے اہل مدینہ کو پھر دل شکستہ کر دیا۔ مدینہ طیبہ سیاسی طور پر تو صرف ایک صوبے کی حیثیت رکھتا تھا مگر اپنی روحانی اور دینی عظمت کی وجہ سے وہ اپنے لیے ایک انوکھا اور نرالا مقام حاصل کر چکا تھا چار دانگ عالم سے علماء اور دانشور مدینہ منورہ میں آتے اور وہیں آباد ہو جاتے تھے۔ ایسے میں حکومت کی ذرا سی بے راہ روی بھی ان کے لیے قلق کا باعث بن جاتی اور اہل مدینہ طیبہ میں غم و غصہ کی لہر دوڑ جاتی تھی۔

شہادت نفس الذکیہ:

امویوں نے اگرچہ اپنے خلاف بھڑکنے والے ہر الاؤ کو ٹھنڈا کر دیا تھا مگر بہت سی چنگاریاں ایسی تھیں جو پوری طرح بجھ نہ سکیں اور کسی مناسب وقت کے انتظار میں تھیں کہ کب موافق سمت سے ہوا چلے اور وہ چنگاریاں دوبارہ بھڑک اٹھیں۔ اکا دکا بغاوتیں ہوتی رہیں مگر ان میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ بنو امیہ کے لیے کوئی بڑا چیلنج بن سکیں۔ بنو امیہ کی نگاہیں ہمیشہ مدینہ طیبہ پر لگی رہیں کیونکہ ہزار جور و ستم کے بعد بھی وہ اہل مدینہ کے دل سے اہل بیت طاہرہ کی محبت نہ نکال سکے تھے۔ کتنے ہی اصحابہ و تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حب اہل بیت میں جام شہادت نوش کر گئے، کتنے ہی مردان حق کی پیٹھوں پر کوڑے برستے رہے۔ افرد جرم میں سر فہرست ان پر صرف یہ الزام ہوتا تھا کہ ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علی مرتضیٰؓ اور آل رسول مقبول ﷺ پر سب و شتم سے انکاری تھے۔ ہماری تاریخ کا سب سے المناک حادثہ یہ ہے کہ بنو امیہ کے دوست اور دشمن بھی یہ تو قرار کر لیتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے دس ہزار کے لگ بھگ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تہ تیغ کر دیا تھا مگر ہم ایک لمحہ کے لیے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ آخر ان مردان حر کا جرم کیا تھا جس میں ان کو قید و بند اور دار و رسن کے کٹھن مرحلوں سے گزارا گیا تھا؟ یہ صرف اور صرف حب رسول مقبول ﷺ اور حب آل رسول مقبول ﷺ ہی تو تھی کہ سعید ابن جبیر جیسے جلیل القدر صحابی مسکراتے ہوئے خراماں خراماں سوئے مقتل چل پڑتے تھے۔ سچ تو یہ ہے حب آل رسول ﷺ مدینہ طیبہ کی پاک مٹی میں کچھ اس طرح رچ بس گئی تھی کہ بنو امیہ اہل بیت طاہرہ سے ہمیشہ خائف و لرزہ براندام رہے۔ ۴۰ ہجری سے لے کر نصف صدی تک حکما مسجد نبوی شریف اور دیگر تمام مساجد میں برسر منبر سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ پر تبرا بازی کی جاتی رہی مگر اتنے وسیع البنیاد شر انگیز پروپیگنڈے اور طویل المدت کردار کشی کے باوجود لوگ اصحاب اہل بیت طاہرہ کے لیے ہمیشہ نرم گوشہ رکھتے رہے۔ مسجد نبوی کے اموی توسیعی منصوبے کے پیچھے بھی سیاسی مصلحت کارگر تھی کہ حجرہ اہل بیت سے اہل بیت طاہرہ کو نکالنا مقصود تھا۔ اس کے باوجود بھی حضرت حسن علیہ السلام کے پوتے حضرت عبداللہ ابن حسن المثنیٰؓ کے لیے منبر رسول ﷺ کے ساتھ علیحدہ مسند بچھائی جاتی تھی اور لوگ جوق در جوق آ کر ان سے اکتساب فیض کرتے تھے۔

لہذا جونہی بنو عباس نے علم بغاوت بلند کیا اور بنو امیہ کی مسند خلافت کی چولیں ہلنے لگیں تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس تحریک میں شامل ہونے لگ گئے۔ اس تحریک کا نعرہ ہی اہل بیت کو ان کا حق دلانا تھا اور تحریک کے عمائدین یہ برملا کہتے تھے کہ وہ خلافت اہل بیت کو لوٹا دیں گے (۶۱) جو کہ اس وقت زیادہ تر مدینہ طیبہ میں مکین تھے۔ اس طرح ایک بار پھر مدینہ طیبہ سیاسی منظر عام پر آنے لگا تھا تحریک پورے زور و شور سے آگے بڑھتی رہی اور تھوڑے ہی عرصے میں مسند خلافت پر بنو امیہ کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگ گئی۔ اہل بیت کو ان کے حقوق دلانے کے نعرے نے (جو بعد میں محض ایک ڈھونگ ثابت ہو) جرس کارواں کا کام کیا اور ایک ایک کر کے وہ علاقے جو کبھی بنی امیہ کے گڑھ سمجھے جاتے تھے عباسیوں کی جھولی میں گرنے لگے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرایا کرتی ہے۔ اب وقت آن پہنچا تھا کہ بنو امیہ اپنی کئی نسلوں کے اعمال کا حساب چکائیں۔ بنو عباس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کسی بغاوت کے احتمال اور امکان کو ختم کرنے کے لیے اپنی تلواروں کو انتقام کی سان پر اتنا تیز کر لیا تھا کہ ان کی شمشیر قہر جدھر اٹھی مخالفوں کا خاتمہ ہوتا گیا۔ مدینہ طیبہ میں ایک بھی بنو امیہ کا فرد زندہ نہیں چھوڑا گیا اور جو بہت عرصہ پہلے مر کھپ گئے تھے ان کی قبریں تک اکھاڑی گئیں اور ان کو بوسیدہ ہڈیوں پر آتش انتقام کے الاؤ جلائے گئے۔ بنو عباس کامیاب تو ہو چکے تھے مگر ان کی مسند حکومت بنو امیہ کی کھوپڑیوں کے ڈھیروں پر سٹیج بنا کر سجائی گئی۔ اہل نظر اسی وقت بھانپ گئے تھے کہ اس منتقم مزاجی کا مظاہرہ اہل بیت کو ان کا حق دلانے کے لیے نہیں بلکہ ان کو مرعوب کرنے کی غرض سے کیا جا رہا تھا۔

کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ ہر طرح کی مخالفت کچلی جا چکی تھی۔ اہل بیت تو معدودے چند نفوس تھے اور ان کا احتجاج صدا بصحرا ثابت ہو رہا تھا۔ پوری حکومتی مشینری بنو عباس کے ہاتھ میں تھی۔ اگر بنو امیہ کے ہاتھ ایک حجاج بن یوسف لگ گیا تھا تو بنو عباس کے پاس بھی ابو العباس جیسا سفاح موجود تھا۔ انتقال اقتدار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان کو منتقل ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس تحریک کی کامیابی کا سہرا انہیں نعروں پر تھا کہ اہل بیت الطاہرہ کو اقتدار سونپ دیا جائے گا مگر تاریخ نے ایک بار پھر اہل بیت طاہرین سے داؤ کھیلا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کو ایک بار پھر پس پشت ڈال دیا گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آنے والے وقتوں میں بغاوت کے کسی احتمال کو ٹالنے کے لیے اسی وقت سے پیش بندی اور منصوبہ بندی شروع کر دی گئی اور اہل بیت الطاہرہ میں سے جس پر بھی ذرا شک گزرا داخل زنداں کر دیا گیا اور بہت سے بطل حریت تو قید و بند کی صعوبتوں اور تشدد کی وجہ سے اپنی جانیں بھی گنوا بیٹھے۔ بندہ جو کبھی حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت سمعہ بن

اور کوچ کے لیے کار، پانی کے طور پر چنا گیا تھا وہاں اب اہل بیت الطاہرہ کے مردان حر رکھے جانے لگے تھے

ایسی ہی ایک شخصیت حضرت عبداللہ بن الحسن المثنیٰ بن حسن علیہ السلام کی تھی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ان کے لیے منبر رسول کے جلو میں مسند سجا کرتی تھی اور لوگ جوق در جوق ان سے اظہار عقیدت کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔ عباسیوں کو ان کی اتنی عزت و تکریم ایک نظر نہ بھاتی تھی۔ پہلے تو ان کی مسند وہاں سے اٹھا دی گئی۔ (۶۲) پھر ان کو بہانے سے بغداد بلا کر قید کر دیا گیا جہاں تشدد سے زندان خانے کے کال کوٹھڑیوں میں ان کی موت واقع ہو گئی۔ ردعمل کے طور پر ان کے دو فرزندوں۔ محمد اور ابراہیم۔ نے اعلان بغاوت کر دیا محمد بن عبداللہ جن کو تاریخ مدینہ میں نفس الذکیہ یا مہدی کے نام سے جانا جاتا ہے اس وقت مدینہ طیبہ میں تھے اور ان کے پیروکاروں کی تعداد بھی کافی تھی (۶۳) سب سے پہلے انہوں نے عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں پورے شہر کا نظم و نسق ان کے ہاتھوں میں آ گیا

اسلامی تاریخ میں وہ ایک ایسا دور تھا جب امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک بن انسؒ جیسی شخصیتیں اسلامی فقہ کو مدون و مروج کرنے میں مصروف تھیں۔ دونوں ائمہ کرام نے نفس الذکیہ کی حمایت کی۔ امام ابو حنیفہؒ نے تو نفس الذکیہ کے لیے بیس ہزار دینار بھی روانہ کیے۔ (۶۴) نفس الذکیہ نے رجب ۱۴۵ ہجری میں آزادی کا اعلان کر دیا اور بطور خلیفہ حلف اٹھا لیا انہوں نے متعدد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اولاد کو اپنی کابینہ میں شامل کیا، مثلاً عبد العزیز بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ وغیرہ جلد ہی مدینہ طیبہ کے گرد و نواح کے قبائل ان کی بیعت میں آ چکے تھے عباسی اگر خاموشی سے دیکھتے رہتے تو ان کی موت کا ناقوس بہت جلدی بج جاتا مگر انہوں نے بنو امیہ کے زوال سے سبق سیکھ لیا تھا اور فوراً ہی ایک لشکر جرار ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیا اس طرح ان کی خلافت بہت تھوڑے ہی عرصے کے لیے چل سکی جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، مدینہ طیبہ تین اطراف سے پہاڑیوں اور ارضیاتی ساخت کی وجہ سے محفوظ تھا۔ ایک ہی طرف سے دفاع کمزور تھا جہاں کبھی حضور نبی اکرم ﷺ نے گہری اور وسیع خندق کھدوائی تھی۔ اس روایتی دفاعی لائن کو نئے سرے سے کھودا گیا اور جہاں جہاں سے مناسب سمجھا گیا اس کی مرمت اور توسیع کی گئی۔

ابھی پہلی افتاد جو مدینہ طیبہ پر پڑی تھی (واقعہ حرہ زہرہ) کو بمشکل اسی سال ہی گزرے تھے کہ اہل مدینہ ایک بار پھر تباہی کے دہانے کھڑے تھے۔ بہت سے عمر رسیدہ لوگوں کے ذہنوں میں پہلی وحشت و بربریت کے واضح خاکے موجود تھے۔ اس لیے بڑے بڑے دلیروں کے حوصلے پست ہو گئے اور بہت زیادہ تعداد میں خاندان اور قبائل نفس الذکیہ کو چھوڑنے لگے طبری بیان کرتے ہیں کہ مورخہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۵ ہجری کو عیسیٰ بن موسیٰ نے الجرف میں آکر پڑاؤ لگا لیا اور عمائدین قبائل سے گفت و شنید کے ذریعے ان کو نفس الذکیہ کی حمایت سے دست بردار ہونے کے لیے کہنے لگا خون آشام تلواروں کے خوف سے تو بڑے بڑوں کے پتے پانی ہو جایا کرتے ہیں۔ نہتے مدنی کیا کر سکتے تھے سوائے اس کے کہ دو دھڑوں میں بٹ جائیں عباسیوں کی چال کامیاب ہو گئی اور مدینہ طیبہ خالی ہونا شروع ہو گیا۔ (۶۵) سوائے بنی جہینہ اور بنی شجاع کے ایک ایک کر کے تمام قبائل ان سے الگ ہو گئے عباسی افواج نے خندق کی طرف سے مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیا۔ عباسیوں کی تعداد ۴۰۰۰ تھی جب کہ نفس الذکیہ کے ساتھ صرف ۳۱۳ سرفروش رہ گئے تھے۔ (۶۶) مدنی فوج بہت بے جگری سے لڑی مگر دشمن کی عددی برتری اور دیگر مدنی قبائل کی علیحدگی نے اسے پسپائی پر مجبور کر دیا عباسی خندق عبور کر کے شہر کی طرف بڑھ آئے۔ نفس الذکیہ بہادری سے لڑتے ہوئے احجار الزیت کے مقام پر مورخہ ۱۵ رمضان ۱۴۵ ہجری کو شہید ہو گئے (وہ علاقہ آج کل مسجد نبوی شریف کے اندر آ چکا ہے) اور ان کی ہمشیرگان نے ان کو جبل سلع کے دامن میں دفن کر دیا جو بعد میں مشہد نفس الذکیہ کے نام سے مشہور ہوا اس کے برعکس طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان کو بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا تھا۔ (۶۷) شہادت سے پہلے انہوں نے اپنے ایک ساتھی (عبداللہ ابن عامر الاسلمی) سے کہا

تھا "یہاں کا ایک ٹکڑا ہمارے سر پر سایہ فگن ہو گا۔ اس کی بارش رحمت ہمارے اوپر پڑی تو فتح ہماری ہو گی لیکن اگر وہ وہاں کا ٹکڑا دشمنوں کے سر پر جا کر برسا تو تم میرا خون احجار الزیت پر گرتے دیکھ لو گے" (۶۸) اور یہی ہوا اور وہ بادل عباسیوں پر برسنے لگ گیا اس سلسلے میں ہم صادق و مصدوق حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ نقل کرنا چاہیں گے جو اس واقعے کے متعلق فرمائی گئی تھی حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا "اے ابوذر اگر تم دیکھو کہ احجار الزیت خون میں غرق ہے تو تمہارے جذبات تب کیسے ہوں گے" (۶۹) شیعہ روایت میں تو نفس الذکیہ کو افسانوی میروکی حیثیت حاصل ہے (ان حضرات کے لیے بھی ان کی قدر و منزلت معمولی نہیں کیونکہ شیخ عبدالقادر جیلانی بھی نفس الذکیہ کی اولاد میں سے تھے) ان کے بھائی ابراہیم مدینہ طیبہ سے نکل کر بصرہ چلے گئے اور انہوں نے علم بغاوت کو وہاں بلند رکھا مگر آخر کار وہ بھی عباسیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے ان کے سب سے چھوٹے بھائی ادریس جان بچا کر شمالی افریقہ چلے گئے اور انہوں نے بربر قبائل میں اپنی حکومت قائم کر لی المغرب (مراکش) میں ان کا اثر و نفوذ زیادہ تھا اور وہاں ان کی اولاد ادریسیہ خاندان کے نام سے صدیوں حکمران رہی۔ (مراکش کا شاہی خاندان آج بھی انہیں کی اولاد میں سے ہے) ان واقعات کے متعلق حسینیؒ نے صرف مدینہ طیبہ بلکہ ساری امت اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا سید ابوالحسن علی ندوی یوں رقمطراز ہیں

کربلا میں جناب حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اہل بیت میں سے بہت سے افراد نے علم بغاوت بلند کیا جناب حسین علیہ السلام کے پوتے (زید بن علی) نے ہشام بن عبد الملک کے خلاف یورش کی جو ناکام ہو گئی اور وہ ۱۲۲ ہجری میں شہید کر دیے گئے امام ابو حنیفہ نے (جو حنفی فقہ کے بانی ہیں) زید بن علی سے ان کے معرکے میں ان کے ساتھ نہ جا سکنے کی معذرت کی مگر مبلغ دس ہزار دینار سے ان کی حمایت کی ان کے بعد امام حسن علیہ السلام کے پڑپوتے محمد ذوالنفس الذکیہ (محمد بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنیٰ ابن حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ) نے مدینہ میں بغاوت کر دی جب کہ ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ نے بصرہ میں منصور کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا امام ابو حنیفہ اور امام مالک (دونوں اپنے اپنے فقہی مذاہب کے بانی ہیں) نے ابراہیم کی بغاوت کے برحق ہونے میں فتوے دیے کہ وہ صحیح حقدار خلافت ہیں اور مقدم الذکر (امام ابو حنیفہؒ) نے تو ان کی مالی امداد بھی کی امام ابو حنیفہؒ نے تو حسن ابن قحطبہ جو منصور کا ایک سپہ سالار تھا کو ابراہیم کے خلاف لڑنے سے منع بھی کیا تھا مگر یہ تمام کوششیں ناکام ہوئیں اور محمد نے ۱۵ رمضان ۱۴۵ ہجری میں اور ابراہیم نے کوفہ میں ۲۴ ذوالقعدہ ۱۴۵ ہجری میں شہادت پائی۔ (۷۰)

اہل بیت کے افراد کے علاوہ جن لوگوں نے نفس الذکیہ کی حمایت میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ان میں مشہور تبع تابعی حضرت عبدالعزیز بن ابراہیم بن عبداللہ بن مطیعؒ، ابراہیم بن جعفر بن مصعب بن الزبیرؒ وغیرہ کے نام گرامی آتے ہیں۔ نفس الذکیہ اور بنی شجاع کے عمائدین کے کٹے ہوئے سر منصور کو بغداد بھیج دیے گئے اس کے بہت سے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ میں صلیب پر چڑھا دیا گیا اس طرح منظم طور پر عباسیوں نے ہر ممکن کوشش کر کے اپنے خلاف اٹھنے والے اہل بیت کے کسی بھی طوفان کی پیش بندی کر دی تھی اور پھر چار صدیوں تک اسلامی سلطنت کے سیاہ و سفید پر چھائے رہے تا آنکہ تاتاری گھوڑوں نے ان کے خاندان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔

مدینہ طیبہ پر بدو قبائل کی یورشیں

عباسیوں کے دور خلافت میں عموماً مدینہ طیبہ میں امن و امان رہا اس کی رونقیں بحال ہو گئیں اور اس کی ادبی، علمی اور دینی محافل نے شمع نور بن کر دنیا کے گوشے گوشے کو روشن کیا لیکن ایں ہمہ بہت دفعہ یہ بھی ہوا کہ عباسیوں کی قوت کا مرکز چونکہ بغداد میں تھا اور وہ لوگ صرف ریموٹ کنٹرول سے مدینہ طیبہ کے انتظامی امور چلاتے تھے اس لیے کبھی کبھار یہاں ایسے بھی واقعات رونما ہو جاتے کہ اس شہر مقدس کا

امن درہم برہم ہو جاتا تھا۔ اس سلسلے میں فرقہ وارانہ مخاصمت سر فہرست تھی جس نے عباسیوں سے سیاسی بدلہ لینے کے لیے کئی روپ دھارے۔ علوی اس معاملے میں پیش پیش تھے، اور وہ حرمین الشریفین پر اپنا حق شفعہ جتانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ مدینہ طیبہ کے قریب ینبع میں ان کی خاصی تعداد آباد تھی اور اسی طرح مکۃ المکرمہ کے گرد و نواح میں بھی ان کا خاصا اثر و رسوخ تھا۔ ربیع الاول ۲۵۱ ہجری میں ان کے ایک لیڈر اسماعیل بن یوسف علوی نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کردی۔ وہاں کا عباسی گورنر (جعفر بن الفضل بن العیسیٰ) بدحواسی کے عالم میں فرار ہو گیا۔ در یوں میدان علویوں کے ہاتھ لگ گیا اور نہتے مکی ہزاروں کی تعداد میں بہت بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ اس نے حرم مکی کے تقدس کو بھی بری طرح پامال کیا۔ مکہ میں اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد وہ مدینہ طیبہ روانہ ہوا اور اہالیان مدینہ طیبہ بے خبری کے عالم میں مارے گئے۔ بے تعداد مدنی قتل ہوئے اور باقیوں نے بھاگ کر جانیں بچائیں۔ خلیفہ معتز باللہ عباسی نے بعد میں نئی افواج بھیج کر علویوں کو اس بلدہ طاہرہ سے نکالا اور تب جا کر شہر نبی میں امن دوبارہ قائم ہوا۔

اس قسم کے مزید وقوعات کا سد باب کرنے کے لیے شہر نبی کے گرد مضبوط فصیل تعمیر ہوئی جو ۲۶۳ ہجری میں وہاں کے گورنر محمد بن اسحاق الجعدی نے تعمیر کروائی۔ مضافات میں بسنے والے مدنی بھی اپنے مال و جان کی حفاظت کے لیے اندرون شہر منتقل ہو گئے۔ مدنی شہریوں کو تو امن نصیب ہو گیا مگر مدینہ کی خوبصورت آبادیاں جو وادی العقیق یا الجرف میں آباد تھیں بے یار و مددگار رہ گئیں اور ہمیشہ لوٹ مار کا نشانہ بنتی رہیں۔ ارد گرد کے قبائل کے شاہسوار جب جی چاہتا مدینہ طیبہ کا رخ کرتے اور لوٹ مار مچا کر چلے جاتے تھے۔ ابھی آدھی صدی بھی نہیں گزری تھی کہ فصیل مدینہ بوسیدہ ہو کر گرنے لگ گئی۔ مدنی ایک بار پھر اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگ گئے۔ ۳۱۷ ہجری میں قرامطیوں نے ایک اور قیامت ڈھادی اور وہ لٹیرے مکہ مکرمہ میں قتل و غارت کرکے حجر اسود چرا کر لے گئے جس سے مدنیوں کے خدشات اور بھی بڑھ گئے۔ (۷۱) چنانچہ ۳۰۸ ہجری میں فصیل شہر کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔ (۷۲) اس کے بعد میں آنے والے حکمرانوں نے اس فصیل کی دیکھ بھال پر کافی توجہ دی تاکہ شہر نبی کا امن برہم نہ ہو۔ بادی النظر میں فصیل مدینہ طیبہ شہر نبی کی حفاظت میں بہت اہم کردار ادا کر رہی تھی مگر اس کے عواقب میں ایک غیر مرغوب اثر یہ بھی تھا کہ مدینہ طیبہ کی تمدنی اور عمرانی ترقی یکسر محدود ہو کر رہ گئی۔ اندرون شہر تو محفوظ تھا مگر آبادی کے روز افزوں اضافے نے لوگوں کو پریشان کیا ہوا تھا اور وہ لوگ جو مہنگی زمین خرید کر گھر نہیں بنا سکتے تھے وہ بیچارے فصیل کے باہر خیمہ زن ہو جاتے یا پھر کچے مکانات میں رہا کرتے تھے جو آسانی سے بدو قبائل کی دسترس میں آ جاتے تھے۔ بار ہا ان کے گھر اجڑے مگر اس کا کوئی مداوا نہ ہو سکا۔ حکمران بہت دور بیٹھا کرتے تھے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ تغافل نہیں کرتے تھے مگر جب تک ان کو خبر ہوتی تھی بیچارے مدنی اپنا سب کچھ لٹا چکے ہوتے تھے۔ اس سے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ راہزنی عام ہو گئی تھی۔ حج اور زیارت کے قافلے جو کناف عالم سے اس بلدہ طاہرہ کا رخ کرتے اپنے جانوں سے ان راہزنوں کو خراج دیتے تھے اور یہ سلسلہ صدہا صد سال تک جاری رہا۔ ان گنت واقعات ہوتے رہے مگر تاریخ ان کا ریکارڈ رکھنے سے بھی قاصر رہی سوائے ان چند واقعات کے جو اپنی نوعیت میں بہت زیادہ تباہ کن یا دور رس نتائج کے حامل تھے۔

ایسا ہی ایک واقعہ ۱۱۳۴ ہجری میں ہوا جب مدینہ طیبہ کے گرد بسنے والے قبائل نے آپس میں مل کر شہر نبی پر اجتماعی دھاوا بول دیا۔ انہوں نے ۱۷ شعبان ۱۱۳۴ ہجری کو مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا۔ اہالیان مدینہ نے فصیل کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ بدو حملہ آور بلدہ طاہرہ کے مضافات میں وحشی درندوں کی طرح دندناتے پھر رہے تھے۔ قباء اور اعوالی کے باسی خاص طور پر ان کی لوٹ مار کا نشانہ بنے اور بیشمار لوگ قتل ہوئے۔ محاصرہ دو ماہ اور بیس دن تک جاری رہا۔ چونکہ مدینہ طیبہ میں پانی کا ایک ہی بڑا ذریعہ تھا جو کہ قباء سے عین الزرقاء کی شکل میں زیر زمین نہر کے ذریعے شہر تک پہنچتا تھا۔ حملہ آوروں نے آب رسانی کے اس واحد ذریعہ کو منقطع کر دیا اور اہالیان مدینہ بوند بوند پانی کو ترس کر رہ گئے۔ پندرہ دن تک عین الزرقاء سوکھی رہی۔ فصیل کے اندر جو چند ایک کنویں تھے وہی اہالیان شہر کی زندگیاں بچانے کا کام کر رہے تھے۔ آہستہ

آہستہ وہ بھی کمزور ہونا شروع ہو گئیں اور مدافعت نے جواب دینا شروع کر دیا۔ بالآخر عمائدین شہر نے مسجد الغمامہ میں ذوالقعدہ میں جمع ہو کر حملہ آوروں کی شرائط پر صلح پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ابن مضیبان (جوان کا لیڈر تھا) کے ساتھ مسجد قباء کی جوار میں صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔ مگر اس وقت تک دفاع مدینہ طیبہ میں بہت سے علماء اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے تھے جن میں الشیخ محمد سعید بن ابراہیم جیسے جید علماء کرام بھی شامل تھے۔ صلح کروانے میں الحاج خضر البغدادی نے بہت اہم کردار ادا کیا اور یوں مدینہ طیبہ میں امن بحال ہو سکا۔ (۷۳) یہ تو صرف ایک مثال ہے۔ بلدہ طاہرہ کی تاریخ بدوؤں کی لوٹ مار کے قصوں سے بھری پڑی ہے۔

وہابیوں کی مدینہ طیبہ پر یورش:

سعود بن عبدالعزیز کی سرکردگی میں محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں نے جن کو عرف عام میں وہابی کہا جاتا ہے پہلے مکہ مکرمہ پر قبضہ کیا اور پھر ۱۲۲۱ ہجری (۱۸۰۴ء) میں مدینہ طیبہ پر اپنا تسلط جمایا۔ ان کے بدویانہ طریق زندگی نے جس میں مذہبی شدت پسندی کا عنصر غالب تھا اہالیان مدینہ کا جینا دوبھر کر دیا۔ ترکی شیخ الحرم (جو مدینہ طیبہ کے گورنر کے عہدہ کا سرکاری ٹائٹل تھا) اپنے ساتھیوں کو لیکر فرار ہو گیا اور مدینہ پر حسن القلعی کا جو سعود بن عبداللہ کا نمائندہ تھا کنٹرول ہو گیا۔ سقوط مدینہ طیبہ کے بعد سعود خود وہاں آیا اور مسجد نبوی شریف اور مقصورہ شریف سے تمام قیمتی اشیاء اٹھا کر لے گیا۔ جتنے گنبد اور قبے بقیع الغرقد میں تھے سب مسمار کر دیئے گئے بلکہ سعود تو مقصورہ شریف کے گنبد کو مسمار کرنے کے بھی درپے تھا۔ (۷۴) جو بھی ان کے نظریات اور اعتقادات کی مخالفت کرتا تشدد کا شکار ہو جاتا۔ حتیٰ کہ خواتین کی بھی تضحیک اور بے عزتی کی گئی۔ ایک معمر خاتون کو جس کو حقہ پیتے پکڑ لیا گیا مدینہ شریف کی گلیوں میں گھمایا گیا۔ انہوں نے ترکوں اور ایشیا سے آنے والے حاجیوں کو حرم میں داخلے سے منع کر دیا اور انہیں مشرک قرار دے دیا۔ ہر لمبی داڑھی والے کو اپنے خاص وہابی طرز پر اپنی ریش ترشوانے پر مجبور کر دیا جاتا۔ (۷۵)

مصر اور بلاد الشام سے جو بھی حواصل حرم کے تحفے یا زر نقد آتا وہابی اس کو چھین لیتے اور اپنے تصرف میں لے آتے۔ یاد رہے کہ مصر اور شام میں سینکڑوں وقف جائیدادیں تھیں جن کی آمدنی حرم مدنی اور اہل مدینہ کے لیے ہر سال بھیجی جایا کرتی تھیں۔ ورتر کی حکومت سالانہ صرہ کے نام سے ہزاروں اشرفیاں اہالیان مدینہ کے لیے بھیجا کرتی تھی یہ صدیوں سے ہوتا آیا تھا۔ مگر اب اہل مدینہ اس امداد سے محروم ہو گئے تھے۔ ان کے لیڈر سعود نے وہ تمام قیمتی زر و جواہر جو سلاطین وقت خدمت حرم کے لیے مدینہ طیبہ روانہ کرتے تھے اور حجرہ مطہرہ میں ایک عرصہ مدید سے محفوظ چلے آ رہے تھے ایک ایک کر کے اٹھا لیے۔ ان میں زیادہ تر قیمتی جواہرات اور ایک سو سے زیادہ تلواریں تھیں جن کو جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ قرآن کریم کے بہت سے نادر مخطوطے بھی تھے جو پہلی صدی ہجری کی یادگاریں تھے۔ انہوں نے ان تمام تبرکات کو تین بڑے صندوقوں میں بھر کر نکال لیا اور ساتھ لیکر چلتے بنے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے کچھ تو انہوں نے امیر مدینہ طیبہ کو دے دیئے تھے اور باقی ماندہ کو وہ اپنے ساتھ درعیہ (جو ریاض میں ان کا ہیڈ کوارٹر تھا) لے گئے۔ (۷۶)

اس مجرمانہ حرکت پر تبصرہ کرتے ہوئے رچرڈ برٹن نے جو اس واقعہ کے چالیس سال بعد مدینہ طیبہ گیا تھا یوں قمطراز ہے۔

مدینہ طیبہ پر وہابیوں کے قبضے کے دوران حملہ آوروں کے سرکردہ لوگوں نے مزار شریف (حجرہ اطہر) میں موجود خزانوں کو لوٹ لیا اور آپس میں بندر بانٹ کر لی۔ اس کی قدر و قیمت بے انتہا تھی۔ جب شہر کا سقوط ہوا تو اپنے افسروں کی ہمراہی میں سعود حجرہ مطہرہ میں داخل ہوا مگر چونکہ وہ پہلے ہی ڈراؤنے خواب دیکھ چکا تھا اس لیے اس کو پردوں سے آگے جانے کی ہمت نہ ہوئی اور نہ ہی اسے قبر اطہر کو دیکھنے کی ہمت ہوئی تاہم اس نے وہ تمام تحائف جو زر و جواہرات کی شکل میں وہاں تک پڑے مل گئے (مثلاً کوکب الدری اور دیگر قیمتی تحائف جو اسلامی دنیا کے ہر کونے سے وہاں آئے ہوئے تھے) لوٹ لیے۔ ان میں سے کچھ کو تو اس نے ۱۵۰،۰۰۰ اشرفیوں کے عوض شریف غالب کو بیچ دیا اور

باقیماندہ کو وہ اپنے ساتھ درعیہ لے گیا (ان کی بدقسمتی سے) حدود حرم میں ایک ایسا واقعہ رونما ہو گیا جس سے وہ اس کے تقدس کو مزید پامال کرنے سے باز رہے۔ دو نجدی وہابی گنبد اطہر پر لگے کلس کو سونا سمجھ کر اس کے اوپر چڑھ کر اس کو مسمار کرنا چاہتے تھے۔ بتایا گیا ہے کہ ان میں سے دو پھسل کر چھت سے نیچے گر گئے اور واصل جہنم ہو گئے اس سے باقی کے لٹیرے توہمات کا شکار ہو کر اس فعل بد سے باز رہے

وہی جاسوس ایک اور مقام پر لکھتا ہے۔

جب عبداللہ ابن سعود نے طوسون پاشا کے ساتھ ۱۸۱۵ء میں معاہدہ امن کر لیا تو مصری جرنیل نے شہر کے لوگوں سے ان تحائف میں سے چند مبلغ ۱۰۰،۰۰۰ دس ہزار اشرفیوں کے عوض خرید لیے یہ وہ سونے کے تحائف تھے جو اس وقت تک ڈھالے نہیں گئے تھے اس نے انہیں ان کی اپنی اصلی جگہ پر بحفاظت تمام رکھ دیا کچھ لوگ اس قول کی تردید بھی کرتے ہیں مگر میرا یہ بیان زیادہ قوی شہادتوں پر مبنی ہے۔(۷۷)

عثمانیوں نے اپنے مصری نائب محمد علی پاشا کو ان باغیوں کی سرکوبی کے لیے حکم دیا اس کے امیر لشکر طوسون پاشا نے ینبع کی بندرگاہ سے اکتوبر ۱۸۱۱ء میں حجاز پر حملہ کر دیا جنوری ۱۸۱۲ء میں انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ راستہ میں حربی اور دیگر قبائل سے ان کا مقابلہ ہوا جو بالآخر صلح پر مجبور ہو گئے۔ اکتوبر ۱۲ ۸ ء میں وہ مدینہ طیبہ کے مضافات میں پہنچ چکے تھے۔ وہابیوں نے فصیل شہر کے تمام دروازے بند کر کے اندر پناہ لی ہوئی تھی تقریباً پندرہ دن تک محاصرہ جاری رہا ناچار ترکی اور مصری افواج نے فصیل کے ایک حصے کو بارودی سرنگ سے اڑا دیا اور نومبر ۱۸۱۲ء میں انہوں نے وہابیوں پر شب خون مارا دیا برکہارٹ کے مطابق (یاد رہے کہ اس نے ۱۸۱۵ء میں مدینہ میں قیام کیا تھا) ۱۵۰۰ کے لگ بھگ وہابی قتل ہوئے جبکہ عبداللہ ابن سعود اور اس کے ساتھیوں نے قلعہ شاہی میں پناہ لے لی ترکوں نے اب قلعہ شاہی کو اپنے محاصرے میں لے لیا لیکن نومبر ختم ہونے سے پہلے وہابیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور ۱۸ رجب ۱۲۳۳ ہجری کو سب وہابیوں نے اپنے لیڈر کے ساتھ ہتھیار ڈال دیئے ان کے ہتھیار ڈالنے پر پہلے وہ ینبع کے راستے قاہرہ میں ترکی نائب محمد علی پاشا کے دربار میں لے جائے گئے (۷۸) لوٹ مار میں سے بچے ہوئے خزانے میں سے صرف ایک صندوق عبداللہ سے برآمد ہو سکا باقیوں کے متعلق اس نے اعتراف کیا کہ اس کا باپ تین صندوق لے گیا تھا جس میں تمام خزانے بھرے تھے جو اس نے اپنے دیگر حصہ داروں میں بانٹ دیے تھے ۱۹ محرم ۱۲۳۴ ہجری کو اس تمام مجرم طائفہ کو آستانہ (استنبول جس کو اس وقت قسطنطنیہ کہا جاتا تھا) روانہ کر دیا گیا جہاں ان کے اعتراف جرم پر عامۃ الناس کے سامنے ان کے سر قلم کر دیے گئے۔(۸۰)

صلیبی جنگوں کے پس منظر میں یہود و نصاریٰ کی سازشیں:

اسلام کے عروج اور اس کے نتیجے میں اس کی جھولی میں پڑنے والی فتوحات نے نہ صرف مشرق وسطی میں یہود و نصاریٰ کی قوت و سطوت اور تجبر کو خاک میں ملا دیا تھا بلکہ ان کے اپنے وسیع و عریض علاقوں نے جن پر وہ صدیوں سے حکمران تھے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا جس کے نتیجے میں وہ صرف محکوم قومیں ہو کر رہ گئے تھے تمام تر کوششوں کے باوجود وہ عساکر اسلام کی پیش قدمی نہ روک سکے تھے۔ روز اول سے انہوں نے وہ سب کچھ کر کے دیکھ لیا تھا جو ان کے بس میں تھا مگر ان کے دیکھتے دیکھتے اسلام جبرالٹر کو عبور کر کے سپین تک بلکہ اس سے بھی آگے کی ریاستوں تک پہنچ چکا تھا ایک طرف دشت ہائے شرق کو عبور کر کے سامانیوں کے کس بل نکالتے ہوئے وہ کوہ ہندوکش کے اس پار بخارا اور منگولیا تک پہنچ گئے تھے تو دوسری طرف مغرب میں بحر لکاہل میں بھی انکے گھوڑے اترنے سے نہیں گھبراتے تھے۔ صحرا اور ریاں کی ٹھوکروں سے دونیم و بے جان ہو چکے تھے اور ہمالیہ بھی ان کے یم و یلغار کو روکنے میں ریت کے ایک ٹیلے سے زیادہ پائیدار ثابت نہ ہوا تھا رومیوں کی اس وقت کی عالمی قوت پلک جھپکنے میں ڈھیر ہو چکی تھی۔ ہر طرف سطوت اسلام کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور اس دور کی مہذب دنیا کا ہر ایک

تخت عاصمہ مدینۃ النبی ﷺ کے سامنے سرنگوں ہو گیا تھا اس لیے یہ قدرتی امر تھا کہ ان کو اسلام اور مسلمانوں سے خدا واسطے کا بیر ہو جائے۔ یہ کینہ ان کے دلوں میں صدیوں پنپتا رہا اور وہ وقت کے انتظار میں رہے۔ صدیاں بیت گئیں اور جونہی انہوں نے دیکھا کہ اسلامی سلطنت روبزوال ہونے لگی ہے تو انہوں نے اپنے پر پرزے نکالنے شروع کر دیے۔ حالات سے فائدہ اٹھانے کے لیے مغرب کی بہت سی طاقتوں نے مل کر اتحاد کر لیا اور اپنی پوری اجتماعی قوت کے ساتھ بلاد اسلامیہ پر حملے شروع کر دیے انہیں تاریخ میں صلیبی جنگوں کا نام دیا گیا ہے۔ ایک کے بعد دوسری صلیبی جنگ عالم اسلام پر تھوپی گئی۔ اور عباسی سلطنت جو روبزوال تھی ان کا جم کر مقابلہ نہ کر سکی جس سے صلیبیوں کے حوصلے مزید بلند ہو گئے اور انہیں خاصی کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔

صلیبی جنگوں کی تاریخ بذات خود ایک مستقل موضوع ہے جو کئی ضخیم کتابوں پر محیط ہے اور ہمارے محدود دائرہ عمل یعنی تاریخ مدینہ طیبہ سے باہر ہے مگر یہاں ان کا ذکر ضروری تھا کیونکہ صلیبی سازشوں میں سے چند ایک کا براہ راست تعلق مدینۃ النبی ﷺ سے بھی ہے۔

دین اسلام کی مذہبی رواداری ہمیشہ اس کا طرہ امتیاز رہا ہے مگر بعض اوقات اس وسیع القلبی سے دشمنان اسلام نے بھرپور طور پر ناجائز فائدے بھی اٹھائے ہیں۔ یہ مذہبی رواداری ہی تھی جس کی وجہ سے (سوائے حرمین الشریفین کے۔ کیونکہ وہاں نامسلم کا داخلہ ہی ممنوع قرار دیا گیا ہے) مسلم اور غیر مسلم امن و آشتی سے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتے آئے ہیں مگر صلیبی جنگوں کے دوران اس وضع داری اور رواداری نے غیر مسلموں کو مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے کے مواقع فراہم کر دیے اور انہوں نے خوب گل کھلائے۔ مسلم ممالک میں بسنے والے عرب اور غیر عرب جو مسلمان نہیں تھے آسانی سے ان کا آلہ کار بن جاتے تھے۔ مغربی ممالک اپنے مذموم مقاصد کی برآری کے لیے جاسوسی کی غرض سے اسی رواداری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے۔ یہ قبیح خصلت آج کے دن تک جاری ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے خلاف تو جاسوسی کا جال بچھا دیا گیا تھا (۸۱) جب صلیبی جنگیں اپنے عروج پر تھیں تو اس وقت اس قسم کی جاسوسی عام ہو چکی تھی کچھ سازشیں طشت ازبام بھی ہوئیں اور بہت سی ابھی تک پردہ راز میں ہیں۔ عام طور پر ایسی تمام سازشوں کا ہدف حرمین الشریفین ہوا کرتا تھا۔ مشہور یورپی مفکر اور مورخ سٹینلے لین پول (Stanley Lane Pool) ان سازشوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے رقمطراز ہے

''انہوں نے (صلیبیوں نے) بُصریٰ اور زُورا کو تباہ و برباد کر دیا تھا حتی کہ دمشق سے چند میل تک کے فاصلے پر واقع دیہات کو بھی روند ڈالا تھا فصلیں اور باغ جلا دیے گئے تھے اور پورے علاقے کو ویران کر دیا تھا انہوں نے سنگلاخوں کے علاقوں کو بھی فتح کر لیا تھا جن کی ناقابل تسخیریت پر عربوں کو بہت ناز تھا۔ صلیبیوں کی دیدہ دلیریاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ شیتیون کے ریجنالڈ (Reginald of Chatillon) نے جزیرہ نمائے عرب پر حملے کا منصوبہ بنا لیا تاکہ .... کے مزار کو تباہ و برباد کیا جا سکے جو مدینہ میں ہے اور مکہ میں ان کے کعبہ کو مسمار کیا جا سکے۔(۸۲)''

ہم اسی مورخ کی زبانی اس سازش اور اس کے نتیجے میں کیے گئے حملے کے متعلق اس کے چند اقتباسات قارئین کی نذر کرنا چاہیں گے جس سے صلیبیوں کے عالم اسلام کے خلاف عمومی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے خلاف خصوصی عناد سے پردہ اٹھتا ہے:(۸۳)

''اس نے (صلیبی سپہ سالار نے) اپنے بحری جہازوں کو کرک سے خلیج عقبہ میں منتقل کر دیا اور ایذاب اور دیگر افریقی سواحل پر واقع بحر احمر کے مغربی جانب اس نے دو جہازوں سے ایلیا کے تمام راستے مسدود کر دیے مصری بحری فوج کو جلد ہی اس سے آگاہی ہو گئی اور انہوں نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور ان کے امیر البحر لولوء نے آسانی سے ایلیا کا محاصرہ ختم کروا لیا اور پھر الحوراء کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جو کہ بحر احمر کے کنارے ایک چھوٹی سی بندرگاہ تھی جہاں سے صلیبیوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا مصری بحری بیڑے کو دیکھتے ہی صلیبی بھاگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے پہاڑوں میں پناہ لے لی امیر البحر لولوء نے مقامی بدوؤں کی مدد سے اپنی بحری فوج

کے جوانوں کو گھوڑوں پر سوار کر کے دشمن کو راستے میں جا لیا اور ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ پھینکا مگر ریجنالڈ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی باقی فوج قتل ہو گئی تھی''۔ (۸۴)

لین پول کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ۱۱۸۳ء میں ہوا۔ اس حملے سے ریجنالڈ کا کیا مطلب تھا، یہ بھی لین پول کی زبانی سنئے۔

''وہ عرب میں صرف اس لیے داخل ہوا تھا کیونکہ اس کا ناپاک منصوبہ یہ تھا کہ مدینہ کو تاخت و تاراج کر دیا جائے اور رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کو ان کی قبر مبارک سے نکال لیا جائے اس سے زیادہ منحوس اور کیا ارادہ ہو سکتا تھا مگر اللہ کا شکر ہے کہ مصری بحری بیڑے کے کپتان نے ان شر پسندوں کو پکڑ لیا۔ اس کام کے لیے اس کے بیڑے میں شامل مغربی عربوں نے بڑی جانفشانی سے اس مہم میں حصہ لیکر اس مذموم سازش کو بروقت ناکام بنا دیا''۔ (۸۵)

اس یورپی عالم اور تاریخ دان کے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صلیبیوں کے منصوبے دراصل مدینہ طیبہ کو تباہ و برباد کرنے اور حاکم مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اطہر کو قبر شریف سے باہر نکال کر بے آبرو کرنے کے تھے اور یہ کہ مسلم بحری افواج نے اپنے امیر البحر لؤلؤ کی زیر قیادت بروقت کارروائی کر کے صلیبیوں کی سازشیں خاک میں ملا دی تھیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ صلاح الدین ایوبی نے اسی بدکردار ریجنالڈ کو (جو فرانک فوج کا سالار اعلیٰ تھا) شکست فاش دے کر مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۱۸۳ء کو بلاد شام سے نکال باہر کیا تھا قاری گرامی تمام واقعات کے پس منظر اور ان واقعات کو ذہن میں رکھے تو اس گھناؤنی سازش کے بہت سے پردے خود بخود فاش ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی صلیبیوں کو پے در پے شکست دے رہے تھے اور وقت کے لحاظ سے وہ سال ۱۱۸۳ء تھا جو کہ ہجری لحاظ سے ۵۵۵ ہجری بنتا ہے

اسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے معاصر مسلم سیاح، ابن جبیر، جس نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی تھی (یعنی اس واقعے کے پچیس سال بعد) اپنے سفرنامے میں یوں رقمطراز ہیں

ان صلیبیوں (ابن جبیر ان کو رومی کہہ کر پکارتا ہے) نے لنگر انداز ہو کر دو جہاز جو یمن سے سامان خورد و نوش لیکر آ رہے تھے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں بسنے والوں کے لیے تھے، لوٹ لیے اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا جو کبھی بھی عالم اسلام میں نہیں ہوئے تھے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ مدینۃ النبی ﷺ پر قبضہ کر کے وہاں سے حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اطہر کو نکالنا چاہتے تھے یہ ان کے ناپاک عزائم تھے جن کا وہ برملا اظہار کرتے تھے لیکن اللہ جل شانہ نے ان کو ان کی بدطینتی کی قرار واقعی سزا دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب ﷺ کی عزت کی حفاظت کرنی تھی۔ وہ مدینہ طیبہ سے صرف ایک دن کی مسافت پر پہنچ چکے تھے جب رب ذوالجلال نے ان کے برے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے مصر اور سکندریہ سے مسلمان بحریہ کے حسام الدین لؤلؤ کو اور کچھ مغربی بحری افواج کو بھیج دیا۔ انہوں نے دشمن کا پیچھا کیا اور انہیں فرار ہونے کا موقع بھی نہیں دیا۔ سب کے سب پکڑے گئے تھے یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم و عنایت تھا ان کو زیر کرنے میں کافی عرصہ لگا تھا کیونکہ صلیبی ایک ماہ سے زیادہ عرصے سے دراندازی کر رہے تھے ان میں سے بہت سے مارے گئے اور باقی کے قیدی بنا لیے گئے اور قیدیوں کو بہت سے مسلم ممالک میں بھیج دیا گیا تھا تاکہ ان کو قتل کیا جا سکے۔ اور کچھ کو مکہ اور مدینہ بھی بھیجا گیا تھا۔ اللہ کی نصرت اسلام اور مسلمانوں کے لیے کافی ہے۔ اللہ رب کائنات کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے (۸۶)

صلیبی جب میدان جنگ میں شکست کھا گئے تو اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور انہوں نے جاسوسی اور خفیہ سازباز سے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرنا چاہی انہوں نے مغرب سے (مراکش، تیونس اور الجزائر کا علاقہ) عربی بولنے والے نصاریٰ کا انتخاب کیا جو عرب ہونے کے ناطے عربوں کے عادات و اطوار اور رسم و رواج سے بخوبی واقف تھے ان کو بھیس بدل کر مسلم ناموں سے مدینہ طیبہ بھیجا گیا وہاں پہنچ کر انہوں نے حجرہ

اطہر کی جنوبی جانب ایک گھر لے لیا (۸۷) اور دھوکہ دینے کی غرض سے زہد و اتقاء اور دینی کاموں میں مشغول ہو گئے چند ہی دنوں میں وہ عام مدنیوں میں شیر و شکر ہو کر رہنے لگ گئے تھے دوران میں اپنے تقویٰ اور ورع کے ڈھونگ سے اپنے لیے انہوں نے ایک مقام بنا لیا تھا

اندرون خانہ وہ اپنے مذموم منصوبے پر کام کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے مکان سے حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرہ اطہر کی طرف سرنگ کھودنی شروع کر دی۔ دن بھر وہ عبادات اور مطالعے میں مشغول رہتے اور آنے جانے والوں کو وعظ کرتے مگر رات پڑنے پر جب انہیں یقین ہو جاتا کہ اب ان کو دیکھنے والا کوئی نہیں تو وہ سرنگ کھودنے میں لگ جاتے۔ سرنگ سے نکالا ہوا ملبہ وہ تھوڑا تھوڑا کر کے یا تو وہ اس کنویں میں ڈالتے رہتے جو ان کے گھر میں واقع تھا یا پھر اپنے تھیلوں میں بھر کر اسے بقیع الغرقد میں پھینک آتے تھے۔ اس طرح وہ تقریباً ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ تک اپنے منصوبے پر کام کرتے رہے اور روز بروز اپنے ہدف کے قریب تر ہو رہے تھے۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا کمال اعجاز ہے کہ امت مسلمہ کو رسوائی اور جسد اطہر کو بے حرمتی سے بچا لیا۔ کافروں کے ذہن و گمان میں بھی نہیں تھا کہ رسول رحمت ﷺ کی عفت و حرمت اور حفاظت اللہ کے ہاتھوں میں ہے جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے (اور اللہ تمہیں انسانوں سے محفوظ رکھے گا)۔ (۸۸)

سلطان نور الدین زنگی تہجد گزار اور نہایت متقی تھے۔ ایک رات وہ نماز تہجد کے بعد سو گئے اور ان کو بشارت ہوئی۔ (۸۹) ان کو خواب میں دو آدمی جن کا رنگ گندمی تھا دکھائے گئے اور ان کی طرف اشارہ فرما کر حضور نبی اکرم ﷺ نے نور الدین زنگی کو حکم دیا کہ ''انجدنی من ہذین'' (مجھے ان دونوں کے شر سے بچانے کا بندوبست کیا جائے)۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے مگر نیند کے غلبے سے پھر سو گئے۔ اس بار بھی یہی بشارت ہوئی۔ وہ اٹھے، نفل ادا کیے اور پھر نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ اس بار بھی یہی بشارت ہوئی چنانچہ سلطان زنگی اسی وقت اٹھے اور اپنے وزیر جمال الدین اصفہانی اور دیگر بیس افراد کو لیکر مدینہ چل پڑے۔ وہ اپنے ساتھ بہت سا مال و دولت بھی لائے۔ وہ شام سے سولہ دنوں میں مدینہ طیبہ میں پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر سب سے پہلے انہوں نے ان دو افراد کی تلاش شروع کی۔ مدینہ منورہ کے بازاروں میں بار بار اعلان کرایا گیا کہ سلطان جو روضہ اقدس کی زیارت کے لیے آئے ہیں وہ ہر مدنی مرد کو، بغیر کسی استثناء کے، خیرات تقسیم کرنے والے ہیں اور ہر ایک ان کی خدمت میں حاضر ہو۔ لوگوں کا تانتا بندھ گیا اور سلطان ہر ایک کو غور سے دیکھتے اور خیرات عطا کرتے جاتے۔ سب لوگ آ چکے تھے مگر وہ چہرے جو سلطان کو مطلوب تھے وہ نظر نہ آئے۔ استفسار پر ان کو بتایا گیا کہ مدینہ طیبہ میں دو ایسے بھی افراد ہیں جو زہد و تقویٰ کے اس مقام پر ہیں کہ کسی کے دربار میں نہیں جاتے۔ ان دو افراد کے علاوہ مدینہ کا ہر فرد حاضر ہو کر اپنا حصہ لے چکا تھا

سلطان نے فیصلہ کیا کہ وہ خود ان زاہدوں سے ملیں گے۔ ان کو بتایا گیا کہ وہ دونوں زاہد اور متقی ہیں اور بہت خیرات وغیرہ کرتے رہتے ہیں اور ان کے پاس خود اتنا کچھ ہے کہ وہ کسی کی خیرات نہیں لیتے۔ لوگوں نے سلطان کو یہ بھی بتایا کہ وہ دونوں بلاناغہ روزانہ بقیع الغرقد اور ہفتے میں ایک بار مزار سید الشہداء پر ضرور حاضری دیتے ہیں۔ سلطان تو حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے تڑپ رہے تھے اور مجرموں کو پکڑے بغیر ان کو کسی پل چین نہیں تھا۔ ان کو کامل یقین تھا کہ ان کا خواب سچا ہے اور ہوتا بھی کیوں نہیں کہ حضور رسول مقبول ﷺ کا ارشاد مبارک ہے [جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے سچ مچ دیکھا اور شیطان میری مثل میں نہیں آ سکتا] اپنے خواب غیر متزلزل یقین نے انہیں ان دونوں کے پاس جانے پر مجبور کیا جونہی سلطان نے ان کے گھر میں قدم رکھا تو انہوں نے ان دونوں ملعونوں کو پہچان لیا وہ دونوں وہی تھے جن کو حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں خواب میں دکھایا تھا

چہرے مہرے سے تو وہ بہت متقی مسلمان لگتے تھے مگر سلطان نے جلد ہی اس جگہ کا پتہ لگا لیا جہاں سے دنیا کی نگاہوں سے بچ کر وہ سرنگ کھودا کرتے تھے۔ پوچھ گچھ کے بعد انہوں نے اعتراف جرم کر لیا اور بتایا کہ وہ دونوں عیسائی تھے اور مغرب سے ان کے عیسائی آقاؤں نے انہیں جاسوسی کی غرض سے اور ایسے مذموم مقاصد کے لیے بھیجا تھا۔ ان کو اس کام کے لیے بہت سا مال و زر بھی فراہم کیا گیا تھا تاکہ لوگوں

میں تعمیرات کرنے والے اسی موقع میں اس طرح سلطان نورالدین زنگی نے ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا مقصود شریعہ کے شرقی جانب ان سے سر قلم کروائے

معتبر اور باوثوق تاریخی شواہد کے مطابق یہ واقعہ ۵۵۷ ہجری میں ہوا تھا (۹۰) تاہم بعض مورخین اس کو ۵۵۵ ہجری میں بھی بتاتے ہیں ۵۵۵ یا ۵۵۶ یا ۵۵۷ ہجری (جیسا کہ جمال المطری نے کہا ہے) سے اس حادثے کے واقعے کی حقیقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ عمومی طور پر وہ نامفرقیم وہی تھا جب سلطان دمشق سے راستے سے مدینہ پر حملے بھیجے گیا تھا۔ رنج کے معرکے سے فرار ہوا اور وہ پھر صلیبی جنگ میں صلاح الدین کے مدمقابل کھڑا تھا اور ۵۵۵ ہجری میں ان کے ہاتھوں سے شکست فاش کھا گیا جب ولی وہ بچ کا منہیں پا تو صلیبی اتحادی جھکنڈوں پر اتر آئے اور انہوں نے اپنے جاسوسوں کو مدینہ بھیجا جس میں کچھ عرصہ تو لگا ہوگا اور پھر وہ جاسوس بھی مدینہ طیبہ میں ایک سال تک اپنے مذموم منصوبے پر مشغول رہے تھے اس لیے جب وہ پکڑے گئے ہوں گے تو اس وقت سن ہجری ۵۵۷ ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ جمال المطری نے خیال ظاہر کیا ہے (۹۱) عسکری طور پر تو صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے اور پھر جب وہ لوگ جاسوسوں کی ذریعے زیر زمین نایاک حرکتوں پر اتر آئے تو بشارت رسول مقبول کے ذریعے سلطان نورالدین زنگی نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا

مستقبل میں ایسی کسی بھی سازش کو ناکام بنانے کے لیے سلطان نورالدین نے حجرہ مطہرہ کے گرد ایک بہت چوڑی اور گہری خندق کھدوائی جس کو پگھلے ہوئے سیسے سے بھر دیا گیا جس سے ان تینوں قبور مقدسہ کے گرد ایک بہت ہی مضبوط حصار بن گیا وہ گھر جہاں سے سیسہ پگھلا کر لایا جاتا تھا اسے بیت الرصاص کہا جاتا تھا جو مسجد نبوی شریف کے جنوب مغربی طرف واقع تھا (۹۲) موجودہ سعودی توسیع کے دوران میں اس کی ریاست بھی کی گئی تھی یہ جگہ آخری توسیعی منصوبے کے لیے صاف کروا کر مسجد شریف کے گرد کھلے علاقے میں شامل ہو چکی ہے یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نورالدین زنگی کے وزیر جمال الدین اصفہانی کا بھی ذکر کیا جائے جو ان کے ہمراہ مدینہ طیبہ آئے تھے اور جنہوں نے مسجد نبوی شریف کی مرمت کے علاوہ اور بھی بہت سی تاریخی مساجد کی تعمیر نو کروائی جن میں مسجد قبا کی تعمیر بھی شامل تھی جو ۵۵۵ ہجری میں ہوئی تھی اس سے ہمیں یہ شہادت بھی ملتی ہے کہ یہ واقعہ ۵۵۵ ہجری میں ہی ہوا تھا

مدینہ طیبہ کے مورخین میں سے مندرجہ ذیل مشاہیر نے اس واقعے سے متعلق تفصیلات مہیا کی ہیں

(۱)	علامہ جمال الدین الحنفوی	(کتاب المقدرات الاسلامیہ)
(۲)	جمال الدین المطری	(التعریف بما انست الهجرہ)
(۳)	امام زین الدین المراغی	(تحقیق النصرہ)
(۴)	حافظ ابن نجار	(تاریخ بغداد)
(۵)	محب الدین الطبری	(کتاب ریاض النضرہ فی فضائل العشرہ)
(۶)	امام المرجانی	(تاریخ المدینۃ المنورہ)
(۷)	سید السمہودی	(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ و خلاصۃ الوفاء)
(۸)	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	(جذب القلوب الی دیار المحبوب)

وغیرہ

مدینہ طیبہ کے وقائع نگاروں نے اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے جب کہ نصاریٰ کے ایک حاکم نے ایسی ہی مذموم حرکت پہلے بھی کی تھی ابن نجار، ابن الجوزی، تقی الدین الفاسی اور سمہودی نے بھی اسی طرح کے ایک اور واقعے کا ذکر کیا ہے جو اسی سال ہوا تھا

قدیم تصویر سقیفۃ الرصاص (تصویر پر جس جگہ ایک تیر کا نشان ہے) وہ مسجد نبوی شریف کے جنوب مغربی جانب ہوا کرتا تھا جو سعودی توسیعی منصوبے میں یہ مقام بھی صاف کردیا گیا تھا

نوعیت کا ایک اور واقعہ مصر کے فاطمی حکمران خلیفہ حاکم بامر اللہ (جسے دروز قوم آج تک اپنا الہ سمجھ کر اس کی پرستش کرتی ہے) نے مسلح کمانڈو بھیجے تھے تاکہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم مطہرہ کو مصر لے آئیں المطری نے بیان کیا ہے کہ وہ کمانڈوز عبدالفتوح نامی ایک شخص کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ میں وارد ہوئے تھے۔ (۹۴) جب انہوں نے اپنے مذموم منصوبے پر عمل شروع کیا تو ایک خوفناک آندھی چلی اور مدینہ کی فضا گرد و غبار سے اٹ گئی اور پورا شہر نبوی اندھیرے میں ڈوب گیا اس سے ان حملہ آوروں کے دلوں پر وحشت بیٹھ گئی اور انہوں نے اپنا کام ادھورا چھوڑ دیا۔ یہ تائید ایزدی تھی جس کی وجہ سے ان کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا لیکن وہ لوگ چونکہ مدینہ طیبہ سے باہر نہیں گئے تھے اس لیے انہوں نے جاتے جاتے حضرت جعفر الصادقؓ کے گھر کا صفایا کردیا جو کہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے گھر سے متصل تھا اور جو بھی تبرکات ان کے ہاتھ لگے وہ ان کو لیکر چلتے بنے جن میں قلمی نسخے اور حضرت جعفر صادقؓ کی ذاتی استعمال کی یادگاریں اور چیزیں بھی شامل تھیں

الحمدللہ، مدینہ طیبہ اللہ کے فضل و کرم سے محفوظ رہا حضور پرنور ﷺ کے نور ابدی سے یہ شہر نبی ہمیشہ منور رہا ہے اور منور رہے گا

﴿وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن اللہ ایسا نہیں ہونے دیگا اور اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا بھلے ان کو یہ بات پسند نہ ہو﴾ (۹۵)

قدرتی آفات:

تمام مخلوق حادث و فانی ہے اور بقاء اور دوام صرف خالق کل حی و قیوم کو ہے۔ یہی قانون قدرت ہے لہذا کائنات کا ہر ذرہ قانون قدرت کا تابع ہے اور اس میں خالق ہی کا حکم چلتا ہے اور فنا اور بقاء کے اس اصول سے عالمین کے کسی جزو کو استثنا نہیں ہے خواہ وہ مکۃ المکرمہ ہو یا مدینۃ المنورہ چنانچہ مدینہ طیبہ بھی باقی قطع ہائے زمین کی مانند ارضیاتی اور ماحولیاتی مظاہر قدرت کا تابع ہے، یعنی قحط سالی، بارشوں کی کمی بیشی، زلزلے اور رعد و برق و باراں اور دیگر قدرتی آفات وغیرہ مدینہ طیبہ کے اندر اور گرد و نواح میں کثیر مقدار میں لاوے کے جلے ہوئے سیاہ رنگ کے پتھر اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ لاکھوں سال پہلے تمام ارض حجاز شدید ارضیاتی اضطراب اور انفجار کی گرفت میں تھا جس سے طویل عرصے پر محیط آتش فشانی عمل اور زلزلوں نے ارض مقدس کی عمیق گہرائیوں میں واقع مواد کو نکال کر باہر پھینکا تھا

نار حجاز:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دنیوی حیات طیبہ کے بعد وقوع پذیر ہونے والے بہت سے ایسے حوادث کے متعلق واضح اشارے دے دیئے تھے جن میں سے بعض کا تعلق تو سیاسی مد و جزر سے پیدا ہونے والے فتنوں سے تھا مگر بعض ارضیاتی مظاہر قدرت سے پیدا ہونے والے حوادث کے بارے میں بھی فرما دیا گیا تھا ایسی ہی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تلک ارض حجاز سے ایک آگ ظاہر نہ ہو جائے جس کی روشنیوں سے بصریٰ کے لوگ (رات کے اندھیرے میں) اپنے اونٹوں کے گلے نہ دیکھ لیا کریں گے۔] (۹۶) بصریٰ کا شہر دمشق سے کچھ ہی فاصلے پر ہے اور جس آگ کی صادق

مصدوق حضور نبی اکرم ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی وہ بروز جمعہ مورخہ ۶ جمادی الآخرہ ۶۵۴ ہجری کو مدینہ طیبہ کے مشرق سے ظاہر ہوئی۔ ایک آتش فشانی انشقاق وانفجار تھا جس کو پورا ہونے میں اور ٹھنڈا ہونے میں تین ماہ لگے تھے (۹۷) (دمشق سے ۱۲۵ کیلو میٹر دور یہ شہر حوران کے میدانی علاقے میں نبطیوں کا قدیم شہر ہو کرتا تھا جہاں راہب بحیرہ کا کلیسا اور وہ درخت آج بھی موجود ہے جس کے نیچے یہ راہب رسول اللہ ﷺ کے بچپن میں ہی صفات نبوت دیکھ کر پکار اٹھا تھا کہ آپ حضور ﷺ ہی نبی موعود ہیں)۔

یہ سلسلہ ہلکی قوت کے زلزلوں سے شروع ہوا جو جمادی الاول ۶۵۴ ہجری میں محسوس کیے گئے اور کئی دنوں تک جاری رہا پھر جمادی الآخرہ میں زلزلوں کی شدت میں اضافہ ہونے لگ گیا اور مورخہ ۳ جمادی الآخرہ بروز بدھ نصف شب کے بعد اتنا شدید زلزلہ آیا کہ لوگ بدحواسی کے عالم میں اپنے گھروں سے باہر بھاگنے لگے۔ وقفے وقفے کے بعد زلزلوں کا سلسلہ جمعہ کے دن (یعنی ۶ جمادی الآخرہ) تک جاری رہا۔ ہر روز تقریباً چودہ زلزلے آنے لگے۔ لوگوں میں خوف وہراس پھیل چکا تھا، وہ مسجد نبوی شریف میں جمع ہو کر آہ وزاری اور استغفار کرتے۔ امیر مدینہ، قاضی اور کبار افسران مسجد نبوی شریف میں جمع ہو جاتے۔ زلزلے اتنے شدید تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا منبر شریف اور چھتوں سے آویزاں فانوس بری طرح ہل جاتے تھے۔ بہرا کر دینے والے دھماکوں کی آوازیں ہر وقت کانوں میں گونجتی رہتیں۔ ارض مدینہ میں کئی جگہوں پر شگاف پڑ گئے تھے اور درخت اور مکانات اکثر ہلتے نظر آتے تھے۔ بالآخر اس جمعے کے دن زلزلے اچانک بند ہو گئے کیونکہ دور پہاڑوں میں جبس سیل (۹۸) بنی سلیم کے علاقے میں (جو مدینہ طیبہ کے شمال مشرق میں واقع ہے) ایک مدت دراز سے خوابیدہ آتش فشاں شق ہو چکا تھا اور لاوے کا مادہ اس کی چوٹی سے باہر نکلنا شروع ہو چکا تھا۔ پگھلا ہوا لاوا جو اتنے دنوں سے زمین کی عمیق تہوں میں ادھر ادھر دوڑتا پھر رہا تھا آخر کار اپنا رستہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان پہاڑوں کی چوٹیوں میں اسے ایک جوالہ مکھی مل گیا جہاں سے لاوے کے فوارے پھوٹ پڑے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زلزلوں کے جھٹکے رک گئے

آتشیں دھواں اور شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور راکھ اور دھوئیں کے دبیز بادل دور دور تک پھیلنے لگ گئے پگھلا ہوا لاوا موج در موج اپنے جوالا مکھی سے نیچے مختلف ڈھلوانوں سے ہوتا ہوا ندی نالوں کی طرح بہتا ہوا ہر طرف تباہی پھیلانے لگ گیا۔ جب ارد گرد کے تمام گڑھے اور ڈھلوانیں بھر گئیں تو سمندری طوفان کی طرح اس لاوے نے مدینہ طیبہ کی طرف رخ کر لیا۔ راستہ میں جو چیز بھی آئی فنا ہو گئی اور یوں اس لاوے کی طغیانی میلوں تک پھیل گئی۔ ایک معاصر (ابو شامہ) کے مطابق، جن کے بیان کو سید سمہودیؒ نے نقل کیا ہے اس آتشیں لاوے کا سیل کبیر جبل احد کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے حرۃ العریض کے پاس آ کر رک گیا۔ جوالا مکھی سے یہ لاوا تقریباً چودہ میل دور تک وادی قناۃ کے ساتھ ساتھ آ چکا تھا۔ لاوے کی مختلف ندیاں چار میل چوڑے علاقے میں بہہ نکلی تھیں جن کی کم سے کم گہرائی بھی آدھا میٹر تک تھی۔ جبل وعیرہ تک پہنچ کر یہ سیلاب رک گیا اور لاوے نے منجمد ہونا شروع کر دیا اور اس طرح مدینہ طیبہ اس تباہی سے بالکل محفوظ رہا میلوں تک پھیلا ہوا لاوے کا یہ سیل کبیر جم کر سیاہ اور گہرے نیلے رنگ کے سنگلاخوں میں تبدیل ہو گیا جو آٹھ صدیاں بیت جانے پر آج بھی مدینہ طیبہ کی شمال مشرقی جانب حد نظر تک پھیلا نظر آتا ہے۔ اگر ہم جبل معتقد مطیر کی چوٹی پر جہاں مدینہ طیبہ کا سب سے بڑا واٹر سپلائی کا نظام نصب ہے ارد گرد نظر ڈالیں تو اس منجمد لاوے اور میگما کے آثار کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔ شہر نبوی سے اگر ہم مدینہ طیبہ کی ایئرپورٹ کو جائیں تو حدود حرم سے نکلتے ہی سڑک کے دونوں جانب حد نگاہ تک اس لاوے اور میگمے کے ڈھیر نظر آتے ہیں

اس لاوے کے سیل نے وادی شظاۃ کا راستہ جو جبل وعیرہ کو جاتا تھا مسدود کر دیا جس کی وجہ سے وہاں ایک بہت بڑا گڑھا پڑ گیا جہاں بارانی پانی جمع ہو جاتا تھا جو ایک ڈیم کا کام دیتا تھا جس کو 'سد العقول' کہا جاتا ہے (۹۹) جو مدینہ طیبہ سے تقریباً بارہ کیلو میٹر دور واقع ہے۔ مطری کے بیان کے مطابق بارشوں کے موسم میں جب وہ ڈیم بھر جاتا تو فاضل پانی اس سے بہہ کر مدینہ طیبہ کا رخ کرتا اور اس کے گرد

مدینہ طیبہ کی شرقی جانب حدود حرم سے باہر (ایئرپورٹ اور ریاض ہائی وے کے ارد گرد) میلوں تک پھیلی ہوئی لاوے کی باقیات ۲۰۰۱ء

نواح کے تمام علاقے زیر آب آ جاتے۔ وادی قناۃ بھرپور انداز میں طغیانی کا مظاہرہ کرتی اور اس کی طغیانی سے سید الشہداء کا تمام علاقہ متاثر ہو جایا کرتا تھا۔

جوالہ مکھی سے نکلنے والے شعلے اس حد تک بلند ہو رہے تھے کہ دور بہت دور بصریٰ کے نخلستانوں میں رہنے والے بدورات کے گھپ اندھیروں میں اپنے اونٹوں کو چرتے دیکھ لیتے۔ امام نوویؒ کے بیان کے مطابق اہل شام کی نسلوں تک اس واقعے کا ذکر کیا کرتے تھے شریف سنان (جو اس وقت مدینہ طیبہ کے قاضی تھے) نے بیان کیا ہے کہ ان شعلوں کی روشنی جنوب میں مکۃ المکرمہ تک، مغرب میں ینبع تک جاتی تھی۔ اوپر کی طرف شمال میں تیماء کے لوگ رات کے وقت اس روشنی میں لکھائی پڑھائی کا کام کرتے تھے۔ معاصر قسطلانی جو اس وقت مکۃ المکرمہ میں تھے نے باصراحت بیان کیا ہے کہ وہ روشنی مکۃ المکرمہ سے بھی پار جنوب تک جاتی تھی۔ ابن کثیر نے بھی ایک دینی مدرسے کے استاذ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان شعلوں کی روشنی سے بصریٰ کے صحرائی مضافات میں بسنے والے بدورات کی تاریکی میں اپنے اونٹوں کی گردنیں دیکھ لیا کرتے تھے (۱۰۰) ان شعلوں کی روپہلی اور بنفشجی شعاعوں نے مدینہ طیبہ کے در و دیوار روشن کر دیئے تھے اور مدینے کی خواتین اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر گھنٹوں تک ایک دوسری سے گپیں لگایا کرتی تھیں۔ (۱۰۱) لیکن کبھی کبھار آتش فشاں سے نکلنے والی راکھ اور دھواں آسمان پر بادل کی گھٹاؤں کی طرح چھا جاتے جس سے نصف النہار سورج بھی گہنایا سا لگتا تھا۔

یہ آتش فشانی عمل تقریباً تین ماہ تک جاری رہا اور پگھلا ہوا میگما ندیوں کی صورت میں ڈھلوانوں کی طرف بہتا رہا مطری کے بیان کے مطابق جب ہر طرح کا آتش فشانی عمل اپنے اختتام کو پہنچ گیا تو اس وقت کے امیر مدینہ (عز الدین منیف بن شیحہ) نے کچھ لوگوں کو حقائق معلوم کرنے کے لیے اس علاقے کی طرف ارسال کیا تاکہ اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہی اور نقصان کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اس گروپ کے ایک رکن، الشیخ صالح علم الدین سنجر العزی، کا بیان ہے کہ اس وقت اگرچہ لاوے کا بہاؤ رک چکا تھا اور وہ منجمد ہو چکا تھا لیکن اس کی حدت اس قدر زیادہ تھی کہ قریب جانے کا یارا نہ تھا۔ منجمد لاوا نہایت گرم اور سرخ رنگ کا تھا۔ وہ اگر کوئی پتھر کا کنکر اس میں پھینکتے تو اس لاوے میں گرتے ہی بھسم ہو جاتا لیکن اگر انہوں نے اس میں کوئی تیر پھینکا تو اس کا لوہے کا بنا ہوا سرا تو فوراً جل گیا مگر اس کی لکڑی سے بنا ہوا تنا ویسے ہی رہا۔ سبحان اللہ! رب ذوالجلال کا ارض حرم پر اتنا کرم کہ پگھلا ہوا لاوا بھی حدود حرم کا تقدس جانتا تھا۔ لوہے سے بنا حصہ چونکہ مدینہ طیبہ سے باہر سے آیا کرتا تھا وہ تو جل جاتا تھا مگر لکڑی جو حدود حرم میں بکثرت تھی اور تیر بنانے میں استعمال ہوتی تھی، وہ حرم نبوی کے علاقے سے ہونے کے ناطے بچ جایا کرتی تھی۔ (۱۰۲)

حجاز میں اس آگ کے ظہور نے حضور نبی کریم ﷺ کی ایک پیش گوئی پوری کر دی تھی۔ اس بڑی آفت کے علاوہ شہر نبوی پر مختلف اوقات میں دیگر آفات و بلیات بھی آتی رہی ہیں، جن میں مسجد نبوی شریف میں آگ لگ جانے کے دو واقعات بھی شامل ہیں۔ ایک مرتبہ تو انسانی غلطی سے مسجد شریف میں آگ لگ گئی تھی مگر دوسرا حادثہ قدرتی عمل کا نتیجہ تھا۔ ان تمام حادثات کا تعلق چونکہ مسجد نبوی شریف سے ہے ہم نے ان کی تمام تر تفاصیل متعلقہ باب برائے مسجد نبوی میں شامل کر دی ہیں

رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں مدینہ طیبہ اور قرب قیامت کی نشانیاں:

ہم اس باب کا اختتام حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ سے کرنا چاہیں گے جس میں آثار قرب قیامت اور مسلمانوں کی زبوں حالی کی طرف واضح نشان دہی کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بیت المقدس (یروشلم) کی آبادی اور ترقی مدینہ کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ مدینہ کی تباہی انسانوں کے بہت بڑے قاتل کے ظاہر ہونے کی نشانی ہے اور اس قاتل کے ظہور کا وقت قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کی فتح کا وقت ہوگا اور جب قسطنطنیہ فتح ہو چکا ہوگا تو دجال ظاہر ہو جائے گا۔] جناب رسالت مآب ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا: [اس سفاح قاتل اور قسطنطنیہ کی فتح میں اور دجال کے ظہور میں سات ماہ کا عرصہ ہوگا۔] (۱۰۳)

ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق فرمان مصطفوی ہے

مجھے قسم ہے رب ذوالجلال کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، مدینہ طیبہ میں بہت زیادہ قتل و غارت ہوگا جس کو حالقہ (جس کا لفظی مطلب سر منڈانا ہوتا ہے) کہا جائے گا۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ لوگوں کے سر مونڈ دیئے جائیں گے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فتنے سے لوگوں کے دل ایمان سے خالی ہو جائیں گے۔ جب ایسا وقت آ جائے تو مدینہ سے باہر نکل جانا خواہ ایک برید تک ہی کیوں نہ ہو (یعنی بارہ کیلومیٹر تک)۔ (۱۰۴)

جب قیامت برپا ہونے میں چند ساعت رہ جائیں گی تو مدینہ طیبہ پورا اجڑ چکا ہوگا سوائے دو چرواہوں کے جو بنی مزنہ کے قبیلے سے ہوں گے اور اپنی بکریوں کو چراتے ہوں گے۔ جب وہ ثنیۃ الوداع کے مقام پر پہنچیں گے تو قیامت برپا ہو جائے گی اور وہ منہ کے بل گر کر ہلاک ہو جائیں گے۔ (۱۰۵)

حواشی

(۱) یہ حدیث مبارکہ طبرانی کی اوسط سے لی گئی ہے۔ امام احمد نے سے صاحب ابن خلادؓ نے روایت کیا ہے۔ دیکھئے ابن کثیر ابوالفدا الدمشقی (ت ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، ج ۸، ص ۱۹۶

(۲) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۱۸۲۔ یہی حدیث مبارکہ صحیح مسلم میں بھی تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ موجود ہے جس کے مطابق حضرت اسامہؓ نے بیان فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ کے ایک اطم پر چڑھے اور ارشاد فرمایا: [تم وہ کچھ نہیں دیکھ رہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہارے گھروں میں فتنوں کی یلغار ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے کہ بارش کی جگہیں ہوں۔] صحیح مسلم، انگریزی ترجمہ از عبدالحمید صدیقی، ج: ۴، نمبر ۶۸۹۱۔ شارح صحیح مسلم، امام نووی، کے مطابق بارش کی تشبیہ سے مراد وہ فتنے تھے جنہوں نے یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جس میں بہت زیادہ قتل و غارت ہوا جو سیدنا عثمان ابن عفانؓ کی شہادت کے بعد ہوئے جن میں حرہ و زہرہ کے علاوہ دوسرے قتل اور مصائب و آلام بھی تھے جو بعد میں ظہور پذیر ہوئے

(۳) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۱۸۳

(۴) ایضاً نمبر ۲۳۷

(۵) ابن شبہ (ابو زید عمر بن شبہ النمیری البصری، ۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ المدینہ، ج ۱، ص ۲۷۴

(۶) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۱۸۰

(۷) صحیح مسلم، مصدر مذکور، ج ۴، نمبر ۶۹۷۱-۶۹۷۲

(۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو ترجمہ، ص ۳۴

(۹) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۵۸

(۱۰) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۲۳۴ نیز صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۶۹۳۵

(۱۱) ابن کثیر، النہایہ فی الفتن والملاحم، قاہرہ، ج ۱، ص ۲۰۹

(۱۲) ایضاً، ج ۱، ص ۹۵

(۱۳) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۲۳۹۔ بہت سی احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ دجال کبھی بھی مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا کیونکہ مدینہ طیبہ کے تمام راستوں پر فرشتے اس شہر مطہرہ کی حفاظت پر مامور ہوں گے۔ حدیث مبارکہ نمبر ۲۳۶ کے مطابق: [دجال آئے گا مگر اسے کسی بھی راستے سے مدینہ طیبہ میں دخول سے منع کر دیا جائے گا اور وہ مدینہ طیبہ کے مضافات میں شوریلی زمین پر اپنا پڑاؤ کرے گا۔

(۱۴) صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۶۹۱۴ نیز صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۸۷

(۱۵) ایضاً

(۱۶) الربذہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جس کے کھنڈرات آج بھی مدینہ طیبہ سے تقریباً ۲۱۰ کیلومیٹر دور طریق حنا کیہ پر واقع ہیں۔ یہ وہی قصبہ تھا جہاں حضرت ابوذر غفاریؓ جلاوطنی میں چلے گئے تھے اور وہیں پر ان کا انتقال ہوا اور وہیں آپ مدفون بھی ہوئے چونکہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ اور تابعین کرام اور اہل بیت طاہرہ کے چشم و چراغ مدفون تھے اور ان کی قبور مطہرہ پر قبے بنے ہوئے تھے۔ وہابی یلغار نے ان سب کو مسمار کر کے قصبے کو ویران کر دیا ہے۔ صرف چند کھنڈرات کے علاوہ وہاں باقی کچھ نہیں ملتا۔

(۱۷) صحیح بخاری، ج: ۹، ۲۰۹

(۱۸) سنن ابی داؤد (اردو ترجمہ وحید الزمان)، اسلامی اکیڈیمی، لاہور، ۱۹۸۳، ج: ۳، باب ۳۹۹، ص ۲۷۷۔

(۱۹) سید سمہودی، وفاء الوفا باخبار دار المصطفی، جزء ۱، ص ۳۶

(۲۰) ایضاً، ص:۲۴

(۲۱) سید امیر علی، (A Short History of Saracens McMillan & Co , NY, 1955)، ص ۸۷

(۲۲) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۸۵ کے مطابق کثریت نے بیعت کر لی تھی مگر چند اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی تھی کہ ان کے خیال میں حضور نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت رضوان کر لینے کے بعد کسی اور کی بیعت کرنا چہ معنی دارد ان کا انکار عشق رسول ﷺ کی وجہ سے تھا نہ یہ کہ سیاسی طور پر وہ یزید کی بیعت کے مخالف تھے

(۲۳) ابراہیم بن علی عیاشی المدنی، المدینۃ بین الماضی والحاضر ص ۳۱۲

(۲۴) ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۲۰۸

(۲۵) ابن عبدربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص ۸۰۷

(۲۶) وہ اہالیان مدینہ کا جانی دشمن تھا بستر مرگ پر بھی اس بدبخت نے کہا تھا "اب مجھے زیست کی تمنا نہیں، اس کلمہ شہادت کے بعد مجھے جو چیز پیاری تھی وہ یہ خواہش تھی کہ جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے میں اہالیان مدینہ کو قتل کروں میری وہ خواہش اب پوری ہو چکی، لہٰذا اب زندگی کی مزید خواہش نہیں ہے" اسید کردار ملعون نے جب اہالیان مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تو اس وقت بھی وہ سخت بیماری کی حالت میں بستر علالت پر بیٹھ کر احکام جاری کر رہا تھا اور حرم نبوی میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے مکہ مکرمہ روانہ ہوا اور راستے میں ہی دم توڑ گیا۔ اور اس کی فوج نے اسے قدید میں یا اس کے قریب کہیں دفن کر دیا تھا ایک مدنی خاتون نے دو دن کے بعد اس کی نعش کو قبر سے نکال کر آگ لگا دی تھی کیونکہ اس کے بیٹے کو اس نے قتل کیا تھا اور اس خاتون نے اس سے بدلہ لینے کی قسم کھائی تھی۔ جب اس کی قبر کھودی گئی تو دیکھا گیا کہ ایک اژدہا اس کے جسم کو ڈس رہا تھا پھر دوسری طرف سے کھودی گئی تو وہاں بھی اژدہا یہ کام کر رہا تھا، پھر اس خاتون نے اژدہے کو لکڑی سے ڈرا کر دوسری طرف کیا اور اس کی لاش کو باہر نکال کر اسے آگ کے سپرد کر دیا۔ اس ملعون نے مدینہ طیبہ کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی تھی اور مسجد نبوی شریف کے تقدس کو بری طرح پامال کیا تھا۔ اس کے شیطانی اعمال اور بدکرداری کی وجہ سے یہ سزا ملی تھی

(۲۷) محمد السید الوکیل، المدینۃ المنورہ (معالم وحضارہ)، دمشق، ص ۲۳۵

(۲۸) ابن الاثیر (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج ۳، ص ۲۱۴

(۲۹) واقدی کے مطابق یہ سب بنو حارثہ کے ایک فرد کا کیا دھرا تھا جس نے مروان کے ساتھ ساز باز کر کے یزید پلید کی فوج کو مدینہ طیبہ کے شمالی جانب کھودی گئی خندق میں سے ایسے خفیہ مقام سے گزارا تھا جہاں کسی کو خبر نہ تھی جس کی حفاظت اس کے ذمے لگائی گئی تھی۔ اس غداری کے عوض تمام بنو حارثہ کو امان دی گئی تھی۔ اور اگر کسی نے ان کے مکان میں پناہ لے رکھی تھی تو اسے بھی امان دے دی گئی تھی جس سے ان کی جان و مال محفوظ رہی۔

(۳۰) سمہودی، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۱۲۹ تا ہم صاحب العقد الفرید کے مطابق عبداللہ بن مطیع مکہ مکرمہ فرار ہو گئے تھے اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے جب واقعہ حرہ کی آگ ذرا ٹھنڈی ہوئی تو وہ واپس مدینہ طیبہ آ گئے لیکن جب اموییوں نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور مدینہ طیبہ کا رخ کیا تو انہیں شہید کرا دیا گیا اور ان کا کٹا ہوا سر کئی دن تک مدینہ کے ایک چوراہے میں دیگر مقتولین کے سروں کے ساتھ لٹکایا گیا اور پھر ان کا سر دمشق میں عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا گیا تھا۔ ابن عبدربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص ۵۳۴، ایسی ہی رپورٹ ابن سعد نے بھی دی ہے، طبقات الکبریٰ، ج ۵، ص ۱۴۸

(۳۱) ابن سعد، مصدر مذکور، ج ۵، ص ۲۶۳ اور ۱۹۴ ابن سعد کے مطابق حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتوں کے ساتوں فرزندان نے جام شہادت نوش فرمایا تھا دیکھیے ج ۵، ص ۲۶۵

(۳۲) ابن الاثیر (۵۵۰۔۶۳۰ ہجری)، اسد الغابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۳، ص ۲۵۰

(۳۳) ابن سعد، مصدر مذکور، ص ۸۷

(۳۴) ابی الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی (وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اولاد سے تھے، اور ان کا انتقال ۳۴۶ ہجری میں ہوا تھا)، مروج الذہب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، پاکستان ایڈیشن، ج ۳، ص ۸۵ شہدائے حرہ کے ناموں کی تفصیل کے لیے دیکھیے عمر و خلیفہ بن خیاط بن ابی ہبیرہ اللیثی العصفری (ت ۲۴۰ ہجری)، تاریخ خلیفہ بن خیاط، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۵، صفحات ۱۵۰۔۱۵۶

(۳۵) ابن عبدربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص ۸۰۸

(۳۶) ابن سعد، مصدر مذکور، ج ۵، ص ۲۱۵

(۳۷) ابن الاثیر (۵۵۰۔۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العربی، بیروت، ج ۳ صفحات ۲۱۲ ۲۱۳

(۳۸) مسلم بن عقبہ ملعون نے حضرت سعید بن المسیبؓ (جن کا شمار جلیل القدر تابعین سے ہوتا ہے اور جو مدینہ طیبہ کے سات معروف فقہاء میں سے ایک تھے) کے قتل کے بھی احکام دے دیئے تھے مگر ایک شامی کے کہنے پر ان کی جان بخشی دی گئی کیونکہ اس نے اس کو بتایا کہ وہ پاگل ہیں یہ وہی متقی شاہد ہیں جنہوں نے مسجد نبوی شریف کے تقدس کو پامال کرنے سے متعلق رونگٹے کھڑے کر دینے والی تفاصیل مہیا کی ہیں ابن الجوزی نے ان کے چند قول نقل کئے ہیں جن کے مطابق ان تین دنوں میں جب مسجد نبوی شریف کی حرمت کو اس کے اندر گھوڑے باندھ کر پامال کیا جا رہا تھا، تو جب بھی نماز کا وقت آتا تو ان کو مقصورہ شریف کے اندر سے اذان کی آواز آتی اور اس طرح وہ نماز ادا کرتے تھے چونکہ انہوں نے پاگل ہونے کا سوانگ رچا یا تھا شامیوں کو ان پر شک نہیں گزرتا تھا اور ان کی ذرہ پرواہ نہیں کرتے تھے اور ان کو مسجد شریف کے اندر رہنے دیتے تھے شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب، مصدر مذکور، ص ۳۹

(۳۹) سنت سے اتنی آگاہی رکھتے تھے کہ یہ ردوبدل پہلے ہی سے بتائی گئی تھی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ (جلد ہی وہ وقت آنے والا ہے) کہ مسلمان کی سب سے اچھی ملکیت صرف بھیڑیں ہوں گی جن کو لیکر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جائے گا یا ایسی جگہوں پر چلا جائے گا جہاں بارش زیادہ ہوتی ہو۔ وہ فتنوں سے فرار حاصل کر کے اپنے دین کو بچانے کے لیے دور دراز چلا جائے گا۔ سنن ابو داؤد، ۳۰، ۴۲۵۴

(۴۰) صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۲۴۷

(۴۱) طبرانی نے اس واقعہ کو ابی ہارون العبدی کی وساطت سے روایت کیا ہے جنہوں نے اسے حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت کیا سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۳۵

(۴۲) سنن ابی داؤد، ۳۰، ۴۲۴۷

(۴۳) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۳۰۷

(۴۴) ابن الاثیر (۵۵۰۔۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، مصدر مذکور، ج ۳، ص ۳۱۹

(۴۵) الموطا امام مالک سے ایک حدیث مبارکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "تم مدینہ کو اچھی حالت میں چھوڑ دو گے، لیکن ایک ایسا وقت آئے گا کہ کتے اور بھیڑیے اس میں داخل ہوں گے اور مسجد کے ایک ستون کے ساتھ یا منبر کے قریب پیشاب کریں گے، اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس وقت اس کے پھل وغیرہ کہاں جائیں گے یعنی جب کوئی بھی ان کو کھانے والا نہ رہے گا؟" آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ان کو جانور کھائیں گے یا پرندے اور شکاری جانور کھائیں گے الموطا، ج ۲، نمبر ۱۶۴۳ بہت سے محدثین کا خیال ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں واقعہ حرہ کے فتنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ویرانی کا بیان ہے، مگر بعض کا خیال ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب قیامت قریب آ چکی ہوگی اور یہ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

(۴۶) ابن سعد، ج ۵ ص ۱۳۲ بحوالہ شیخ اسماعیل بن عبداللہ سعید ارزی نقشبندی ترغیب اہل المودۃ والوفاء

(۴۷) سنن ابی داؤد، ۳۰۔ ۴۲۴۷

(۴۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ص ۴۰

(۴۹) ابن الکثیر (ت ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۹۴

(۵۰) المسعودی، مصدر مذکور، ص: ۸۵

(۵۱) سمہودی، مصدر مذکور، ص ۱۳۳، نیز ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۹۳

(۵۲) محمد السید الوکیل، المدینۃ المنورہ (معالم وحضارہ)، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۶، ص ۲۴۷

(۵۳) صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۳۱۸۵، نیز نمبر ۳۱۸۱ کی حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے خیالات ہیں۔

(۵۴) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری (۲۲۴_۳۱۰ ہجری) تاریخ الامم والملوک، بیروت، ج ۵، صفحات ۳۸۲_۳۹۵

(۵۵) ابن کثیر (ت ۷۷۶ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج ۸، صفحات ۱۹۰_۱۹۷

(۵۶) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۵۸ (وضاحت اور شرح کے ساتھ)

(۵۷) غازی محمد مین، شنقیطی، مصدر مذکور، ص ۵۶

(۵۸) ابراہیم العیاشی المدنی، مصدر مذکور، ص ۳۱۰

(۵۹) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۹۷

(۶۰) جب حجاج ابن یوسف کا سیدۃ اسماء بنت ابی بکرؓ سے ان کے فرزند حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد آمنا سامنا ہوا تو سیدۃ اسماءؓ نے اسے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبیلہ بنو ثقیف میں ایک انتہائی جھوٹا (کذاب) اور ایک انتہائی سفاح قاتل پیدا ہوگا کذاب تو ہم دیکھ چکے (ان کا اشارہ عبید الثقفی کی طرف تھا جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور اس کذاب کو انہی سیدۃ اسماءؓ کے دوسرے فرزند حضرت محمد ابن زبیرؓ نے واصل جہنم کیا تھا) اور جہاں تک سفاح کا تعلق ہے مجھے تمہارے سوا کوئی اور دوسرا نہیں لگتا۔ اس پر وہ غصے سے کھڑا ہو گیا مگر ان کو کوئی جواب نہ دے سکا۔ صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۶۱۷۶

(۶۱) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت، ۱۹۷۵، صفحات ۳۳۰_۳۳۲

(۶۲) ابن شبہ (ابو زید عمر بن شبہ النمیری البصری ۱۷۳_۲۶۲ ہجری)، تاریخ المدینہ، ج ۱، ص ۱۷

(۶۳) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، مصدر مذکور، ج ۵، ص ۱۳۱ سمہودی، وفاء الوفاء، جزء ۲، ص ۹۳۵

(۶۴) جلال الدین السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۲۳۱ امام ابو حنیفہ کے علاوہ حضرت سفیان الثوریؒ، مسعود ابن کدامؒ نے بھی اس کی تحریک کی حمایت کی تھی۔ ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، طہران، ۱۹۳۹، ص ۲۶۵، تاریخ بغداد (ج ۳، ص ۳۸۰) کے مطابق "جونہی بغاوت ختم ہوئی منصور نے حضرت امام مالک بن انسؒ کو کوڑوں کی سزا کا حکم دیا اور امام ابو حنیفہؒ کو تاحیات دشمن سمجھا کہ انہیں قید کر دیا اور ان کی موت جیل میں ہی ہوئی۔" امام مالکؒ سے پوچھ گچھ کے بعد عباسی سپہ سالار عیسیٰ بن موسیٰ نے ان کو اذیت دی۔ سمہودی، مصدر مذکور، ص ۹۳۳

(۶۵) الطبری، مصدر مذکور، ج ۳، ص ۲۲۶

(۶۶) نفس الذکیہ کے ہاتھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تاریخی شمشیر (ذوالفقار) تھی جو ان کی شہادت کے بعد عباسیوں کے ہاتھ لگ گئی اور الرشید تک تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان کے قبضے میں تھی۔ سمہودی، مصدر مذکور، ص ۹۳۳

(۶۷) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۵، ص ۱۲۸

(۶۸) ایضاً، ص ۳۹

(۶۹) ابن شبہ (ابو زید عمر بن شبہ النمیری البصری ۱۷۳_۲۶۲ ہجری)، ج ۱، ص ۳۰۷ مورخین میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ میں دو ایسے مقامات تھے جن کو احجار الزیت کہا جاتا تھا ایک تو وہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور دوسرا حضرت کعب الاحبارؓ کے کہنے کے مطابق حرہ شرقیہ میں تھا جہاں قبیلہ بنو عبدالاشہل آباد تھا۔ کعب الاحبارؓ کی روایت میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ وہاں بہت قتل و غارت ہوگا جو حقیقتاً وہاں واقعہ حرہ زہرہ کے وقوع پذیر ہونے سے پورا ہو گیا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے

(۷۰) ابو الحسن علی ندوی، (Saviors of Islamic Spirit) Vol 1 pp 50-51، اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ اینڈ پبلیکیشنز، لکھنو، انڈیا، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۷۶

(۷۱) محمد طاہر المکی الکردی، کتاب تاریخ قویم لمکۃ وبیت اللہ الکریم، پہلا ایڈیشن، ۱۳۸۵، ص ۳۱۳ قرامطی سردار نے ہتھوڑا استعمال کر کے حجر اسود کے ٹکڑے

ٹکڑے کر دیے تھے اور پھر ان کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ بائیس سال بعد اس کے جانشین (سنبر ابن الحسن القرامطی) نے ان ٹکڑوں کو مکہ واپس یہ کہہ کر لوٹا دیا تھا: ہم اسے اللہ کے حکم سے لیکر گئے تھے اور اللہ ہی کے حکم سے واپس چھوڑے جا رہے ہیں۔

(۷۲) فصیل مدینہ طیبہ کی مکمل تفاصیل باب (۵) میں دیکھیں

(۷۳) عمر ابن السید علی المدنی المفتی السمہودی (ت ۱۱۵۷ ہجری۔ شہرہ آفاق مورخ مدینہ طیبہ کے پڑپوتے تھے)، ذیل ازنقہ رسید الابرار، جو ۲۰۹ صفحے کا مخطوطہ ہے۔ تفاصیل کے لیے دیکھئے (Al-Madina Al-Munawwarah in One Hundred Manuscripts - Analytical Index) ناشر مرکز البحوث والدراسات مدینہ المنورہ، پہلا ایڈیشن ۱۴۲۰

(۷۴) ڈاکٹر عبداللہ الصالح العثیمین، مواد لتاریخ الوہابیین (لڈویگ برکہارٹ کی کتاب کا ترجمہ ہے) ناشر جامعہ ملک سعود، ریاض، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۱، ص ۹۵

(۷۵) ایضاً

(۷۶) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین الشریفین، مصدر مذکور، ج ۱، صفحات ۳۵۲_۳۵۶

(۷۷) رچرڈ برٹن، مصدر مذکور، صفحات ۲۶۹_۳۰۰

(۷۸) جب شیخ پر یہ قافلہ رکا تو عبداللہ ابن سعود نے رات کے اندھیرے میں فرار ہونے کی ناکام کوشش کی مگر حرب قبیلے نے اس کو پکڑ کر طوسون پاشا کے حوالے کر دیا

(۷۹) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین الشریفین، مصدر مذکور، ج ۱، صفحات ۳۵۲_۳۵۶

(۸۰) ڈاکٹر عبداللہ الصالح العثیمین، مواد لتاریخ الوہابیین، مصدر مذکور، صفحات ۱۰۹_۱۲۵

(۸۱) ایسے جاسوس ہمیشہ سے ہی حرمین الشریفین میں دراندازی کرتے رہے ہیں۔ سر رچرڈ برٹن، پادری جارس نوسٹر اور ہمفر کی یادداشتیں اور ٹی ای لارنس اور اسی نوع کے کئی مستشرقین کی یادداشتیں جو عثمانی سلطنت کے زوال سے پہلے اور بعد میں چھپتی رہی ہیں ان سازشوں اور جاسوسی کے جالوں سے پردہ اٹھاتی ہیں جو مکہ اور مدینہ طیبہ کے مقدس شہروں تک پھیل چکے تھے۔ عام طور پر ایسے تمام جاسوس مسلم نام اور عادات اپنا کر رکھتے تھے جس سے ان کی پہچان مشکل ہوتی تھی۔

(۸۲) سٹینلے لین پول نے ان نازیبا الفاظ کو من وعن نقل کیا ہے مگر بطور مسلم اور نبی اکرم ﷺ کے مقام اور مرتبہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے ان نازیبا الفاظ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے

(۸۳) سٹینلے لین پول "Stanley Lane Poole, " Saladin and the fall of the Kingdom of Jerusalem، سنگ میل اکیڈمی، لاہور، پاکستان، ص ۱۷۵۔ اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں کال نمبر (Call No. 923.162.LAN) پر موجود ہے۔

(۸۴) ایضاً، صفحات ۱۷۵_۱۷۶

(۸۵) ایضاً، ص ۱۷۷

(۸۶) The Travels of Ibn Jubayr, translated by Roland Broadhurst, Goodword Books New Delhi, 2001, pp: 52 - 53.

(۸۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸_۱۰۵۲ ہجری) فرماتے ہیں کہ ان کے مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران انہوں نے وہ رباط دیکھی تھی جہاں وہ دونوں مجرم رہا کرتے اور جس کے نیچے سے انہوں نے سرنگ لگائی تھی، وہ ایک ویران سی رباط ہوا کرتی تھی۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص ۱۴۷

(۸۸) القرآن (المائدہ۔۶۴)

(۸۹) علامہ جمال الدین الاسنوی اور ان کے شاگرد رشید شیخ زین الدین المراغی نے جو اس وقت کے معاصر علماء میں سے تھے، اس معاملے میں کافی معلومات مہیا کی ہیں

(۹۰) حمود بن عبداللہ بن حمود التویجری، کتاب امریکا، ناشر دار اللواء، ریاض، ۱۹۹۲، صفحات ۹۹_۱۰۱

(۹) یوبی خاندان کی مدینہ طیبہ ورتاجدار مدینہ ﷺ سے محبت کا ندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے والد محترم (نجم الدین) اور چچا شیرکوہ کا نتقال مدینہ طیبہ سے ہزاروں کوس دور ہوا تھا مگر ان کی وصیت کے مطابق جوتھی ن کے انتقال ہوئے، یکے بعد دیگرے ان کی میتیں مدینہ طیبہ لائی گئیں اور ان کو مسجد نبوی کے جوار رحمت میں اس گھر میں دفن کیا گیا جو حضرت خالد بن ولید کا تھا اور جہاں بعد میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی آ کر فروکش ہوئے تھے اور نہی کی نسبت سے وہ جگہ زاویہ عبدالقادر جیلانی اور بعد میں زاویہ سمان کے نام سے جانی جاتی تھی وہ جگہ بعد میں پہلے بہاولپور اور پھر پاکستان ہاؤس بن گئی تھی جو باب جبریل کے سامنے واقع ہوا کرتی تھی

(۹۲) احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۳ء، ص ۸۵ فاضل مصنف نے خاص طور پر الدار الکریمۃ کا ذکر کیا ہے جہاں سلطان نور الدین زنگیؒ نے اس وقت قیام فرمایا تھا اور اہالیان مدینہ طیبہ میں خیرات تقسیم کی تھی، وہ مکان باب عمر بن الخطابؓ کے سامنے ہوا کرتا تھا دار الضیافہ کے نام سے جانا جاتا تھا جس کی تعمیر نو شاہ سعود بن عبدالعزیزؒ نے کروا کر سرکاری گیسٹ ہاؤس بنا دیا تھا گیسٹ ہاؤس بننے سے پہلے اس جگہ

ایک رباط

ہوا کرتی تھی جو رباط ابی البرکات کے نام سے جانی جاتی تھی

(۹۳) حمود بن عبداللہ بن حمود، مصدر مذکور، ص ۲۰

(۹۴) زین الدین المراغی (ت ۸۱۶ ہجری)، مصدر مذکور، ص ۱۴۸

(۹۵) القرآن الکریم (التوبہ۔۳۳)

(۹۶) صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۱۹۳۵ صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۲۳۳

(۹۷) فتح الباری، ج ۱۸، ص ۲۷

(۹۸) سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص ۱۳۱ انہوں نے بیان کیا ہے کہ دیگر معاصر مورخین نے بھی یہی کہا ہے کہ بس آتش فشاں کا جز وادی اجیلین میں ہی ہوا تھا جو کہ مدینہ طیبہ کے مشرق میں واقع ہے اور مدینہ طیبہ سے آدھے دن کی مسافت پر ہے نیز دیکھئے المطری، مصدر مذکور ص ۲۰

(۹۹) مدینہ طیبہ کی موجودہ ٹوپوگرافی میں سد العاقول بہت بڑا ڈیم ہے جو تقریباً ۵ کیلومیٹر طویل اور ۱ کیلومیٹر عریض ہے اس کی گہرائی ۳ میٹر ہے اور بارشوں کے دنوں میں اس میں ۹ ملین کیوبک میٹر پانی ذخیرہ ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر عمر الفاروق السید رجب،

(Al-Medina al-Munawwara -A Study of its Economics, Population and Morphology

Dar al-Shorooq Jeddah 1979 p. 72

(۱۰۰) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۱، صفحات ۲۶۔۲۷

(۱۰۱) سمہودی، مصدر مذکور، ص ۱۲۷

(۱۰۲) ایضاً، صفحات ۱۳۹۔۱۵۵، مدینہ طیبہ کی شہرہ آفاق تاریخ کے فاضل مصنف نے نہ صرف مکمل تفاصیل مہیا کی ہیں بلکہ نہایت ہی معتبر حوالہ جات سے اس موضوع کو بیان کیا ہے

(۱۰۳) شیخ سماعیل اسکداری نقشبندی (ت ۱۱۸۲ ہجری)، ترغیب المودہ والوفاء، ص ۲۲۳

(۱۰۴) ایضاً، ص ۲۲۳

(۱۰۵) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۲۰۳ صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۹۸ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی اس حدیث مبارکہ کو بیان کرتے ہوئے ابن شبہ النمیری البصری تاریخ مدینہ میں بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ثنیات الوداع کے مقام پر ہوگا
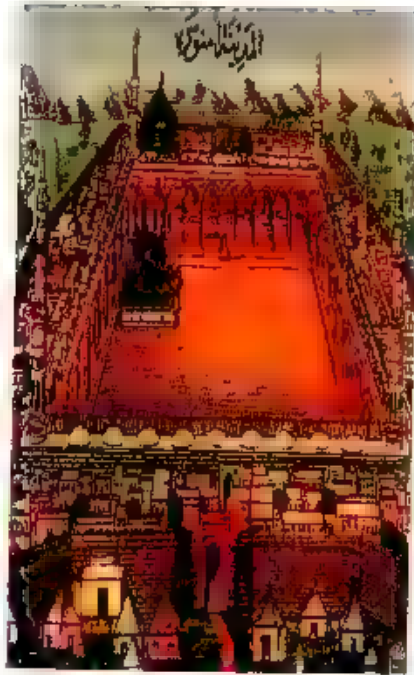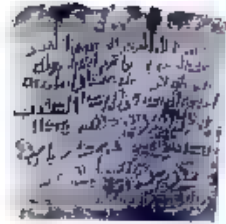
مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً کی سیاسی اہمیت - مدینہ طیبہ بطور دارالسلام

ہر شہر تلوار سے فتح ہوا لیکن مدینہ طیبہ قرآن کریم سے فتح ہوا (ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ)( )

کی مہار کس کے ہاتھ میں ہو اور وہ آپ حضور ﷺ کو اپنے گھر لے جائے یعنی رسول مقبول ﷺ نہ تو ایک قبیلے کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ کا مشن کسی ایک قوم تک محدود تھا آپ جناب ﷺ کی بعثت اور رسالت تو تمام عالم اور رہتی دنیا کے لیے تھی ایسے میں آپ ﷺ کسی ایک قبیلہ یا شعب کے ساتھ کیسے ملحق کر دیتے، لہذا آپ حضور ﷺ نے یہ تمام معاملہ مشیت الٰہی پر موقوف کر دیا اور جوں جوں قصویٰ آگے بڑھتی آگے چلتی جاتی آپ حضرت ﷺ ارشاد فرماتے: [اس کا راستہ چھوڑ دیجیے، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے (یعنی یہ اپنی منزل خوب پہچانتی ہے)] حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی لگام ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھی اور یوں قصویٰ بل کھاتی ہوئی گلیوں اور پگڈنڈیوں سے ہوتی ہوئی اس منزل کی طرف گامزن تھی جو صرف اور صرف اسے معلوم تھی کبھی دائیں دیکھتی اور کبھی بائیں اور پھر منزل موعود کی طرف آگے کو بڑھ جاتی شہر کے مضافات میں ایک کھلی چار دیواری کے پاس جا کر قصویٰ یکا یک رک گئی اسی احاطے میں بعد میں مسجد نبوی شریف اور حضور نبی اکرم ﷺ کا کاشانہ اقدس تعمیر ہوا مدینہ طیبہ کی تاریخ میں نہ کبھی اتنا بڑا مہمان تشریف لایا تھا اور نہ ہی اس نے کبھی اتنی عزت و وقار سے کسی کا استقبال کیا تھا شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ اور نور الہدیٰ ﷺ نے پوری تابانی کے ساتھ اس کے اندھیروں کو روشنیوں میں بدل دیا تھا اس دن کے بعد گمنامی کے اندھیروں سے نکل کر تاریخ کی چکا چوند مدینہ طیبہ کا مقدر بن گئی تھی

ابتدائی خطرات اور چیلنج

اپنوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اور اپنا گھر بار چھوڑ کر مہاجرین کا مختصر سا قافلہ ابھی ابھی یثرب کے نخلستان میں آیا تھا نئے چہرے، نیا شہر اور نیا ماحول تھا جہاں چاروں طرف بے شمار گمبھیر چیلنج سر اٹھائے کھڑے تھے، راستہ پر خطر تھا مگر رہبر حق نما تھا یہ اسی قافلہ سالار کا صلائے عام تھا جس پر لبیک کہتے ہوئے یہ بے سروسامان اور تہی دست مگر سراپا سرشار بندے ذوق خدائی سے سرشار اللہ کی رضا جوئی کے لیے نکل پڑے تھے سب سے زیادہ چیلنج راہروان شوق کی بجائے تو قافلہ سالار کو درپیش تھے وسائل کا فقدان اور مسائل کے پہاڑ تھے جو کسی بھی انسان کے حوصلے کو ریزہ ریزہ کر دینے کے لیے کافی تھے تاہم بار عظیم تو پہلے کسی بھی جلیل القدر پیغمبر کو اٹھانے کے لیے نہیں ملا، نہ نوح علیہ السلام کو، نہ ابراہیم علیہ السلام کو، نہ موسیٰ علیہ السلام کو اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام کو تاریکی اور فرقہ تفرقی کو ختم کر کے بنی نوع انسان کو صراط مستقیم پر چلانے کا میثاق پیغمبری صرف صاحب لولاک حضور نبی اکرم ﷺ کے حصے میں آیا تھا ﴿و وضعنا عنک وزرک الذی انقض ظهرک﴾ کہہ کر خود رب ذوالجلال نے اس بار عظیم کی طرف اشارہ کیا ہے جو بنی نوع انسانی کے نجات دہندہ کو اٹھانا پڑ رہا تھا۔(۹) یوں تو ہر قبیلے کے سردار نے آپ حضرت ﷺ کو اپنے ہاں قیام کی درخواست کی تھی مگر آپ حضور ﷺ کی میزبانی اور حمایت کی پیش کشوں کے در پردہ سب کا مطمح نظر ایک جیسا نہیں تھا یثرب کا ہر قبیلہ جانتا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی میزبانی سے کیا کیا سیاسی، معاشرتی اور دیگر فوائد حاصل ہوں گے (۱۰) کسی ایک گروہ کی طرف میلان طبع سیاسی کشمکش میں اضافے کا سبب بن سکتا تھا، لہذا مشیت الٰہی کے مطابق فیصلہ قصویٰ پر چھوڑ دیا گیا جو حضور نبی اکرم ﷺ کو ایک ایسی چار دیواری پر لے گئی جو کسی قبیلے کے رئیس کی نہیں بلکہ دو یتیم بچوں کی وراثت تھی جسے بعد میں قیمتاً خرید لیا گیا حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں قیام کا فیصلہ بھی بغیر کسی ایک گروہ کی طرفداری کیے قرعہ اندازی سے کیا گیا جو حضور نبی اکرم ﷺ کے اعلیٰ سیاسی تدبر کی ایک مثال ہے جس نے سب کے دل موہ لیے تھے یوں مہاجر و انصار کے منتشر موتی ایک امت کے شیرازے میں پرو دیے گئے

ہجرت مبارکہ کے فوراً بعد سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ان بے خانماں مہاجرین کا تھا جو اپنا سب کچھ راہ خدا میں نچھاور کر کے غریب الدیار ہو چکے تھے اس پر مستزاد یہ کہ جب ہجرت مبارکہ ہوئی تو مہاجرین کو یثرب کی آب و ہوا راس نہ آئی اور ان میں سے بہت سے نو واردین

مدینہ طیبہ [illegible] کی ایک یادگار تصویر (انیسویں صدی کے وسط میں)

مختلف وبائی امراض کا شکار ہو گئے ایسے میں کون ہو گا جس کو اپنا گھر یاد نہیں آ رہا ہو گا حضرت بلال بن رباحؓ جیسی شخصیت بھی بیماری کی حالت میں مکہ کی یاد میں اشعار گنگنایا کرتے تھے چنانچہ نبی رحمت ﷺ حضور رب ذوالجلال میں یوں دست بدعا ہوئے:

اے اللہ ہمیں مدینہ اتنا ہی پیارا کر دے جتنا کہ مکہ پیارا ہے، بلکہ اس کو اس سے بھی زیادہ پیارا کر دے اے اللہ اس کی آب و ہوا کو ہمارے موافق کر دے اور اس کے تولنے کے پیمانوں (یعنی صاع اور مد) میں اور اس کے پھل اور غلے میں برکت ڈال دے۔ (۱۱)

جہاں تک اس وقت مدینہ طیبہ کے معاشی حالات کا تعلق ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ کافی حد تک اس کے اقتصادی وسائل پر یہود کا قبضہ تھا (۱۲) بادی النظر میں یہ لگ رہا تھا کہ اقتصادی حالات کو قابو میں آتے آتے دیر لگے گی انصار نے بلاشبہ اپنے تمام تر وسائل حضور پرنور ﷺ کے قدموں پر ڈھیر کر دیے تھے مگر بے خانماں اور بے سروسامان مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ کافی گمبھیر لگ رہا تھا دوسری طرف وہ یہود جو صدیوں سے نبی آخر الزمان کا انتظار کر رہے تھے اپنے ہی صحیفہ ہائے آسمانی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آپ پر ایمان لانے سے انکاری ہو چکے تھے (معاذ اللہ) حضور رسالت مآب ﷺ کی شخصیت معجز نگار کا کمال دیکھئے کہ ان تمام صعوبتوں اور رکاوٹوں کے باوجود تمام بڑے عرب قبائل (اوس و خزرج) اور طاقتور یہودی اقلیت نے آپ حضور ﷺ کو اپنا لیڈر چن لیا تھا جس طرح اللہ کے برگزیدہ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے بلاشرکت غیرے حکمران ہو گئے تھے ابن ہشام کے مطابق ابھی مسجد نبوی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرات مبارکہ زیر تعمیر ہی تھے کہ انصار کا کوئی بھی ایسا گھرانہ نہیں تھا جس سے مسلمان نہ ہوئے ہوں صرف بنی اوس کے چار گھرانے پیچھے رہ گئے تھے جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے بنو خطمہ، بنو واقف، بنو وائل اور بنو امیہ (۱۳) انصار نے مہاجرین کو اپنے ساتھ ضم کرنے میں اتنے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا کہ چونکہ مہاجرین کی تعداد انصار سے بہت کم تھی اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی کہ کون سا مہاجر کس انصاری کے پاس ٹھہرے گا (صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۱۳۵)

ان حالات پر ایک طائرانہ نظر سے ہی یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر طرف مسائل کے پہاڑ نظر آ رہے تھے جب کہ وسائل نہ ہونے کے برابر

تھے ہر طرف تند و تیز باد مخالف کے جھکڑ چل رہے تھے مگر اس اولوالعزم جماعت (جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے رکھی تھی اور جو اس حضرت کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھی تھی) کے حوصلے چٹانوں سے بھی زیادہ مضبوط تھے صبر و استقامت کے وہ پیکر جو اہل مکہ کے ظلم و جور و ستم کی آتشیں بھٹی سے کندن بن کے نکلے تھے یثرب کے بحر ظلم کی ہر موج میں پناہ نشیمن بنانے کا عزم اور استعداد رکھتے تھے قابل ترین (Survival of the Fittest) کے اصولوں پر اگر پرکھا جائے تو وہ جماعت نہ صرف اپنی بقاء کی پوری اہلیت رکھتی تھی بلکہ بنی نوع انسان کی قسمت اپنے ہاتھوں سے لکھنے پر قدرت تام رکھتی تھی۔ دولت مسلمہ کی بنیاد رکھ دی گئی تھی جو مدینہ طیبہ کی صورت میں ایک جغرافیائی سیاسی اکائی کے طور پر دنیا کے سیاسی افق پر طلوع ہو چکی تھی موسس دولت اسلامیہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بغیر کسی آرام کے بظاہر مشکل ترین مشن کو جاری رکھا اور چند ہی دنوں میں مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں بسنے والے تمام بادیہ نشین قبائل سے ملاقاتیں کر کے مدینہ طیبہ کی خود مختار ریاست کا ایک طرح کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا تھا غیر ممکن کو ممکن کر کے دکھا دیا گیا تھا۔ امت مسلمہ کو یہ فخر عظیم حاصل ہے کہ دنیا کا پہلا لکھا ہوا دستور (میثاق مدینہ) ریاست مدینہ طیبہ میں اس وقت نافذ ہوا جبکہ دنیا کی سیاسی تاریخ میں لکھے ہوئے دستور کا ملکا سا خاکہ بھی کسی کے ذہن میں نہیں آیا تھا خیر، حضور رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی تھی جو دنیا کی ہر ریاست سے منفرد اور آزاد تھی ریاست کے جدید ترین تصور کی تمام تر خوبیاں اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں اس کے اپنے عوام تھے جن کا اپنا مذہب اور معاشرہ تھا، اپنی آزادی کا مکمل عزم تھا اللہ رب العزت کا عطا کردہ ضابطہ حیات اور اپنا نظام حکومت تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ قوم نہ صرف اپنی بقاء اور دفاع کے قابل تھی بلکہ دوسروں پر چھا جانے کی پوری اہلیت رکھتی تھی تیرہ سو سال گزر جانے اور دو عالمی جنگوں کو دیکھنے کے بعد انسانیت پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ یہ چاروں چیزیں کسی قوم (Nation) کا تشخص قائم کرنے کے لیے ضروری ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تیرہ صدیاں پہلے موسس دولت اسلامی نے اس مملکت کی بنیاد ہی انہی اصولوں پر رکھی تھی

ہجرت مبارکہ کو اگر صحیح تناظر میں دیکھا جائے تو یہ مشرکین مکہ کے ہاتھوں جور و ستم سے فرار نہیں تھا، اور نہ ہی کسی محفوظ مقام پر پناہ گاہ حاصل کرنا اس کا مقصود تھا، بلکہ اس کا مقصد عظیم تو ایک ایسے قوت کے سرچشمے (Power base) کی بنیاد رکھنا تھا جہاں جہد مسلسل کے بعد اللہ کی دورے بھی کہیں زیادہ مخالفت اور معاندت سے نپٹ کر نوع انسانی کے عقائد اور معاشرے کی تشکیل جدید کرنا تھا تاکہ شعوب و قبائل میں منقسم انسانیت ایک بہت بڑی اکائی یعنی ایک امت بن جائے اور صراط مستقیم پر چل کر بنی آدم کے لیے صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ ہونے کا اعزاز حاصل کر سکے ہم ہجرت مبارکہ کو اسی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ اس کی بدولت وہ مواقع میسر آ گئے کہ اسلامی ریاست کا عملی نمونہ دولت مدینہ کی صورت میں پیش کیا گیا جہاں اسلامی تعلیمات کو عملی جامہ پہنا کر اللہ کا دین نافذ کر دیا گیا ہجرت مبارکہ میں پوشیدہ اس سیاسی پہلو کا ایک اور گوشہ بھی ہے جو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور وہ یہ امر ہے کہ اسلام میں قومیت کا بنیادی اصول جغرافیائی سرحدیں نہیں بلکہ دینی یگانگت ہے بدقسمتی سے وطنیت اور قومیت کا جدید تصور جو سراسر جغرافیائی سرحدوں کا غلام ہے انتہائی غیر اسلامی ہے جس کی نفی رسول اللہ ﷺ نے اپنے مولد مکۃ المکرمہ کو چھوڑ کر اور مدینہ طیبہ میں آباد ہو کر کر دی تھی

ہجرت مبارکہ کے وقت یثرب کی سیاسی حالت

مدینہ طیبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ورود مسعود سے پہلے وہاں کی آبادی مختلف گروہوں اور قبائل میں بٹی ہوئی تھی جو اپنے اپنے نظریات اور مفادات رکھتے تھے جس کی وجہ سے اکثر و بیشتر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہتے تھے جنگ بعاث نے عربوں کے دونوں قبائل کے درمیان دائمی منافرت اور دشمنی کی خلیج کھینچ دی تھی حالانکہ وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کے ناطے سوقیہ کہلایا کرتے تھے:

مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً کی قدیم عمارت

اس کے علاوہ ان کی یہود سے مخاصمت بھی ڈھکی چھپی نہیں تھی اگرچہ وقتی طور پر ان دونوں قبائل نے یہود کے قبائل سے دوستی کے عہد بھی کیے ہوئے تھے حرب بعاث کا خونیں کھیل گو تھوڑی دیر سے رکا ہوا تھا مگر پھر بھی اوس اور خزرج کے لوگ ایک دوسرے کے علاقوں یا گاؤں میں جانے سے ڈرتے تھے کہ مبادا انتقام کی چنگاری دونوں قبائل کا امن کہیں دوبارہ بھسم نہ کر دے۔ اس چپقلش اور باہمی بے اعتمادی کو یہود نے اور زیادہ خوفناک بنا دیا تھا چونکہ تمام اسلحہ سازی یہود کے ہاتھ میں تھی اس لیے وہ وقتاً فوقتاً بین القبائل سرد جنگ کو ہوا دے کر اسے گرم جنگ میں تبدیل کر دیتے تھے بادی النظر میں یہود دونوں متحارب گروہوں کے حلیف بن چکے تھے بنو قینقاع الخزرج کے حلیف تھے تو بنو قریظہ اوس کا ساتھ دیتے تھے لیکن مرکزی حکومت نام کی کوئی چیز نہیں تھی جو یثرب کے امور کو سیاسی استحکام دے سکتی ہر قبیلہ اپنی مرضی کے مطابق وہی کچھ کرتا جو اس کے مفاد میں ہوتا البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ قبائلی نظام کی چند خوبیاں بھی تھیں اور ان کی اقدار و اطوار صدیوں پر محیط تھیں مگر قبائلی عصبیت عروج پر تھی اور ہر قبیلہ اپنے وضع کیے ہوئے قانون اور مفادات کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے کے قاعدے قانون اور مفادات کی قطعی پرواہ نہیں کرتا تھا جہاں تک انصاف کا تعلق ہے، موجودہ معنی میں نظام عدل نام کی کوئی چیز نہیں تھی چونکہ قتل و غارت گری عام تھی اور قتل عمد بسا اوقات باہمی جنگ و جدل پر منتج ہو جایا کرتا تھا اس لیے اس برائی کو روکنے کے لیے چند قاعدے قوانین موجود تھے دیت اور قصاص کا نظام قبائلی روایات کے مطابق اور قبیلے کے سردار کی صوابدید پر منحصر ہوا کرتا تھا باقی جرائم کی سزائیں بھی قبیلوں کے رسم و رواج کے مطابق دی جاتی تھیں تمام معاملات میں قبیلے کے سرداروں کا حکم چلتا تھا۔ اس طرح یثرب میں جتنے گاؤں اور قبیلے تھے وہاں اتنے ہی الگ الگ نظام ہائے عدل رائج تھے چونکہ مرکزی طور پر کوئی حکومت معرض وجود میں نہیں آئی تھی اس لیے سیاسی افراتفری اور طوائف الملوکی کا عفریت بے تاج بادشاہ بن چکا تھا

اسلامی انقلاب:

مسلمانان مدینہ طیبہ نے حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے مہاجرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا والہانہ استقبال کیا اور بڑھ چڑھ کر ان کی ہر طرح سے مدد کی اور یہی وجہ ہے کہ ان کو اسلامی تاریخ میں مددگار یعنی انصار کے نام نامی سے جانا جاتا ہے نوع انسانی کی پوری تاریخ میں امداد اور حمایت کی ایسی مثال نہیں ملتی اور اسی وجہ سے مسلمانان عالم ہمیشہ ان کو بہت عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں (۱۴)
نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اوس و خزرج کے اختلاف مٹائے کل تک جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آج باہوں میں

(۸) قریش مکہ یا ان کے حلفاء کو کوئی امان نہ دے گا

(۹) مکمل وفاداری ہی غداری کے خلاف ڈھال ہوگی جو کوئی غداری کرے گا اس کی سزا بھگتے گا. جو بھی اس عہدنامہ کو توڑے وہ اور اس کے اہل خاندان مستوجب سزا ہوں گے، خواہ وہ مسلم ہو یا یہودی

(۱۰) یہ عہدنامہ کسی مجرم اور غلطی کرنے والے کی حمایت نہیں کرتا۔

(۱۱) اگر معاہدہ کنندگان کے درمیان کسی شق پر اختلاف رائے واقع ہو جائے جس سے مشکل پیدا ہو رہی ہو تو معاملہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پیش کیا جائے گا جن کا فیصلہ حتمی تصور ہوگا۔

(۲) اللہ اس معاہدے کی توثیق کرتا ہے اور اپنے بندوں کی نیکی اور تقوے سے بہت خوش ہے. جو اس صحیفے کی شقوں کی پاسداری کرے گا اور پرہیزگار ہوگا اللہ اور اس کا رسول محمد (ﷺ)، اس کی حفاظت کریں گے

اس صحیفے کی رو سے، جس کو تاریخ میں دستور مدینہ یا میثاق مدینہ کا نام دیا گیا ہے، مسلمانوں اور یہود کے تمام قبائل نے متفقہ طور پر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو باقاعدہ اور قانونی (De Jure) اور حقیقی (De Facto) حکمران تسلیم کر لیا تھا جس شق میں یہ طے کیا گیا تھا کہ کوئی بھی فریق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی منظوری کے بغیر کسی جنگ میں نہیں کودے گا اس کی رو سے بلاشک وشبہ یہ امر مسلمہ ہو گیا تھا کہ خارجی امور اور دفاع کے معاملات مکمل طور پر تاجدار مدینہ ﷺ کے دائرہ اختیار میں آ گئے تھے ریاست مدینہ کے موسس اور حکمران ہونے کے ناطے مدینہ طیبہ کے دفاع کی پوری ذمہ داری حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ حضور کے پیروکاروں پر آ گئی تھی تاہم صحیفہ مدینہ میں اس بات کی گنجائش موجود تھی کہ فریقین کی رضا و رغبت سے اگر یہود کسی جنگ میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ شریک ہوتے ہیں تو وہ اخراجات حرب وضرب کے خود متحمل ہوں گے چونکہ تمام دستخط کنندگان کو ایک قوم اور ایک اکائی کا درجہ حاصل تھا اس لیے ریاست سے وفاداری پر بہت زور دیا گیا، یہی وجہ تھی کہ اس بات کی صراحت کر دی گئی تھی کہ ریاست سے عدم وفا غداری سے مترادف سمجھی جائے گی

تمام فریقوں کے متفقہ طور پر یثرب کو حرم قرار دینے سے مدینہ طیبہ میں اندرونی امن وامان اور داخلی استحکام پر زور دیا گیا تھا ایک طرف تو مدینہ طیبہ کا حرم قرار دیا جانا مذہبی طور پر اس کے تقدس کو اجاگر کرتا ہے مگر دوسری طرف یہود کا اس نظریے سے اتفاق کر لینا مسلمانوں کی بہت بڑی سیاسی فتح تھی. مذہبی طور پر تو اس کا تقدس مسلمانوں میں مسلمہ ہے ہی مگر سیاسی طور پر تمام فریقوں کا اس بات پر اتفاق کر لینا اس بات کی ضمانت تھی کہ مدینہ طیبہ ایسا شہر بنے گا جہاں امن وآشتی کا دور دورہ ہوگا اور یہ کہ وہاں یہود و مسلم سب پر اس کے حاکم کا حکم چلے گا. معاہدے کی اس شق سے مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو گیا تھا ساتھ ہی ساتھ میثاق مدینہ اس بات کی ضمانت بھی فراہم کر رہا تھا کہ یہود کو مکمل داخلی آزادی (Autonomy) حاصل ہوگی اور وہ صرف دفاع اور خارجی امور میں اس دولت مشترکہ (Commonwealth) میں برابر کے شریک ہوں گے. یہود کے قبائل کی تمام شاخیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم (composite nation) کے طور پر رہیں گے. اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو صحیفہ مدینہ (میثاق مدینہ) نے جدید اصطلاح کے مطابق ایک عظیم تر اتحاد (Grand Alliance) اور ایک دولت مشترکہ (Commonwealth) کو استوار کر دیا تھا جس کی منظوری اللہ اور اس کے رسول نے دی تھی۔

کھجوروں کے ایک قدیم باغ کے گرد دیوار کا طرز تعمیر

تاسیس ریاست مدینہ طیبہ کے وقت اگرچہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی مگر ان کے عزائم، اتنے بلند تھے کہ وہ کسی بھی بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانے کی ہمت رکھتے تھے ان کے سالار اعلیٰ کی معجزانہ شخصیت نے ان بادیہ نشینوں میں بجلی کی وہ کڑک پیدا کر دی تھی کہ وہ کسی بھی قصر سلطانی کے لیے رق

کعب بن اشرف یہودی کے محل کے کھنڈرات
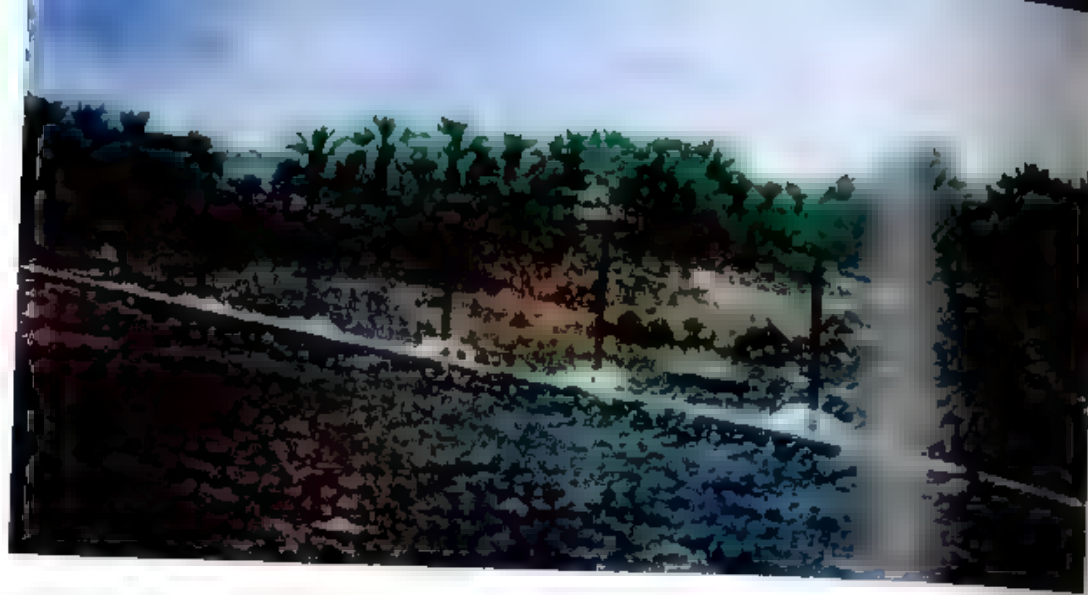
ناہمواری کا سامان بن سکتے تھے تقدیر کا قاضی انہیں دنیا کی امامت سونپنے کے لیے بیتاب تھا. ڈاکٹر زکریا بشیر کے الفاظ میں (ہجرت سے مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا. وہ مکہ کے مظلوم اور ستائے ہوئے لوگ نہیں تھے بلکہ اب مدینہ طیبہ کا حکمران طبقہ بن گیا تھا حضور نبی اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود کے وقت ہی آں حضرت ﷺ کو اللہ کا رسول اور مدینہ کا حکمران مان لیا گیا تھا اور آپ حضور کی بیعت کرنے کے لیے مختلف قبائل کے سردار اور صاحب الرائے افراد قطار اندر قطار سر جھکائے کھڑے تھے اس سلسلے میں یہود بھی پیچھے نہ رہے تھے اور بغیر کسی تاخیر کے وہ میثاق مدینہ طیبہ کے عہدنامہ سے منسلک ہو کر مدینہ طیبہ کے شہری بن گئے تھے ان کو ہر طرح کی آزادی دے دی گئی سوائے خارجہ اور دفاعی امور کے جس کے عوض انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو حاکم اعلیٰ مان لیا تھا.(۲۱) معاہدہ کی کسی شق پر اختلاف رائے کی صورت میں تمام فریق اس بات پر بھی متفق ہو گئے تھے کہ آخری فیصلہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ہوگا. عدل خصوصی (Private Justice) یعنی قبائلی سطح پر انصاف کرنے کا رواج یکسر ختم کر دیا گیا اور اس کی جگہ عدل اجتماعی نے لے لی جو مرکزی اتھارٹی کے ہاتھ میں چلا گیا، یعنی مدینہ طیبہ کی شہری ریاست میں انصاف اور عدل کی فراہمی حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں میں آ گئی تھی

جونہی میثاق مدینہ پر دستخط ہوئے تمام فریقوں نے اس کی توثیق کر دی، اور اس کی تشہیر کر دی گئی تا کہ ماضی کی طرح یہ معاہدہ صرف ایک خفیہ عہدنامہ بن کر نہ رہ جائے. مدینہ طیبہ میں موجود منافقین (مثلاً ابن ابی جو مدینہ طیبہ کا حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا) اور مدینہ طیبہ سے باہر اسلام مخالف قوتوں کی برانگیختگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے میثاق مدینہ کو مشتہر کر دیا گیا اس کی شقوں کے مطابق حاکم کے فرائض اور حقوق کا ایک الگ وثیقہ تیار کیا گیا جس کو اجتماع عام میں جوف مدینہ طیبہ میں ہر خاص وعام کے سامنے رکھ دیا گیا اس اعلان میں تامین اجتماعی (سوشل انشورنس جس کو اس وقت معقل کا نام دیا جاتا تھا، جس کی رو سے ریاست اور حکومت ان اخراجات کو برداشت کرنے کی ذمہ دار قرار پائی جن کا انفرادی طور پر مدنی شہری یا کوئی چھوٹا سا گروہ متحمل نہیں ہو سکتا تھا)، انصاف کی فراہمی، مدینہ طیبہ کے امور خارجہ، دفاعی معاملات اور مرکزی نظام حکومت کے دیگر قواعد وضوابط کی لوگوں میں باقاعدہ تشہیر کی گئی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی عام کر دی گئی کہ حصول عدل کے لیے کوئی بھی اپنے حاکم یعنی تاجدار مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا تھا اور یہ کہ ان کا فیصلہ حتمی اور آخری تصور ہوگا

اس طرح سابقہ یثرب کے باسیوں نے جو ایک صدی پر محیط جنگ وجدل سے تنگ آ چکے تھے اپنے حاکم کو خوش آمدید کہا اور جوق در جوق آپ کی بیعت کی اس سے بہت پہلے ہی بیعت عقبہ ثانی کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے شرکاء سے فرداً فرداً مصافحہ کیا تھا تو آں جناب ﷺ نے یہ صراحت فرما دیا تھا [آج کے بعد میں تم میں سے ہوں. تمہارا خون میرا خون ہے اور تم جس کو معاف کر دو گے میں اسے معاف کر دوں گا](۲۲) اس کے جواب میں مدنی وفد نے یک زبان ہو کر عہد کیا تھا "[ہم عہد کرتے ہیں کہ تندرستی اور بیماری میں، تنگدستی اور خوشحالی میں، ہر حال میں ہم آپ کے احکام کو سن کر ان پر عمل درآمد کریں گے ہم جہاں بھی ہوں سچ بولنے کا عہد کرتے ہیں اور اللہ

کی راہ میں کسی سے نہیں ڈریں گے.(۲۳) اور جب حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ نے ان کو ذہن نشین کروایا کہ جو عہد وفا وہ کر رہے ہیں اس کے کیا مضمرات ہو سکتے ہیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا [ہم آپ کی حفاظت اس طرح کریں گے جیسے ہم اپنے اہل خانہ کی حفاظت کرتے ہیں] اور پھر جب ان کو یہ باور کروایا گیا کہ اس عہد کا مطلب پوری دنیا سے جنگ مول لینا ہے تو بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی انہوں نے صرف ایک خدشے کا اظہار کیا کہ کہیں کفر و شرک پر فتح پا لینے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ ان کو تنہا تو نہیں چھوڑ دیں گے ابن اسحاق کے الفاظ میں انصار نے بیک زبان کہا [قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے، ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح ہم اپنی خواتین کی حفاظت کرتے ہیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، ہم مردان حرب ہیں اور ہمارے پاس وہ اسلحہ ہے جو بیٹوں نے اپنے والدوں سے وراثت میں پایا ہے (یعنی ہم نسل در نسل حرب آزمودہ ہیں) جب البراءؓ بات کر رہے تھے تو ابوالہیثم ابن التیہانؓ نے ان کی بات کو کاٹ کر کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے دوسرے لوگوں (یعنی یہود) کے ساتھ بھی معاہدے ہیں اور اگر ہم ان معاہدوں کو توڑ دیں اور اللہ کریم آپ حضور کو فتح و کامرانی دے دے کیا کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ آپ اپنے لوگوں میں واپس لوٹ جائیں اور ہم بے یار و مددگار رہ جائیں؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے تبسم فرمایا اور یوں گویا ہوئے [خون خون ہی ہوتا ہے، اور جس خون کی کوئی قیمت نہ ہو اس کی بھی کوئی قیمت نہیں ہوتی میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ میں سے ہو جو تم سے جنگ کرے گا میں اس کے خلاف نبرد آزما ہوں گا اور جو تم سے امن کے ساتھ رہے گا میں بھی اس کے ساتھ امن سے رہوں گا](۲۴) انصار کے عہد و پیمان کے ایک ایک لفظ سے اخلاص و وفا کی خوشبو مہک رہی تھی اور واقعی جب نبھانے کا وقت آیا تو انہوں نے اس کا حرف بحرف ایفاء کیا یہ اسی تربیت و رہنمائی کا ثمرہ تھا جس سے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت صرف ایک دہائی میں استقامت و رفاقت کی پیکر بن گئی تھی اسوہ حسنہ رسول مقبول ﷺ کو مشعل راہ بنا کر یہ جماعت صحیح معنوں میں ایک ایسے سانچے میں ڈھل گئی تھی جس کا ہر زاویہ اور ہر سمت قرآن کریم نے تراشی تھی

مدینہ طیبہ ناقابل تسخیر بن جاتا ہے

جونہی اہل مدینہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو نوزائیدہ ریاست مدینہ کا قانونی حاکم تسلیم کیا اور دولت اسلامیہ میں داخلی امن و امان قائم ہو گیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے بیرونی امن اور استقلال قائم کرنے کی طرف اپنی توجہ مبذول فرما دی. دراصل میثاق مدینہ کا طے پا جانا بھی دیگر مقاصد کے علاوہ بیرونی خطرات سے نمٹنے کی طرف پہلا قدم تھا قریش مکہ ہجرت مبارکہ کے بعد مدینہ طیبہ کے جانی دشمن بن چکے تھے. پہلے تو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ اور ان کی صابر جماعت پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا تھا مگر جب دیکھا کہ وہ آپ حضور ﷺ اور آپ کی جماعت کو ختم کرنے میں ناکام رہے تھے تو انہوں نے تمام تر مخاصمت مدینہ طیبہ پر مرکوز کر دی. وہ انہیں کسی بھی قیمت پر وہاں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دینا چاہتے تھے. مکہ کے قبائل اپنے سردار ابوسفیان اور ابوجہل کی سرکردگی میں علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی جماعت کو مکمل طور پر نیست و نابود نہ کر دیں. اس سے پہلے بھی وہ یہی کچھ کر چکے تھے اور جب مسلمانوں کی ایک مٹھی بھر جماعت ہجرت حبشہ پر روانہ ہوئی تو کفار نے ان کا وہاں تک پیچھا کیا اور ہر ممکن طریقے سے نجاشی کو ان کی امداد و حمایت سے باز رکھنے کی کوشش کی وہ تو جزیرہ نمائے عرب سے باہر سمندر پار کا علاقہ تھا مگر اب کی بار تو یہ قافلہ غریب الدیار بیچ اپنے قائد سالار کے جزیرہ نمائے عرب میں ہی ایک دوسرے شہر میں آباد ہو گیا تھا جہاں ان کی رشتہ داریاں بھی تھیں اور یہود اور دیگر مشرکین میں ان کی وفاداریاں بھی تھیں لہذا انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ ان مہاجرین کو مدینہ طیبہ میں پناہ نہ مل سکے حضرت عبدالرحمن بن کعب بن مالکؓ کی ایک روایت کے مطابق مشرکین مکہ نے ابن ابی کو (جو اپنے سینے میں یثرب کے حکمران بننے کی حسرتیں سمیٹے بیٹھا تھا) ایک خط لکھا تھا جس

کا متن کچھ یوں تھا [تم نے ہمارے بھائی بندوں کو پناہ دی ہے. تمہیں خدا کی قسم یا تو تم ان سے جنگ کرو یا پھر ان کو نکال باہر کرو، بصورت دیگر ہم پوری قوت سے حملہ آور ہوں گے، اور اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ تمہارے سارے جنگجو مارے نہ جائیں اور پھر ہم تمہاری عورتوں کے ساتھ جیسا چاہیں گے سلوک کریں گے.](۲۵) اس حدیث مبارکہ کے مطابق جس کو ابی داود نے بیان کیا ہے، یہ دھمکی نہ صرف جنگ بدر سے پہلے دی گئی تھی بلکہ جنگ بدر میں اپنی شکست کے بعد ان کافروں نے اس سے بھی زیادہ دھمکی آمیز خط یہودیوں کو بھی بھیجے تھے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں ان کو لکھے گئے ایک خط کا متن کچھ اس طرح تھا [تم اسلحہ اور قلعوں کے مالک ہو تمہیں تو ہمارے مفرور ساتھیوں سے جنگ کرنی چاہیے اگر نہیں کرو گے تو ہم تم سے نپٹ لیں گے اور پھر کوئی بھی چیز ہمارے ہاتھوں اور تمہاری عورتوں کے پازیبوں کے درمیان حائل نہ ہو سکے گی.](۲۶)

انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مہاجرین کی پیچھے چھوڑی ہوئی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں پر قبضہ کر لیا حضرت صہیب الرومیؓ کو (جو حضور نبی اکرم ﷺ کے پکے اور سچے عاشق اور جلیل القدر صحابی تھے) کو اپنی تمام جائیداد اور جمع پونجی سے ہاتھ دھونا پڑا تھا کیونکہ اہل مکہ نے ان کی مدینہ طیبہ روانگی کی اجازت کی قیمت یہ رکھی تھی کہ اگر وہ اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں تو ان کو اپنی تمام جائیداد اور مال و دولت ان کے حوالے کرنا پڑے گی جو اس وقت خاصی قدر و قیمت رکھتی تھی(۲۷) سب سے بڑھ کر کفار مکہ کی وہ حرکت تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو طواف کعبہ کرنے سے منع کر دیا اور ایک مرتبہ جب حضرت سعد ابن معاذؓ کی کعبہ مشرفہ کے جوار میں ابوجہل سے مڈبھیڑ ہو گئی جس میں اس نے اپنے اس ارادے کا دو ٹوک الفاظ میں اظہار کیا کہ آئندہ مسلمان زیارت کعبہ المشرفہ سے محروم کر دیئے جائیں گے تو حضرت سعد بن معاذ نے بھی بانگ دہل اعلان کر دیا تھا کہ اگر مشرکین ایسا کریں گے تو مسلمان بھی ان کے تجارتی قافلوں کو مدینہ سے راہداری اور راستہ فراہم نہیں کریں گے ان تمام مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ صرف سرد جنگ ہی نہیں تھی بلکہ روز اول سے ہی ایک مکمل اور بھرپور جنگ کی صورت حال قائم ہو چکی تھی

اسلامی ریاست کے مؤسس اور سربراہ کی حیثیت سے نبی اکرم ﷺ دولت اسلامیہ اور اس کی رعایا کو درپیش خطرات سے ہرگز غافل نہیں تھے. اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا کیونکہ ان سے بڑھ کر یہ بات کون جانتا تھا کہ ذرا سی غفلت پوری دولت اسلامیہ کو نیست و نابود کر کے رکھ دیتی لہذا بغیر چندان آرام کیے حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں واقع بدو قبائل سے رشتے استوار کر لیے اور ان سے متوقع کسی جارحیت کے خلاف دفاعی نوعیت کے معاہدے بھی کر لیے غزوہ الابواء میں بنو ضمرہ کے ساتھ معاہدہ اس معاملہ میں ایک مثال ہے. یہ دفاعی منصوبہ بندی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی اعلی درجے کی سیاسی بصیرت کی عکاسی کرتی ہے وہاں اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان اقدامات نے مکیوں کی جارحیت کا موثر سدباب بھی کر دیا تھا. اس سے ایک طرف تو مدینہ طیبہ کے چاروں اطراف کافی حد تک محفوظ ہو گئے اور دوسری طرف مسلمان کفار مکہ کے تجارتی قافلوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے میں کامیاب ہو گئے جو بدو شام کو جاتے ہوئے انہیں قبائل والے علاقوں سے ہو کر جاتے تھے. تجارتی قافلے ان کی اقتصاد کی رگ جاں کی حیثیت رکھتے تھے. نبی اکرم ﷺ کی منصوبہ بندی سے ان کے تجارتی سفر شدید خطرات سے دوچار ہو گئے. اہل مکہ بھی اس سے غافل نہیں تھے اور خطرے کی سنگینی کا اندازہ کر چکے تھے لہذا جونہی مسلم نوجوانوں نے ان تجارتی شاہراہوں پر گشت شروع کی اور چند مقامات پر ان کا آمنا سامنا بھی ہوا تو کفار کو اپنی تمام تر تجارتی امیدوں پر پانی پھرتا نظر آنے لگا. وہ تو شروع ہی سے اس نوزائیدہ ریاست مسلمہ کو تباہ کرنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے تھے. مسلمانوں کی ان تجارتی شاہراہوں پر گشت نے جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا اور ان کے جنگی منصوبوں کو مزید مہمیز لگا دی.

یہ تھا وہ سیناریو اور پس منظر جس میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو ہتھیار اٹھانے اور جہاد شروع کرنے کا حکم دے دیا تھا.(۲۸)

لہذا وہ احکام جو مکہ میں نازل ہوئے تھے ان پر عمل درآمد کرنے کا وقت آن پہنچا تھا۔ کتنے تھے جو ناحق قتل نہ ہونے کے سبب مکہ میں ہی کفار کے ظلم وستم سے اپنی جانیں کھو بیٹھے تھے اور کتنے اور تھے جو بار بار حضور نبی اکرم ﷺ سے استفسار کرتے کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی مدد کہاں ہے اور کب آئے گی؟ (۲۹) جواب میں ان کو صبر واستقلال کی تلقین کی جاتی تھی۔ بیعت عقبہ ثانی پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل اہل مدینہ کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا عہد و پیمان تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ظلم کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا اصولی فیصلہ مکہ میں ہی کر لیا تھا۔ ادھر کفار کی طرف سے حضور نبی اکرم ﷺ کو قتل کر دینے کا منصوبہ بھی ایک مکمل اعلان جنگ سے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس چیلنج کو قبول کر لیا گیا تھا۔ ہجرت دراصل دشمنوں کے خلاف ایک خاموش اعلان جنگ ہی تھا۔ صرف رسمی ناقوس جنگ بجنے کا انتظار تھا۔ اصل انتظار تھا صرف اس بات کا کہ محاذ کہاں کھولا جائے۔ چنانچہ جونہی مسلمانوں کو اپنی حکومت اور اپنا وطن مل گیا تو ان پر اللہ کے احکام کی فوری تعمیل واجب ہو گئی تھی۔ اب رب ذوالجلال کے احکام کی تعمیل کو مزید معرض التواء میں نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ (۳۰)

اس کے بعد قرآن پاک کے لگاتار احکام نازل ہوئے کہ جہاد برپا کر دیا جائے جس سے ان مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے جو ایک عرصے سے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے اور ایک بار نہیں بلکہ دو بار اپنے گھر بار چھوڑ کر پہلے حبشہ اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو چکے تھے لہذا فیصلہ کی گھڑی آن پہنچی تھی اور تاریخ اسلام میں دشمن کو للکارنے کا اس سے زیادہ مناسب وقت اور کیا ہو سکتا تھا۔ جہاد راہ حق میں تھا نہ کہ ذاتی مفاد کے لیے کوئی لڑائی تھی مزید برآں سالار لشکر کے پاس دنیاوی انعام واکرام دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا مجاہدین برضا ورغبت راہ حق میں جہاد کے لیے نکلنے کے لیے خود ہی بے چین تھے جن کے سامنے اللہ کی رضا جوئی کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ تھا۔

بقول اقبال

الٰہی یہ تیرے پر اسرار بندے	جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا	سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن	نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

ان پر اسرار بندوں کی نہ تو کوئی تنخواہ مقرر ہوئی اور نہ ہی انہیں کوئی دنیاوی لالچ دیا گیا تھا ہاں اتنا ضرور تھا کہ صلائے عام دے دیا گیا کہ جو کوئی بھی راہ حق میں شہادت پائے گا جنت کے انعام واکرام کا حقدار ٹھہرے گا یہی ترغیب اور پیش کش (Incentive) تھی جو ہر مجاہد کو میدان کارزار میں کشاں کشاں لے جاتی تھی ایک موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا [جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔] (۳۱) ہر مسلمان کا جذبہ شہادت دیدنی تھا۔ یہ ترغیب ایسی تھی کہ پیر وجواں تو ایک طرف نابالغ بچے بھی قطار اندر قطار جہاد میں شرکت کے لیے نکل پڑے صرف معدودے چند لوگ تھے جو بھی مزید وقت اور مہلت مانگ رہے تھے مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ ہر مسلمان مرد و عورت اور بچہ بچہ اپنے پیارے رسول ﷺ کی ندا پر لبیک کہہ رہا تھا اور اپنی جانوں کا نذرانہ دینے کے لیے بے چین تھا۔ مظلوم ظلم وستم سے تنگ آ چکا تھا، مگر تا کجے؟ اب تو ان کی اپنی حکومت تھی اور اپنا نظام تھا اور اپنا الگ وطن تھا جس کا دفاع فرض اولیں بن چکا تھا۔ ہر آزاد ملک کی طرح انہیں بھی پورا حق تھا کہ وہ دشمن کے تجارتی قافل کو اپنی حدود سے گزرنے دیتے یا انکار کر دیتے۔ اسی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے مسلح دستے ان راستوں پر گشت کرتے تھے اور جو کارواں بھی ان کی اس آزادی اور حق کو للکارتا اس کا پیچھا کیا جاتا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اس نئی حقیقت کو تسلیم کر لیتے اور جیو اور جینے دو کی حکمت عملی اپناتے مگر انہوں نے اپنے روائتی تکبر اور نخوت کو ترک نہ کرتے ہوئے اسے اپنی بے عزتی پر محمول کیا حسد اور تنگ نظری نے ان کی دشمنی کو اور ہوا دے دی اور انہوں نے مدینہ طیبہ کی اس چھوٹی سی بستی کو روند ڈالنے کے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے منصوبے بنانے شروع کر دئے

قرآن کریم کی ایک آیت جس کی خطاطی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہے

جذبہ شہادت سے سرشار مسلمانوں کی مٹھی بھر فوج نے جب اپنے سالار اعلیٰ کی کمان میں مقام بدر پر اپنے سے تین گنا بڑی فوج کے مقابلے کی ٹھان لی تو فتح ونصرت ان کی راہ تک رہی تھی۔ اس فتح نے مسلمانوں کے حوصلے اور بلند کر دیئے اور جذبہ جہاد مزید تیز ہو گیا۔ اس کے بعد سورۃ انفال نازل ہوئی جس میں قرآن کریم نے حکمت جہاد کو مزید واضح انداز میں بیان کیا۔ سورۃ انفال ایک طرح کی جنگ بدر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبصرہ (Critique) اور تشریحات تھیں۔ اس میں مسلمانوں کی چند خامیوں کی نشان دہی کی گئی اور اس بات کا اعلان کر دیا گیا کہ اگر مسلمان اللہ پر کامل ایمان رکھیں گے تو وہی فتح پائیں گے خواہ دشمن تعداد میں ان سے دس گنا ہی کیوں نہ زیادہ ہو۔ جنگ بدر اسلامی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی ایک آیۂ کریمہ نے آنے والے تمام وقتوں کے لیے مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل وضع کر دیا ﴿اور ان کے لیے تیار رکھو جو قوت بھی تم سے بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو باندھو اور اس سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں۔﴾ (۳۲)

یہ نظریہ خواہ کیسا بھی تھا مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے جارحیت میں پہل نہیں کی۔ تمام جھڑپیں یا جنگیں جو مسلح جہاد کا نقطہ آغاز تھیں مدینہ طیبہ کے قریب یا پھر اس کے گرد ونواح میں لڑی گئیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جارح بہت فاصلہ طے کر کے آیا تھا۔ ان تمام میدان ہائے کارزار کا فاصلہ مدینہ کی نسبت مکۃ المکرمہ سے بہت زیادہ تھا۔ پہلا میدان جنگ مدینہ طیبہ سے ۹۲ میل (۱۵۰ کیلو میٹر) دور تھا جبکہ وہاں سے مکہ مکرمہ تک کی مسافت ۱۶۰ میل (۲۷۰ کیلو میٹر) تھی (۳۳) دوسرا اور تیسرا غزوہ (یعنی غزوہ احد اور غزوہ خندق) تو عین مدینہ طیبہ کے مضافات میں لڑے گئے یعنی دشمن اتنا سفر طے کر کے مدینہ طیبہ پر جارحیت کے لیے چڑھ دوڑا تھا جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مدینہ طیبہ کی یہ نوزائیدہ ریاست بار بار اہل مکہ کی طرف سے جارحیت کا شکار ہوئی جو کسی بھی قیمت پر اس کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

جارحیت کا آغاز کفار مکہ کی طرف سے ہوا اور پہلے چند غزووں میں مسلمانوں نے دفاعی جنگیں لڑیں اور سب میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ ہر بار دشمن کیل کانٹے سے لیس ہو کر آتا مگر منہ کی کھا کر پسپا ہو جاتا۔ جنگ احد میں ضرور مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر جدید نظریہ جنگ وجدل کی رو سے اسٹریٹیجک توازن پھر بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا تھا کیونکہ کفار میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو سکیں اور یوں وہ اپنی معمولی برتری کا کوئی بھی ثمرہ نہ اٹھا سکے تھے۔ وہ جس طرح آندھی کی طرح حملہ آور ہوئے تھے اسی طرز پر بگولے کی

طرح میدان کارزار سے دم دبا کر بھاگ گئے تھے ور مسلمان اگرچہ زخموں سے چور ہو چکے تھے مگر پھر بھی اپنے رستے زخموں کے ساتھ صحابہ کرام نے حضور نبی اکرم ﷺ کی کمان میں ان کا دور تک (حمراء الاسد) تک تعاقب کیا تھا (۳۴) جنگی نقطہ نظر سے یہ بڑی فیصلہ کن تھی دشمنوں کے کمانڈر (ابوسفیان) نے یہ دھمکی دے کر وہاں سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی تھی کہ وہ اگلے سال بدر پر بڑے لشکر کے ساتھ مسلم فوج کا انتظار کرے گا ابوسفیان کا وہ چیلنج مسلم فوج نے منظور کر لیا تھا کیونکہ انہیں اپنے اللہ کے وعدوں پر یقین کامل تھا کہ فتح بالآخر انہیں کی ہوگی ﴿ ورنہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ، تمہیں غالب آؤ گے اگر تم ایمان رکھتے ہو ﴾ (۳۵) اور اس پر مستزاد یہ ﴿ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں ﴾ (۳۶)

ابتدائی کامیابیاں مسلمانوں کے لیے دوررس نتائج کی حامل تھیں کیونکہ ان سے مدینہ طیبہ کی ریاست کی شہرت جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے باہر دور دور تک پھیل گئی جس سے بعد میں آنے والے اوقات میں ان سے اردگرد کی ریاستوں کو مرعوب ور آسانی سے سرنگوں کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے اندرونی اور بیرونی خطرات بھی گھات لگائے بیٹھے تھے لیکن ایک ایک کر کے مسلم امت نے اپنے سالار اعلیٰ کی کمان میں ان سب کو ختم کر دیا قرآن کریم کی روشنی میں حضور نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی سے دس سال کی قلیل مدت میں اسلامی نظام حکومت کے بنیادی ڈھانچے Infra Structure کو استوار کر دیا تھا اور اس طرح شریعت اسلامی کی روح نے عملی طور پر نافذ العمل ہو کر ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھ دی تھی جو ہر قسم کے استحصال سے پاک تھا اور جس کی روح رواں عدل اجتماعی برابری اور آزادی کے زریں اصول قرار دیئے گئے تھے تاریخ انسانی میں یہ کوئی معمولی تاریخی سانحہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک ایسا موڑ تھا جس نے پوری انسانیت کو ایک صحیح سمت عطا کر دی تھی مدینہ طیبہ جو کبھی یثرب ہو کرتا تھا اب پوری آب و تاب کے ساتھ افق عالم پر ایک درخشندہ ستارہ بن کر چمکنے لگ گیا تھا۔ بادی النظر میں تو اس نے صرف مکہ کے چند مقہور و مجبور مہاجرین کی میزبانی کا حق ادا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے انعام و اکرام کی اتنی بارش کی کہ پلک جھپکنے میں ہی اس کی کایا پلٹ گئی اور یہ شہر نبوی بین الاقوامی سیاست کے دھارے میں شامل ہو کر اقوام عالم میں ایک غالب قوت کے طور پر ابھر آیا تھا

کون سوچ سکتا تھا کہ مجبور و مظلوم اقلیت جن پر ان کے اپنوں نے ہی عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا اور جو اپنے قائد اور رسول برحق ﷺ کی رہبری میں گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو کر دیار غیر میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکی تھی دیکھتے ہی دیکھتے ایک اتنی عظیم وحدت اور اکائی (مسلم امہ) کی صورت اختیار کر لے گی کہ اس وقت کی عالمی قوتوں کو شکست دے کر زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر دنیا کی امامت کے منصب جلیلہ پر فائز ہو جائے گی اور اس پر دستور سماوی (یعنی قرآن کریم) کو اپنے نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں نافذ کر دے گی یہ حضور رسالت مآب ﷺ کی معجز نگار شخصیت کا اثر تھا کہ مدینہ طیبہ کی چھوٹی سی بستی سے نکلنے والی اسلامی انقلاب کی شعاعوں نے پوری دنیا کو روشن کر دیا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھنے والی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت نے اسلامی خلافت جیسا طرز حکومت کا ایک ایسا ماڈل دنیا کے سامنے پیش کیا جس کی آج تک مثال نہیں ملتی

مدینہ طیبہ کی ریاست بین الاقوامی افق پر درخشندہ ستارہ بن کر ابھرتی ہے

رسول اللہ ﷺ کا خواب اور اللہ رب ذوالجلال کا وعدہ پورا ہو چکا تھا (۳۷) اب یہ ایام جاہلیت کا یثرب نہیں رہا تھا بلکہ اب تو یہ مدینۃ النبی اور مدینہ منورہ بن چکا تھا ور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے عین مطابق اس وقت کی دونوں عالمی قوتیں ایرانی (ساسانی) اور رومی (بازنطینی) جلد ہی اس کی جھولی میں ٹوٹ کر گرنے والی تھیں مدینہ طیبہ اب صرف چند قبائل کی آبادی نہیں رہا تھا اور نہ ہی اپنی ارض وطن کے

حاکم بحرین منذر بن ساوی کے نام مکتوب مبارک اور رسول اللہ ﷺ کی مہر مبارک کا ایک عکس

دفاع سے عاری دارالحکومت تھا رسول اللہ ﷺ نے مدنی ریاست کی بنیادوں کی خشت اول رکھ دی تھی اور اس کے لیے ضروری بنیادی ڈھانچہ (Infra structure) بھی وضع کر دیا تھا یہ مدینہ طیبہ ہی تھا جہاں سے خود حضور رسالت مآب ﷺ نے بیس-۱۹ غزووں کے لیے مسلم افواج کی کمان کی تھی اور ستائیس سرایا روانہ کیے تھے اور اس کے علاوہ کم و بیش چھیاسٹھ-۶۶ مختلف فوجی مہمات روانہ فرمائی تھیں (۳۸)

مدینہ طیبہ کی شہری ریاست قائم ہوتے ہی منافقین تو اپنی موت آپ ہی مر گئے مگر یہودی جو پیدائشی سازشی تھے اپنی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسلسل درد سر بنے ہوئے تھے ان کے مختلف قبائل میثاق مدینہ کی کھلم کھلا خلاف ورزیوں کے مرتکب ہو رہے تھے بنی نضیر کے یہودیوں نے تو حضور نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے اوپر پتھر لڑھکانے کی کوشش بھی کی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جبریل امین نے بروقت آپ حضور ﷺ کو مطلع کر دیا اور یوں یہود کو منہ کی کھانی پڑی جس کے نتیجے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں چھ دن تک ان کا محاصرہ کیے رکھا آخر وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے اور سر منڈر کی شرائط کے تحت ان کو مدینہ بدر کر دیا گیا باقی ماندہ یہودیوں میں سے بنی قریظہ نے اہل مکہ کے ساتھ سازباز شروع کر دی اور ان کو غزوہ خندق میں خفیہ در پردہ مدد کا وعدہ کیا یہ بھی میثاق مدینہ کی کھلی خلاف ورزی تھی، جس کی پاداش میں جونہی جنگ خندق اپنے اختتام کو پہنچی، حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کے محاصرے کا حکم دے دیا جوان کے قتل پر منتج ہوا اس سے یہود کی رہی سہی قوت بھی دم توڑ گئی (۳۹) لیکن اس سے بہت پہلے ہی ہجرت مبارکہ کے دوسرے سال تحویل قبلہ نے مدینہ طیبہ میں مقیم منافقین اور یہود کی آنکھیں کھول دی تھیں کہ اسلام وہاں پر ایک واحد قوت (Sole Power) کے طور پر ابھر چکا تھا جسے اپنی بقاء کے لیے کسی اور کی بیساکھیوں کی ضرورت نہیں تھی خیبر فتح ہو جانے کے بعد مدینہ طیبہ جزیرہ نمائے عرب کی واحد غالب قوت کی شکل میں سامنے آیا تھا جس کی وجہ سے یہ اسلام کا بہت مضبوط قلعہ بن گیا اور جونہی مکہ مکرمہ فتح ہوا مدینہ طیبہ کا حکم تقریباً تمام حجاز پر چلنے لگا اس طرح مدینہ طیبہ عالمی سطح پر اپنے وسیع تر کردار کے لیے تیار ہو چکا تھا یہ ایک ایسا مرکز بن گیا تھا جہاں سے اس وقت کی عالمی قوتوں کو دعوت نامے ارسال کیے گئے جن کے اوپر نبی اکرم ﷺ کی مہر ثبت ہوا کرتی تھی ان تمام سربراہان مملکت کو اسلام کی دعوت دی گئی۔

(۴۰) اور صرف دو دہائیوں کے اندر اندر برق رفتاری کی ساتھ مدینہ طیبہ کا عمل دخل دور دور تک پھیل گیا تھا۔ شمال میں حلب اور دمشق مسلم حدات جزو بن چکے تھے جب کہ جنوب میں یمن اور حضر موت تک اسلام کا سکہ چلنے لگا تھا اور مشرق میں عراق اور پھر ایران اور مغرب میں مسلم افواج دریائے نیل کو عبور کر گئی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسلم فوج کے برق رفتار گھوڑے کل تک کے ناقابل تسخیر دارالسلطنتوں کو روندتے ہوئے مشرق و مغرب میں سطوت اسلام کے جھنڈے گاڑ چکے تھے۔ (۴۱)

نبی اکرم ﷺ کے قریب ترین حلقے کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے آپ کے آگے زانوئے ادب طے کر کے قرآن کریم کی تفصیلی تعلیمات حاصل کی تھیں اور جنہوں نے بہت سالوں تک قرآنی تعلیمات بلا واسطہ قرآن کریم کے عملی نمونہ حضور نبی کریم ﷺ کے سایہ عاطفت میں حاصل کی تھیں اب پوری طرح مستعد تھے اور اس اسلامی حکومت کو چلانے کے پوری طرح اہل تھے جس کی سرحدیں اب مشرق و مغرب کے براعظموں کو عبور کر کے دور دور تک پھیل چکی تھیں۔ عسکری سپہ سالاروں، ریاستوں کے امیروں اور گورنروں کی کھیپ مدینہ یونیورسٹی کے پہلے فارغ التحصیل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت تھی (مسجد نبوی کے لیے ہم صرف استعارۃً طور پر یونیورسٹی کا لفظ استعمال کر رہے ہیں) چند ایک شخصیتوں سے ماسوا بقیہ کے اصحاب یا تو زیادہ تر آزاد کردہ غلام تھے یا کچھ وہ جو مدینہ طیبہ کے نخلستانوں اور مرغزاروں میں گلہ بانی کرتے تھے۔ یہ تو کمال تھا مدینہ طیبہ کی بھٹی کا کہ اس نے مس خام کو کندن بنا دیا تھا۔ (۴۲) مغرور، یزدگرد، گستاخ رستم اور شاہی تاز و نعم میں پلے بازنطینی عسکری سپہ سالار، جن کو پچھلی صدیوں اپنی شجاعت کی روایتوں پر بجا طور پر ناز تھا، آج مدینہ طیبہ کے شاہینوں کے سامنے نخچیر ماہیہ کی طرح ایک سے دوسری جگہ بھاگ بھاگ کر پناہ گاہیں تلاش کر رہے تھے۔ (۴۳) فتوحات اتنی تیزی سے ہوئیں کہ دس سال کے عرصے میں دس لاکھ سے بھی زیادہ مربع میل کا رقبہ زیر تسلط آچکا تھا لیکن ان تمام فتوحات میں سرور کائنات اور محسن انسانیت ﷺ کی انسان دوستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر حساب کیا جائے تو مسلم شہداء کی تعداد ایک جان ماہانہ سے زیادہ نہ تھی اور دوسری طرف دشمنان اسلام کا جانی نقصان ڈیڑھ صد ماہانہ سے زیادہ نہیں بنتا۔ غزوات النبوی پر نقد و نظر کرنے والے جب ان اعداد و شمار پر نظر ڈالتے ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ یہ جہاد برائے امن عالم نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ دس سالہ جہاد نے مدینہ کو اس وقت عاصمۃ العالم بنا دیا تھا۔ اب کے بعد سیاسی اور دینی قوت کا سر چشمہ مدینہ طیبہ منتقل ہو چکا تھا جہاں سے دنیا پر حکومت ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا سچ خواب پورا ہو چکا تھا (۴۴) بلاشک و شبہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ سے محبت کرتے تھے اور مدینہ طیبہ آپ ﷺ سے عشق کرتا تھا

حضور نبی اکرم ﷺ کا انداز حکومت

تاجدار دو عالم سید جن و بشر ﷺ کے انداز حکومت پر صرف ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالنے کے لیے کئی ضخیم جلدیں بھی تحریر کی جائیں تو حق ادا نہ ہوگا چہ جائیکہ مجھ جیسا ہیچ مداں حضور داتائے سبل ختم الرسل ﷺ کی سیرۃ مبارکہ کے اس پہلو پر رائے زنی کی جرأت کرے۔ مگر تاریخ مدینۃ النبی کے پس منظر میں سیرۃ طیبہ کے صرف چند ایسے گوشوں پر قلم اٹھائے بغیر مفر نہیں جن سے درحقیقت مدینہ طیبہ کی سیاسی ہیئت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے اس لیے ذیل کی اس حقیری کوشش کو اسی تناظر میں دیکھا جائے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، حکمران اور رعایا کے حقوق اور فرائض کا تعین کر کے انہیں عامۃ الناس میں مشتہر کر دیا گیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی شہری ریاست کے پہلے حاکم اعلیٰ بنے قرآنی تعلیمات کے مطابق۔ ﴿اور ہم نے انہیں امام بنایا، ہمارے حکم سے ہدایت دیتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے کام کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی، اور وہ ہماری عبادت کرتے تھے۔﴾ (۴۵)

رسول اللہ ﷺ بھی اپنے پیشرو انبیاء کی طرح حاکم اعلیٰ تھے۔ یہود کے لیے تو آپ حضور ﷺ میثاق مدینہ کے تحت محض سربراہ حکومت تھے جو داخلی امن و امان قائم کرنے اور خارجی اور دفاعی طور پر مدینہ طیبہ کی حفاظت کے ضامن تھے اور بین الیہود معاملات میں ان کو ان کے صحیفہ ہائے سماوی کے مطابق انصاف مہیا کرنے کے پابند تھے (۴۶) لیکن مسلمانوں کے لیے تو آں حضرت ﷺ محض ان کے حاکم اعلیٰ اور سالار اعظم ہی نہ تھے بلکہ حضور رسالت مآب ﷺ اللہ کے رسول اور واحد قانون ساز تھے خوشی ہو یا غم، جنگ ہو یا امن، دین ہو یا دنیا وہ رشد و ہدایت کے لیے اپنے آقا و مولیٰ کی طرف ہی رجوع کرتے تھے۔ ریاست مدینہ طیبہ نہ صرف امت اسلامیہ کی سیاسی زندگی کی اساس ہے بلکہ پوری دنیا میں یہ پہلی حکومت تھی جو ایک نظریہ (Ideology) کی بنیاد پر استوار کی گئی تھی جو شعوب و قبائل اور رنگ و نسل کی حدود سے ماوراء آفاقی تصور پر مبنی تھی اور جس کے ڈھانچے میں قوانین الٰہیہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روح رواں موجزن تھی

چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات دنیوی میں مدینہ طیبہ میں قیام کے پورے عرصے کے دوران وحی الٰہی کا سلسلہ جاری رہا تھا، اس لیے اس مدت کو اسلام کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ اسی دور میں دینی، معاشرتی، قانونی اور سیاسی لائحہ عمل نہ صرف وضع کیے گئے بلکہ اسوہ حسنہ کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کا جیتا جاگتا عملی نمونہ ہادی برحق حضور نبی اکرم ﷺ کی شکل میں مومنوں کے درمیان موجود رہا۔ اسوہ حسنہ اور سنت طاہرہ رسول مقبول ﷺ سے صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انکار کی جسارت ہی نہیں کی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنی نوع انسان کو رشد و ہدایت کا سامان مہیا کر دیا۔ تنزیل قرآن کریم کا سلسلہ چونکہ جاری تھا، جب بھی کبھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو قرآنی رہنمائی نازل ہو جاتی لیکن یہ سلسلہ تو چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات پر منقطع ہو جانے والا تھا اور آخری نبی ہونے کی وجہ سے آپ حضور ﷺ کے بعد چونکہ وحی کا دروازہ قطعی طور پر بند ہونے والا تھا تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسوہ حسنہ (سنت مطہرہ) کی طرف نگاہیں لگائے رکھتے کیونکہ وہ عملی نمونہ ہی بعد میں ان کا رہنما اور رہبر ہونا تھا۔ دوسری طرف نبی اکرم ﷺ بھی وحی الٰہی کے ساتھ ساتھ اپنے احباب اور اصحاب سے مشاورت بھی فرماتے تھے دنیوی معاملات میں حضور نبی اکرم ﷺ اپنے معتمد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ فرماتے اور بسا اوقات اتفاق رائے سے لیا گیا فیصلہ صادر فرما دیتے۔ قرآن کریم نے اسی طرز حکومت کی تلقین کی تھی ﴿تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسا کرو، بیشک اللہ توکل والوں سے محبت رکھتا ہے﴾ (۴۷) اسوہ حسنہ کا یہی پہلو جو اس آیہ قرآنی کی عملی تفسیر تھی بعد میں مکمل شورائی نظام کی اساس بنا

حکومت کے انتظام و انصرام کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے انصار اور مہاجرین میں سے نقیب (جمع نقباء) مقرر کیے ہوئے تھے جو آپ حضور ﷺ کے لیے مشیروں کی جماعت تھی اور ان پر حضور نبی اکرم ﷺ پورا بھروسا رکھتے تھے اور حالت جنگ و امن میں ان سے مشورہ فرماتے تھے ایسے نقباء جن کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی (اور زیادہ سے زیادہ ان کی تعداد چودہ تھی) (۴۸) ایک طرح کی غیر رسمی مجلس مشاورت تھی جسے آج کے دور میں مجلس شوریٰ کہا جا سکتا ہے، اور جو آنے والے وقتوں میں (بنی امیہ اور بنی عباس کے ادوار میں) باقاعدہ طور پر مقرر شدہ مجلس وزراء کی پیشرو اور نظیر بنی۔ تمام نقباء جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوا کرتے تھے جن کا اپنے اپنے قبیلے میں بہت احترام و مقام ہوتا تھا۔ والی (گورنر) اور عمال (حکومتی کارندے) کو حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس منتخب فرماتے جس کے لیے سب سے بڑا معیار آئین اسلام سے غیر متزلزل وفاداری تھا، یعنی احکام خداوندی کی مکمل پابندی اور رسول اللہ ﷺ کا اتباع کامل اور تقویٰ اور امانت و دیانت داری میں درجہ اتم ہونا (۴۹) چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ امی تھے اس لیے کتابت و املاء کے لیے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مامور تھے جو نہ صرف وحی قرآنی لکھتے بلکہ مکتوبات اور تعہدات (Covenants) بھی تحریر کرتے جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے تھے

حجرہ مبارک کے بالکل ساتھ ہی مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں ایک اونچا سا حصہ تھا جس کو 'صفہ' کہا جاتا تھا جہاں اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت قیام فرما تھی جنہوں نے اپنی زندگیاں حضور نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآنی تعلیمات کے حصول کے لیے وقف کر دی تھیں باقی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس معاملے میں کسی سے کم نہیں تھے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دینی اور دنیوی فرائض کے ساتھ ساتھ رسول مقبول ﷺ کی خدمت کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن وقف تھے یہ اللہ کی سپاہ کے لشکری ہر وقت کسی بھی عسکری مہم پر روانہ ہونے کے لیے تیار رہتے تھے اس وقت پورے جزیرہ نمائے عرب میں کہیں بھی مستقل فوج کا رواج نہیں تھا ہر قبیلے کے مرد لڑائی میں استعمال ہونے والے اسلحہ میں خوب تربیت حاصل کرتے تھے صرف اس وقت جب ضرورت پڑتی تو قبیلے کے سردار ان کو ساتھ لیتے اور جونہی جنگ کے شعلے ٹھنڈے پڑ جاتے تو وہ اپنی معمول کی زندگیوں پر واپس آ جاتے تھے مدینہ طیبہ میں تو ہر وقت بیرونی جارحیت کا خدشہ تھا اس لیے اس قبائلی روایت و رواج کے برعکس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمہ تن گوش اپنے آقا کی صدا و ندا کا انتظار کرتے رہتے تھے اور ایک اشارے پر لبیک کہتے ہوئے جدھر حکم ہوتا روانہ ہو جاتے تھے اس ہمہ وقت کی مستعدی کا تقاضا تھا کہ اللہ کے سپاہیوں کو فن حرب و ضرب میں مہارت تامہ حاصل ہو لہذا نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے ہر طرح کی عسکری تربیت کا اہتمام کر رکھا تھا نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر بازی تو ایک کھیل کی طرح رائج تھی دوڑ گھڑ دوڑ تو عرب ویسے ہی اس کے بہت شوقین تھے پہلوانی اور دیگر جسمانی طاقت کو جلا دینے والی ورزشوں کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا کئی ایسی احادیث مبارکہ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مارشل آرٹس اور فن تیر اندازی کا نہ صرف بنفس نفیس ملاحظہ فرمایا تھا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی (۵۰) ایک حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد نبوی شریف کے احاطے میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے اذن لے کر بعد حبشی غلاموں نے نیزہ بازی اور شمشیر بازی کا مظاہرہ کیا تھا جونہی کسی جنگ کے بادل منڈلانے لگتے تو خاص و عام کو ہمہ تن مستعد رہنے کا حکم ہو جاتا تھا پیر و جوان مرد تو ایک طرف نابالغ بچے بھی جذبہ شہادت سے سرشار ساتھ چلنے کا اصرار کرتے تھے لیکن رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قانون وضع کر دیا تھا کہ نابالغ بچوں اور بوڑھوں کو جنگ میں جانے نہ دیا جائے خواتین کی ایک تعداد بھی جنگ میں بیماروں اور زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ جاتی تھی بعد میں آنے والے وقتوں میں خاص طور پر خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں یہی رہنما اصول ایک باقاعدہ اور مفصل عسکری نظام کا طرہ امتیاز بن گئے تھے

جب کبھی بھی میرا امام حضور نبی کریم ﷺ کسی غزوہ میں شریک ہوتے آپ حضور ﷺ بنفس نفیس سالار اعلیٰ ہوتے اور جب کسی سریہ کو روانہ کرنے کا موقع آتا تو آپ حضرت ﷺ اپنے کسی صحابی کو امیر لشکر مقرر فرماتے جب آپ مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر ہوتے تو تاجدار عرب و عجم حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس رئیس الدولہ ہوتے تھے مگر جب بھی آپ حضور ﷺ کسی فوجی یا غیر فوجی غرض سے مدینہ طیبہ سے باہر جاتے تو اپنے کسی صحابی کو اپنا نائب اور قائم مقام فرما دیتے تھے حتیٰ کہ جب حضور ﷺ غزوہ خندق اور غزوہ بنو قریظہ کے لیے مضافات مدینہ طیبہ میں تشریف لے گئے تھے تب بھی آپ حضور ﷺ نے حضرت عبد اللہ ابن ام مکتومؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر دیا تھا امت کے لیے آپ حضور ﷺ کا دائمی حکم (Standing Order) ہے کہ جب بھی سفر پر نکلو تو اپنا ایک امیر چن لو، یہاں تک کہ اگر تین آدمی بھی سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر سفر مقرر کر لیا جائے یہی زریں اصول تھا جس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت میں انضباط اور قائدانہ صلاحیتیں بدرجہ اتم پیدا کر دی تھیں۔ یہاں یہ بتانا بے محل نہیں ہوگا کہ مسلم افواج کے ۲۵۶ سپہ سالاروں میں سے (جنہوں نے اس وقت کی دنیا کا بہت بڑا حصہ فتح کیا تھا) ۲۱۶ تو اصحاب کرام تھے اور باقی کے ۴۰ تابعین تھے (۵۱)

حضور نبی کریم ﷺ کے دور مبارکہ میں نظم و انصرام چلانے کے لیے جو حکومتی ڈھانچہ اختیار کیا گیا، قارئین کی سہولت کے لیے ہم
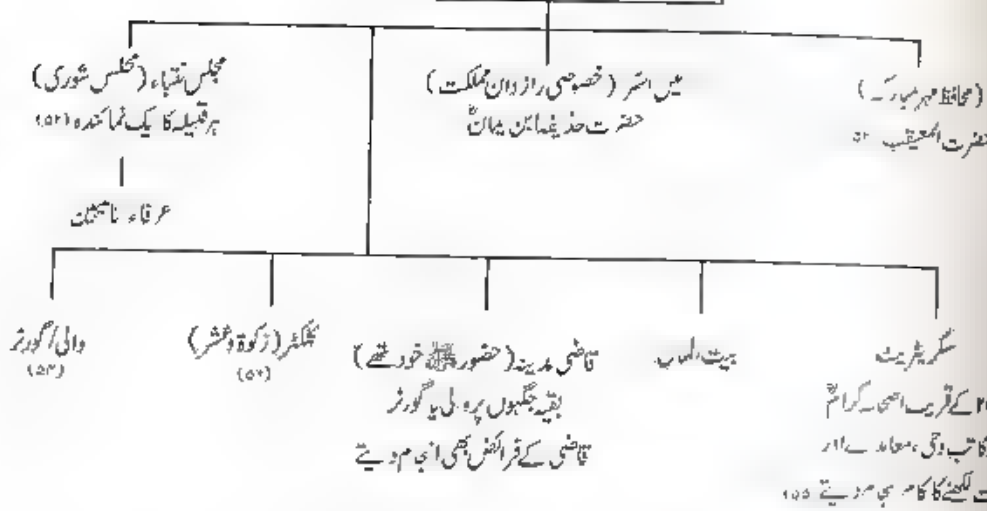
اسے تنظیمی چارٹ کی صورت میں پیش کیا ہے

مختلف غزوات میں حضور نبی کریم ﷺ کی سپہ سالاری میں جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ کے علمبردار ہونے کا شرف حاصل ہوا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں

حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ — حضرت ابوبکر صدیقؓ
حضرت سعد بن عبادہؓ — حضرت جعفر بن ابی طالبؓ
حضرت زید ابن حارثہؓ — حضرت مصعب بن عمیرؓ
حضرت خالد بن ولیدؓ — حضرت اسید بن حضیرؓ

حضور نبی کریم ﷺ کے لیے راہنمائی کا ذریعہ تو صرف وحی الٰہی تھی اس کے علاوہ کبھی جبریل امین بھی مشورہ دے دیتے تھے لیکن دنیاوی سطح پر حضور پرنور ﷺ کے مشیر خاص ہونے کا شرف جن اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہوا ان میں سرفہرست سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تھے ان کے علاوہ مختلف مواقع پر کئی دیگر اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مشورہ بھی لیا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ حضرت بلال بن رباحؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے خزانچی تھے امین الاسرار (صاحب سر رسول) حضرت انس بن مالکؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور آقائے نامدار کی چہیتی لخت جگر سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ تھیں (۵۵) مکتوب نویسوں کی خاصی تعداد تھی جن میں ۴۳ جید اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی آتے ہیں جن کو نہ صرف کاتبین وحی ہونے کا شرف حاصل رہا بلکہ وہ بوقت ضرورت مکتوبات اور معاہدے بھی تحریر فرماتے ان میں سرفہرست سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر بن خطابؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ اور حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

مسجد نبوی شریف صرف نماز اور عبادت کے ہی لیے مختص نہیں تھی، بلکہ یہ مؤسس اور رئیس دولت اسلامیہ کا ہیڈکوارٹر بھی تھی نماز کے وقت میر امام اور قافلہ سالار امت مسلمہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے امتیوں کی امامت فرماتے تھے جبکہ بعد میں جب بھی ضرورت ہوتی تو وہیں

مت کے دور حکومتی معاملات بھی نپٹاتے تھے اکثر اوقات تو تاجدارِ مدینہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان فرشِ مسجد پر تشریف فرما ہوتے اور شمعِ رسالت کے پروانے ارد گرد حلقہ زن ہو کر اپنے آقا کے فرمان سماعت کرتے اور کبھی آپ حضور ﷺ مسجد نبوی شریف ہی میں جلسہ عام منعقد کرتے اور کبھی منبر پر تشریف فرما ہو کر اپنے ارشادات سے سب کو نوازتے جہاں تک ان امور معاملات کا تعلق ہے، خاص ریاستی امور (Special State Matters)، میں صرف معدودے چند صاحب الرائے اصحابِ کبار سے مشورہ فرماتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ عسکری انٹیلی جنس (Military Intelligence) کے جمع کرنے پر بہت زور دیتے اور ابتداء میں جتنے سریے روانہ کیے گئے ان میں سے بیشتر کا مقصد دشمن کی قوت، حرکات اور جنگی چالوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا تھا۔ اسلام سے پہلے حاکم و محکوم میں نا قابلِ بیان فاصلہ ہوا کرتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ اپنی امت میں گھل مل کر رہتے اور اس طرح وہ تمام فاصلے یکسر ختم ہو کر رہ گئے تھے۔ حاکم و محکوم میں اتنی ہم آہنگی پیدا کر دی گئی تھی کہ ایک کو دوسرے کے سامنے جواب دہ کر دیا گیا تھا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سب ایک دوسرے کے ولی ہو اور اس طرح ایک دوسرے کے لیے مسئول ہو](۵۸) اس حدیث مبارکہ کی مزید تشریح ایک اور حدیث مبارکہ میں بھی ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا [یاد رکھو تم میں سے ہر ایک گلہ بان ہے اور ہر ایک اپنے اپنے گلہ کا ذمہ دار ہے، خلیفہ اپنے عوام پر گلہ بان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی](۵۹)

مدینہ طیبہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں

جب مدینہ طیبہ قوت کا مرکز بن کر ابھرا تو پھر صدیوں تک اس کی قوت مسلمہ ہو گئی۔ اس کی سیاسی اہمیت کو خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں چار چاند لگ گئے اس سے پہلے ہی جب حضور نبی کریم ﷺ کے دور مبارکہ میں یمن حلقہ بگوش اسلام ہوا تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو پہلا امیر بنا کر بھیجا گیا اور پھر وہاں حضرت معاذ ابن جبلؓ امیر مقرر ہوئے اسی حسن پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمام مفتوحہ صوبوں کے لیے ہر صوبے کے لیے امیر مقرر کیے گئے اور یوں صوبوں کے انتظام و انصرام کے لیے امیری نظام (گورنری نظام) طے ہو گیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال پر ملال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ چنا گیا۔ اب کو خلیفۃ الرسول کہا جاتا تھا جب اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت نے آپ کے ہاتھ پر سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کر لی تو آپ نے مسجد نبوی شریف میں مدنیوں کے جم غفیر کے سامنے بطور خلیفہ حلف اٹھایا اپنے پہلے خطاب میں آپ نے اعلان کیا

مجھے تم پر اختیار سونپا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں صحیح کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلطی کروں تو میری اصلاح کر دینا سچائی وفاداری کا نام ہے، اور جھوٹ غداری کا مترادف ہے تم میں سے کمزور میری نظروں میں طاقتور ہے جب تک کہ اللہ کی مدد سے میں اس کو اس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں سے طاقتور میری نظروں میں کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے حقدار کا حق نہ دلوا دوں، اگر کوئی قوم اللہ کی راہ میں جہاد سے روگردانی کرے تو اللہ اس قوم کو ذلیل و خوار کر دے گا برائی کسی قوم میں پوری طرح نہیں پھیلتی مگر اللہ تعالیٰ کا عذاب پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں میرا اتباع کرنا اور اگر میں ان کا نافرمان ہو جاؤں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے جیسے نماز قائم کرتے ہیں اللہ آپ پر رحم کرے

آپ کی خلافت صرف ۲۷ ماہ تک قائم رہی مگر یہ قلیل مدت امتِ اسلامیہ کی تقدیر سنوارنے میں سنگ میل ثابت ہوئی۔ حضور نبی کریم ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد بہت گھمبیر مسائل نے امت کو آ گھیرا تھا۔ کچھ قبائل نے جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور اسلامی تعلیمات نے ان کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور اس کے ساتھ ہی چند جھوٹے مدعیانِ نبوت بھی نمودار ہو گئے تھے

اس پر مستزاد یہ کہ رومی اور ساسانی حکومتوں نے (جو اس وقت کی سپر پاورز تھیں) مدینہ طیبہ کی اس نوزائیدہ ریاست کو میلی آنکھ سے دیکھنا شروع کر دیا تھا مجموعی طور پر یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ متحد قوتیں اسلامی ریاست کو تحلیل کر دیں گی اگرچہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ اپنی عمر کی آخری منازل میں تھے لیکن آپ نے ان تمام چیلنجوں کا پامردی سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور پہلے مرحلے کے طور پر فتنہ ارتداد کی بیخ کنی کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا۔ پھر شرق و غرب میں فتوحات کا اذن فرما دیا حضرت خالد ابن ولیدؓ مسلم افواج کے طاقتور سپہ سالار بن کر ابھرے جن کی قیادت میں لشکر اسلام جدھر روانہ ہوا ہر میدان کارزار سے فاتح و کامران لوٹا (۶۰)

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی ریاست کی حدود دور دور تک پھیل گئیں۔ بلاد الشام اور عراق کے بہت سے علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے آپ کے عزم و استقلال اور بروقت فیصلوں نے تمام جزیرہ نمائے عرب میں امن قائم کر دیا چونکہ الیمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی میں بہت سے جلیل القدر اور حفاظ قرآن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہو گئے تھے سیدنا عمر فاروقؓ کے ایماء پر آپ نے قرآن کریم کو کتابی شکل میں مدون کرنے کا حکم صادر فرمایا جو کہ مکمل ہونے پر ام المومنین سیدہ حفصہؓ کی تولیت میں دے دیا گیا۔ اگرچہ ریاست اسلامیہ کی حدود دور دراز تک پھیل گئی تھیں تاہم طرز حکومت حضور نبی اکرم ﷺ کے انداز حکومت کی طرح ہی رہا اور کوئی خاص تبدیلی نہیں کی گئی آپ نے سیدنا عمر فاروقؓ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا یہ ایک ایسی اساس تھی جو بعد میں آنے والی ہر حکومت کا جزو لاینفک بن گئی آپ کا انتقال پر ملال ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو ہوا اور آپ نے خلافت سیدنا عمر فاروقؓ کے سپرد فرمانے کی وصیت کی۔

آپ کے بعد سیدنا عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے مورخین آپ کے دور خلافت کو خلافت راشدہ کا سنہری عہد گردانتے ہیں۔ آپ نے امیر المومنین کا خطاب پسند فرمایا تقویٰ و ورع میں راسخ، فن شمشیر بازی میں کہنہ مشق، پہلوانی اور خطابت میں اپنا ثانی نہ رکھنے والے سیدنا عمر فاروقؓ ایک بہترین منتظم اور ایک صاحب بصیرت اور منجھے ہوئے سیاست دان ثابت ہوئے۔ آپ نے مسلم ریاست کے مضبوط انتظامی ڈھانچے (Infra Structure) کی بنیاد رکھی۔ مسلم افواج کے لیے ایک قوی نظام وضع کیا اور مالیاتی نظام (بیت المال) بہت مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ساتھ ہی ساتھ ایک ایسا نظام محاسبہ قائم کیا جس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی اسلامی دنیا میں سب سے پہلے ڈاک

کا نظام اور بلدیہ کا نظام بھی آپ نے دورِ خلافت میں جاری ہو گیا تھا۔ سیدنا عمر کا باقاعدہ مشاورتی نظام قائم کیا گیا۔ وہ تمام علاقے جو اس وقت ریاست کے تحت آ چکے تھے ان میں مردم شماری کروائی گئی۔ آپ راتوں کو مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گھوما کرتے تھے اور لوگوں کے مسائل معلوم کر کے ان کو حل کرتے اور عام آدمی کی طرح سب سے گھل مل کر رہا کرتے تھے۔ آپ کی شخصیت اور کارہائے نمایاں اور دورِ خلافت کا مکمل تجزیہ کرنے کے لیے کئی جلدیں درکار ہیں جس کی نہ یہ محدود موضوع اجازت نہیں دیتا۔ صرف اتنا ہی کہنا چاہیں گے کہ آپ کا دور مبارک خلافت راشدہ کا بہترین دور تھا جس میں امن و امان اور عدل و انصاف کا ایسا بول بالا تھا جو اس کے بعد امت مسلمہ کو کبھی نصیب نہیں ہوا۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی طرح سیدنا عمر فاروق ؓ نے بھی مسجد نبوی شریف میں حلف اٹھاتے وقت خطاب فرمایا تھا جس میں سے ایک اقتباس پیش نظر ہے۔

اے لوگو تمہارے مجھ پر کچھ حقوق ہیں جن کا تم مرا وقت تقاضا کر سکتے ہو ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے جب بھی تم میں سے کوئی میرے پاس کوئی دعویٰ لیکر آئے تو میرا فرض ہے کہ وہ مطمئن ہو۔ تمہارا ایک حق یہ بھی ہے کہ تم یہ مطالبہ کرو کہ میں محاصل حکومت (یعنی مال) میں سے بے انصافی کی ساتھ خرچ نہ کروں، تم یہ بھی مطالبہ کر سکتے ہو کہ میں تمہاری حدود سے دفاع کو مضبوط ترین کروں تا کہ یہ غیر محفوظ رہیں۔ تمہارا یہ بھی حق ہے کہ جب تم محاذ جنگ کے لیے باہر جاؤ تو میں ایک باپ کی طرح تمہارے اہل خانہ کی نگہداشت کروں۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ کی طرف ہمیشہ متوجہ رہو۔ میری کوتاہیوں سے درگزر کرنا اور میرے کاموں کی تکمیل میں میری مدد کرنا نیکی کے نفاذ اور برائی سے منع کرنے میں میری مدد کرنا اور مجھے ان فرائض میں نصیحت کرتے رہنا جو اللہ رب العزت نے مجھ پر واجب کیے ہیں''۔(۶۱)

سیدنا عمر ابن الخطاب ؓ کے دورِ خلافت میں مسلم ریاست کی حدود میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ تمام کا تمام مصر اور بلاد الشام کے باقی ماندہ علاقے اور پورا ایران عساکر اسلام کے آگے گھٹنے ٹیک گیا اور اس طرح سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور میں مدینہ طیبہ ان تمام مفتوحہ علاقوں کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ ایک شہری ریاست (City State) سے شروع ہونے والا مدینہ طیبہ سطوت و شوکت کی بام عروج پر پہنچ گیا کیونکہ اس وقت کی سب سے بڑی ریاست کا دارالخلافہ بن چکا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پرملال کے بعد مدینہ طیبہ کی شہرت کو اس سے زیادہ کبھی چار چاند نہیں لگے۔

سیدنا عمر فاروق ؓ کا دورِ خلافت ایک ایسا دور تھا جس میں اسلامی نظام سلطنت کے لیے اداروں کی تشکیل ہوئی جن میں خاص طور پر مالی اداروں کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا اس کے ساتھ ساتھ ٹیکسوں کا نظام بھی رائج کیا گیا۔ عساکر اسلام نے کرۂ ارض کے بیشتر حصے کو سرنگوں کر لیا تھا اور یہ اسی مضبوط مالی نظام کی بدولت تھا کہ وہ بیشمار دولت جو ان فتوحات سے حاصل ہوئی وہ امت کی بھلائی کے لیے صرف ہوئی۔ مفتوحہ ریاستوں میں رہنے والے غیر مسلموں (ذمیوں) پر جو جزیہ سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ بھی اوسطاً سالانہ ۲۸،۰۰۰،۰۰۰ مصری اشرفیوں (Egyptian Guinneas) کے برابر تھی۔ صرف عراق سے حاصل شدہ خراج کی رقم ۴،۸۰۰،۰۰۰ مصری اشرفیوں کے برابر تھی۔ ان تمام علاقوں سے حاصل شدہ سالانہ آمدنی کچھ اس طرح تھی

عراق سے محصولات	۵،۳۲۸،۰۰۰	مصری اشرفیاں
مصر سے محصولات	۸،۰۰۲،۶۶۶	،،،،
بلاد الشام سے محصولات	۳۵۰،۰۵۰	،،،،
سالانہ اوسط محصولات کا مجموعہ	۳،۶۸۳،۷۱۶	مصری اشرفیاں

زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی آمدنی اس سے علاوہ تھی۔ اتنی زیادہ سالانہ آمدنی کے حساب کتاب کو بطریق احسن رکھنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ یہ سہرا سیدنا عمر فاروق ؓ کے سر ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں ایک ایسا مالی نظام وضع کیا کہ دنیا ان کی یہ صلاحات رہتی

دنیا تک یاد رکھے گی۔ آنے والی نسلوں کے لیے ان کے قائم کیے گئے اصول روشنی کے مینار بن گئے۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مشورہ پر سیدنا عمر فاروق ؓ نے اسلامی کیلنڈر کی ابتداء کی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے سال سے شروع کیا گیا اور اسی لیے سن ہجری کہلاتا ہے۔(۶۲) معاشرتی اصلاحات میں سب سے زیادہ اہم 'دیوان العطاء' کا اجراء تھا جس کا مقصد ان کنیز و غلاموں اور شخصیتوں کے لیے تھا جن کو نبی کریم ﷺ کی قربت کا شرف حاصل رہا تھا۔(۶۳) ان کے وظیفے مقرر کیے گئے جو بیت المال سے عطا کیے جاتے تھے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخصیتیں فکر معاش سے آزاد ہو گئیں اور انہوں نے اپنے آپ کو درس و تدریس اور دینی اور علمی خدمات انجام دینے کے لیے وقف کر دیا۔ اس سے ایک طرف تو مدینہ طیبہ میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا اور دوسری طرف اس دور میں دینی علوم پر اتنا کام ہوا کہ آنے والے وقتوں میں انہی کی بنیاد پر اسلامی فقہ اور حدیث کے علوم استوار ہوئے۔ قاضی القضاۃ کی باقاعدہ اسامی شروع کی گئی جن کے تحت ہر مفتوحہ صوبے کے قاضی صاحبان مقرر کیے گئے۔ مدینہ طیبہ کے لیے حضرت زید ابن ثابت ؓ کو قاضی مقرر کیا گیا تھا

دیے گئے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق ؓ کے دورِ خلافت کا تنظیمی ڈھانچہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے دورِ خلافت میں انتظامی طریق کار سے بہت مختلف اور پیچیدہ ہو گیا تھا۔ مسلم ریاست کی حدود کئی براعظموں کو عبور کر گئی تھیں۔ پہلے تو صرف ان علاقوں سے نپٹنا پڑا تھا جو بنیادی طور پر عرب تھے جن میں کچھ متمدن اور کچھ بادیہ نشین تھے مگر نہ زبان کا فرق تھا اور نہ ہی ان کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی اتنی زیادہ مختلف نظر آتی تھی۔ عراب کی بارونق نئے مفتوحہ علاقے نہ صرف اپنے ساتھ نئے خیالات بلکہ نئے مسائل کا انبار بھی رہا تھا۔ بیشمار زبانوں سے واسطہ پڑا، ان گنت معاشرتی طور اور طریقے سامنے آئے اور بھانت بھانت کے لوگوں اور ان کے عقائد سے مڈبھیڑ ہوئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بیشمار سیاسی نظریات اور طریقہ ہائے حکومت سامنے آئے۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کی قابلیت اور ذہانت کو شاید اس سے زیادہ کڑے امتحان سے کبھی نہ گزرنا پڑا تھا لیکن اسلام کے اس بطل جلیل کو اللہ رب العزت سبحانہ وتعالیٰ نے وہ عزم اور حوصلہ دیا تھا کہ وہ ان تمام چیلنجوں سے نہ صرف عہدہ برآ اور سرخرو ہوئے بلکہ ایک ایسا نظام حکومت دینے میں کامیاب ہوئے جو کہ ہر آنے والے دور میں قابل رشک رہا ہے۔ بنیادی طور پر سارا دور قرآن اور سنت کی تابع پایا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ سیدنا عمر ابن الخطاب ؓ نے انتظامی سٹرکچر میں ایسی دوررس تبدیلیاں اور ایجادیں کیں کہ آنے والے تمام ادوار میں ہر حکومت کو ان کی خوشہ چینی کیے بغیر بن نہ پڑی۔

اسلامی طرز حکومت کے تمام تر اداروں کی ترویج و نشوونما ان رہنما اصولوں پر کی گئی جن کو حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے وضع کیا تھا۔ پوری دنیا کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اگرچہ امیر المومنین نے دارالخلافہ اور عاصمہ مدینہ طیبہ ہی میں رکھا مگر مدینہ طیبہ کے انتظامی امور نپٹانے کے لیے الگ گورنر مقرر کیا۔ ایسا کرنے سے مدینہ طیبہ عاصمۃ الاسلام (Metropolis) ہونے کے ساتھ ساتھ باقی صوبوں (امصار) کی طرح ایک الگ صوبہ تصور کیا گیا جس سے اسلامی تصور ریاست اور طرز حکومت نکھر کر ہماری نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔ جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ میں پہلی بار نظام حسبہ (میونسپلٹی کا نظام یا نظام حسبدیہ) رائج کیا گیا جس کے تحت مدینہ طیبہ
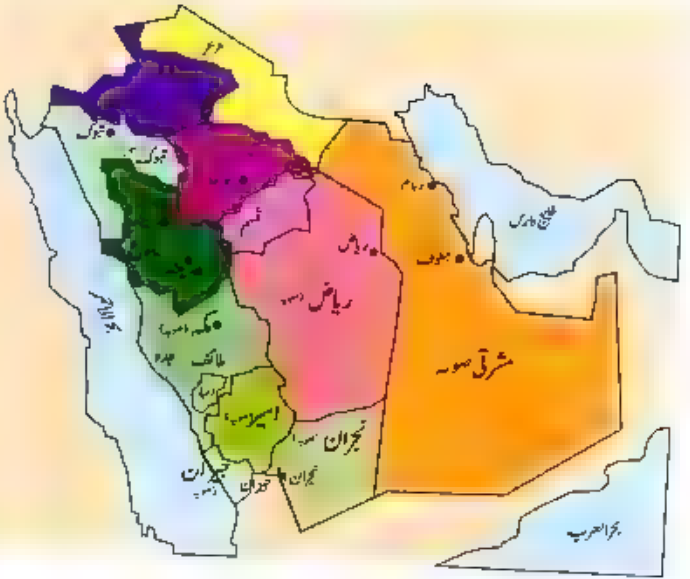
"فسیکفیکھم اللہ"

آیت جس پر سیدنا عثمان غنی کا خون گرا تھا

اور حجاز کے علاقوں سے تمام شہریوں کے کوائف جمع کیے گئے (٦٤) اور محتسب کے رئیس کو 'محتسب' کا نام دیا جو ایک طرف تو مدینہ کے گورنر کے تحت تھا مگر دوسری طرف وہ امیر المومنین کو بھی براہ راست جواب دہ تھا حکومتی کارندوں کا مشاہرہ مقرر کیا گیا اور اسی طرح عساکر اسلام کے مجاہدوں کی تنخواہیں اور الاؤنس مقرر ہوئے مدینہ طیبہ کے مضافات میں اجرف کے علاقے میں عساکر اسلام کے لیے مستقل رہائش گاہیں (بیرکیں) تعمیر کی گئیں

چونکہ اسلامی ریاست کی سرحدیں دور دور تک پھیل چکی تھیں جو انتظامی لحاظ سے کئی صوبوں میں بٹ ہوئی تھیں، اس لیے سیدنا عمر فاروق نے ایک ایسا سیاسی نظام وضع کیا جس سے یہ وسیع و عریض مملکت ایک ہی کائی نظر آتی تھی مملکت کو کئی صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا جن کا علیحدہ علیحدہ گورنر (والی) ہوا کرتا تھا جس کی تقرری مرکز سے مدینہ طیبہ سے ہوا کرتی تھی جب بھی کسی امیر کو مقرر کرنا ہوتا تو اس کی تقرری کا حکم نامہ امیر المومنین کے دستخطوں اور مہر سے جاری ہوتا تھا اور اس کے مندرجات کی تصدیق انصار و مہاجرین کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے اور پھر مسجد نبوی میں سب کے سامنے پڑھا جاتا اور والی پر لازم ہوتا تھا کہ وہ اپنی منصب پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے تمام اثاثے اور دولت لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے اس طرح محاسبہ کا نظام نافذ کیا جاتا تھا۔ (٦٥) اپنی شہادت سے چند دن پہلے ایک جمعہ کے خطبے میں سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے فرمایا [اے اللہ گواہ رہنا کہ میں نے ان تمام والیوں کو ان کے صوبوں میں بھیجا تاکہ وہ وہاں کے لوگوں میں عدل و انصاف کریں، ان کو دین کی تعلیم دیں اور نبی اکرم ﷺ کی سنت ظاہر و کھ میں اور ان میں جنگ سے حاصل شدہ مال غنیمت تقسیم کریں اور وہ معاملات مجھ کو فیصلہ کے لیے بھیجیں جو ان کے لیے حل کرنا مشکل ہوں](٦٦) اس روایت سے بصراحت یہ ثابت ہے کہ تمام والی اپنے اپنے صوبوں میں خود مختار تھے اور صرف ان معاملات کو مرکز میں ارسال کرتے تھے جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہوتے اور بین الصوبائی اہمیت کے حامل ہوتے والیوں کو خاص طور پر یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان نہ بنائے نئی رعایا اپنا مذہب اپنانے اور اپنی زبان اور روایت کو برقرار رکھنے کے لیے پوری طرح آزاد تھی لہذا جدید سیاسیات کی اصطلاح میں صوبے خود مختار (Autonomous) ہوا کرتے تھے جن پر حکمرانی کے لیے صرف مرکز سے ایک امیر (گورنر) مقرر کیا جاتا تھا جس کی مدد کے لیے معدودے چند عمال (کارندے) مدینہ طیبہ سے آیا کرتے تھے

امیر المومنین کی حیثیت میں رئیس الحکومت مسلم فوج کا سربراہ بھی ہوا کرتا تھا لہذا فوج کی مرکزی کمان مدینہ طیبہ میں ہی رہتی تھی جہاں الجرف کے مقام پر خوبصورت پہاڑوں کے دامن میں ان کے لیے مستقل بیرکیں تعمیر دی گئی تھیں، اسی طرح کی فوجی چھاؤنیاں صوبوں کے صدر مقاموں پر بھی بنائی گئی تھیں جو کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص اور رملہ میں تھیں جب ایران اور بازنطینی روم کے بہت سے حصے فتح ہوئے اور حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ مسلم فوج کی کل تعداد دس لاکھ (ایک ملین) سے متجاوز تھی جس کا ہر مجاہد پوری طرح منظم تھا مرکزی قیادت مگر غیر مرکزی کنٹرول (Centra zed Command with Decentralized Control) کا نظام رائج کیا گیا تھا یہ نظام قیادت مدینہ طیبہ سے براہ راست نافذ العمل تھا گرچہ اس وقت مسلم مملکت کی حدود مصر کے انتہائی مغربی بارڈر سے لیکر ایران کے دور دراز مشرقی کونوں تک پھیلی ہوئی تھی اور مواصلات اتنی سست رفتار تھی کہ اگر محاذ جنگ عراق میں ہوتا تو مدینہ طیبہ خبر پہنچنے میں ستر دن لگ جاتے تھے تیز ترین ذریعہ مواصلات صرف عربی گھوڑے یا عربی ریل (یعنی اونٹ) ہوا کرتے تھے، لیکن ان تمام صعوبتوں کے باوجود مقامی کمانڈر اپنے سالار اعلی یعنی امیر المومنین سے ہمیشہ رابطہ رکھتے تھے صوبائی چھاؤنیوں سے خط و کتابت معتمد نامہ بروں کے ذریعے کی جاتی جو مدینہ طیبہ کے لیے ہر وقت رخت سفر باندھے رکھتے تھے

سول انتظامیہ کے طور پر ہر صوبے کا سربراہ والی ہوتا تھا جو خلیفہ یعنی امیر المومنین کو جواب دہ ہوتا تھا سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت

تاشقند کے عجائب گھر میں محفوظ مصحف عثمانی کی نایاب تصویر

میں ہمیشہ یہ معمول رہا کہ تمام والی سالانہ والیوں کے اجتماع (گورنرز کانفرنس) میں شرکت کے لیے آتے جو کبھی مکہ معظمہ میں منعقد ہوتی اور کبھی مدینہ طیبہ میں کسی بھی والی کے خلاف موصولہ شکایت کی پوری طرح چھان بین ہوتی اور اگر صحیح پائی جاتی تو شکایت کنندہ کی فوراً حاجت روائی کی جاتی تھی اس طرح سیدنا عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں محاسبے کا یہ نظام جاری کیا گیا جس کو آج کل کی اصطلاح میں اوپر سے نیچے کی طرف کمان اور نیچے سے اوپر تک محاسبے کے نظام کا نام دیا گیا ہے ("Top-Down" Command and "Bottom Up" Accountibility) (٦٧) جو ایک ایسے عقیدے اور قانونی نظام پر مبنی تھا جس میں رنگ و نسل کی کوئی تمیز نہیں تھی کیونکہ اس کا دارومدار قرآن کریم کے احکام اور سیدنا و مولینا حضرت محمد مصطفی ﷺ کی سنت مطہرہ اور اسوہ حسنہ تھا

ان کا دور خلافت صرف ١٢ سال تک رہا اور ٢٩ ذوالحج ٢٣ ہجری کو جب آپ مسجد نبوی شریف میں فجر کی نماز ادا کروا رہے تھے تو انہیں خنجر گھونپ دیا گیا اور یوں اسلام کے اس بطل جلیل نے مدینہ طیبہ میں شہادت پائی اور یکم محرم الحرام ٢٤ ہجری کو آپ کو آقائے دو جہاں حضور نبی کریم ﷺ کے پہلو میں حجرہ مبارکہ میں دفن کر دیا گیا دم واپسیں سے پہلے آپ نے چھ مقتدر اصحابہ کرام کی ٹیم کا انتخاب فرمایا جو آپ کی نظروں میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار اور امیر المومنین کے منصب جلیلہ کے لیے موزوں تھے اور ارشاد فرمایا کہ ان میں سے کسی ایک کو امیر المومنین چن لیا جائے۔ (٦٨)

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق [حضرت عمر فاروقؓ کی تجہیز و تدفین سے فارغ ہونے کے بعد نامزد کمیٹی نے اپنا اجلاس منعقد کیا عبدالرحمن ابن عوفؓ نے کہا 'امیدواروں کی تعداد کو کم کر کے تین کر دی جائے'۔ اس پر حضرت زبیر بن العوامؓ نے کہا میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں حضرت طلحہؓ نے کہا، میں حضرت عثمانؓ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں اور سعد (ابن ابی وقاصؓ) نے کہا، میں عبدالرحمن بن عوفؓ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں پھر عبدالرحمن ابن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا آپ میں سے کون بطور امیدوار اللہ اور اسلام کی خاطر دوسرے کے حق میں بیٹھنا چاہے گا تاکہ ہم دونوں میں سے ایک کا انتخاب کریں اس پر دونوں جلیل القدر ہستیاں خاموش ہو گئیں تب عبدالرحمن ابن عوفؓ نے کہا کیا آپ دونوں یہ معاملہ مجھ پر چھوڑنا پسند کریں گے اور میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں دونوں میں سے بہتر کے علاوہ کسی کو نہ چنوں گا جس پر دونوں راضی ہو گئے انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور کہا آپ رسول اللہ ﷺ کے قریبی ہیں اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آپ سب سے اولین مسلمانوں میں سے ہیں، کیا آپ وعدہ کریں گے کہ اگر میں آپ کو چن لوں تو آپ انصاف کریں گے اور اگر میں عثمانؓ کو چن لوں تو آپ ان کی سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے؟ پھر انہوں نے دوسرے (یعنی حضرت عثمانؓ) کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور وہی کلمات دہرائے جب عبدالرحمن بن عوفؓ نے

دونوں کی رضامندی حاصل کر لی تو انہوں نے کہا اے عثمانؓ اپنا ہاتھ بلند کریں اور انہوں نے خود (یعنی حضرت عبد الرحمٰنؓ نے) سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی اور پھر یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کے تمام لوگوں نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔(۶۹) اس طرح سیدنا عثمانؓ کا بطور امیر المومنین انتخاب عمل میں آیا۔

سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور خلافت میں عدل و انصاف، نرم دلانہ اور مشفقانہ طرز عمل اور جہاد فی سبیل اللہ پہلے ادوار کی طرح جاری و ساری رہا۔ اسلامی مملکت کی سرحدیں مغرب میں مراکش تک اور مشرق میں افغانستان اور شمال میں ارمینیا اور آذربائیجان تک پھیل گئیں۔ ایران کا بچا کھچا حصہ بھی اسلام کے زیرِ نگوں ہو گیا۔ سیدنا عثمانؓ کے دور مبارک میں مسلم بحری بیڑے کی بنیاد رکھی گئی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ دولت عطا کی تھی اور آپ نے دل کھول کر اپنی دولت کو مسلم امت کی بھلائی کے لیے صرف کیا۔ آپ نے اپنی دولت کو نہ صرف رفاہی کاموں میں خرچ کیا بلکہ جب بھی ضرورت پڑی تو مسلم افواج کو اس سے مسلح کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ کے دور میں مدینہ طیبہ میں عوامی، رفاہی منصوبوں پر عمل ہوا خاص طور پر مدینہ طیبہ کے باسی جب موسم برسات میں بارانی نالوں میں طغیانی کی وجہ سے پریشان ہوتے تھے تو ان کے بچاؤ کے لیے آپ نے وادی مہزور پر بند باندھنے کے احکامات جاری کیے تاکہ طوفانی پانی مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہو سکے۔(۷۰) یہ بھی آپ کا کارنامہ تھا کہ آپ نے قرآن کریم کے نسخے بنوا کر مختلف صوبوں کے صدر دفتروں میں بھجوائے جن میں سے ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں بھی رکھوایا گیا تھا۔ آپ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع فرمائی اور اس میں پہلی مرتبہ جدید طرز تعمیر کے لیے پتھر اور دیگر مواد استعمال کیا۔

دیگر قابل قدر کارناموں کے علاوہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کا شاہکار قرآن مجید اور فرقان حمید کے ایک مصحف کی شکل میں نسخے تیار کروا کر صوبوں کے دار المقاموں پر ارسال کرنا ہے۔ پہلی بار اس کی تدوین و تجمیع تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور مبارک ہی میں ہو چکی تھی مگر نسخہ صرف ایک تھا جو کہ ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا۔ پچھلے صفحہ پر دی گئی تصویر مصحف عثمانی کی ہے جو کہ تاشقند کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

آپ کے پہلے چھ سال تو آرام سے گزر گئے مگر باقی کے چھ سال فتنوں اور سوء خلفشار کا شکار رہے۔ جہاں یک ایک کر کے غیر مسلم قوتیں اسلامی فوج کے آگے سرنگوں ہو رہی تھیں وہاں انہوں نے اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کے لیے سازشوں کے تانے بانے بننے شروع کر دیے تھے۔ ایرانی اور رومی اس معاملے میں پیش پیش تھے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت کے پیچھے بھی سازش ہی کارفرما تھی مگر چونکہ ان کا قاتل بھی وہیں ڈھیر ہو گیا تھا اس لیے اس دہشت گردی کی سازش تشنۂ تفتیش ہی رہی۔(۷۱) شہادت عمر فاروقؓ سے بھی فتوحات کا سلسلہ نہ رکا۔ اب کی بار سازشیوں نے پینترا بدلا اور سیدنا عثمانؓ کے خلاف مزید گہری سازش کی۔ پہلے آپ کے گورنروں کے خلاف محاذ کھولا گیا۔ پھر اس محاذ کا رخ امیر المومنین سیدنا عثمان غنیؓ کی طرف کر دیا گیا۔ سازش کا گڑھ مصر تھا جہاں سے وہ فتنہ پرداز عبداللہ بن سبا کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ وارد ہو کر ان کے خلاف پروپیگنڈے میں مشغول ہو گئے۔ ابن سبا یک سابق یہودی تھا لیکن ظاہری طور پر مسلمان ہونے کا [illegible] سے مدینہ طیبہ کے حلقوں میں اس کو پذیرائی حاصل ہو گئی تھی اور اس طرح چند سادہ لوح مدنی اس کے دام فریب میں آ گئے تھے۔ اس نے ہر طرف سیدنا عثمانؓ کے خلاف زہر گھولنا شروع کر دیا۔ ان کے خلاف طرح طرح کے الزامات عائد کیے گئے، کنبہ پروری اور امور مملکت میں نااہلی اور بدعتوں کی ترویج وغیرہ۔ اس طرح جب ان کے خلاف فضا مکدر ہو گئی تو مصر سے بلوائیوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ ان کے ساتھ مدینہ طیبہ سے بھی کافی منحرفین مل گئے جن میں خاص طور پر بنو تمیم کا قبیلہ شامل ہے(۷۲) ان شرپسندوں نے امیر المومنین کے گھر کا محاصرہ کر لیا جو انچاس دن تک جاری رہا۔ شورش بڑھتی گئی بلوائی آپ کے غیر مشروط استعفیٰ کا مطالبہ کر رہے تھے محاصرہ کے دوران آپ پر پانی تک بند کر دیا گیا۔ وہ محسن اسلام جو اپنی جیب سے کنویں خرید خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیتا تھا اس وقت ایک بوند پانی کو بھی ترس گیا تھا۔ آخرکار [illegible] ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو ان بدبختوں نے سیدنا عثمانؓ کو اس وقت شہید کر دیا جب کہ آپ روزے کی حالت

میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اگرچہ آپ کے بہت سے بہی خواہوں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ دمشق سے فوج طلب کر لی جائے مگر انہوں نے کسی صورت میں بھی مسلمانوں کا خون بہانے سے انکار کر دیا۔ آپ کو حرم مدنی کا تقدس بھی عزیز تھا کہ انہوں نے یہ کہہ کر اس مشورے کو رد کر دیا کہ وہ اپنی ذات کے لیے سرزمین حرم میں خون خرابہ نہیں چاہتے۔ دوران محاصرہ بلوائیوں سے گفت و شنید کے ذریعے معاملات طے کرنا چاہتے ہیں ان کی شہادت کے ساتھ مدینہ طیبہ کے سنہری دور کا اختتام ہو گیا جس میں ہر طرف امن و آشتی کا دور دورہ تھا بلوائیوں نے ایک طرح کا مدینہ طیبہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔

سیدنا عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت نے امت مسلمہ کو سنگین سیاسی بحران سے دوچار کر دیا تھا اور دارالخلافہ بلوائیوں کے قبضے میں تھا۔ یہود اور دیگر غیر مسلم قوتوں کی سازش کامیاب ہو چکی تھی۔ اصحاب کبار حج کے سلسلے میں ابھی تک مکۃ المکرمہ میں تھے اور ہر طرف شرپسند دندناتے پھر رہے تھے۔ تین دن تک مدینہ طیبہ میں فرعونی غافقی کا عفریت حکمران رہا۔ بلوائیوں کے ساتھ چونکہ کچھ مدینہ طیبہ کے عناصر بھی مل گئے تھے اس لیے ان پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں تھا۔ ان میں سے بہت سے تو سیدنا علی مرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو خلافت سنبھالنے کے مشورے دے رہے تھے مگر ان سے بھی یہ لوگ آپ سے مخلص نہ تھے۔ ایک طرف تو یہ عناصر اپنے آپ کو خون عثمانؓ کے قصاص سے بچانا چاہتے تھے اور دوسری طرف ان کا مقصد امت مسلمہ کو خانہ جنگی کی طرف دھکیلنا تھا۔ یہ حالات تھے جن کے تحت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے کافی ہچکچاہٹ کے بعد خلافت کے بوجھ کو اٹھانے کی حامی بھری۔ روز اول سے ہی اس عالی مقام کو ہر طرف سے مسائل نے گھیر لیا تھا۔ بلوائیوں نے ہر طرف اور ہر سطح پر غلط پروپیگنڈا کر کے فضا مکدر کی ہوئی تھی۔ ہر طرف فتنہ و فساد کا بھوت ناچتا پھر رہا تھا۔ لوگوں نے مدینہ طیبہ خالی کرنا شروع کر دیا تھا اس لیے یہ قدرتی عمل تھا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سب سے پہلے اپنی توجہ امن عامہ بحال کرنے کی طرف مبذول فرماتے اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ایک طرف تو بلوائیوں کے سرغنہ اور اس کے ساتھ اس سازش کے بانی نہایت چالاکی سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی چھتری کے نیچے آ کر اپنی جانیں بچانا چاہتے تھے اور دوسری طرف ایسا گروہ بھی تھا جو اگرچہ مدینہ طیبہ میں ہی تھا مگر سیدنا عثمانؓ کو بچانے کے لیے کوئی عملی اقدام اٹھانے سے قاصر رہا تھا۔ اس وقت بہت سے مخلص اور جلیل القدر صحابہ کرام بھی موجود تھے مگر ان شرپسندوں نے انہیں بھی بے بس کیا ہوا تھا۔ بس افراتفری کے عالم میں لوگوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف محاذ کھڑا کر دیا اور سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا انتقام لینے پر تل گئے۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی اولین ترجیح بحالی امن تھی لہٰذا آپ نے سب سے پہلے ان تمام گورنروں کو برطرف کر دیا جو سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت سے [illegible] چلے آ رہے تھے۔ سب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی سوائے ایک گورنر کے جو حضرت معاویہ بن سفیانؓ تھے جو دمشق میں گورنر تھے۔ انہوں نے گورنری سے ہٹنے کے لیے شرط عائد کر دی کہ پہلے سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے بھی مطالبہ کیا کہ قاتلان عثمانؓ کو فوری طور پر انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ بھی فوری انصاف کے لیے بیتاب تھے مگر آپ انصاف کے تمام تقاضے پورے کرنا چاہتے تھے جن میں شہادت اور گواہی سرفہرست تھی۔ ملزمین میں سے بہت سے تو موقع سے فرار ہو چکے تھے، اور باقی زیر زمین چلے گئے تھے اور چند نے تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے وفاداری کا ڈھونگ رچا کر کیموفلاج اوڑھ لیا تھا۔ عینی شاہد کسی پر واضح انگلی نہیں رکھ رہے تھے۔ حضرت نائلہؓ جن کی انگلیاں شہادت عثمانؓ کے وقت کٹ گئی تھیں بھی قاتلوں کو پہچاننے سے قاصر تھیں۔ اس لیے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تھوڑی مہلت مانگ رہے تھے تاکہ معاملے کی تہہ تک پہنچا جائے۔ آپ بغیر ٹھوس شواہد کے کسی پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ آپ تو اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر بطور خلیفہ راشد اسلامی قانون کو وضع کرنے والے اور نافذ کرنے والے تھے۔ امیر المومنین علی مرتضیٰؓ جنہوں نے ساری عمر قرب رسول اللہ ﷺ میں گزاری تھی یہ کیسے گوارا کرتے کہ ان کے ہاتھوں اسلامی قانون شہادت کا ہی خون ہو جائے۔ ایک فریق تو بلا کسی تحقیق و بلا تاخیر کے ہر قیمت پر قاتلان عثمانؓ سے قصاص پر مصر تھا اور دوسری طرف سیدنا علی مرتضیٰؓ بھی یہی چاہتے تھے مگر

آپ انصاف کے تمام تقاضے پورے کرنا چاہتے تھے یہی ایک بڑی وجہ تھی جس نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کے خلاف شکوک و شبہات کو جنم دیا۔ شر پسندوں نے اختلافات کو مزید شدید کرنے کے لیے طرح طرح کی افواہیں پھیلا دیں اور اس طرح فریقین میں اختلاف کی خلیج حائل ہو گئی۔ حضرت معاویہؓ کے گورنری سے ہٹنے کے انکار پر مزید گہری ہوتی چلی گئی جس نے آگے چل کر امت مسلمہ کو دو دھڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اس گروہ بندی کے پیچھے جو خفیہ ہاتھ کام کر رہے تھے وہ وہی لوگ تھے جن کو اسلام کا تیزی سے پھیلنا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ انہوں نے پروپیگنڈے (Disinformation) کی تمام تر مشینری افواہ سازی پر لگا دی تھی۔ ان لوگوں نے صلح و آشتی کی ہر مخلص کوشش کو ناکام بنا دیا۔ جنگ جمل کے فریقین میں صلح کی شرائط طے ہو گئیں تھیں کیونکہ دونوں فریق ہی سیدنا عثمانؓ کے قصاص پر متفق تھے، اور دونوں گروہ آپس کی خونریزی کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ قتل عثمانؓ کے ملزمین کو اپنے لشکر سے الگ کر دیں گے جس کے مطابق آپ نے انہیں فوری طور پر چلے جانے کا حکم دے دیا مگر وہ لوگ تھوڑے فاصلے پر جا کر رک گئے اور بہانہ بنایا کہ وہ آپ کی حفاظت کے لیے قریب ہی رہنا چاہتے ہیں۔ رات کے اندھیرے میں انہی لوگوں نے دونوں طرف سے تیر چلا کر شور مچا دیا کہ فریق ثانی کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی کی گئی ہے اور اس طرح ان لوگوں نے فریقین کی نیک خواہشات پر پانی پھیر دیا اور یوں جنگ جمل کا میدان کارزار لاشوں سے اٹ گیا۔

سیدنا علی المرتضیٰؓ یہ نہیں چاہتے تھے کہ خانہ جنگی حضور نبی اکرم ﷺ کی دہلیز تک پہنچ جائے اور آپ کسی بھی قیمت پر مدینہ طیبہ میں امن و امان بحال رکھنا چاہتے تھے مزید برآں آپ کی دور رس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ دور دراز کے صوبوں کا نظم و انصرام بطریق احسن چلانے کے لیے جغرافیائی طور پر مرکز میں واقع دار الخلافہ زیادہ مناسب رہے گا۔ سیاسی ریشہ دوانیوں نے تقریباً سب اہل الرائے حضرات پر یہ حقیقت عیاں کر دی تھی کہ مدینہ طیبہ کو میدان جنگ بنانے سے گریز کیا جانا چاہیے اور جنگ تھی کہ اس کے بادل آئے دن گہرے سے گہرے ہوتے جا رہے تھے ان حالات میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی بصیرت کو داد دینی چاہیے کہ آپ نے دار الخلافہ عراق کی طرف منتقل کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ ڈاکٹر سعادہ ماہر کے الفاظ میں "علی کرم اللہ وجہہ کا دور خلافت مدینہ طیبہ کے لیے بہت سی تبدیلیاں لایا، کیونکہ جب آپ اور آپ کے مخالفین کے درمیان خانہ جنگی ہوئی اور فیصلہ کن جنگیں سر پر منڈلا رہی تھیں تو آپ یہ حقیقت جان چکے تھے کہ اتنی بڑی اسلامی مملکت کو مدینہ طیبہ جیسے شہر سے جو ان صوبوں سے بہت دور فاصلے پر واقع تھا کنٹرول کرنا ممکن نہیں تو بہت مشکل کام تھا" (۷۳) آپ کے مکتوبات بنام کوفیان میں سے ایک سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیر المومنین شیر خدا شہر نبی سے بے حد محبت کرتے تھے اس مکتوب میں آپ فرماتے ہیں کہ "میں اپنی حالت میں اس جگہ (مدینہ طیبہ) سے روانہ ہو رہا ہوں کہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میں ظالم ہوں یا بلکہ مظلوم، یا یہ کہ میں باغی ہوں یا میرے خلاف بغاوت کی گئی ہے" (۷۴) اس خط کے ایک ایک لفظ سے آپ کے دل سے مدینہ طیبہ کی محبت مترشح ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ بحالت مجبوری وہاں سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے جب کہ حالات آپ کے قابو سے باہر ہوتے نظر آ رہے تھے۔ آپ نے حضرت سہل ابن حنیف الانصاریؓ کو مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر کیا اور خود اپنے نئے دار الخلافہ کی طرف چل دیے (۷۵) جب سیدنا علی المرتضیٰؓ بصرہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو بہت سے انصار اور مہاجرین نے آپ کو ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا حضرت عبد اللہ ابن سلامؓ نے تو آپ کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور عرض کیا "یا امیر المومنین آپ مدینہ چھوڑ کر نہ جائیں اگر آج آپ یہاں سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے اور یہ امت مسلمہ کا دار الخلافہ تغیر و تبدل کا شکار ہو جائے گا" لیکن امیر المومنین نے جو فیصلہ کیا تھا اسی پر قائم رہے اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ وہی فیصلہ صائب اور صحیح تھا۔ (۷۶)

اس طرح مدینہ طیبہ کی بطور سیاسی دار الخلافہ کی حیثیت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قفل لگ گیا اور پھر سوائے چند سالوں یا عرصوں کے اسے کبھی بھی سیاسی طور پر دار الخلافہ نہیں بنایا گیا۔ ایسا صرف حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی قلیل مدت کی خلافت یا چند دیگر بغاوتوں کے نتیجے میں

آنے والی حکومتوں کے دوران ہوسکا (مثلاً حضرت عبد اللہ بن حنظلہؓ یا نفس الزکیہؓ) جو صرف عرصہ قلیل کے لیے منصہ شہود پر نمودار ہوئیں۔ اس کے بعد ہمیشہ والی اور گورنر ہی تعین ہوتے رہے جنہوں نے مدینہ طیبہ کو بطور ایک شہر یا ایک صوبے کے کنٹرول کیا

مدینہ طیبہ مسلمانان عالم کے روحانی دار الخلافہ کے طور پر

جب ایک بار دار الخلافہ مدینہ طیبہ سے منتقل ہو گیا تو پھر ہمیشہ کے لیے سیاسی قوت کا محور مدینۃ النبی سے باہر ہی رہا لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگرچہ خلافت اسلامیہ کا ہیڈکوارٹر مدینہ طیبہ سے کوسوں دور رہا مگر مدینہ طیبہ کا سیاسی، سماجی اور دینی مقام اور اہمیت تاریخ کے کسی موڑ پر کم نہیں ہوئے۔ رہنمائی کے لیے ہر مسلم حکمران کی نگاہیں مدینہ طیبہ پر ہی لگی رہیں اور جس حکمران کو بھی مدینہ طیبہ کی حکمرانی نصیب ہوئی اس نے دل و جان سے اس مقدس شہر کی خدمت کی۔ صرف ایک مثال یہاں کافی ہو گی کہ جب عثمانی سلطان سلیمان الفاتح نے قسطنطنیہ (استنبول) کو فتح کیا تو بوقت فتح جوش و جذب مدینۃ النبی میں وہ یہ کہہ رہے تھے میں نے رومیوں کے اس شہر کو فتح کر کے محمد مصطفیٰ کے شہر پر تصدق کر دیا، اور پھر اس کی تمام سرکاری جائیداد کو وقف بنا دیا جس سے حاصل شدہ تمام تر محصولات حرم نبوی اور اہالیان مدینہ طیبہ کی فلاح و بہبود پر صرف کیے۔ جب بھی کبھی امت اسلامیہ پر سیاسی بھونچال آیا تو وہ اس کے زلزلے کا مرکز (Epicentre) شہر نبوی سے ہزاروں میل دور ہی کیوں نہ ہو مگر مدینہ طیبہ مضطرب اور بے چین ہو جاتا رہا ہے۔ ایسے تمام سیاسی زلزلوں کے جھٹکے مدینہ طیبہ میں فوراً محسوس ہو جایا کرتے جس سے اس شہر امن کا سکون غارت ہو جاتا تھا۔ مدینہ طیبہ کی یہ بے چینی اس شہر نبوی کے امت مسلمہ کے ساتھ اٹوٹ رشتے اور محبت وفا کا مظہر کرتی ہے آج بھی اگر کشمیر یا افغانستان یا چیچنیا میں مجاہدین پر قیامت ڈھائی جاتی ہے تو مسجد نبوی میں ان کے لیے پورے خشوع و خضوع سے دعائیں مانگی جاتی ہیں

مدینہ طیبہ کی اس سیاسی اہمیت کے ساتھ ساتھ جو چیز مدینہ طیبہ کو عالم اسلام کا روحانی دار الخلافہ بناتی ہے وہ اس کا وہ کردار ہے جو وہ صدیوں سے امت اسلامیہ کی روحانی و دینی تربیت کے لیے ادا کرتا آیا ہے۔ مدینہ طیبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کا دنیوی قیام اگرچہ صرف دس سال پر محیط تھا جس کا اکثر حصہ اسلام کے دشمنوں سے جہاد میں گزرا جس سے بادی النظر میں کسی بھی انسان کے لیے ناممکن تھا کہ وہ اپنی امت کی تنظیم کے لیے کوئی وقت نکال سکتا مگر تاجدار مدینہ ﷺ چونکہ اللہ کے رسول اور اپنی امت کے لیے رہبر و رہنما تھے اس لیے حضور نبی کرم ﷺ نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور اپنی امت کی مکمل ہدایت اور راہنمائی فرمائی قرآن کریم کا اکثر حصہ بھی مدینہ طیبہ میں ہی نازل ہوا اور حضور نبی کرم ﷺ نے اپنی ذاتی مثال سے اس کے ہر پہلو کی تفسیر و تشریح فرمائی، ارکان دین کے احکام اور ان کا عملی و اجتماعی نفاذ مدینہ طیبہ ہی میں ہوا فرض نماز، زکوٰۃ اور حج جیسے ارکان دین کی تنفیذ مدینہ طیبہ سے ہوئی اور حضور پرنور ﷺ نے تمام ارکان دین کو اپنے ذاتی عمل کے ذریعے کر کے دکھایا تاکہ امت کو احکام قرآن سمجھنے میں دقت نہ ہو ہجرت کو ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ روحانی ریاضتوں میں سب سے سخت ریاضت صیام رمضان کے احکام صادر ہو گئے اور اسی سال پہلے رمضان مبارک کے ابھی سترہ دن ہی گزرے تھے کہ ﴿حرض المومنین علی القتال﴾ کا حکم نازل ہوا جس کے تحت جہاد فی سبیل اللہ کے لیے مسلمان لشکر بدر کے لیے روانہ ہوا روزے کی حالت میں عرب کے لق و دق صحراء میں سفر اور وہ بھی جہاد اور قتال کے لیے اس سے زیادہ اور کیا مشقت کا کام ہو گا، یہ ایک ایسی ریاضت تھی جو نہ صرف اہل ایمان کا شدید ترین امتحان تھا بلکہ تا قیامت آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ تھا اس طرح انتہائی شدید حالات میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو روحانیت کی منزلیں طے کروائیں۔ غزوہ احزاب میں بھی جب خندق کھودی جا رہی تھی تو پیٹ پر پتھر باندھ کر بھوک اور افلاس کی شدت میں اس سنگلاخ زمین میں سات کلو میٹر لمبی اور وسیع اور عمیق خندق انتہائی کم مدت میں کھودی گئی صائمین کی ریاضتوں

کو جب جذبہ جہاد اور راہ حق میں شہادت کے لیے تڑپ کی مہمیز لگی تو ان کے ایمان میں وہ پختگی آ گئی کہ ان میں ایسی عقابی روح بیدار ہو گئی جس سے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں نظر آنے لگی تھی

اگرچہ سیاسی طور پر دار الخلافہ مدینہ طیبہ سے باہر چلا گیا تھا مگر اس سے مدینہ طیبہ کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا بلکہ جوں جوں اسلامی خلافت اور اسلام کی سرحدیں پھیلتی گئیں چاردانگ عالم میں پھیلی امت محمدیہ کے دل میں مدینہ طیبہ کی محبت اور کشش اور بڑھتی گئی سیاسی مدو جزر سے بے نیاز مدینہ طیبہ میں پرسکون ماحول قائم ہو گیا جس نے روحانی طور پر علوم اسلامیہ کی ترویج اور ارتقاء میں بہت اہم کردار ادا کیا اور سیاست دانوں کی بجائے مسند رشد و ہدایت مدینہ طیبہ کے ادبا اور علماء کرام کے ہاتھ میں آ گئی اور یوں شہر نبی سے علم و فضل کے سوتے پھوٹتے رہے جن سے پیاس بجھانے کے لیے دور دور سے اسلامیان عالم کھنچے چلے آتے تھے اس طرح امت کی رہنمائی کے لیے جو شمع رسول مقبول ﷺ نے جلائی تھی مدینہ طیبہ کے علماء نے اسے ہمیشہ بلند رکھا اور یوں مدینہ طیبہ جید علماء اور ائمہ کا مولد و مسکن بنا رہا۔ یہ کہنا کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کبار میں سے ایک سو پچاس اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ کو اپنا دائمی مسکن بنائے رکھا اور پھر جب تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دور آیا تو پھر بھی ایک سو ستر جید تابعی علماء نے مدینہ طیبہ میں علم و فضل کی شمع روشن کیے رکھی (۷۷) یہاں پر ہم مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (H A R Gibb) کی ایک کتاب سے اقتباس پیش کرنا چاہیں گے

> حضرت محمد ﷺ نے اپنے پیروکاروں کے ذہنوں پر جو گہرے اثرات مرتب کیے تھے وہ اس معاشرتی اور تمدنی مہمیز سے آشکار ہے جو سب سے زیادہ ذہنی ترقی کا سبب بنی اسلام کی نئی تعلیمات کے نفاذ اور نشر کرنے کے لیے نئے نئے طریقے اور نظام وضع کیے گئے جس نے عربوں میں ذہنی انقلاب پیدا کر دیا نئے علوم کی بنیاد رکھی گئی جن میں (بر سبیل مثال) احادیث پیغمبر ﷺ کا ہمہ جہتی مطالعہ، روایات کی تدوین، عربی زبان اور ادب کا ارتقاء اور ترویج، تاریخ اور سب سے بڑھ کر فقہی قوانین کی تدوین شامل تھی یہ انقلابی تبدیلی ہر اس محقق کو انگشت بدنداں کر دیتی ہے جو اس حیرت انگیز انقلاب کو صرف ایک سو سال پہلے کے مدینہ (یثرب) کی علمی کم مائیگی اور ذہنی افلاس سے موازنہ کرتا ہے یہ امر اور بھی حیران کن ہے کہ یہ عظیم کارنامہ عربوں کے ہاتھوں سرانجام پایا جنہوں نے ان تمام علوم کو ان بنیادوں پر استوار کیا جن کی خشت اول حضرت محمد ﷺ نے رکھی تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ تمام تر ترقی بغیر کسی خارجی اثرات کے رونما ہوئی تھی۔ (۷۸)

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس گروہ نے جنہوں نے اپنے آپ کو سیاست سے الگ تھلگ کر لیا تھا خاص تا دینی امور کے لیے وقف کر دیا اس طرح مدینہ طیبہ شہر فقہاء بن گیا جہاں اول درجہ کے فقہاء نے جنم لیا جن میں مقتدر صحابہ کرام اول نمبر پر ہیں جنہوں نے قرآن و سنت رسول اللہ ﷺ پر مبنی فقہی مسائل کی توجیہ اور تشریح کی ان میں خلفائے راشدین جیسے جید اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسی جلیل القدر شخصیتیں شامل تھیں اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا فتویٰ چلتا تھا ان میں سے خاص طور پر چھ اسمائے گرامی تو سند کی حیثیت رکھتے ہیں: حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت عمر ابن الخطابؓ، سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، حضرت زید ابن ثابتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ ان میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ افتاء میں سیدنا عمر فاروقؓ کا اتباع اور تقلید کرتے تھے اور حضرت ابوموسیٰؓ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مقلد تھے اور حضرت زید بن ثابتؓ افتاء میں حضرت ابی بن کعبؓ کے مقلد تھے۔ اس طرح تقلید کی یہ روایت اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قائم کردہ ہے جس نے آگے چل کر ائمہ کرام کے دور میں فقہی مذاہب کا جواز مہیا کیا

ڈاکٹر میر محمد طاہر اشرف، ترجمت القرۃ المعاصرہ، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۴ء، قبرص، صفحات ۴۵۹-۴۶۰) یہ دور پہلی صدی ہجری میں تقریباً نوے سال پر محیط ہے ان کے بعد وہ مشعل جو تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روشن رکھی اسی مشعل کی شعاعیں جب ہر طرف ضیا پاشی کرنے لگیں تو مدینہ طیبہ مدینۃ العلم بن گیا اور اس کی روشنی دنیا کے چاروں طرف پھیل گئی مدینہ طیبہ کے انہیں سپوتوں میں سے سات مشہور زمانہ فقہاء مطلع اسلام پر طلوع ہوئے جن کی تابندگی نے آج تک اسلامی قوانین کو منور کیا ہوا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں

(۱)	حضرت سعید بن المسیبؓ	(۲)	حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارثؓ
(۳)	حضرت سلیمان بن یسارؓ	(۴)	حضرت عروہ بن زبیرؓ
(۵)	حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہؓ	(۶)	حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ
(۷)	حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؓ		

ان کے بعد علمائے کرام کی تیسری نسل نے اس مشعل کو بلند رکھا یہ دور دوسری صدی کے وسط سے شروع ہوتا ہے اس گروہ کے سب سے درخشاں ستارے حضرت امام مالک بن انسؒ (۹۵-۱۷۹) تھے جن کی الموطا کو یہ فخر عظیم حاصل ہے کہ وہ احادیث کی تدوین میں سب سے اہم اور سنگ میل ہے آپ بہت ہی قابل اور صاحب بصیرت فقیہہ تھے جن کو قرآن اور سنت کی تعلیمات پر مکمل عبور حاصل تھا اور جنہوں نے حضرت نافعؒ کی مجلس درس حدیث میں بارہ سال تک زانوئے تلمذ طے کیا تھا (۷۹) اسلامی فقہ میں مالکی مذہب کے بانی حضرت امام مالکؒ ہی تھے دیگر دبستان خیال اور مذاہب کے بانی بھی کسی کم اہمیت کے حامل نہیں تھے اور سب کے سب مدینہ طیبہ کے علماء اور فقہاء کے دبستانوں کے خوشہ چیں تھے ان کے بعد آنے والے فقہاء اور محدثین ان تابعین اور بانیان مذاہب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے تھے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ جن کا نام تدوین حدیث میں کسی تعارف کا محتاج نہیں امام مالکؒ کے شاگرد رشید تھے (۸۰) امام شافعیؒ نے بھی کافی عرصہ مدینہ طیبہ میں گزارا تھا اور اس دوران امام مالکؒ کے حلقہ ہائے درس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے رہے تھے دیگر علماء اور فضلاء نے بھی مدینہ طیبہ کے علمی اور روحانی چشموں سے اپنی پیاس بجھائی تھی اسی طرح صدیوں تک مدینہ طیبہ منبع رشد و ہدایت بنا رہا جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا [بلاشک لوگ اپنی سواریوں کو تازیانوں سے ہانک کر علم کی تلاش میں نکلیں گے اور ان کو سوائے مدینہ طیبہ کے اور کہیں جید علماء نہیں ملیں گے] (۸۱) آنے والے وقتوں نے فرمان رسول مقبول ﷺ کے ایک ایک حرف کی صداقت کو جریدہ عالم پر ثبت کر دیا۔

اگرچہ خانہ جنگی نے مسلمانوں کے سیاسی اتحاد پر کاری ضرب لگائی تھی مگر بہت سے جلیل القدر اصحابی اور تابعین حضرات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سیاسی شمولیت پر خلوت نشینی کو ترجیح دی تھی اور اپنے آپ کو سنت رسول اللہ ﷺ کی ترویج، تدریس القرآن اور تدوین احادیث کے لیے وقف کر دیا تھا اس مقدس فریضے میں نہ تو وہ کسی وقتی حکومت کی جھوٹی ورد ماندن کے دام فریب میں آئے اور نہ ہی انہوں نے زر و دولت اور ذاتی منفعت کو مد نظر رکھا تینوں عبد اللہ حضرات (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ) روایت حدیث میں سب سے سبقت لے گئے ان میں سے سرفہرست حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا اسم گرامی ہے جنہوں نے ہر قسم کی سیاسی جانبداری سے مکمل اجتناب کیا تھا اور کسی بھی فریق کا ساتھ نہیں دیا حتیٰ کہ جب مروان بن الحکم نے آپ کو خلافت کے منصب جلیلہ کے لیے راغب کرنا چاہا تو آپ نے صاف انکار کر دیا اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور عبدالملک کے درمیان جھگڑے میں مکمل غیر جانبداری کا ثبوت دیا جہاں تک حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ کا تعلق ہے، اگرچہ ابتداء میں آپ نے اپنے والد کے ایماء پر جنگ صفین میں شرکت کے لیے سفر کیا تھا مگر اس میں کسی قسم کا حصہ لیے بغیر واپس آ گئے تھے اور باقی عمر اپنے

اس سفر پر نام رہے اسی طرح دیگر مشہور شخصیتوں میں سے حضرت بوذرؓ، حضرت محمد ابن مسلمہؓ، حضرت سعید بن المسیبؓ، ابوالمطرفؓ حسن بن الیسارؓ، مسروقؓ اور دیگر اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس خلفشار کے پرآشوب دور میں غیر جانبداری کو اپنائے رکھا۔

جلیل القدر صحابہ کرام میں سے حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے تو ہزار ہا ترغیب اور دباؤ کے باوجود کوئی سیاسی کردار ادا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا، یہاں تک کہ دونوں ہستیوں نے مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر بھی کسی عہدے اور منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا حضرت ابوسعید الخدریؓ نے تو واقعہ حرہ کے دوران مدینہ طیبہ کے نواح میں غار و کوہ میں رہنا پسند کر لیا اور اسی طرح حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ مدینہ طیبہ سے چالیس میل دور نکل گئے اور کئی سال تک آپ نے اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے درمیان گزار دیے ان کے علاوہ دیگر کئی مقتدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنی غیر جانبداری کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی اور راج الوقت حکومت کی مدد سے ہاتھ کھینچنے پر کتنی ہی ہستیاں تھیں جن پر تشدد کیا گیا، کتنی ایسی پاکیزہ شخصیتیں تھیں جن پر کوڑے برسائے گئے اور کتنے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے اس عزم میں حجاج ابن یوسف کے ہاتھوں تہہ تیغ ہوئے بہت سارے تاریخی تجزیوں میں ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد دس ہزار سے زیادہ بتائی جاتی ہے جو حجاج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے مگر ان مردان حر نے بھی یہ ٹھان رکھا تھا کہ اپنے آقا حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت کو اپنے بعد آنے والی نسلوں تک پہنچائیں گے۔ ان میں سے حضرت سعید ابن المسیبؓ کو عبداللہ بن زبیرؓ کے حکم سے کوڑے لگائے گئے، حضرت ہشام بن عروہؓ کا کندھا تشدد اور کوڑوں سے ناکارہ ہو گیا تھا جو بنو امیہ کے حکم سے انہیں کھانے پڑے تھے کیونکہ آپ نے ان کے آگے سر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا حضرت یحییٰ بن ابی کثیرؒ (ت ۲۹ ہجری) بھی اسی جرم کی پاداش میں کوڑوں کے سزاوار ٹھہرے تھے۔ حضرت عبیداللہ بن رافعؓ کو عمرو بن سعید بن العاص (مدینہ طیبہ کے گورنر) کے حکام سے زدوکوب کیا گیا امام دارالہجرہ حضرت امام مالکؒ (جو اس وقت مسجد نبوی کے امام تھے) کو منصور عباسی کے حکم سے اتنا تشدد کیا گیا کہ ان کا ایک اعضاء ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بعد میں مسجد نبوی شریف میں حاضری تک سے قاصر رہے اور آپ کے تلامذہ کو آپ کے گھر میں حاضر ہونا پڑتا تھا تاکہ آپ کے علم و فضل سے استفادہ کر سکیں۔ حضرت سفیان الثوریؒ (۹۷-۱۶۱ ہجری) کے متعلق تو منصور نے قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا تھا۔(۸۲) اسی طرح امام الاحناف امام ابوحنیفہؒ نے زندان میں تشدد کے نتیجے میں دم توڑ دیا۔

ان تمام مشکلات کے باوجود ان نڈر اصحابہ اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رہنمائی میں علم کی مشعلیں روشن رہیں اور ان کی انتھک کوششوں سے اسلامی تعلیمات اور بالخصوص تعلیم الاحادیث کا کام پوری شد و مد سے جاری رہا سیاسی چپقلشوں سے بچنے کے لیے یا شوق جہاد میں بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دور دراز علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے تھے مگر احادیث نبوی کے جواہر بیش قیمت جمع کرنے کی غرض سے مشتاقان حدیث ہزاروں میل کا سفر کرتے اور ان راویان حدیث سے بلاواسطہ احادیث مبارکہ کی سماعت کرتے تھے مدینہ طیبہ کو یہ منفرد مقام حاصل رہا ہے کہ تدوین حدیث کے لیے جتنا کام شہر نبی میں ہوا اتنا کہیں اور نہیں ہو سکا اطراف عالم سے علم حدیث حاصل کرنے کے لیے مشتاقان حدیث سفر کر کے مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے حضرت ابوہریرہؓ کے گرد سامعین حدیث کا ہجوم رہتا اور کم و بیش آٹھ سو تلامذہ نے ان سے بلاواسطہ علم حدیث حاصل کیا بعد میں جب حضرت انس بن مالکؓ کے دروازے طلبائے حدیث پر وا ہوئے تو ان کے ہاں اتنا ہجوم گھٹنا لگ جاتا کہ لوگوں میں آپس میں لڑائیاں ہوتیں کیونکہ ہر کوئی آپ کے قرب میں بیٹھنا چاہتا تھا"(۸۳) طلبائے حدیث اپنے اپنے اساتذہ سے سماع اور املاء دونوں طریقوں سے مستفید ہوتے تھے اور بحث اور جرح کی محفلیں جمتیں جو کہ تدوین حدیث کے مراحل میں سب سے زیادہ اہم مرحلہ تھا۔ یہ ایک ایسا فن تھا جس کے اجراء اور ارتقاء کا طرہ امتیاز صرف اسلام کو

حاصل ہے۔ اس طرح علم حدیث ایک باقاعدہ فن کی صورت میں ٹھوس بنیادوں پر استوار ہوا جس کے ثمرات تیسری صدی ہجری میں صحاح ستہ کے معتبر ترین مجموعوں کی صورت میں نمودار ہوئے

حکمت و فیضان نبوی کے ان چشموں نے جو مسجد نبوی شریف سے پھوٹے تھے پورے شہر مدینہ کی اس طرح آبیاری کی تھی کہ مدینہ طیبہ کا ہر حصہ علم و فضل کا گہوارہ بن گیا اور عشاق رسول اللہ ﷺ نے فیضان نبوی کے ان سوتوں کو نہروں کی صورت میں دور دور تک پہنچا دیا تھا ہر نئی نسل اسی ذوق و شوق سے اس بیڑے کو اٹھاتی اور یوں قرآن و حدیث کی تعلیمات ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کے ہاتھ پھیلتی پھیلتی پورے کرہ ارض پر پھیل گئیں۔ یہ بات بلا مبالغہ اور بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ وہ نور جو شمس الضحیٰ ﷺ کے وادی فاران پر طلوع ہونے سے ظاہر ہوا تھا بعد میں مدینہ طیبہ کے دو سیاہ دو سنگلاخ حروں کے درمیان واقع مسجد النبوی شریف کے احاطے میں اپنے نصف النہار پر پہنچ گیا تھا جہاں تاجدار دو عالم ﷺ اپنے حلقہ اصحاب میں مسند نشیں ہو کر اس نور الہدیٰ کی ضیا پاشی فرماتے تھے۔ اور پھر وہیں سے آپ کے ان جان نثاروں نے آپ کے اقوال اور افعال کو اپنا آئیڈیل بنا کر ان کی ترویج اور تشہیر کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نور ہدایت نے ساری دنیا کو منور کر دیا قرآن کریم کے مفسرین، تمام فقہی مذاہب کے بانی، احادیث مبارکہ کے طلباء اور جامعین، اولیاء کرام اور اسلامی دنیا کے مشائخین ان سب نے اپنی زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں فیضان رسالت کے ان چشموں سے اپنی پیاس بجھائی جو صحن مسجد نبوی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرہ مبارکہ کی جوار رحمت میں بہتے چلے آ رہے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کے درس میں ایک وقت میں چار ہزار طلباء حصہ لیا کرتے تھے اور اسی ازدحام کی وجہ سے ان کو اپنی یونیورسٹی مدینہ طیبہ کے مضافات میں منتقل کرنی پڑی تھی۔ ان کے حلقہ درس میں دیگر مشاہیر کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ کا اسم گرامی بھی آتا ہے۔ جو دبستان خیال مدینہ طیبہ میں سب سے زیادہ مقبول ہوا وہ مالکی تھا حضرت امام مالکؒ کے پیروکار مدینہ طیبہ کے فقہی افق پر تقریباً پانچ سو سال تک چھائے رہے۔ رفتہ رفتہ امام شافعیؒ کے مذہب کا احیاء مدینہ طیبہ میں ہو گیا اور کچھ دیر ان کا طوطی بولتا رہا۔ ۷۲۳ ہجری میں بغداد کے ایک حنفی عالم شمس الدین تحمیؒ نے مدینہ طیبہ میں قیام کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں حنفی دبستان فقہ مدینہ طیبہ میں چھا گیا جو چودھویں صدی ہجری کے اوائل تک رہا(۸۴) اس کے بعد اگرچہ غیر مقلدین سلفیوں کا عمل دخل رہا ہے مگر ان کا میلان طبع حنبلی فقہ کی طرف زیادہ مائل ہے۔ اس طرح مدینہ طیبہ میں تمام مذاہب اور دبستان ہائے فکر کی پذیرائی رہی ہے۔ مذاہب کی تقسیم ایک طرف مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مدینہ طیبہ ہر مکتب فکر کے لیے روشنی کا مینار ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ عالم اسلام کا روحانی دارالخلافہ ہے

بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (بقرہ ۲۱۶)

(۳۱) صحیح بخاری، نمبر ۴۴۳۰، صحیح مسلم، نمبر ۴۳۲۵ء ۴۳۲۷ و ترمذی نمبر ۱۵۸۳

(۳۲) القرآن الکریم (الانفال ۶۰)

(۳۳) بریگیڈیئر گلزار احمد، غزوات رسول اللہ ﷺ، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸، ص ۲۸

(۳۴) القرآن الکریم (آل عمران ۱۷۲) سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زبیر بن عوامؓ ان میں شامل تھے

(۳۵) ایضاً ۱۷۳

(۳۶) ایضاً (آل عمران ۱۳۹)

(۳۷) ایضاً (الانبیاء ۱۰۵ اور النور ۵۵)

(۳۸) احادیث مبارکہ کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے بنفس نفیس ۱۹ غزوات کی قیادت فرمائی اور دیگر سرایا میں اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سالار بنا کر بھیجا

(۳۹) صحیح بخاری، ج ۵ نمبر ۳۶۲

(۴۰) ہرقل کو بھیجے گئے مکتوب مبارک کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، ج ۹، باب ۴ (حدیث نمبر ۳۶۹ سے پہلے) اور خسرو پرویز کو ارسال کئے گئے مکتوب مبارک کے لیے دیکھئے صحیح بخاری، ج ۹ نمبر ۳۶۹ و صحیح مسلم ج نمبر ۸۱۱، ابن سعد نے ایسے بہت سے مکتوبات کے متن مہیا کیے ہیں جو مختلف شخصیتوں کو بھیجے گئے دیکھئے طبقات الکبریٰ، مصدر مذکور، ج ۱ صفحات ۲۵۸۔۲۹۰

(۴۱) حضرت ابوہریرہؓ، حضرت سلمان الفارسیؓ، حضرت زید بن حارثؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت عتبہ جہنیؓ کے اسمائے مبارک بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں حضرت ابوہریرہؓ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں کوفہ کے گورنر رہ چکے تھے اور بعد میں انہیں مدینہ طیبہ کے گورنر رہنے کا فخر بھی حاصل ہوا جب حضرت معاویہؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان نزاع چل رہا تھا حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر رہے حضرت انس ابن مالکؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں مدینہ طیبہ کے گورنر رہے

(۴۲) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مدینہ ایک بھٹی کی مانند ہے، یہ کھوٹ کو چھانٹ کے باہر نکال پھینکتا ہے اور صرف اسی کو مدور رکھتا ہے جو صحیح ہو اور پھر اس کو کندن بنا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۳، باب فضائل المدینہ، نمبر ۱۰۷

(۴۳) سید امیر علی کے الفاظ میں ''قیصر و کسریٰ کی افواج جنہوں نے عرب جمہوریت کی راہ روکنے کی کوشش کی مانند خس کے بادیہ نشینوں کے نوجوان بچوں کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں۔ (The Spirit of Islam)، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص ۲۰۴

(۴۴) القرآن الکریم (النور ۵۴)

(۴۵) القرآن الکریم (الانبیاء ۷۳)

(۴۶) مثال کے طور پر جب ایک مدنی یہودی اور یہودیہ آپ کے سامنے لائے گئے تو آں حضرت ﷺ نے ان کو تورات کے احکام کے مطابق سنگسار کرنے کا حکم صادر فرمایا

(۴۷) القرآن الکریم (آل عمران ۱۵۹)

(۴۸) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض جن سے وقتاً فوقتاً مشورہ کیا جاتا ان میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان ابن عفانؓ، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، حضرت سلمان الفارسیؓ حضرت حمزہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت بلال بن رباحؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ وغیرہ شامل تھے۔

(۴۹) مثلاً حضرت معاذ ابن جبلؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ۔

(۵۰) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۴۴۵، اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ نے بنفس نفیس نیزہ بازی میں حبشیوں کے ساتھ شرکت فرمائی تھی

(۵۱) محمد محمد حسین شراب، المدینۃ النبویۃ۔ فجر الاسلام والعصر الراشدی، دارالقلم، دمشق، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۴، ج ا، ص ۳۹۸

(۵۲) ہر قبیلے کے شعب سے ایک نقیب ہوتا تھا

(۵۳) سنن ابی داؤد ۴۳۴: ۲۰۳۳ حضرت جندبؓ کی روایت کے مطابق وہ انگوٹھی (ختم مبارک) جو ایک عرصے تک حضرت عثمانؓ کے پاس رہی تھی لیکن عمرو دو حضرت معیقیبؓ کی سپرداری میں دی تھی۔ ابن عبد ربہ نے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر وہ انگوٹھی حضرت حنظلہ بن ابی عامرؓ کی تحویل میں تھی ابن عبد ربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص ۷۶۹

(۵۴) حضور نبی اکرم ﷺ نے ان علاقوں کے لیے جو مفتوح یا باجگزار ہوتے تھے مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنا نمائندہ اور نائب بنا کر بھیجا مثلاً حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو خیبر کے لیے مندوب بنایا گیا سنن ابی داؤد ۲۲، ۳۴۰۱۶۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور ابن الجراحؓ کو نجران اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا گیا تھا

(۵۵) روایات میں آیا ہے کہ کل ۴۳ کاتبین تھے جن میں سے چند تو صرف وحی کی کتابت پر مامور تھے مثلاً حضرت زید ابن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ، جبکہ کچھ بادشاہوں کو مکتوبات مبارک لکھتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن ارقم الزہریؓ اور کچھ معیتوں کے معاہدے یا معاہدے لکھا کرتے تھے اور حضرت حنظلہ ابن ربیعؓ ان کاتبین کی مدد کرتے تھے جو کسی کام کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے باہر ہوتے محمد محمد حسین شراب، مصدر مذکور، صفحات ۳۰۹۔۳۱۰

(۵۶) سامی بن عبداللہ مغلوث، الاطلس التاریخی لسیرۃ الرسول، مکتبۃ العبیکان، ریاض، پہلا ایڈیشن ۲۰۰۱ء، صفحات ۲۰۸۔۲۰۹

(۵۷) صحیح بخاری، ج ۲ ص ۴۸

(۵۸) صحیح مسلم، ۲۰۔۴۴۹۱

(۵۹) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۶۸۷

(۶۰) ڈاکٹر محمد السید وکیل، مدینۃ المنورۃ عاصمۃ الاسلام الاولیٰ، جدہ، ۱۹۸۹ صفحات ۱۲۵۔۱۲۶

(۶۱) علامہ جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ خلفاء، دارالفکر، بیروت، ۱۹۷۴، ص ۱۳۰

(۶۲) ایضاً، ص ۴۸

(۶۳) ایضاً

(۶۴) حضرت عقیل بن ابی طالبؓ، حضرت مخرمہ بن نوفلؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ گھر گھر جا کر یہ معلومات جمع کریں محمد محمد حسن شراب، المدینۃ النبویۃ فجر الاسلام والعصر الراشدی، دارالقلم، دمشق، ۱۹۹۴، ص ۳۵۔

(۶۵) ڈاکٹر محمد بن عبداللہ الشیبانی، نظام الحکم والادارۃ فی الدولۃ الاسلامیۃ، ریاض، تیسرا ایڈیشن، ۹۹ صفحات ۲۸۔۲۹

(۶۶) صحیح مسلم، ۳۔۴۴۴۰

(۶۷) یہ نظام محاسبہ اتنی سختی سے نافذ کیا گیا تھا کہ سیدنا عمر فاروقؓ نے حضرت خالد ابن ولیدؓ جو رشتہ میں آپ کے ماموں بھی تھے اور اس وقت مسلم افواج کے سپہ سالار بھی تھے جو محاذ جنگ پر مشغول جہاد بھی تھے برطرف کر دیا اس وقت حضرت خالد بن ولید شہرت کی بام عروج پر تھے لیکن جب انہیں اپنے معزول کئے جانے کے احکام پہنچے تو انہوں نے فوراً احکام کی تعمیل کی اور واپس مدینہ طیبہ حاضر ہوگئے اور پھر اس کے بعد ایک عام سپاہی کی حیثیت سے دمشق کے محاذ پر لڑتے رہے۔ دوسری مثال حضرت ابوہریرہؓ کی ہے جنہیں بحرین کی گورنری سے برطرف کر دیا گیا اور عامۃ الناس کے سامنے مسجد نبوی کے کٹہرے میں ان کو سب الزامات کی صفائی پیش کرنی پڑی تھی۔

(۶۸) صحیح بخاری، ج ۵ نمبر ۵۰

(۶۹) ایضاً

(۷۰) ابن شبہ، تاریخ مدینہ، جلد ا، ص ۱۶۹ الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورۃ قدیماً وحدیثاً، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص ۲۰۲

(۷۱) صحیح بخاری، ج ۳ نمبر ۹۰

(۷۲) ابن عبد ربہ، احمد ابن محمد، کتاب العقد الفرید، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۳۵، ج ا، ص ۵۳۷
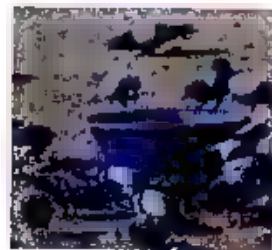
(۷۳) پروفیسر ڈاکٹر سعد ماہر محمد - آرٹیکل (The Kingdom of Saudi arabia. Center of Islamic Civilization) یہ مضمون Saudi Arabia and Its Place in the World میں شامل ہے جو جامعہ ملک عبدالعزیز، مکۃ المکرمہ نے ۱۹۷۹ء میں نشر کی تھی ص ۸۰

(۷۴) شیخ سعد، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، چھٹا ایڈیشن ۱۹۸۱ء ص ۲۸۰ (خطبہ نمبر ۵۷)

(۷۵) ایضاً، خطبہ نمبر ۵۷ ص ۲۹۳

(۷۶) ڈاکٹر احمد زیدان، خلفائے راشدین (The Rightly Guided Caliphs) ص ۳۲۹

(۷۷) محمد محمد حسن شراب، مصادر تاریخ المدینہ، مضمون جو دراسات حول المدینۃ المنورہ میں شائع ہوا جسے لٹریری کلب آف مدینہ منورہ نے شائع کیا (نمبر ۹۸)، ۱۹۹۴ء، ص ۳۳۹

(۷۸) H.A.R. Gibb, Islam: A Historical Survey (formerly titled Muhammedanism) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن ۱۹۷۸ء صفحات ۴-۵

(۷۹) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۸۳ نیز ابی الفرج عبدالرحمن ابن جوزی (ت ۵۹۷ ہجری) ، باب ذکر مدینہ نزول مدینۃ المنورہ ص ۴۳ بحوالہ کے ہر ایک شیخ القراء امام نافع کا نام ان سات فقہاء میں شامل ہے جن کی روایت اور فتاویٰ کو دوسری صدی کے وائل میں مدینہ طیبہ میں سلامتی فکر کی طرف پہلا سنگ میل سمجھا جاتا ہے

(۸۰) حضرت امام مالک کے حلقۂ درس سے بہت جید علماء پیدا کئے۔ آپ کے تلامذہ میں سے ایک ابن زبالہ بھی تھے جن کو دوسری صدی ہجری میں مدینہ طیبہ کے سب سے پہلے مورخ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ بدقسمتی سے ان کا شاہکار اب ناپید ہے۔ بعد میں آنے والے ہر مورخ کے لیے ماخذ و مرجع ابن زبالہ کی اخبار المدینہ ہی ہے۔ امام سمہودی نے اس قدیم ترین تاریخ مدینہ سے خوب خوشہ چینی کی ہے۔ وہ نسخہ جو امام سمہودی کے زیر استعمال رہا لگتا ہے کہ وہ اس آگ کی نذر ہو گیا تھا جو مسجد نبوی شریف میں ۸۸۸ ہجری میں بجلی گرنے کی وجہ سے لگ گئی تھی

(۸۱) الترمذی (رود ترجمہ بدیع الزماں) ناشر ضیاء احسان پبلشرز لاہور، ۱۹۸۸ء ج ۲ صفحات ۳۲۰-۳۲۲ یہ حدیث مبارکہ الحاکم کی مستدرک میں بھی موجود ہے

(۸۲) ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی، (Hadith Literature: Its Origin, Development, Special Features and Criticism) کلکتہ یونیورسٹی، انڈیا ۱۹۶۱ء صفحات ۴۲-۴۵

(۸۳) ایضاً ص ۵۰

(۸۴) شیخ جعفر بن اسماعیل سدی مرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین و الآخرین ص ۴۸

انقلاب مدینہ - اسلامی سماجی انقلاب

باب ۹

جب سرکار دو عالم ﷺ نے قباء میں اپنا قدم رنجہ فرمایا جو مدینہ طیبہ میں دخول کے لیے جنوبی طرف سے باب مدینہ کہلاتا ہے تو آپ حضور ﷺ نے نہایت ہی مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا جو کچھ جملوں پر مشتمل تھا اور صرف چند لمحوں پر محیط تھا رسول اللہ ﷺ نے اس جم غفیر کو جو آپ حضور ﷺ کا استقبال کرنے کے لیے امڈ آیا تھا ارشاد فرمایا

﴿ایھا الناس ! افشوا السلام، و صلوا الارحام، و اطعموا الطعام، و صلوا باللیل والناس نیام، تدخلوا الجنة بسلام ﴾ (۲)

(اے لوگو سلام کو عام کرو، صلہ رحمی کا خیال رکھو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، راتوں کو جاگ کر اس وقت عبادت کرو جب غافل لوگ سو رہے ہوتے ہیں اور جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔)

اس مختصر خطاب میں جس پر اختصار و ایجاز کی روح کو سوناز ہے آپ حضور ﷺ نے چار اعمال پر زور دیا جنہوں نے عرب و عجم کی کایا پلٹ دی

(۱) آپس میں ایک دوسرے پر سلام (سلامتی) کو عام کرو کیونکہ یہ نفرتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے

(۲) بھائی چارہ اور باہمی اخوت کو اپناؤ، صلہ رحمی کا خیال رکھو، کیونکہ یہ دشمنیوں اور عداوتوں کو ختم کرتے ہیں۔

(۳) بھوکوں کو کھانا کھلاؤ کیونکہ اس سے معاشرے میں بھوک اور افلاس کا خاتمہ ہوتا ہے۔

(۴) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قیام اللیل اور ذکر الٰہی کیا کرو کیونکہ یہ تقویٰ کی طرف لیکر جاتا ہے اور سب سے آخر میں فرمایا کہ اگر ایک معاشرے میں یہ خوبیاں آجائیں تو جنت صرف چار قدم پر رہ جاتی ہے

اس مختصر سے خطاب کے ساتھ حضور نبی کرم ﷺ نے مظلوم اور پسے ہوئے طبقے کی سماجی اور معاشی بہبود کے لیے بیڑہ اٹھایا گر جن اسے غور دیکھا جائے تو در حقیقت یہ اس انقلاب کی طرف جانے کا سب سے آسان اور مختصر ترین راستہ اور لائحہ عمل (Road Map) ہے جو فخر موجودات فخر نوع انسانی حضور نبی کرم ﷺ نے خاص طور پر اپنی امت کے لیے اور عام طور پر بنی نوع انسان کے پسے ہوئے طبقے کے لیے عطا کیا تھا آپ کی اس انقلابی دعوت پر مہاجرین اور انصار نے یک زبان لبیک کہا جس کے نتیجے میں بہت تھوڑے عرصے میں ایک ایسی تہذیب نے جنم لیا جو ظلم و ستم، استحصال، جہالت اور غربت سے پاک تھی اور جس نے دیکھتے ہی دیکھتے اس آفاقی قرآنی سماج کا روپ دھار لیا جو دنیا کے باقی معاشروں اور ادیان کے برعکس نہایت متوازن اور موزوں تھا اور جو افراط و تفریط سے یکسر پاک درمیانہ روی پر گامزن تھا قرآن کریم کے الفاظ میں ﴿اور بات یوں ہے کہ ہم نے تمہیں سب امتوں سے زیادہ درمیانہ رو بنا دیا تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہیں ﴾ (۳) یہ ایک ایسا معاشرہ تھا جس سے اس کے دشمن کانپ جاتے تھے مگر مؤمن آپس میں شیر و شکر ہو کر رہتے تھے (۴)

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہوتے ہی حضور نبی کرم ﷺ نے تین نہایت اہم اور عہد آفرین امور کی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول کر دی

(۱) مسجد نبوی کی تعمیر: پچھلے تیرہ سالوں کی جہد مسلسل اور کفار کی چیرہ دستیوں کے بعد اب وقت آن پہنچا تھا کہ مسلمان مکمل آزادی کے ساتھ اللہ کا گھر بنا کر اس کی عبادت کریں۔ روز اول سے ہی اللہ کے اس گھر کی تعمیر کا اولین مقصد تبلیغ اور ترویج اسلام تھا، مگر اس کے ساتھ ساتھ اسی اللہ کے اس گھر (مسجد) نے ایک ایسی مرکزی حیثیت حاصل کر لی تھی جس کے گرد مسلمانوں کے شب و روز گردش کرتے تھے اس نے ان کو ایک ایسا فورم اور پلیٹ فارم مہیا کر دیا جس نے مسلم امت میں دینی اور سیاسی شعور کو اجاگر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا اس نے سیاست اور دین کو اتنے گہرے رشتے میں پرو دیا کہ دونوں

نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک مثالی مسلم ریاست کے لیے مضبوط بنیادی ڈھانچہ (Infra Structure) فراہم کر دیا

(۲) بے گھر اور بے خانماں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات اور موالات کا ایک ایسا اٹوٹ رشتہ قائم کر دیا جس نے امت کے مختلف طبقوں کے درمیان منافرت اور عداوتوں کی تمام رکاوٹیں گرا کر رنگ و نسل سے پاک ایک امت واحدہ کی بنیاد رکھ دی

(۳) مدینہ طیبہ میں ساکن کثیر النسلی عناصر اور شعوب و قبائل (جن میں عرب اور غیر عرب، انصار اور یہود سب شامل تھے) کے درمیان میثاق مدینہ کا معاہدہ طے کیا جس پر ریاست مدینہ طیبہ کی بنیاد رکھ دی گئی۔

ان تین ستونوں پر اس عظیم معاشرے کی بنیاد رکھی گئی جس نے گمراہی میں گم انسانیت کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک مہذب ترین معاشرہ بنا دیا مکہ المکرمہ میں اگر چہ تنزیل قرآن کریم کا سلسلہ تیرہ سال سے جاری تھا لیکن قریش کی ہٹ دھرمی اور ان کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر تشدد اور تضحیک نے مسلمانوں کو ایک اقلیت سے آگے نہ بڑھنے دیا تھا یہ اقلیت بھی وہاں ہمیشہ مجبور و مقہور رہی تھی بہت سی ایسی مثالیں ہیں کہ اگر ایک خاوند نے اسلام قبول کر لیا تھا تو بیوی مشرک رہنے پر مصر تھی، اگر ایک بہن نے اسلام کی سچائی کو پا لیا تھا تو بھائی کسی قیمت پر بھی حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا، اور اگر ایک بیٹی مسلم تھی تو والدہ کا فر ہی رہنے پر تلا ہوا تھا اور اگر ایک باپ مسلمان ہو گیا تو بیٹا کفر کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا ہوا تھا۔ سوائے چند خاندانوں کے جو سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، دیگر تمام مسلمان، اپنے خاندانوں سے کٹے ہوئے تھے۔ اس طرح یہ اقلیت یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار ہو چکی تھی نمازیں بھی چھپ چھپا کر ادا کی جاتی تھیں۔ رہنڈی مسلمانوں کی قلیل جماعت کوہ صفاء کے دامن میں واقع دار ارقم میں چھپ کر جمع ہوتی اور نماز ادا کرتی اور اللہ کے پیارے نبی حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سنتی تھی۔

تاہم ہجرت مبارکہ نے مسلمانوں کے لیے نئے مواقع پیدا کر دیئے دین ان کے لیے اب صرف ایک ذاتی معاملہ ہی نہیں تھا بلکہ یہ ایک اجتماعی سوشل نظام بن چکا تھا جس نے کل کی اس مجبور و مقہور اقلیت کو آج کی صرف اکثریت ہی نہیں بلکہ آفاقیت سے ہمکنار کر دیا تھا نیز اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلوبہ آزادی فراہم کر دی تھی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ میں [اب کوئی ہجرت کی ضرورت نہیں رہی پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ حلقہ اسلام میں ایک لوگ اپنے دین کو لے کر اللہ اور رسول کے پاس پناہ لینی پڑتی تھی تا کہ دین اسلام کے اختیار کرنے سے اس پر مصیبتوں کے پہاڑ نہ ٹوٹ پڑیں، اب اللہ کریم نے اسلام کو فتح عطا کر دی ہے، اور ایک مومن جہاں چاہے، اپنے رب کی عبادت کر سکتا ہے](۵)

نماز پنجگانہ مسلمانوں کو ایک مسجد نبوی کے پلیٹ فارم پر جمع کر دیتی جو ایک ایسا مینارہ نور بن گیا تھا جس سے ان کے شب و روز منور ہو گئے تھے اور جہاں سے انہیں زندگی کے ہر شعبہ کے لیے رہنمائی مل جاتی تھی۔ مسجد نبوی کے علاوہ اور بھی مساجد تھیں جنہیں مساجد البیوت کہا جاتا تھا (۶) جن میں سے بہت سی تو انصار نے بنائی تھیں جو بیعت عقبہ اول اور بیعت عقبہ دوم میں شامل ہوئے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ [حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ مختلف علاقوں میں مساجد تعمیر کی جائیں (یعنی مختلف قبائلی آبادیوں میں) اور ان کو صاف ستھرا رکھا جائے اور وہاں خوشبو لگانے کا اہتمام کیا جائے](۷) اس طرح مساجد مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی زندگی کی اجتماعیت کی علامت بن گئیں

مستشرق مارماڈیوک کے الفاظ میں: "اس کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہونا ایک ایسے معاشرے کے دھارے میں شامل ہونے کے مترادف تھا جس نے اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے قوانین کی روشنی میں قبائلی وفاداریوں اور عصبیت کو خاک میں ملا دیا تھا، ایک مسلم کو دوسرے مسلم پر حملہ کرنے کی ممانعت تھی اور نہ ہی وہ اپنے کسی بھائی بند کی مدد کر سکتے تھے جو کسی مسلم کے قتل میں ملوث ہو۔" (۸) اس لحاظ سے یہ ایک منفرد معاشرہ تھا جس کا تمام تر منبع رشد و ہدایت اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کا عطا کردہ تھا۔ ہجرت مبارکہ کے دس سال بعد تک قرآن کریم

کی وحی کے نزول کا سلسلہ جاری رہا جس نے مسلم امت کے لیے ایک واضح، ٹھوس اور مضبوط سیاسی ہیکل کی بنیاد رکھ دی جہاں تک دین کے
بنیادی ستونوں کا تعلق ہے وہ تو مکہ میں ہی قرآن کریم نے استوار کر دیے تھے مگر ایک مفصل اور منفرد نظام حیات جو مسلمانوں کو دیگر ادیان کے
پیروکاروں سے ممتاز بناتا ہے اس کے متعلق احکام کی تنزیل مدینہ طیبہ میں مکمل ہوئی ایسا صرف مدینہ طیبہ میں ہی ہوا کہ تمام سماجی قوانین
نازل ہوئے جو اسلامی معاشرے کے لیے مکمل ضابطہ حیات بنے مہد سے لیکر لحد تک انسانی زندگی کے تمام معاملات عبادات، اخلاقیات
حلال و حرام، شادی بیاہ، طلاق، وراثت، تجارت اور لین دین، نظام عدل گستری، جنگ و امن کی حکمت عملی، ریاست کے سیاسی معاملات
الغرض زندگی کے ہر شعبہ پر محیط قوانین کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا اور وہیں پر اس کی تدوین اور تنفیذ بھی عمل میں آئی ابن اسحاق کے الفاظ میں
''جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں دائمی طور پر رہائش پذیر ہو گئے اور مہاجرین بھی سب آچکے اور انصار کے تمام معاملات طے پا گئے تو اسلام
صحیح معنوں میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا نماز قائم کر دی گئی، زکوٰۃ اور صیام لاگو کر دیے گئے، اور قانونی نظام سزا و جزا نافذ کر دیا گیا۔ علاوہ
حرام کی تمیز کر دی گئی جس سے اسلام نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا'' (۹) قرآن کریم کی آیت پر آیت کا نزول ہوا اور کبھی کبھی تو پوری کی
پوری سورتیں نازل ہوئیں جس سے اسلام کے فوجداری اور دیوانی معاملات کو حل کرنے کا لائحہ عمل طے کیا گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس
نماز فجر کے بعد مسجد نبوی میں حلقہ ہائے درس منعقد فرماتے اور اکثر ایسے حلقے نماز ظہر تک چلتے رہتے تھے۔ (۱۰)

ایک کلیسا یا یہودی عبادت گاہ کے برعکس جہاں صرف ہفتہ وار اجتماعات ہوتے ہیں مسجد ایک ایسا مقام تھا جہاں مسلمان دن میں پانچ
بار جمع ہوتے تھے لہذا مسجد نبوی شریف دن بھر مسلمانوں کی معمول کی عبادت اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے مختلف اشغال و افعال کا محور بنی
رہتی یہیں پر سیاسی اجتماعات ہوتے اور یہیں پر سماجی امور بھی طے پاتے۔ مسجد نے بدیہی طور پر ایک ادارے کی شکل اختیار کر لی تھی جو ان
اداروں میں سب سے زیادہ طاقتور ادارہ بن کر ابھری تھی جو معاملات حکومت چلانے کے لیے وضع کیے گئے تھے۔ اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں
ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ایک ایسا حلقہ بن چکا تھا جن کا محور قرآن کریم اور اس کی عملی تفسیر تھی جو حضور نبی اکرم ﷺ
کی ذات گرامی قدر کی شکل میں ان کے درمیان جلوہ فرما رہتی تھی۔ مسجد نبوی اور خاص طور پر اس میں واقع صفہ ایک ایسا مقام تھا جہاں ہر
وقت قرآن کریم کی تلاوت، تفسیر اور تفہیم شب و روز کا معمول بن گیا تھا مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے
گھروں میں یہ کام نہیں ہوتا تھا۔ (۱۱) جب کبھی رات کے گھپ اندھیرے میں حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں اس وقت مٹی کے
گھروندوں اور خیموں کے پاس سے گزر فرماتے تو آپ حضور ﷺ کی خوشی کی انتہا نہ رہتی جب ان مکانوں کے مکین مرد اور عورتیں تلاوت
ہوا کرتے تھے۔ یہی طرہ امتیاز ہے جس نے مدینۃ النبی کو صحیح معنوں میں مدینۃ القرآن بنا دیا تھا

قرآن کریم کے اس سحر انگیز انقلابی سوشل آرڈر کا الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ اس کا تو صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ قرآنی احکام
نے سب کو ایک رنگ میں رنگ دیا تھا جو اللہ رب العزت جل جلالہ کا رنگ تھا ﴿ہم نے اللہ تعالیٰ ہی کا رنگ اپنایا ہے اور ہے اللہ سے بہتر کس
کا رنگ؟﴾ (۱۲) اس یک رنگی نے ہر ایک کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیا تھا جو اسلام تھا اور جو دنیا کے ہر سماجی اور دینی رنگ سے منفرد ہے
حکم الٰہی کہ ﴿دین میں داخل ہو تو پورے کے پورے داخل ہو جاؤ﴾ پر من و عن عمل کیا گیا یوں تھوڑے ہی عرصے میں تمام سماجی برائیاں ایک
ایک کر کے رخصت ہوتی چلی گئیں جیسے کسی جادو کی چھڑی کا کمال ہو! قمار بازی اور شراب نوشی جس نے معاشرے کو جڑوں تک خراب کر دیا تھا
نہایت حکمت سے دھیرے دھیرے دور کر دی گئیں اور پھر جب ممانعت اور حرمت شراب کا آخری حکم نازل ہوا تو شمع رسالت کے پروانوں
نے اس امتناعی حکم پر ایسا عمل کیا کہ جن کے پیٹ میں اس وقت شراب تھی انہوں نے بھی قے کر دی اور جن کے ہاتھوں میں جام تھے انہوں
نے فوراً انڈیل دیے (۱۳) شراب کے مٹکے پھوڑ دیے گئے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں شراب بہہ نکلی تھی۔ اسلامی قوانین حدود کے

نفاذ سے صدیوں پرانے جرائم پیشہ موت آپ مر گئے انسانی زندگی، جائیداد اور نجی حق خلوت (Privacy) کو تحفظ فراہم ہو گیا کہ ان کی
خلاف ورزی قوانین حدود کے تحت سزا وار ٹھہرائی گئی قصاص اور دیت اور حدود فوجداری جرائم کے لیے قوانین اسلامی نظام عدل کی اساس
ٹھہرے جو بے نظیر رنگ و نسل سب پر یکساں لاگو تھے دیوانی معاملات میں بھی یہی نظام عدل رائج ہوا حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ
میں تو حضور پر نور ﷺ بنفس نفیس مقنن اور منفذ قانون تھے مگر خلفائے راشدین کے دور خلافت میں تمام بڑے شہروں میں عدالتیں بنائی گئیں
مدینہ طیبہ میں اگرچہ آغاز ہی سے امیر المومنین کا دروازہ ہمیشہ کھلا تھا مگر عدلیہ کو آزاد بنانے کے لیے وہاں بھی علیحدہ عدالت قائم کر دی
گئی تھی جو سماجی قوانین کے نفاذ میں مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ادارہ تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ پہلے
قاضی مقرر ہوئے اور جب وہ خود خلیفۃ المسلمین بنے تو آپ فوراً اس عہدے سے الگ ہو گئے اور حضرت زید بن ثابتؓ کو اس عہدے پر
تعینات کر دیا۔ عدلیہ اس حد تک آزاد تھی کہ وہ کسی بھی ملزم کو عدالت میں طلب کرنے کا حق تھا خواہ وہ امیر المومنین ہی کیوں نہ ہو تمام فیصلے
میرٹ پر قرآن و سنت کی روشنی میں ہوا کرتے تھے۔ (۱۴)

قرآنی احکام کو من و عن نافذ کیا گیا تھا اور اس کے نفاذ میں کسی قسم کی رعایت نہیں برتی گئی اور نہ ہی کسی جانبداری کا مظاہرہ ہوا ہر لحاظ
سے پرکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کردار اس قرآنی آیت کریمہ کے عین مطابق تھا ﴿اے ایمان والو
انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہی دیتے چاہے خواہ اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا جس پر گواہی دو وہ
غنی ہو یا فقیر ہو بہرحال اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑ جاؤ اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ
پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے﴾ (۱۵) ہر شہری جب چاہتا قاضی کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا تھا اور اپنے اوپر کی گئی زیادتی یا ظلم کے خلاف
استغاثہ دائر کر سکتا تھا ساتھ ہی ساتھ زکوٰۃ کے لاگو کرنے سے اور سود کو ختم کرنے سے ایک ایسا معاشی نظام قائم ہو گیا جس نے معاشرے کے
ہر طبقے کے شہریوں کی عدل اجتماعی کے تحت ہر جائز ضرورت کو پورا کر دیا۔

قرآن کریم کے احکامات پر مبنی اسلامی سماجی نظام کے ستون استوار کرتے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت مطہرہ سے صحابہ کرام
رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے ایسا کامل اسوہ حیات پیش فرمایا کہ جس نے ان کو نہ صرف دینی لحاظ سے بلکہ دنیاوی نقطہ نظر سے ایک ایسی
جماعت میں ڈھال دیا جو دنیاوی نگاہ سے ایک مکمل اور ترقی پذیر معاشرے کی عکاسی کرتی تھی دینی اور روحانی ریاضتوں کے ساتھ ساتھ
جسمانی ورزشی مشقوں کو بھی بہت اہمیت دی گئی تا کہ ایک صحت مند معاشرہ قائم ہو سکے نبی اکرم ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
کی صحت کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور مختلف قسم کی سماجی کارروائیوں کی حوصلہ افزائی فرماتے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے [اللہ
کے رسول ﷺ نے ایک گھڑ دوڑ کے مقابلے کا حکم دیا سدھائے ہوئے گھوڑوں کے لیے مقابلے کی دوڑ الحفیاء سے لے کر ثنیات الوداع تک
ہونا قرار پائی جب کہ ایسے گھوڑوں کے لیے جن کو ابھی تک سدھایا نہیں گیا تھا دوڑ کا میدان ثنیات الوداع سے لیکر مسجد بنی زریق تک قرار پایا
اس حدیث مبارکہ کے دوسرے راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اس گھڑ دوڑ میں شریک ہوئے تھے۔] (۱۶) حضرت عبداللہ
ابن عمرؓ ہی کی روایت کردہ ایک اور حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس ان گھوڑوں کو سدھایا تھا جو اس دوڑ میں
شریک ہوئے تھے۔ (۱۷) اسی طرح خواہش مند لشکریوں کو پیدل چلنے اور گھڑ دوڑ کی تربیت دی جاتی تھی

رسول اللہ ﷺ بطور خاص تیر اندازی کی مشق کی ترغیب فرماتے بلکہ جب کبھی آپ حضور ﷺ کے علم میں آجاتا کہ فلاں یا فلاں نے تیر
اندازی میں مہارت حاصل کرنا ترک کر دی ہے تو آپ اس کی سرزنش فرماتے۔ حضرت سلمہؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ
کا گزر بنی اسلم کے ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے آپ نے فرمایا اے اولاد اسماعیل اچھی طرح تیر پھینکو

کیونکہ تمہارے جد امجد (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام) بہت اچھے تیر انداز تھے۔ آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بنی فلاں اور فلاں کی طرف ہوں (جس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت دو ٹیمیں مشق میں مشغول تھیں) یہ سن کر دوسری ٹیم نے تیر اندازی بند کر دی جس پر آپ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا کہ ان کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا "حضور ہم بھلا کیسے اس ٹیم پر تیر پھینک سکتے ہیں جس میں آپ بنفس نفیس شرکت فرما رہے ہوں" حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا "تیر پھینکو کیونکہ میں سب کے ساتھ ہوں۔" (۱۸) ایک اسی طرح کی دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت انس بن ثمامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس نے تیر اندازی سیکھ کر ترک کر دی وہ ہم میں سے نہیں ہے، یا یہ فرمایا کہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کی حکم عدولی کا ارتکاب کیا ہے" (۱۹)

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان کیا ہے "میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ رب ذوالجلال ایک تیر کی خاطر تین آدمیوں کو جنت میں داخل کر دے گا ایک وہ جس نے تیر بنایا اور اس کے بنانے میں اس کی نیک نیت شامل تھی، اور دوسرا وہ جس نے اس تیر کو چلایا اور تیسرا وہ جو اس تیر کو پکڑ کر تیر انداز کو چلانے کے لیے دیتا ہے لہذا خوب تیر چلاؤ اور گھڑ دوڑ کیا کرو، مگر تمہارا تیر چلانا مجھے گھوڑے دوڑانے سے زیادہ مرغوب ہے" (۲۰) اسی طرح ایک اور موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے عسکری فلسفہ جنگ کو تفصیل سے بیان فرمایا جب کہ آپ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "اپنے دشمن سے ٹکر لینے کے لیے ہر وقت پوری قوت کے ساتھ (جتنی بھی تم سے بن پڑے) تیار رہو یاد رکھو قوت تیر اندازی میں ہی ہے، یاد رکھو قوت تیر اندازی میں ہی ہے، یاد رکھو قوت تیر اندازی میں ہی ہے" (۲۱) اسی طرح ایک اور موقع پر مسلم مجاہدین پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "زمین اور ممالک تم پر کھول دئے جائیں گے اور اللہ تمہیں تمہارے دشمنوں پر غالب کر دے گا مگر تم میں سے کسی کو کسی بھی صورت میں اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنا ترک نہیں کرنا چاہیے" (۲۲)

بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حبشی تیر انداز تفریح کی غرض سے نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے (۲۳) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ہر قسم کے جارحانہ مشغلوں کی اجازت مرحمت فرمائی تھی تاکہ مسلمانوں کی بدنی اور ذہنی نشوونما ہو سکے۔

مسلمان صرف جہادی لشکری ہی نہیں تھے بلکہ ان میں تاجر بھی تھے اور کاروباری حضرات بھی اور مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے کاریگر اور ماہرین بھی، ان میں کسانوں سے لیکر دفاعی منصوبہ بندی کرنے والے قابل ترین سبھی افراد شامل تھے۔ مدنی مسلم معاشرے میں امیر و غریب سب شیر و شکر ہو کر رہتے تھے قانون کی نظر میں سب برابر تھے کسی کو کسی پر برتری حاصل نہ تھی ہاں البتہ زیادہ عزت، اور احترام اس کو حاصل تھا جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں سب سے آگے ہوتا انسانی برابری قرآن کریم کے اس سماوی حکم کے تحت تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں شعوب و قبائل میں اس لیے تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سے عزت دار وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوگا﴾ (۲۴) سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنے مصر کے والی مالک اشترؓ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا "ہماری افواج میں اللہ کے سپاہی ہیں اس کے علاوہ ہمارے سول ملازمین ہیں اور ان کے ادارے ہیں ہمارے پاس عدلیہ بھی ہے، اور محاصل جمع کرنے والے کارندے بھی اور اس کے علاوہ تعلقات عامہ استوار کرنے والے عمال بھی ہیں۔ جہاں تک عامۃ الناس کا تعلق ہے وہ مسلم اور ذمیوں پر مشتمل ہے جن میں سوداگر اور کاریگر بھی ہیں اور بیروزگار اور غرباء بھی ہیں ان سب لوگوں کے ہمارے اوپر حقوق اور ذمہ داریاں ہیں جن کا تعین اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود ہے" (۲۵)

حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ نے اپنی تقریر میں جو انہوں نے نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں کی تھی زمانہ قبل از اسلام کے عربوں کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا تھا

اے بادشاہ ہم غلام بت پرست لوگ تھے جن کے ہاتھ ہر قسم کے جرائم سے رنگے ہوئے تھے، ہم میں صلہ رحمی نام کی

کوئی چیز نہیں تھی اور نہ ہی ہمیں اپنے ہمسائیوں کے حقوق کا احساس تھا ہم میں سے جو بھی طاقتور ہوتا کمزور کو ہڑپ کر لیتا تھا پھر خدا کریم نے ہمیں میں سے اپنا رسول مبعوث فرمایا جن کی صداقت اور صاف گوئی، عدل گستری، وفاداری اور امانت پر ہمارا سب کا اتفاق ہے آپ نے ہمیں دین برحق کی طرف بلایا اور اللہ سے متعارف کرایا اور ہمیں رب واحد کی پرستش کرنے کی تعلیم دی اور ان جھوٹے خداؤں یعنی بتوں سے منہ موڑنے کی ترغیب دی جن کی ہمارے آباؤ اجداد اور ہم پوجا کیا کرتے تھے آپ نے ہمیں سچائی اور وفاداری کی ترغیب دی، ہمیں اپنے بھائی بندوں اور ہمسائیوں کا خیال رکھنے کی تعلیم دی اور ہمیں حرام کاموں سے منع کیا، ناحق خون بہانے سے منع کیا گیا ہے، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے سے اور پاکباز عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا ہے، آپ نے ہمیں رب واحد کی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانے سے منع فرمایا ہے آپ نے ہمیں نماز قائم کرنے اور روزے رکھنے کی تعلیم بھی دی۔ ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں، اور انہی کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی لیے ہمارے لوگ ہم پر تشدد کرنے پر تل گئے ہیں۔ (۲۶)

اسلامی انقلاب کی کامیابی پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور اسلامی مورخ سید امیر علی رقمطراز ہیں

"مدنی زندگی کے دس سالوں میں جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اسلامی ریاست کے سربراہ رہے عربوں کے کردار میں بہت تبدیلی دیکھنے میں آئی مختلف قبائل اور شہروں میں اپنے نمائندے بھیجنے سے جن کو داخلی اور قبائلی قضیئے حل کرنے کا مکمل اختیار تھا قدیم فرسودہ نظام یکسر ختم کر دیا گیا تھا ساتھ ہی ساتھ تجارت اور کاروبار کو بھی فروغ دیا گیا، رہنے سہنے اور خاص طور پر عورتوں میں لباس پہننے تک کا انداز بدل گیا ایام جاہلیت کی بے لگام آزادی ترک کر دی گئی اور آداب و اخلاق سدھر گئے اور کفایت شعاری کو اپنایا گیا قمار بازی اور شراب نوشی کو حرام قرار دے دیا گیا اس سے پہلے گھروں میں ذاتی خلوت (Privacy) نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور اس کے بعد مستورات کے لیے گھروں میں الگ کمرے تعمیر کرنے کا رواج عام ہو گیا" (۲۷)

ہم اس باب کو اس مصری کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں جس کو مصری افواج نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے خلاف جاسوسی کے لیے بھیجا تھا جب آپ نے مصر فتح کرنے کی غرض سے ان پر یورش کی تھی جس سے اس عظیم اسلامی سماج کی ایک جھلک نظر آ جاتی ہے جو انقلاب مدینہ کی بدولت معرض وجود میں آیا تھا

میں ایسے لوگوں کو دیکھ کر آ رہا ہوں جن میں سے ہر ایک زندگی کی نسبت موت سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ وہ سب منکسر المزاج ہیں اور تکبر نامی چیز ان میں ہرگز موجود نہیں کسی کو دنیاوی لالچ نہیں۔ ان کے رہن سہن کے طریقے بہت سادہ ہیں۔ ان کا سپہ سالار ان کے عام سپاہی جیسا اور برابر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان میں اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی تمیز نہیں اور نہ ہی ان میں آقا اور غلام میں کوئی تفریق نظر آتی ہے جب نماز کا وقت آ پہنچتا ہے تو کوئی بھی پیچھے نہیں رہتا

حواشی

(۱) Edward Mortimer (Faith and Power)، صفحات ۳۹-۴۰ (تو ہین کے درمیان رضا نے مقام رسالت مآب ﷺ کے احترام میں کہے گئے ہیں کیونکہ ایک غیر مسلم مستشرق سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔)

(۲) یہ ترمذی کی ایک حسن حدیث مبارکہ ہے (نمبر ۳۳۸۵) اور سنن الدارمی نے ۲-۲۷۵ پر نقل کیا ہے منقول از ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری) الوفا باحوال المصطفیٰ، بیروت، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۸، ص ۲۵۴

(۳) القرآن الکریم، البقرہ، ۱۴۳

(۴) القرآن الکریم، الفتح-۲۹

(۵) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۴۰

(۶) ابراہیم بن علی العیاشی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص ۳۰۵ انہوں نے یہ حدیث مبارکہ نقل کی ہے کہ حضرت محمد بن عمرؓ نے روایت کی کہ [مدینہ طیبہ میں اس وقت نو مساجد بھی ہوا کرتی تھیں جن میں مسجد نبوی شریف کی اذان سنائی دیتی تھی۔ ان کے قریب بسنے والے لوگ انہی مساجد میں نمازیں ادا کر لیتے تھے اور مسجد نبوی شریف میں واجب نمازوں کے لیے نہ آتے سوائے نماز جمعہ کے جس کے لیے تمام لوگ مسجد نبوی میں آ جاتے تھے] ابو یاسین خیاری کے مطابق وہ نو مساجد کچھ اس طرح تھیں: مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی راتج (جو بنو عبدالاشہل سے تھے)، مسجد بنی زریق، مسجد بنی غفار، مسجد بنی اسلم اور مسجد بنی جہینہ۔ (تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص ۹۵)

(۷) سنن ابی داؤد، ۲-۴۴۵

(۸) Edward Mortimer، مصدر مذکور، ص ۳۴

(۹) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ ﷺ (انگریزی ترجمہ الفریڈ گیوم) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۸، ص ۲۳۵

(۱۰) قرآن کریم (الجمعہ ۲) نے کیا ہی خوبصورت الفاظ میں اس بات کو ادا کیا ہے: ﴿وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے﴾

(۱۱) ایسی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی حضور نبی کریم ﷺ کسی گھر کے پاس سے گزر فرماتے جہاں قرآن کریم کی تلاوت جاری ہوتی تو آپ حضرت ﷺ بہت خوش ہوتے۔ محدثین نے ایک ایسا واقعہ خاص طور پر بیان کیا ہے جب آپ حضور ﷺ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کے گھر کے پاس سے تشریف لے جا رہے تھے اور ان کے سریلے لحن میں قرآن پاک کی تلاوت سن کر آپ حضور ﷺ بہت محظوظ ہوئے

(۱۲) القرآن الکریم (بقرہ ۱۲۸)

(۱۳) یہ کنواں پچھلے سال تک (۲۰۰۱ء) عوالی میں مسجد فضیخ کے صحن میں موجود تھا مگر چونکہ اب مسجد مسمار کر دی گئی ہے ساتھ ہی وہ کنواں بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے

(۱۴) حضرت عمر فاروقؓ کی عدل گستری بے مثال تھی، یہاں تک کہ جب ان کو اپنے ایک بیٹے (عبدالرحمن الاوسط جن کو ابو شحمہ کہا جاتا تھا) پر شراب نوشی اور زنا کا جرم ثابت ہو گیا تو اس پر بھی ایک عام شہری کی طرح نظام حدود نافذ کیا گیا اور ان پر کوڑے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ہاتھوں سے لگائے۔ کوڑوں کی سزا سے ان کا انتقال ہو گیا۔ مرتے وقت ابو شحمہ نے کہتے ہوئے کہا: ابو جان آپ نے مجھے مار دیا! جس پر حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ کے ہاں حاضر ہو تو یہ ضرور کہہ دینا کہ ہم اس کے عائد کردہ حدود و قوانین کی پوری طرح تعمیل بجا لاتے ہیں۔ (ابن شبہ، تاریخ المدینہ، ج ۳، ص ۸۴۲)

(۱۵) القرآن الکریم (النساء ۱۳۵)

(۱۶) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۲۰۴ نیز الموطا، ج ۱، نمبر ۲۰

(۱۷) سنن ابی داؤد، ۳۲، ۴-۲۵

(۱۸) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۳۸ اور ۱۰۱

(۱۹) صحیح مسلم، ۲۰-۴۷۱۴

(۲۰) سنن ابی داؤد، ۱۴-۲۵۰۷

(۲۱) ایضاً ۲۰-۴۷۱۱

(۲۲) ایضاً ۲۰-۴۷۱۲

(۲۳) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۷۰

(۲۴) القرآن الکریم (الحجرات: ۱۳)

(۲۵) رشید ترابی (A Great Historic Document) عربی سے ترجمہ شدہ، دوسرا ایڈیشن، ص ۷

(۲۶) حضرت عروہ ابن زبیرؓ، مغازی رسول اللہ، تحقیق و تدقیق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی، اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن علوی، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچر، لاہور، ۱۹۹۰، ص ۱۱۳

(۲۷) سید امیر علی، (A Short History of the Saracens - McMillan & Co London 1955)، ص ۹

طلوع اسلام اور اس کی حیرت انگیز عالمگیر ترقی اور اس کا جزیرہ نمائے عرب اور اس کے گردونواح کی تمام عالمی قوتوں کو برق رفتاری کے ساتھ سرنگوں کر کے ہفت کشور پر حکومت قائم کر لینا ایک ایسا امر ہے جس کا ہر دور کے حکماء مفکرین اور تھنک ٹینک تجزیہ کرتے آئے ہیں۔ اس موضوع پر بحث و تحصیص کے لیے ہر طبقہ فکر نے حسب مقدور بہت اوسع کمندیں ڈالی ہیں سیرت نگاروں سے لیکر فوجی جرنیلوں تک اور عاشقان حبیب رب ذوالجلال ﷺ سے لیکر معاندین مستشرقین تک نے اس حیران کن مظہر پر قلم اٹھائی ہے۔ سیرت رسول اللہ ﷺ کی طرح غزوات رسول اللہ ﷺ جن میں آں حضرت ﷺ نے بنفس نفیس مسلم افواج کی کمان فرمائی تھی ایک ایسا وسیع اور عمیق موضوع ہے جس کے کماحقہ مطالعہ کے لیے کئی جلدیں درکار ہیں اور اس لیے ہماری اس چھوٹی سی کتاب کا جس کا نفس مضمون صرف تاریخ مدینہ طیبہ تک محدود ہے حصہ نہیں بنایا جا سکتا تاہم چونکہ مدینہ طیبہ میں بعض غزوات برپا ہوئے تھے ہم صرف ان غزوات پر قلم اٹھائیں گے جن میں میدان کارزار (Theatre of Operations) مدینہ طیبہ ہی میں بنا تھا اور مسلم فوج کی کمان خود رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں تھی

قارئین کی سہولت کے لیے ہم ان حالات و واقعات کا سرسری سا خلاصہ پیش کرنا چاہیں گے جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے مولد مکۃ المکرمہ کو خیر باد کہنا پڑا کیونکہ کفار مکہ نے حضور والا شان ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے پیروکاروں کے لیے دیگر تمام راستے بند کر دیے تھے جب سے حضور سرور دو عالم ﷺ نے نزول وحی کے بعد اعلان نبوت فرمایا تھا اسی وقت سے آں حضرت ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا ان کو پہلے تو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا مگر جوں جوں ان کی ثابت قدمی کفار کے دل پر نقش ہوتی گئی انہوں نے ان مٹھی بھر مظلوموں پر ظلم و ستم، سماجی بائیکاٹ، اور ایسا تشدد کرنا شروع کر دیا جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کتنے ایسے واقعات ہیں جن میں شیدایان شہ مکی مدنی ﷺ کے گلوں میں رسیاں ڈال کر ان کو مکہ کی تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر گھسیٹا گیا۔ ظلم و تشدد کا یہ لامتناہی سلسلہ تقریباً تیرہ سال تک جاری رہا اور اس تمام عرصے میں مسلمانوں نے اس بدترین سلوک کو جتنے صبر و تحمل سے برداشت کیا کہ جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی لیکن اس تمام ظلم و تشدد، اہانت اور سماجی بائیکاٹوں کے باوجود نہ ہی رسول اللہ ﷺ اور نہ ہی آپ کے کسی اصحابی کے پائے ثبات میں لغزش آئی اور نہ ہی ان میں سے کسی مسلم نے جب تک مکۃ المکرمہ میں رہے آپ کے احکام کا اتباع کرتے ہوئے کبھی کسی سے جھگڑا کیا ورنہ ہی ہتھیار اٹھائے مگر جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو میر کارواں نوع انسانی ﷺ نے اپنے چند اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرما دی قریش نے پہلے تو ان کا راستہ روکنے کی پوری کوشش کی مگر جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر دور جا چکے ہیں تو انہوں نے ان کا نجاشی کے دربار تک پیچھا کیا اور اس پر بھرپور زور ڈالا کہ وہ ان مہاجرین کو کسی قسم کی پناہ نہ دے اور ان کو واپس مکہ بھیج دے، مگر اس میں ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ (۲) اس کے بعد ہجرت ثانی کا حکم ہوا جو ایک ایسے دیس کی طرف تھی جس کی زمین میں کنوؤں سے آبیاری کی جاتی تھی، یعنی ارض یثرب یہ حکم نبی اکرم ﷺ کو رویائے صادقہ کے ذریعے ہوا۔ (۳) اس کے بعد یکے بعد دیگرے مسلمان چوری چھپے مدینہ طیبہ کا رخ کرنے لگے۔ صرف سیدنا عمر فاروق ؓ ہی ایک ایسے اصحابی تھے جو دن دہاڑے خانہ کعبہ کا طواف کر کے اور کھلے بندوں نعرہ زن ہو کر کے مکہ مکرمہ سے سب کے سامنے علی الاعلان مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تھے

یہ قافلہ سالار اسلام اور میر امم جناب رسول مقبول ﷺ کے بطور قائد اعلیٰ کے عزم و ہمت کی انتہاء تھی کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کی ذات گرامی بذات خود کفار کا پہلا ہدف تھی آں حضرت ﷺ نے اپنے تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پہلے مکہ سے چلے جانے دیا اور خود تن تنہا صرف دو ساتھیوں کی ہمراہی میں پیچھے ٹھہرے رہے یہ دو ساتھی سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اور شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ ؓ تھے۔ ایک رات جب دشمن نے آپ کی رہائش گاہ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لیا ہوا تھا اور مختلف قبائل کے سردار اپنی خون آشام تلواریں سونت کر کھڑے تھے تو نبی مکی مدنی اور سید معرب والعجم ﷺ نے تعمیل حکم الٰہی میں اپنے پرخطر سفر کا آغاز کیا اپنے پیچھے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر میں چھوڑا

تاکہ وہ امانتیں جو مکہ کے جانی دشمنوں نے آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں ان کو واپس لوٹا سکیں یہ قیادت، حوصلے اور شجاعت کی معراج تھی کہ جب کفار مکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے گھر کو چاروں طرف سے نرغے میں لیے ہوئے تھے رحمت دو عالم ﷺ سیف مسلول کی طرح ان کے محاصرے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے باہر نکلے۔ پوری انسانی تاریخ ایسے عزم و ہمت کی اور کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے

گلی صبح ہوتے ہی دشمنوں کو حقیقت حال معلوم ہوئی لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی اس لیے کہ ان کا ہدف ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا قرآن کریم کے الفاظ میں ﴿اور اے محبوب یاد کرو کہ کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں، اور اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے﴾ (۴) انجیل کی ایک پیشین گوئی کے مطابق اس سفر ہجرت کا ذکر کچھ اس طرح ہے (The burden upon Arabia) ''عرب کے جنگلوں میں تم ٹھہرو گے۔ اے ددانیم کے مسافر قافلو، تیما کی سرزمین کے باسی آپ کے پیاسے کے لیے پانی لیکر آئے جبکہ آپ پیاسے تھے انہوں نے ان کا راستہ روکا جو اپنے گھر سے نکل پڑے تھے، وہ جو سونتی ہوئی تلواروں اور کھنچے ہوئے تیروں کے درمیان سے ہو کر اپنے گھر سے نکل پڑے تھے اور وہ جو جنگ کے غموں سے نکل پڑے تھے'' (۵) حجاز کے لق و دق صحراؤں میں راہ سے بے خوف سنگلاخوں سے گزرتے ہوئے دو جگری یاروں کا مختصر سا قافلہ ۱۲ ربیع الاول یکم ہجری کو باب المدینہ قباء شریف پہنچ گیا خوش رہو اے اہل مدینہ تم نے رسول اللہ ﷺ اور ان کے مہاجر ساتھیوں کی اس وقت مدد کی جب کہ ان کے اپنے خونی رشتہ داروں نے ان پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا تھا۔ واقعی تم اس بات ہی کے باوقار خطاب اور انعام و اکرام کے حقدار تھے جو رب العزت جل جلالہ کی طرف سے تم کو عطا ہوا۔ (۶) ﴿اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ٹھہرے﴾ (۷)

اس طرح مکہ مکرمہ میں تقریباً تیرہ سال کفار کی چیرہ دستیاں سہہ کر آں حضرت رسول مقبول ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور تہی دست مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ مہاجرین کے پیچھے ان سب کی جائیدادیں اور گھر بار سب کچھ دشمنوں نے اپنے قبضے میں لے لیا بر سبیل مثال ابوسفیان نے ہو تحش کی تمام جائیداد ہتھیا لی تھی۔ اسی پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ ایسے لگتا تھا کہ کفار نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ آپ حضور ﷺ خواہ جہاں کہیں بھی جائیں گے آپ کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا جائے گا حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک ؓ سے مروی حدیث مبارکہ کے مطابق مشرکین نے ابن ابی کو جو مدینہ طیبہ کا بادشاہ بننے کا خواب دیکھ رہا تھا (۸) ایک خط ان سخت الفاظ میں لکھا ''تم نے ہمارے بھگوڑے ساتھیوں کو پناہ دے دی ہے۔ ہم اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تمہیں یا تو ان سے جنگ کرنی ہو گی یا ان کو نکال باہر پھینکنا ہو گا ورنہ ہم پوری قوت سے تم پر حملہ آور ہوں گے اور پھر ہم تمہارے جنگجوؤں کو مار دیں گے اور تمہاری عورتوں کے ساتھ جو چاہیں گے سلوک کریں گے'' (۹)

ابوداؤد کی اس حدیث مبارکہ کے مطابق یہ دھمکی صرف جنگ بدر سے پہلے ہی نہیں دی گئی تھی بلکہ بدر میں شکست کھانے کے بعد بھی ان کفار نے اور زیادہ سخت الفاظ میں ایک اور خط یہود بے بہبود کو رسال کیا تھا جس میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے سے باز رہنے کا کہا گیا تھا اس دوسرے خط کا متن کچھ یوں تھا ''تم ہتھیاروں اور قلعوں والے لوگ ہو تمہیں تو ہمارے ساتھی سے جنگ کرنی چاہیے ورنہ ہم جس طرح مناسب سمجھیں گے تم سے سلوک کریں گے اور پھر ہمارے ہاتھوں، اور تمہاری عورتوں کے تخنوں کے درمیان کوئی بھی چیز حائل نہیں رہے گی'' (۱۰) یہ اعلانیہ جنگ کا کھلم کھلا چیلنج تھا جسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قبول فرما لیا یوں تو ہجرت سے تھوڑی دیر پہلے ہی جہاد کی اجازت دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بندھے ہاتھوں کو کھول دیا تھا ﴿وہ جو اپنے گھروں سے ناحق

نکالے گئے صرف اتنی سی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ آدمیوں میں سے ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھا دی جاتیں خانقاہیں اور گرجا گھر اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا بیشک ضرور اللہ قوت والا غالب ہے ﴾(۱۱)

اس سے بھی بہت پہلے جب بیعت عقبہ ثانی ہو رہی تھی تو حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ (رسول مقبول ﷺ کے چچا) نے تقریر کرکے مدینہ طیبہ کے اس وفد پر واضح کر دیا تھا کہ کفار آپ حضور ﷺ کا ہر جگہ پیچھا کریں گے۔ اسی طرح میثاق مدینہ کی بعض شقوں سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کرم ﷺ کفار کے خطرے سے پوری طرح آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ وہ لوگ مدینہ طیبہ پر بہر حالت میں حملہ کریں گے۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت نے اپنے دادا (یعنی حضرت صامتؓ) سے روایت کی ہے جو بیعت عقبہ اولیٰ کے وقت میں شامل تھے۔ "ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ہر حالت میں ساتھ رہنے کا اور مکمل اتباع کرنے کا حلف لیا تھا خواہ خوشی ہو یا غم، تنگی ہو یا راحت، ہو یا تنگی اور مشکل حالات ہم نے یہ بھی حلف لیا تھا کہ ہم کبھی ایک دوسرے سے زیادتی نہیں کریں گے اور ہمیشہ سچ بولیں گے اور یہ کہ اللہ کے حکم بجا لانے میں ہم کسی کی پرواہ نہیں کریں گے۔" حضرت عبادہؓ ان بارہ نقیبوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعت عقبہ اول پر حلف اٹھایا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دفاعی تیاریاں جاری تھیں تاکہ ظلم و بربریت کا مقابلہ کیا جا سکے

درحقیقت ہجرت مبارکہ بذات خود ایک غیر مسلح اور خاموش جہاد تھا جو ظلم و بربریت کے خلاف عملی طور پر شروع کر دیا گیا اور اسے اسی طویل المدت حکمت عملی کا حصہ سمجھنا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ نے اللہ جل جلالہ کے احکام کی تعمیل سے اپنائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ جہاد (مسلح جدوجہد) جو پہلے کی نسبت اب قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا صرف ایک یا دو جھڑپوں یا معرکوں پر ختم نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ جنگ کے چند معرکوں کا متقاضی تھا بلکہ وہ تو جہد مسلسل اور جہد دائم کی شکل میں غیر معینہ مدت تک جاری رہنا تھا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز   چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

حالات و قرائن بتا رہے تھے کہ آنے والی جنگ خاصی طویل ہونی تھی اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ وہ کئی معرکوں پر محیط ہوگی اور نبی اکرم ﷺ کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ ظلم کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ کا قانون غالب نہ آ جائے گا اور یہی حکم الٰہی اور مشیت ایزدی بھی تھی۔ جنگ بعاث جو صرف ایک قبائلی جنگ تھی اور غیر دینی اور محض عصبیت کی بنیادوں پر لڑی گئی تھی وہ بھی کئی سالوں کے طویل عرصے تک کھنچ گئی تھی عربوں سے زیادہ قبل از اسلام جنگ و جدل کی اس کڑوی سچائی سے کون اور زیادہ آشنا ہو سکتا تھا۔ یہ بات اظہر من الشمس تھی کہ اب کی بار جب جنگ شروع ہوگئی تو اس کے شعلے اس وقت تک ٹھنڈے نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ رزم حق و باطل اپنے منطقی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتی، یعنی متحارب فریقین میں سے کسی ایک کی مکمل شکست۔ لہٰذا اس جنگ کی منصوبہ بندی ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر کرنی تھی جس میں اس بات کا قوی امکان تھا کہ آنے والی جنگ کئی محاذوں پر اور مختلف اوقات میں اور غیر معینہ مدت تک لڑی جائے گی۔

سالار اعلیٰ امت اسلامیہ نبی اکرم ﷺ کی عسکری حکمت عملی اور منصوبہ بندی کے مطابق مکہ اس وقت ایک مناسب میدان کارزار (Theatre of Operations) نہیں تھا لہٰذا کسی بھی قسم کی عسکری جدوجہد یا مسلح جہاد کے لیے دوسرا جغرافیائی محاذ اور میدان جنگ درکار تھا جس کی ٹوپوگرافی کا دشمن کی گھڑسوار اور پیدل فوج کو تجربہ نہ ہو۔ ایک عظیم عسکری قائد ہونے کے ناطے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا "الحرب خدعة" (یعنی جنگ سٹریٹیجی اور ٹیکٹیکس، جنگی چالیں چلنے کا دوسرا نام ہے) اگرچہ مسلم اپنا گھر بار دشمن کے ہاتھوں میں چھوڑ کر مدینہ آ بسے تھے لیکن پھر بھی مکی دشمن اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا تھا، دھمکی آمیز خطوط اور پیغامات جو منافقین اور یہود کو بھیجے گئے تھے انہوں نے

جلتی پر تیل کا کام کیا اور شیوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا مسلمانوں کے دلوں میں اس بات کا خدشہ تھا کہ یہود اور منافقین روز بروز کفار مکہ کے جال میں پھنس جائیں گے اور ان کی جھکیوں میں آ کر اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کے خلاف ریشہ دوانیوں میں برابر کے شریک بن جائیں گے اور مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے سے باز نہیں کریں گے ریاست اسلامی کے سربراہ ہونے کے ناطے رسول اللہ ﷺ بھلا کیسے ان خطروں کو نظر انداز کر سکتے تھے جب مدینہ طیبہ پر جنگ مسلمانوں کے سر پر تھوپی جا رہی تھی اللہ رب العزت کے احکام بھی جہاد شروع کر دینے کے لیے صادر ہو چکے تھے جیسا کہ جنگی مفکرین اور تجزیہ نگار کہا کرتے ہیں کہ جنگ کبھی بھی یک طرفہ عتاب پر نہیں لڑی جاتی اس کے لیے بہت گہری سوچ، مناسب منصوبہ بندی، سامان حرب و ضرب کا میسر ہونا اور سامان رسد (لاجسٹک) اور سامان خورد و نوش کی فراوانی اور افرادی قوت کی مستعدی درکار ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر اردگرد کے ہمسایوں سے سفارتکاری اور خارجہ تعلقات ہوا کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے خارجی تعلقات کی طرف توجہ دی اور بہت سارے ہمسایہ قبیلوں کا دورہ فرمایا آں حضرت ﷺ نے ان میں سے بہت سے قبائل کے ساتھ دوستانہ معاہدے کر لیے یہ ایک بڑی سفارتی کامیابی تھی جس سے مدینہ طیبہ کے گرد آباد بیشتر قبائل کسی ممکنہ جنگ کی صورت میں غیر جانبدار (Neutral) ہو گئے۔ یہ معاہدے جنوب میں بسنے والے قبیلے بنو ضمرہ، اور شمال میں رہنے والے بنو جہینہ اور مغرب میں رہنے والے قبیلے بنو مزینہ سے طے کر لیے گئے تھے جن کی رو سے یہ طے پایا گیا تھا کہ فریقین اپنے میں سے کسی ایک پر ممکنہ خارجی جارحیت کی صورت میں دوسرے فریق کو عسکری مدد فراہم کریں گے۔ ان معاہدوں کی رو سے یہ رعایت بھی حاصل کر لی گئی تھی کہ مسلمانوں کی ٹولیاں ان کے علاقوں سے گزر سکیں گی مگر وہ قبیلے دشمن کی افواج کو مدینہ طیبہ پر حملے کے لیے اپنے علاقوں سے گزرنے کی اجازت نہیں دیں گے

جہاں تک افرادی قوت کا تعلق تھا تو تمام مسلم امت کے جاں نثار، خواہ وہ مہاجر تھے یا انصار، اپنے آقا و مولیٰ اور قائد اعلیٰ ﷺ کی صدا پر لبیک کہنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے ہاں اگر کمی تھی تو مادی وسائل کی تھی مادی استعداد میں مسلمان دشمن کی مادی قوت سے کہیں کم تر تھے تقریباً ۱۵۰ مہاجرین نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تھی اور ان میں سے صرف سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے علاوہ باقی سب کے سب مادی طور پر تہی دامن تھے یہ تو صرف ان پراسرار بندوں کا اپنے محبوب آقا اور رسول اللہ ﷺ سے والہانہ عشق اور اپنے رب ذوالجلال پر غیر متزلزل ایمان تھا کہ مادی وسائل سے عاری مگر جذبہ جہاد سے سرشار فرزندان توحید نے جونہی ماہ شعبان ۲ ہجری میں راہ حق میں نکلنے کا حکم (سورہ البقرہ ۱۹۰ - ۱۹۳) نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مہاجر و انصار دونوں نے بدر کا رخ کر لیا۔ تاریخ عالم کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ مٹھی بھر فوج جو صرف ۳۱۳ کی نفری پر مشتمل ہو اپنے سے تین گنا بڑے دشمن کو بدر کے مقام پر شکست دے دے جو کیل کانٹے سے لیس ہو کر آیا تھا (۱۲) بقول اقبال

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ   مومن ہے تو بے تیغ لڑتا ہے سپاہی

یہی کہنا کافی ہوگا کہ تمام مدنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ اس وقت پوری ملت اسلامیہ تھی اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا کر اپنے سالار اعلیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے ایک اشارے کے منتظر تھے۔ کھاتے پیتے گھرانے کے صحابہ کرام جن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی افواج اسلام کو مسلح کرنے کا بیڑہ اٹھاتے۔ وسائل کی کمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم دے دیا تھا کہ اگر کسی کے پاس ایک گھوڑا ہو تو وہ اپنے ایک اور بھائی کو سوار کر کے ساتھ لے جائے گا۔ کفایت شعاری کی تمام کوششوں کے باوجود اور تو اور کھانے پینے کی رسد کم پڑ جاتی تھی اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو درختوں اور جھاڑیوں کے پتے کھا کر پیٹ بھرنا پڑتا تھا (۱۳) جب غزوہ تبوک کی تیاری ہو رہی تھی تو مسلمانوں کے مادی افلاس کا یہ عالم تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اہل ثروت اصحاب کو اپیل کرنی پڑی کہ وہ آگے آئیں اور حتی المقدور لشکر اسلامی کی سازو سامان بندی کریں۔ دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ

سیدنا عثمان بن عفانؓ نے تین سو اونٹ بمع مکمل سامان حرب و ضرب اور سامان رسد مہیا کیے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے تو گھر کی ہر ایک چیز اپنے آقا و مولا ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر دی تھی۔ پھر بھی جیش اسلامی مادی طور پر پوری طرح تیار نہ تھا اور کفایت شعاری کے کڑے احکام جاری کرنے پڑے تا کہ لشکر روانہ ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ اس جیش کا نام اسلامی تاریخ میں 'جیش العسرۃ' (تنگدستی کی فوج) کے طور پر جانا جاتا ہے۔ (۱۴)

ایسے ہی دیگر مادی وسائل کی کمی کے باوجود میر امم اور سالار کائنات حضور سرور دو عالم ﷺ اپنے جیوش کو 'کامل مستعدی' (Preparedness) کے عالم میں رکھتے اور مجاہدین اسلام کو چاک و چوبند رکھنے کے لیے آں حضرت ﷺ گھڑ دوڑوں کا اہتمام فرماتے، نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر زنی کے مقابلے منعقد فرماتے۔ اس ہمہ وقت کی مستعدی کی ضرورت کا تقاضا تھا کہ اللہ کے سپاہیوں کو فن حرب و ضرب میں مہارت تام حاصل ہو لہٰذا نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے ہر طرح کی عسکری تربیت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر بازی تو ایک کھیل کی طرح مدینہ طیبہ میں رائج تھی۔ رہی گھڑ دوڑ تو عرب ویسے ہی اس کے شوقین تھے۔ پہلوانی اور دیگر جسمانی قوت کو بڑھانے والی ورزشوں کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا۔ کتنی ہی ایسی احادیث ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس وقت رائج مارشل آرٹس اور فن تیر اندازی کا نہ صرف بنفس نفیس ملاحظہ فرمایا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ ایک حدیث مبارکہ سے تو پتہ چلتا ہے کہ مسجد نبوی شریف کے احاطے میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اذن مبارک سے حبشی غلاموں نے نیزہ بازی اور شمشیر بازی کا مظاہرہ کیا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھڑ دوڑ کا اہتمام فرماتے اور جو گھوڑا پانچویں سال میں ہوتا اس کے لیے دوڑ کا دورانیہ بہت لمبا رکھا جاتا تھا (۱۵) آپ حضور ﷺ بنفس نفیس گھوڑوں کو سدھارنے میں شرکت فرماتے (۱۶) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تنخواہوں کی اجازت صرف اونٹوں کی دوڑ، یا گھڑ دوڑ یا پھر تیر اندازی کے لیے دی تھی (۱۷) حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ [میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب کہ آپ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور آپ فرما رہے تھے ان (دشمنوں) سے مقابلے کے لیے پوری قوت کے ساتھ جتنا بھی تم سے بن پڑے ہمہ وقت تیار رہو اور یاد رکھو طاقت صرف تیر اندازی میں ہے، یاد رکھو طاقت صرف تیر اندازی میں ہے، یاد رکھو طاقت صرف تیر اندازی میں ہے] (۱۸) وہی ابن عامرؓ بیان فرماتے ہیں [میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زمینیں اور ممالک کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے، اور اللہ تمہیں دشمنوں پر غالب کر دے گا، مگر پھر بھی تمہیں اپنے تیروں سے کھیلنا ترک نہیں کرنا چاہیے۔] (۱۹)

درج ذیل آیہ کریمہ سے واضح ہے ﴿ اور اگر اللہ آدمیوں میں سے ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھا دی جاتیں خانقاہیں اور گرجا گھر اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا، بے شک ضرور اللہ قوت والا غالب ہے۔ ﴾ جہاد نہ صرف فرض عین کر دیا گیا تھا بلکہ اللہ کے دین کی سطوت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے اس پر عمل پیرا ہونا بھی ناگزیر ہو گیا تھا۔ سالار اعلیٰ امت مسلمہ جناب رسول مقبول ﷺ کی اولیں توجہ نہ صرف مدینہ طیبہ کی شہری ریاست (Commonwealth) کی جغرافیائی حدود کی حفاظت پر مبذول تھی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آں حضرت ﷺ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے جس میں ہر شخص 'دائمی یا پائیدار امن' کی حالت میں زندگی گزار سکے۔ دنیا میں اگر کبھی اور کہیں کوئی جنگ لڑی گئی ہے جس کا مقصد وحید پائیدار امن قائم کرنا تھا تو بنیادی جنگ تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے لڑا اور جو نو سال کے طویل عرصے پر محیط تھی۔ اس میں ہونے والے تمام غزوں کو اس طویل جہاد یا جنگ (War) کے مختلف معرکے (Battles) کہا جانا چاہیے، مگر بدقسمتی سے عالمی تاریخ میں اس کو کوئی نام نہیں دیا جا سکا، حالانکہ پچھلے چودہ سو سالوں سے اس پر بحث مباحثے اور تبصرے ہوتے رہے ہیں۔ (۲۰) آپ کا مقصد مدینہ طیبہ کے اندر اور گرد و نواح پائیدار امن کا قیام تھا لیکن امن

کو قائم کرنے کے لیے اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور اب کفار مکہ تو کھلم کھلا اس قیمت کا تقاضا کر رہے تھے بلکہ ان کی دھمکیاں تو مدینہ طیبہ کے دروازے تک سنائی دے رہی تھیں۔ جب آپ حضور ﷺ نے اللہ سے رہنمائی مانگی تو غیب کی گیتی سے بڑا سیدھا سا جواب آیا ﴿ وہ آپ سے مقدس مہینوں کے متعلق پوچھتے ہیں اور ان میں لڑنے کے متعلق، آپ ان سے فرما دیجئے ان میں جنگ و جدل بڑا گناہ ہے، لیکن لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اور ان کا فساد قتل سے سخت ہے اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان سے بن پڑے ﴾ (۲۱) اور ﴿ اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو، اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو ﴾ (۲۲) اور مزید حکم آیا ﴿ تم پر فرض ہوا اللہ کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے مگر وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴾ (۲۳)

یہ وہ پس منظر تھا جس میں مسلمان اس وقت درپیش چیلنج کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے، اور انہوں نے اللہ کے دشمنوں کا محاذ پر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پہلے تو بدر کے میدان میں اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ کے مضافات میں (جبل احد کے دامن میں) اور پھر عین مدینہ طیبہ کے اندر (بنو نضیر، خندق اور بنو قریظہ وغیرہ) اور پھر جب مسلمانوں نے ان تمام حروب میں اپنا لوہا منوا لیا تو پھر مدینہ طیبہ سے اور دور کے علاقوں کا رخ کیا گیا مثلاً خیبر، مؤتہ، فتح مکہ اور تبوک وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نہ صرف اللہ کے رسول تھے بلکہ اسلامی ریاست کے مؤسس اور سربراہ اعلیٰ بھی تھے اور دونوں صورتوں میں آں حضرت ﷺ کے اقوال و افعال مثالی اور امت کے لیے ایسا آئیڈیل نمونہ تھے جس کا اتباع خود رب ذوالجلال کا اتباع تھا [illegible] زندگی کے ہر شعبے میں آپ کا اسوہ حسنہ خود اللہ تعالیٰ نے تمام وقتوں میں واجب الاتباع قرار دے دیا تھا۔ مسلم افواج کے سالار اعلیٰ ہونے کے ناطے نبی اکرم ﷺ کسی طور پر بھی اپنی ریاست اور امت کو درپیش خطرات کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے لہٰذا آپ حضور ﷺ نے ایک نہایت ہی منظم دفاعی منصوبہ اختیار فرمایا جس کی تکمیل مختلف مراحل میں ہوئی تھی۔ پہلے مرحلے کے طور پر آپ حضور ﷺ نے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ فرمائے جو مہم کی مناسبت کے مطابق چھ سے بیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مشتمل ہوا کرتے تھے۔ یہ پٹیشنیں عموماً نہایت ہی منجھے ہوئے سرد و گرم چشیدہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سرکردگی میں روانہ کی جاتی تھیں اور ان کا مقصد وحید دشمن کی حرکات کے متعلق معلومات اکٹھی کرنا ہوتا تھا تا کہ ان خفیہ اور جاسوسی معلومات کی بنیاد پر ہی دفاعی منصوبہ ترتیب دیا جائے۔ جاسوسی کی معلومات اکٹھی کرنے کے علاوہ ایک دوسرا بڑا مقصد سیاسی نوعیت کا بھی تھا تا کہ مسلم رضا کاروں کی گشت سے ان تمام زیر اثر قبیلوں کی (جو کہ اگرچہ ریاست مدینہ کے ساتھ معاہدوں میں تو بندھ گئے تھے مگر ابھی تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا) وفاداری یقینی بنائی جا سکے۔ ساتھ ہی ساتھ مسلم رضا کاروں کی آنے والی جنگوں کے لیے عملی ٹریننگ اور مدینہ طیبہ کے گرد و پیش میں دور دور کے علاقوں تک جغرافیائی اور زمینی حالات سے شناسائی کروانا بھی مقصود تھی۔

پہلے مرحلے کی مہم جوئی کے بعد دوسرے مرحلے میں جو سریہ جات روانہ کیے گئے وہ پہلوں کی نسبت زیادہ کثیر المقاصد تھے۔ ایک طرف تو ان کا دائرہ کار اور اختیارات وسیع تر تھے اور دوسری طرف ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ دشمن کو باور کروا دیا جائے کہ مدینہ طیبہ اب پہلے کی طرح کمزور نہیں رہا بلکہ اب وہ پوری استعداد اور اہلیت رکھتا ہے کہ دشمن کے قافلوں کو روک سکے۔ ان سریوں میں شامل رضا کاروں نے ان قافلوں کا جو شام کی طرف روانہ ہوتے تھے پیچھا کرنا شروع کیا جو مدینہ طیبہ کے پاس سے ہو کر گزرتے تھے۔ ان سریوں کو سخت ہدایات تھیں کہ وہ قافلوں پر حملہ نہ کریں بلکہ صرف تعاقب کریں کہ وہ دشمن کی نظروں میں آ جائیں تا کہ ان کو احساس ہو جائے کہ اسلام ایک ایسی قوت کے طور پر ابھر آیا ہے جس کو مزید نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اب مدینہ طیبہ ایک سیاسی اکائی کے طور پر مکمل ریاست بن چکا تھا اور اس طرح دشمن کے قافلوں کا پیچھا

کر کے مسلمانوں کو یہ بھی باور کرانا چاہتے تھے کہ ایک آزاد اور خودمختار ریاست کے طور پر مکیوں پر واجب تھا کہ وہ اس نئی سیاسی حقیقت کا ادراک کر لیں اور اسے ایک ریاست کے طور پر تسلیم کر لیں لیکن مکہ کے کفار جو اپنی طاقت کے نشے میں چور تھے اور دین مصطفوی کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے درپے تھے ان کو یہ حقیقت خاصی کڑوی لگ رہی تھی اور انہوں نے ان سیاسی پیغاموں کو نہ سمجھا۔ ان کے کاروانوں کا براہ راست روکا گیا مگر بغیر کسی قسم کا خون خرابہ کیے ان کو گزرنے دیا گیا تیسرے مرحلے کے طور پر روانہ کیے گئے سرایا میں تیر اندازوں کی جھڑپیں ہوئیں جن سے مکمل دوبدو مقابلوں (Fu -sca e engagements) کا راستہ کھل گیا اس طرح مختلف مراحل میں دشمن کے ساتھ نوگی مدنی زندگی میں رسول اللہ ﷺ نے یا تو بنفس نفیس شرکت کے ساتھ یا اپنے کسی جلیل القدر صحابی کی سالاری میں ایسی ستائیس مہمیں بھی 'سرایا'۔(M.litary Exped t ons) روانہ فرمائیں (۲۴)۔ جن میں سے صرف نو سرایا میں معمولی لڑائی تک نوبت پہنچی تھی۔ اسی طرح پہلے مرحلے کی مہموں کو ملا کر تقریباً ساٹھ چھوٹے چھوٹے عسکری سریے (Military Detachments) روانہ کیے گئے تھے (۲۵) حضور نبی اکرم ﷺ کے دس سالہ مدنی قیام میں سے نو سال سے زیادہ کا عرصہ حالت جنگ میں گزرا تھا۔ یہی حالت آپ کے جان نثاروں کی بھی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی یہ نوزائیدہ ریاست مسلسل حالت جنگ میں تھی اور چونکہ ریاست مدینہ اس وقت پوری امت پر محیط تھی اس لیے یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں کہ پوری کی پوری امت مسلمہ اس وقت مسلسل حالت جنگ میں جارحیت کا شکار تھی

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، ہم قارئین کی توجہ نفس مضمون، یعنی تاریخ مدینہ طیبہ، سے نہیں ہٹانا چاہیں گے ہم ذیل میں صرف ان غزوات کا ترتیب وار ذکر کریں گے جو مدینہ طیبہ کی اس چھوٹی سی ریاست کی ارض مقدس پر رسول اللہ ﷺ کے دور بابرکات میں لڑے گئے تھے

غزوہ بنو قینقاع:

جیسا کہ ایک دیگر باب میں بیان کیا گیا ہے، ہجرت مبارکہ سے بہت پہلے ہی یہودی دونوں بڑے عرب قبیلوں (اوس اور خزرج) کے مربی بن چکے تھے اور جب دونوں قبیلے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے تو یہود نے اس جنگ کے الاؤ کو بھڑکانے اور جاری رکھنے میں بہت کردار ادا کیا تھا۔ اس قبائلی جنگ کو جنگ بعاث کہا جاتا ہے۔ یہود نے بذات خود تو آپس میں کوئی لڑائی نہیں لڑی مگر وہ الگ الگ عرب قبائل کی پشت پناہی ضرور کرتے رہتے تھے ابن اسحاق کے الفاظ میں ''اس وقت دو گروہ تھے بنو قینقاع اور ان کے حواری خزرج کے حلیف تھے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ اور ان کے حاشیہ بردار اوس کے حلیف تھے'' (۲۶) رسول اللہ ﷺ کے ورود مسعود کے ساتھ اور انصار کے کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو جانے سے یثرب کی سیاست میں ایک نئی سمت کا اضافہ ہو گیا تھا۔ میثاق مدینہ نے (جس پر یہود نے برضا و رغبت دستخط کیے تھے) تمام سیاسی بیانیہ بدل کر رکھ دیا تھا اور ایک ایسی صورت حال ابھر کر سامنے آئی تھی کہ یہودی محلات اور آطام (قلعوں اور محلوں) کی بجائے تمام تر سیاسی سرگرمیوں کا محور مسجد نبوی بن گئی تھی ایک نیا جہان نو پید ہو چکا تھا جس سے عالم پیر اپنی موت آپ مر رہا تھا۔ ماضی میں شعوب و قبائل میں منقسم عرب اور غیر عربوں کی شیرازہ بندی اسلام نے کچھ اس انداز سے کر دی گئی تھی کہ اب کوئی اوسی یا خزرجی نہیں رہا تھا۔ تمام اکائیاں ایک آفاقی اکائی میں ضم ہو چکی تھیں اور وہ اکائی قوم رسول ہاشمی تھی

ادھر دینی محاذ پر بھی بہت تیزی سے تبدیلیاں آ رہی تھیں ہجرت مبارکہ کو ابھی ڈیڑھ سال ہی گزرا ہو گا کہ یہود کے تفاخر اور تکبر کو ایک اور جھٹکا لگا اور قبلہ کی سمت یروشلم سے ہٹ کر مکۃ المکرمہ میں کعبہ شریف کی طرف کر دی گئی جس سے یہود کے سینے پر مزید سانپ لوٹنے لگ گئے جہاں تک اس منطقہ کی سیاست کا تعلق تھا جنگ بدر میں کفار کی ہزیمت کے بعد قوت کا توازن واضح طور پر مسلمانوں کی طرف جھک گیا تھا یہودیوں کی حیثیت پورے گیم کے بڑے کھلاڑیوں سے گھٹ کر صرف تماشائیوں کی سی رہ گئی تھی اس نئی صورت حال سے قریش تو

پریشان تھے ہی مگر یہود سے بھی نوشتہ دیوار پڑھ لیا تھا اور وہ بھی اسلام کی سیاسی برتری پر ششدر رہ گئے تھے۔ وہ جسے ٹوٹا ہوا تارا سمجھ رہے تھے وہ آج ماہ کامل بن کر طلوع ہو رہا تھا۔ لہٰذا اسلام ان کی نظروں میں پہلے سے بھی کہیں زیادہ کھٹکنے لگ گیا تھا۔ ان کے تذبذب اور اضطراب کی عکاسی قرآن کریم نے ان الفاظ میں کی ہے ﴿اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگتا ہے اور آپ کو اگر کوئی مصیبت آ جائے تو اس پر وہ لوگ خوش ہوتے ہیں ﴾ (۲۷) مواخات اور مساوات کی بدولت مدینہ طیبہ میں ان کا کھیل ختم ہو چکا تھا اور ایک کو دوسرے کے خلاف اکسانا اب ان کے بس میں نہیں رہا تھا۔ اگرچہ یہود میں سے اسلام قبول کرنے کی رفتار بہت کم رہی تھی مگر ان کو خدشہ تھا کہ مسلمانوں کی کفار مکہ کے خلاف برتری کا یہود پر بھی اثر پڑے گا اور اسلام کی تعلیمات ان پر پہلے سے زیادہ اثر کریں گی اور تاریخ بھی کچھ ایسے نظر آ رہے تھے کہ یہود کا رجحان اسلام کی طرف زیادہ ہونے لگا۔ تب سے ان کی اسلام دشمنی میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا

اسلام کے خلاف یہودیوں کی نفرت نے ان کو نوشتہ دیوار پڑھنے سے عاری کر دیا تھا اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کی بجائے ایک ایسے راستے پر چل نکلے جس نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا وہ مصلحت اور مفاہمت کی بجائے معاندت پر اتر آئے اور انہوں نے ریشہ دوانیوں اور منفی پروپیگنڈے پر سارا زور صرف کر دیا۔ ان کے محلات (آطام) خفیہ اجلاس کی آماجگاہ بن گئے اور ان کے اہل علم نے اسلام دشمن شاعری کے ذریعے ہجویہ نظموں سے مسلمانوں کی تضحیک کا باقاعدہ محاذ کھول دیا۔ ایسی ہجویہ شاعری کا ہدف عام طور پر مسلم عمائدین ہوتے حکمران کے بڑے بڑے شعراء خاص طور پر حضور نبی اکرم ﷺ کو ہدف تنقید و تضحیک بناتے تھے میثاق مدینہ کے مطابق ان کو باعزت مقام دیا گیا تھا مگر انہوں نے اس معاہدے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ریاست مدینہ طیبہ کے خلاف غدارانہ رویہ اپنا لیا کعب بن الاشرف کا باپ عرب تھا مگر ماں یہودی تھی اور وہاں کے نامور شعراء میں شمار ہوتا تھا اور حجاز کے ادبی حلقوں میں خاصہ نام رکھتا تھا۔ وہ بدبخت اس پروپیگنڈہ مہم کا سرغنہ تھا۔ وہ اپنی ہجویہ شاعری میں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ پر رکیک حملے کرتا تھا چونکہ اس کا باپ عرب تھا اس لیے اسلام دشمن عرب حلقوں میں اسے خاصی پذیرائی حاصل تھی۔ جنگ بدر کے بعد اس نے کفار مکہ کو بھڑکانا شروع کر دیا کفار کی شکست کے موقع پر اس نے کہا تھا ''وہ لوگ (قریش) عرب کے شرفاء میں سے تھے اور دنیا کے شہزادے تھے اللہ کی قسم اگر محمد (ﷺ) نے ان کو شکست دے دی ہے تو اب زمین کے اوپر رہنے سے تو اس کے اندر دفن ہو جانا بہتر ہے'' (۲۸) اس نے مکہ کا دورہ کیا اور ان قریشی مردوں کی تعزیت کی جو بدر میں مارے گئے تھے اور اس نے ان کے بے مرثیہ جات بھی لکھے۔ اس کے علاوہ امام سمہودیؒ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کا بازار اور تجارتی مرکز قائم کرنے کے لیے ایک خیمہ بقیع الزبیر (بقیع الغرقد کے قریب) میں نصب فرمایا تو بدبخت کعب بن الاشرف وہاں آ گیا اور اس نے ٹھوکریں مار مار کر آپ کا خیمہ وہاں سے اکھاڑ دیا تھا۔ اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ یہود عام طور پر اور کعب بن الاشرف خاص طور پر حضور نبی اکرم ﷺ اور اسلام سے کتنی نفرت کرتے تھے جب وہ مکہ گیا تو قریش کو ایک زوردار حملہ کرنے کی ترغیب دیتا رہا اور جب ایک مکی مشرک نے اس سے پوچھا کہ وہ کس دین کی طرف مائل ہے تو اس نے جواب دیا کہ وہ اسلام کے مقابلے میں کفر اور شرک کو ترجیح دیتا ہے قرآن کریم نے اس کے اس قول کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے ﴿کیا تم نے وہ نہیں دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا مگر وہ ایمان لاتے ہیں بتوں اور شیطان پر اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ حق پر ہیں، یہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جسے اللہ لعنت کرے تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا۔﴾ (۲۹)

کعب بن الاشرف کی شرانگیزی اور ہجویہ شاعری کا ہدف مسلمان خواتین بھی ہوتی تھیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے شعراء اور شاعرات ایسی ذلیل حرکتیں کرتے تھے جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی تھی۔ خاص طور پر جب وہ اپنے پیارے آقا ﷺ کی شان مبارک میں کوئی گستاخ شعر سنتے تو ان کے لیے صبر کرنا محال ہو جاتا تھا ایسی شاعری کا قبیح اثر باہر کے لوگوں پر بھی پڑتا تھا جو اسلام تو لانا چاہتے

تھے مگر اسلام دشمن پروپیگنڈے سے آگے بڑھ جاتے تھے لہٰذا اس فتنے کا سدباب کرنے کے لیے کعب بن الاشرف (۳۰) اور ایک دوسری یہودی شاعرہ سارہ قریضیہ کو مسلمانوں نے جہنم رسید کر دیا۔

ایک مرتبہ جب حضور نبی اکرم ﷺ بنو قینقاع کے قبیلے میں تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تھے تو کچھ یہودیوں نے آپ کے وعظ میں رخنہ اندازی کرنی چاہی اور نہایت گستاخانہ انداز میں کہنے لگے "اے محمد (ﷺ) بدر کی فتح سے دھوکے میں نہ رہ جانا کیونکہ وہ جنگ آپ نے ان لوگوں کے خلاف لڑی ہے جو فن جنگ سے ناآشنا تھے اور اس لیے آپ کو فتح حاصل ہوئی مگر بخدا اگر آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی غلطی کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کتنے خوفناک لوگ ہیں" پیغام بالکل واضح تھا یہودیوں کے دل میں بھی جنگ کرنے کی حسرت انگڑائیاں لے رہی تھی۔ حالات کشیدہ سے کشیدہ تر ہوتے جا رہے تھے اور اگر انہیں قابو میں لانے کی کوشش نہ کی جاتی تو مسلمانوں کے خصوصی پر برا اثر پڑ سکتا تھا۔ روزمرہ کے حالات کے علاوہ خود قرآن کریم نے مسلمانوں کو متنبہ کر دیا تھا ﴿اے ایمان والو غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ، وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے اور ان کی آرزو ہے کہ تمہیں ایذا پہنچے، دشمنی ان کی بات بات سے جھلک اٹھی ہے مگر وہ جو کچھ سینے میں چھپائے بیٹھے ہیں وہ اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ہے﴾ (۳۱) قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ کا نزول ہوا تھا کہ اوس اور خزرج کے مسلمانوں نے جنتا تھوڑا بہت رشتہ یہود کے ساتھ باقی تھا اس کو بھی توڑ ڈالا۔ یاد رہے کہ ہجرت مبارکہ سے پہلے یہ دونوں قبیلے یہود کے حلیف تھے۔

حالات یہی سب ڈگر پر چل رہے تھے کہ اشتعال انگیزی کا کوئی قدم بھی آتش حرب کی چنگاری کو بھڑکا سکتا تھا اس لیے مسلمان بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے مگر ایک یہودی نے ایک ایسی نازیبا حرکت کر دی جس سے نہ صرف انہوں نے میثاق مدینہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر ڈالی بلکہ مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا۔ ایک مسلم خاتون بنو قینقاع کے بازار میں سنار کی دکان پر اپنا زیور بیچنے کے لیے گئی چند یہودی بدقماش اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس کو بے پردہ کرنے کے لیے کہا جب اس خاتون نے انکار کیا تو انہوں نے اس بیچاری کے ساتھ ایک چال چلی ان میں سے ایک نے اس کے کپڑوں کے ساتھ رسی باندھ کر اس کے پیچھے کی طرف زمین میں ایک کیل کے ساتھ باندھ دی جب وہ اٹھی تو رسی کھچنے سے اس کا لباس اتر گیا اور وہ برہنہ ہو گئی وہ اس پر ہنستے رہے اور اس کا مذاق اڑاتے رہے جب کہ وہ بیچاری آہ و بکا کرتی رہی اسی اثناء میں ایک مسلمان کا وہاں سے گزر ہوا جو فوراً اس کی مدد کو لپکا اور بات ہاتھا پائی پر اتر آئی جس کے نتیجے میں وہ دکاندار واصل جہنم ہو گیا۔ ردعمل کے طور پر یہودیوں نے اس مسلمان کو گھیر لیا اور اس کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعے سے مدینہ طیبہ میں غم و غصہ کی لہر پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سلگتی ہوئی راکھ سے شعلے بھڑکنے شروع ہو گئے

رسول اللہ ﷺ نے ان کے اکابر سے رابطہ فرمایا اور ان کو میثاق مدینہ کے تحت ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کی کوشش کی مگر عقل کا ناخن لینے کی بجائے انہوں نے اس معاہدے کا مذاق اڑانا شروع کر دیا گستاخیوں سے وہ لوگ دیدہ دلیری پر اتر آئے تھے اور بزعم خود اپنے آپ کو مدینہ طیبہ کے سب سے زیادہ دلیر شہری سمجھتے تھے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے [ہم مسجد میں تھے جب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے چلیں ہم یہودیوں کے پاس چلتے ہیں، ہم آپ کے ساتھ ان کے پاس گئے اور آپ نے ان کو مخاطب ہو کر فرمایا [اے معشر یہود! اسلام قبول کرو تو تمہارے لیے سلامتی ہے] انہوں نے جواب دیا "اے ابوالقاسم! آپ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے" اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [میں یہ چاہتا ہوں کہ تم شہادت دو کہ اللہ کا پیغام تم کو دے دیا گیا ہے، اسلام لے آؤ اور تم بچ جاؤ گے] انہوں نے پھر کہا "ابوالقاسم آپ نے پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے" آں حضرت ﷺ نے تیسری بار وہی کلمات دہرائے انہوں نے تیسری بار بھی وہی جواب دیا اس پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں جان لینا چاہیے کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم کو اس سرزمین سے نکال دوں تم میں سے جس کسی کے پاس بھی کوئی جائیداد ہے اسے چاہیے کہ وہ اسے بیچ ڈالے ورنہ

مدینہ طیبہ کا ایک تخیلی رسیلی خاکہ جہاں ہجرت مبارکہ کے موقع پر مختلف یہودی قبائل آباد تھے

تمہیں معلوم پڑ جائے گا کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے (یعنی تم کو سب کچھ پیچھے چھوڑ کر جانا ہو گا) (۳۲)

جب ان کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے محاصرے کا حکم صادر فرما دیا جو ہفتہ کے دن مورخہ ۱۵ شوال ۲ ہجری کو نافذ العمل ہو گیا (۳۳)۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ واقعہ جنگ بدر کے تقریباً ایک ماہ بعد پیش آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس محاصرے کی قیادت فرمائی۔ اسلام کا پھریرہ سیدنا امیر حمزہؓ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ حضور ﷺ نے اس محاصرے کے دوران حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کو مدینہ طیبہ کا والی مقرر فرمایا۔ (۳۴) بنو قینقاع اپنی ایک الگ بستی میں رہا کرتے تھے جو سوق بنی قینقاع کے نزدیک واقع تھی اور اس میں بہت سے قلعے بنے ہوئے تھے (۳۵) وہ قلعہ بند ہو گئے مدینہ طیبہ کے دیگر یہودیوں پر ان کا بڑا اثر و رسوخ تھا کیونکہ وہ پیشے کے لحاظ سے زرگر تھے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ بہادر بھی تھے وہ مشہور منافق ابن ابی سے بھی ملے ہوئے تھے جس نے ان کی مدد کا وعدہ کیا ہوا تھا محاصرہ دو ہفتہ تک جاری رہا جس کے دوران ان کو ہر قسم کی رسد کی فراہمی رک گئی اور باہر کی دنیا سے ان کا رابطہ بھی کاٹ دیا گیا ابن ابی نے ہر چند کوشش کی مگر وہ بھی ان کے کام نہ آ سکا اور اس طرح ان کی حالت اندرون بدن بگڑتی چلی گئی ابن ابی نے ان کی طرف سے رحم کی اپیل کی لہٰذا ان کی جان بخشی کر دی گئی رب ذوالجلال کے احکام کے تحت ان سے ایسا رویہ اختیار کیا گیا تھا ﴿وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، پھر وہ بار بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں، تو اگر تم انہیں کہیں لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو جس سے ان کے پسماندوں کو عبرت ہو﴾ (۳۶) لہٰذا انہیں مدینہ بدری کا حکم ہوا اور ان کو اس بات کی آزادی دے دی گئی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ ان کی زندگیوں اور مال و دولت کے بدلے ان کو اپنے ہتھیار، زیورات بنانے کی مشینری اور دیگر کارخانوں کے اوزار مسلمانوں کے حوالے کرنے کا پابند کیا گیا جو ہتھیار انہوں نے چھوڑے ان میں سے اللہ کے رسول برحق ﷺ نے اپنے لیے تین کمانیں، دو ڈھالیں اور تین تلواریں لی تھیں اور باقی کی اشیاء اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم کر دی گئی تھیں

حضرت عبادہ ابن صامتؓ کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ ان کو مدینہ طیبہ کے باہر تک چھوڑ کر آئیں۔ بنو قینقاع کے مدینہ طیبہ سے نکالے جانے والے یہودیوں کی تعداد تقریباً سات سو تھی، وہ چند دنوں تک وادی القریٰ میں دیگر یہود کے ہاں رکے رہے اور پھر اذرعات کی طرف شامی سرحد کی طرف چلے گئے تھے۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سے یہودیوں نے مدینہ طیبہ میں ہی پناہ لے لی تھی کیونکہ بہت بعد بھی مدینہ طیبہ میں ہمیں بنو قینقاع کے یہود کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے، یہاں تک کہ جن یہودیوں نے جنگ احد میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کی پیشکش کی تھی مگر قبول نہیں کی گئی وہ لوگ بھی بنو قینقاع ہی سے تھے بنو قینقاع حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کا قبیلہ تھا۔ (۳۷) ایسے یہودی

اپنے مذہب پر ہی رہے۔ یہاں تک کہ غزوہ خیبر تک ہمیں اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ اس جنگ میں شامل ہوئے تھے اور جب قلعہ خیبر ہو تو ان کو مال غنیمت میں سے کچھ حصہ بھی دیا گیا تھا (۳۸) یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ یہود جو ریاست مدینہ طیبہ کے وفادار رہتے ان کو وہاں رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔

آخر میں ہم حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت نقل کرنا چاہیں گے جس میں آپ نے فرمایا تھا [بنی نضیر اور بنی قریضہ نے رسول اللہ ﷺ سے (میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کر کے) لڑائی کی لہذا حضور نبی کریم ﷺ نے بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا اور بنی قریضہ کو اپنے اپنے گھروں میں رہنے دیا اور ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا جب تک کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے لڑائی مول نہیں لی پھر آں حضرت ﷺ نے ان کے مردوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ان کی عورتوں، بچوں اور جائیداد کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، مگر ان میں سے کچھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور رسول رحمت ﷺ نے ان کو امان عطا فرما دی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا آپ نے تمام یہودیوں کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا بنی قینقاع جو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا قبیلہ تھا اور بنی حارثہ کے یہودیوں کو اور دیگر یہودیوں کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا](۳۹)

غزوہ احد:

مسلمانوں کے ہاتھوں بدر کے مقام پر کفار کی ذلت آمیز شکست نے جس میں ان کے بڑے بڑے شاہسوار مارے گئے تھے ان کو اور بھی غضبناک کر دیا تھا۔ یہ ہزیمت ان کے غرور اور تکبر کے منہ پر ایک بہت بڑے طمانچے سے کم نہیں تھی سب سے بڑا سوال یہ اٹھ رہا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ مٹھی بھر اور تہی دست مسلمانوں کو جنہیں خود کفار مکہ نے گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا اور جن کے پاس نہ کافی گھوڑے تھے اور نہ ہی آلات حرب وضرب۔ اپنے سے کئی گنا بڑی جارح فوج کو جو کیل کانٹے سے لیس ہو کر آئی تھی اتنی بڑی شکست سے دوچار کر دیا؟ ان کے سردار مرے تو مرے، مگر ان سے بھی زیادہ شرمناک بات یہ تھی کہ ان کے ناک کٹ گئی کہ ان مدنی شاہینوں کے ہاتھ نخچیر (قیدی) بن گئے تھے ان کا سارا غرور دھرے کا دھرا رہ گیا تھا مکہ مکرمہ کے اس وقت چھوٹے سے شہر میں ستر بڑوں کا قتل ہو جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا ہر گھر میں صف ماتم بچھ چکی تھی اور ہر فرد نوحہ کناں تھا ہند بہت دیر تک اس کا سوگ اور ماتم جاری رہا پورا مہینہ قریش کی عورتیں اپنے سوتوں پر نوحہ کناں رہیں انہوں نے اپنے سر منڈوا لیے اور جب بھی کبھی کسی مقتول کا اونٹ یا گھوڑا شہر میں آتی تو پورے مکہ میں کہرام مچ جاتا اور اس کا جلوس نکالا جاتا اور عورتیں آہ و بکا کرنے لگ جاتیں (۴۰)

اہل مکہ ابھی اپنے زخم چاٹ رہے تھے کہ ان کو ایک اور چرکہ لگ گیا ان کے سپوتوں کے کاروان کو 'السویق' سے بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ شام کو جو تجارتی قوافل مدینہ طیبہ کی راہ سے ہو کر گزرتے تھے وہ قریش کے اقتصاد کی رگ جاں تھے، مگر اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اب وہ قافلے بھی محفوظ نہیں رہے تھے ایک متبادل رستہ کی تلاش میں انہوں نے ایک قافلہ عراق کی طرف روانہ کیا مگر وہ بھی مدینہ طیبہ کے شاہینوں کی نظر سے نہ بچ سکا حضرت زید بن حارثہؓ کی سربراہی میں مسلم رضاکاروں کے سریۃ نے ان کی بھی دلکی لگا دی اور وہ ناکام ہو کر وہیں بھاگ گئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کفار کو شکست پر شکست کا سامنا تھا۔ جس کو نظر انداز کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی بدر میں بڑے بڑے مقتولوں کے بیٹے، مثلاً عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ صفوان بن حویطب بن عبدالعزیٰ اور ابوسفیان بن الحرب، وغیرہ سب کے سب یک زبان ہو کر لوگوں کے برانگیختہ جذبات کو دو مہمیز دی۔ اور پورے زور وشور سے جنگ کے اگلے راؤنڈ کی تیاریاں شروع کر دیں، انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ حربی استعداد اور ساز وسامان کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا ابوسفیان بن الحرب نے قیادت کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور حلف اٹھایا کہ جب تک وہ مسلمانوں سے انتقام نہیں لے لے گا اس وقت تک زندگی کی کسی آسائش اور لذت سے لطف اندوز نہیں ہو گا حتیٰ کہ وہ غسل بھی نہیں کرے گا اور نہ ہی بالوں میں کنگھی کرے گا۔ یہی حال عورتوں کے جذبہ انتقام کا تھا ہند۔ جو ابوسفیان کی بیوی تھی اس

غزوہ احد کا ایک تقریبی خاکہ

جسے میں سب سے آگے تھی کیونکہ اس کا باپ اور ایک بھائی اسی جنگ بدر میں مارا گیا تھا اپنی مری ہوئی ساکھ بحال کرنے کے لیے وہ مسلمانوں پر پوری قوت کے ساتھ ناگہانی حملہ کرنا چاہتے تھے لوگوں کے حوصلے بلند رکھنے کے لیے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور نفسیاتی اور مادی طور پر وہ سب کچھ کر گزرے جو ان کے بس میں تھا انہوں نے تو شعراء کی خدمات کو بھی بھاڑے کے ٹٹوؤں کے طور پر استعمال کیا جو مرثیے اور رزمیہ شاعری لکھتے اور پھر گاؤں گاؤں اور مختلف قبائل میں جا کر مجمعوں میں انہیں پڑھتے اور یوں ان کے جذبات کو بھڑکاتے مارے جانے والوں کے علاوہ ان کو اپنے قیدی چھڑانے کے لیے فی کس چار ہزار درہم فدیہ بھی دینا پڑا تھا مگر فدیہ اور مالی نقصان تو محض پس منظر میں تھا، اصل مقصد تو اپنی کھوئی ہوئی عزت بحال کرنا تھا۔
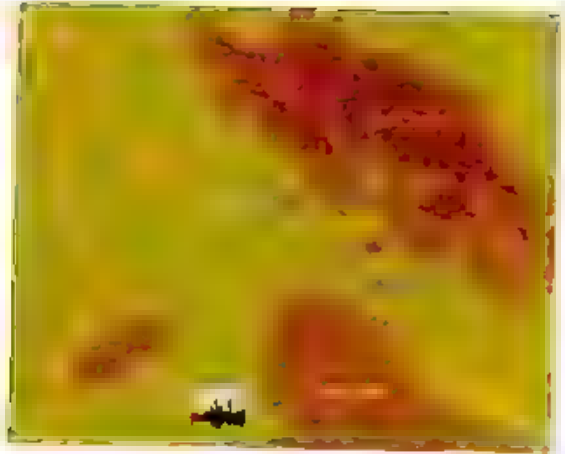
دار الندوہ مکہ مکرمہ میں ایک پبلک ہال ہوا کرتا تھا وہاں پر انہوں نے اپنے بڑوں کی پنچایت منعقد کی اور عہد کیا کہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے کار لائیں گے (۴۱) ابوسفیان جس کاروان کو بچا کر مکہ لے آیا تھا اس کا تمام تجارتی مال 'الندوہ' میں نیلام کر دیا گیا اس سے حاصل ہونے والا تمام منافع جو پچاس ہزار دینار سے زیادہ تھا اور ایک ہزار اونٹ اور اس کے علاوہ انفرادی عطیہ جات ملا کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں سب ملا کر تقریباً اڑھائی لاکھ درہم سے ایک مضبوط فوج تیار کی گئی قرآن کریم نے ان کی اس چندہ اکٹھا کرنے کی مہم کے متعلق ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے ﴿بے شک کافر اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں تو اب وہ اسے خرچ کریں گے پھر وہ ان پر پچھتاوا کریں گے، پھر مغلوب کر دیے جائیں گے اور کافروں کا حشر جہنم کی طرف ہوگا۔﴾ (۴۲)

کفار نے اپنے وفود ان بدو قبائل کی حمایت حاصل کرنے کے لیے جو مکہ مکرمہ کے گرد بستے تھے روانہ کئے (جن میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جن کے ذمے ان قبائل میں مسلمانوں کے خلاف فضا ہموار کرنا تھا اس طرح وہ لوگ کنانہ اور تہامہ جیسے قبائل کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ان کے علاوہ ان کے ساتھ بہت سارے حبشی باشندوں کو بھاڑے کے ٹٹوؤں کے طور پر ساتھ ملا لیا گیا جنہوں نے دو ہزار سے زیادہ جنگجو فراہم کئے وہ جو جنگ میں شامل ہونے سے عاری تھے (مثلاً ابولہب وغیرہ) انہوں نے قبائلی روایت کے مطابق اپنی جگہ کرائے کے جنگجو مہیا کئے اس طرح تقریباً تیرہ ماہ کے اندر اندر کیل کانٹے سے لیس اور پوری طرح مسلح تین ہزار جنگجو ابوسفیان کی سپہ سالاری میں میدان جنگ میں اترنے کے لیے تیار تھے جن میں سے سات سو زرہ بکتر میں ملبوس تھے، دو سو گھڑ سوار تھے اور تین ہزار اونٹ سامان رسد اور خورد ونوش سے لدے ہوئے ساتھ تھے اس کے علاوہ پندرہ عورتوں کی ایک بٹالین بھی ساتھ تھی جس کی سربراہی ہندہ زوجہ ابوسفیان کر رہی تھی جس کا کام جنگ کی ترغیب دلانا (War instigators) تھا۔(۴۳)

ان کی گھڑ سوار فوج کے سپہ سالار خالد ابن ولید تھے جن کی مدد عکرمہ بن ابوجہل کر رہے تھے۔ یہ ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ سب کی بار کفار مکہ نے تن من دھن سب کچھ اس جنگ میں جھونکنے کا فیصلہ کر لیا تھا، انہوں نے اس وقت کے معیار کے مطابق اپنی افواج کو ہر مادی ہتھیار سے مسلح کرنے کے ساتھ ساتھ ہر ترغیبی اور نفسیاتی حربہ بھی استعمال کیا جس سے ان کی فوج میدان جنگ میں ڈٹ کر لڑتی وہ اپنے ساتھ اپنے صنم اور بت (ہبل۔ جو بنی امیہ کا معبود تھا) کو ایک اونٹ پر لاد کر لے آئے، اور ساتھ ہی عورتوں کا ایک طائفہ بھی تھا جس کو عین میدان کارزار میں رزمیہ نغمے گا کر جنگجوؤں کا مورال بلند رکھنے کا کام سونپا گیا تھا۔(۴۴) "اس طرح قریش بڑے طمطراق کے ساتھ اپنی بہترین فوج کو لیکر سیاہ فام حبشیوں اور بنی کنانہ کے لڑاکا دستوں کی ہمراہی میں عورتوں کی ایک بٹالین کو جو ہودوں میں بیٹھی تھیں ساتھ لیکر مدینہ

طیبہ کی طرف چل پڑے۔ عورتوں کا کام ان کو غیرت دلانا اور جو جنگ سے منہ موڑ کر بھاگیں ان کو طعنہ زنی کرنا اور دشنام طرازی کرنا تھا تاکہ وہ جنگ سے کسی طور بھی فرار نہ کر پائیں۔" (۴۵) یہ فوج مکہ مکرمہ سے جنوری ۶۲۵ء کے وسط میں روانہ ہوئی اور معمول کا راستہ اختیار کرتے ہوئے مغرب کی طرف عسفان، خلیص، جحفہ، رابغ اور ابواء سے ہو کر گزری۔ ابواء پہنچنے پر ہند بنت عتبہ زوجہ ابو سفیان نے تجویز دی کہ کیوں نہ حضور نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدتنا آمنہ بنت وہب کی قبر سے ان کا جسد خاکی نکال لیا جائے تاکہ اگر ان کے سپاہی پچھلی دفعہ کی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی ہو جائیں تو ان کو آزاد کروانے کے لیے ام النبی ﷺ سیدتنا آمنہؓ کے جسد اطہر کو تاوان کے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا جائے لیکن ان کے بڑوں نے اس بات کی مخالفت کی کیونکہ ان کو اس کے شدید ردعمل کا اندیشہ تھا (۴۶) ابو سفیان نے (جو ایک جہاں دیدہ شخص تھا اور عربوں کی روایات سے بخوبی واقف تھا) اس تجویز کی مخالفت کی اور کہنے لگا "ایسا مت کرو، اگر آمنہؓ بنت وہب کی قبر کھود لیں گے تو بنو بکر اور بنو خزاعہ کے لوگ ہمارے مدفون مردوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کریں گے" (۴۷)

جبل عینین (جبل الرماۃ) اور اس کا شمالی علاقہ جہاں میدان کارزار برپا ہوا تھا۔ چار دیواری کے اندر سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ کی قبر ہے

اس لشکر کفار میں ایک ایسا بھی فرد تھا جو کہ اگرچہ جنگ بدر میں ایک قیدی کی حیثیت سے فدیہ بھی ادا کر چکا تھا اور اس جنگ میں بھی شرکت کے لیے کفار کی طرف سے چلنے پر مجبور تھا مگر وہ رہ رہ کر حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں سوچ رہا تھا اور آپ حضور ﷺ کی سلامتی کے بارے میں بہت بے چین تھا وہ تھے حضور نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلبؓ انہوں نے بنی غفار کے ایک تیز ہرکارے کے ذریعے لشکر کفار کی مکہ مکرمہ سے روانگی کی اطلاع حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں ارسال کر دی تھی قاصد نے وہ پیغام جناب رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیا جب آں حضرت ﷺ مسجد قباء سے باہر تشریف لا رہے تھے جب آپ کے محرر حضرت ابی بن کعبؓ نے وہ نامہ آپ کی خدمت میں پڑھ کر سنایا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فوراً مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور اپنے قریبی مہاجر اور انصار صحابیوں کا اجلاس طلب فرما لیا فوراً دو سراغ رسانوں کو۔ حضرت انسؓ اور مونسؓ جو بنی ظفر سے فضل کے بیٹے تھے۔ کو حقائق کی چھان بین کے لیے روانہ کر دیا گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی واپس آ گئے اور انہوں نے تصدیق کر دی کہ دشمن ذوالحلیفہ تک پہنچ چکا تھا جہاں اس نے اپنے گھوڑوں کو العریض کے علاقے میں چرنے کی غرض سے کھلا چھوڑ دیا تھا ان سراغ رسانوں نے دشمن افواج کی نفری کی بھی تصدیق کر دی تھی

اس اچانک خبر نے مدینہ طیبہ کے باسیوں پر سکتہ سا طاری کر دیا کوئی بھی رات بھر سو نہ سکا مدینہ طیبہ میں ایک طرح کی ہنگامی حالت طاری ہو چکی تھی۔ رضا کاروں کو مدینہ طیبہ کے مختلف مقامات پر تعینات کر دیا گیا تھا تاکہ وہ حالات پر نظر رکھیں اور گلیوں میں گشت کرتے رہیں۔ دیگر سراغ رسانوں (حضرت حباب بن المنذرؓ اور سلمہ بن سلامہؓ) کو مزید جاسوسی پر مامور کیا گیا حضرت سلمہ بن سلامہؓ نے آ کر یہ خبر دی کہ کفار فلاں طرف سے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے والے ہیں پیر و جواں، مرد و زن، سب کی زبان پر ایک ہی موضوع تھا اور انہی خبروں کا تذکرہ تھا کہ مزید کیا ہوگا؟ ہنگامی حالت جنگ کا درجہ عالیہ اتنا زیادہ تھا کہ بشمول حضور نبی اکرم ﷺ کے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بستر استراحت پر بھی ہتھیار بند ہو کر سوئے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نماز بھی ہتھیار بند ہو کر پڑھی۔ بہت سے جاں نثار حضور نبی اکرم ﷺ کی رہائش گاہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے حضرت سعد ابن معاذؓ، حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے [illegible] حضور نبی اکرم ﷺ کے گھر پر پہرہ دیا (۴۸) لیکن نبی آخر الزماں ﷺ کے حوصلے کا اندازہ صرف اس مثال سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ

قبر مبارک سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک نایاب تصویر

حضور ﷺ اس رات ایک غیب کی مہیب آواز پر جس نے سب مدنیوں کو چونکا دیا تھا تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر اس سمت روانہ ہو گئے تھے تاکہ حقیقت معلوم کی جا سکے۔ (۴۹)

کفار کی فوج وادی عقیق کے ساتھ ساتھ بڑھتی آ رہی تھی اور ذوالحلیفہ اور الزغابہ سے گزرتے ہوئے انہوں نے جبل احد کے جنوب مغرب میں ۶ شوال ۳ ہجری کو اپنے خیمے گاڑ لیے دشمن شہر کی حد پر خیمہ زن ہو چکا تھا اور مسلم ہیڈ کوارٹر اس کی دسترس سے صرف تین میل کے فاصلے پر تھا وقت کا گھڑیال لمحہ بہ لمحہ زیرو آور (Zero Hour) کو قریب سے قریب تر لا رہا تھا مختصر تمام جان نثاران تاجدار مدینہ قرار قلب و سینہ ﷺ اپنے دفاعی منصوبے کو آخری شکل دے رہے تھے بہت اہم مجلس مشاورت منعقد تھی دوران گفتگو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا [میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میری تلوار دندانہ ٹوٹ گئی ہے جو ایک آفت کی نشاندہی کرتی ہے اور پھر میں نے ایک گائے کو ذبح ہوتے ہوئے بھی دیکھا جو دوسری آفت کی طرف اشارہ ہے، پھر میں نے اپنے آپ کو ایک ڈھال (درع) میں محفوظ پایا وہ ڈھال تمہارا مدینہ ہے ان شاء اللہ دشمن اس تک (یعنی مدینہ طیبہ تک) نہیں پہنچ پائے گا](۵۰) ابن اسحاق کی روایت کے مطابق نبی محتشم ﷺ نے فرمایا [بخدا میں نے ایک رویا (خواب) دیکھا ہے جس کی تعبیر اچھی ہے۔ میں نے چند گائیں دیکھیں اور میں نے اپنی تلوار میں ایک ٹیڑھا پن بھی دیکھا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ بکتر میں ڈال دیا ہے جس کی تعبیر میرے نزدیک مدینہ طیبہ ہے، اگر آپ مدینہ میں ہی رہ کر اس کا دفاع کریں اور ان کو جہاں پڑاؤ ہے وہیں رہنے دیں تو بہتر ہوگا کیونکہ اگر وہ رکے تو بری جگہ رکیں گے، اور اگر انہوں نے شہر میں داخل ہونے کی غلطی کی تو ہم اندر سے اس کا پوری طرح دفاع کریں گے](۵۱) آپ نے تجویز پیش کی کہ مسلمان اگر مدینہ طیبہ کے اندر رہیں اور وہاں سے اس کا دفاع کریں تو زیادہ بہتر ہوگا عبداللہ بن ابی (منافقین کا سردار) نے اس سے پورا اتفاق کیا اور کہا "یا رسول اللہ ﷺ ہم شہر کے اندر سے مدینہ طیبہ کا دفاع کریں گے اور جب وہ آگے بڑھیں گے تو ہماری عورتیں اور بچے تک ان کے اوپر پتھر پھینکیں گے جبکہ ہم اپنی تلواروں کے ساتھ ان سے لڑیں گے۔ مدینہ طیبہ تو ایک قلعے کی مانند ہے اور آج تک کسی دشمن کو اس پر برتری حاصل نہیں ہو سکی"

تقریباً یہی نظریہ چند یہودی لیڈروں کا بھی تھا اور چند مہاجرین اور انصار بھی اسی نظریے کے حامی تھے لیکن مسلمانوں کی اکثریت جو پہلے جہاد میں غزوہ بدر میں شرکت نہ کر سکی تھی وہ ہر قیمت پر کفار کے خلاف جہاد میں شرکت کر کے اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھانا چاہتی تھی۔ ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں دشمن سے دو ہاتھ کرنا چاہتے تھے جہاں وہ اپنا لوہا منوانا چاہتے تھے اور یہ صرف مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر ہی ہو سکتا تھا۔ ایک صحابی نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ ہم ایک مدت سے اس دن کی راہ تک رہے ہیں اور اللہ کے حضور دعائیں مانگتے رہے ہیں کہ اے اللہ ہمیں یہ دن جلدی دکھا۔ رب ذوالجلال کا شکر ہے کہ آج وہ دن آ گیا ہے چلیں ہم مدینہ طیبہ سے باہر جا کر ان کا مقابلہ کریں ورنہ وہ یہ سوچیں گے کہ ہم بزدل ہیں اور ہم میں لڑنے کی سکت نہیں ہے" سیدنا حمزہؓ عم رسول اللہ ﷺ اس معاملے میں سب سے پیش پیش تھے اور برملا کہہ رہے تھے کہ "اللہ کی قسم جس نے آپ کو کتاب برحق کے ساتھ بھیجا ہے میں زبان پر کوئی کھانا نہیں رکھوں گا جب تک کہ میں دشمن سے اپنی تلوار کے ساتھ مدینہ طیبہ کے باہر نہ نپٹ لوں۔" چنانچہ سید الانبیاء والاتقیاء رحمت دو عالم ﷺ نے اکثریت کی رائے کا احترام کیا اور مدینہ طیبہ سے باہر جا کر دشمنان دین سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا

سرور دو عالم ﷺ نے زرہ بکتر زیب تن فرمائی اور اپنے حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ کے مقربین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ حضور ﷺ کے دائیں بائیں تھے اس وقت چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پچھتاوے کا اظہار کیا کہ کیوں نہ انہوں نے

رحمت اللعالمین ﷺ کی بات مانی اور مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر دشمن کا
مقابلہ کیا جائے۔ انہوں نے آپ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ وہ مدینہ طیبہ
کے اندر رہ کر ہی دشمن کا مقابلہ کریں گے مگر شفیع المذنبین ﷺ نے
ارشاد فرمایا ، ایک نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جب وہ ہتھیار لگا
لے تو اس کو جہاد کرنے سے پہلے ہی اتار دے۔"(۵۲) آپ حضور
ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم ؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنی غیاب
میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آپ نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا
ایک بٹالین اوسی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی جو حضرت اسید بن حضیر ؓ کی کمان میں تھی دوسری خزرجی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین کی تھی جس کو حضرت حباب بن المنذر کمان کر رہے تھے جبکہ تیسری بٹالین مہاجرین کی تھی جو شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کی کمان میں تھی
(کچھ مورخین کے خیال میں یہ حضرت مصعب بن عمیر ؓ کی کمان میں تھی) حضرت سعد ابن معاذ ؓ اور حضرت سعد بن عبادہ ؓ پوری طرح ہتھیار
بند ہو کر اپنے سالار اعلیٰ سرور کونین ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے جب کہ دیگر جان نثاران رسول امین ﷺ دائیں بائیں اور پیچھے آپ
حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے جنگ کا کوڈ "امت امت" (یعنی قتل کر دو قتل کر دو) تھا (۵۳)

چونکہ جارح افواج زغابہ کے مقام پر مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں خیمہ زن ہوئی تھیں اس لیے نبی اکرم ﷺ اپنی ایک ہزار کی پیادہ
فوج کے ساتھ شمال کی طرف روانہ ہوئے اور بنی نجار کے ایک گھرانے کے پاس شیخین کے چوباروں کے پاس پہلا پڑاؤ کیا جہاں پر آپ نے اپنی
فوج کا معائنہ فرمایا چونکہ بہت سے نوجوان بھی جذبہ جہاد سے سرشار اس غزوہ میں شرکت کے لیے بیتاب تھے جن میں بہت سے اس وقت
نابالغ بھی تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جہاد میں شرکت کے متمنی نوجوانوں کی پریڈ منعقد کی تاکہ ان کی جسمانی استعداد کا تعین
ہو سکے (۵۴) یہ وہی مقام تھا جہاں کچھ نابالغ بچوں نے اپنی ایڑیاں اونچی کر کے کھڑے ہونے کی کوشش کی تاکہ وہ چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے رد
نہ ہو جائیں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ، حضرت اسامہ بن زید ؓ، حضرت البراء بن عازب ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ جیسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین کو محض اس بنا پر اس جہاد میں شرکت کی اجازت نہ مل سکی کیونکہ اس وقت وہ ۱۴ سال سے بھی کم عمر کے نابالغ تھے، لیکن حضرت سمرہ بن
جندب ؓ اور حضرت رافع بن خدیج ؓ کو اجازت مرحمت فرما دی گئی کیونکہ وہ تقریباً پندرہ سال کے ہو چکے تھے۔(۵۵) اس پڑاؤ کے دوران امام
الاولین والآخرین ﷺ نے شیخین نامی دو چوباروں کے قریب نماز ادا فرمائی اور وہیں پر رات بسر کی اور پھر نماز فجر اسی جگہ پر ادا کر کے مقام احد
کی طرف کوچ فرمایا (۵۶) یہ دیکھ کر مسلمانوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ابن ابی نے بے وفائی کی اور انتہائی مکاری سے اپنے تین سو ساتھیوں
کے ساتھ جہاد میں شرکت سے مکر گیا اور مدینہ طیبہ واپس لوٹ آیا اس نے بہانہ بنایا کہ اس کی مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کی تجویز رد کر
دی گئی تھی جہاں تک یہود کا تعلق تھا تو اگرچہ میثاق مدینہ کی شرائط کے تحت وہ مسلمانوں کا ساتھ دینے کے پابند تھے مگر انہوں نے بہانہ بنایا کہ
اس دن ان کا یوم سبت تھا جب کہ انہیں کچھ بھی کام کرنے کی ممانعت تھی بہت چند یہود آنے کو خواہش مند تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی
کہلوا بھیجا کہ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ لڑائی میں غیر مسلموں کی مدد کی ضرورت نہیں۔ اس طرح منافقین کے ایک بہت بڑے حصے کے الگ
ہو جانے سے اور یہود کی بہانہ بازی پر بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے ان میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے مجاہدین شامل تھے جو شدید
تذبذب کا شکار ہو رہے تھے۔(۵۷) قرآن کریم نے اس صورت احوال پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے ﴿ اور یاد کرو اے محبوب جب تم صبح کو اپنے
دولت خانہ سے برآمد ہوئے تاکہ مسلمانوں کو اپنے مورچوں پر قائم کرتے ، اور اللہ سب سنتا اور سب دیکھتا ہے جب تم میں سے دو گروہوں کا

جبل عینین، جہاں پچاس تیر انداز تعینات کیے گئے تھے وہاں جامع قدیم مسجد کے محراب نظر آ رہے ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز ادا فرمائی تھی اب اس مسجد کے نشانات بھی معدوم ہو چکے ہیں (تصویر ۱۹۶۵ء)

ارادہ ہوا کہ میدان میں نامردی کر جائیں اور اللہ ہی ان کو سنبھالنے والا
ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ﴾ (۵۸)
اور مزید فرمایا ﴿ تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے
میں دو فریق ہو گئے اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کے کرتوتوں کے
سبب ﴾ (۵۹) سید العرب والعجم ﷺ کی شخصیت معجز نگار کی برکت
اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جلد ہی ان کے خدشات دور کر دیئے
اور مسلمان پھر یک جان ہو کر سب ساتھ ہو گئے یوں سات سو حق پرستوں
پر مشتمل پیادہ مسلم فوج جس کے پاس ہتھیار اور وسائل کی شدید کمی تھی
اپنے سالار اعلیٰ کی سربراہی میں رزم حق و باطل کے لیے نکل کھڑے ہوئے (۶۰) مادی وسائل کی کمی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا
جا سکتا ہے کہ سات سو افراد کی فوج کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک سالار اعلیٰ کے پاس تھا اور دوسرا ایک صحابی حضرت ابی بردہ بن نیار ؓ
کے پاس تھا جب کہ جارح فوج کی عددی قوت چار گنا تھی اور سب کے سب کیل کانٹے سے لیس ہو کر آئے تھے ان کی گھڑ سوار فوج ۲۰۰
شہسواروں پر مشتمل تھی شیخین کے مقام پر نماز فجر کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی زرہ بکتر زیب تن فرمائی اس مقام پر آج بھی ایک چھوٹی
سی مسجد کی یاد میں موجود ہے جس کا نام مسجد درع یا مسجد شیخین ہے آپ حضور ﷺ نے رات وہیں کھلے آسمان کے نیچے گزاری تھی اور تقریباً
پچاس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا چاق و چوبند دستہ رات بھر اپنے آقا کے خیمہ پر پہرہ دے رہا تھا
دشمن پہلے سے شیخین سے تھوڑے فاصلے پر شمال کی طرف خیمہ زن ہو چکا تھا ہفتہ کے دن ۱۵ شوال ۳ ہجری کو سیدنا بلال بن رباح ؓ کی
اذان فجر پر سب مسلمان مجاہد اپنے آقا و مولا، سرور کائنات ﷺ کے گرد جمع ہو گئے امام الانبیاء ﷺ نے اس مٹھی بھر فوج کی امامت فرمائی ابھی
گھپ اندھیرا ہی تھا کہ کوچ کا حکم ہو گیا اور حرہ شرقیہ میں بنی حارثہ کے علاقے سے ہوتے ہوئے بل کھاتے راستوں سے یہ اللہ کے سپاہی اپنے
آقا ﷺ کی سالاری میں گامزن ہو گئے۔ آپ نے دشمن کے پڑاؤ کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے جبل احد کے دامن میں جو تھوڑا سا میدانی
علاقہ تھا اس کی طرف رخ فرمایا اور وہاں پہنچ کر اس طریقے سے خیمہ زن ہوئے کہ جبل احد مسلمان فوج کی پشت پر تھا اور مدینہ طیبہ سامنے کی
طرف پڑتا تھا۔ جبل احد چار سے پانچ کیلومیٹر لمبا پہاڑ ہے جو تقریباً منحنی شکل میں لمبائی میں (شرقاً غرباً) پھیلا ہوا ہے اور اس کے درمیان میں
نیم دائری شکل کا خم ہے جس میں وہ چھوٹا سا میدان واقع ہے جسے سرور دو عالم ﷺ نے میدان جنگ (Theatre of Operations) بننے
کے لیے کھلا چھوڑ دیا اس خم میدان کے مزید اندر کی طرف ایک چھوٹے سے درے سے گزر کر ایک اور کھلی جگہ تھی جہاں حضرت نبی اکرم ﷺ
نے اپنے شامیوں کو ٹھہرایا تھا نبی ہاشمی کی جنگی ﷺ نے بذات خود تمام جگہ کا معائنہ فرمایا اور دشمن سے کئی گنا کم فوج کو اس طرح مورچہ بند کیا کہ
جبل احد ان کی پشت پر تھا اور مقابلے کے وقت دشمن سامنے کی طرف سے آنے پر مجبور ہوتا نفسیاتی اور عسکری حکمت عملی کے طور پر اس سے
بہتر شاید ہی کوئی اور صف بندی کی صورت ہو سکتی تھی۔ بادی النظر میں تو مدینہ طیبہ کو کفار کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا مگر اس صف بندی کا نفسیاتی
اثر یہ تھا کہ جب دشمن مسلم افواج پر حملہ آور ہوتا تو اس کی پشت مدینہ طیبہ کی طرف ہو جاتی اور چونکہ صبح صادق کے اندھیرے میں دشمن کی نظروں
سے بچ کر مسلم فوج اپنے اس مقام تک پہنچ چکی تھی اس لیے دشمن کو مسلم فوج کی عددی قوت کا اندازہ نہ تھا اور حملہ کی صورت میں اس کو یہ
گمان رہتا تھا کہ ان کی پشت چونکہ مدینہ طیبہ کی طرف ہے عین ممکن ہے کہ مزید مسلم فوج ان کو پیچھے سے آ لیگی۔
البتہ اس میدان جنگ میں جغرافیائی طور پر کچھ خامیاں بھی موجود تھیں۔ ایک تو اس میدان کارزار میں وادی قناۃ کا نالہ تھا جس سے فوج

مسجد شیخین یا مسجد درع جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے غزوہ احد کے راستے میں پہلا پڑاؤ کیا تھا صبح ہوتے ہی مسلمان افواج کی صف بندی اسی مقام پر ہوئی تھی (تصویر جولائی ۲۰۰۰ء)

کی نقل و حرکت میں دشواری آسکتی تھی اور دوسرے جبل احد سے مدینہ طیبہ کی طرف ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جس کو جبل عینین (جبل الرماۃ) کہا جاتا ہے۔(۶۱) یوں اس پہاڑی اور جبل احد کے درمیان ایک درہ سا بن گیا تھا جو اگر دشمن کے ہاتھ لگ جاتا تو مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا کیونکہ اس صورت میں دشمن کو مسلمانوں پر میدانی برتری حاصل ہو جاتی لہٰذا الشمس الضحی بدر الدجی رسول عربی علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم نے اپنے بہترین تیر اندازوں کے ایک دستے کو (جو پچاس اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مشتمل تھا) حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں جبل عینین پر تعینات فرمایا اور ان کو واشگاف الفاظ میں احکامات جاری فرما دیے کہ حالات خواہ کیسا ہی رخ کیوں نہ اختیار کریں وہ ہر حالت میں اس پہاڑی پر ہی مورچہ زن رہیں گے۔ آپ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک بالکل واضح تھا۔ [ہماری پشت کی حفاظت کرو کیونکہ خدشہ ہے کہ دشمن اس طرف سے حملہ آور ہوگا۔ کسی بھی قیمت پر تم لوگ اپنی جگہ سے نہیں ہٹو گے خواہ تم دیکھو کہ ہم نے دشمن پر فتح پالی ہے اور تم کو ہم ان کے خیموں میں داخل ہوتے نظر آئیں، پھر بھی تم اپنی جگہ سے نہیں ہٹنا اور اگر تم دیکھو کہ ہم قتل ہو رہے ہیں اور گدھیں ہماری لاشوں پر منڈلانے لگی ہیں تب بھی تم ہماری مدد کی خاطر نیچے اتر کر نہ آنا](۶۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کے دستے کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا [اے تیر اندازو، اے اللہ کے مجاہدو، ہماری پشتوں کی حفاظت کرنا کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہمارے پیچھے سے وار کریں گے لہٰذا تمہیں ہر صورت میں اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے رہنا ہوگا اور نیچے اتر کر نہ آنا خواہ تم ہمیں قتل ہوتے ہوئے دیکھو پھر بھی ہمارے دفاع کے لیے نہ آنا تمہارا کام صرف ان کے گھوڑوں کو نشانہ بنانا ہے کیونکہ گھوڑے تیروں سے نہیں جیت سکتے](۶۳)

جبل عینین کا میدان جنگ کے عین بیچ میں واقع ہونا اگرچہ بظاہر مسلم فوج کے لیے نقصان دہ تھا مگر رسول کریم حکیم و علیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کی جنگی حکمت عملی کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہوگا کیونکہ اس بظاہر نقصان دہ رکاوٹ کو بہترین جنگی منصوبہ بندی کیلئے استعمال کیا گیا اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو ایک بار پھر پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ نے وہاں تیر اندازوں کے دستے کو جو احکامات دیئے تھے وہ بظاہر اس جغرافیائی خامی سے بہترین نتائج حاصل کرنے کی حکمت عملی تھی اور اگر تیر انداز دستہ آپ کے ارشادات کی تعمیل میں وہاں جما رہتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ مسلمان فوج غزوہ بدر کی طرح کامیاب اور کامران نہ ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ آپ کے حکم کے بغیر جنگ شروع نہ کی جائے مگر ان تیر اندازوں کو یہی حکم تھا کہ جونہی دشمن ان کی زد میں آئے وہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دیں۔ اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی جنگی حکمت عملی میں قیادت کی مرکزیت مگر حملہ کی عدم مرکزیت (Centralized Command but De-centralized Control) کا درس ملتا ہے جو بعد میں آنے والے خلافت راشدہ کے دور میں فلسفہ جنگ کا باقاعدہ حصہ بنا جس کی افادیت کا ادراک صحیح معنوں میں دور حاضر کے حربی ماہرین صرف پچھلی صدی میں ہی کر پائے ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے دوپٹے کو ایک چھڑی سے باندھ کر اسلام کا علم بنایا گیا جو حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھما دیا گیا۔(۶۴)

لشکر کفار نے جبل احد کی جنوب مغربی جانب اپنے خیمے لگائے تھے تھوڑی ہی دیر میں ان کی افواج نے صف بندی شروع کر دی۔ خالد بن ولید گھڑ سوار میمنہ کی کمان کر رہے تھے اور عکرمہ میسرہ کی اور طلحہ بن ابو طلحہ بن عبدالعزیٰ جو بنو عبدالدار کے روایتی علمبردار قبیلے سے تھا درمیانی حصے کی بنا مین کا سالار تھا صفوان بن امیہ (اور بعض روایات کے مطابق عمرو بن العاص) پیدل فوج کا سالار تھا جبکہ ابوسفیان پوری فوج کا سالار اعلیٰ تھا صفوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی تاکہ ان کی عورتیں اور گویے وہاں آجا سکیں اور رزمیہ اور عشقیہ شاعری سے ان کے حوصلے بڑھا سکیں۔

جوں جوں جنگ کے لیے قریب آتے گئے دونوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب تر آتی گئیں۔ ابوسفیان نے ایک پیغام رساں کے ذریعے کہلا بھیجا "اے معشر اوس و خزرج مجھے میرے چچیرے بھائی سے براہ راست معاملات طے کرنے دو، ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے کیونکہ ہمارا مقصد تم سے جنگ کرنا نہیں ہے" مگر انہوں نے اسے بہت سخت سست کہا (۶۵) اس پر ابو عامر راہب، اوس قبیلے کا بھگوڑا

اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ چلا گیا تھا اور وہاں سے ان کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کی غرض سے آیا تھا آگے بڑھا اور اپنے قبیلے (اوس) کے لوگوں کو پکار کے کہا کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں لیکن اس کے قبیلے کے لوگوں نے اس پر دشنام طرازی کی بوچھاڑ کر دی (۶۶) مسلمانوں کی یہ دو ہی چالیں ان نفسیاتی جنگ کا حصہ تھیں جس کو ابوسفیان مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے بروئے کار لا رہا تھا مگر اس کی یہ دونوں چالیں ناکام رہیں اب عرب روایات کے مطابق جنگ کے ساتھ ایک دو بدو لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا سب سے پہلے طلحہ عبدالدری میدان میں نکل کے آگے بڑھا اور اس نے اپنے مدمقابل کو پکارا۔ مسلمانوں کی طرف سے شیر یزداں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا چیلنج قبول کیا اور آگے بڑھے سامنے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے شیر خدا علی المرتضیٰ نے اس کا سر قلم کر دیا اور وادی قناۃ نعرہ تکبیر سے گونج اٹھی طلحہ کا بھائی آگے بڑھا اور شیر خدا اور شیر رسول سیدنا حمزہؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ طلحہ کا تیسرا بھائی آگے بڑھا وہ چنگھاڑ رہا تھا "تم اس خیال خام میں ہو کہ تمہارے مقتول شہید ہیں اور جنت میں جائیں گے اور ہمارے مقتول جہنم میں جائیں گے؟ بخدا اگر کوئی تم میں سے اس وہم میں مبتلا ہے تو وہ آگے آئے اور مجھ سے دو ہاتھ کر کے دیکھے" وہ ابھی اپنی دھمکی پوری نہ کر پایا تھا کہ شیر کی سی سرعت کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ اس پر جھپٹے اور اس کا سر بریدہ وجود مرغ بسمل کی طرح زمین پر تڑپ رہا تھا ایک ایک کر کے طلحہ کے بھائی آگے آئے اور کفار کا علم تھامتے رہے (نو کے نو بھائی) شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوتے گئے جب انفرادی معرکوں سے کفار کے پاس کوئی اور راہ نہ بچی تو انہوں نے چڑھائی کر دی حضور نبی رحمت ﷺ نے مٹانے کے لیے بھرپور حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ مسلمانوں نے ان کا ابتدائی حملہ بڑی آسانی سے روک لیا کیونکہ سالار اعلیٰ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی فوج کو کچھ اس طریقے سے صف بند کیا تھا کہ جبل عینین کے اوپر تعینات دستے نے ان کے گھڑسواروں کا بس نہ چلنے دیا اور یوں ان کی عددی برتری مسلمانوں کی عددی کمتری کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ ان کی پیادہ فوج اور گھڑسوار بے بس نظر آرہے تھے دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں نے ایک زوردار حملہ کیا اور دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپائی پر مجبور ہو گئے

ابن اسحاق کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ نے دو زرہ بکتر زیب تن فرمائی تھیں عین لڑائی میں آپ حضرت ﷺ نے اپنی تلوار کو بلند کرتے ہوئے فرمایا [کون ہے جو یہ تلوار لے گا اور اس کا حق ادا کرے گا؟] بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگے بڑھے لیکن آپ حضور ﷺ نے وہ تلوار کسی کو عطا نہیں کی جب تک کہ حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ جو بنو ساعدہ سے تھے اس تلوار کو لینے کے لیے آگے نہیں بڑھے انہوں نے وہ تلوار حاصل کی اور واقعی انہوں نے اس کے استعمال کا حق ادا کر کے دکھا دیا۔ شمشیر براں کو ہاتھ میں لے کر حضرت ابو دجانہ جس طرف بھی بڑھتے کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ دشمن ان سے خائف ادھر ادھر بھاگتا پھر رہا تھا اس زوردار ریلے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک کالی شخص مسلمانوں پر اپنے ناخنوں سے حملے کرتا اور ان کو زخم پہنچانے کی کوشش کرتا تھا حضرت ابو دجانہؓ نے ارادہ کیا کہ کوئی مشرک کا کام تمام کر دیں لیکن جونہی آپ اس کے قریب گئے تو یہ دیکھ کر آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ تو مرد نہیں بلکہ ایک عورت تھی۔ وہ ہند تھی جو ابوسفیان کی بیوی تھی یہ دیکھ کر انہوں نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ آپ حضور نبی کریم ﷺ کی عطا کردہ شمشیر کو ایک عورت کے خون سے رنگنا نہیں چاہتے تھے (۶۷) کفار کی عورتیں اپنے اونٹوں کے ہودوں پر بیٹھی تھیں اور جب ان کی فوج پیش قدمی کرتی تو وہ بھی حرکت میں آجاتیں ہند اور اس کی دیگر ساتھی عورتیں اپنی فوج کے شانہ بشانہ آگے آگے تھیں اور اپنے طبلے اور دف بجا بجا کر یہ شعر پڑھ کر جوش اور ولولہ پیدا کر رہی تھیں

نحن بنات طارق | نمشی علی النمارق
ان تقبلوا نعانق | او تدبروا نفارق
فراق غیر وامق (۶۸)

﴿مومنین میں کچھ وہ مرد ہیں جنھوں نے اللہ سے کیا ہوا عہد سچ کر دکھایا، ان میں سے کوئی تو اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے۔﴾ (۳۔ب)

مرد حضرات تو ایک طرف، ایک صحابیہ حضرت ام عمارہؓ نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہادری اور استقامت کی بہت داد دی۔ ان کا ایک بازو کٹ چکا تھا اور باقی جسم زخموں سے چور ہو چکا تھا مگر وہ ایک چٹان کی طرح آپ کا دفاع کر رہی تھیں۔ آپ ﷺ کے دفاع میں ڈٹی ہوئی تھیں زیادہ زخم آجانے کی وجہ سے حضرت طلحہؓ کا ایک ہاتھ ہمیشہ کے لیے مفلوج ہو گیا تھا۔ (۷۴) حضرت ابو دجانہؓ رسول اللہ ﷺ کے گرد ایک مکمل ڈھال کی طرح ڈٹے ہوئے تھے اور ان کی پشت تیروں کے پے در پے وار سے چور ہو چکی تھی۔ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور نبی کریم ﷺ کے دفاع میں اپنی جانیں نذرانے کے طور پر پیش کیں اور کتنے ہی تھے جو شدید زخمی ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے دفاع میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اتنے تیر چلائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تحسین میں فرمایا "سعد میرے ماں باپ تجھ پر قربان"۔ (۷۵) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے [میں نے کبھی بھی حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے والد اور والدہ کا ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا سوائے اس دن کے جب کہ آپ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو داد تحسین دی۔] (۷۶) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی اپنی روایت ہے [میں نے رسول اللہ ﷺ کو غزوہ احد کے دن دو افراد کی معیت میں دیکھا جو آپ حضور ﷺ کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے۔ دونوں سفید کپڑوں میں ملبوس تھے اور انتہائی بہادری سے لڑ رہے تھے جتنا کہ حد امکان میں تھا۔ میں نے ان حضرات کو کبھی پہلے دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی بعد میں۔] (۷۷)

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: جب غزوہ احد کا دن تھا تو بہت سے لوگ حضور نبی کریم ﷺ کو چھوڑ گئے مگر ابو طلحہؓ حضور ﷺ کے پاس رہے۔ وہ اپنی چمڑے سے بنی ڈھال سے نبی کریم ﷺ کا دفاع کرتے رہے۔ ابو طلحہؓ ایک منجھے ہوئے تیر انداز تھے جو دشمن پر تیروں کی بارش کر دیتے۔ اس دن ان کے ہاتھ سے دو کمانیں ٹوٹ گئیں۔ اگر کوئی تیروں سے لدا ترکش لے کر پاس سے گزرتا تو حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے "تمام تیر ابو طلحہ کے لیے چھوڑ دو"۔ جب کبھی حضور نبی اکرم ﷺ دشمن کو دیکھنے کی غرض سے اپنا سر مبارک اونچا کرتے تو ابو طلحہؓ عرض کرتے "میرے ماں باپ آپ پر فدا، حضور اپنا سر مبارک اونچا نہ کریں مبادا کہ دشمن کا کوئی تیر آپ کے جسم اطہر میں لگ جائے۔ آپ کی گردن کی بجائے میری گردن حاضر ہے!" حضرت ابو طلحہؓ کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے ہاتھ سے دو تین مرتبہ تلوار چھوٹ کر گر پڑی۔ (۷۸) چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ دو زرہ بکتر زیب تن کیے ہوئے تھے، اس لیے آپ حضور ﷺ کو جبل احد پر چڑھنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو طلحہؓ بھاگ کر آئے اور آپ حضور ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا تاکہ حضور ﷺ اوپر چڑھ سکیں۔ (۷۹) حضرت قتادہ بن نعمان انصاریؓ کی ایک آنکھ میں دشمن کا تیر آ کر لگا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ کر باہر آ رہی۔ وہ اسی حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی آنکھ کو اس کی جگہ میں پیوست کر دیا اور اس معجزہ نبویہ کی بدولت وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور بصارت رکھتی تھی۔ (۸۰) حقیقت تو یہ ہے کہ ہر صحابی نے شجاعت اور بہادری میں اپنا حق ادا کر دکھایا اور جریدہ عالم پر مومنین کی بہادری کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔ اس معرکہ حق و باطل میں ایسے ایسے ایمان افروز واقعات ہوئے کہ ان کا کما حقہ احاطہ اس چھوٹے سے باب میں ناممکن ہے۔

مردوں کے شانہ بشانہ مسلم خواتین (صحابیات رضوان اللہ علیہن اجمعین) نے بھی کمال شجاعت سے کام لیا تھا۔ زیادہ تر ان کا کام مرہم پٹی کرنا اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرنا تھا۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے [میں نے (ام المومنین) سیدہ عائشہؓ بنت ابو بکرؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا انہوں نے اپنے لباس اپنی پنڈلیوں کی طرف اٹھائے ہوئے تھے اور مجھے ان کی پازیبیں جو انہوں نے پہنی ہوئی تھیں نظر آرہی تھیں۔ وہ

مشکیزے بھر بھر کر اپنی کمر پر اٹھا کر لاتیں اور زخمیوں کے منہ میں ڈالتی جاتیں۔ جب ختم ہو جاتے تو وہ اپنے مشکیزے پھر سے بھر کر لاتیں اور زخمیوں کی پیاس بجھاتی تھیں۔] (۸۱)

ایک مشرک نے حضور نبی اکرم ﷺ پر پتھر پھینک دیا۔ سر مبارک پر خود ہونے کی وجہ سے سر مبارک تو محفوظ رہا مگر زرہ بکتر کی زنجیر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اندر کی طرف اندر دھنس گئیں اور آپ حضور ﷺ کا چہرہ اقدس خون سے بھر گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا [وہ قوم بھلا کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کا چہرہ اس کے خون سے رنگ دیتی ہے جب کہ اس کا قصور صرف یہ ہو کہ وہ ان کو اللہ کی طرف بلا رہے ہوں؟] (۸۲) ابن اسحاق بیان کرتے ہیں "مسلمان بھاگنے پر مجبور تھے اور اسی بھگدڑ میں دشمن نے بہت سوں کو شہید کر دیا۔ یہ ایک کڑے امتحان کا دن تھا جب اللہ رب العزت نے بہت سوں کو شہادت سے نوازا۔ پھر دشمن حضور نبی اکرم ﷺ پر چڑھ دوڑے۔ آپ ﷺ کو ایک پتھر لگا اور آپ حضور ﷺ ایک طرف گر پڑے اور آپ حضور ﷺ کا ایک دانت مبارک شہید ہو گیا۔ آپ کا چہرہ مبارک خون سے تر ہو گیا اور ایک ہونٹ بھی زخمی ہو گیا۔ جس بد بخت نے آپ کو زخمی کیا تھا اس کا نام تھا عتبہ بن ابی وقاص"۔ (۸۳) حضرت عبد اللہؓ سے مروی ہے [مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ حضور ﷺ بنی اسرائیل کے ایک نبی کا قصہ بیان فرما رہے تھے جن کو ان کی قوم نے زدوکوب کیا تھا۔ آپ حضور ﷺ اپنے چہرہ مبارک سے خون صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ میرے اللہ میرے لوگوں کو معاف فرما دے، کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں۔] (۸۴) حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے دانتوں سے زرہ بکتر کی کڑیاں حضور نبی کریم ﷺ کے چہرہ اقدس سے نکالیں۔ آں حضرت ﷺ کے اگلے دو دانت شہید ہو گئے تھے اور آپ حضور ﷺ کا چہرہ اقدس زخمی ہو گیا تھا۔ (۸۵) حضرت مالک بن سنانؓ (حضرت ابو سعید الخدریؓ کے والد ماجد) نے بذات خود زخمی ہونے کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ کا ٹوٹا ہوا دانت اپنے دانتوں کے ساتھ کھینچنے کی کوشش کی۔ ابن ہشام کے مطابق "مالک بن سنانؓ نے، جو حضرت ابو سعید خدریؓ کے والد تھے، نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس پر سے آپ کا خون جو بہہ رہا تھا اس کو چوس کر صاف کیا اور اس خون کو نگل لیا جس پر رسول رحمت ﷺ نے فرمایا [جس کا خون میرے خون سے مل گیا اس کو بھلا آتش جہنم سے کیا ڈر!] (۸۶) آپ حضور ﷺ نے مزید فرمایا [جو کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے جس کا خون میرے خون سے مل گیا ہے، اس کو چاہیے کہ وہ مالک بن سنانؓ کو دیکھے۔] (۸۷) آپ حضور ﷺ کے اتنا فرمانے کی بات تھی کہ حضرت مالک بن سنانؓ کی خوشی اپنی انتہا کو چھو رہی تھی۔ کیف و مستی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے آپ کو مالک بن سنان (زیر۔ فتح کے ساتھ) کہلوانا شروع کر دیا تھا۔ (سنان اگر زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ قدیم عربی نام ہے مگر اگر زبر کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب 'دانت' ہوتا ہے)۔

جب چار سو یہی افراتفری کا عالم تھا تو ایک مشرک ابن قمیہ اللیثی نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر دیا۔ وہ مسلمانوں کے علم بردار بھی تھے اور کچھ حد تک ان کی مشابہت حضور نبی اکرم ﷺ سے بھی ملتی تھی۔ مشرکین میں سے کچھ لوگوں کو یہ گمان گزرا کہ حضور نبی اکرم ﷺ شہید کر دیئے گئے اور یہ افواہ آناً فاناً دونوں لشکروں میں پھیل گئی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حضور نبی اکرم ﷺ سے عشق اس حد تک تھا کہ یہ افواہ ان پر بجلی بن کر گری۔ ان کے حوصلے پست ہو گئے اور ہر طرف افراتفری اور سراسیمگی کا عالم چھا گیا۔ مسلمان تو پہلے ہی دشمن کی گھڑ سوار فوج اور پیدل فوج کی چکی میں پس رہے تھے، اوپر سے اس خبر نے ان پر قیامت ڈھا دی۔ بہت سوں نے تو ناامید ہو کر لڑائی ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ "جب یہ غوغا بلند ہوا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو چکے ہیں تو ہر طرف سراسیمگی چھا گئی۔ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اکا دکا لڑنے والے رہ گئے اور وہ بھی ایسے لگتا تھا جیسے کہ بے مقصد لڑائی لڑ رہے ہوں۔ ان کی بدحواسی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ غلطی سے بعض مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت حسیل (یمان) ابن جابر ابو حذیفہؓ (حضرت حذیفہؓ کے والد ماجد) شہید ہو گئے۔ قرآن کریم کے الفاظ تھے: ﴿اور یاد کرو وہ وقت جب تم ادھر ادھر سراسیمگی کے عالم میں بھاگ رہے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے، جب کہ تمہارے پیچھے

رسول اللہ ﷺ تمہیں آواز یں دے رہے تھے اور تمہیں بلا رہے تھے پھر تمہیں غم کا بدلہ غم دیا اور معافی اس لیے سنائی کہ جو ہاتھ سے گیا اور جو افتاد پڑی اس کا رنج نہ کرو اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ﴾(۸۸) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے [کہ اس مرحلے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف نو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رہ گئے تھے۔ جن میں سے سات انصار سے تھے اور دو مہاجرین سے تھے](۸۹) حضرت محمود بن عمروؓ کی روایت ہے [جب کفار نے آپ حضور ﷺ کو چاروں طرف سے نرغے میں لے لیا تو آپ حضرت ﷺ نے فرمایا [کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان کا سودا کرے؟] حضرت زیاد بن السکنؓ اپنے پانچ انصاری ساتھیوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے وہ حضور نبی کریم ﷺ کے دفاع میں اپنی جان کی بازی لگا گئے، ایک ایک کر کے وہ سب جان نثاران شہید ہو گئے، صرف حضرت زیادؓ زندہ تھے جو زخموں سے نڈھال اور مفلوج ہو چکے تھے تب بہت سے مسلمان واپس آ گئے اور دشمن کو آپ حضور ﷺ نے دور مار بھگایا آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادؓ کو آپ کے پاس لایا جائے اور آپ حضرت ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک پھیلا دیئے جن پر حضرت زیادؓ کا سر رکھا گیا اور یوں انہوں نے اپنے آقا و مولا حضور سرور دو عالم ﷺ کے قدموں میں اپنی جان نچھاور کی](۹۰)

ایک طرف تو فرقہ تفرقہ میں گھرے ہوئے جاں باز مسلمان تھے جن کے پاس سامان حرب کی بھی شدید قلت تھی اور دوسری طرف کئی گنا بڑی فوج تھی جو جذبہ انتقام سے بھرپور تھی جن و مسلم فوج کے تیر انداز دستے کی عدم انضباطی نے میدان جنگ میں برتری دے دی تھی اس کی کوتاہی نے پوری مسلم فوج کو مشکل میں ڈال دیا تھا اور جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں بدل کر رکھ دیا تھا اس سے بد دل ہو کر مسلمانوں کے کچھ مجاہدوں نے مدینہ طیبہ کا رخ کر لیا (۹۱) لیکن جونہی انہیں معلوم پڑ گیا کہ رسول اللہ ﷺ بسلامت ہیں تو وہ واپس میدان جنگ میں کود پڑے اگرچہ اس وقت تک دشمن میدان جنگ سے نکل چکا تھا قرآن کریم کے الفاظ میں ﴿وہ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں آپس میں بھڑی تھیں، انہیں شیطان ہی نے لغزش دی تھی ان کے بعض اعمال کے باعث اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا، بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔﴾(۹۲)

جب حضرت انس بن نضرؓ نے ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا جو اس افواہ پر کان دھر کر کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو چکے ہیں لڑائی سے ہاتھ کھینچ چکے تھے، تو انہوں نے فرمایا [رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد تم اپنی حیات کا کیا کرو گے؟ اٹھو اور اسی راستے میں اپنی جان دے دیجئے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ قربان کی ہے] یہ سننا تھا کہ سب نے تلواریں سونت لیں اور دشمن پر پل پڑے اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ آج تک ان کی شجاعت کی مثالیں دی جاتی ہیں جب جنگ اپنے اختتام کو پہنچی اور حضرت انس بن نضرؓ کے جسد خاکی کا معائنہ کیا گیا تو انکشاف ہوا کہ ان کے جسم پر اسی سے زیادہ زخم تھے۔(۹۳) دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ زندہ بچ جانے والوں میں سے حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کو بیس زخم آئے تھے

اس جگہ پر حضرت البراء بن العازبؓ سے مروی ایک طویل حدیث کو بیان کرنا بے محل نہ ہو گا جو اس جنگ میں بنفس نفیس شریک تھے جب کہ وہ ابھی عنفوان شباب میں داخل ہوئے تھے ان سے مروی ہے [ہمارا اس دن مشرکین سے مقابلہ تھا رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کے ایک دستے کو تعینات کیا اور حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ کو ان کا سربراہ مقرر کرتے ہوئے فرمایا [اس جگہ کو ہرگز نہ چھوڑنا، اگر تم ہمیں دشمن پر فتح پاتے دیکھو تو بھی اس جگہ کو نہ چھوڑنا اور اگر تم دیکھو کہ وہ ہم پر فتح حاصل کر رہے ہیں تب بھی ہماری مدد کے لیے تم اس جگہ سے نیچے نہ اترنا] لہذا جب ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا، دشمن میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ میں نے ان کی عورتوں کو پہاڑ کی جانب اس حالت میں بھاگتے ہوئے دیکھا کہ وہ اپنے پائنچے اٹھائے بھاگ رہی تھیں اور ان کی پنڈلیوں پر پہنے ہوئے زیور ہمیں نظر آ رہے تھے مسلمانوں نے کہنا شروع کر دیا "مال غنیمت، مال غنیمت" حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ نے کہا ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پکا

اس تصویر میں جو خالی جگہ نظر آ رہی ہے وہ تمام کا تمام مسجد سید الشہداء کا بنا تھا (تصویر اپریل ۲۰۰۰ء)

گیا ہو۔ ہے کہ ہم یہ چوٹی نہیں چھوڑیں گے مگر انہوں نے اس کی ایک نہ سنی اس حکم عدولی پر اللہ نے ان کو تذبذب میں ڈال دیا اور وہ اس حد تک پریشان تھے کہ کہاں جائیں اور اس طرح ستر مجاہدین شہید ہو گئے تھے میں ابوسفیان ایک چوٹی پر چڑھا اور کہنے لگا کیا ہمارے لوگوں میں (حضرت) محمد (ﷺ) زندہ ہیں؟ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے سوال کا جواب نہ دیا جائے ابوسفیان پھر گویا ہوا "کیا ابو قحافہ کے بیٹے تم میں موجود ہیں؟" رسول اللہ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا کہ اس کا جواب نہ دیا جائے ابوسفیان نے پھر سوال کیا "کیا ابن الخطاب تم میں زندہ ہے؟" پھر وہ کہنے لگا "وہ سب مارے گئے ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ ضرور جواب دیتے" اس پر سیدنا عمر فاروقؓ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے کہا "اے اللہ کے دشمن تم جھوٹے ہو اللہ کریم نے انہیں زندہ رکھا ہے تاکہ تمہارے دکھ اور ذلت میں اضافہ ہو" اس پر ابوسفیان نے کہا "بڑائی ہو ہبل کی" اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [اس کو جواب دو] انہوں نے استفسار کیا کہ حضور ہم کیا کہیں؟ آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہو اللہ سب سے بڑا اور شان والا ہے'] ابوسفیان نے کہا 'ہمارے پاس ہبل ہے اور تمہارے پاس کوئی ہبل کا بت نہیں'' رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ کہو [اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں'] ابوسفیان نے کہا [اس دن نے ہمارا بدر کا حساب برابر کر دیا اور جنگ کبھی حتمی نہیں ہوتی بلکہ متحارب فریقین میں بدلتی رہتی ہے تم دیکھو گے کہ تمہارے شہداء میں سے کچھ کا مثلہ کیا گیا ہے مگر نہ میں نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ ہی میں شرمندہ ہوں۔"(۹۴)

لیکن جوں ہی مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ محفوظ ہیں، ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے دشمنوں کی دھلائی شروع کر دی تھی اس تھوڑے سے وقفے کے دوران رسول اللہ ﷺ پہاڑ کی ایک چوٹی میں غار میں تشریف لے گئے جہاں آپ حضور ﷺ کے زخموں کو دھویا گیا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اپنے خود میں پانی بھر بھر کر لاتے اور سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ نے آپ کے زخموں کی دیکھ بھال فرمائی۔" جب مسلمانوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھ لیا تو وہ آپ حضور ﷺ کو پہاڑ پر لے گئے آپ حضور ﷺ کے ہمراہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت حارث بن الصمہؓ اور دیگر اصحاب بھی تھے"(۹۵) جب حضور نبی اکرم ﷺ اس غار کے دہانے پر پہنچے تو سیدنا علی المرتضیٰؓ اپنے خود میں المہراس (جو اس چٹان کے اوپر ایک چشمہ تھا۔ اور آج بھی موجود ہے) سے پانی بھر کر لائے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا مگر آپ حضور ﷺ نے پینے سے انکار کر دیا کیونکہ اس سے بو آ رہی تھی تاہم آپ حضور ﷺ نے اسے اپنے زخم دھونے کے لیے استعمال فرمایا اور آپ حضور ﷺ نے اسے اپنے سر مبارک پر بھی ڈالا اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [اللہ کا اس پر شدید عذاب ہو گا جس نے اللہ کے نبی کا چہرہ خون سے رنگا](۹۶) حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ نے بیان فرمایا [فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ نے آپ حضور ﷺ کے زخموں کو دھویا جب کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اپنے خود سے پانی بہا رہے تھے جب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ نے دیکھا کہ پانی کے استعمال سے خون زیادہ مقدار میں بہنا شروع ہو گیا تو انہوں نے ایک کپڑا جلایا اور اس کی راکھ زخموں پر ملی جس سے خون جم گیا اور بہنا بند ہو گیا آپ حضور ﷺ کے اگلے دو دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور چہرہ مبارک پر زخم بھی آئے تھے اور پتھر سے آپ حضور ﷺ کا خود ٹوٹ گیا تھا](۹۷) جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے آقا و مولا ﷺ کی دیکھ بھال کر رہے تھے تو اس وقت کفار مکہ کی عورتیں مسلم شہداء کے کان اور

ناک کاٹنے میں مشغول تھیں ان عورتوں نے تو ان بریدہ کانوں اور ناکوں کے ہار بنا لیے تھے ہند زوجہ ابوسفیان نے سیدنا حمزہؓ کا سینہ چاک کیا اور آپ کا دل اور کلیجہ نکال کر چبانے لگ گئی ابن اسحاق لکھتے ہیں "صالح بن کیسانؓ نے مجھے بتایا کہ ہند بنت عتبہ اور دیگر عورتوں نے جو اس کے ساتھ تھیں شہداء کی لاشوں کا مثلہ کیا انہوں نے ان کے کان اور ناک کاٹ دیے اور ہند نے تو ان کے پازیب اور گلے کے ہار بنائے اور اس نے اپنے پازیب اور گلے کا ہار وحشی کو دے دیا جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا اس نے سیدنا حمزہؓ کا کلیجہ نکالا اور اس کو چبانے لگ گئی مگر وہ اس کو نگل نہ سکی اور اس کو پھینک دیا"

حضور نبی کریم ﷺ کی پہاڑ کی چوٹی پر واقع غار میں چلے جانا سودمند ثابت ہوا ابن اسحاق کے الفاظ میں [وہ مسلم جو ادھر ادھر بکھر چکے تھے اس نقطہ ارتکاز پر جمع ہوگئے] اگرچہ اس مرحلے میں مسلمان زیادہ تعداد میں شہید ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ بنفس نفیس ان کی کمان سنبھال لی تھی جو ایک ایسی جگہ پر تھی جو اپنی اونچائی اور سنگلاخ چٹانوں کی وجہ سے تقریباً ناقابل تسخیر تھی۔ ابن کثیر نے بڑی تفصیل سے معرکے کے اس حصے کو بیان کیا ہے اور ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے کہ کیسے حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دوبارہ منظم کیا اور ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کو مختلف اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سرکردگی میں مختلف سمتوں پر متعین کیا تاکہ دشمن کی پیش رفت روکی جا سکے دشمن بار بار اس چوٹی کا رخ کرتا مگر ناکام ہوتا۔ ابوسفیان اپنی فوج کو اوپر جانے پر مجبور کرتا رہا مگر ہر بار جب دشمن آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنے تیروں سے ان کے سینے چھلنی کر دیتے اور دشمن پسپائی پر مجبور ہو جاتا بہت سے ناکام حملوں کے بعد دشمن جان گیا تھا کہ مزید کوشش بے سود ہوگی اور یہ کہ مسلمانوں کو وہاں جا لینا اس کے بس کی بات نہیں تھی دشمن اب تھک چکا تھا اور مزید لڑائی کی اس میں ہمت بھی نہیں رہی تھی۔

کفار میں سے ایک، ابی بن خلف، یہ کہتے ہوئے چوٹی کی طرف بڑھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کو قتل کرے گا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو منع فرما دیا کہ اس پر تیر اندازی نہ کریں بلکہ یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس اس پر تیر چلائیں گے۔ آں حضرت ﷺ نے نیزہ طلب فرمایا اور اس کی طرف کس دیا۔ وہ کافر ابن کافر ایک چیخ مار کر کانپنے لگ گیا اور اپنے گھوڑے سے نیچے آ رہا۔ وہ زخمی ہو گیا تھا اور مکہ واپس جاتے ہوئے مقام 'سرف' پر اسی زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے واصل جہنم ہوا ایک روایت میں ہے کہ ہجرت مبارکہ سے پہلے جب کبھی بھی وہ رسول اللہ ﷺ سے مکہ میں ملتا تو کہا کرتا تھا: "اے محمد (ﷺ) میرے پاس ایک گھوڑا عوذ نامی ہے جس کو میں خوب چارا کھلا کر پال پوس رہا ہوں۔ اس کے اوپر بیٹھ کر میں تمہیں قتل کروں گا" اور رسول اللہ ﷺ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے [نہیں، انشاءاللہ میں تمہیں قتل کروں گا!] راستے میں جب اس کے ساتھیوں نے اسکو زخم کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ انہوں (یعنی رسول اللہ ﷺ) نے مکہ میں مجھے کہا تھا کہ وہ مجھے قتل کریں گے، واللہ اگر نیزے کی جگہ وہ مجھ پر تھوک بھی پھینک دیتے تو بھی میں مر جاتا۔"(۹۸) طبری نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگرچہ دیکھنے میں وہ زخم معمولی سا لگ رہا تھا مگر جب نیزہ اس کی گردن میں لگا تو وہ بیل کی سی خوفناک آواز سے [illegible] تھا (۹۹) حضرت سعید ابن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ قرآنی آیت [تو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ جو تم نے پھینکا تھا وہ تم نے نہیں بلکہ میں نے پھینکا تھا۔](۱۰۰) کی شان نزول حضور نبی اکرم ﷺ کا اسی کافر کی طرف وہ نیزہ پھینکنا ہی تھا۔(۱۰۱)

چونکہ ان کی فوج کی اکثریت کرائے کے جنگجو تھے اس لیے ان میں وہ دلجمعی نہ رہی تھی اور تھکاوٹ ان کے چہروں سے عیاں تھی ابوسفیان انتہائی معاملہ فہم سپہ سالار تھا اور ان کے طرز عمل کو بھانپ چکا تھا اور ان کو مزید امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا حضرت کعب ابن مالکؓ نے عمرو بن العاص (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) کی ہجو کے جواب میں ابوسفیان کی جلدی جلدی واپسی پر فقرہ کسا تھا

جبل احد کی مغربی جانب وہ حصہ جہاں لشکر کفار خیمہ زن ہوا تھا اسے دائرے کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے (تصویر اگست ۲۰۰۱ء)
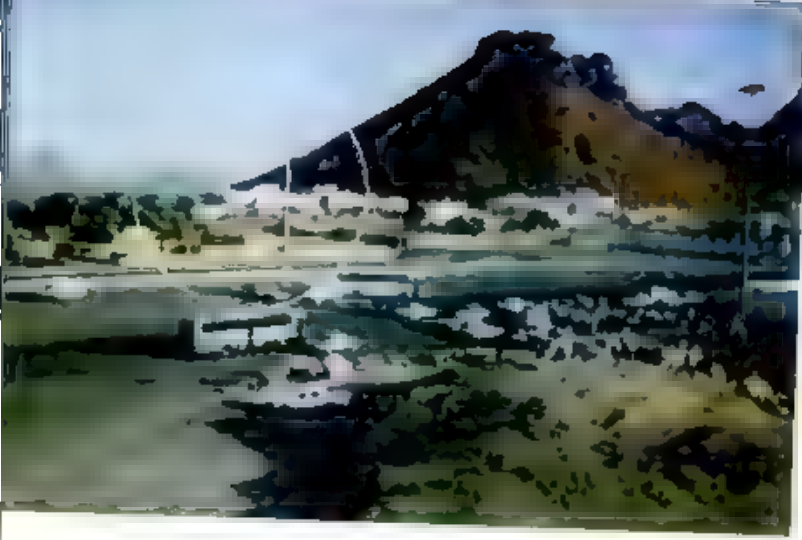
مگر ابوسفیان بھاگ کھڑا ہوا اور وہ بخت بچ کر بھاگ نکلا تو مشیت الٰہی
کے مطابق اس کی بہتری اسی میں ہی تھی
وگرنہ ہم اس کو ایسا سبق سکھاتے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھتا
اگر تم ڈھلوان میں ٹھہرنے کی حماقت کرتے تو وادی کے عین بیچ کی
تم پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی
جاں نثاران نبی جو زرہیں پہنے ہوئے تھے وہ گروہ در گروہ
تمہاری درگت بنا دیتے (۱۰۲)

اگرچہ مسلمانوں کو خدشہ تھا کہ ابوسفیان مدینہ طیبہ پر بھی حملہ آور ہو سکتا ہے مگر وہ یہ اعلان کر کے انہوں نے جنگ ختم کرنے کا عندیہ دیتے ہوئے اس اعلان کے ساتھ کوچ کرنے میں ہی عافیت سمجھی "تمہارا اور ہمارا مقابلہ اب کی بار اگلے سال بدر میں ہوگا" رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو ارشاد فرمایا کہ وہ کہہ دیں [ہاں انشاءاللہ](۱۰۳)

مسلمانوں کے شہداء کی تعداد ستر تک پہنچ گئی تھی جن میں سے زیادہ تعداد انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی۔ نقاہت کی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ نے بیٹھ کر نماز کی امامت فرمائی حضرت رافع بن خدیجؓ جن کو صغر سنی کے باوجود اس غزوے میں شرکت کی اجازت ملی تھی بیان کرتے ہیں [حضور نبی کریم ﷺ نے نماز اس چھوٹی سی مسجد میں ادا کی جو شعب جرار میں جبل احد کے دامن میں جب کوئی زائر جائے تو دائیں ہاتھ میں پڑتی ہے](۱۰۴) وہ جگہ جہاں آپ حضور ﷺ نے نماز کی امامت فرمائی تھی وہ آج بھی معروف ہے اور وہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بنائی ہوئی "مسجد فسح" کے کھنڈرات ہیں جو انتہائی خستہ حالت میں ہیں۔

اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دفنانے کا حکم دیا۔ آپ حضور کو اتنی تعداد میں مسلمان شہید ہونے کا بہت رنج تھا اور شہداء کے مثلہ کیے جانے پر اور خاص طور پر اپنے چچا سیدنا حمزہؓ کی لاش کی بے حرمتی پر بہت دکھ تھا یہ اسی درد و کرب کا نتیجہ تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی اہل مکہ آپ کے ہاتھ لگ جائیں گے تو ان کا حشر بھی ویسا ہی کیا جائے گا لیکن قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کے نزول نے آپ کے غصے کو ٹھنڈا کر دیا ﴿اور نیکی اور بدی برابر نہیں اور برائی کو بھلائی سے دور کر، اور اس طرح جو دشمنی تیرے اور ان کے درمیان میں ہے گہری دوستی میں بدل جائے گی اور یہ دولت صابروں کے سوا کسی کو نہیں ملتی اور بڑے نصیب والا ہی اسے پاتا ہے۔﴾(۱۰۵)

اپنے شہداء کو دفنانے کے بعد مسلمان مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ واپس تشریف لاتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے کچھ دیر کے لیے بنو حارثہ کے علاقے میں استراحت فرمائی۔ جس جگہ پر حضور ﷺ نے قیام فرمایا تھا وہاں آج بھی مسجد المستراح کے نام سے ایک مسجد موجود ہے جو اس واقعہ کی یاد تازہ کرتی ہے

ان الفاظ کے ساتھ ابن اسحاق یوں رقمطراز ہیں

"یوم احد امتحان اور ابتلاء کا دن تھا اور دلوں کو ٹٹولنے کا دن تھا جب اللہ رب العزت نے مومنوں اور منافقین کی آزمائش فرمائی اور ان کو نکال کر الگ کر دیا جو صرف زبان سے اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے مگر دلوں میں اسلام کے خلاف بغض اور کھوٹ رکھتے تھے یہ ایک ایسا دن تھا جس میں اللہ کریم نے جسے چاہا شہادت عطا کی۔"

یہ ایک ایسا دن تھا کہ عہد و پیماں نبھانے کے امتحان کا تھا۔ ایک طرف تو انصار نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے سرکار دو عالم ﷺ کی جان کی حفاظت کا حق ادا کیا اور اپنے اس قول و قرار کو سچ کر دکھایا تھا کہ وہ وقت آنے پر آپ حضرت ﷺ کی اس طرح حفاظت کریں گے جیسے وہ اپنے گھر کی خواتین کی کرتے ہیں۔ بعض نے تو منتیں مانی ہوئی تھیں کہ وہ اپنی جانوں کو سرکار دو عالم ﷺ پر نچھاور کریں گے، آج وہ پوری ہو چکے تھے جس کی تصدیق رب ذوالجلال نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے: ﴿مومنین میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا عہد سچ کر دکھایا، ان میں سے کوئی تو اپنی مدت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے﴾ زخموں کے قریب شہداء کرام صرف انصار سے تھے۔ دوسری طرف صادق الوعد والامین ﷺ نے اپنے اس عہد و پیمان کو سچ ثابت کیا کہ "(تمہارا اور میرا) خون ایک ہے جہاں تمہارا خون گرے گا وہاں محمد رسول اللہ ﷺ کا خون بھی گرے گا" مشیت ایزدی نے اپنے حبیب ﷺ کے اس وعدے کو پورا کر دکھایا جو کہ آپ حضور ﷺ سے بیعت عقبہ کے موقعہ پر مدنی وفد کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کیا تھا تاکہ کل کلاں بعد میں آنے والا نقاد یہ نہ کہہ سکے کہ مصطفیٰ ﷺ سے یہ عہد نبھایا نہ گیا۔

اسلام کی عسکری تاریخ میں غزوہ احد واقعتاً ایک مینار کی حیثیت رکھتا ہے جس سے علماء کرام اور عسکری مفکرین کو لمحہ فکریہ عنایت ہوتا ہے۔ جنگی منصوبہ بندی کے مختلف مراحل سے لے کر عملی طور پر صف بندی تک اور فتح و نصرت کے واضح امکان سے ہزیمت کے اس نقطہ جانکاہ تک جب کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ دشمن کے حملوں کا مرکز بن گئی تھی، اور اس وقت بھی جب کہ میدان جنگ میں چاروں طرف جان نثاران رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لاشے بکھرے پڑے تھے اور خود تاجدار مدینہ ﷺ بھی زخمی ہو چکے تھے، ان تمام مراحل میں فوج کے سالار اعلیٰ کی حیثیت سے حضور نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل عزم و ہمت کی وہ عظیم داستان ہے جس سے عسکری فلسفیوں کے ہزاروں مسائل کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ اس غزوہ میں کون سا ایسا دھچکا رہ گیا تھا جو سالار اعلیٰ کو نہیں لگا تھا۔ جہاد کی تیاری کے لیے مہلت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اطلاع اس وقت پہنچی جب دشمن وادی ذوالحلیفہ میں پہنچ چکا تھا۔ اس پر مستزاد عددی کمتری، مادی وسائل اور سامان ضرب کی شدید قلت، منافقین کی غداری، حلیف یہودیوں کا مساعدت سے انکار، اور سب سے بڑھ کر اپنے متعین کردہ تیر انداز دستہ کی عدم انضباطی، الغرض ہر وہ دھچکا لگ چکا تھا جو کسی بھی عسکری معرکے کو ناکام اور سالار اعلیٰ کو ناامید کر سکتا تھا مگر بحیثیت مجموعی سیرۃ رسول اللہ ﷺ پر ایک نظر رکھنے والے پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نہ تو آپ کے پائے استقامت میں کوئی لغزش آئی اور نہ ہی آپ کی قائدانہ صلاحیت پر کوئی اثر پڑا۔ یہ قدم قدم پر آپ کی شجاعت اور قیادت ہی تو تھی جس نے مسلمانوں میں دوبارہ ولولہ اور حوصلہ پیدا کر دیا کہ وہ پامردی سے میدان کارزار میں جم گئے۔ آج کے عسکری مفکرین اور تجزیہ نگار ایک سالار اعلیٰ کی کسی بھی بدترین حالات میں اپنی فوج کو منظم کرنے کی صلاحیت اور استعداد (Crisis Management) کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ صلاحیت رسول اللہ ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ حضور ﷺ سے بڑھ کر اس سلسلے میں اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟ مدینہ طیبہ میں کوئی گھرانہ ایسا نہ رہا تھا جس میں کم از کم ایک اور بعض مثالوں میں کئی افراد جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ امت کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ چکی تھی جس سے من حیث القوم عام دنیاوی معیار کے مطابق حوصلوں (Morale) پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ ہر پہلو سے یہ ہنگامی صورت حال (Crisis) سالار اعلیٰ کے لیے کڑا امتحان تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی معجزنما قیادت نے ان تمام مشکلات پر اس حد تک قابو پایا کہ جنگ کو ختم ہوئے ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ ستر جان نثاروں کا دستہ ساتھ لے کر (جن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو کہ زخمی حالت میں نہیں تھا) حضور نبی اکرم ﷺ دشمن کے تعاقب میں حمراء الاسد روانہ ہو چکے تھے۔ اس سے بڑا درس کسی جرنیل کو اور کیا دیا جا سکتا ہے کہ جب حالات کی تند و تیز آندھی مکمل طور پر مخالف سمت سے چلنے لگے تو عزم و ہمت اور پائے ثبات میں لغزش نہیں آنی چاہیے۔ ایک عسکری ماہر اور مفکر کے الفاظ میں "جس انداز سے حضور نبی اکرم ﷺ نے دشمن کا مقابلہ کیا اس سے بہت

جبل احد کی ایک چٹان پر موجود حصہ جس سے متعلق کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے آخری مرحلے میں یہاں پر استراحت فرمائی تھی

سے سبق سیکھنے چاہییں۔ جب دشمن چاروں طرف سے حملہ کر رہا تھا اس وقت بھی آپ اپنی فوج کو منظم کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ حضور ﷺ نے ایک ایسی دفاعی حیثیت اختیار فرمائی کہ اسی پٹی ہوئی فوج نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے جیسا کہ جنگ کے شروع میں تھا جس نے دشمن کو اس طرح میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا جیسے کہ وہ سوچ رہا تھا کہ مدینہ طیبہ سے مزید کمک آ رہی ہو۔ یہ ایک ایسی جنگ ہے جو بدلتے ہوئے حالات میں مختلف انداز سے تکنیکی صف بندی اور مورچہ بندی کی بہترین مثال تھی۔" (۱۰۷)

بادی النظر میں مسلمانوں کو اس معرکے میں ہزیمت ہوئی تھی جس کا سبب رسول اللہ ﷺ کے واضح اور مکرر احکام کی خلاف ورزی تھا لیکن انہوں نے جنگ کے صرف ایک معرکے (Battle) میں شکست کا منہ دیکھا تھا مگر پوری جنگ (War) تو ابھی باقی تھی۔ بہت سے معاندین اسلام اسے مسلمانوں کی شکست فاش پر محمول کرتے ہیں مگر حقیقت کے آئینے میں اگر دیکھا جائے تو رزم حق و باطل میں اس سے زیادہ حق کی فتح شاذ ہی کبھی ہوئی ہو۔ دو سو گھڑ سوار فوج کے مقابلے میں صرف دو گھوڑے میسر آئے تھے اور یہی تناسب دیگر سامان حرب و ضرب کا تھا۔ عسکری تجزیہ نگاروں کی رائے میں ہزیمت اس فریق کو ہوتی ہے جو میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اس جنگ کو نہ لشکر اسلام کی ہزیمت کہا جاتا ہے اور نہ ہی لشکر کفار کی فتح پر محمول کیا جاتا ہے کیونکہ میدان سے تو ابوسفیان بھاگ گیا تھا اور وہ بھی خالی ہاتھ۔ نہ کسی مسلمان کو قیدی بنا سکا اور نہ ہی کوئی مال غنیمت اس کے ہاتھ لگ سکا تھا۔ جہاں تک خود مکیوں کا اس جنگ کے متعلق تجزیہ تھا، وہ بھی اسے کامل فتح تصور نہیں کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ دوسرے حملے کے لیے چڑھ دوڑے تھے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا تو انہیں اپنے تیر اندازوں کی غلطی کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کی سزا صرف ان تیر اندازوں کے دستے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس وقت میں موجود پوری امت مسلمہ کو سزا بھگتنا پڑی تھی۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کا تبصرہ اور نقطہ نظر صاف واضح ہے کہ ﴿اور جان رکھو کہ ابتلاء اور مصیبت صرف ان پر ہی نہیں آتی جو غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں (بلکہ اس کا اطلاق سب پر ہو سکتا ہے) اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ سزا میں بڑا ہی شدید ہے﴾ (۱۰۸) حکم عدولی کی سزا ستر اصحابہ کرام کی شہادت پر منتج ہوئی تھی (بعض روایات میں ان کی تعداد اسی بھی بتائی گئی ہے) (۱۰۹) جس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی درس ہو جو امت کو ملا ہو جیسا کہ قرآن کریم نے (ایک دیگر سیاق و سباق میں) فرمایا ہے ﴿بات یہ ہے کہ اللہ چاہتا تو آپ ان سے بدلہ لے لیتا مگر اس لیے کہ تم میں ایک کو دوسرے سے جانچے اور جو لوگ اللہ

مسجد فتح کے کھنڈرات جہاں رسول اللہ ﷺ نے جنگ ختم ہونے کے بعد وضو ریں بیٹھ کر دعا فرمائی تھیں۔ (تصویر: اگست ۲۰۰۱ء)
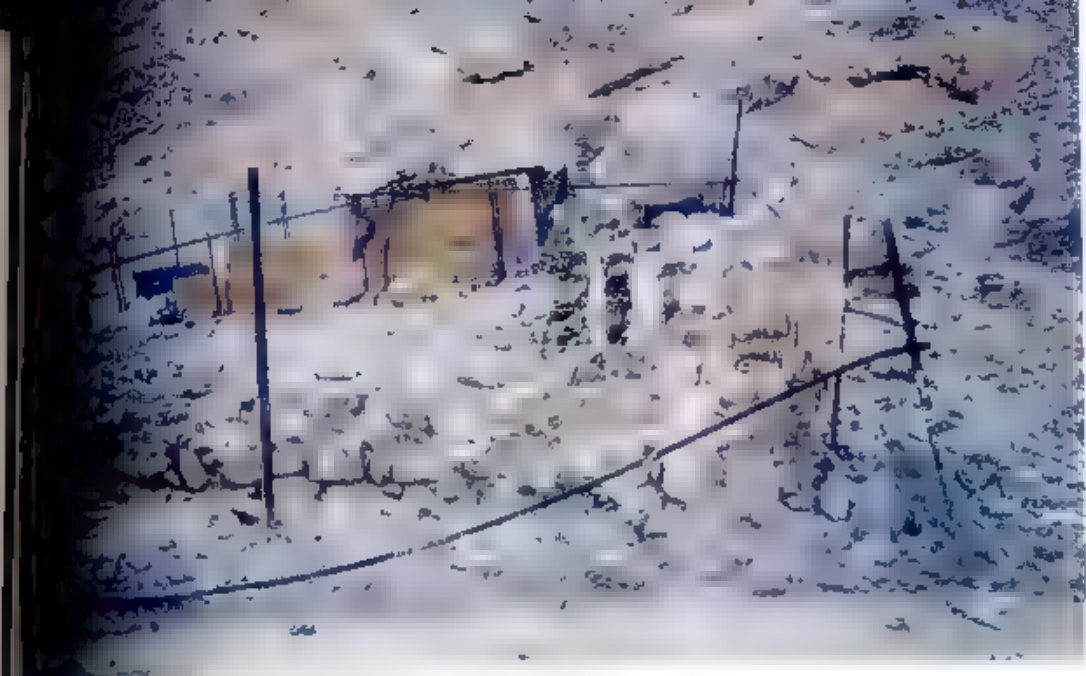
کی راہ میں مارے گئے، اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہ فرمائے گا ﴾(۱۱۰) وہ سبق جو اس غزوے سے حاصل ہوئے بعد میں مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے اور آنے والے غزوات اور پھر اس سے بھی بعد میں کی گئی جہادی مہمات میں رہنما اصول بن گئے بھی وجہ تھی کہ جونہی جنگ احد ختم ہوئی اللہ کریم نے ان تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معاف فرما دیا جن سے بھول ہوئی تھی ﴿یقیناً اللہ نے تم کو معاف فرما دیا ہے، اللہ اپنے اوپر ایمان رکھنے والوں پر فضل کرتا ہے ﴾(۱۱۱)

ابھی زخمیوں کے گھاؤ بھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اگلے ہی دن دشمن کا پیچھا کرنے کا عزم کیا۔ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ نے حضرت عروہ بن زبیرؓ کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا [اے بھتیجے، تمہارے والد (الزبیرؓ) اور ابو بکرؓ غزوہ احد میں شامل تھے جب دشمن چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ واپس نہ لوٹ آئیں اس لیے آپ حضور ﷺ نے فرمایا [کون ہے جو ان کا پیچھا کرے گا؟] پھر آپ حضور ﷺ نے ان میں سے ستر افراد کا انتخاب فرمایا](۱۱۲) اگرچہ سب زخموں سے چور تھے مگر اپنے قائد اعلیٰ کی ندا پر سب نے لبیک کہا اور دوسرے ہی دن اپنے آقا و مولا کی سالاری میں یہ مختصر سا دستہ دشمن کے تعاقب میں وادی عقیق کے ساتھ ساتھ حمراء الاسد روانہ ہو چکا تھا جو ذوالحلیفہ سے تقریباً دس کیلومیٹر دور مقام ہے، وہاں آپ نے چند دن قیام فرمایا، رات کے وقت حضور ۵۰۰ مختلف جگہوں پر آگ جلانے کا اہتمام فرماتے تاکہ دشمن کو ان کی تعداد کا صحیح علم نہ ہو سکے تاہم مکیوں کو جرأت نہ ہو سکی کہ وہ واپس لوٹ کر اس چیلنج کا مقابلہ کریں اور انہوں نے جلدی سے مکہ پہنچنے میں ہی عافیت سمجھی مکیوں کے اس طرح بھاگ جانے سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے عزم و ہمت کی داد ان الفاظ میں دی۔ ﴿ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی ندا پر لبیک کہی اگرچہ وہ زخمی ہی تھے، یہ وہ لوگ ہیں جو نیک اعمال کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں لوگوں کے لیے بہت بڑا انعام ہے ﴾(۱۱۳)

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ جنگ ختم ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہداء کی تدفین کا بندوبست فرمایا مادی وسائل کی بے بضاعتی کا یہ عالم تھا کہ ستر شہداء کے لیے کفن کا کپڑا بھی میسر نہ تھا حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ دو دو شہیدوں کو ایک کفن میں دفنانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی استفسار فرماتے کہ ان دونوں میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد تھا؟ پھر جب یہ تعین ہو جاتا کہ کون زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہوتا تو اس کو پہلے دفن فرماتے۔ پھر آں حضرت ﷺ نے فرمایا [میں یوم قیامت میں ان کا شاہد ہوں گا] آپ حضور ﷺ نے ان کو ان کے جسموں پر خون کے ساتھ ہی دفن فرمانے کا حکم دیا نہ اس وقت ان کا جنازہ پڑھا گیا اور نہ ہی ان کو غسل دیا گیا](۱۱۴) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سیدنا حمزہؓ کے پاس سے گزرے جن کی لاش مسخ کر دی گئی تھی آپ نے ان کے علاوہ کسی کا بھی جنازہ نہیں پڑھایا۔(۱۱۵) حضرت انس بن مالکؓ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ [پھر آپ نے کفن کے لیے کپڑوں کو طلب فرمایا، کپڑے شہداء کی

مسجد مستراح جہاں سید ... ثابت ... رسول اللہ ﷺ نے بنی حارثہ کے ... آرام فرمایا تھا ... جو مسجد بنائی گئی اس کا نام ہی مسجد مستراح رکھ دیا گیا تھا۔ (تصویر: اگست ۲۰۰۰ء)

تعداد سے کم پڑ گئے پھر آپ حضور ﷺ نے دو دو یا تین تین شہداء کو اکٹھے ایک کفن میں لپیٹنے اور ایک ہی قبر میں دفنانے کا حکم دیا آپ حضور ﷺ استفسار فرماتے کہ ان دونوں میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد ہے؟ پھر جب یہ تعین ہو جاتا کہ کون زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہوتا تو اس کو پہلے دفن فرماتے اس طرح ان کو بغیر جنازہ پڑھے دفن کیا گیا](۱۱۶)

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے تقریباً آٹھ سال بعد ان کی نماز جنازہ پڑھائی (وہ بھی اپنے انتقال پر ملال سے ایک یا دو دن پہلے) وہ ایسے لگ رہا تھا جیسے کہ آپ ان کو الوداع کہہ رہے ہوں پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا [میں تم میں سے پہلے جا رہا ہوں اور تم پر شاہد رہوں گا اور پھر ہم مقررہ مقام پر حوض کوثر پر ملیں گے اور میں اب بھی اس جگہ سے اس (حوض کوثر) کو دیکھ رہا ہوں مجھے اب اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرے گا، شرک کرے گا، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم دنیاوی معاملات میں الجھ جاؤ گے کہ دنیا کی خاطر ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگو گے یہ میری آخری نظر تھی جو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر پڑی تھی۔(۱۱۷)

غزوہ بنو نضیر

میثاق مدینہ کی رو سے فریقین اس بات کے پابند تھے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور کسی بھی صورت میں کوئی فریق دوسرے پر حملے کی صورت میں حملہ آور دشمن کا ساتھ نہ دے گا مسلمانوں نے ہر لحاظ سے اس معاہدے کا احترام کیا اور اس کی ہر شق پر پوری طرح کاربند رہے مگر یہود، خاص طور پر بنی نضیر کے یہودی (مثلاً کعب بن الاشرف وغیرہ) نے اس معاہدے کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں اور ایسی حرکات کرنی شروع کر دیں جس سے درپردہ اور کھلم کھلا قریش کی حمایت مقصود تھی، انہوں نے تو ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر بھی حملہ کرنے سے گریز نہ کیا ان کی یہ تمام حرکتیں ریاست مدینہ کے خلاف نہ صرف غداری کے زمرے میں آتی تھیں بلکہ حاکم ریاست مدینہ کے خلاف گھناؤنی سازش کے ارتکاب کے مترادف تھیں کتنی ہی بار حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کو سمجھایا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں مگر انہوں نے ان نصیحتوں پر کان نہ دھرے جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کا وطیرہ تکبر سے بڑھتے بڑھتے گستاخیوں پر جا پہنچا چونکہ وہ سیدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے اس لیے وہ اپنے آپ کو دوسرے یہود سے برتر سمجھتے تھے اور اپنے لیے ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے بنو قینقاع اور بنو قریظہ کے برعکس ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی جو تقریباً دو ہزار سے زیادہ تھی اور ان کی یہ افزونی تک تھی اپنی اس عددی برتری کے سبب وہ مسلمانوں کے لیے درد سر بنے ہوئے تھے۔ وہ وادی مذینب کے کنارے مدینہ طیبہ کے جنوب میں سکونت رکھتے تھے ان کے گاؤں کی حدود ان کی کافی جائیداد مسجد قباء کے قریب ہی جنوب کی طرف بھی تھی جس کو بویرہ کہا جاتا تھا۔ یہ جگہ کھجور کے باغات سے پر تھی اور بنی خطمہ کے قبرستان کے قریب ہوا کرتی تھی۔(۱۱۸)

عمرو بن امیہ الضمری نے، جو مسلمانوں کے حلیف تھے، بنی کلاب کے دو افراد کو قتل کر دیا جو کہ بنی نضیر کے حلفاء میں سے تھے۔ حضور

نبی اکرم ﷺ نے مسجد قبا میں نماز ادا فرمائی اور پھر اپنے چند اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں بستی بنی نضیر تشریف لے گئے تاکہ مقتولوں کے خون بہا پر بات چیت کی جا سکے۔ بنی نضیر میں سے ایک یہودی (عمرو بن جحش بن کعب بن بصیل النضری) چپکے سے اوپر چڑھا تاکہ وہ آپ کے اوپر ایک بڑی چٹان یا پتھر لڑھکا دے۔ وحی کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس بات کی بروقت اطلاع مل گئی اور آپ حضور ﷺ کسی کام کا کہہ کر وہاں سے فوراً واپس لوٹ آئے۔ آپ کے اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس بات کا پتہ نہ تھا اس لیے وہ کچھ دیر وہیں رکے رہے اور پھر بعد میں وہ بھی واپس آ گئے۔ قرآن کریم میں اس واقعے کا ذکر کچھ اس طرح ہے ﴿اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے اس کے ہاتھ تم پر سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے﴾ (۱۱۹) اس طرح پیشتر اس کے کہ دشمن اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے اسے ناکام بنا دیا۔

اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یہودیوں نے معاہدہ میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا تھا لہذا حضرت محمد بن مسلمہ ؓ کو ایک سخت وارننگ اور تنبیہ دے کر ان کے پاس بھیجا گیا [اس شہر سے نکل جاؤ، تمہیں اب یہاں رہنے کی اجازت نہیں میرے خلاف قتل کی سازش کا ارتکاب کر کے تم نے اس عہد کی خلاف ورزی کی ہے جس کے تحت میں نے تمہیں امان دی تھی۔ تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے تاکہ تم شہر چھوڑ جاؤ۔ اس مہلت کے بعد جو بھی مدینہ طیبہ میں نظر آئے گا وہ قتل کر دیا جائے گا] شروع شروع میں تو وہ مدینہ طیبہ سے انخلاء پر مائل نظر آتے تھے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھ بھیجا کہ وہ کہاں جائیں جس پر آپ حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا [حشر کی طرف] (۲۰) تاہم اسی دوران رئیس المنافقین ابن ابی نے ان کو اکسایا اور وہ نہ جانے پر اڑ گئے۔ اس نے انہیں پیغام بھیجا ''ثابت قدم رہو اور اپنے آپ کی حفاظت کرو کیونکہ ہم تمہارے ساتھ غداری نہیں کریں گے۔ اگر تم پر حملہ ہوتا ہے تو ہم تمہارے شانہ بشانہ لڑیں گے اور اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ باہر نکل جائیں گے'' (۲۱) اس شہہ پر بنی نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے الٹی میٹم کان نہ دھرے اور جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ ابن ابی نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے آطام اور حویلیوں میں قلعہ بند ہو جائیں اور انہیں دلاسا دیا کہ جلد ہی وہ اپنے دو ہزار جنگجو ان کی کمک کے لیے بھیج دے گا جو ان کے ہمراہ ان کے قلعوں میں مورچہ زن ہو کر تادم مرگ مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے (۱۲۲)۔ اس نے ان کو یہ بھی یقین دلایا کو وہ بنی قریظہ اور غطفان سے گفت و شنید کرے گا تاکہ وہ بھی اس معرکے میں کود پڑیں۔ اگرچہ بنو نضیر کے کچھ لوگ شروع سے ہی مدینہ طیبہ چھوڑ دینے کے حق میں تھے مگر ابن ابی کی شہہ پر حی بن اخطب جو ان کا سردار تھا اپنی ضد پر اڑ گیا اور یوں انہوں نے باہر چلے جانے کی بجائے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ اس کا کہنا تھا ''ہمیں اس کے علاوہ اور کیا کرنا ہے کہ ہم اپنے قلعوں اور آطام کو مضبوط بنائیں، اور ان کو اجناس اور سامان خورد و نوش سے بھر لیں، اپنی سڑکوں اور گلیوں کے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور چلانے کے لیے کافی مقدار میں پتھروں کا ذخیرہ کر لیں اور تیار ہو جائیں۔ ہمارے پاس کافی خوراک ہے جو ایک سال تک کی ضروریات پوری کر سکتی ہے اور پانی کا مسئلہ تو ہمارے کنویں کبھی خشک نہیں ہوتے اور پھر (حضرت) محمد (ﷺ) کوئی ایک سال تک تھوڑا ہمارا محاصرہ کریں گے!'' (۲۳)

جب دس دن گزر گئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم ؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور بنی نضیر کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ حضور ﷺ نے نماز عصر بھی انہیں کے علاقے میں پڑھائی۔ شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رسول اللہ ﷺ کے علمدار تھے۔ ربیع الاول ۴ ہجری کو بنو نضیر کا محاصرہ شروع ہوا۔ (۲۴) رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کی بستیوں کے درمیان میں واقع اراضی پر اپنے خیمے نصب کرنے کا حکم دیا جس سے یہود کے دونوں قبیلے ایک دوسرے سے کٹ کر رہ گئے اور ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی مدد کے قابل نہ رہا۔ بعد میں اس مقام پر ایک تاریخی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جو صدیوں تک اس واقعہ کی یاد تازہ کرتی رہی۔ یہ مسجد اُس

تھی جو پچھلے سال تک اس علاقے میں تاریخ مدینہ طیبہ کے عشاق کی زیارت گاہ رہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے وہاں چھ دن قیام فرمایا تھا۔ (۲۵) شراب کی ممانعت کا وقت آیا تو اللہ رب العزت نے ان الفاظ میں اپنے ممانعتی احکام نازل فرمائے ﴿اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب ناپاک ہیں شیطانی کام ہیں تو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوا دے شراب اور جوئے کے سبب سے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آؤ گے﴾ (۲۶) مورخین مدینہ طیبہ کے مطابق جب ان احکام کی منادی کروائی گئی تو اسی مقام پر موجود چند اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شراب کے مٹکے اس کے صحن میں واقع کنویں میں انڈیل دیئے تھے اس تاریخی مسجد سے متعلق مکمل معلومات باب ''مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد'' میں مہیا کی گئی ہیں۔ یہود اپنے آطام میں مورچہ بند ہو گئے جہاں انہوں نے ہتھیار اور کافی مقدار میں پتھر اور ڈھیلے اکٹھے کر رکھے تھے (۱۲۷) شروع شروع میں تو انہوں نے بہت مزاحمت کی اور ایک قلعے سے دوسرے قلعے میں منتقل ہوتے رہے۔ ان قلعوں کے ارد گرد کھجوروں کے باغات تھے جن کے درختوں نے ان کے لیے ایک مضبوط دفاعی لائن کا کام کیا۔ وہ ان کمین گاہوں سے ادھر ادھر منتقل ہونے کی کوشش کرتے اور مسلمانوں پر چھپ کر وار کرتے مگر جب بھی کسی یہودی نے کوشش کی کہ رات کے اندھیرے میں محاصرہ توڑ کر باہر نکل جائے تو مسلمان مجاہدین اس کو آڑے ہاتھوں لے لیتے۔ بنو قریظہ نے ان سے الگ تھلگ رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ نہ تو بنو غطفان کی کمک آئی اور نہ ہی ابن ابی ان کے کوئی کام آ سکا۔

محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا۔ پہلے مرحلے کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے وہ گھر جو ان کی بستی کے باہر کی طرف انہوں نے خود دفاعی حکمت عملی کی تحت خالی کر رکھے تھے مسمار کرنے کا حکم دیا جن کی اوٹ میں چھپ کر وہ مسلم مجاہدین پر حملہ آور ہوتے تھے محاصرے کو اور زیادہ شدید بنانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے عسکری عملیات کے طور پر ان کے باغات میں لگائے گئے کھجور کے درختوں کو جو ''لبویرہ'' میں واقع تھے اور جن کو وہ دفاعی مورچوں کے طور پر استعمال کرتے تھے کاٹ ڈالے جانے اور جلا کر خاکستر بنائے جانے کا حکم دے دیا۔ (۱۲۸) ان اقدام سے ایک طرف تو وہ کھانے کی اجناس سے محروم ہو گئے اور دوسری طرف ان کے وہ مورچے تباہ ہو گئے جن کے پیچھے چھپ چھپ کر وہ اکا دکا مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت کرتے تھے جس سے وہ لوگ جلد ہی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ بنی نضیر اور بنی قریظہ میں سے کچھ یہودیوں نے اس پر بہت واویلا کیا اور کہنے لگے ''اے محمد (ﷺ) آپ تو ہمیشہ برائی اور ظلم کے خلاف لڑتے رہے ہیں مگر اب کیا ہو گیا ہے کہ آپ نے ہمارے درختوں کو جو ہمارے روزگار کا ذریعہ تھے تباہ و برباد کر دیا ہے آخر ان بے جان درختوں کا کیا قصور ہے؟'' منافقین بھی ان کے ہمنوا بن گئے اور یہ کہنے لگے کہ درختوں کو کاٹنا اور جلانا ان قرآنی احکام کی کھلی خلاف ورزی ہے جن میں کہا گیا ہے ﴿جب ان کو اقتدار مل جاتا ہے تو وہ زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے راضی نہیں!﴾ (۲۹) قرآن کریم نے ان کے اس پراپیگنڈے اور الزامات کو یکسر رد کر دیا اور اس سلسلے میں سورۃ الحشر کا نزول ہوا ﴿جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور وہی عزت اور حکمت والا ہے وہی ہے جس نے ان کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کے لیے، تمہیں گمان بھی نہ تھا کہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچا لیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان نہ تھا اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا کہ اپنے گھر ویران کرتے ہیں اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے، تو عبرت والے نگاہ والو اور اگر نہ ہوتا کہ اللہ نے ان پر گھر سے اجڑنا لکھ دیا تھا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب فرما دیتا اور ان کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے یہ اس لیے کہ وہ اللہ سے اور اس کے رسول سے پھٹے رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول سے پھٹا رہے تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے کہ فاسقوں کو رسوا کرے۔﴾ (۱۳۰)

اس طرح قرآن کریم نے ان آیات میں اسلامی جنگی قوانین کی بہت اہم تشریح فرما کر اس میں ایک نئے قانون کا اضافہ کر دیا کہ دشمن

کے علاقے میں عسکری مقاصد کے لیے درختوں اور پناہ گاہوں کا تباہ کیا جانا قرآن پاک کے ان احکامات کے زمرے میں نہیں آتا جس میں بیان کی گئی آیت کریمہ کی رو سے زمین کا روئے زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنے کے مترادف قرار دی گئی تھی حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کے کھجوروں کے نخلستان کو جو بویرہ کے باغ میں تھے کٹوا اور جلوا دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر کی آیت نازل فرمائی جس میں اس کی وضاحت کر دی گئی کہ ﴿جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے تھا کہ فاسقوں کو رسوا کرے﴾ (۱۳۱) وہ مزید فرماتے ہیں جب حضور نبی کریم ﷺ کے حکم سے درخت کٹوائے اور جلائے گئے تو حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس واقعے کے متعلق یہ شعر کہا تھا

''بنو لوی کے مقام پر خوفناک آگ کی طرف بڑھنے کے ترقا نے کوئی توجہ نہ دی (اس واقعہ سے انہوں نے کوئی سبق نہ سیکھا)

وہ بنو لوی جو قریش کے بڑے شرفا تھے'' (یعنی اس سے قریش کو نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہیے)

ابوسفیان بن حارث (جو رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے حضرت حسان بن ثابت کے مسدس جیسے شعر کا جواب کچھ یوں دیا تھا

اللہ اس آگ کو جلتا رکھے حتیٰ کہ مدینہ کے تمام حصے جل کر خاکستر ہو جائیں

تب تم دیکھو گے کون بویرہ سے دور ہے اور کون اس کے قریب تر ہماری زمینیں اس آگ سے بہت دور (محفوظ) ہیں

(یعنی ان کے علم میں تھا کہ مسلمان خود تو کچھ بھی کریں قریش کا بال بیکا نہ کر سکیں گے) (۱۳۲)

جوں جوں محاصرہ طول پکڑتا گیا ان کی قوت مدافعت اور مزاحمت متزلزل ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے ہتھیار ڈالنے کی باتیں شروع کر دیں بنی قینقاع کے چھوٹے یہودی قبیلے کی قسمت کھل چکی تھی لہذا انہوں نے مدینہ سے ہو کر ہتھیار ڈالنے کا پیغام بھیجا اور جانے کے لیے محفوظ راستہ طلب کیا ان کے ہتھیاروں کے بدلے ان کی جانیں اور مال و دولت بخش دیئے گئے ان میں سے ہر ایک کو اجازت دے دی گئی کہ ایک فرد ایک اونٹ پر کر بندھا مال و اسباب لے جا سکتا تھا انہوں نے اپنے مکانات کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کر دیا تاکہ مسلمان بعد میں ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں مردوں نے گھر مسمار کیے اور ان کے شہتیر تک اپنے اونٹوں پر لاد کر چل دیئے (۱۳۳) حضرت محمد بن مسلمہؓ کو ان کے مدینہ بدری کے فرائض سونپے گئے انہوں نے اپنا سامان باندھا اور حیی بن اخطب اور سلام بن ابی حقیق کی سربراہی میں وہ چھ سو اونٹوں پر بیٹھ کر مدینہ طیبہ سے باہر نکل گئے (۱۳۴) جو مال غنیمت انہوں نے چھوڑا اس میں ۵۰ زرہ میں، ۳۴۰ تلواریں اور کافی رقبے پر پھیلی زرعی اراضی تھی مشہور ڈھال ''سعدیہ'' جو رسول اللہ ﷺ نے اس مال غنیمت سے لی تھی (۳۵) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وہی ڈھال تھی جو سیدنا داؤد علیہ السلام نے جالوت سے جنگ کے وقت استعمال کی تھی اور جس کو بنو نضیر نے اپنے نبی داؤد علیہ السلام کے تبرکات کے طور پر سنبھال کر رکھا ہوا تھا (۱۳۶)

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابوبکرؓ نے انہیں بتایا کہ بنو نضیر کے لوگ جب مدینہ طیبہ سے جانے لگے تو ان کے بچوں اور عورتوں کے قافلے کے پیچھے پیچھے طبلے اور شہنائیاں بجاتے ہوئے گانے والی طائفوں کی لڑکیاں تھیں ان میں سے ایک ام عمرو بھی تھی جو کہ عروہ بن الورد العبسی کی بیوی تھی اور قبیلہ بنی غفار سے تھی اس کے متعلق وہ کہتے تھے کہ انہوں نے العبسی سے خریدا ہوا تھا چونکہ زمانہ جاہلیت میں توہمات کا رواج تھا وہاں یہ رواج جڑ پکڑ گیا تھا کہ وہ عرب جس کی بیوی کی زندہ اولاد نہ رہے عالم طفولیت میں مر جاتی تو وہ منت مان لیتے کہ اگر ہونے والا بچہ ہو تو یہودیوں کو چڑھاوا چڑھا دے گا جسے وہ یہودی ایک یہودی کے بچے کے طور پر پال لیتے تھے جب بنو نضیر مدینہ بدر ہونے لگے انہوں نے اصرار کیا کہ ایسے یہودی عرب بچوں کو ان کے ساتھ جانے دیا جائے وہ کہتے کہ ہم اپنے ان بیٹوں کو پیچھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے اس پر قرآن کریم کی وحی کا نزول ہوا ﴿دین میں کوئی زبردستی روا نہ رکھی جائے﴾ (۱۳۷) لہذا رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ لے جانے کی
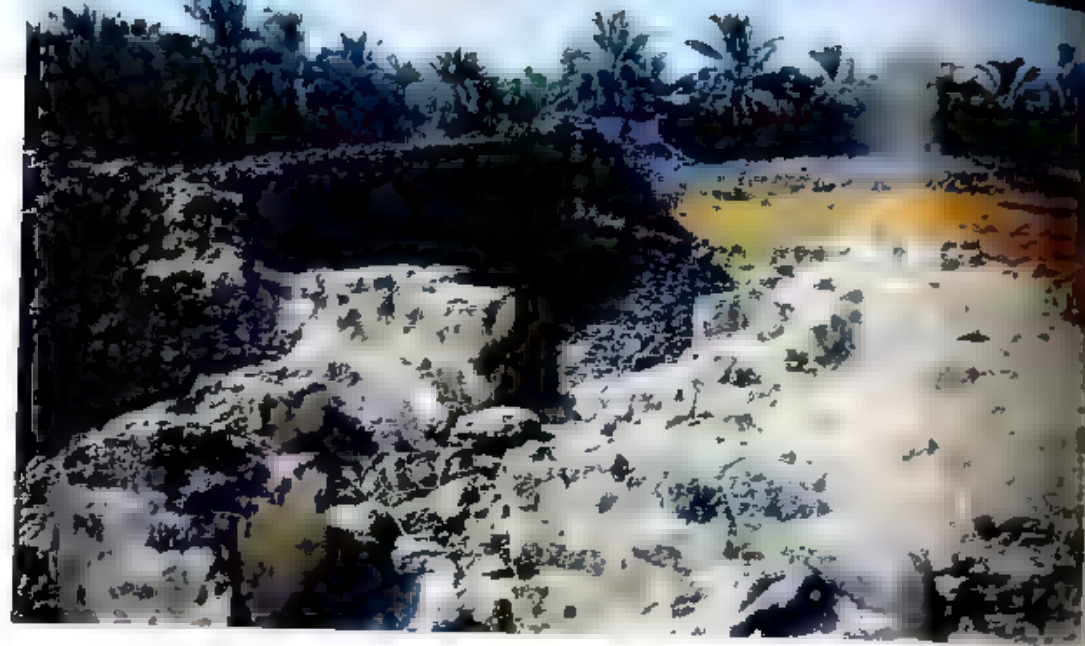
بستی خاصبہ کے کھنڈرات جو کہ مسجد قبا سے آدھ میل کے فاصلے پر آج بھی موجود ہیں (تصویر نمبر ۲۰۰)

اجازت مرحمت فرما دی

تمام بنی نضیر ہو سوائے دو خاندانوں کے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا (۱۳۸) مدینہ طیبہ چھوڑ گئے ان دونوں خاندانوں کی جائیدادیں ان کی پاس رہنے دی گئیں باقی سب یہودی شان و شوکت سے روانہ ہوئے تھے کہ مدینہ طیبہ کی تاریخ میں کبھی بھی کسی قبیلے میں ایسا نہ ہوا تھا جیسا کہ دیکھنے میں آیا جا رہا تھا وہ اپنے بچوں عورتوں اور متاع حیات کو اونٹوں پر لاد کر لے گئے تھے جب کہ ان کے پیچھے پیچھے گانے والیاں ڈھول ڈھمکا کر رہی تھیں (۱۳۹) وہ خیبر کی طرف نکل گئے تھے کیونکہ وہاں، خاص طور پر فدک میں، ان کی کافی زرعی اراضی تھی کچھ تو وہیں آباد ہو گئے تھے اور باقی شام کی طرف مزید آگے نکل گئے تھے وہ بیش قیمتی اثاثہ ساتھ لے گئے تھے حالانکہ سرنڈر کے معاہدے کے تحت ان کو اپنے تمام سونا چاندی پیچھے چھوڑ کر جانے تھے، مگر وہ ہر ایک چیز لے گئے تھے (۱۴۰) اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے مسمار کرنے کے بعد وہ لکڑی کے دروازے اور شہتیر وغیرہ بھی اونٹوں پر لاد کر لے گئے تھے متروکہ جائیداد مال غنیمت کے طور پر مہاجرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم کر دی گئی (۱۴۱) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ (ہجرت کے بعد) کچھ انصار نے اپنے کھجوروں کے درخت رسول اللہ ﷺ کو تحفتاً دیئے تھے لیکن جب بنو قریظہ اور بنو نضیر کا خاتمہ ہوا تو آپ حضور ﷺ نے وہ تمام درخت ان کو واپس لوٹا دیئے (۱۴۲)

غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق)

یہود (بنو قینقاع اور بنو نضیر) کی مدینہ بدری نے ان کو اسلام کا جانی دشمن بنا دیا تھا اور وہ ہر ممکن طریقے سے کسی بھی ایسے دشمن اسلام کی مدد کرنے کو تیار تھے جو مدینہ طیبہ پر فتح پائے تاکہ یہود اپنے مکانات میں واپس لوٹ سکیں ان کی نگاہیں بار بار قریش مکہ کی طرف اٹھتی تھیں کیونکہ وہی ایک ایسے دشمن تھے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ازلی بیر رکھتے تھے حیی بن اخطب جو بنی نضیر کے ساتھ مدینہ بدر ہوا تھا بار بار مکہ مکرمہ جاتا اور ان کو مدینہ طیبہ پر حملے کے لیے اشتعال دلاتا ایک مرتبہ ابوسفیان اس کو کعبۃ اللہ شریف کے پاس لے گیا اور اس سے عہد لیا کہ حملے کی صورت میں وہ مکیوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑے گا بلکہ انہیں ہر طرح کی مادی امداد مہیا کرے گا حیی بن اخطب کے علاوہ دیگر یہودی سردار بھی اس سے پیچھے نہیں تھے سلام بن ابی حقیق اور سلام بن مشکم بھی مکیوں کو ہر طرح کی مدد فراہم کرنے میں پیش پیش تھے (۱۴۳) مکیوں کو بھڑکانے کے بعد یہودی غطفانیوں کے پاس گئے اور خیبر میں اگائی گئی کھجوروں کی پورے سال کی کمائی نہیں دینے کا وعدہ کیا شرط یہ کہ وہ حضور سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف اتحاد میں شامل ہو جائیں غطفانیوں نے بغیر کسی تامل کے ان کی پیش کش قبول کر لی پھر وہ بنو سلیم کے قبیلے میں گئے اور انہیں بھی اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہو گئے ان میں

سے فقط ری عیینہ ابن حصن نے جھٹ ان سے معاہدہ بھی کر لیا اس کے بعد انہوں نے تمام عرب قبائل میں وفود بھیجے اور ان سے تعاون طلب کئے ایک لمحے کے لیے تو یوں لگتا تھا کہ یہود نے سیاسی توڑ جوڑ کر کے ایک بہت بڑی سفارتی کامیابی حاصل کر لی تھی جس سے قریش بہت زیادہ خوش تھے اسی طرح قریش بھی مختلف قبائل سے توڑ جوڑ میں مصروف تھے جنگ احد میں وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے تھے ان کا خواب ادھورا رہ گیا تھا اور وہ رہ رہ کر ابوسفیان کو کوستے کہ کیوں نہ اس نے اسی وقت مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی جب کہ مسلمان شدید زخمی حالت میں پڑے تھے لہذا اب کی بار وہ ایک ایسی کاری ضرب مدینہ طیبہ پر لگانا چاہتے تھے جس سے اسلام اور مسلمانوں کا وجود ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو کر رہ جائے انہوں نے مکہ مکرمہ کے اردگرد کے تمام حلیف قبائل سے گٹھ جوڑ کیا جب انہیں کنانہ اور بنو ثقیف کے قبائل کی پشت پناہی حاصل ہو گئی تو انہوں نے مشترکہ جارحیت کا فیصلہ کر لیا بڑے قبائل کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بدو قبائل نے بھی ان کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی تھی۔ (۱۴۴)

تمام تر تیاریوں کے بعد جب قریش مدینہ طیبہ کی طرف کوچ کرنے والے تھے تو حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے اپنے ایک تیز رو قاصد کے ذریعے ایک بہت عاجل پیغام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کیا معاملہ کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قاصد کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ راستہ جو عموماً چودہ دن میں طے ہوتا تھا اسے صرف چار دن میں طے کرنا تھا حضرت موسیٰ بن عقبہؒ کے مطابق یہ غزوہ ماہ شوال ۴ ہجری میں وقوع پذیر ہوا (۱۴۵)

جیسا کہ ایک اور مقام پر بیان کیا جا چکا ہے مدینہ طیبہ کی جغرافیائی اور ارضی نوعیت خاصی دشوار تھی اور اس کے اردگرد تین اطراف قدرتی رکاوٹیں موجود تھیں۔ جنوب میں جبل عیر کا فلک بوس طویل پہاڑ تھا اور مشرقی اور مغربی جانب لاوے سے بنے سنگلاخ چٹانوں سے اٹے ہوئے حرے تھے اس لیے جنوب کی طرف سے کسی حملہ آور کا ڈر نہیں تھا اور اس کے علاوہ دونوں حروں کی ناہموار سطوح مرتفع گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے ناقابل عبور رکاوٹوں کا کام دیتی تھیں اس لحاظ سے صرف ایک ہی جانب رہ گئی تھی جو دفاعی نقطہ نظر سے کمزور سمجھی جاتی تھی وہ شمالی جانب کا میدانی علاقہ تھا جو جبل احد کی شمال مغربی جانب واقع تھا جونہی رسول اللہ ﷺ کو حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ کا خفیہ پیغام موصول ہوا تو آپ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صلاح مشورے شروع کر دیئے۔ پچھلی بار کی منصوبہ بندی میں جس کے تحت دشمن کو مدینہ طیبہ کے شمال میں جبل احد کے دامن میں جنگ میں الجھایا گیا تھا چند خوبیاں بھی تھیں اور خامیاں بھی اور دشمن اس میدان کی جغرافیائی خصوصیت سے پوری طرح واقف ہو چکا تھا اس لیے اب جنگی منصوبہ بندی ایک ایسے نئے اور انوکھے (unconventional) انداز کا تقاضا کر رہی تھی جس سے دشمن قطعی ناواقف ہو خفیہ عسکری معلومات کے ذریعے آپ کو پتہ تھا کہ دشمن کی پیادہ اور گھڑ سوار نفری کتنی تھی اور پھر جنگ احد کے عسکری نتائج بھی کچھ حوصلہ افزا نہیں رہے تھے اس لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ دفاع کے لیے ایک نیا انداز اپنایا جائے

مشاورت کے دوران حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا "جب کبھی بھی ایران میں ہمیں گھڑ سوار فوج کی جارحیت کا سامنا ہوتا تو ہم لوگ شہروں کے اردگرد خندقیں کھود لیا کرتے تھے" یہ ایک بالکل انوکھا نظریہ تھا جس سے عرب ناواقف تھے اور حالات کے تمام تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی نظریہ سب سے مناسب دفاعی منصوبہ معلوم ہوتا تھا اس لیے حربی منصوبہ سازوں کے ذہن رسا کو یہ تجویز بھا گئی اس انوکھے منصوبے کا تمام تر سہرہ حضرت سلمان فارسیؓ کے سر ہے کہ اس تجویز پیش کرنے کے علاوہ آپ نے عملی طور پر اس پر عملدرآمد کرنے میں بھی بڑی کاوش کی تھی آپ قبیلہ بنو قریظہ میں غلام رہ چکے تھے اور ان کے ہاں آپ کی خاصی شناسائی ابھی تک باقی تھی لہذا آپ نے ان سے کھدائی کا ضروری ساز و سامان، مثلاً بیلچے، کدال اور ٹوکریاں وغیرہ حاصل کیا اگرچہ خفیہ طور پر تو بنو قریظہ کفار مکہ سے معاملات

طے کر چکے تھے مگر بظاہر وہ ابھی بھی میثاق مدینہ کے حامی تھے اس طرح مدینہ طیبہ کی شمالی جانب جبل سلع کے ساتھ ساتھ ایک لمبی اور گہری خندق کھودنے کا کام پورے زور و شور سے شروع ہو گیا تا کہ دشمن کا داخلہ روکا جا سکے اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا کر مسلمانوں کی فوجی نفری تین ہزار سے زیادہ نہیں تھی جن کے پاس صرف ۳۶ گھوڑے تھے

اپنے قریبی ساتھیوں کی ہمراہی میں رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں پر سوار ہو کر تمام علاقے کا تفصیلی معائنہ فرمایا اور خاص طور پر حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے ان علاقوں پر زیادہ توجہ دی جو دشمن کے داخلے کا سبب بن سکتے تھے مغربی حرہ کے بہت سے علاقہ میں وادی بطحان بارانی پانی سے بھر چکی تھی جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب صرف ایک علاقہ بچا تھا جو سب سے غیر محفوظ تھا اور وہ تھا جبل سلع کا شمالی میدان چنانچہ اس علاقے میں خندق کھودنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ آپ حضور ﷺ نے اپنی افرادی قوت کو اس طرح تقسیم فرمایا کہ دس دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دستوں کو بیس بیس میٹر (۴۰ ہاتھ) لمبی خندق کھودنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ خندق وادی بطحان سے شروع ہو کر جبل سلع کے دامن میں اس حصے تک گئی جہاں آج بھی مسجد فتح موجود ہے اور اس سے آگے جبل سلع کے گرد چکر لگاتے ہوئی یہ بل کھاتی ہوئی خندق جبل ذباب کے پاس سے گزری اور وہاں سے مقام شیخین سے ہوتی ہوئی حرہ شرقیہ میں علاقہ بنی حارثہ تک چلی گئی تھی۔

(۴۶) طبرانی نے حضرت عمرو بن عوف المزنیؓ سے روایت کی ہے جنہوں نے بیان کیا ہے کہ جب مختلف قبائل کے اتحاد نے مدینہ طیبہ پر جارحیت کا ارتکاب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ایک خندق کھودی جائے جو شیخین سے ہوتی ہوئی بنی حارثہ کے علاقے تک چلی جائے

(۴۷) مہاجرین نے راتج سے ذباب تک خندق کھودی جبکہ انصار نے ذباب سے جبل بنی عبید تک کھدائی کا کام کیا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ انسانی کارندوں کی ایک رو چل رہی تھی جو اس عظیم الشان منصوبے پر کام کر رہی تھی (۴۸)

بظاہر تو یہ بہت ہی مشکل کام تھا جو بادی النظر میں ناممکنات (Mission Impossible) میں سمجھنا چاہیے مگر امت کے ان پراسرار بندوں نے اپنے سالار اعظم کی سرکردگی میں اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا حالات اگرچہ ہنگامی تھے مگر پھر بھی مسلمانوں کی راحت اور دیگر ضروریات کا خیال رکھا گیا ضروری نوعیت کے کاموں کے لیے اگر کوئی تھوڑے وقت کے لیے چھٹی کی درخواست کرتا تو رسول رحمت ﷺ بخوشی قبول فرما لیتے قرآن کریم نے ان الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کے ترحم کا ذکر کیا ہے ﴿ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوتے ہوں جس کے لیے جمع کئے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں وہ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیے تو ان میں سے تم جسے چاہو تو اجازت دیدو اور ان کے لیے اللہ سے معافی مانگو﴾ (۴۹) یہی وجہ تھی کہ سب نے مل کر اس عظیم کام میں حصہ لیا اور چند دنوں (بعض کے نزدیک پندرہ یا سترہ دنوں) میں ایک ایسی ناقابل عبور دفاعی لائن بنا دی گئی جس نے دشمن کی پیادہ اور گھڑ سوار فوج کو مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے روکے رکھا خندق تین سے چار میل تک لمبی تھی اور سات سے لیکر دس ہاتھ (ساڑھے تین میٹر سے لیکر پانچ میٹر) تک گہری تھی اور اس کی چوڑائی نو ہاتھ یعنی ساڑھے چار میٹر تھی آج کے معیار سے بھی اگر جانچا جائے تو مدینہ طیبہ کی سنگلاخ زمین پر اتنی بڑی اور گہری خندق کا زمانہ قدیم کے کدالوں اور اوزاروں سے صرف چند دنوں میں کھود جانا اور وہ بھی صرف تین ہزار افراد کے ہاتھوں سے ایسا ایسا شاہکار ہے جس کا اندازہ کر کے آج کے ترقی یافتہ دور کا انجینئر بھی انگشت بدنداں ہے تمام کام ایک شفٹ میں ہوتا تھا جو نماز فجر کے بعد شروع ہوتی اور غروب آفتاب تک جاری رہتی اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد موقع پر تشریف لے جاتے اور نماز مغرب کے بعد مدینہ طیبہ واپس لوٹ آتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے نہ صرف اس عظیم دفاعی منصوبے کا افتتاح فرمایا بلکہ عام مزدوروں کی طرح کھدائی اور ملبہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں برابر کے شریک رہے حضرت

سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے جب ہم خندق کی کھدائی کر رہے تھے اور اپنے سروں پر مٹی اٹھائے ہوئے تھے تو حضور نبی اکرم ﷺ فرطِ انبساط اور تحسین میں یہ شعر پڑھتے تھے

یااللہ آخرت کی زندگی سے بہتر کوئی زندگی نہیں تو میرے مہاجرین اور انصاریوں کی مغفرت فرما دے (۵۰)

اور آپ حضور ﷺ کے جواب میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ گنگناتے

ہم وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ ہم تاحیات جہاد کرتے رہیں گے (۵۱)

تاریخ عالم میں شائد یہ واحد مثال ہے کہ ایک سالار اعلیٰ اپنے سپاہیوں کے شانہ بشانہ ایک عام مزدور کی طرح مشقت طلب کام کر رہا ہو۔ سید حرب و عجم ﷺ انصار کے ساتھ شرکت فرماتے اور کبھی مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کام کر رہے ہوتے تھے۔ حالات سر بسر مخالف تھے، سخت سرد ہوائیں چل رہی تھیں، اور زمین سنگلاخ اور ویسے ہی ہولناک سخت چٹانوں کی تھی لیکن وہ عزم و ہمت ناقابل تسخیر تھا کہ اس کے آگے مخالف سمت سے آنے والا ہر طوفان تھم کر رہ گیا تھا۔ رزمیہ ترانے گاتے ہوئے پیر و جواں اپنی دھن میں مست تھے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ حضرت سلمان فارسیؓ اپنے وقت پیری میں بھی سب سے جوان نظر آتے اور کام کرتے تھے کہ دوسرے رشک سے کہنے لگ گئے کہ سلمانؓ دس آدمیوں کے برابر کام کر رہے ہیں جس سے انصاریوں اور مہاجرین میں رقابت پیدا ہوگئی۔ انصاری کہتے کہ سلمانؓ ان میں سے ہیں جبکہ مہاجرین کہتے کہ سلمانؓ مہاجرین میں سے ہیں۔ اس دلچسپ مباحثے کو دیکھ کر رحمت للعالمین ﷺ نے بے تقیر فرمایا [سلمانؓ ہمارا ہے اور وہ ہمارے اہل بیت سے ہے] (۵۲)

چونکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت اس وقت عموماً اچھی نہ تھی، انہیں کھدائی اور چٹان شکنی کی ریاضت کے علاوہ بھوک اور فاقہ کشی کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی تھی۔ سامان خورد و نوش تمام افرادی قوت کے لیے بہت حد تک ناکافی تھا (۵۳) اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کئی کئی دن کا فاقہ کاٹنا پڑتا تھا (۱۵۴) ایک دفعہ جب ایک سپاہی حضرت ابوطلحہؓ نے اپنی قمیض اٹھا کر حضور نبی اکرم ﷺ کو دکھائی کہ ان کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا تو سالار اعلیٰ اور سرکار دو عالم ﷺ نے جب اپنا کرتہ اونچا کر کے دکھایا تو سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ آپ حضور ﷺ کے بطن مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ان تمام صعوبتوں اور رکاوٹوں کے باوجود کام پورے جوش و جذبے سے جاری رہا اور پندرہ دن کے اندر اندر ۵۰۰۰ ہاتھ (ذراع) کی طویل خندق تیار ہوگئی۔ کام رمضان کے مہینے میں شروع ہوا اور شوال میں ختم ہوا۔ چٹانوں اور پتھروں کے ٹکڑے خندق کے ساتھ ساتھ جمع کر دیے گئے تھے تاکہ بوقت ضرورت دشمن پر ہتھیار کے طور پر پھینکے جا سکیں۔ البتہ خندق سے نکلنے والی مٹی کھجور کے پتوں سے بنی ٹوکریوں میں ڈال کر دور دور پھینکی گئی تھی تو جوانوں کے علاوہ نوعمر لڑکوں نے بھی اس کام میں بھرپور سرگرمی دکھائی تاہم پندرہ سال سے چھوٹے بچے واپس بھیج دیے جاتے تھے۔ حضرت ابراء بن العازبؓ جو اس وقت جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے تھے، اپنے عالم پیری میں اس وقت کے واقعات بیان کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا [جب احزاب کے دن تھے اور رسول اللہ ﷺ نے خندق کھدوائی تو میں نے آپ حضور ﷺ کو مٹی اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس لگاتار کام سے مٹی اور گرد و غبار آپ حضور ﷺ کے بطن مبارک پر اس طرح اٹ گئی تھی کہ آپ کی جلد تک نظر نہیں آتی تھی جبکہ آپ حضور ﷺ کے جسد اطہر پر بہت زیادہ بال ہوا کرتے تھے] (۱۵۵) یہ حضرت براء بن العازبؓ ہی کی روایت ہے کہ جب آپ حضور ﷺ مٹی اٹھا رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے سرخ حلہ زیب تن فرمایا ہوا تھا جب کہ آپ کی چھاتی مبارکہ مٹی سے اٹی ہوئی تھی۔ آپ کی سیاہ زلفیں اتنی بڑی تھیں کہ شانوں کو چھو رہی تھیں اور آپ حضور ﷺ اس وقت حسن و جمال کا پیکر دکھائی دے رہے تھے (۱۵۶) ایک اور جگہ فرماتے ہیں [نبی اکرم ﷺ میانہ قد رکھتے تھے۔ آپ نے اس وقت سرخ جامہ زیب تن فرمایا ہوا تھا اور میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت انسان کبھی نہیں دیکھا۔] (۱۵۷) حضور نبی اکرم ﷺ اپنے

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک گروہ سے دوسرے گروہ کا چکر لگاتے اور گزرتے ہوئے اتنا دلفریب تبسم فرماتے کہ دیکھنے والے مبہوت ہو کر رہ جاتے۔ آپ کے حسن و جمال نے پردے ان مناظر و تجلیات کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھتے

حسن بے پرواہ تو دراصل یہی ہے نہ کہ خیبر کے حسین مناظر
یہ سدا رہتی یہی جمال حقیقی اور حسن بیکراں ہے

مندرجہ ذیل اشعار کے ترجمے سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اپنے آقا و مولا حضور سرور دو عالم ﷺ سے بے پناہ محبت چھلکتی ہے جب وہ میدان غزوۂ احزاب میں سنگ خارا کی چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرتے تو جذب و مستی میں سب مل کر ایک ساتھ ایک ترانہ گاتے جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے

ہم وہ ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے
جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم راہ خدا میں لڑتے رہیں گے
خدا کی قسم اللہ کریم کا ہم پر فضل نہ ہوتا تو ہمیں رشد و ہدایت نہ ملتی
نہ ہی ہم صدقات دیتے اور نہ ہی ہم نماز ادا کرتے
اے اللہ ہم پر سکون اور عافیت کی نعمتیں نازل فرما
اور جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا

اس وجد آفریں ترانے کے جواب میں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں فرماتے

اے رب ذوالجلال اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے
میرے انصار اور مہاجر ساتھیوں کو بخش دے

حضرت سلمان فارسیؓ یوں فرماتے ہیں کہ جب جبل ذباب کے دامن میں کھدائی کی جا رہی تھی تو مسلمانوں کا واسطہ ایک ایسی سفید رنگ کی چٹان سے پڑ گیا جو بہت سخت تھی۔ بہت سے لوگوں نے اسے ریزہ ریزہ کرنے کی سعی کی مگر وہ چٹان ٹوٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔ مجبور ہو کر معاملہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا۔ آپ حضور ﷺ اس جگہ پر تشریف لے گئے اور آپ حضرت ﷺ نے حضرت سلمانؓ کے ہاتھ سے کلہاڑا لے لیا۔ جب آپ حضور ﷺ نے پہلی ضرب لگائی تو اس سنگ خارا سے ایک ایسی روشنی نکلی جو جنوب کی طرف جا رہی تھی اور جس کی ضیاء اس قدر تھی کہ اس طرف اندھیرے میں واقع ہر گھر منور ہو گیا۔ اس کے بعد آپ حضرت ﷺ نے دوسری ضرب لگائی۔ اس بار بھی ایک روشنی نکلی جس کا رخ شمال کی جانب تھا۔ اس کے بعد آپ حضرت ﷺ نے تیسری ضرب کاری لگائی جس نے چٹان کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا اور اس دفعہ بھی اس سے ایک روشنی نکلی جس سے تمام مشرق روشن ہو گیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے ان تینوں پراسرار روشنیوں کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آقا میرے ماں باپ آپ پر فدا، ان پراسرار انوار کے نزول کا مقصد کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [پہلی روشنی کے نمودار ہونے پر میں نے یمن کے محلات دیکھے ہیں۔ دوسری روشنی میں میں نے بلاد شام کے محلات دیکھے ہیں اور تیسری روشنی کے نور سے میں نے مدائن کے علاقے میں کسریٰ کے سفید محلات دیکھے ہیں۔ پہلی روشنی پر اللہ رب العزت نے میرے لیے یمن کا سارا علاقہ کھول دیا ہے۔ دوسری روشنی میں مجھ پر بلاد الشام اور مغرب مفتوح کرا دیا گیا ہے اور تیسری بار جب روشنی چمکی تو مشرق میرے لیے کھول دیا گیا۔ جبرئیل امین مجھے یہ خوشخبری دے کر گئے ہیں کہ میرے امتی ان تمام علاقوں کو فتح کریں گے۔] (۱۵۸) ایسا ہی ایک اور واقعہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بھی مروی ہے [کہ جب ان کی لگاتار کوششوں کے باوجود ایک چٹان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نہ ٹوٹ سکی

جبل سلع کے عقبی جانب کی ایک ہوائی تصویر جس میں ساتوں مساجد نظر آ رہی ہیں دراصل ان مقامات پر دوران جنگ ان اصحاب کرامؓ کے خیمے نصب تھے جن کے نام پر یہ مساجد منسوب ہیں۔

تو رسول اللہ ﷺ سے مدد کی درخواست کی گئی۔ آپ حضرت ﷺ نے بطن طہر پر ایک پتھر باندھ رکھا تھا کیونکہ آپ اس وقت تین دن کے بھوکے تھے۔ پھر آپ حضور ﷺ نے کلہاڑا اپنے دست مبارک میں لے کر ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ چٹان جو حجم میں بہت بڑی تھی ریزہ ریزہ ہوئی جیسے ریت کا ڈھیر ہو] (۱۵۹)

کھدائی کے اس پر مشقت کام کے دوران کبھی کبھار ایسے لمحات بھی آ جاتے کہ جب اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رزمیہ اور حمدیہ ترانے پڑھتے اور دل کو محظوظ کرنے والی حرکتیں کرتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ چشم فلک اس معجز نگار شخصیت اور سید الانبیاء ﷺ کی ذات مبارک کے دست مبارک سے محیر العقول معجزے دیکھتی۔ کھدائی میں مشغول جب سب مل کر رزمیہ اشعار ایک لے میں گنگنانے لگ جاتے تو پس ایک گروہ کو دیکھ کر دوسرا گروہ ان سے سبقت لے جانے کے لیے اور دوسرے اشعار پڑھتے جس سے کوہ و دمن گونج گونج جاتے۔ ایک دلچسپ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زید ابن ثابتؓ جو اس وقت بھی نوخیز جوان تھے سخت مشقت کے سبب نیند کی آغوش میں چلے گئے آپ کے ایک ساتھی (حضرت عمارہ ابن حزمؓ) کو شرارت سوجھی اور اس کی نیند کی بے ہوشی میں انہوں نے ان کے کپڑے اتار لیے اور ان کو مع ان کے کھدائی کے اوزاروں کے ایک طرف چھپا دیا جب حضرت زید ابن ثابتؓ بیدار ہوئے تو بہت پریشان ہو گئے شرم کے مارے وہ ادھر ادھر چھپ رہے تھے اور کسی کے سامنے نہیں آ رہے تھے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا تو ان کو "یا رقد" (اے گہری نیند سونے والے) کہہ کر پکارا اور سامعین نے اس واقعہ کا خوب حظ اٹھایا

ابن اسحاق نے حضرت بشیر بن سعدؓ کی بیٹی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ان کی والدہ نے ان کو مٹھی بھر کھجوریں دے کر ان کے والد (حضرت بشیر بن سعدؓ) اور ان کے ماموں حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کے پاس بھیجا۔ وہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزر رہی تھیں تو آپ حضور ﷺ کی نظروں سے بچنے کی غرض سے ان کھجوروں کو اپنے دامن میں چھپا کر جا رہی تھیں۔ ان کو یوں چوری چوری گزرتے دیکھ کر رسول رحمت ﷺ نے ان کو بڑے پیار سے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ وہ کیا چھپا کر لے جا رہی ہیں جس پر ان کو بتانا پڑا کہ آقا چند کھجوریں ہیں آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھجوریں آپ کو دے دو جو انہوں نے دے دیں پھر آپ نے پاس موجود ایک اصحابی کو فرمایا کہ ایک چادر کر زمین پر بچھا دی جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور آپ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے وہ مٹھی بھر کھجوریں اس میں انڈیل دیں اور دیکھنے والے دنگ رہ گئے کہ پوری چادر کھجوروں سے بھر گئی پھر آپ حضور ﷺ نے سب حاضرین (کھدائی کرنے والے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو مدعو فرمایا اور کھانے کی دعوت دی لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا اور آپ حضرت ﷺ نے صدائے عام دے دیا کہ جتنی چاہو کھاؤ سب نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں جب سب سیر ہو کر چلے گئے تو اس بچی کی حیرت کی انتہا نہ تھی کیونکہ وہ دستر خوان بھی پہلے کی طرح بھرا پڑا تھا۔

اس سے بھی زیادہ ایمان افروز واقعات اور معجزات کو حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے بیان فرمایا ہے۔ ان سے مروی ہے [ہم خندق کھود رہے تھے کہ اچانک ایک ایسی چٹان سے واسطہ پڑ گیا جو ٹوٹنے میں نہ آتی تھی ہم بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آقا ایک ایسی چٹان سے واسطہ پڑ گیا ہے جو ٹوٹنے میں نہیں آتی۔ حضور سرور دوعالم ﷺ نے فرمایا [ابھی آ رہا ہوں!] پھر آپ حضرت ﷺ خود

جبل سلع کے دامن میں مسجد بنو حرام جہاں حضرت جابر بن عبد اللہؓ کا گھر تھا جہاں یہ معجزہ رونما ہوا تھا۔
(تصویر اگست ۲۰۰۲ء)

تشریف لے آئے اور آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا تھا کیونکہ تین دن سے حضور ﷺ نے کچھ نہیں کھایا تھا ایک ہی ضرب رسالت مآب ﷺ سے وہ چٹان ریت کا ڈھیر بن گئی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجیے میں تھوڑی دیر کے لیے گھر ہو آؤں لہذا جب میں گھر گیا تو اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فاقہ کشی کی ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا کیا گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے؟ انہوں نے کہا ہاں کچھ جو کا آٹا ہے اور ایک بکری ہے میں نے بکری ذبح کی اور وہ جو کا آٹا گوندھنے لگ گئیں۔ پھر ہم نے گوشت کو مٹی کی ہنڈیا میں رکھ دیا جب جو کا آٹا نرم اور خمیرہ ہو گیا اور گوشت بھی کچھ گلنے لگ گیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے تھوڑا سا طعام تیار کروایا ہے، میرے ماں باپ آپ پر قربان حضور تشریف لے چلیں اور ساتھ چند احباب کو بھی مدعو فرما لیں۔ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا کتنا کھانا ہوگا؟ میں نے حقیقت حال عرض کر دی حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا [ٹھیک ہے یہ کافی رہے گا! جاؤ اور اپنی زوجہ کو کہہ دینا کہ جب تک ہم نہیں آ جاتے وہ ہنڈیا کو چولہے سے نہ اتاریں اور نہ ہی تنور سے روٹیاں نکالیں پھر غریبوں کے والی یتیموں کے مولا ﷺ نے اپنے تمام اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو صلائے عام دے دیا اور فرمایا تجھے اور ہمارے ساتھ چلیے مہاجرین اور انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سب چل پڑے جب میں اپنی بیوی کے پاس گیا تو کہا اللہ تیرا بھلا کرے نبی اکرم ﷺ اپنے تمام مہاجر اور انصار ساتھیوں کے جلو میں تشریف لا رہے ہیں انہوں نے پوچھ کہ کیا رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں کتنا کھانا ہے؟ میں نے کہا ہاں! تھوڑی دیر میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے اور اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا گھر میں چلیں مگر ازدحام نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے روٹیوں کے ٹکڑے کرنے شروع کر دیئے اور پکا ہوا گوشت ان کے اوپر ڈالتے گئے آپ ایک ایک کر کے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھانا تقسیم فرماتے گئے اور گوشت ہنڈیا سے نکالتے گئے آپ حضور ﷺ روٹیوں کے ٹکڑے بناتے اور ان پر گوشت ڈالتے گئے یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا اس کے بعد بھی کھانا بچا ہوا تھا] پھر رسول اللہ ﷺ نے میری بیوی سے فرمایا کھاؤ اور دوسروں کو بھی دو کیونکہ سب کو بھوک لگی ہوئی ہے۔] (۱۶۰) اس گھر میں جہاں یہ تکثیر طعام کا معجزہ ہوا تھا اسی مقام پر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں ایک مسجد یادگار کے طور پر بنا دی گئی تھی جو بعد میں کئی بار منہدم ہوئی اور نئے سرے سے بنائی جاتی رہی سعودی عہد میں اس کی تعمیر نو کی گئی ہے اور یہ مسجد آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے جو جبل سلع کے دامن میں مسجد بنو حرام کے نام سے مشہور ہے

اب آتے ہیں اس معرکے کی تفصیلات کی طرف۔ دشمن کی افواج جن میں مکی قبائل کے جنگجوؤں کے علاوہ بنو کنانہ، بنو غطفان اور نجد سے لیے گئے بدو قبائل کی کثیر تعداد شامل تھی مدینہ طیبہ کی حدود میں الجرف کی طرف سے داخل ہوئے۔ داخل ہوتے ہی انہوں نے اس جگہ پر جہاں رومہ (وادی قناۃ کے ندی نالوں کا) ور زغابہ کا سنگم ہوتا ہے پڑاؤ ڈال لیے۔ ان میں سیاہ فام کرائے کے جنگجوؤں اور تہامہ کے بنو کنانہ کی تعداد دس ہزار سے متجاوز تھی اس کے علاوہ غطفانی بھی اپنے نجدی حلفاء کے ساتھ ذنب نقمی کے علاقہ میں احد کی طرف خیمہ زن ہو گئے تھے۔ (۱۶۱) چونکہ مکی قریشیوں نے حبشی غلاموں کی ایک کثیر تعداد کرائے پر حاصل کر لی تھی ان کو بھی وادی العقیق کے ساتھ ساتھ ایک پہاڑی کے دامن میں ٹھہرایا گیا جو ان حبشیوں کی نسبت سے آج بھی جبل حبشہ کے نام پر مشہور ہے (۱۶۲) ابوسفیان پوری افواج کا سالار اعلیٰ تھا جس

مسلمان آزادی سے پتھروں اور تیروں کا استعمال کرتے اور اس طرح کافی مرتبہ ان کی کفار کے جیالوں سے مڈبھیڑ بھی ہوئی کبھی کبھار ان کے شہسوار خندق عبور کرنے کی جرأت کرتے ایسی ہی ایک کوشش میں ان کا ایک نامور سورما جیالا عمرو بن عبدود لعامری خندق میں نیچے آ کر آیا اور بڑھک لگا کر مسلمانوں میں سے کسی ایک کو مقابلے کے لیے پکارنے لگا شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اس کا چیلنج قبول کیا اور حضور فخر موجودات ﷺ سے اجازت طلب کی سرکار دو عالم ﷺ نے ان کو اپنی سیف مبارک ذوالفقار عطا فرمائی اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر اپنا عمامہ السحاب باندھا جس میں اس وقت نو بل تھے (محمد متولی الشعراوی، السیرۃ النبویہ المکتبۃ العصریہ بیروت ص ۲۶۵ السحاب عمامہ تھا جسے سرکار دو عالم ﷺ اپنے سر مبارک پر نو بل دے کر باندھا کرتے تھے) یوں تھوڑی ہی دیر میں شیر خدا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ دشمن کے مقابلے کے لیے خندق میں اتر چکے تھے جونہی اس نامور سورما نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا تو کہنے لگا کہ وہ اپنے ایک دوست کے بیٹے سے مقابلہ نہیں کرے گا خاص طور پر جبکہ وہ اس کی نظر میں کم عمر تھے اور کسی عمر رسیدہ قریشی کے مقابلے کے اہل نہ تھے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اس کے مقابلے کے لیے ڈٹے رہے اور بالآخر دونوں مدمقابل ہو گئے ایک ہی وار میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا مردہ دھڑ زمین پر ست پت پڑا تھا، مسلمانوں کی طرف سے فلک شگاف نعرہ تکبیر بلند ہوا اور فضا اللہ اکبر کی آوازوں سے گونج اٹھی

اسی طرح ایک اور شہسوار نوفل المخزومی نے بھی خندق عبور کرنے کی جسارت کی مگر اپنے گھوڑے سمیت خندق میں گر پڑا۔ جب مسلمانوں نے اس پر پتھراؤ شروع کیا تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں روک دیا اور بنفس نفیس اس کا مقابلہ کرنے کے لیے خندق میں اتر گئے۔ پلک جھپکنے میں ہی آپ نے اس کا بھی کام تمام کر دیا، دشمن نے دس ہزار درہم کی پیشکش کی کہ اس کی لاش اٹھانے دی جائے مگر رسول رحمت ﷺ نے بغیر کسی درہم لیے ان کو اپنا مردہ اٹھانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ مسلمانوں کے چاک و چوبند دستے دن رات خندق کی دفاعی لائن کی حفاظت کی خاطر گشت کرتے رہتے تھے جنگ احد میں حاصل شدہ درس سے پورا پورا استفادہ کیا گیا اور ہر معاملے میں اپنے سالار اعلیٰ کے احکام کی پوری پوری تعمیل کی جاتی۔ جونہی کوئی کافر خندق عبور کرتا نظر آتا اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی اور اسی مستعدی اور فرض شناسی کے سوائے دو چار استثنائی حالات کے کسی کو بھی خندق کے اس پار نہ آنے دیا جو بھی آگے آیا وہ دھر لیا گیا یا پھر الٹے پاؤں واپس بھاگ گیا۔ محاصرہ طویل ہونا شروع ہوا تو ان کے سرداروں نے سر جوڑنے شروع کر دیئے وہ جان چکے تھے کہ ان کا مقابلہ ایک ایسی قوم سے آن پڑا ہے جو حیات کی نسبت موت سے زیادہ پیار کرتی تھی۔ اکا دکا واقعات کے علاوہ مسلمانوں کو شمشیر زنی کا صحیح موقع نہ مل سکا۔ دشمن صرف "حملہ کرو اور بھاگ جاؤ" (Hit and Run) کی حکمت عملی پر گامزن تھا۔ اور اس کی بہتری بھی اسی میں تھی بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران کم از کم ایک دن ایسا بھی آیا کہ دشمن نے خندق عبور کرنے کی بار بار اور سر توڑ کوشش کی جس کی وجہ سے مسلمان مجاہدین سارا دن دفاعی کارروائیوں میں مشغول رہے اور اتنا وقت بھی میسر نہ آ سکا کہ بروقت نماز ادا کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر بھی مغرب یا عشاء کے بعد پڑھی۔ کتب میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں نے وادی بطحان کے کنارے مغرب کے بعد وضو کیا اور پھر تینوں نمازیں یکے بعد دیگرے ادا کیں۔ (۱۷۳) کچھ سیرۃ نگاروں کا خیال ہے کہ ایسا ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ہوا ہوگا کہ جنگ کی عملی ضروریات (Operational Requirements) کے پیش نظر نماز قضا ہوئی ہوگی۔

جونہی محاصرے نے طول پکڑا یہ بات طشت از بام ہو گئی کہ بنو قریظہ کے یہود خفیہ طور پر کفار کے ساتھ اتحاد کر چکے تھے اور ان کا منصوبہ تھا کہ مسلمانوں پر پشت سے حملہ آور ہوں گے۔ باہر سے آنے والے دشمن کے قدم تو روک دیئے گئے تھے مگر اب سوال یہ تھا کہ اندر کا دشمن جو گھر کا بھیدی تھا اس کا کیا کیا جائے تین اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم (حضرت سعد ابن عبادہؓ، حضرت سعد ابن معاذؓ اور حضرت خوات ابن جبیرؓ) کو افواہوں کی سچائی جاننے کے لیے روانہ کیا گیا۔ آپ حضور ﷺ نے ان کو ہدایت دی کہ [اگر یہ افواہیں صحیح نکلیں تو میرے پاس آ کر

علیحدہ اشاروں سے بات کرنا تاکہ باقی مسلمانوں کے حوصلوں پر برا اثر نہ پڑے اور اگر حقیقت حال اس کے برعکس ہو تو کھلے بندوں اس کا اظہار کر دینا] (۱۷۴) قریظیوں سے ملنے پر پتہ چلا کہ ان کو میثاق مدینہ کی کوئی پرواہ نہیں تھی اور انہوں نے کھلے بندوں اس کا اظہار بھی کر دیا۔ وہ اس وقت بڑی اونچی ہواؤں میں اڑ رہے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف گستاخانہ کلمات استعمال کئے اور تضحیک کے انداز میں پوچھا "محمد (ﷺ) کون ہیں؟ ہمارا کسی محمد (ﷺ) سے کوئی معاہدہ نہیں ہے!" وفد کے تینوں ممبروں نے بڑے ضبط و تحمل سے کام لیا اور واپس آ کر ان کی بدنیتی کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کر دیا صاف ظاہر تھا کہ اگر یہود مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا لیتے تو حالات کا پانسہ پلٹ جاتا اس خبر سے مسلمانوں میں بے چینی سی پھیل گئی (۱۷۵) منافقین کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اس حد تک سہم گئے تھے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے اپنے گھروں کو لوٹنے کی اجازت مانگی ان میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے لوگ شامل تھے قرآن کریم نے اس بات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ نہیں دیا تھا بلکہ فریب کا اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: اے اہل یثرب یہاں تمہارے ٹھہرنے کی اب کوئی گنجائش نہیں تم گھروں کو واپس چلو اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا پھرتا تھا یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر بے حفاظت ہیں حالانکہ وہ بے حفاظت نہ تھے وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے ﴿۱۷۶﴾

جب مسلم فوج محاذ جنگ پر مصروف پیکار تھی تو خواتین، مریضوں، بوڑھوں اور بچوں کو پیچھے رہنے دیا گیا تھا اور حسبِ ضرورت انہیں علیحدہ علیحدہ مقامات پر قلعوں اور آطام میں رکھا گیا تھا سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ جو ایک مرتبہ اس اطم پر پہرہ دے رہی تھیں جس میں خواتین مقیم تھیں تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ یہودی اطم کے ارد گرد مشکوک طرز سے چکر لگا رہے تھے ان میں سے ایک نے تو اطم کے اوپر چڑھنے کی کوشش بھی کی تھی آپ نے خطرے کو بھانپ لیا تھا پہلے تو آپ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو کہا کہ وہ یہودی کا مقابلہ کریں مگر چونکہ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے معذرت کر دی تو سیدہ صفیہؓ نے بغیر کوئی دقیقہ فروگذاشت کئے اس مشکوک یہودی پر حملہ کر دیا اور پہلی ہی ضرب کاری سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا جب وہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا تو دوسرے یہودیوں کو بھاگتے ہی بنی اور وہ وہاں سے رفوچکر ہو گئے

یہود کی مشکوک حرکات و سکنات (اور وہ بھی ایک ایسے اطم کے گرد جہاں صرف خواتین قیام پذیر تھیں) ایک قسم کا اشارہ تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے اس کے سدباب کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فوراً نوجوانوں کے دستوں کو ان راستوں کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا جو یہودی بنی قریظہ کی آبادی سے مدینہ طیبہ کی طرف آتے تھے۔ ان کو حکم دے دیا گیا کہ وہ رات بھر وقفے وقفے کے بعد اللہ اکبر کے نعرے لگاتے رہیں اور دیگر قرآنی آیات کی اونچی آواز سے تلاوت کریں تاکہ یہود اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھے رہیں۔ واقدی نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ایک قول روایت کیا ہے "میں ان سنگین حالات کے دوران جبل سلع کی چوٹی پر بار بار چڑھتا تھا تاکہ مدینہ طیبہ میں واقع گھروں کے حالات کا جائزہ لیتا رہوں اور جب مجھے ہر طرف خاموشی نظر آتی تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا تھا" جبل سلع پر چند سطریں جو کندہ تھیں (جو اب نہیں ہیں) ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ جلیل القدر اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (مثلاً سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ) لگاتار حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے سیدنا عمر فاروقؓ کے دست مبارک سے کندہ ایک کتابت کچھ اس طرح تھی [رات ابن ابوبکر اور عمر عاجزی سے اللہ کے حضور دست بدعا رہے کہ اے اللہ ہر بری صورت حال سے بچانا] چٹانوں پر کندہ ان کتابتوں سے متعلق دیگر تفصیل ہماری اس کتاب بعنوان "تبرکات نبوی و تبرکات مدینہ طیبہ" میں دستیاب ہیں

حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ جنگ خندق کے دوران ایک دفعہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات کی حاجت تھی انہوں نے آپ حضور ﷺ کو ادھر ادھر بہت تلاش کیا مگر آپ حضور ﷺ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ آپ جبل سلع پر چڑھ گئے کہ شاید آپ کہیں اوپر تشریف لے

ان تاریخی تصویروں کی ایک نادر تصویر جو کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دور غزوہ خندق میں سلع کی ایک چٹان پر کندہ کی تھیں یہ تصویر ڈاکٹر حمید اللہ کی کاوشوں کی مرہون منت ہے جو کہ انہوں نے ۱۹۳۰ کی دہائی میں کی تھیں ہم ان کے اور بھی اُن تاریخی شواہد کے شکر گزار ہیں کہ جنہوں نے ہمیں ان تصاویر کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی
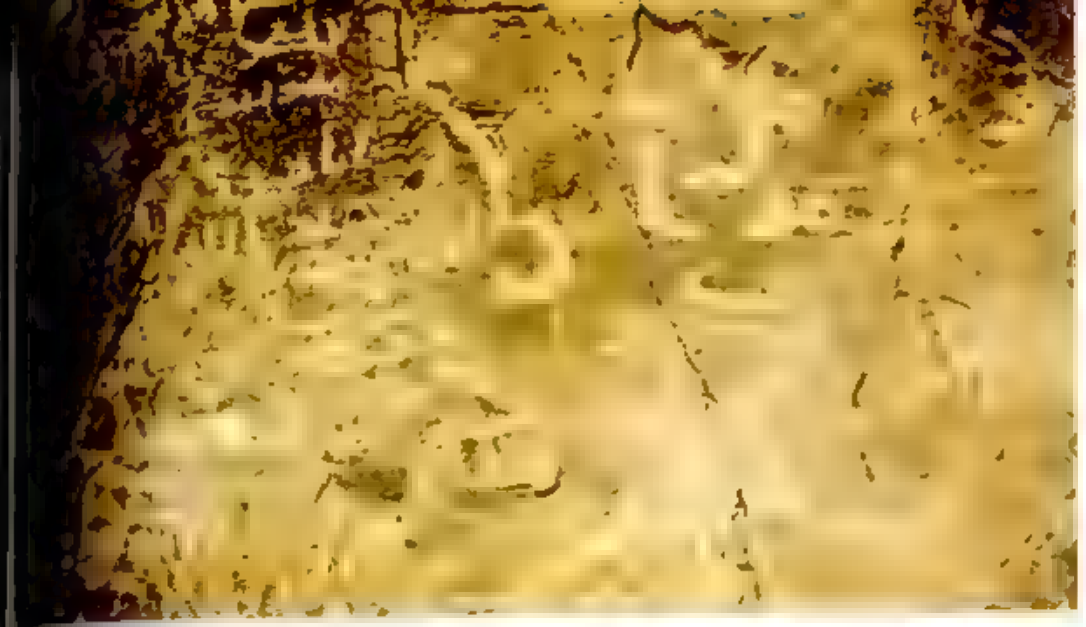
گئے ہوں وہاں سے انہوں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک غار میں ان کی نگاہ رسول اللہ ﷺ پر پڑ گئی جب ادھر آئے تو پتہ چلا کہ حضور شفیع المذنبین اور انیس الغریبین ﷺ اس غار میں کافی عرصہ سے سجدہ ریز تھے وہ انتظار کرتے رہے مگر رسول اللہ ﷺ نے غیر معمولی طور پر اپنے سجدہ کو طویل کیا ہوا تھا جس سے ان کے دل میں طرح طرح کے وہم و وسوسے جنم لینے لگے آخر کار جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایا تو آپ حضور ﷺ نے حضرت معاذ ؓ کو فرمایا کہ جبرئیل امین نے اسی مقام پر آ کر آپ حضور ﷺ کو خوشخبری دی تھی کہ آپ کو اپنی امت کے بارے میں فکر مند رہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کریم نے فرمایا ہے کہ وہ آپ کو ناامید نہیں کرے گا لہذا آپ حضور ﷺ نے طویل سجدہ شکر ادا فرمایا تھا اس جگہ پر ایک خوبصورت قبہ تعمیر کر دیا گیا تھا جو زیارت گاہ خاص و عام تھا اس کو کہف حرام کہا جاتا تھا۔ ایک اور معجزہ بھی جبل سلع پر ہوا تھا یہ بھی غزوہ خندق کے دوران کا واقعہ تھا کہ جب لشکر اسلام کو ایک دفعہ پانی کی قلت کا سامنا تھا تو کہف حرام کے قریب ہی ایک چٹان سے حضور نبی کریم ﷺ کے حکم سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا جو صدیوں تک عشاق کی پیاس بجھاتا رہا (۱۷۷) کہف بنی حرام تو موجود ہے مگر چشمہ بند ہو گیا۔(۷۸)

یوں تو یہود کی ریشہ دوانیاں سب مسلمانوں پر عیاں تھیں مگر وہ اچانک اتنی غداری پر اتر آئیں گے یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سب ہکے بکے رہ گئے تھے یک نجانا سا خوف سب پر طاری ہو چکا تھا قرآن کریم کے الفاظ میں ﴿اس وقت مومنین تحت امتحان میں تھے جس نے انہیں خوب سختی سے جھنجوڑ دیا تھا ﴾ (۹-۱۰) رسول اللہ ﷺ وقتاً فوقتاً مسلمان دستوں کا معائنہ فرماتے رہتے جس سے ان کے حوصلے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگ جاتے تھے کبھی آپ حضور ﷺ جبل سلع کے ساتھ منسلک اس چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھ جاتے جہاں آج مسجد فتح نظر آتی ہے۔ وہاں پر کھڑے ہو کر آپ حضور ﷺ نے رب ذوالجلال کے آگے اپنے ہاتھ پھیلا کر دعا کی [اے اللہ! اے وہ ذات جس نے کتاب برحق نازل کی، اے وہ ذات جس کے حکم سے بادل ہواؤں میں تیرتے ہیں، تو انہیں شکست فاش دے اور ہمیں فتح و نصرت عطا کر] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن تک مسجد فتح کے مقام پر دعا فرمائی۔ پیر، منگل اور بدھ کے دن۔ بدھ کے دن جو دعا آپ حضور ﷺ نے دو نمازوں کے درمیان کی تھی وہ مستجاب ہو گئی اور ہم سب یہ آپ حضور ﷺ کے چہرہ اقدس سے پہچان سکتے تھے](۱۸۰) کچھ مورخین کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ غزوہ کے آخری دنوں میں اس جگہ منتقل فرمایا تھا جہاں مسجد فتح ہے جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ اس دن ہوا ہو گا جب دشمن نے لگاتار حملوں کی بوچھاڑ کر دی تھی تاکہ مسلمانوں کی دفاعی لائن کو توڑ سکے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی جو کہ سب نے غروب شمس کے بعد وادی بطحان کی ایک طرف ادا کی تھی۔ (۸) اس غزوہ میں چھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش فرمایا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں
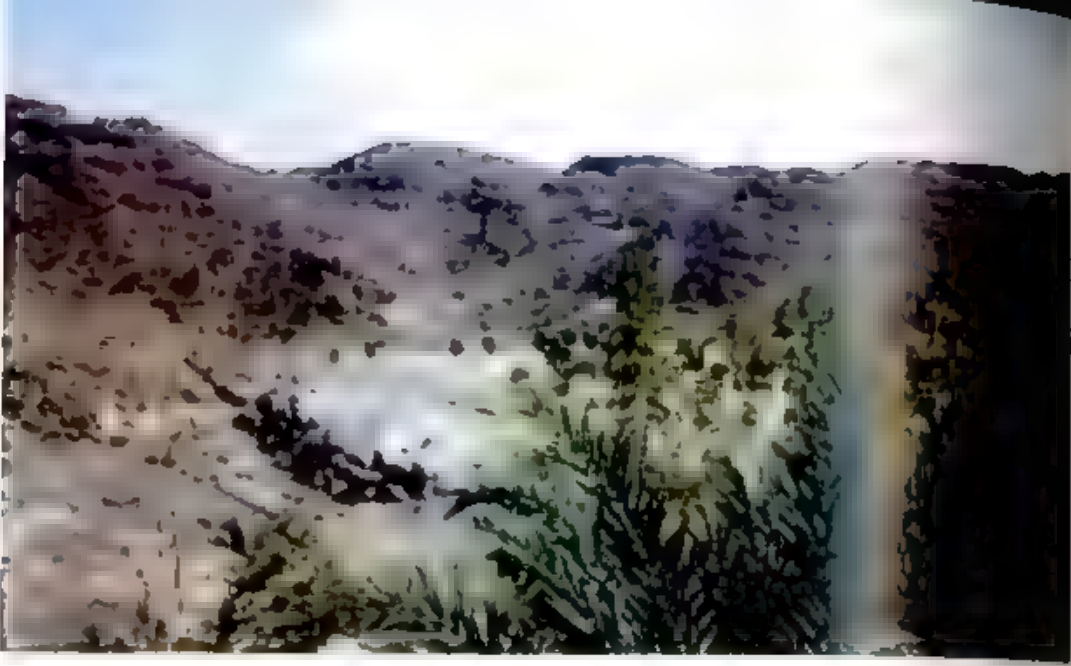
جبل سلع کی غربی جانب کی ایک تصویر (اپریل ۲۰۰۱ء)

۱۔	حضرت سعد ابن معاذ ؓ (۱۸۲)	۲۔	حضرت انس بن اوس بن عتیک ؓ
۳۔	حضرت عبداللہ بن سہل ؓ	۴۔	حضرت طفیل بن نعمان ؓ
۵۔	حضرت ثعلبہ بن انما ؓ	۶۔	حضرت کعب بن زید بن قیس النجاری ؓ

حملہ آوروں میں سے ایک، نعیم بن مسعود بن عامر الغطفانی، نے ایک رات حضور ﷺ سے شرف باریابی کی درخواست کی جسے شرف قبولیت بخشا گیا انہوں نے حاضری کے دوران اسلام قبول کر لیا چونکہ ان کا قبول اسلام اس وقت تک کسی اور کو معلوم نہ تھا (کم از کم یہودیوں اور ان کے اپنے قبیلہ کو جو کفار مکہ کے حلیف تھے) انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں کہ وہ از خود یہودیوں کے پاس جائیں گے اور ان میں اور کفار میں عدم اعتماد اور پھوٹ ڈالنے کی کوشش کریں گے نبی کریم ﷺ نے پروپیگنڈے کی اہمیت کے پیش نظر ان کو اس خطرناک مہم کی اجازت یہ کہہ کر مرحمت فرما دی کہ "جنگ داؤ پیچ کا کھیل ہی تو ہوتا ہے" اس کے مطابق حضرت نعیم ؓ پہلے یہودیوں کے پاس گئے اور کوشش کی کہ وہ اس معاملے سے اپنے آپ کو الگ کر لیں انہوں نے یہود سے کہا کہ اگر قریش جنگ ہار کر چلے گئے تو یہود کو کن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر جائیں گے؟ کون ہو گا جو مکہ سے واپس آ کر یہود کی مدد کرے گا؟ اور بصورت دیگر اگر وہ جنگ جیت بھی گئے تب بھی وہ مدینہ طیبہ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے دونوں صورتوں میں یہود خسارے میں رہیں گے اس طرح ان کو ڈرا دھمکا کر انہیں تجویز دی کہ ان کے لیے بہتر ہو گا کہ وہ مکہ والوں سے اس بات کی ضمانت لیں کہ وہ ان کو کسی حال میں اکیلا نہیں چھوڑیں گے ایسی ضمانت کی صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اہل مکہ اپنے کچھ جیسے یہودیوں کے پاس بطور یرغمال رہنے دیں اس مطالبے کے ماننے یا رد کرنے سے مکیوں کی نیت کا اندازہ کر لیا جائے گا۔ یہ چال کامیاب رہی اور یہود نے ایسا ہی کرنے کی حامی بھر لی

اس کے بعد وہ مکی کیمپوں میں گئے اور ان کو باور کروایا کہ ان کے علم کے مطابق یہود اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے ہیں اور یہ کہ وہ مکیوں کے شانہ بشانہ لڑنے کی بجائے مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ انہوں نے ان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ آئندہ جب بھی مذاکرات ہوں گے تو یہود ان کے کچھ آدمی بطور یرغمال مانگیں گے پھر وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کے پاس گئے اور ان کو بھی اسی طرح کے مشورے دیئے۔ اس طرح اس بھاری بھر کم اتحاد کے ٹوٹنے کی راہ ہموار ہو گئی جمعہ کی رات مکیوں نے یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ ہفتہ کے دن لڑائی کے لیے تیار رہیں اور مسلمانوں کی پشت سے ان پر زوردار حملہ کر دیں۔ انہوں نے جان بوجھ کر ہفتہ کے دن کا انتخاب کیا تھا تاکہ دیکھا جائے کہ یہود کتنے عہد و پیمان نبھاتے ہیں۔ یہودی یہ دیکھ کر مکیوں کے پاس گئے۔ ایک طرف تو انہوں نے اپنے یوم سبت یعنی ہفتے کے دن لڑنے سے صاف انکار کر دیا اور دوسری طرف ان سے یرغمال مانگنے لگے جس کا مکیوں نے صاف انکار کر دیا یہود کے خدشات پورے ہوتے نظر آئے اور وہ جان

گئے کہ قریظہ والے ان کو حضور نبی اکرم ﷺ کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ درحقیقت دونوں فریق حضرت نعیم بن مسعودؓ کے جال میں آ چکے تھے اور انہیں جو دیئے گئے پتوں سے کھیل رہے تھے۔ حضرت نعیمؓ نے ایک اور چال چلی۔ یہ افواہ گرم کر دی کہ قریش اہل مکہ یہود کو چند یرغمال دے دیتے ہیں تو وہ ان کو حضور نبی اکرم ﷺ کے حوالے کر دیں گے۔ لہٰذا دونوں گروہوں میں اختلاف کی ایک گہری خلیج حائل ہو گئی اور دونوں طرف سے ایک دوسرے پر الزام تراشی شروع ہو گئی۔ یہود نے ان سے معاہدہ یکسر ختم کرنے کی دھمکی دے دی اور مکیوں کو یہ نوشتہ دیوار صاف نظر آنے لگ گیا یوں ان کا اتحاد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا۔

حالات نے ایسی دلچسپ کروٹ لی کہ پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ گیا۔ دوسری طرف چونکہ وہ شروع سے ہی قلیل المدت جنگ کے اخراجات کر کے چلے تھے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کو مدینہ طیبہ کا محاصرہ کرنا پڑے گا جو کہ طول کھینچ جائے گا ان کے آنے سے پیشتر ہی مسلمان مدینہ طیبہ کے اطراف والی راستوں سے اپنی تمام اجناس سمیٹ چکے تھے اور ان کے ہاتھ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ لگ سکی۔ یہ بھی ان کی قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ حیی بن اخطب نے ان کو جو بیس اونٹ کھجوروں اور دیگر سامان خورد و نوش لاد کر روانہ کئے تھے وہ بھی مسلمانوں کے ایک دستے کے ہتھے چڑھ گئے تھے۔ رہا بنو قریظہ یہود پر تکیہ تو وہ بھی حضرت نعیمؓ کی چال سے ختم ہو گیا تھا جونہی یہودیوں نے انکار کیا تو جنگ کے سرپنچوں نے جنگی حکمت عملی اور خاص طور پر محاصرے پر نظر ثانی شروع کر دی۔ اس کے علاوہ شوال کا مہینہ ختم ہونے کو تھا جس کا مطلب صاف تھا کہ حج کا موسم سر پر آ پہنچا تھا۔ اقتصادی طور پر حج کا موسم اہل مکہ کے لیے بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا

سب سے زیادہ تباہ کن وہ طوفان باد و باراں تھا جو مشیت ایزدی سے اس رات چلنے لگا جس سے اتحادیوں کے خیمے ہوا میں اڑنے لگے۔ یہ ایک اندھیری برفانی رات تھی جب مشرق سے ایک تیز آندھی اٹھی جو تا فنا چاروں طرف چنگھاڑ رہی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [مجھے 'صبا' یعنی مشرق کی طرف سے اٹھنے والی آندھی سے فتح ملی جبکہ قوم عاد 'دبور' یعنی مغربی طرف سے آنے والے طوفان سے تباہ ہوئی تھی](۱۸۳) قرآن کریم نے ان الفاظ میں اس حقیقت کا ذکر کیا ہے ﴿اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آتے تھے اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے﴾(۱۸۴) طوفان اتنا شدید تھا کہ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان کے خیمے اور برتن ہوا میں ادھر ادھر اڑ رہے تھے اور ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو جاسوسی کی غرض سے ان کے کیمپوں میں بھیجا انہوں نے وہاں مکمل تباہی کا منظر دیکھا۔ انہوں نے ابوسفیان کو ایسی ہی حالت میں دیکھا کہ وہ اسے آسانی سے نشانہ بنا سکتے تھے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کوئی قدم اٹھانے سے منع فرمایا تھا جس سے بھگدڑ مچ جائے اس لیے انہوں نے ایسا کرنے سے اجتناب کیا(۱۸۵) یہودیوں کی بے وفائی اور طوفان باد و باراں کی شدت سے ابوسفیان سخت پریشان تھا اور اسے اب امید کی کوئی رمق باقی نظر نہیں آ رہی تھی کہ وہ کبھی مسلمانوں کی دفاعی لائن کو توڑ سکے گا۔ ان تمام حالات سے دلبرداشتہ ہو کر وہ پہلا آدمی تھا جو اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور کہنے لگا: "اے بنو قریش ہمارے خیمے کوئی پکے بنے ہوئے نہیں ہیں، ہمارے گھوڑے اور اونٹ مرنے لگے ہیں، بنو قریظہ نے بدعہدی کی ہے اور ہمیں ان کی طرف سے مایوس کن اطلاعات ملی ہیں۔ تم اس طوفان باد و باراں کی شدت کو دیکھ رہے ہو جس نے ہمارے جلائے ہوئے چولہوں تک کو ٹھنڈا کر دیا ہے اور ہمارے برتن ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ بیٹھنے کے لیے اب تو خیمے بھی نہیں رہے تم جانو اور تمہارا کام، میں تو جا رہا ہوں۔"(۱۸۶)

وہ شان و شوکت اور طمطراق جس کے ساتھ اتحادی مدینہ طیبہ پر چڑھ دوڑے تھے سب دھری کی دھری رہ گئی اور انہیں ذلت آمیز پسپائی اختیار کرنی پڑی جس سے ان کی ہوا اکھڑ گئی اور ان کے غرور و تکبر کو سخت دھچکا لگا۔ ان کے اتحاد کا خواب بکھر چکا تھا۔ جنگ احزاب حقیقت میں عسکری جنگ (Battle of Military Engagement) ہونے کی بجائے ایک 'نفسیاتی جنگ' (Battle of Nerves) ثابت ہوئی

قرآن کریم کے الفاظ میں "اور جب اہل ایمان نے (کافر اتحادیوں کے) لشکر دیکھے تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ دیا تھا اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اس سے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں اور پختگی آ گئی ﴾(۱۸۷) جیسا کہ ہندومت کی ایک کتاب اتھروید کی پیشین گوئی میں صدیوں پہلے بیان کیا گیا تھا، میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور کفار کو منہ کی کھانی پڑی

اے بچوں کے رب یہ آدمی ... دیتے ہیں اور تو ان سے حمد آفریں نغموں سے خوش ہو جب تو نے نمازیں پڑھنے والوں اور تیری حمد کرنے والوں کو دس ہزار دشمنوں پر بغیر لڑے فتح عطا فرمائی (۱۸۸)

مسلمانوں کی جیت اور ... نے کافر اتحادیوں کے دانت کھٹے کر دیئے اس کے بعد اس خطے میں اسلام ایک غالب قوت بن کر ابھر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [آج کے بعد قریش مکہ کبھی بھی مدینہ طیبہ کا رخ نہیں کریں گے] حضرت سلیمان بن صردؓ سے مروی ہے [یوم احزاب پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج کے بعد ہم ان پر حملہ کرنے جائیں گے لیکن وہ اب کبھی حملہ کرنے نہیں آئیں گے](۱۸۹) تاریخ نے آپ ﷺ کے ایک ایک حرف کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کی اور اتحادیوں کی مدینہ طیبہ کے خلاف مشترکہ جارحیت ان کی آخری اور ناکام کوشش ثابت ہوئی۔ یہ صرف مکیوں کی شکست ہی نہیں تھی بلکہ یہ ان تمام اتحادی قبائل کی شکست تھی جو اس اتحاد اور اشتراک میں شامل تھے جو اسلام کے خلاف بغض رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے عناد رکھتے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ کا یہ ایک ایسا موڑ تھا جس کے نتائج بہت دور رس تھے اتحادیوں کی شکست نے بدیہی طور پر سید العرب والعجم ﷺ کو جزیرہ نمائے عرب کا واحد اور بااثر ترین غیر متنازعہ لیڈر اور قائد ہونے پر صاد کر دیا تھا

حضرت حسان بن ثابتؓ نے جنگ خندق کے موقع پر شعر کہے جن میں سے چند کا ترجمہ پیش خدمت ہے

وہ وحشی ذئب جو خلق خدا پر ظلم ڈھاتے تھے اور جو اپنے اتحادیوں کے ساتھ آں حضور ﷺ پر حملہ آور ہوئے
انہوں نے شہر شہر اور قریہ قریہ اور جنگل کے باسیوں تک کو ساتھ ملا لیا جن میں عیینہ اور حرب قبائل بھی شامل تھے
اور اتحادیوں کے شہسوار بھی ان کے ساتھ بڑے طمطراق سے آئے
تاکہ رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں کو قتل کر دیں اور ان کے گھر لوٹ کر لے جائیں
انہوں نے ہم پر اپنی پوری قوت سے حملہ کیا
مگر شدید طوفان نے ان کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے تمام دستے اپنی تمام تر غضب ناکیوں کے باوجود فرار ہو گئے
اور پھر رب ذوالجلال کی افواج نے (میدان جنگ کو اس طرح ہاتھ میں لیا کہ) مومنوں کے ساتھ جنگ کی نوبت ہی نہ آنے دی
اللہ نے مومنوں پر پے در پے انعام و اکرام کی بارش کر دی
جب وہ اپنے حوصلے کھو چکے تھے تو رب ذوالجلال نے اپنی مدد سے ان کو متحد کر دیا
اور اس طرح حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو عزت عطا کی
اور ہر مذبذب، تنگ قلب، مشکوک اور منافق کو ذلیل و خوار کیا
واقعی ان لوگوں میں ایمان کی رمق تک نہ تھی
اللہ ان کے دلوں کو پیپ، زخم اور کچوکے لگاتا رہے
کیونکہ وہ آخری وقت تک کفر پر ڈٹے رہے (۱۹۰)

آخر میں ہم مشہور مستشرق ولیم منٹگمری واٹ کا تبصرہ قارئین کی نظر کرنا چاہیں گے جس میں اس نے غزوہ خندق کا تجزیہ کیا ہے:

"اس طرح دو ہفتے گزرنے کے بعد مکی افواج ناامید ہو گئیں اور وہ تحریک جس کو بڑے جوش سے شروع کیا گیا تھا بری طرح ناکام ہو گئی۔ بڑے جوش و خروش سے شروع ہونے والی مہم ایک بے نتیجہ محاصرہ بن کر رہ گئی۔ غیر معمولی زمستانی موسم اور طوفانی بادو باراں نے محاصرہ کرنے والوں کے چھکے چھڑا دیے۔ انصار میں سے چھ شہید ہوئے جب کہ مکیوں کے تین جیالے اس معرکے میں کام آئے تھے جہاں تک عسکری تجزیے کا تعلق ہے مکی شکست کا سہرا حضرت محمد ﷺ کی اعلیٰ جنگی حکمت عملی اور آپ کی بہترین جاسوسی کے نظام کے سر ہے۔ خاص طور آپ کا خندق کو دفاعی لائن بنانا حالات کے عین مطابق تھا مکیوں کی امیدیں سراسر اپنے گھڑ سواروں پر لگی تھیں کیونکہ پچھلی جنگوں میں واضح ہو گیا تھا کہ مسلمان پیادہ فوجی لڑائی میں اپنے دشمن پر چھا جاتے ہیں خواہ تعداد میں وہ کتنے ہی قلیل کیوں نہ ہوں خندق نے مکیوں کی گھڑ سوار فوج کا آگے بڑھنا ناممکن بنا دیا اور انہیں ایسے حالات سے دوچار کر دیا کہ وہ اپنے چھ سو سے زائد شہسواروں کا کوئی بھی فائدہ نہ اٹھا سکے" (۱۹)

غزوہ بنو قریظہ

غزوہ احزاب کے پس منظر اور واقعات کے بیان میں ہم یہود کے غدارانہ رویے پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں باقی دونوں قبائل کو جلا وطن کرنے کے بعد بنو قریظہ ہی یہود کا واحد قبیلہ تھا جو مدینہ طیبہ میں رہ گیا تھا جو معاہدہ کی رو سے پابند تھا۔ باعث بنا یہ تھا غزوہ خندق میں مکیوں نے محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ کیا تو ان کے اتحادی پھر سے الگ الگ ہو کر منتشر ہو گئے اور اپنے اپنے علاقوں کو سدھار گئے اور جس خفت سے وہ لوگ بے نیل مرام واپس ہوئے تھے اس سے مستقبل قریب میں ان کی واپسی اور مدینہ طیبہ پر چڑھائی ناممکن ہو گئی تھی۔ یہودیوں کے پہلے قبیلے بنو قینقاع کو مدینہ بدر اس لیے کیا گیا تھا کہ انہوں نے بد عہدی کا ارتکاب کیا تھا اور انتباہ پر بھی اصلاح احوال پر راضی نہ ہوئے تھے۔ دوسرا گروہ، قبیلہ بنو نضیر حضور سرور مقبول ﷺ کی زندگی پر حملے کی سازش کا مرتکب ہوا تھا حالانکہ یہ سازش ریاست مدینہ کے مؤسس اور رئیس کی جان کے خلاف تھی مگر رسول رحمت ﷺ نے نرمی کا مظاہرہ فرمایا اور ان کو ان کی جان و مال بخش دیے اور وہ مدینہ طیبہ سے باہر جا کر اپنے ہم مذہبوں اور شہبازیوں کی گونج میں آباد ہو گئے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ باقی بچ جانے والے یہودی سب سے سبق حاصل کرتے اور میثاق مدینہ کی پیروی کرتے لیکن بدقسمتی سے بنو قریظہ اپنے دوسرے بھائیوں پر بھی سبقت لے گئے اور میثاق مدینہ کی پروا نہ کرتے ہوئے انہوں نے جارح دشمن سے ساز باز کرنا شروع کر دیا اگر مسلمان ان کی چالوں کو اپنے تدبر اور عالی حکمت عملی سے ناکام نہ کر دیتے تو انہوں نے ان کی پشت میں خنجر گھونپنے سے گریز نہیں کرنا تھا لہٰذا طرز عمل پوری طرح کھلی جارحیت کے زمرے میں آتا تھا اور اس پر ان کی سزا بھی قرار واقعی ہونا تھی جو کسی بھی دشمن کو دی جا سکتی تھی جو جارح ہو۔ وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا مصائب کے بادل کچھ دیر کے لیے تو چھٹ گئے تھے اور اگر یہود کو ڈھیل دے دی جاتی تو وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ خطرناک کھیل کھیل سکتے تھے حالات مزید تاخیر کے متحمل نہ تھے

جنگ خندق سے فتح و کامرانی لوٹنے کے بعد رسول اللہ ﷺ ابھی اپنے جنگی ہتھیار بھی اتارنے نہ پائے تھے اور ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کے حجرہ مبارکہ میں ابھی اپنا آدھا سر مبارک ہی دھویا تھا کہ جبریل امین تشریف لے آئے اور کہا [اے محمد ﷺ آپ نے اپنے ہتھیار اتار دیئے ہیں جب کہ ہم نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے چلیے بنی قریظہ چلتے ہیں۔] ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا [یا رسول اللہ ﷺ میں نے جبریل امین کو دروازے کے روزن سے دیکھا ہے کہ ان کے سر پر ابھی بھی غبار کے آثار تھے] (۹۲) اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا اور ان کو اپنا علم عطا فرمایا اور سیدنا بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان عام کر دیں کہ کوئی بھی عصر کی نماز سوائے بنی قریظہ کے نہ پڑھے۔ (۹۳) آپ نے دوبارہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور بنی قریظہ کے علاقے

سبع مساجد کی ایک قدیم تصویر جہاں پر تمام نامور لشکر اسلام کے خیمے نصب ہوئے تھے یہ تصویر اس سلسلے کی دہائی کی ہے جب کہ یہ علاقہ کچھ کچھ بیابانی شکل رکھتا تھا اس تصویر میں چھ مساجد واضح نظر آ رہی ہیں

کی طرف کوچ فرما دیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور سب کے سب اپنے آقا و مولا کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور یوں تین ہزار مجاہدین کا یہ لشکر اپنے ۳۶ شہسواروں کے ساتھ نماز عصر سے پہلے بنو قریظہ کے علاقے کی طرف رواں دواں ہو چکا تھا (۱۹۴) یہودی بھانپ گئے تھے کہ ان کو ان کی غداری کی سزا ملنے والی ہے کیونکہ ان کی ریشہ دوانیاں طشت از بام ہو چکی تھیں اور وہ جانتے تھے کہ اب ان کی باری آنے والی ہے جب حضور نبی کریم ﷺ بنی قریظہ کے علاقے میں پہنچے تو آپ حضور ﷺ نے ان کے ایک کنوئیں بئر انا پر پڑاؤ کیا اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ حضور ﷺ سے آ کر ملے۔ (۱۹۵) وہاں پہنچنے پر آپ حضور ﷺ نے ان کے عمائدین کو بلند آواز سے کہا [اے معشر یہود جن کے بھائی بندوں کو پہلے نافرمانی کی وجہ سے اللہ کریم نے بندروں میں تبدیل کر دیے تھے اب اللہ کریم نے تمہارے لیے بہت بھیانک انجام چنا ہے۔] (۱۹۶) مسلمانوں نے ان کی آبادی کا محاصرہ کر لیا حضرت حسان بن ثابتؓ کو خصوصی طور پر ارشاد ہوا کہ وہ یہود کے خلاف ترانے پڑھیں حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا اپنی شاعری سے ان کی ہجو اور برائی کرو اور اس سلسلے میں جبریل تمہاری مدد کریں گے] (۹۷) رسول اللہ ﷺ نے وہاں چند راتیں قیام فرمایا تاکہ حربی عملیات کی نگرانی فرما سکیں۔ اسی اثناء میں حیی بن اخطب (جو بنو نضیر کے ساتھ نکالا گیا تھا) وہ بھی ان یہودیوں سے جا ملا اور ان کے ساتھ ہی ایک قلعہ میں مورچہ بند ہو گیا رسول اللہ ﷺ اس مقام پر نماز ادا فرماتے جو بنو قریظہ کے علاقے میں تھا جو کہ ایک اطم تھا جو زبیر بن باطا کی ملکیت تھا محاصرے کے دوران آپ حضور ﷺ نے اس اطم کے متصل گھر میں بھی نماز ادا فرمائی جو بنو الخطر کی ایک عورت کی ملکیت تھا جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ طیبہ میں مساجد کی تعمیر شروع کی تو آپ نے وہاں بھی ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروا دی تھی۔ (۱۹۸)

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں "پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ (جو بنو عمرو بن عوف سے تھے جو کہ بنو قریظہ کے حلیف رہ چکے تھے) کو ان کے پاس بھیجا جائے تاکہ وہ لوگ ہتھیار ڈالنے کے مسئلے میں ان سے صلاح و مشورہ کر سکیں ان کے بچے اور عورتیں واویلا کرتے ہوئے ان کے پاس گئے تاکہ ان کو ان پر ترس آ سکے۔ انہوں نے ان سے کہا اے ابولبابہ کیا خیال ہے کہ ہم ہتھیار ڈال دیں اور حضرت محمد ﷺ کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیں؟ انہوں نے کہا ہاں مگر ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ بھی کر دیا جس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ وہ قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائیں حضرت ابولبابہؓ کا بیان ہے کہ [جونہی میں نے یہ اشارہ کیا تو مجھے ایسا لگا کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سے سرک گئی ہے کیونکہ میں نے ان کو (دفاعی راز) بتا کر اللہ اور اس کے رسول سے بد عہدی کا ارتکاب کر لیا تھا۔] پھر وہ وہاں سے چلے آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی بجائے سیدھے مسجد نبوی شریف میں چلے گئے

اور انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ وہ اس جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک کہ اللہ انہیں وہاں سے گناہ کو معاف نہ کر دے۔ اور انہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ وہ کبھی بنو قریظہ نہیں جائیں گے اور اس گاؤں میں کبھی بھی نظر نہیں آئیں گے جہاں انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بے وفائی کا ارتکاب کیا تھا۔ (۹۹)

یہودی صلح کے بہت سے پیغامات بھیج چکے تھے انہوں نے قرار حرمت کر لیا تھا مگر اپنے پیش روؤں کی طرح وہ بھی محفوظ راستہ مانگ رہے تھے تاکہ مدینہ طیبہ سے چلے جائیں۔ مذاکرات کافی عرصہ تعطل کا شکار رہے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ سخت رویہ اپنانا شروع کر دیا اور آپ ان سے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے پر زور دیتے رہے۔ اس طرح محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک طول کھینچ گیا۔ ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں تو وافر مقدار میں تھیں مگر ان کے حوصلے پست ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جب کوئی بھی نتیجہ نکلتا نظر نہ آیا تو ایک دن شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰؓ نے حضرت زبیر بن العوامؓ کی ہمراہی میں ان پر بھرپور حملہ کر دینے کی تجویز پیش کر دی تاکہ ان کی قلعہ بندیاں توڑی جا سکیں۔ ان دونوں نے اعلان کر دیا کہ وہ بھی حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگیوں کے نذرانے پیش کر دیں گے اور ان کی فوجی چھاؤنیوں پر حملہ کر دیں گے اور یوں انہیں بزور شمشیر زیر کر کے دم لیں گے۔ اس الٹی میٹم نے اپنا کام دکھایا اور یہود کے حوصلے بالکل پست ہو گئے۔ ان کے خیال میں تھا کہ حضرت سعد ابن معاذؓ جو بنی عبدالاشہل میں سے تھے کبھی ان کے حلیف رہے تھے شاید وہ ان کی طرفداری کریں گے، لہٰذا انہوں نے آپ کو اپنی طرف سے تحکیم کے لیے نامزد کر دیا۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت سعد ابن معاذؓ نے دعا کی تھی کہ "اے رب العزت اگر یہ آخری موقع ہے کہ قریش ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں تو مجھے شہادت دے دے اور اگر تو چاہتا ہے کہ وہ پھر بھی لوٹ کر آئیں گے تو مجھے زندہ رکھنا تاکہ میں ان لوگوں سے اپنا حساب چکتا کر سکوں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا تھا مگر مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ میں بنی قریظہ کا معاملہ طے نہ کر لوں" حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ [بنو قریظہ کے لوگوں نے حضرت سعد ابن معاذؓ کو فیصلے کا حق دے دیا اور تب ہتھیار ڈالے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذؓ کو طلب فرمایا حالانکہ وہ شدید زخمی حالت میں تھے اور ان کے زخمی شانہ سے بہت خون بہہ رہا تھا وہ ایک دراز گوش پر سوار ہو کر چل پڑے جب وہ اس مسجد کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا [اپنے سردار کا استقبال کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ] پھر آپ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے فرمایا ان لوگوں نے فیصلہ تمہارے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر راضی ہیں۔ حضرت سعدؓ نے اعلان کیا کہ: "آپ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیں اور ان کے بچوں اور عورتوں کو باندی بنا لیں۔" اس کو سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [سعدؓ نے اللہ کے فرمان کے مطابق فیصلہ کیا ہے] جو کہ اس فرمان الٰہی کے مطابق تھا ﴿فریقا تقتلون وتاسرون فریقا﴾ ﴿ اور جن اہل کتاب (بنو قریظہ) نے ان کی (مکی دشمنوں کی) مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قید ﴾ (۲۰۰)

"پھر انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ طیبہ میں بنت الحارث کے گھر میں قید کر دیا جو کہ بنو النجار میں سے تھیں (۲۰۱) پھر رسول اللہ ﷺ سوق مدینہ کی طرف گئے جو آج بھی یہاں کا بازار ہے اور ان کے لیے خندقیں کھودنے کا حکم دیا، پھر آپ نے ان کو بلوا بھیجا اور وہ گروہ در گروہ آتے گئے اور آپ کے حکم سے ان کی گردنیں اڑائی جاتی رہیں۔" (۲۰۲) بلاذری کا بیان ہے کہ بنو قریظہ میں سے صرف ان افراد کو تہہ تیغ کیا گیا جو بالغ تھے کوئی بھی نابالغ جس کی مونچھیں نہ نکلی تھیں نہیں مارا گیا تھا۔ (۲۰۳) حضرت عروہ بن زبیرؓ کے بیان کے مطابق یہود کو سزائے موت احجار الزیت کے پاس دی گئی۔ (۲۰۴) یہ علاقہ حضرت مالک بن سنانؓ کے مزار کے پاس تھا اور اب مسجد نبوی شریف میں شامل ہو چکا ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حیی بن اخطب کو اس جگہ لایا گیا تو وہ اپنا منہ چھپا رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو یاد دلایا کہ

جیسا اس سے پہلے تھا ویسا ہی وہ اب تک رہا تھا (۲۰۵) ان کی جائیدادیں بشمول ان کے کھجوروں کے باغات مال غنیمت کے طور پر ضبط کر لیے گئے تھے جب مہاجرین کو کھجوروں کے باغات دے دیے گئے تو انہوں نے اپنے انصار بھائیوں سے تحفتاً لیے گئے درخت واپس لوٹا دیے۔ (۲۰۶) مال غنیمت سے دوسری اشیاء کے علاوہ ان سے ۲،۰۷۲ تیر، ۳۰۰ زرہ بکتر اور ۵۰۰ ڈھالیں حاصل ہوئیں۔ (۲۰۷) ان کی عورتیں اور بچے غلام بنا لیے گئے تھے انہیں عورتوں میں سے حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے لیے ام المومنین سیدہ ریحانہؓ کو چنا جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور حضور کے ساتھ رشتہ ازدواجیت میں منسلک ہوئیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال پر ملال سے تھوڑا پہلے راہی ملک عدم ہوئیں۔ (۲۰۸)

یہود کے مدینہ طیبہ سے اخراج اور خاص طور پر بنو قریظہ کے خاتمے پر اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم بنو قریظہ کے معاملے میں چند وضاحتیں کرنا چاہیں گے۔ سب سے پہلے اس ضمن میں یہودی عقیدۂ جنگ (Doctrine of War) کا احاطہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے ساتھ ہی ہمیں اس بات کا بھی علم ہونا چاہیے کہ باوجود یکہ وہ برضا و رغبت خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ شہریت یعنی میثاق مدینہ طیبہ میں منسلک ہوئے تھے لیکن انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا جال بننے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ ان کے ایک قبیلے بنو قینقاع نے تو میثاق مدینہ کی صریحاً خلاف ورزی کا ارتکاب کیا، دوسرے قبیلے (بنو نضیر) نے موسس و رئیس دولت اسلامیہ مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی پر وار کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن تیسرا قبیلہ تو ان دونوں سے سبقت لے گیا اور دشمنان اسلام کے مختلف قبائل کے اتحاد کے ساتھ ساز باز کرنے لگ گیا جو کم و بیش بارہ ہزار کا لشکر لے کر مدینہ طیبہ پر چڑھ دوڑے تھے اگر مسلمانوں کی چال ان میں پھوٹ ڈالنے کو کامیاب نہ ہوتی تو یقینی طور پر بنو قریظہ مسلمانوں کی پشت میں خنجر مار دیتے اور ان کے پیچھے سے حملہ کر دیتے انہوں نے از خود ہی ایک ایسا ماحول (Scenario) پیدا کر دیا تھا جو حالت جنگ کا ماحول (State of War) تھا جب رسول اللہ ﷺ کے تین نمائندے ان کے پاس گئے تو انہوں نے کھلم کھلا اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ جارح ملیوں کے حلیف ہیں اور نتائج خواہ کچھ بھی ہوں وہ پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں یہ تو صرف مسلمانوں کی حکمت عملی تھی کہ مسلمانوں نے ایسی چال چلی کہ ان میں بد اعتمادی پیدا ہوئی اور وہ جنگ میں کودنے سے باز رہے۔

یہودی فلسفہ جنگ ان کی کتاب سماوی کے مطابق استثناء (Deuteronomy) میں بیان کیا گیا ہے جس کی متعلقہ شقوں کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے

۱۰۔ جب تم کسی شہر کے پاس لڑنے کے لیے پہنچو تو پہلے تو امن کا پیغام بھیجو۔

۱۱۔ اگر وہ صلح پر آمادہ ہوں اور مفتوح ہونے پر رضا مند ہو جائیں تو ایسا ہوگا کہ وہ مفتوح لوگ تمہارے باجگزار بن کر رہیں اور تمہاری خدمت پر مامور ہوں گے

۱۲۔ اگر وہ صلح پر آمادہ نہ ہوں اور جنگ پر تل جائیں تو تم ان کا محاصرہ کر لو

۱۳۔ اور جب تمہارا رب تمہیں ان پر فتح عطا کر دے تو تم تلوار کی نوک سے ان کے مردوں کو مار دو گے

۱۴۔ مگر ان کی عورتیں، بچے، مال مویشی اور جو کچھ بھی شہر میں تمہارے ہاتھ لگے، وہ تمہارا ہوگا اور تم مال غنیمت کھاؤ گے کیونکہ اللہ نے وہ تمہیں عطا کیا ہے

۱۵۔ یہ تم ان شہروں کے ساتھ کرو گے جو تم سے بہت دور ہوں گے اور جو ان قوموں میں سے نہ ہو جو تمہارے قریب ہیں۔

۱۶۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو قریبی شہروں میں بستے ہیں جن پر تمہارا رب تم کو فتح دے اور وہ تمہاری میراث ہو جائے تو ایسی صورت میں تم ان میں سے کسی بھی ذی روح کو (جس سے نسل آگے بڑھتی ہو) کو زندہ نہیں چھوڑو گے۔ (۲۰۹)

اگر ایک لمحے کے لیے دلیل برائے دلیل کے طور پر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہود اس جنگ میں پوری سج دھج کے ساتھ شامل

ہوجاتے تو ان کے "آسمانی صحیفہ" کے فلسفہ جنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے جس کے کچھ ضروری اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں ان کا ظہور کیا اور مسلمانوں کی کیا شامت آتی؟ ان ناقدین کی (جو رسول اللہ ﷺ کے بنو قریظہ کے معاملہ میں طرز عمل کو شدید ہدف تنقید بناتے ہیں) کس صورت میں کیا ہوتی؟ بنو قریظہ نے معاہدہ مدینہ طیبہ کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کی ریشہ دوانیاں شروع کی ہوئی تھیں۔ میثاق مدینہ کو یک طرفہ ختم کرنے سے اور دشمن سے جا ملنے سے کیا انہوں نے اسی ملک کے خلاف جس کے کہ وہ شہری تھے غداری کے ارتکاب میں کوئی کسر اٹھا رکھی تھی؟ معاند مستشرق فرانسسکو جبرائیل جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ادھار کھائے بیٹھا نظر آتا ہے اسلامی فلسفہ جہاد کا سب سے بڑا ناقد ہو گزرا ہے اس نے بھی بنو قریظہ کو غدار قرار دینے میں کوئی باک نہیں رکھا اس کے الفاظ ہیں
"محاصرے کے دوران ان کفار نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پر اتحادیوں سے مل کر غداری کا ارتکاب کیا تھا اور ظاہری طور پر اگرچہ وہ غیر جانبدار رہے تھے مگر درون خانہ آپ کو شکست دینے کے لیے دشمن سے مل چکے تھے لہذا مشکل جنگ (خندق) بھی ختم ہوئی تھی کہ (حضرت) محمد (ﷺ) نے ان سے چھٹکارا پانے کا فیصلہ کر لیا اور ان کو بھی پہلے دو قبیلوں کی طرح محصور کرنے کی تیاریاں کرنے لگے" (۲۱۰)

بادی النظر میں یہودیوں نے چار بڑے جرائم کا ارتکاب کیا تھا

(۱) معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انہوں نے اپنی ریاست کے خلاف ہی جارح کی مدد کرنے کی کوشش کی جب رسول اللہ ﷺ کے تین نمائندے حقائق معلوم کرنے ان کے پاس پہنچے تو ان کے عزائم کھل کر سامنے آ گئے۔ ان کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں جو پہلے 'سرد جنگ' (Cold War) کی مد میں آتی تھیں اب "علانیہ اور گرم جنگ" (Declared and Hot War) کے مترادف ہو گئی تھیں جو رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے امتیوں کے خلاف تھیں۔ انہوں نے تو حضرت سعد ابن معاذ کی یہ کہہ کر تضحیک کی کہ محمد (ﷺ) کون ہیں؟ ہمارے اور ان کے درمیان تو کوئی معاہدہ نہیں ہے! اس سے انہوں نے یک طرفہ طور پر معاہدہ مدینہ طیبہ کو ختم کر دیا تھا اور وہ بھی ایک ایسے وقت پر جب مسلمانوں کو بہت ہی نازک صورت حالات کا سامنا تھا ان کا مقصد وحید اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

(۲) انہوں نے جارح سے ساز باز کر کے ان کو مشترکہ حملے پر اکسایا تھا۔ وہ اپنے دو پہلے سے مدینہ بدر قبائل کے ساتھ اس سازش میں برابر کے شریک تھے جو کہ خیبر جا بسے تھے۔ جب حیی بن اخطب نے ان کے لیڈر سے ملاقات کی اور اسے مشترکہ جارحیت میں شامل ہونے کی ترغیب دی تو اس نے فوراً معاہدہ پھاڑ دیا اور اسلام دشمن اتحاد میں شریک ہو گیا۔

(۳) انہوں نے اپنی ہی ریاست کے خلاف جس کے کہ وہ شہری تھے جاسوسی کا ارتکاب کیا اور وہ اہل مکہ کو مسلمانوں کے دفاعی راز اور استعداد کے متعلق معلومات پہنچاتے رہے۔ حیی بن اخطب کھلم کھلا مکیوں سے ملتا تھا اور غطفانیوں کے ساتھ اس جارحیت میں برابر کا شریک بھی تھا مگر باقی کے بنو قریظہ بھی پیچھے نہ رہے تھے اور ابوسفیان سے گفت و شنید کرتے رہے تھے

(۴) انہوں نے اپنی ہی ریاست کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا جرم بھی کیا۔ ان کے ہراول دستوں نے ان آطام کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے تھے جہاں مسلم خواتین اقامت پذیر تھیں تاکہ یہ دیکھا جائے کہ کہاں کہاں نرم اہداف (Soft Targets) یا دفاعی کمزوری پائی جاتی ہے۔ یہ تو عمۃ الرسول سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب ؓ کی بہادری اور شجاعت کا ثمرہ تھا کہ ایک یہودی اس چکر میں ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور باقی ماندہ کو جرأت نہ ہو سکی کہ آگے آئے۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے پانچ سو مجاہدین کے دستے بنی قریظہ کے علاقے میں نہ روانہ کئے ہوتے تو یقیناً انہوں نے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپ دیا ہوتا۔

مندرجہ بالا چار جرائم میں سے صرف ایک جرم بھی آج کے مروجہ بین الاقوامی قوانین کے تحت مرتکبین اور مجرمین کو سزائے موت کا سزاوار

بنا یا بنو قریظہ نے تو چار جرم یک ساتھ کر رکھے تھے ان پر وہ تو اس سے بھی بڑی سزا کے مستحق تھے اور پھر جہاں حالت جنگ طاری ہو وہاں حضرت مومن نہیں رہ سکتا پہلے ہی دو قبیلوں کو معافی دے کر کافی فراخدلی کا ثبوت دیا جا چکا تھا جس کا انہوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ وہ دشمنوں سے جا ملے تھے ایسے میں تیسرے قبیلے کو بھی چھوڑ دینا تو جارحین کے ہاتھ مزید مضبوط کرنے کے مترادف ہوتا اور خاتم الرسل ﷺ کے اللہ کے رسول ہونے کے ناطے جبکہ آپ کا ایک یک عمل اپنی امت کے لیے مشعل راہ ہے آپ حضور ﷺ جو کہ اس وقت اپنی افواج کے سالار اعلیٰ بھی تھے، بھلا کیسے اپنی امت کی زندگی کو خطرات میں ڈال سکتے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ فیصلہ تو انہی کی آسمانی کتاب کے مطابق تھا معترضین کو اگر کوئی اعتراض ہے تو وہ اپنی نام نہاد الہامی کتاب استثناء Deuteronomy کے مصنفین سے رجوع کریں

حواشی

(۱) حمد ازبور ۷۲ آیات ۸ تا ۱۴ (Psalms 72 8-14) یہود و نصاریٰ کے علماء کے نظریہ جہاد اور رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے ناقدین کو چاہیے کہ وہ اپنی الہامی کتب کا مطالعہ [illegible] خاص طور پر انجیل [illegible] کی حمدیں تو جگر تھام کر پڑھنی چاہئیں جن میں حضور نبی آخر الزماں ﷺ کے متعلق پیشگوئیاں حضرت داؤد علیہ السلام نے [illegible] صورت میں انجیل میں موجود ہیں جن سے یہ بخوبی [illegible] ہوتا ہے کہ انجیل کے مطابق وہ نبی موعود کی صفت بابرکات میں [illegible] صفت یہ ہوگی کہ آپ [illegible] نبی ہوں گے جو امن قائم کرنے کی غرض سے شمشیر [illegible] ہوں گے تاکہ [illegible] کو جبر و ستم سے محفوظ کیا جا سکے بالفاظ دیگر اناجیل میں حضور سرورکائنات ﷺ کو نبی الجہاد کہا گیا ہے فرمان مصطفوی بھی یہی ہے کہ میری امت پر قیامت تک جہاد فرض کر دیا گیا ہے

(۲) حضرت عروہ [illegible] رسول اللہ ﷺ تحقیق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی، اردو ترجمہ محمد سعید احسن علوی، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچر لاہور ۱۹۹۰ء [illegible] [illegible] تک پہنچے [illegible] مشتمل تھا [illegible] عمرو بن عاص [illegible] نجاشی کو [illegible] [illegible] ہمارے [illegible] [illegible] احسانات [illegible]

کے ملک میں آزادی سے آتے جاتے ہیں اور امن وسکون سے رہتے ہیں ہم پر فرض ہے کہ آپ کی ان عنایات پر آپ کے احسان مند ہوں اور ان کا بدلہ چکائیں۔ اس لیے ہماری قوم نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ ہم آپ کو انتباہ کر سکیں کہ مذکورہ شخص اور اس کے پیروکار آپ کے ملک میں بگاڑ پھیلائیں گے۔ وہ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔ اس کے پیروکار بھی اس عقیدے کے قائل نہیں ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کی جائے یہ لوگ آپ کے دربار میں آئیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کو جھک کر سلام بھی نہیں کریں گے بہتر ہے آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کو راست پر لا سکیں"۔

(۳) ابن سعدؒ، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج ۱، ص ۲۳۶ نیز دیکھئے صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۴۹۴، (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہاری جائے ہجرت مجھے دکھا دی گئی ہے۔ میں نے ایک شوریلی زمین دیکھی ہے جس میں کھجور کے بہت زیادہ درخت ہیں۔ اور وہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو دو لاوے سے بنے ہوئے سنگلاخ حرے ہیں

(۴) القرآن الکریم (الانفال۔ ۳۰)

(۵) Isaiah 21 13-17

(۶) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار دونوں کو اپنے انعام واکرام سے نوازا۔ سورہ انفال ۷۴-۷۵ کی آیات انہیں کی شان میں نازل ہوئیں

﴿اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ اور وہ لوگ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور رشتہ والے ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں﴾

(۷) القرآن الکریم (الحشر۔ ۹)

(۸) صحیح مسلم، کتاب نمبر ۱۹، نمبر ۴۴۴۳ (اس حدیث میں بالصراحت ذکر ہے کہ بعض دیہی لوگوں نے تو اس کے لیے سونے کا تاج بھی بننے کے لیے دیا تھا)

(۹) سنن ابی داؤد، ۱۹۔ ۲۹۹۸

(۱۰) ایضاً۔

(۱۱) القرآن الکریم (الحج: ۳۹۔ ۴۰)

(۱۲) ابن اثیر (۵۵۵۔ ۶۳۰ ہجری) الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج ۲، ص ۱۴۔ ان کے بیان کے مطابق قریش کی تعداد ۹۵۰ تھی جبکہ دوسرے مورخین کے مطابق وہ تعداد ۱۰۰۰ تھی

(۱۳) ابن سعدؒ، مصدر مذکور، ج ۳، ص ۱۴۰۔ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سربراہی میں غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے سامان خورد ونوش کی خاصی قلت ہوا کرتی تھی اور بسا اوقات ان کو درختوں اور جھاڑیوں کے پتے (حبلہ) کھا کر گزارا کرنا پڑتا تھا جس کے نتیجے میں جب وہ رفع حاجت کرتے تو ان کا براز مویشیوں کی طرح ہوا کرتا تھا جو گھاس پھوس کھاتے ہیں۔

(۱۴) الترمذی (اردو ترجمہ، بدیع الزمان) ضیاء احسان پبلشرز لاہور، ۱۹۸۸ء، ج ۲، ص ۶۷۰

(۱۵) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۴۱

(۱۶) ایضاً نمبر ۴۶۱۰

(۱۷) ایضاً ۴، ۲۵۷۸

(۱۸) ایضاً ۴۰۲۰، ۴۷۱

(۱۹) ایضاً ۴، ۲۵۰۷

(۲۰) ماخوذ از بریگیڈیئر گلزار احمد (The Prophet's Concept of War) سلاک بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۴۷

(۲۱) القرآن الکریم (بقرہ۔ ۲۱۷)

(۲۲) ایضاً ۹۰

(۲۳) ایضاً ۲۱۹

(۲۴) ابن اسحاق کے مطابق ان مہمات کی تعداد ۳۸ تھی۔ احادیث کے مطابق (مثلاً صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۴۶۳، ۴۴۶۶ اور الترمذی، ج ۱، ص ۶۰۱) رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس ان میں سے ۱۹ میں قیادت فرمائی تھی۔ باقی صحیح معنوں میں جنگیں نہیں تھیں۔ مثلاً غزوہ حدیبیہ جب کہ آپ حضور ﷺ صرف عمرے کی غرض سے روانہ ہوئے تھے یا حجۃ الوداع وغیرہ بہت سے سیرۃ نگاروں نے ان کو بھی غزوات میں شامل کیا ہے۔

(۲۵) واقدی نے ۴۷ ایسی مہمات کا ذکر کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ارسال فرمائی تھیں۔

(۲۶) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۴۵۳

(۲۷) القرآن الکریم (آل عمران ۱۲۰)

(۲۸) ابن اسحاق، ص ۳۶۵، ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، دمشق اور قاہرہ جزو ۳، ص ۴

(۲۹) القرآن الکریم (النساء ۵)

(۳۰) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۳۴۳

(۳۱) القرآن الکریم (آل عمران ۱۰۹)

(۳۲) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۳۶۳ اگرچہ اس حدیث مبارکہ سے یہ واضح نہیں کہ اس واقعہ کا اندازاً وقت وقوع کیا ہے مگر چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ خود غزوہ خیبر کے قریب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ وہ جس واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں وہ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کے قبیلے بنو قینقاع کے باقیماندہ افراد جو مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے ان سے متعلق ہو سکتا ہے چونکہ بنو نضیر کے مدینہ بدری پر (جو جنگ بدر کے بعد ہوئی) یا بنو قریظہ کے قتل پر (جو غزوہ احزاب کے فوراً بعد ہوا) حضرت ابو ہریرہؓ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے یا تو یہ حدیث مبارکہ بنو قینقاع کے ان یہودیوں کے بارے میں ہے جن کو امان دے دی گئی تھی اور جو مدینہ طیبہ میں ہی بسنے پر راضی ہو گئے تھے اور یا پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے کسی دوسرے صحابی کا قول روایت کیا ہے جس کا نام متاخرین سے روایت نہیں ہو سکا۔ یہی بات زیادہ قرین قیاس بھی نظر آتی ہے

(۳۳) ابن سعد، ج ۲، ص ۲۸

(۳۴) ایضاً، ص ۲۹

(۳۵) اس غزوہ کا محل وقوع بستی بنو قریظہ کے پاس تھا جو وادی مہزور کے کنارے عالیہ (موجودہ عوالی) میں واقع تھی۔ آج کے مدینہ طیبہ میں یہ العوالی میں مسجد نبوی شریف سے تقریباً تین میل جنوب میں بستان مجشونیہ (خاک شفاء کے پاس) کی جگہ پر یا اس کے لگ بھگ قریب ہوگا جہاں تک زرعی اراضی کا تعلق ہے یہ بھی تقریباً ویسی پائی جاتی تھی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں: "بنو قینقاع کا گاؤں آج کل (۱۹۳۹ء) ایک میدان کی صورت میں ہے۔ اب تو اس میں کوئی کھنڈرات بھی نہیں پائے جاتے"۔ رسول اللہ ﷺ کے میدان جنگ (The Battlefields of the Prophet Muhammad) مصدر مذکور، ص ۲۔ آج کل اس جگہ پر سڑکوں کا وسیع و عریض جال بچھ گیا ہے، اور کچھ میدانی علاقہ بھی ہے اور ساتھ ہی مجشونیہ کا باغ بھی ہے۔

(۳۶) القرآن الکریم (الانفال ۵۸)

(۳۷) ابن سعد، ج ۲، ص ۲۸

(۳۸) بیہقی، سنن، ج ۹، ص ۵۳ نقل کردہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کے میدان جنگ، ص ۲۸

(۳۹) صحیح بخاری، ج ۵، ۹۵، ۳۶۲

(۴۰) محمد حسین ہیکل، حیات محمد، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۳۳۰

(۴۱) ابن سعد، ج ۲، ص ۳۰

(۴۲) القرآن الکریم (الانفال ۳۶) ابن اسحاق نے خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ اس آیہ کریمہ کی شان نزول مکیوں کے چندہ جمع کرنے کی مہم تھی، دیکھیے سیرۃ

(۹۲) القرآن الکریم (آل عمران ۱۵۵)

(۹۳) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۰۸ ۔ حضرت انس بن مالکؓ کا نام ان کے نام پر رکھا گیا تھا (ابن اسحاق ص ۳۸۱)

(۹۴) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۰۵ (۹۵)

(۹۵) ابن اسحاق ص ۳۸۱

(۹۶) ایضاً ص ۳۸۴

(۹۷) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۵۲، ۵۲، صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۳۴۵

(۹۸) ابن اسحاق صفحات ۳۸۰ ۔ ۳۸

(۹۹) ابن جریر الطبری، تاریخ الطبری مصدر مذکور، ج ۲ ص ۵۲۱

(۱۰۰) القرآن الکریم (الانفال ۔)

(۱۰۱) ابن سعد، ج ۲ ص ۴۳

(۱۰۲) ابن اسحاق ص ۳۱۵

(۱۰۳) ابن سعد ج ۲ ص ۵۹

(۱۰۴) ابن ہشام، ج ۲ ص ۵۷

(۱۰۵) القرآن مجید (سورہ ۳۳ ۔ ۳۵)

(۱۰۶) ابن اسحاق ص ۳۹

(۱۰۷) بریگیڈیئر گلزار احمد (The Prophet's Concept of War) اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۸۲ء ص ۱۳۸

(۱۰۸) القرآن الکریم (الانفال ۲۵)

(۱۰۹) صحیح بخاری، ج ۵ نمبر ۳۰۵

(۱۱۰) القرآن الکریم (محمد ۴)

(۱۱۱) ایضاً (آل عمران ۱۵۱)

(۱۱۲) صحیح بخاری، ج ۵ نمبر ۳۰۴

(۱۱۳) القرآن الکریم (آل عمران ۔)

(۱۱۴) صحیح بخاری، ج ۵ نمبر ۳۰۶

(۱۱۵) صحیح مسلم، ۲۱۳۱ ۔ ۴۰۲

(۱۱۶) الترمذی (اردو ترجمہ بدیع الزمان) مصدر مذکور، ج صفحات ۳۶۲ ۔ ۳۶۳

(۱۱۷) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۳۰۴ ۔ کچھ مزید تفاصیل حدیث نمبر ۳۱۱ میں بھی موجود ہیں۔

(۱۱۸) ابن سعد ج ۲ ص ۵۷

(۱۱۹) القرآن الکریم (المائدہ ۱۰۱) نیز دیکھیے حضرت عروہ بن زبیرؓ کی مغازی رسول اللہ ص ۱۷۳

(۱۲۰) حضرت عروہ بن زبیرؓ مصدر مذکور ص ۱۷۴

(۱۲۱) ابن اسحاق ص ۴۳۷

(۱۲۲) القرآن الکریم (الحشر ۲۔) درحقیقت تمام سورۃ الحشر بنی نضیر کے غزوہ کے پس منظر میں نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ابن ابی اور اس کے قماش کے لوگوں کی قلعی یہ کہہ کر کھول دی۔ ﴿کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا کہ اپنے کافر بھائیوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے

اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی نہ مانیں گے اور تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اور اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور ان سے لڑائی ہوئی تو بھی یہ ان کی مدد نہ کریں گے۔ اگر ان کی مدد کی بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔﴾

(۱۲۳) محمد حسین ہیکل ص ۲۰۹

(۱۲۴) ابن سعد، ج ۲ ص ۷۷

(۱۲۵) الشیخ عالی محمد الشنقیطی، مصدر مذکور، صفحات ۱۴۱ ۔ ۱۴۳

(۱۲۶) القرآن الکریم (المائدہ ۹۰ ۔ ۹۱)

(۱۲۷) ان کی ان قلعہ بندیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے ﴿یہ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر قلعہ بند شہروں میں یا دیواروں کے پیچھے سے۔ آپس میں ان کی لڑائی سخت ہے۔ تم ان کو ایک جتھ سمجھو گے مگر ان کے دل الگ الگ ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔﴾ (الحشر ۱۴)

(۱۲۸) صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۳۴۵

(۱۲۹) القرآن الکریم (البقرہ ۲۰۵)

(۱۳۰) ایضاً (الحشر ۱ ۔ ۵) چونکہ سورۃ الحشر بنی نضیر کے محاصرے کے ضمن میں نازل ہوئی تھی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اسے سورۃ النضیر کہنا بے محل نہ ہوگا۔ صحیح بخاری، ج ۵ نمبر ۳۶۳ ۔

(۱۳۱) صحیح بخاری، ج ۵ نمبر ۳۶۵

(۱۳۲) ایضاً نمبر ۳۶۶

(۱۳۳) ابن اسحاق، ص ۴۳۷

(۱۳۴) ابن کثیر (۷۰۱ ۔ ۷۷۴ ہجری)، الفصول فی سیرۃ الرسول ﷺ، بیروت، ۱۹۹۳، ص ۸۷

(۱۳۵) طبری، مصدر مذکور، ج ۲ ص ۵۰۵ ۔ اس ذعاب کا صحیح نام سعدیہ تھا جیسا کہ طبری نے بیان کیا ہے مگر بعض جگہوں پر طباعت کی غلطی کی وجہ سے کچھ کتابوں میں اسے سُعدیہ لکھا گیا ہے جو کہ غلط ہے

(۱۳۶) عالی محمد الشنقیطی، ص ۱۴۳

(۱۳۷) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد (۱۴ ۔ ۲۶۷۶)

(۱۳۸) ابن کثیر، مصدر مذکور ص ۷۷

(۱۳۹) ابن اسحاق، ص ۴۳۸

(۱۴۰) حضرت عروہ بن زبیرؓ مصدر مذکور ص ۱۷۳

(۱۴۱) ابن سعد، ج ۲، صفحات ۵۷ ۔ ۵۸

(۱۴۲) صحیح بخاری، ج ۵ نمبر ۳۶۲

(۱۴۳) ابن اسحاق، ص ۴۵۰

(۱۴۴) البلاذری، منقول از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Life and Work of the Prophet of Islam p 399)

(۱۴۵) صحیح بخاری، ج ۵، باب ۲۸

(۱۴۶) مجدالدین ابی طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹ ۔ ۸۱۷ ہجری)، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد جاسر، دارالیمامہ، الریاض، ص ۱۳۷ نیز امام سمہودیؒ، وفاء الوفاء، مصدر مذکور، صفحات ۱۲۰۴ ۔ ۱۲۰۵

(۱۴۷) امام سمہودیؒ، وفاء الوفاء، صفحات ۱۲۰۴ ۔ ۱۲۰۵

(۱۴۸) ابن سعد، ج ۲، صفحات ۹۶ ۔ ۹۷

درحقیقت پرانے مدینہ طیبہ کا سب سے بڑا بازار بن چکی تھی زیریں حصے پر دکانیں ہوا کرتی تھیں جبکہ بالائی حصے رہائشی مقاصد کے لیے استعمال ہوا کرتے تھے جن میں سے اکثر کرائے پر چڑھائے جاتے تھے

بیسویں صدی اپنے ساتھ ایک نیا انقلاب لے کر آئی تھی جس نے تجارت کے لیے نئے راستے کھول دیئے تھے اور کاروبار اب کئی صدیوں پرانے روائتی انداز میں چلانا ممکن نہیں رہا تھا شہر کی آبادی چاروں طرف پھیلتی جا رہی تھی اور پرانے مدینہ طیبہ کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے سیٹلائٹ ٹاؤن بن گئے تھے جو بڑھتے بڑھتے ایک مکمل شہری صورت اختیار کر چکے تھے یہ تمام آبادیاں ایک دوسرے سے متصل اپنی بہت سی ضروریات کے لیے ایک دوسرے پر انحصار کرتی تھیں جو عمرانیات کے قدرتی عوامل کا براہ راست نتیجہ تھا ان نئی آبادیوں کے تجارتی تقاضوں نے المناخہ کی حیثیت کو بہت حد تک ختم کر کے رکھ دیا تھا اور چند ہی سالوں میں بہت سے چھوٹے بڑے بازار نمودار ہو گئے تھے اور پھر ان حالات میں قدیم طرز کے بازار (المناخہ) کی حیثیت محض ایک کھلے بازار کی سی رہ گئی تھی جہاں عموماً کھانے پینے کی چیزیں کھلا کرتے فروخت ہوا کرتی تھیں اور یوں اس کی روایتی اہمیت کو دیمک چاٹنے لگ گئی تھی اور پھر رہی سہی کسر مدینہ طیبہ کی بڑھتی ہوئی مرکزی ضروریات نے نکال دی جو آہستہ آہستہ رسول اللہ ﷺ کے بنائے ہوئے بازار کو ہڑپ کر گئیں عبدالقدوس الانصاری کے کہنے کے مطابق بیسویں صدی کے وسط میں المناخہ ایک بہت بڑے علاقے پر محیط ہوا کرتا تھا جو قلعہ شامی سے لے کر مسجد الغمامہ تک جاتا تھا اور اسی میں کئی چاروں مشہور مساجد پڑتی تھیں (مسجد الغمامہ، مسجد سیدنا عمر بن الخطابؓ، مسجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور مسجد سیدنا ابوبکر الصدیقؓ)۔(۲۳)

جب مسجد نبوی شریف کے ارد گرد دیگر تجارتی مراکز و بازار بن گئے اور مناخہ کی وہ حیثیت نہ رہی تو یہ جگہ رہائشی مقاصد تک محدود ہو کر رہ گئی اس جگہ پولیس اور ڈاک کے محکمے بن گئے اور پھر وہاں کنگ عبدالعزیز پبلک لائبریری بھی بنا دی گئی اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں وہاں سرکاری عمارات سر اٹھائے کھڑی نظر آتی تھیں یہاں ہمہ وقت تنگ سڑکوں اور گلیوں کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک تھا اور شہر کی دوسری بڑی سڑکوں سے جا ملتا تھا جو مسجد نبوی شریف کی طرف جایا کرتی تھیں ۱۹۸۳ء میں یہ تمام علاقہ حکومت نے حاصل کر لیا پہلے تو اس جگہ عارضی شیڈ بنائے گئے جو حجاج کرام کے جم غفیر کو سایہ اور سائبان فراہم کرتے تھے مگر بعد میں اسے مسجد نبوی شریف کے بڑے توسیعی منصوبے کا حصہ بنا دیا گیا۔ آج کل بہت کھلی سرنگ اس علاقے سے گزرتی ہے جو سید الشہداء کو جاتی ہے سوائے چند سرکاری عمارتوں کے (مثلاً کنگ عبدالعزیز لائبریری) باقی کی تقریباً تمام عمارات غائب ہو چکی ہیں اور اس میں بڑے بڑے فائیو سٹار ہوٹلز بننے شروع ہو گئے ہیں اب مدینہ طیبہ کے پرانے باسیوں کے علاوہ کوئی اس کے پرانے نام (یعنی برلمناخہ) سے بھی واقف نہیں ہے۔ یہ نام اب صرف تاریخی کتابوں میں حوالوں کے لیے باقی رہ گیا ہے لیکن مدینہ طیبہ کی تاریخ میں اقتصادیات اور معاشیات میں جو اہم کردار اس جگہ ورنبی اکرم ﷺ کے بنائے ہوئے سوق نبی نے ادا کیا ہے وہ ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا

مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں صنعت وحرفت:

ایک ایسے دور میں جب انسان قدیم طرز کے ذرائع پیداوار اور طرز زراعت پر انحصار کرتا تھا ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرح کی صنعت لگانے کی خواہش مدینہ طیبہ میں آج سے چودہ سو سال پہلے انگڑائی لے رہی تھی جونہی مدینہ طیبہ اس وقت کے سیاسی افق پر ایک بڑا ستارہ بن کر چمکنے لگا اور روپے پیسے کی فراوانی ہوئی، اس وقت سے ہی مدینہ طیبہ میں چھوٹی چھوٹی دستکاریوں اور صنعتوں (Cottage industries) کا رجحان پیدا ہو چکا تھا اور یوں بہت پہلے ہی وہاں جدید صنعت کے لیے راہ ہموار ہو گئی تھی گھوڑے اور اونٹ تو وہاں صدیوں سے پالے خریدے اور بیچے جاتے تھے زراعت اور کھجور بونے اور سکھانے کی صنعت بھی صدیوں پرانی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی

مسجد نبوی شریف کے مغربی جانب باب السلام کے سامنے بازار عینیہ یہ اپنے وقت کا سب سے بڑا بازار تھا

صنعت وحرفت بھی اپنے قدم جمانے لگ گئی تھی اور ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں کھانوں کے سکھانے اور ان سے کارآمد چیزیں بنانے کی صنعت (۲۴)، لوہاروں کی بھٹیاں (۲۵)، کپڑے سینے کی صنعت (۲۶)، کپڑا بننے کی صنعت (۲۷)، نجاری، لکڑی کا کام (۲۸) اور روپے پیسے کو دوسری کرنسیوں میں بدلنے کا کام (۲۹) مدینہ طیبہ میں رائج ہو چکے تھے وہ اس قسم کے کاروبار مدینہ طیبہ کی معیشت کی بنیاد تصور کیے جاتے تھے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی کپڑا بنانے کی صنعت تھی اور کتنے ایسے آثار ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بنے ہوئے کپڑے کی گانٹھوں کو پیٹھ پر لاد کر سوق مدینہ طیبہ میں آتے دیکھے گئے تھے ان کے علاوہ کپڑے کی کمی کو بیرونی ذرائع سے بھی پورا کیا جاتا تھا وفد نجران کے مندوبین نے جو نجرانی علاقوں کو مدینہ طیبہ کی باجگزار بنانے پر رضامند ہوئے تھے عہد کیا تھا کہ وہ سالانہ دو ہزار جبے اور بنے کپڑے خراج میں دیا کریں گے اور ایسا ہی ہوتا رہا فن معماری بھی خاصہ ترقی یافتہ ہو چکا تھا کیونکہ مدینہ طیبہ میں کئی منزلہ اطام موجود تھے جو زمانہ قبل اسلام سے ہی چلے آ رہے تھے اور عام مکانوں کی تعمیر کے لیے زیادہ تر دھوپ میں سکھائی گئی اینٹیں استعمال کی جاتی تھیں کاروبار پر جونہی یہود کی اجارہ داری ختم ہوئی، عروس البلاد مدینہ طیبہ "شہر مسلم برائے مسلم" بن کر ابھرا اور وہاں تجارت بھی مکمل طور پر مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی وہ کام جن میں پہلے صرف یہود کو دسترس حاصل تھی مثلاً دھات یا چمڑے کی ڈھالیں بنانا، خودوں کی ڈھلائی اور تیاری، شمشیر سازی، زرہ بکتر بنانا، تیر وکمان بنانا، ترکش بنانا اور تلواروں کے لیے نیام بنانا وغیرہ، یہ تمام کام مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گئے تھے نفیس کام مثلاً تلواروں کے دستوں پر قیمتی پتھروں کو جڑنا اور زرگری وغیرہ تو بہت پہلے سے حجاز میں رائج تھے مگر مدینہ طیبہ میں اس کا رواج محدود تھا کیونکہ ابتداء میں مسلمانوں کی مالی حالت ان عیاشیوں کی متحمل نہ تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ صنعت بھی مدینہ طیبہ میں شروع ہو گئی تھی

ان چھوٹی چھوٹی دستکاریوں کے علاوہ پہلی بڑی صنعت جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ میں لگائی وہ سامان حرب و ضرب بنانا تھا یعنی شمشیر سازی، تیر و تفنگ، ڈھالیں اور حفاظتی زرہ بکتریں بنانا جو مجاہدین اسلام کے ہاتھوں میں پہنچ کر اعدائے اسلام پر قہر الٰہی بن کر نازل ہوا کرتی تھیں (۳۰) حضرت ابراہیمؑ ابن رسول اللہ ﷺ کے متعلق چند ایسی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عالم طفولیت میں ایک انصاری صحابی کی نگہبانی میں دے دیا گیا تھا جن کی وجہ کی بھٹی ہو کرتی تھی۔ اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس وقت بھی چند مسلمانوں کی بھٹیاں ہوا کرتی تھیں، اگرچہ وہ اتنی بڑی نہ تھیں جتنی کہ یہودیوں کی ہوا کرتی تھیں مگر چونکہ بنو قینقاع کے یہود کو مدینہ بدر کیا گیا تھا جو کہ بدر کی طرز پر خود اور تلواریں بنانے میں ماہر تھے، ان سے طے پانے والے معاہدے کے تحت ان کو اپنی تمام ترمشینری اور

اوزار جوں کے توں مسلمانوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیے گئے تھے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس صنعت کو سیکھ لیا ہوگا۔ اس طرح حاصل ہونے والی مشینری سے مسلمان صنعت کے لیے بنیادی ڈھانچہ (Infra Structure) مہیا کرنے میں بہت مدد ملی ہوگی جس سے بعد میں زرگری اور ہتھیار سازی کی صنعت بڑے پیمانے پر شروع ہو سکی تھی لیکن چونکہ کاریگر یہودی ہوا کرتے تھے اور ان کے جانے کے بعد یقیناً خلا پیدا ہو گیا تھا اس صنعت کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے میں کچھ وقت ضرور لگا ہوگا تا آنکہ ساسانی اور بازنطینی علاقے فتح ہوئے اور وہاں سے بہت کاریگر اور ہنرمند لوگ مدینہ طیبہ آ گئے۔

یہ کہنا بھی بے محل نہیں کہ مسلمانوں کی توجہ فوجی اور حربی صنعت پر مرور زمانہ میں قرآن کریم کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عالیہ کا عمل دخل تھا۔ حکم خداوندی صاف واضح تھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کون اس پر عمل کر سکتا تھا "اور ان کے لیے تیار رکھو جو قوت بھی تم سے بن پڑے اور جتے ہوئے گھوڑے، تاکہ اس کے ذریعے سے ان لوگوں میں دھاک بٹھا دو جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے سوا دوسرے لوگوں میں جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تمہیں پورا دیا جائے گا" (۳۱) یوں مسلمان فوج کی بڑھتی ہوئی جنگی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جو صنعت سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں استوار ہوئی وہ آلات حرب و ضرب کا بنانا تھی جن کو لوہار اور دوسرے کاریگر مدینہ میں تیار کیا کرتے تھے۔ مشہور صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا ڈھلائی کا ایک بہت بڑا کارخانہ تھا جس میں ایک وقت میں سو سے زیادہ کاریگر کام کرتے تھے جو بقیع غرقد کے پہلو میں ہوا کرتا تھا۔ بدبخت پارسی غلام فیروز لولو جس نے سیدنا عمر فاروقؓ کو خنجر سے پے در پے وار کر کے شہید کیا تھا وہ بھی یہیں حضرت مغیرہؓ کے کارخانے میں کام کیا کرتا تھا۔ خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں تو یہ صنعت اتنی ترقی کر گئی تھی کہ اس کو چلانے والوں پر حکومت کو ٹیکس لگانا پڑ گیا تھا۔(۳۲)

ناپنے تولنے کے پیمانے

حضرت مقدام بن معدی کربؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [اپنے کھانے پینے کی چیزوں کا وزن کیا کرو اس سے ان میں برکت بڑھتی ہے] (۳۳) اسلام سے پہلے ہی یثرب میں صاع اور مد کے پیمانے رائج تھے جن کے ۱/۲، ۱/۴ اور ۱/۸ حصے کے پیمانے بھی ہوا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر مدینہ طیبہ کے پیمانوں کے صاع اور مد میں برکت کی دعا فرمائی تھی [اے اللہ ہمیں مدینہ سے پیار کرنا سکھا دے تاکہ ہم اس سے اتنا پیار کریں جتنا کہ مکہ سے کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اے اللہ ہمارے صاع اور مد میں برکت ڈال دے اور مدینہ طیبہ کی فضا کو ہمارے لیے باعث رحمت بنا دے اور اس کی بیماریوں کو جحفہ کی طرف لے جا] (۳۴) ایک دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے کچھ اس طرح مروی ہے: [اللہ کے رسول ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے پیمانہ ہائے ناپ تول میں اور ہمارے صاع اور مد میں برکت ڈال دے۔ رسول اللہ ﷺ کا مطلب مدینہ طیبہ کے لوگوں سے تھا۔] (۳۵) صاع اور مد روزمرہ کے تول کے پیمانے تھے زیادہ لین دین کے لیے 'وسق' (جمع اوساق) استعمال ہوا کرتے تھے جو ۶۰ صاع کے برابر ہوا کرتا تھا۔ ایک صاع کا تول تقریباً تین کیلوگرام کے برابر ہوا کرتا تھا۔ صدیوں تک یہی پیمانے چلتے رہے (۳۶) بارھویں صدی ہجری کے شروع میں عثمانیوں نے ترکی پیمانہ ہائے ناپ تول

ناپ تول کے پیمانے، تصویر بشکریہ [illegible]

عہد نبوی (ﷺ) کا ایک سکہ [illegible] آپ ﷺ کے زمانے سے [illegible] بھی چلتے تھے
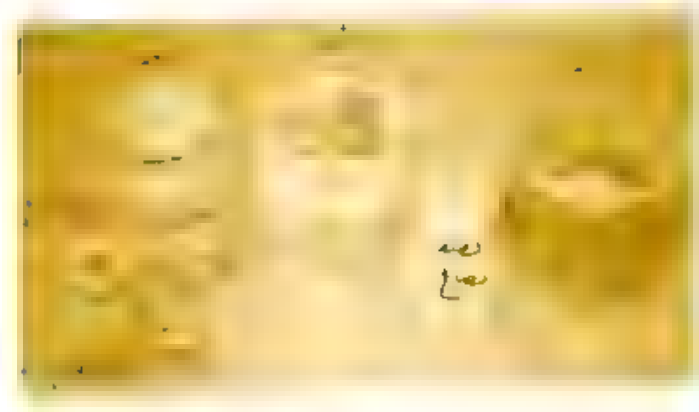
رواج تو رہے لیکن ساتھ ساتھ تجربے سے ان کے پیمانے بھی رائج رہے۔ مدینہ طیبہ میں ارض حجاز کے باقی علاقوں کی طرح اشیاء کو وزن سے ناپنے کا رواج تھا لیکن اکثر مختلف مقامات پر ان کے حجم اور پیمانے میں تھوڑا بہت فرق ضرور تھا۔ صاع ایک Pint کا کام کرتا تھا اور کاروباری تول کے لیے مد کا استعمال ہوتا تھا جو کھجور کے پتوں سے بنا ایک پیمانہ ہوتا تھا جو عموماً دو صاع کے برابر ہوا کرتا تھا۔ ناپ کے لیے مدینہ طیبہ میں ذراع استعمال ہوتا تھا جس کے معنی ہیں ہاتھ (کہنی سے لے کر درمیانی انگلی کے کونے تک) ہوا کرتی تھی۔ ایک اور ناپ بالشت کا ہوا کرتا تھا جس کو عربی میں شبر کہا جاتا تھا۔ ذراع کی لمبائی اور دوسری معلومات میں مختلف مقامات پر مختلف تھی مثلاً مدینہ طیبہ میں ترکی ذراع استعمال ہوتا تھا جب کہ حجاز کے باقی علاقوں میں مستعمل ذراع تھوڑا سا کم ہوا کرتا تھا۔

مدینہ طیبہ میں رائج سکے اور کرنسیاں

چونکہ مدینہ طیبہ شاہراہ مسالہ جات (Spice Route) پر واقع تھا جس کے ذریعے اس وقت کی تمام اہم تہذیبوں کی طرف راستے جاتے تھے، مثلاً شمال میں رومی، مغرب میں مصر، اور جنوب میں یمن وغیرہ۔ اس لیے وہ تمام سکے جو ان ممالک میں چلتے تھے وہ مدینہ طیبہ میں بھی چلا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں زیادہ تر رومی بازنطینی سونے کے دینار چلا کرتے تھے جو قیصر روم سے منسوب ہوا کرتا تھا۔(۳۷) اس کے علاوہ ساسانی چاندی کے درہم (جمع دراہم) ہوتے تھے اور تانبے کے فولیس (Follis) ہوا کرتے تھے جن کو عربی میں فلس (جمع فلوس) کہا جاتا تھا۔ رومی علاقوں سے آنے والے سکوں میں درہم و دینار ہوا کرتے تھے جن کے اوپر بازنطینی بادشاہوں کی تصویریں بنی ہوا کرتی تھیں۔ عرب ان کو ہرقلیہ (Herculian) کہا کرتے تھے۔ چاندی کے درہم زیادہ تر ساسانیوں کی طرف سے ایران سے آیا کرتے تھے۔ ایران اور عراق کی جانب سے آنے والے قافلے زیادہ تر درہم ہی لایا کرتے تھے۔ اسی طرح یمنی حمیری سکے بھی مدینہ طیبہ میں عام ہوا کرتے تھے۔ سرکار دوعالم ﷺ کی کئی ایسے متعلق احادیث ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت ﷺ نے سونے کا وزن کر کے قیمت ادا فرمائی تھی۔ خالص سونا اور چاندی بھی قانونی سکے کے طور پر چلتے تھے جن کو وقیہ، مثقال اور قیراط میں تولا جاتا تھا۔(۳۸) کئی بہت سی احادیث مبارکہ ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں دینار، درہم اور سونا چاندی لین دین میں استعمال ہوتے تھے۔ بعض روایات سے تو اس بات کے شواہد بھی ملتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں مسلمانوں کے اپنے سکے بھی ہوا کرتے تھے۔ ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ ابوداؤد، ابن ماجہ، امام احمد اور حاکم نے روایت کی ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مسلم سکوں (سکۃ المسلمین) کے توڑنے سے منع فرمایا تھا جو کہ اس وقت رائج تھے، ہوئے بغیر کسی ضرورت کے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے مسلم سکوں کو توڑنے سے منع فرمایا تھا سوائے اس کے کہ ان میں کوئی خرابی ہو] (۳۹) اکثر محققین کی رائے میں ان مسلم سکوں سے مراد ہرقلی دینار یا درہم بھی ہو سکتے تھے جو مدینہ طیبہ میں عام طور پر ریاست کے زیر گردش تھے۔ اس حدیث مبارکہ سے اس بات کا شاید بھی ملتا ہے کہ مسلمان ان سکوں کو توڑ کر زیورات وغیرہ میں ڈھلوایا کرتے تھے۔ یہی وجہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سکوں کو تڑوانے اور ڈھلوانے سے منع فرمایا سوائے ان حالات کے کہ وہ خراب ہو چکے ہوں۔

لیکن جیسے جیسے اسلامی ریاست کی حدود پھیلتی گئیں اور کثیر النسلی اور مختلف سیاسی پس منظر کے لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے تو جلد ہی ایک بہت مضبوط مرکزی حکومت اور نظام حکومت قائم ہو گیا جس کے تحت امت اسلامیہ کے مفتوحہ علاقوں کو مختلف جغرافیائی

امہات المومنین کے حجرات مبارکہ

اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت
بے شک اللہ ہر باریکی جانتا ہے اور سب سے باخبر ہے ( )

خاک طیبہ از دو عالم خوش تر است   فرخ شہرے کہ آں جا دلبر است

شروع میں مسجد نبوی شریف کے گرد بہت سی جگہ خالی ہوا کرتی تھی اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد نبوی اور سید الانبیاء علیہ افضل الصلوۃ والسلام کی جوارِ رحمت میں جگہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے (۲) بلکہ مسجد نبوی شریف سے بقیع الغرقد تک زیادہ تر زمین خالی تھی سیدۃ عائشہ بنت قدامہ سے مروی ہے [جو کوئی بھی البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس کھڑا ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ صاف نظر آ جایا کرتے تھے کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی (۳) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت ان دونوں جگہوں کے درمیان اتنے مکانات نہ تھے بعد میں سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا ابوبکر صدیق اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے گھر اسی طرف بنا لیے اسی طرح حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی حدیث مبارکہ بھی اس پر روشنی ڈالتی ہے کہ مشرق کی طرح جنوب کی طرف بھی زمین خالی ہوا کرتی تھی وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بدو باب الرحمۃ کی جانب سے مسجد نبوی میں داخل ہوا اور اس نے حضور اقدس ﷺ سے بارش کی درخواست کی اس حدیث مبارکہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس وقت مسجد اور جبل سلع کے درمیان کوئی گھر واقع نہیں تھا دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اس جگہ ایک بڑا گھر تعمیر کر لیا تھا (۴) جسے بعد میں ہٹا کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھروں میں تبدیل کر دیا گیا تھا

جناب رسالت مآب علیہ افضل التحیۃ والصلوۃ کے حجرات مقدسہ کی قدر و منزلت اللہ رب العزت کی نظر میں اتنی تھی کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر فرمایا اور مسلمانوں کو سختی سے ہدایات کیں کہ جب وہ وہاں آئیں تو آداب حاضری کو بدرجہ اتم ملحوظ خاطر رکھیں اور اپنی آوازوں کو پست کریں صرف یہی نہیں بلکہ ایک پوری سورۃ کا نام "حجرات" رکھا گیا (۵) حضرت امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے [رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کو دو بار تعمیر فرمایا پہلے جب کہ آں حضرت ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت اس کا رقبہ ۱۰۰ مربع ذراع (ہاتھوں) سے کم تھا دوسری بار آں حضرت ﷺ نے اسے اس وقت تعمیر فرمایا جب کہ آپ حضور ﷺ فتح خیبر سے لوٹے تھے، اس وقت آں حضرت ﷺ نے اس میں کچھ توسیع فرما دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے گرد تین اطراف میں اپنے لیے چند حجرات کا بھی اضافہ فرمایا تھا جو کہ قبلہ کی جانب اور مشرق اور شامی اطراف میں تھے، مگر مغرب کی جانب آپ حضور ﷺ نے کوئی بھی حجرہ نہیں بنایا تمام حجرات کے دروازے مسجد میں ہی کھلتے تھے (۶) امہات المومنین کے حجرات مبارکہ کافی چھوٹے ہوا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ حضور ﷺ اپنے مہمانان گرامی قدر کو اپنے ہی حجرات میں سے کسی ایک میں ٹھہرایا کرتے تھے جہاں آپ حضور ﷺ اس وقت قیام پذیر ہوا کرتے تھے (۷) تمام مہمانان گرامی کی خاطر و مدارات مسجد نبوی شریف میں اس جگہ پر ہوتی جہاں آج کل استوانہ الوفود (وفود کا ستون) ہے

حجرات مبارکہ کی تعمیر:

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی ماہ شوال ۲ ہجری میں ہوئی بہت سے سیرۃ نگاروں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کی رخصتی پہلے سال ہجری میں ہی ماہ شوال کو ہو گئی تھی جو کہ حقائق کے برعکس ہے حقیقت تو یہ ہے کہ سیدتنا عائشہ صدیقہؓ اپنے دیگر افراد خانہ کے ساتھ پہلے سال ہجری ماہ شوال کے وسط یا اخیر میں مکۃ المکرمہ سے مدینہ طیبہ منتقل ہوئی تھیں (۸) آپ کے اپنے بیان کے مطابق، جو صحیح بخاری میں ہے، آپ مدینہ طیبہ آ کر بیمار پڑ گئی تھیں جس سے آپ کے سر کے تمام بال جھڑ گئے تھے اور یہ کہ جب آپ کی رخصتی ہوئی تو اس وقت آپ کے سر پر بال دوبارہ آ گئے تھے اور کانوں کی لو تک پہنچ رہے تھے اسی طرح سنن ابی داؤد میں دی گئی ایک اور حدیث مبارکہ جو کہ ام المومنین سیدتنا عائشہؓ ہی سے مروی ہے کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔[جب ہم مدینہ آ گئے تو ایک دن چند عورتیں میرے پاس آئیں جب کہ میں جھولا

جھول رہی تھی اور اس وقت میرے بال کانوں تک آ چکے تھے وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئیں اور مجھے بنایا سنوارا ۔۔۔ (۹) دور حاضر کی طبی تحقیقات کے مطابق، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شدید بخار (High Fever) یا کسی اور متعدی مرض کی صورت میں سر کے بال خود بخود جھڑ سکتے ہیں لیکن دوبارہ اگنا شروع ہونے کے لیے کم از کم تین سے چار ماہ کا عرصہ درکار ہوتا ہے اور اس کے علاوہ یہ بھی ایک اٹل طبی حقیقت ہے کہ سال بھر میں بال ایک ماہ میں تین سے چار سنٹی میٹر سے زیادہ نہیں بڑھ پاتے لہٰذا اس طرح مان لیا جائے کہ سیدتنا عائشہ صدیقہؓ کے بال ایک ہفتے میں گر گئے بھی اور چھ ہفتوں کے اندر ہی کانوں کی لو تک پہنچ گئے اتنے بالوں کو گر کر دوبارہ بڑھنے کے لیے ایک یا دو ہفتہ نہیں بلکہ تقریباً ایک سال درکار ہے اس لیے حقیقت یہی ہے کہ ان کی رخصتی دوسرے سال ہجری میں ہوئی تھی

صحیح بخاری کی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق سیدتنا عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میری شادی اس وقت ہوئی جب میں چھ سال کی تھی پھر ہم مدینہ چلے آئے اور بنی الحارث بن خزرج کے ہاں مقیم ہو گئے پھر میں بیمار پڑ گئی اور میرے بال جھڑ گئے بعد میں جب میرے بال دوبارہ آ گئے تو میری والدہ ام رومانؓ میرے پاس اس وقت آئیں جب کہ میں اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی انہوں نے مجھے بلایا اور میں چلی آئی مگر مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا کرنے والی تھیں، انہوں نے میرا بازو پکڑا اور مجھے گھر کے دروازے پر لا کھڑا کیا میرا سانس پھول رہا تھا، جب میرا سانس ذرا ٹھیک ہوا تو انہوں نے کچھ پانی لیا اور میرا منہ سر دھویا پھر وہ مجھے گھر لے گئیں جہاں کچھ انصاری عورتیں جمع ہوئی تھیں انہوں نے مجھ سے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ اللہ برکت کرے اور تمہارا نصیب اچھا ہو"](۱۰) صحیح مسلم کے مطابق حضرت عائشہؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ نکاح ماہ شوال میں کیا اور میں دلہن بن کر آپ حضور ﷺ کے گھر بھی ماہ شوال میں ہی آئی](۱۱) ایک اور روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب دونوں خاندان (یعنی آقائے نامدار ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ) مسجد نبوی اور اپنے گھر ہموار رہے تھے تو سیدۃ عائشہؓ کی روایت کے مطابق [میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاں ٹھہری اور ام المومنین سیدتنا سودہ اپنے گھر میں ٹھہریں اس وقت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ کیا آپ اپنی زوجہ کے لیے گھر نہیں تعمیر کریں گے تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایسا کرنا تو چاہتے ہیں مگر پیسوں کی کمی حائل ہے ابوبکر صدیقؓ نے آپ حضور ﷺ کو ۱۲ اوقیہ سونا اور ۴۰۰ درہم دیے](۱۲) یہ حدیث مبارکہ اس معاملے میں موجود بہت سی گرہوں اور معموں کی عقدہ کشائی کرتی ہے اور اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ پہلے سال ہجری کے ماہ شوال کے کافی بعد کی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے لیے مکان بنانے کو سونا اور پیسے دیئے آخر میں ہم حضرت جابر بن عبداللہؓ کی ناقابل تردید روایت نقل کر کے اس ساری بحث کو سمیٹنا چاہیں گے [رسول اللہ ﷺ نے سیدۃ عائشہؓ سے غزوہ بدر سے واپسی کے بعد گھر بسایا تھا۔](۱۳)

بہت سے حجرات مبارکہ اس زمین پر تعمیر کیے گئے جو حضرت حارثہ بن نعمان الانصاری الخزرجیؓ کی ملکیت تھی جنہوں نے اس زمین کو اپنے آقا و مولا کے لیے مدینہ کے حضور پیش کر دیا تھا ابن الجوزی الوفاء باحوال المصطفیٰ میں حضرت محمد بن عمرؓ کی روایت سے لکھتے ہیں [وہاں

ریاض الجنہ میں کھلنے والے
دروازے ...
کا ایک منظر

حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے گھر ہوا کرتے تھے جو مسجد کے قریب اور دائیں جانب تھے جب بھی رسول اللہ ﷺ کوئی نیا عقد فرماتے تھے حضرت حارثہ آپ کی خدمت عالیہ میں اپنا ایک گھر پیش کر دیتے یہاں تک کہ ان کے تمام مکانات اور گھر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے تعمیر ہو گئے تھے](۴)

حضرت حارثہ بن نعمانؓ رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریب ترین ہمسایہ ہوا کرتے تھے جیسا کہ ان کی بیٹی سیدہ ام ہشام بنت حارثہ بن نعمانؓ کی روایت سے ثابت ہے ان سے مروی ہے کہ ہمارا چولھا اور رسول اللہ ﷺ کا چولھا دو (یا ڈیڑھ) سال تک ایک ہی تھا اور میں نے سورۃ ق والقرآن المجید کسی اور سے نہیں بلکہ براہ راست رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی تھی کیونکہ آپ حضور ﷺ ہر جمعہ روز منبر شریف پر تشریف لا کر اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے جبکہ آپ لوگوں کو وعظ فرماتے تھے](۵) یہ حدیث مبارکہ بھی بڑی وضاحت سے اس طرح اس بات کی تصدیق کر دیتی ہے کہ ان کا گھر مسجد نبوی شریف سے متصل ہوا کرتا تھا اور تقریباً ڈیڑھ یا دو سال تک ایسے ہی رہا

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ کا دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ عقد زواج مندرجہ ذیل بیان میں دیا جا رہا ہے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ ان میں سے ہر ایک کا حجرہ مبارکہ کس سن میں تعمیر ہوا تھا

۱)	ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہ	ان کا زواج ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا آپ کا حجرہ مبارکہ مسجد نبوی کے ساتھ ساتھ تعمیر میں آیا
۲)	ام المومنین سیدۃ عائشہ بنت ابی بکرؓ	آپ کی رخصتی ۲ ہجری میں ہوئی
۳)	ام المومنین سیدۃ حفصہ بنت عمر فاروقؓ	سال زواج ۳ ہجری
۴)	ام المومنین سیدۃ ام سلمہ (ہند بنت مغیرہؓ)	سال زواج ۴ ہجری
۵)	ام المومنین سیدۃ زینب بنت الخزیمہؓ	سال زواج ۴ ہجری
۶)	ام المومنین سیدۃ جویریہ الخزاعیہؓ	سال زواج ۵ ہجری
۷)	ام المومنین سیدۃ زینب بنت الجحشؓ	سال زواج ۵ ہجری
۸)	ام المومنین سیدۃ ریحانہ بنت زیدؓ	سال زواج ۵ ہجری
۹)	ام المومنین سیدۃ ماریہ قبطیہؓ	سال زواج ۶ ہجری (سیدۃ ماریہ قبطیہؓ کے لیے الگ سے حجرہ نہ تھا وہ مشربہ ام ابراہیمؓ میں رہا کرتی تھیں)
۱۰)	ام المومنین سیدۃ ام حبیبہ بنت ابو سفیانؓ	سال زواج ۷ ہجری
۱۱)	ام المومنین سیدۃ صفیہؓ بنت حیی	سال زواج ۷ ہجری

سیدتنا سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراؓ شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں غزوہ بدر کے بعد ۲ ہجری میں ماہ رمضان میں منسلک ہوئیں اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ قریب ہی اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کے ہمراہ ایک علیحدہ گھر میں جو ان کی والدہ ماجدہ کو رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی شریف کے جنوب میں باقی بنی ہاشم کے افراد کے ساتھ عطا فرمایا تھا، مقیم تھے لیکن چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کا زیادہ تر وقت حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں گزارتے تھے اس لیے اپنا کچھ وقت اس برآمدے میں گزارتے تھے جو ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارکہ کے سامنے واقع تھا (۱۶) اکثر رات کے وقت شیر خدا اپنے آقا و مولا سید الکونین ﷺ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ مبارک پر پہرہ دیتے اور اسی وجہ سے وہ جگہ آج بھی 'ستون علی' یا 'ستوانہ حرس' کے نام سے مشہور ہے جو اس وقت حجرہ مقصورہ شریف کی مغربی دیوار کے اندر ہے اور دکھائی دیتا ہے مسلم بن ابی مریمؓ سے مروی ہے [حجرہ مبارکہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہ اس ستون تک تھا جو مقصورہ شریف کے پیچھے تھا جو کہ پانچ گوشہ حاطے کے اندر آ چکا ہے اور اس کا دروازہ ایک جگہ پر تھا جو کہ اب مربع شکل (یعنی حجرہ مطہرہ) کا حصہ بن چکی ہے] ابن شبہ بھی اسی رائے کا اظہار کرتے ہیں (۱۷) حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی شادی خانہ آبادی بھی اسی مقام پر ہوئی اور دونوں نے کچھ عرصہ قیام بھی وہیں پر کیا لیکن چند دنوں کے بعد دونوں مسجد قباء سے متصل ایک مکان میں رہائش اختیار کر لی جہاں تقریباً چھ ماہ تک قیام فرمایا اس جگہ مسجد قباء کے قریب ہی مسجد فاطمۃ الزہراؓ ہوا کرتی تھی جو اب مسجد قباء کی توسیع کی زد میں آ چکی ہے

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ حضور رسالتمآب علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کی دونوں صاحبزادیاں (سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اور سیدۃ ام کلثومؓ) مدینہ منورہ تشریف آوری پر اور شادی سے پہلے کہاں قیام پذیر رہی تھیں؟ سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ رشتہ ازدواجیت میں غزوہ بدر کے بعد منسلک ہوئی تھیں اور اسی طرح سیدۃ ام کلثومؓ بھی غزوہ بدر کے بعد جب کہ حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تو سیدنا عثمان بن عفانؓ کے ساتھ بیاہی گئیں یہ سب ۲ ہجری میں ہوا تھا مدینہ طیبہ کے مورخین نے جب حجرات مطہرات پر بحث کی ہے تو عموماً انہوں نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے لیکن جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی اسی ہجری سال میں ہوئی تو اس میں موجود بہت سے اشکال دور ہو جاتے ہیں اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں رخصتی سے پہلے آقائے نامدار ﷺ کی دونوں صاحبزادیاں اسی حجرہ مبارکہ میں قیام پذیر رہی تھیں بعض احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں صاحبزادیاں حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے ہاں ان کے ایک گھر میں بھی رہ رہی تھیں (۱۸) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان کے بہت سے گھر مسجد نبوی کے اردگرد تھے جن میں سے ایک گھر تو مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا

ابن سعد نے ایک روایت بیان کی ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراءؓ کی شادی کے بعد جب دونوں حضور اقدس ﷺ سے دور رہتے تھے تو اس کی جدائی آپ حضور ﷺ پر شاق گزرتی تھی اور ایک مرتبہ اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اے کاش کہ وہ آپ کے قریب آ جائیں جب آپ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ وہ اس سلسلے میں حضرت حارثہ بن نعمانؓ سے بات کریں تو آپ حضور ﷺ نے جھجک کا اظہار فرمایا کہ وہ کیا سوچیں گے چونکہ وہ تو پہلے ہی اپنے مکانات خدمت عالیہ میں ہدیۃً پیش کر چکے تھے حضور اقدس ﷺ کی یہ خواہش کسی طرح حضرت حارثہ بن نعمانؓ تک پہنچ گئی تو وہ فوراً اپنے آقا و مولا کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں گویا ہوئے "میں اور میرا سب کچھ تو اللہ اور اس کے رسول ہی کی ملک ہیں بخدا یا رسول اللہ ﷺ! جو کچھ آپ حضور مجھ سے لیں گے وہ مجھے اس سے کہیں زیادہ عزیز ہے جو میرے پاس رہے گا (۱۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ دن کے وقت باہر تشریف لے گئے اور میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا تمام راستے نہ آپ حضور ﷺ نے مجھ سے کلام فرمایا اور نہ ہی میں نے کچھ عرض کیا یہاں تک کہ ہم سوق بنی قینقاع پہنچ گئے اور پھر آپ حضور ﷺ وہاں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے آنگن میں تشریف فرما ہو گئے اور آپ حضور ﷺ نے ننھے بچے کے متعلق پوچھا (یعنی آپ حضور کے نواسے حضرت حسن ابن علی علیہ السلام) لیکن سیدۃ فاطمہؓ نے ان کو باہر آنے میں کچھ دیر کر دی میرے خیال میں یا تو آپ بچے کے کپڑے بدلنے لگ گئیں یا بچے کو غسل دے رہی تھیں کچھ دیر کے بعد بچہ دوڑتا ہوا آیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی چھاتی سے لگایا اور اس کو بوسہ دے کر فرمایا "اے اللہ اس بچے سے پیار کرنا اور اس سے بھی پیار کرنا جو اس سے پیار کرے گا" (۲۰) اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ سیدۃ النساء

حضرت فاطمہ زہراؓ ایک اور گھر میں بھی رہائش پذیر رہی تھیں جو کہ سوق بنی قینقاع میں تھا مگر ہم اس حدیث مبارکہ کا بغور مطالعہ [illegible]
یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب کہ حضرت حسن علیہ السلام اتنے بڑے تھے کہ دوڑ کر اپنے نانا حضور ﷺ کی خدمت میں [illegible]
تھے یعنی آپ اس وقت تین یا چار سال کے تو ضرور ہوں گے یہ واقعہ ہجرت کے پانچویں یا چھٹے سال میں یا اس سے بھی بعد [illegible]
یہ حقیقت ہے کہ خود اس حدیث مبارکہ کے راوی [illegible]ؓ خیبر سے پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے جو کہ ۷ ہجری کو ہوئی تھی بعد ازاں [illegible]
کہ یہ واقعہ چھٹے یا ساتویں سال ہجری میں ہوا ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ تب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے اس حجرہ مبارکہ کے [illegible]
ایک مکان لے لیا ہوگا جو کہ سوق بنی قینقاع میں تھا

ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ کا ایک دروازہ مسجد نبوی شریف میں کھلتا تھا جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے جو [illegible]
المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے ظاہر ہے [واللہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے حجرے کے دروازے پر مجھے اپنی
اپنی ردائے مبارکہ سے چھپا کر کھڑے تھے تا کہ میں حبشیوں کا کھیل دیکھ سکوں جو کہ مسجد نبوی شریف میں اپنے خنجروں کے ساتھ
مظاہرے کے ساتھ کر رہے تھے]۔(۲۱) اس دروازے کا ایک ہی کواڑ ہوا کرتا تھا جو کہ شیشم کی لکڑی کا بنا ہوا تھا ایک دوسری حدیث مبارکہ
سے جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر آپ حضور کے جنازے کے لیے لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے سے
نکلتے گئے۔ یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس حجرہ مطہرہ کے دو دروازے تھے سمہودیؒ نے عمر بن علی بن عمر بن علی بن الحسینؓ سے روایت کی
ہے کہ حجرہ شریفہ کے صدر دروازے کے علاوہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے حجرے کا ایک چھوٹا سا دروازہ بھی تھا جو کہ سیدۃ فاطمہؓ
کے حجرہ مبارکہ کے سامنے کی طرف کھلتا تھا (۲۲) جب حضور اقدس ﷺ فجر کے وقت خواب سے بیدار ہوتے تو اسی چھوٹے دروازے
سے تشریف لاتے اور سیدۃ فاطمہ زہراؓ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر فرماتے ''الصلوٰۃ، الصلوٰۃ، الصلوٰۃ، بے شک اللہ تمہیں اہل
بیت کو تمام برائیوں سے پاک رکھنا چاہتا ہے اور پوری طرح پاک و طاہر رکھنا چاہتا ہے''(۲۳) ان دونوں احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے
کہ حجرہ اطہر کا ایک دروازہ بڑا تھا جو کہ مغرب کی طرف مسجد نبوی میں کھلتا تھا اور دوسرا ذرا چھوٹا تھا اور وہ شمال کی جانب اس حجرہ مبارکہ میں
تھا جس کو خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کھولا تھا اور جو کہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کے سامنے تھا

امہات المومنین کے تمام حجرات مبارکہ مسجد نبوی شریف کی شرقی جانب تھے اور سب کے دروازے مسجد میں ہی کھلتے تھے (۲۴)
حضرت ابوبکر بن حزمؒ (جو کہ ایک مشہور تابعی تھے) جب کہ وہ نماز کے لیے حجرہ شریفہ کے قریب ایک ستون جو کہ باب النبی (باب جبریل)
کے پاس کھڑے ہوئے تو انہوں نے اشارے سے بتایا کہ ''یہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کا گھر اور رسول اللہ ﷺ یہاں نماز پڑھا
کیا کرتے تھے اس جگہ سے آگے (اور انہوں نے اشارے سے کہا) اسماء بنت حسن بن عبید اللہ بن عبید اللہ بن العباسؓ کے گھر تک جو
تک (اس وقت تک) مسجد کا صحن جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ ہوا کرتے تھے جن کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ کھجور کی
ٹہنیوں سے بنے تھے جن پر گارے سے پلستر (لپائی) کیا ہوا تھا، اور ہر دروازے پر اونی پردہ ہوا کرتا تھا''(۲۵) حضرت ابی الرجال
جب حضرت محمد بن عمرؓ نے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ ''رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین کے حجرات مبارکہ کو
بھی نمازی کے جو منبر شریف کی طرف کھڑا ہوتا بائیں طرف پڑتے تھے، اور جب ام المومنین سیدۃ زینب بنت خزیمہؓ کا انتقال ہوا تو ان کے
حجرہ شریفہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے رہائش اختیار فرمائی تھی۔''(۲۶)

حضرت عمر بن ابی انسؒ سے مروی ہے [ان میں سے چار حجرات مبارکہ تو پتھروں اور کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے مٹی کے گارے
کے ساتھ بنائے گئے تھے جب کہ پانچ ایسے تھے جو کہ صرف کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں اور مٹی کے گارے کے ساتھ بنائے گئے تھے مگر ان پر

[illegible] نہیں ہوئے تھے [illegible] اونی پردے ہوا کرتے تھے جن کی لمبائی تین ہاتھ اور چوڑائی صرف ایک ہاتھ ہوا کرتی تھی حضرت
[illegible] نے فرمایا ''ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ میں (امہات المومنین کی وفات کے بعد) آزادی سے داخل ہو جایا کرتے تھے اور
جب مسجد میں اژدہام ہو جاتا تو بعض نمازی اندر چلے جاتے اور وہیں نماز پڑھ لیا کرتے تھے''(۲۷) حضرت عبداللہ بن یزید الہذلیؒ سے مروی
ہے ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کو دیکھا تھا جب کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے گرائے گئے تھے تمام کے تمام بالکل
سادے گھر تھے جو کہ کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کو مٹی کے گارے سے مل کر بنائے گئے تھے میں نے حضرت ام سلمہؓ کا گھر دیکھا جو کہ مٹی کی
اینٹوں سے بنایا ہوا تھا اور جب میں نے ان کے پوتے سے پوچھا (حضرت سلمہؓ کے فرزند جو کہ ام المومنین کے پہلے خاوند سے تھے) تو
انہوں نے مجھے بتایا کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ دومۃ الجندل پر تشریف لے گئے تھے تو اس وقت ام سلمہؓ نے وہ گھر مٹی کی کچی اینٹوں سے
دوبارہ بنا لیا تھا جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے اور آپ حضور ﷺ کی نظر اینٹوں کی دیواروں پر پڑی تو استفسار فرمایا یہ تعمیر کیسی ہے؟ اس پر
حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری خواہش تھی کہ لوگ آپ کو ان نگاہوں سے نہ دیکھیں جس سے دیکھتے ہیں''اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
''اے ام سلمہؓ بدترین چیز جس میں مسلمانوں کی دولت غرق ہوگی وہ یہی دیواریں بنانے (یعنی اونچی تعمیرات) کا شغل ہے۔(۲۸)

حضرت حریث بن السائبؒ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت حسن البصریؒ (ولادت در مدینہ ۲۱ ہجری اور وفات در بصرہ ۱۱۰
ہجری)(۲۹) سے سنا کہ ''میں سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور خلافت میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین کے
حجرات میں آزادی سے آیا جایا کرتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے ان حجرات کی چھتوں کو چھو لیا کرتا تھا''(۳۰) اس سے ہمیں ان حجرات مطہرات کی
چھتوں کی اونچائی کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے حضرت حسن البصری مشہور تابعی تھے ان کی والدہ ام المومنین سیدتنا ام سلمہؓ کے گھر کام کیا کرتی
تھیں اور وہ ایک بچے کی حیثیت سے ان کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے سمہودیؒ نے بھی ان کا ایک بیان نقل کیا ہے ''میں رسول اللہ ﷺ کے
حجرات مبارکہ میں داخل ہو جایا کرتا تھا اور اس وقت میں بلوغت کی دہلیز پر تھا اور میں اپنے ہاتھوں سے ان حجرات مبارکہ کی چھتوں کو چھو لیا کرتا
تھا ہر حجرہ میں ایک کمرہ ہوا کرتا تھا''(۳۱) اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ایسا ہی حضرت عبداللہ بن یزید الہذلیؒ سے بھی مروی ہے ''میں
نے رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کو دیکھا جب کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے گرائے گئے تھے تمام کے تمام بالکل سادہ سے گھر
تھے جو کہ کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کو مٹی کے گارے سے مل کر بنائے گئے تھے''(۳۲) ابتداء میں جب مسجد نبوی پر چھت نہیں ہوتی تھی تو اس
وقت اس کے صحن میں دھوپ ہوتی تو سورج کی کرنیں امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کے حجرات مبارکہ میں داخل ہو جاتیں جیسا
کہ ام المومنین سیدتنا عائشہؓ سے مروی حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے۔(۳۳)

یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین سیدۃ صفیہؓ کا حجرہ مبارکہ مسجد نبوی سے ذرا فاصلے پر تھا یا پھر اس لائن میں سب سے آخر پر ہوگا جیسا
کہ امام زین العابدینؒ کی ام المومنین سیدۃ صفیہؓ سے مروی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ [ایک مرتبہ حضور والا شان ﷺ کی تمام ازواج
مطہرات مسجد نبوی شریف میں آپ حضور ﷺ کے پاس تھیں جب کہ آپ اعتکاف فرما رہے تھے وہ ایک ایک کر کے چلی گئیں تو رسول اللہ ﷺ
نے سیدۃ صفیہؓ سے فرمایا ''جلدی نہ کرو، میں تمہیں چھوڑنے آتا ہوں'' اس وقت وہ حضرت اسامہؓ (بن زیدؓ) کے ہاں سکونت رکھتی تھیں
راستے میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات دو انصاریوں سے ہوئی جو آپ حضور ﷺ کے پاس سے گزرے الخ](۳۴) یہی حدیث مبارکہ سنن
[illegible] میں ہے لیکن اس میں یہ بات زائد ہے کہ اس وقت سیدۃ صفیہؓ عارضی طور پر دار اسامہ بن زیدؓ میں رہائش پذیر تھیں''(۳۵)
ان دنوں رسول اللہ ﷺ کے کسی گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا جیسا کہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے۔ [ان
دنوں ہمارے گھروں میں چراغ نہیں ہوا کرتے تھے](۳۶) حجرات مبارکہ کے دروازے جو مسجد نبوی میں کھلا کرتے تھے ان سب کے

(۲۹) آپ کے والد حضرت زید بن حارثہ تھے۔ ... وہ وفادار تھے آپ ... سیدہ ... سے حجرہ مبارک میں ...
آپ ... تھیں ... سے ... وقت حضور ﷺ کے حجرت مبارک میں ... حضرت ... میں گزر ... جب وہ بھی بچے تھے ... میں مشغول ہوتیں ... ام المومنین ... کو اپنی گود میں لے کر پیار کرتیں
(۳۰) ابن سعد ج ... ص ۵۰
(۳۱) سمہودی ص ۳۶۳
(۳۲) ایضاً ص ۳۶۰
(۳۳) ترمذی ... ج ... ص ۱۰۱
(۳۴) صحیح بخاری، ج ۳ نمبر ۲۵۳، ۲۵۵ نیز ج ۴ نمبر ۵۰ نیز ج ۹ نمبر ۴۹۳
(۳۵) سنن ابی داؤد، اردو ترجمہ وحید الزمان، اسلامی اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۳ء ج ۳ نمبر ۶۹۸ ص ۲۷۷
(۳۶) صحیح بخاری، ج ... نمبر ۴۹۲
(۳۷) ایضاً، ج ... نمبر ۶۰ و ج ۳ نمبر ۸۷۳
(۳۸) ابن سعد ج ... ص ۵۰۰
(۳۹) صحیح بخاری، ج ۳ نمبر ۸۷۳ ج ۱ نمبر ۶۰
(۴۰) صحیح بخاری، ج ۳ نمبر ۴۳۲ نمبر ۲۶۲
(۴۱) صحیح مسلم، ج ... نمبر ۵۸۱
(۴۲) ابونعیم اصفہانی (ت ۴۳۰ ہجری)، دلائل النبوۃ، دار النفائس، بیروت ۱۹۹۹ء ص ۴۴۴ ... ص ۳۶۶
نیز دیکھیے تجربات شریعہ ... ص ۳۶
(۴۳) صحیح مسلم، ج ... نمبر ۶۲۰
(۴۴) صحیح مسلم، ج ... نمبر ۶۶۲
(۴۵) ابن نجار ص ۱۵۳
(۴۶) ابی بکر بن الحسین بن عمر مراغی (ت ۸۱۶ ہجری)، تحقیق النصرہ، ص ۵۰
(۴۷) ایضاً
(۴۸) ابن سعد، ج ۸، ص ۱۶۷

باب ۱۳

تبرکات نبویہ ﷺ اور آثار مدینہ طیبہ

کہ ہم اس کا بوسہ لے سکیں انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میں نے اس دست مبارک کا بوسہ لیا](ابی زرعۃ الدمشقی (ت ۲۸۱ھ)، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص ۱۳۵)

صحابہ کرام و تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظروں میں ان آثار نبویہ کا کیا مقام تھا اس کا اندازہ مزید اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت ابن سیرین نے حضرت عبیدہؓ سے ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ انکے پاس چند موئے مبارک ہیں جو انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ اور انکے اہل خانہ کے توسط سے حاصل کیے تھے تو حضرت عبیدہؓ بے ساختہ بول اٹھے [اللہ کی قسم اگر صرف ایک ہی موئے مبارک مجھے نصیب ہو جائے تو میرے لیے یہ تمام کائنات اور جو کچھ بھی اس میں موجود ہے اس سے بڑھ کر قیمتی ہے](۵) ایک روایت میں حضرت ابی بردہؓ فرماتے ہیں [میں جب مدینہ منورہ حاضر ہوا تو میری ملاقات حضرت عبد اللہ بن سلامؓ سے ہوئی وہ مجھے فرمانے لگے میرے ساتھ تشریف لایئے تا کہ میں آپکو اپنے گھر میں اس کٹورے سے پانی پلاؤں جس سے سرور کائنات ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا اور دوسرے اس مسجد میں نماز ادا کریں جس میں ہمارے آقا و مولا ﷺ نے نماز ادا کی تھی آپ فرماتے ہیں کہ میں انکے ساتھ چلا گیا انہوں نے مجھے اس کٹورے سے پانی پلایا اور کھانے کیلئے چند کھجوریں بھی دیں پھر میں نے انکی مسجد میں نماز بھی ادا کی](۶) اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام و تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو دعوت دیکر اپنے گھروں پر بلاتے تا کہ وہ مل کر آثار نبویہ کی برکات سے بہرہ ور ہو جائیں

اگر سرور کائنات ﷺ طعام سے کچھ چھوڑ دیتے تو خوش بخت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بس ماندہ طعام سے خصوصاً ان مقامات سے کھاتے جہاں پر آقائے نامدار سید الاولین و آخرین ﷺ کی انگشتہائے مبارک نے طعام کو مس کیا ہوتا (۷) اگر آپ ﷺ کے لب مبارک کسی مشکیزے کے منہ کو لگ جاتے تو عشاق رسالت مآب ﷺ مشکیزے کے اتنے حصے کو کاٹ کر محفوظ کر لیتے جسے آپ کے مبارک لبوں کے ساتھ مس ہونے کا شرف حاصل ہوا ہوتا تا کہ وہ اسے تبرکات نبویہ کے طور پر محفوظ کر کے اس کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو سکیں اگر وہ پیالہ جو لب مبارک سے مس ہو جاتا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے متبرک بن جاتا اور دوسرے عشاق آتے جا کر اس سے پانی نوش فرمایا کرتے تھے حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ [ایک مرتبہ حضور سرور کائنات ﷺ ام سلیم (جو حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ ماجدہ تھیں) کے گھر تشریف لائے گھر میں پانی سے بھرا ایک مشکیزہ ایک طرف لٹک رہا تھا آپ حضور ﷺ نے کھڑے کھڑے اس میں سے کچھ پانی پیا حضرت ام سلیمؓ نے اتنا حصہ کاٹ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا](۸) ترمذیؒ نے بھی ایک ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے جس کو صحابی رسول حضرت کبشہؓ سے روایت کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ [ایک مرتبہ حضور سرور کائنات ﷺ انکے گھر جلوہ فرما ہوئے اور ایک مشکیزے سے پانی نوش فرمایا اور انہوں نے مشکیزے کا اتنا حصہ کاٹ کر تبرکاً رکھ لیا] حضرت عروہ ابن مسعودؓ کو جو ابھی اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے قریش مکہ نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر حضور سرور کائنات ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نگاہ رکھنے کے لیے بھیجا تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ واقعی عمرہ کی غرض سے وہاں آئے تھے۔ اپنے اس مشن کے دوران عروہؓ نے دیکھا کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور نبی کریم ﷺ کے درمیان ایک ناقابل یقین اٹوٹ اور والہانہ محبت کا رشتہ تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ حضور سرکار دو عالم جب وضوء کے لیے اٹھے تو صحابہ کرام کا ایک جم غفیر حضور ﷺ کے گرد امڈ پڑا وہ یہ والہانہ عقیدت دیکھ کر حضور سرور دو عالم ﷺ کے سامنے سے ہٹ گئے انہوں نے دیکھا کہ جب بھی حضور ﷺ وضوء فرماتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ حضور ﷺ کے استعمال شدہ پانی کی چند بوندیں حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اگر حضور ﷺ اپنا لعاب دہن پھینکتے تو اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین لپک کر اس کو اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے اگر ایک موئے مبارک بھی زمین کی طرف جاتا تو شمع رسالت کے پروانے

اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے یہ دیکھ کر جب وہ قریش کے پاس پہنچے تو کہنے لگے میں نے قیصر و کسریٰ کے پر ہیبت دربار شاہی بھی دیکھے ہیں اور شاہ نجاشی کی عظمت اور شان کے مناظر بھی میری نظروں سے گزر چکے ہیں مگر واللہ میں نے آج تک کسی شہنشاہ کی اتنی عزت و توقیر ہوتے نہیں دیکھی جتنی کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے اصحاب میں حاصل ہے۔ واللہ میں ان لوگوں کو دیکھ کر آیا ہوں جو کسی بھی قیمت پر انکو تنہا نہیں چھوڑ سکتے آپ جو تجویز چاہیں پیش کر کے فیصلہ کر لیں (۹) میں تو یہ دیکھ کر آیا ہوں کہ اصحاب سے جو بھی کوئی حکم دیا فوراً اس کی تعمیل کر دی اگر آپ وضوء کے لیے اٹھے تو یہ لگ رہا تھا کہ وضوء کے پانی کے چند قطرات کے حصول کے لیے لوگ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہوئے ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ ہیں جب آپ ﷺ کلام فرماتے تو محفل میں یکسر سکوت طاری ہو جاتا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زبانیں یا تو گنگ ہو گئی ہوں اور فرط ادب سے سب کی نگاہیں زمین پر ایسے جا ٹکتیں جیسے کہ ان میں تاب نظارہ ہی نہ ہو](۱۰)

تبرکات نبوی اور جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز عمل

حضرت ابو محذورہ قرشی (اصل نام اوس بن مغیرہ بن لوذان جنہیں فتح مکہ کے بعد حضور سرور دو عالم ﷺ نے مکۃ المکرمہ میں اپنا مؤذن بنایا تھا) کو تقدس سے سرشاری ذوق ... جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین کے لیے مکۃ المکرمہ سے روانہ ہوئے تو آپ حضرت ﷺ نے انکو اذان سکھائی جب انہوں نے اپنی ریشمی آواز میں اذان سنائی تو فرط مسرت میں آقائے نامدار ﷺ نے انکے سر اور ... پر ہاتھ پھیرا اور پیار کرتے وقت آپکے دست مبارک نے انکی زلفوں کو بھی چھو لیا حضرت محذورہؓ ۵۹ ہجری تک حیات رہے مگر انہوں نے تمام عمر اپنے بال نہیں کٹوائے یہانتک وہ اتنے بڑھ گئے تھے کہ جب کبھی کھڑے ہو کر اپنے بالوں کو کھولتے تو وہ زمین تک پہنچ جاتے حضرت صفیہ بنت نجدہ فرماتی ہیں کہ [انکے گیسو اتنے دراز اور لمبے ہو چکے تھے کہ جب بھی وہ انکو کھولتے تو وہ زمین پر لٹکنے لگتے اور جب بھی ان سے پوچھا جاتا کہ وہ ان بالوں کو کیوں نہیں کٹواتے تو وہ فرماتے کہ جن بالوں کو حضور ﷺ کے دست مطہرہ نے چھوا ہو ان کو کٹوانے کی جسارت کون کر سکتا ہے](۱) صرف یہی نہیں بلکہ تمام عمر انہوں نے ان بالوں میں کنگھی تک نہیں کی (۲) ایک مرتبہ ایک دوسرے اصحابی (حضرت محیریز) نے ان میں سے چند بال لینے کی درخواست کی تو حضرت محذورہؓ نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی کہ [جن بالوں کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے خیر و برکت کی دعا کی ہو تو ایسے میں ان بالوں کو کیسے اکھڑ سکتا ہوں](۱۳)

تقدس کا یہی نظریہ ان مقامات کے لیے بھی قرار پایا جہاں حضور سرور کائنات ﷺ نے کبھی نماز ادا کی تھی تمام تاریخی مساجد جن میں سے آج بھی کچھ مدینہ منورہ میں موجود ہیں صرف اسی نظریہ تقدس کی بنیاد پر زندہ جاوید ہیں جہاں جہاں بھی سرور دو عالم ﷺ کی جبین طاہرہ نے سجدہ ... اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہاں وہاں مساجد کی بنیاد رکھ دی تھیں ان مقامات پر جہاں قیام صلاۃ کے لیے حضور سرور

حارث الغسانی کے نام خط کا عکس (توپ کاپی میوزیم ترکی)

مسیلمہ کذاب کے نام خط کا عکس (توپ کاپی میوزیم ترکی)

حضور سید عالم ﷺ کا منذر بن ساوی والی بحرین کے نام خط کا عکس (توپ کاپی میوزیم ترکی)

تے تھے جو حضور پرنور ﷺ نے سربراہان سے لیکر قیصر روم تک اور حبشہ سے لیکر غسانی اور بحرینی ریاستوں کے امیروں تک اسلام کی دعوت
بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ ان مکتوبات مبارکہ میں جہاں بین الاقوامی پروٹوکول کا خیال رکھا گیا تھا وہاں خط و کتابت کا ایک چھوٹا نمونہ بنایا گیا جس کو صرف اور
صرف مدبرانہ اور نبوت ہی کہا جا سکتا ہے۔ اور بغیر کسی لگی لپٹی کے اعلان نبوت کر دیا گیا اور دعوت اسلام بھی دے دی گئی مندرجہ ذیل اصحابِ کرام رضوان اللہ
علیہم اجمعین کا انتخاب ہوا جو شہنشاہ دو عالم ﷺ کے دعوت نامے لیکر ان سلاطین عالم کے دربار میں پہنچے (۱۰۷)

(۱) حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی رومی ہرقل کے پاس پہنچے (۲) حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ ساسانی خسرو پرویز کے دربار میں گئے

(۳) حضرت عمرو بن امیہ الضمری شاہ حبشہ نجاشی کے پاس گئے (۴) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اللخمی مصر کے قبطی مقوقس جریج کے ہاں گئے

(۵) حضرت العلاء بن الحضرمیؓ منذر بن ساوی حاکم بحرین کے پاس (۶) حضرت شجاع بن وہب الاسدیؓ کو والی شمر الغسانی امیر دمشق کی طرف
روانہ کیا گیا

سیرت نگاروں نے نہ صرف ان مکتوبات نبویہ کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے بلکہ حضور والا شان ﷺ کے دیگر مکتوبات جو دور رس سیاسی اور
ثقافتی اثرات کے حامل تھے (جن میں بہت سارے تعہدات اور معاہدے مثلاً محکوم اور باجگزار رعایا کے انسانی حقوق اور وہ مذہبی اور شخصی
آزادیاں شامل تھیں جن کو آج بھی دنیا مثالی سمجھتی ہے) کے متنوں کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا تھا ابن سعد نے تقریباً ستر ایسے
مکاتیب کے متن اپنی طبقات الکبریٰ میں دیئے ہیں اور اسی طرح طبری اور دیگر مورخین حضرات نے نہ صرف ان کی تصدیق اور توثیق کی ہے بلکہ
بہت سے ایسے معاہدے بھی شامل کیے ہیں جن سے ابن سعد سے صرف نظر ہو گیا تھا یا جن تک ان کی دسترس نہ ہو سکی تھی

دستخطوں کی بجائے سید الاولین والآخرین ﷺ اپنی مہر مبارکہ سے ان مکتوبات اور معاہدات پر مہر ثبت کر دیتے تھے حضرت انس بن
مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ [جب شہنشاہ دو عالم ﷺ نے کسریٰ (خسرو پرویز)، قیصر روم، اور نجاشی شاہ حبشہ کو دعوت نامے ارسال کرنے کا فیصلہ
کیا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ ایسے خطوط نہ لیں گے جن کے اوپر مرسل کی مہر نہ ہوگی تو اس وقت حضور والا شان ﷺ نے مہر کی انگوٹھی بنوائی جو
چاندی کی تھی اور جس کے نگینے پر محمد رسول اللہ کندہ تھا] (۱۰۸) اس بارے میں باقی تفصیل اوپر دی جا چکی ہیں مدینہ طیبہ کی تاریخ کے
حوالے سے ہم نے صرف پانچ ایسے مکتوبات مبارکہ کا انتخاب کیا ہے جو عاصمۃ الطیبہ سے اس وقت کی عالمی قوتوں کے نام بھیجے گئے تھے اور
جن کے دور رس نتائج یہ نکلے کہ وہ سارے کے سارے دارالسلطنت تھوڑے ہی عرصہ میں عاصمۃ العالم الاسلامی کے آگے سرنگوں ہو گئے اور
یوں مدینہ النبی واقعتاً قالت القریٰ ثابت ہوا جیسا کہ صادق مصدوق حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس شہر حبیب کے متعلق بہت پہلے ہی فرما دیا

ہرقل شہنشاہ روم کے نام بھیجے گئے مکتوب مبارک کا ایک عکس

قدیم سیرت نگاروں، مورخین و علماء کرام نے اسی ایک موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ قدیم مورخین میں سے ابن سعد و طبری وغیرہ ہم نے سب تمام مکتوبات کے متن آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے انہیں مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ کی شکل میں یکجا کر دیا ہے

مکتوب مبارک بنام ہرقل شہنشاہ روم

رومیوں کا دار السلطنت قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) تھا جب انہوں نے ایرانیوں کو شکست دی تو ہرقل جس کا سرکاری لقب قیصر تھا اس وقت یروشلم میں گیا ہوا تھا تاکہ ان مفتوحہ علاقوں میں نظم و نسق بحال کر سکے اس نے بلاد شام کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ قاصد رسول ﷺ حضرت دحیہ کلبیؓ کو شام کی جانب بصرہ کی طرف سفر کرنا پڑا تاکہ عامل بازنطینی کو حاکم بصرہ کی وساطت سے مکتوب فرماں ﷺ پہنچایا جا سکے (۹۰)

ہرقل شاہی روایت کے مطابق قاصد نبوی کے ساتھ بہت عزت و احترام سے پیش آیا۔ اس وقت ابوسفیان جو ابھی مکہ کے سردار کی حیثیت سے حضور نبی کریم ﷺ اور دین اسلام سے معاندانہ رویہ رکھتے تھے تجارت کی غرض سے وہاں موجود تھے۔ ان کی وہاں موجودگی میں دربار سجایا گیا اور حضرت دحیہ کلبیؓ کو شاہی دربار میں طلب کیا گیا۔ صحیح مسلم اور بخاری شریف میں اس واقعہ کی تمام روداد درج ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ابوسفیانؓ نے اس شاہی استقبال کا ذکر کیا ہے انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ شاہ روم نے مکتوب نبوی شریف کو بہت عزت و احترام سے بحفاظت رکھا۔ مورخین نے اس خط کا متن بھی دیا ہے جو ہرقل نے بارگاہ رسالت مآب میں نہایت ہی مودبانہ الفاظ میں روانہ کیا تھا۔ مکتوب نبوی ایک نسل سے دوسری نسل میں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہوتا رہا۔ یہ مکتوب مبارک اسپین سے ہوتا ہوا فرانس پہنچا اور وہاں سے ابوظہبی کی حکومت نے زر کثیر دے کر حاصل کر لیا۔ اس طرح یہ مکتوب مبارک مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ پیرس یونیورسٹی کے ڈاکٹر ... نے اس مکتوب مبارک پر مختلف قسم کے فنی تجربات کیے اور یوں اس کے اصلی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ پھر اردن کے شاہ حسین نے اسے حاصل کر لیا اور اب یہ مکتوب مبارک مسجد ہاشمیہ میں اردن کے توشہ خانہ میں نمائش کے لیے رکھ دیا گیا ہے

اس مکتوب مبارک کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے (۱۱۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد اللہ کے عبد و رسول کی طرف سے ہرقل شاہ بازنطین کے نام

مقوقس والیٔ مصر کے نام لکھے گئے مکتوب مبارک کا ایک عکس

سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت اختیار کرے۔ میں تمہیں دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم دائرہ اسلام میں آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں امان دے گا۔ اگر تم میری دعوت قبول نہیں کرتے تو تم اپنی رعایا کے جرم (کفر) کے بھی ذمہ دار ٹھہرو گے [اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں گے اور نہ ہی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب گردانیں گے۔ پھر بھی اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔ القرآن سورہ آل عمران ۶۴]

مہر مبارک [محمد رسول اللہ]

مکتوب مبارک مقوقس حاکم مصر کے نام

یہ مکتوب مبارک جس کا عکس درج ذیل ہے بازنطینی حکومت کے مصری وائسرائے کے نام بھیجا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس یا اس کے کسی جانشین نے وہ مکتوب مبارک قبطی عیسائیوں کے کسی پادری کو دے دیا ہوگا اور پھر یہ مکتوب مبارک بہت سے ہاتھوں اور نسلوں سے ہوتا ہوا اخمیم میں واقع قبطی کلیسا میں پہنچ گیا جہاں کسی عالم نے اور کاغذوں کے ساتھ ملا کر اس نامہ مبارکہ کا ایک گتہ سا بنا لیا جس سے ایک قدیم انجیل کی جلد بنا دی گئی۔ خوش قسمتی کی بات ہے کہ ایک فرانسیسی مستشرق (بارتھیلمی) جو پرانے مخطوطوں کا کھوج لگا رہا تھا کی نظر اس نامہ مبارکہ پر پڑ گئی اور اس نے اسے مجلہ ایشیا (رسالہ ایشیاء) میں شائع کرایا یوں یہ مکتوب مبارک صدیوں کے گوشہ گمنامی سے منصہ شہود پر نمودار ہو گیا جونہی یہ خبر عام ہوئی ترکی کے سلطان عبدالمجید نے تین سو اشرفیوں کے عوض ۱۲۷۵ ہجری (۱۸۵۸ء) میں اسے خرید لیا، پھر یہ مکتوب مبارک قسطنطنیہ لایا گیا اور یوں یہ اب توپ کاپی میوزیم میں زیر نمائش ہے۔ یہ مکتوب مبارک جھلی پر لکھا گیا تھا مسلمان محقق اس کی کتابت کو سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے منسوب کرتے ہیں

حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مصر بازنطینی سلطنت کی باج گزار ریاست تھی جس کی طرف سے ایک قبطی مصری امیر مقرر ہوا کرتے تھے جن کا سرکاری لقب مقوقس ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے نامہ مبارکہ جس مقوقس کے نام ارسال کیا گیا تھا اس کا نام جریج بن مینا تھا جو اس وقت کا مقوقس تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے اس نامہ مبارکہ کے قاصد کے فرائض ادا کیے۔ نامہ مبارکہ کا مضمون بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ہرقل شاہ روم کے نام تھا (۱۱۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد اللہ کے عبد اور رسول کی طرف سے ہرقل شاہ بازنطین کے نام

سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت اختیار کرے۔ میں تمہیں دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم دائرہ اسلام میں آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں امان

اگر کوئی عیسائی زن کی شادی کسی مسلمان سے ہوتی ہے تو اس کی صرف رغبت سے بغیر نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورت میں اسے عبادت کے لیے اپنے گرجے جانے سے نہیں روکا جائے گا

اس کے گرجے کی مرمت اور دیکھ بھال کے لیے ان کی امداد کی جائے گی اور یہ بھی کہ وہ مرمت میں یا اسے اداکرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں! اور آخر تک میری امت میں سے کوئی بھی اس معاہدے کی نافرمانی نہیں کرے گا

حضور سرورِ دوعالم ﷺ کے پیالہ جات مبارکہ

حضرت عاصم بن احول بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالک کے ہاں حضور نبی کریم ﷺ کا پیالہ مبارک دیکھا جو ٹوٹ گیا تھا اور انہوں نے اس کی مرمت چاندی کی تار سے کروائی تھی وہ پیالہ مبارک کافی بڑا تھا اور نضار (جھاؤ) کی لکڑی سے بنایا گیا تھا حضرت انس ابن مالک خود بیان فرماتے ہیں [میں نے کئی ہی مرتبہ اس پیالے سے نبی کریم کو پانی پیش کیا] حضرت ابن سیرین (جو حضرت انس بن مالک کے غلام تھے) فرماتے ہیں کہ اس پیالے میں ایک آہنی تار جڑی گئی تھی اور حضرت انس نے چاندی یا سونے کی تار سے بدلنا چاہا تو حضرت ابوطلحہ (جو کہ انس کے سوتیلے والد تھے) نے انہیں فرمایا کہ اس چیز کو مت بدلیں جس کو اللہ کے پیارے حبیب نے بنایا ہو۔ بعد ازاں انہوں نے اسے ایسے ہی رہنے دیا (۱۲۲)

اسی طرح حضرت ابو بردہؓ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا کیوں نہ میں آپ کے لیے اس پیالے میں نبیذ لاؤں جس سے نبی کریم ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا۔ (۱۲۳) حضرت انس ابن مالک نے فرمایا جب حضور سرورِ دوعالم ﷺ کا پیالہ مبارک ٹوٹ گیا تو میں نے اس ٹوٹی ہوئی جگہ کے گرد چاندی کی تار لپیٹ دی۔ اس حدیث مبارکہ کے راوی ثانی حضرت عاصمؒ فرماتے ہیں کہ [میں نے وہ پیالہ دیکھا اور اس سے پانی بھی پیا ہے] (۱۲۴) اسی طرح حضرت شریکؒ حضرت حمیدؒ کی روایت پر بیان کرتے ہیں کہ [میں نے وہ پیالہ حضرت انس بن مالک کے ہاں دیکھا اور اس کو جوڑنے کے لیے اس کے اوپر چاندی کی تار کس دی گئی تھی] (۱۲۵) حضرت حجاج بن حسانؒ فرماتے ہیں کہ [ہم حضرت انس ابن مالکؓ کے ہاں گئے ہوئے تھے، وہ کالے رنگ کے ایک غلاف یا تھیلی میں چھپا ہوا وہ پیالہ لیکر آئے حضرت انس نے ہمارے لیے اس میں پانی ڈالے جانے کا حکم دیا۔ جب پانی لایا گیا تو ہم سب نے اس کو نوش کیا اور اس میں سے کچھ پانی اپنے چہروں اور سروں پر بھی چھڑکا پھر ہم رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھتے رہے] (۱۲۶) حضرت ابن جریجؒ نے حضرت عطاءؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مقوقس حاکم مصر نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں شیشے کا ایک گلاس تحفتاً روانہ کیا تھا جس سے حضور پر نور ﷺ پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ (۱۲۷)

اسی طرح حضرت سہل بن سعد الساعدی بیان کرتے ہیں [اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کرام کی معیت میں سقیفہ بنو ساعدہ کی طرف گئے اور پھر وہاں کچھ دیر کے لیے استراحت فرمائی پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے سہل مجھے پانی پلا دیجئے لہذا میں نے یہ پیالہ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا] اس حدیث مبارکہ کے راوی ثانی بیان کرتے ہیں (کہ جب وہ ہمیں یہ بتا رہے تھے) وہ پیالہ ہمارے لیے نکال کر لائے اور پھر ہم سب نے اس مبارک پیالے سے پانی پیا بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت سہل سے درخواست کی کہ وہ پیالہ انہیں دے دیا جائے، چنانچہ یہ ہی ہوا اور حضرت سہلؓ نے وہ پیالہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو تحفتاً پیش کر دیا۔ (۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ کا زیر استعمال صاع (تولنے کا پیمانہ)

حضرت ام حرملہ بیان کرتی ہیں کہ [ام المومنین سیدہ ام حبیبہ نے ہمیں ایک صاع دیا اور ہمیں ام المومنین سیدہ صفیہؓ کے قول کے مطابق فرمایا کہ وہ صاع حضرت نبی اکرم ﷺ کا صاع ہوا کرتا تھا اور جب انہوں نے اس کو ناپا تو ہشام کے پیمانے کے مطابق ایک مد سے زیادہ پایا] (۱۲۹)
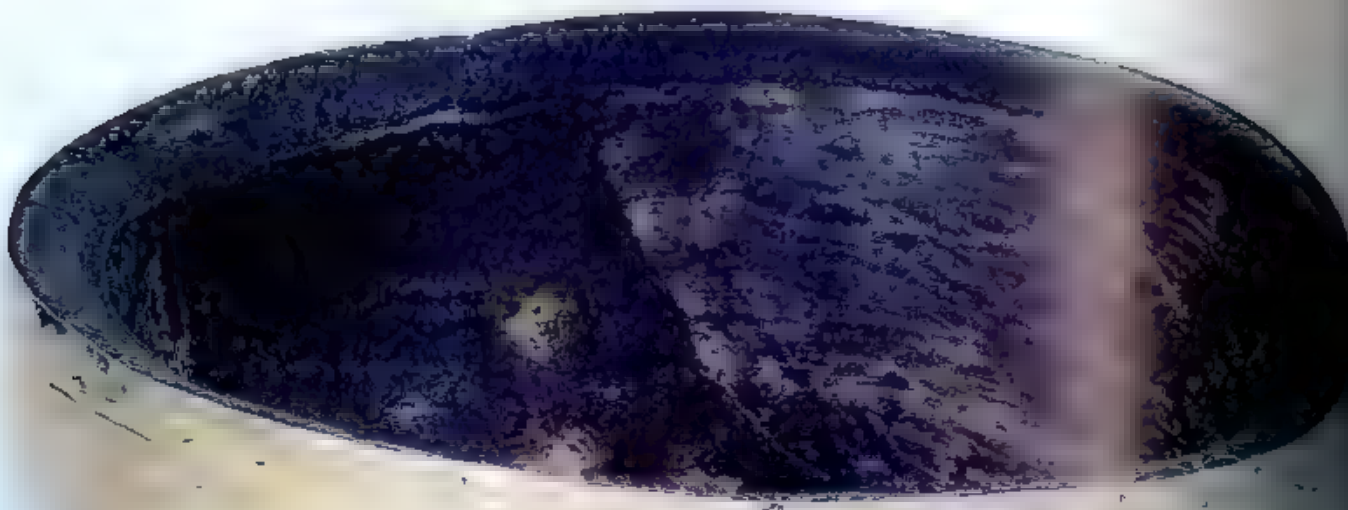
حضور سرورِ دوعالم ﷺ کے استعمال میں آنے والے لکڑی کے پیالے کی ایک نایاب تصویر

حضور نبی اکرم ﷺ کے لباس ہائے مبارکہ (پیرہن شریف)

حضرت عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ جب بھی کوئی وفد حضور والا شان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو حضور پر نور ﷺ جبہ (ذب) زیب تن فرماتے اور اس کے اوپر حضرمی شال جو تقریباً چار ذرع (ہاتھ) طویل (یعنی تقریباً دو میٹر) اور دو ذرع اور ایک بالشت چوڑی تھی اوڑھ لیتے آج کل وہی ردائے مبارکہ خلفاء کے پاس ہے، اور تھوڑی سی بوسیدہ ہو چکی ہے، وہ اسے عیدین کے مواقع پر اپنے جسموں پر پہنتے ہیں] (۱۳۰) حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے غلام حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو مدینہ میں ایک شامی کپڑا خریدتے دیکھا لیکن جونہی انہوں نے نوٹ کیا کہ اس کپڑے میں سرخ دھاریاں تھیں تو انہوں نے اسے واپس کر دیا پھر جب حضرت اسماءؓ کی خدمت میں آیا تو ان سے سارا ماجرا عرض کیا اس پر انہوں نے اپنی کنیز سے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی شال مبارک لائی جائے جب وہ لیکر آئی تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک کھردرے کپڑے سے بنائی گئی تھی اس کے کالر، آستینیں اور آگے اور پیچھے کے حصے دیباج سے مزین تھے (۱۳۱)

حضور سید الکونین ﷺ کی کمان مبارک

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ نے انہیں بتایا، حضور سید الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام (معرکہ احد میں) اپنی کمان سے دشمن پر تیر برساتے رہے یہاں تک کہ وہ کمان ٹوٹ گئی جسے بعد میں حضرت قتادہ بن نعمان نے سنبھال لیا۔ اسی معرکہ میں ان کی ایک آنکھ اتنی شدید طور پر مجروح ہوئی کہ آنکھ کا ڈھیلا باہر رخسار پر لٹک گیا تھا حضرت عاصم نے مجھے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے اپنی مناسب جگہ پر رکھ دیا اور پھر ان کے بعد اس کی بینائی اور حسن پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا تھا](۱۴۷) حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ حضور سرور کونین ﷺ جب کسی سفر پر ہوتے تو جمعہ کا خطبہ اس طرح دیتے کہ جسم اطہر کو کسی کمان پر سہارا دیتے حضور پرنور ﷺ کی کمان کا نام صفراء تھا۔ (۱۴۸)

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سید الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام کے تیر کو سنبھال کر رکھتے ہیں

جب غزوہ احد کے دن مشرکین مکہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا پیچھا کرنے کے لیے پہاڑ کی چٹان پر چڑھنے کی کوشش کی تو حضور رسالت مآب ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو حکم دیا کہ ان کو پیچھے دھکیل دیں حضرت سعدؓ اس وقت کشمکش میں پڑ گئے کہ وہ تن تنہا تمام مشرکین کا کیسے مقابلہ کریں گے خاص طور پر جب کہ وہ سب کے سب تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور تلواریں سونت کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے وہ بیان فرماتے ہیں کہ [میں نے دیکھا کہ رسول مقبول ﷺ مجھے اپنے دست مبارک سے تیر نکال کر دے رہے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما رہے تھے میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں پھر حضور سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے ترکش کا آخری تیر نکال کر مجھے دیا جس کا سرا بھی کند تھا](۱۴۹) حوصلہ کر کے انہوں نے وہ تیر ہاتھ میں لیا اور دشمن کی طرف داغ دیا تیر ہدف پر لگتے ہی مشرک واصل جہنم ہوا انہوں نے وہی تیر پھر اٹھا لیا کیونکہ وہ اسے پہچانتے تھے اور دوسری مرتبہ اسے پھر داغ دیا دوسری بار کا ہدف بھی وہیں ڈھیر ہو گیا سب سے بڑھ کر پھر سے اٹھا لیا اور تیسری مرتبہ پھر دشمن کی طرف پھینکا اس بار بھی نشانہ خطا نہ ہوا اور تیسرا مشرک بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچا باقی ماندہ حملہ آور وہاں سے بھاگ جانے ہی میں اپنی عافیت سمجھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ [میں نے سوچا کہ یہ تیر واقعی بہت بابرکت ہے اس لیے میں نے اسے اپنے ترکش میں سنبھال لیا] ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ تیر حضرت سعدؓ کے پاس تاحیات رہا اور پھر ان کے بعد ان کے ورثاء کی تحویل میں رہا](۱۵۰)

چودہ صدیوں تک وہ تیر نسل در نسل ایک سے دوسرے کے پاس منتقل ہوتا رہا حرۃ الاغوات کے علاقے میں جو باب جبریل کے مقابل واقع تھا ۱۹۸۵ء تک ایک پرانا سا مکان ہوا کرتا تھا جس میں اور تبرکات کے علاوہ وہی تیر نمایاں طور پر شوکیس میں نمائش کے لیے رکھا گیا تھا اس تیر کے علاوہ وہ کمان مبارک جو ابن اسحاق کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق حضرت قتادہ بن نعمانؓ نے سنبھال لی تھی وہ بھی وہیں موجود ہوا کرتا تھا یہ ایک پرانا سا گھر ہوا کرتا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بہت سے تبرکات مبارکہ کی نمائش کی گئی تھی اور اسے روزانہ نماز عصر کے بعد عامۃ الناس کے لیے کھول دیا جاتا تھا مگر مسجد نبوی میں آخری توسیع کے منصوبے کے تحت وہ تمام متعلقہ علاقہ ڈھا کر اور گرا کر صاف کر دیا گیا اور پھر نہ جانے ان تمام تبرکات مقدسہ کا کیا بنا کیونکہ وہ سارے کے سارے تبرکات نبوی اب گوشہ گمنامی میں چھپ گئے ہیں
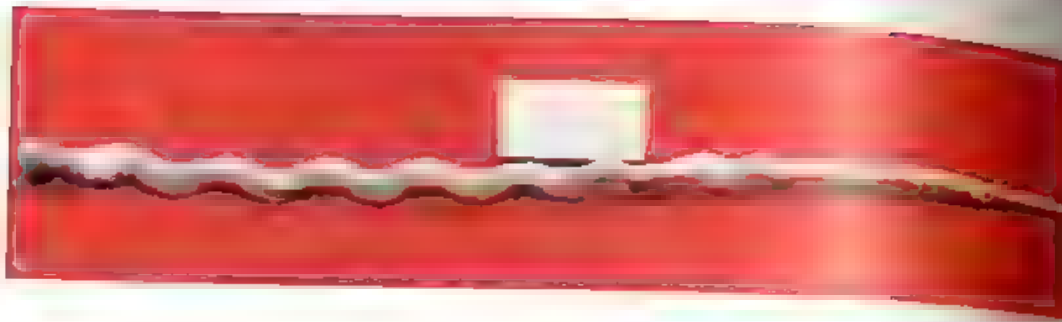
بادشاہی مسجد لاہور میں محفوظ عصائے مبارکہ کی ایک تصویر

عصاء مبارکہ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا [انبیاء علیہم السلام کے عادات واطوار میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے پاس ایک عصاء رکھیں] اسی لیے آپ حضور پرنور ﷺ کے پاس عصاء مبارک رہا کرتا تھا اور کبھی کبھی آپ اس کے اوپر ٹیک لگا لیتے اور ہمیں بھی اس بات کی تلقین کرتے [ابن جوزی (۵۰۸-۵۹۷ھ) نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ حضور پرنور ﷺ کا ایک عصائے مبارک عباسی خلفاء کے پاس ہوا کرتا تھا (۵)

حضور نبی کریم ﷺ نے مختلف اوقات میں ایک سے زیادہ عصا ہائے مبارکہ استعمال کیے اس ان میں سے دو تو اب بھی دنیا میں محفوظ ہیں ایک عصاء مبارکہ تو بادشاہی مسجد لاہور میں ہے جبکہ دوسرا اوچ شریف میں دیگر تبرکات نبوی کے ساتھ محفوظ ہے

حضرت خالد ابن ولیدؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارکہ کو اپنی ٹوپی میں محفوظ کر لیا تھا

حضرت خالد ابن ولید فرماتے ہیں [رسول اللہ ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا اور جب اس کے اختتام پر اپنے موہائے مبارکہ کا حلق کروایا تو لوگوں نے آپ کے موئے مبارکہ آپس میں تقسیم کر لیے، میں سب سے آگے تھا اور خوش قسمتی سے مجھے جبین مبارکہ سے زلف تراشیدہ کی ایک لٹ نصیب ہو گئی جسے میں نے اپنی اس ٹوپی میں سی لیا ہے میں جس بھی معرکہ میں شریک ہوا ہوں یہ ٹوپی (قلنسوہ) میرے ساتھ رہی اور میں ہمیشہ سرخرو اور کامیاب و کامران ہوتا ہوں](۱۵۲) ایک غزوہ میں جب وہ لشکر اسلام کی کمان کر رہے تھے تو ان کی وہ ٹوپی سر سے گر کر ادھر ادھر ہو گئی اس کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے دشمن کی صفوں پر شدید حملہ کیا بازیابی کی اس کوشش میں بہت سارے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جام شہادت نوش کرنا پڑا بعد میں انہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ ان کا وہ شدید جارحانہ حملہ ان کی بظاہر عام سی ٹوپی کو بازیاب کرنے کی غرض سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف اس لیے کیا گیا تھا کہ مبادا وہ موئے مبارکہ جو اس ٹوپی کے اندر سلے ہوئے تھے کفار کے ہاتھ نہ لگ جائیں اور وہ نجس کہیں ان کی بے حرمتی نہ کر دیں۔ (۵۳)

حضرت جعفر بن عبداللہ بن الحکمؓ نے بیان کیا ہے کہ [یوم معرکہ یرموک پر حضرت خالد بن ولیدؓ کی ٹوپی کہیں گم ہو گئی انہوں نے حکم دیا کہ اسے بازیاب کیا جائے لوگ اسے ڈھونڈنے میں ناکام رہے جس پر انہوں نے پھر حکم دیا کہ اسے ڈھونڈ کر لایا جائے تلاش بسیار کے بعد اس مرتبہ وہ اسے بازیاب کرنے میں کامیاب ہو گئے جب وہ ٹوپی ان کو ملی تو اسے دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا ہو گئی کہ وہ ایک پرانی سی بوسیدہ ٹوپی تھی جس پر حضرت خالد ابن ولیدؓ یوں گویا ہوئے [رسول اللہ ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کے بعد جب اپنے سر مبارک کا حلق کروایا تو لوگ آپ ﷺ کے موہائے تراشیدہ کو حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ میں سب سے بازی لے گیا اور چند موئے مبارکہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا پھر میں نے ان موہائے مبارکہ کو اپنی اس ٹوپی میں سی لیا پھر کوئی بھی معرکہ ایسا نہیں آیا کہ یہ ٹوپی میرے سر پر نہ ہو اور فتح و نصرت نے میرے پاؤں نہ چومے ہوں۔ (۵۴)

…کا چوبی (لکڑی کا) منبر شریف

رسول اللہ ﷺ کا چوبی (لکڑی کا) منبر شریف

[illegible]

کھجور کا وہ تنا (حنانہ) جس پر حضور سرورِ دوعالم ﷺ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے

[illegible] (۵۲)

حضرت ابن ابی زناد (متوفی ۱۳۱ ہجری) بیان کرتے ہیں کہ [کھجور کا وہ تنا (حنانہ) حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کے ادوار مبارکہ میں اپنی جگہ پر قائم رہا مگر جب سیدنا عثمان ابن عفانؓ نے مسجد نبوی کی عمارت کو شہید کیا تا کہ اس کی تعمیر نو کی جا سکے تو اس وقت کے واقعات کے متعلق بعض لوگوں کے بیانات میں کچھ تضاد پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کو حضرت ابی بن کعبؓ لے گئے تھے اور کچھ کا خیال ہے کہ اسے وہیں دفن کر دیا گیا تھا۔] (۱۵۷) خود حضرت ابی بن کعبؓ کے بیان کے مطابق حقیقت یہی ہے کہ [جب مسجد مبارکہ کو تعمیر نو کی خاطر سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں شہید کیا گیا تو وہ استوانہ حنانہ مجھے گھر لے گئے تھے یہاں تک کہ اس کا کچھ حصہ دیمک کی نظر ہو گیا تھا اور بعد میں انہوں نے اسے مسجد نبوی ہی میں لوٹا دیا تھا] (۱۵۸)

تدوین تاریخ مدینہ کے ایک نامور مؤرخ ابن نجار (۵۷۸ - ۶۴۳ ہجری) کے مطابق ستوانہ حنانہ کا ایک ٹکڑا محراب نبی کے دائیں طرف ستون میں نصب کر دیا گیا تھا وہ فرماتے ہیں کہ [سیرت نگاروں نے حضرت مصعب بن ثابتؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے ہم لوگ اس ٹوہ میں تھے کہ اس لکڑی کے ٹکڑے کے متعلق معلومات حاصل ہو جائیں جو مصلی النبی کے مقام پر نصب ہے اور تلاش کے بعد ہمیں حضرت محمد بن مسلم بن سائب تک رسائی ملی جو مقصورہ شریف کے محافظ تھے انہوں نے ہمیں حضرت انس بن مالکؓ کے حوالے سے بتایا جنہوں نے ان سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اسے (منبر) کو کس نے بنایا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ (اقامت صلوٰۃ کے وقت) اس پر آقائے نامدار ﷺ اپنا دست مبارک رکھتے اور فرماتے اپنی صفیں سیدھی کرو جب حضور پاک ﷺ کا انتقال ہو تو یہ لکڑی کا ٹکڑا کوئی صاحب چپکے سے چرا کر لے گئے سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے بہت کوشش کی کہ اس کا اتہ پتہ لگ جائے مگر سراغ نہ مل سکا پھر سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں اس کو بازیاب کرنے کے لیے حکام جاری کیے تو بالآخر قبا میں سے یک انصاری کے گھر سے بازیاب کر لیا گیا جنہوں نے اسے اپنے گھر کے ایک کونے میں گاڑ رکھا تھا اکھاڑنے پر معلوم ہوا کہ اس کا کچھ حصہ دیمک کھا چکی تھی پھر اس کا بوسیدہ حصہ الگ کر کے باقی ماندہ حصہ (قبلہ کی) دیوار میں نصب کر دیا گیا یہ وہی بچا ہوا ٹکڑا ہے جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے قبلہ کی دیوار میں نصب کروا دیا تھا جس کا بچا ہوا حصہ آج ہم محراب میں نصب دیکھ رہے ہیں] (۱۵۹)

ابن جبیر کے مطابق جب انہوں نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ میں حاضری دی تو لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جسے حنانہ ستون کا حصہ بتایا جاتا تھا قبلہ کی جانب ستون میں نصب تھا اور حصول برکت کے لیے لوگ اسے چوما کرتے تھے۔ (۱۶۰) تاریخی شواہد کے مطابق یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ہی تھے جنہوں نے اس کے بچے ہوئے حصے کو محراب نبی سے متصل ستون میں نصب کروا دیا تھا۔ (۱۶۱) ابن جبیر کی طرح دنیا کے دوسرے بڑے سیاح ابن بطوطہ نے مدینہ طیبہ کی زیارت ان سے تقریباً ایک صدی بعد کی ان کے مطابق صورت حال کچھ یوں تھی

[پھر ہم نے ریاض الجنۃ جو کہ روضہ رسول ﷺ اور منبر مبارک کے درمیان واقع ہے میں نماز ادا کی اور بصد عزت و احترام مشتاق نظروں سے اس باقی ماندہ ٹکڑے کو چوما جس کے پاس کھڑے ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ وعظ فرمایا کرتے تھے] (۱۶۲)

بدقسمتی سے جب مسجد نبوی میں آگ بھڑک اٹھی تو یہ آثار نبویہ بھی کافی حد تک آگ کی نظر ہو گیا علامہ مطری کہتے ہیں [آتش زدگی کے دوران جس نے کہ مسجد نبوی کو ۶۵۴ ہجری میں اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا منبر شریف کا بہت سا حصہ جل کر خاکستر ہو گیا تھا جو کچھ بچ گیا وہ مسجد شریف کے مخزن میں رکھ دیا گیا] (۱۶۳) لگتا ہے کہ بچا کھچا حصہ جس کا ذکر ابن بطوطہ نے کیا ہے صاف کر کے منبر شریف کے قبلہ کی طرف نصب کر دیا گیا تھا اسے بھی ۷۰۱ ہجری میں اکھڑوا کر دوبارہ اس وقت کے امام زید احمد بن محمد بن علی عرف ابن حنا کے احکام کے تحت مسجد شریف کے توشہ خانہ میں رکھ دیا گیا تھا انہوں نے ایسا اس لیے کیا تھا کہ مرد و زن کے اختلاط کے باعث جو کہ اکثر اس آثار نبویہ کو بوسہ دینے کے لیے ازدحام کرتے تھے اس سے مسجد شریف اور آثار نبویہ کی بے حرمتی کے ارتکاب کا امکان تھا اس کے بعد سے ہمیں اس آثار نبویہ

[illegible] کوئی مصدقہ بیان نہیں ملتا (۱۶۴)

چوکی (سٹول) جس پر کھڑے ہو کر حضرت بلالؓ اذان دیا کرتے تھے

حضرت بلالؓ اذان سے پہلے اس چوکی پر کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے [illegible] مسجد نبوی کے قریب واقع ایک اونچے مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے پھر اس کے بعد ان کے لیے ایک سٹول بنوا دیا گیا تھا جس پر کھڑے ہو کر وہ اس وقت تک اذان دیتے رہے جب تک کہ وہ مدینہ منورہ سے دمشق نہیں چلے گئے اس سٹول کو بعد میں ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ کی چھت پر رکھ دیا گیا جس پر کھڑے ہو کر وہ اذان دیا کرتے تھے اس کے بعد آل عمر فاروقؓ نے حضرت بلالؓ کے تبرک اور آثار کے طور پر سنبھال لیا تھا جو صدیوں تک محفوظ رہا قطب الدین حنفی (متوفی ۹۹۰ ہجری) اپنی تاریخ مدینہ میں تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے ایام میں بھی وہ سٹول حضرت بلالؓ کے آثار کے طور پر محفوظ تھا پھر جب دار آل عمر کو ایک مدرسہ میں تبدیل کر دیا گیا تو یہ متبرک آثار قائم رہا لیکن چودھویں صدی کے شروع میں وہ گوشہ گمنامی میں چلا گیا (۱۶۵)

وہ صندوق جس میں رسول کریم ﷺ کا لباس مبارک رکھا ہے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا آئینہ

ام المومنین حضرت عائشہؓ کا آئینہ نسل در نسل ان کے اہل خانہ کی آل میں منتقل ہوتا رہا بالآخر عتیق آثار صحابہ اور اہل خانہ رسول ﷺ نے اسے مسجد نبوی شریف میں قبلہ کی دیوار میں لگوا دیا صاحب العقد الفرید (ابن عبد ربہ) کہتے ہیں کہ عام لوگوں کا خیال یہی ہے کہ وہ آئینہ حضرت عائشہؓ ہی کا تھا۔ (۱۶۶) تاہم ابن جبیر کی روایت مدینہ طیبہ کے وقت وہ آئینہ ۵۸۰ ہجری تک محراب مبارکہ میں سامنے کی طرف لگایا گیا تھا اور ایک بالشت مربع تھا تاہم وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عام خیال یہ ہے کہ یہ آئینہ ساسانی شہنشاہ خسرو پرویز کا تھا جو مال غنیمت میں مدینہ منورہ لایا گیا تھا۔ (۱۶۷) اگر وہ آئینہ خسرو پرویز کا بھی سمجھ لیا جائے تب بھی ہمیں یہ مان لینے میں کوئی مشکل نہیں کہ اسلامی عساکر کے ہاتھوں اس کی شکست فاش کے بعد مال غنیمت سے حصے کے طور پر ہو سکتا ہے کہ وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کے حصہ میں آ گیا ہو یہی وجہ تھی کہ حقیقت میں کسی مؤرخ نے اسے آثار نبی اکرم ﷺ کے طور پر نہیں گردانا بلکہ اسے حضرت عائشہؓ ہی کی یادگار سمجھا تھا یہ آثار مبارکہ بھی آتش زدگی کا شکار ہو گیا تھا

حضرت زبیر بن العوامؓ کی شمشیر اور تفنگ (عنزہ - برچھی)

[شمشیر حضرت زبیر بن العوامؓ کو چاندی سے مزین کیا گیا تھا غزوہ بدر میں مشرکین سے معرکے کے وقت اس میں کچھ کجی آ گئی تھی جو اس زمانے سے مسلسل برقرار ہو تھا] (۱۶۸)

حضرت زبیر ابن العوامؓ کا تفنگ (عنزہ) حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس تھا اور آنحضرت ﷺ کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ابن عفانؓ اور بعد میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے پاس رہا۔ (۱۶۹) شہادت شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے بعد یہ عنزہ اہل بیت اطہار کی تحویل میں رہا مگر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اسے اپنے والد محترم اور حضور پر نور ﷺ اور خلفاء

مسجد نبوی شریف کی دستی تصویر (۱۸۵۳ء)

سلطان برونائی کی خواہش پر بہت سارے تبرکات اور اسی طرح برونائی بھیجے گئے تھے تاکہ وہاں کے لوگ بھی ان کی زیارت کر سکیں اس نمائش کے اختتام کے بعد تمام کے تمام تبرکات مبارکہ اپنی اپنی اصل جگہ پر لوٹا دیئے گئے تھے

تبرکات نبویہ کا اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا میوزیم

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ آثار نبویہ کے عاشق تھے کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کے پاس کوئی نہ کوئی چیز تبرکات نبویہ میں سے تھی ان کے گھر جا کر درخواست کرتے کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے آثار کو دے دیں جیسا کہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ کی بیان کردہ حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے جس کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے [بعد میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حضرت سہلؓ سے درخواست کی کہ وہ انہیں وہ کپ (پیالہ جس میں حضور سرور دو عالم ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا) تحفتاً عنایت کر دیں اور انہوں نے وہ پیالہ انہیں تحفہ کے طور پر دے دیا] (۱۸) یہ بہت ہی قابل ذکر بات ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو کروا رہے تھے اور انہیں سیدات امہات المومنین کے حجرات مطہرہ کو منہدم کرنا پڑا تو انہوں نے حاصل شدہ ملبے کی حد درجہ حفاظت کی تاکہ اس کی بے حرمتی نہ ہو اور تمام ملبا اٹھوا کر حرہ غربیہ میں لے گئے جہاں انہوں نے اس ملبے کو اپنے مکان کی چھت کے لیے استعمال کیا ان کا گھر حرہ غربیہ میں وادی عثمان کے اس پار واقع تھا (۸۲) حافظ ابن نجار (وفات ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء ہجری) نے لکھا ہے کہ ان کے دور تک وہ مکان موجود تھا اور اس پر باقاعدگی سے سفیدی ہوا کرتی تھی (۱۸۳) نبی اکرم ﷺ کی تمام متبرکات جو ان کے پاس ہوا کرتی تھیں انہوں نے اپنے گھر میں محفوظ کی ہوئی تھیں

بعد میں جب وہ امیر المومنین کی مسند پر متمکن ہوئے تو وہ تمام نوادرات کو اپنے ساتھ دمشق لے گئے حضرت عمرو بن مہاجرؒ بیان کرتے ہیں [حضور نبی اکرم ﷺ کی متعلقات (تبرکات) عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے گھر کے ایک کمرے میں رکھی ہوئی تھیں اور روزانہ وہ کچھ وقت کے لئے اس حجرہ مبارکہ میں تخلیہ فرماتے اور جب بھی قریش کے عمائدین ان سے ملنے کے لیے آتے تو وہ انہیں اپنے اس کمرے میں ضرور لے جا کر ان تبرکات نبویہ کی زیارت کرواتے اور انہیں فرماتے کہ یہ ان ہستی مطہرہ کی وراثت ہے جن کے ذریعے رب ذوالجلال نے ہم کو عزت و وقار بخشا ہے] (۱۸۴) حضرت عمرو بن مہاجرؒ مزید فرماتے ہیں [عمر بن عبد العزیزؒ کا مذکورہ کمرہ ان چند تبرکات پر مشتمل تھا جو حضور نبی کریم ﷺ کا ترکہ تھے ان میں ایک چارپائی تھی جس کو ان سے بنا ہوا تھا پانی پینے کے لیے ایک پیالہ ایک چادر جس کا اوپر کا حصہ ٹوٹا ہوا تھا کھجور کے ریشوں سے بھرا ایک سرہانہ اور ایک تخمینی چادر جو قرمتی (موصل عراق) کی بنی ہوئی تھی اور جس کے اوپر اس وقت بھی حضور اکرم ﷺ کے کچھ موئے مبارک لگے ہوئے تھے

ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی روایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے (۸۵) وہ چارپائی جس پر آپ حضرت سید المرسلین ﷺ اس عالم فانی سے رحلت کے وقت آرام فرما تھے بعد میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی نماز جنازہ کے لیے استعمال ہوئی ان کی میتیں اسی چارپائی پر رکھ کر ریاض الجنۃ میں رکھی گئیں اور ان کا جنازہ پڑھا گیا تھا (۸۶) اور اسی طرح تمام امہات المومنینؓ کے جنازے بھی اسی پر اٹھائے گئے تھے اس چارپائی مبارکہ کا آخری بار تصدیق شدہ ذکر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حوالے سے ہی ملتا ہے جنہوں نے باقی آثار مبارکہ کے ساتھ سے اپنے ایک حجرہ میں محفوظ کیا ہوا تھا چند روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ بستر بہت ہی بوسیدہ ہو گئی تھی تو اسے بولی لگا کر ۲۰،۰۰۰ درہم میں نیلام کر دیا گیا تھا اور پھر اس کے بعد اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا

ایک لحاظ سے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا تبرکات نبویہ کے لیے مختص کردہ کمرہ عالم اسلام کا پہلا میوزیم تھا جس میں آثار مبارکہ

کہ آپ مختلف قبیلوں سے ہوتے ہوئے قبیلہ بنی ساعدہ کے علاقے سے گزر کر مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو چونکہ قبیلہ بنو ساعدہ ثنیات الوداع کے قریب ہی واقع تھا تعجب کی بات نہیں یہ بھی ممکن ہے کہ آپ جبل سلع کے دامن میں واقع ثنیات الوداع کے راستے سے بھی گزرے ہوں جہاں پر اہالیانِ مدینہ کے نونہالوں نے دف بجا کر بے ساختہ آپ کا والہانہ استقبال کیا ہو جیسے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے۔ اس طرح جب سیدالانس والجان و رحمۃ للعالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے یثرب کے باسیوں کو مدینۃ النبی کے باشندوں میں تبدیل کیا ہوگا تو کون ایسا شخص ہوگا جو یہ نغمہ گنگنا رہا ہوگا

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع　　وجب الشکر علینا　　ما دعا للہ داع

ایها المبعوث فینا　　جئت بالامر المطاع　　جئت شرفت المدینہ　　مرحبا یا خیر داع (۲۱۶)

تاہم کچھ شارحین احادیث (مثلاً حافظ ابن حجر) کا خیال ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ چونکہ اس وقت مکہ مکرمہ میں تھیں اس لیے ممکن ہے کہ وہ جس والہانہ خوش آمدید کا ذکر کر رہی ہیں وہ اس وقت سے متعلق ہو جب کہ حضور والا شان ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح واپس لوٹ رہے تھے اور اس وقت بھی اسی ثنیات الوداع (یعنی شامی ثنیات الوداع) پر بچوں نے آپ کا استقبال کیا تھا کیونکہ شام کی طرف سے آنے والوں کا نقطہ استقبال یہی مقام تھا۔ فتح تبوک پر مدینہ منورہ کا ہر فرد خوشی سے سرشار تھا سارا شہر لشکر کا چشم براہ تھا اور جونہی یہ خبر ملی کہ لشکر پیر و جوان، مرد و زن، سب شامی گھاٹی پر پہنچ کر اپنی پلکیں بچھائے چشم براہ تھے۔ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں [مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں بھی باقی بچوں کے ہمراہ حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرنے ثنیات الوداع پر گیا ہوا تھا] (۲۱۷) دوسری جگہ وہ فرماتے ہیں [مجھے یاد ہے کہ میں بھی دوسرے بچوں کے ہمراہ حضور نبی کریم ﷺ کا استقبال کرنے ثنیات الوداع گیا تھا جبکہ آپ حضور ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے] (۲۱۸) امام بیہقیؒ بھی دلائل النبوۃ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت بچوں نے مشہور زمانہ نعت (طلع البدر علینا الخ) گا کر آپ کا استقبال کیا تھا جبکہ آپ غزوہ تبوک سے بذریعہ ثنیات الوداع شامی (یعنی جبل سلع والی گھاٹی) فاتح و کامران مدینہ منورہ لوٹ رہے تھے۔ دونوں روایتوں کے بظاہر تضاد سے بعض جدید سیرۃ نگار بھی اسی خیال کے حامی ہیں کہ طلع البدر علینا والی نعت غزوہ تبوک سے واپسی پر جبل سلع کے دامن والی گھاٹی کے مقام ثنیات الوداع پر گائی گئی تھی واللہ اعلم بالصواب

تقریباً چودہ صدیوں تک وہ ثنیات الوداع آثارِ رسالت مآب ﷺ کے ایک اہم جزو کے طور پر مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں جبل سلع کے مشرقی دامن میں موجود رہی مگر جونہی مدینہ منورہ نے عصرِ حاضر سے ہم آہنگی کے لیے عمرانی ارتقاء کی کروٹ لی تو وہ تاریخی آثار بھی اس تجدد کی بھینٹ چڑھ گیا اور شارع سیدنا ابوبکر الصدیق (شارع سلطانہ قدیم) کو سیدھا کرنے کی غرض سے جبل سلع کا وہ تمام ترعلاقہ ہموار کر دیا گیا جس کی زد میں وہ مسجد بھی جو اس گھاٹی کے اوپر بنا دی گئی تھی آ گئی اور یوں ایک اہم آثار نبوی دیکھتے دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا (۲۱۹) انجینیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی (صاحب معالم المدینۃ المنورہ) کہتے ہیں [جہاں تک ثنیات الوداع کا تعلق ہے یہ پوری کی پوری معدوم کر دی گئی ہے تاکہ المناخہ کی سرنگ (انڈرپاس) اور ملحقہ میدان کو وسیع کیا جا سکے اس کا محل وقوع موجودہ شارع سیدنا عثمانؓ اور سیدنا ابوبکر الصدیقؓ کے انٹرسیکشن کے قریب ہی تھا یہ پورے کا پورا کونہ کبھی ثنیات الوداع ہوا کرتا تھا] (۲۲۰) اس ضمن میں جناب محمد الشنقیطی رقمطراز ہیں [جب عمر قاضی مدینہ منورہ میرو ڈویلپمنٹ ٹرسٹ کے رئیس بنے تو انہوں نے شہر نبی کو خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ وہ چھوٹی سی مسجد اور ثنیات الوداع بھی اسی جوش و جذبے کی نذر ہو گئی جو اس میدان میں واقع تھی جہاں پر طریق شہداء (شارع ابوبکر صدیقؓ) اور طریق سلطانہ (شارع سیدنا عثمانؓ) کا تقاطع (انٹرسیکشن) ہوتا تھا۔ اس گھاٹی کا تھوڑا سا حصہ ایک کونے میں بچ گیا تھا مگر اسے بھی ۱۴۰۶ ہجری کے پہلے ہفتے میں معدوم کر دیا گیا۔ اے کاش کہ اس جگہ پر یادگار کے طور پر کوئی فوارہ یا کچھ اور تعمیر کر دیا جاتا تاکہ آنے والی

میں معدوم ہوتا کہ وہاں ثنیات الوداع کی مشہور و معروف گزرگاہ (درہ) ہوا کرتی تھی] (۲۲۱)

اس کے برعکس اس مقام کے چند میں قریب ہی واقع ایک ورکشاپ کی طرف جانے میں جو آج کل حادثات کی ایمرجنسی کے سامنے ہے جو قرین قیاس ہے کہ وہاں کچھ چند خوبصورت درختوں سے تجر کاری کر دی گئی ہے واللہ اعلم بالصواب۔ ایک بات جو ہمارے قارئین کرام کی توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ ایک حدیث مبارکہ میں صادق و مصدوق نبی علیم و حکیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ بات بصراحت فرمائی ہے کہ جب قیامت برپا ہونے میں چند سال نہیں رہ جائیں گے اس وقت جب پوری کائنات جڑ چکی ہو گی مدینہ طیبہ میں قبیلہ مزینہ کے دو چرواہے اپنی بکریوں کو چراتے ہوئے جب ثنیات الوداع تک پہنچیں گے تو حضور اسرافیل کے صور پھونکنے کی آواز سن پائیں گے اور وہ اوندھے منہ گر جائیں گے اور اس کے بعد قیامت برپا ہو جائے گی

وہ خندق جو غزوہ احزاب کے موقع پر کھودی گئی

باقی آثار مبارکہ کی طرح (مثلاً تاریخی مساجد جہاں آقائے دو جہاں ﷺ کی جبین مبارک سجدہ ریز ہوئی تھی) وہ خندق بھی اسی زمرے میں آتی تھی جس کی کھدائی میں مدینہ منورہ کے والی اور سید الاولین والآخرین ﷺ نے باقی صحابہ کرامؓ کی معیت میں نہ صرف بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے کدال چلائے تھے اور بہت سی سنگلاخ چٹانوں کو ریزہ ریزہ کیا تھا بلکہ خندق جو مٹی اپنے سر اقدس پر اٹھا کر دوسری جگہ پر منتقل کی تھی وہ طویل و عریض خندق صدیوں تک موجود رہی یہاں تک کہ وادی بطحان کے پانی کے مسلسل بہاؤ اور کاٹ کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ معدوم ہوتی گئی۔ وہ خندق کچھ تو لوگوں نے بھر دی تھی تاکہ اس کے آر پار جانے کے لیے رستے بنائے جا سکیں اور باقی ماندہ وادی بطحان کے نالے کی بھل سے بھر گئی۔ چھٹی صدی ہجری کے مشہور مورخ مدینہ حافظ ابن نجار رقم طراز ہیں [جہاں تک خندق کا تعلق ہے وہ آج بھی ہمارے دور میں موجود ہے البتہ اس نے ایک ندی نالے کی شکل اختیار کر لی ہے جو قباء سے ان وادیوں کی طرف بہتا ہے جو ستے میں مسجد الفتح کی ڈھلوان میں واقع ہیں اس کی دیواریں بہت ساری جگہوں سے منہدم ہو چکی ہیں اور کھجور کے درختوں کی کثیر تعداد اس کے اندر اگ چکی ہے] (۲۲۲) صاحب مغانم المطابہ فیروز آبادی نویں صدی ہجری میں لکھتے ہیں کہ [آج اس خندق کی علامت کچھ بھی نہیں بچی سوائے اس کے کہ اس کا محل وقوع اس ندی سے معلوم پڑ جاتا ہے جو کہ وادی بطحان کا حصہ ہے اور اس کی جگہ بہہ رہی ہے] (۲۲۳)

دورِ حاضر میں بہت سے مصنفین نے اس کے موقع و محل وقوع کے بارے میں تیاری و وضاحتی خطوط کھینچنے کی کوشش کی ہے مثلاً ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم اور عبدالقدوس انصاری وغیرہ جس سے اس جہد عظیم کا اندازہ ہو سکتا ہے جو کہ اصحابہ کرام کی مٹھی بھر جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی زیرِ نگرانی دن رات کی محنت شاقہ سے صرف پندرہ دن میں تیار کر دی تھی۔ اس کا ایک چھوٹا سا حصہ ترکوں نے محفوظ کر لیا ہوا تھا جس کے گرد خاردار تار لگائی تھی جو کہ مصنف ہذا نے ۱۹۷۵ء میں ملاحظہ کیا تھا۔ بعد میں وہ حصہ بھی معدوم ہو گیا اور اس کی جگہ سڑکوں نے لے لی۔
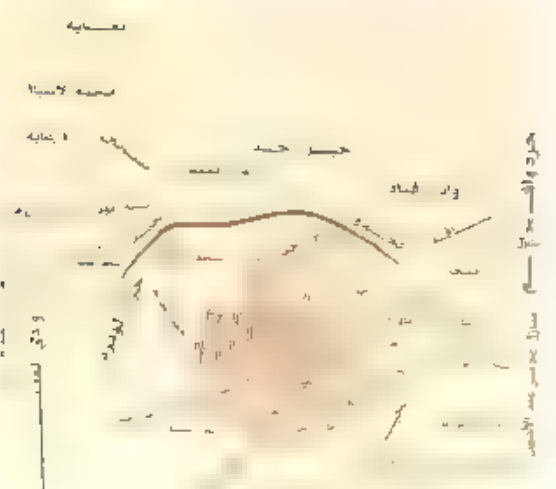
جنگ خندق کے موقع پر کھودی گئی خندق کی جگہ اور اس دور کا مدینہ طیبہ

(۷۸) ابن الکلبی، مصدر مذکور، ص ۴۲۰

(۷۹) ایضاً، ص ۴۲۳

(۸۰) اولیا چلبی (ولادت ۱۰۲۰ ہجری) سیاحت نامہ (عربی ترجمہ الرحلۃ الحجاز) ص ۲۲۵

(۸۱) صحیح بخاری، ج ۴، نمبر ۳۳۰

(۸۲) سنن ابی داؤد، اردو ترجمہ وحید الزمان، اسلامی اکیڈمی لاہور (۱۹۸۳ء) ج ۲، نمبر ۲۳، ص ۴۲۲

(۸۳) ابن سعد، ج ۱، ص ۴۵۰، صحیح بخاری، ج ۷، نمبر ۷۰

(۸۴) ایضاً، ص ۴۵۲

(۸۵) ابن اسحاق، صفحات ۵۹۱-۶۰۲

(۸۶) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ج ۴، صفحات ۳۲۰-۳۲۵

(۸۷) علی فہمی، دیوان کعب بن زہیر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت (۱۹۸۷ء) ص ۱۰، مصنف مذکور لکھتا ہے کہ مورخین کی کثیر تعداد کی رائے یہ ہے کہ حضرت معاویہ نے اس بردہ شریف کو ۲۰،۰۰۰ درہم کے عوض خرید لیا تھا

(۸۸) ابن الاثیر، مصدر مذکور، ج ۵، ص ۱۵

(۸۹) علامہ جلال الدین السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۹، ابن عبد ربہ بھی اپنی شہرہ آفاق تصنیف (العقد الفرید ص ۲۷) میں اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ ہی تھے جنہوں نے اس بردہ شریف کو خرید لیا تھا۔ دیکھئے محمد رضا، محمد رسول اللہ ﷺ، دار الکتب العلمیہ بیروت (۱۹۷۵ء) ص ۳۴

(۹۰) ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج ۴، ص ۲۵

(۹۱) توپکاپی میوزیم سائٹ کے مطابق، وہ صندوق جس میں بردہ شریف محفوظ ہے، مشہور ترکی سیاح اولیا چلبی (ولادت ۱۰۲۰ ہجری) کے والد نے بنایا تھا

(۹۲) الترمذی (اردو ترجمہ بدیع الزمان)، ج ۱، ص ۲۹

(۹۳) سنن ابی داؤد، اردو ترجمہ وحید الزمان، ج ۳، نمبر ۴۰۰۸، ص ۲۹۸

(۹۴) ابن سعد، ج ۱، صفحات ۴۰۴-۴۰۲، نیز صحیح بخاری، ج ۷، نمبر ۷۲

(۹۵) ابن سعد، ج ۱، ص ۴۷۷

(۹۶) صحیح بخاری، ج ۷، نمبر ۷۰

(۹۷) السید سمہودی (نور الدین علی بن احمد سمہودی، متوفی ۹۱۱ ہجری)، وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ، ص ۹۴۳

(۹۸) سنن ابی داؤد، کتاب ۳۳، نمبر ۴۲۰۲

(۹۹) ایضاً، نمبر ۴۲۲۳

(۱۰۰) صحیح بخاری، ج ۷، نمبر ۷۵۶

(۱۰۱) ابن سعد، ج ۱، ص ۴۷۵

(۱۰۲) ایضاً، ص ۴۷۷

(۱۰۳) صحیح مسلم، کتاب ۱، حدیث نمبر ۲۷

(۱۰۴) الترمذی، مصدر مذکور، ج ۲، ص ۶۱

(۱۰۵) ابن سعد، ج ۱، ص ۴۵۵

(۱۰۶) ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ج ۱، صفحات ۳۹۰-۴۰۰

(۱۰۷) ابن سعد، ج ۱، ص ۲۶۳، ان کے بیان کے مطابق اپنے سفر حج کی تعداد دو تھی مگر ابن اسحاق اور ابن اثیر اور کچھ دیگر مورخین کا خیال ہے کہ سفروں کی تعداد

[illegible]

مسجد نبوی شریف

تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے
رخت سفر نہ باندھا جائے
میری اس مسجد، مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ کے سوا.
حدیث مبارکہ

محراب عثمانؓ
منارہ باب سلام
باب السلام
منارہ باب الرحمہ
باب الرحمہ
کنواں
بیت سیدہ فاطمہؓ
عورتوں کی نماز کی جگہ
مکتب
مخزن
وضوخانہ
باب المجیدی
باب مخزن

- مسجد نبوی شریف
- حد بیت سیدہ فاطمہؓ
- توسیع حضرت عمرؓ
- توسیع حضرت عثمانؓ
- توسیع الولید
- توسیع سلطان قیتبائی
- توسیع المہدی
- توسیع سلطان عبدالمجید
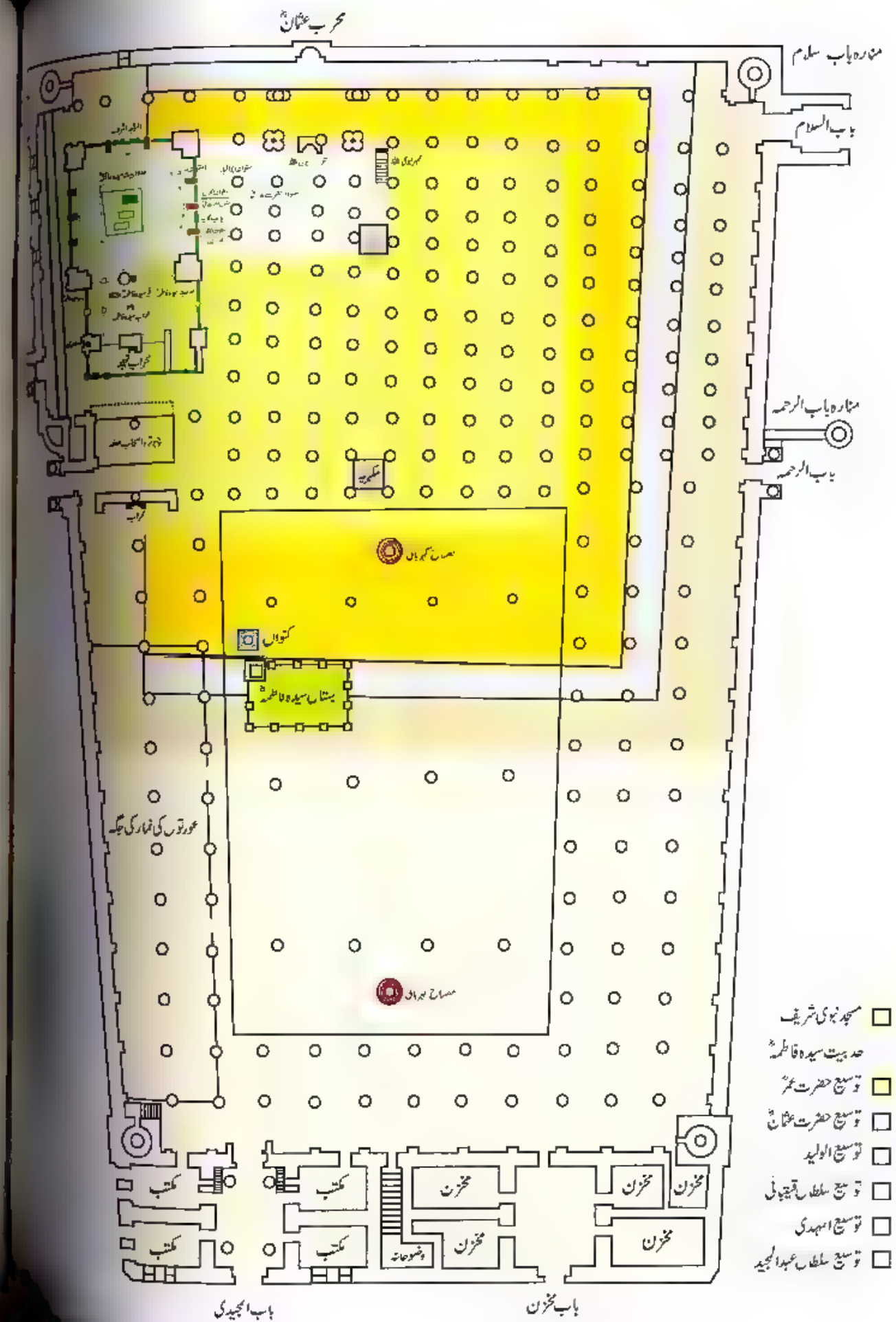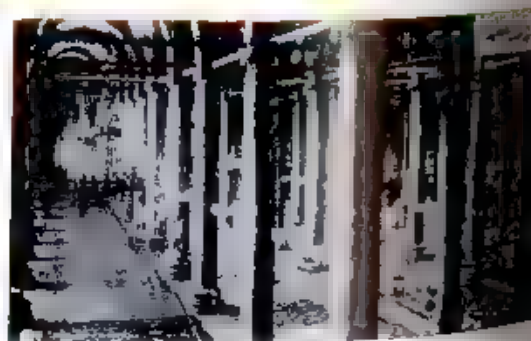
مسجد نبوی شریف کی فضیلت اور اہمیت

﴿ بیشک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اور پاک لوگ اللہ کو پیارے ہیں ﴾ ( )

ان الفاظ میں رب ذوالجلال والاکرام قرآن کریم میں اس مسجد شریف کے تقدس کی شہادت دیتے ہیں جس کی بنیاد روز اول سے ہی پرہیزگاری پر رکھی گئی تھی اگرچہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کی آراء میں کچھ اختلاف ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مذکور مسجد سے کونسی مسجد مراد ہے لیکن صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع اس بات پر ہی تھا کہ احادیث رسول مقبول ﷺ کی روشنی میں اس سے مراد مسجد نبوی شریف ہی تھی نہ کہ مسجد قباء حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے [حضرت عبدالرحمٰن بن ابوسعید خدریؓ میرے پاس تشریف لائے اور میں نے عرض کیا آپ نے اپنے والد ماجد سے اس مسجد کے بارے میں کیا سنا تھا جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پر استوار کی گئی تھی؟ انہوں نے جواب دیا میرے والد نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جب کہ آپ حضور ﷺ اپنی ازواج مطہرات میں سے ایک کے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما تھے اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر استوار ہوئی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے زمین سے مٹھی بھر سنگریزے اٹھائے اور پھر زمین پر پھینکتے ہوئے فرمایا یہی تمہاری مسجد وہ مسجد ہے (یعنی مسجد مدینہ۔ مسجد نبوی شریف)، راوی نے بیان کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ کے والد کو ایسا ہی فرماتے ہوئے سنا تھا۔] (۲)

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے [میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسجد کے بارے میں دریافت کیا جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی جس پر سید الانس والجان ﷺ نے فرمایا یہی وہ مسجد ہے (یعنی مسجد نبوی شریف)] الطبرانی نے بھی ایک حدیث مبارکہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے نقل کی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں دو آدمیوں کے درمیان آپس میں بحث چل نکلی کہ وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر استوار ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک کا خیال تھا کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے جب کہ دوسرا یہ کہہ رہا تھا کہ وہ مسجد 'مسجد قباء' ہے۔ آخر کار دونوں دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گئے اور آپ سے اس معاملہ میں عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [یہی جو میری مسجد ہے] یہی نظریہ اصحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تھا اور یہی رائے مشہور تابعین اور فقہاء کرام مثلاً حضرت سعید بن المسیبؓ اور حضرت خارجہ بن زیدؓ کی تھی جو کہ ان الفاظ میں کہتے تھے کہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول یوم سے ہی تقویٰ پر استوار کی گئی تھی اس سے مراد مسجد رسول اللہ ﷺ ہی ہے۔ (۳) ابن کثیر اور ابن جریر الطبری بھی سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ کا تابع کرتے ہیں (۴) ابن کثیر کے الفاظ میں یہ خیال کہ مسجد قباء کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی دوسری رائے سے متصادم نہیں ہے، بلکہ اس کا اطلاق تو مسجد نبوی شریف پر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ نہ صرف اس کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پر استوار ہوئی تھی بلکہ اس پہلے بھی کہ اسے دوسری مساجد پر (بشمول مسجد قباء) فوقیت حاصل ہے (۵)

مشہور مفسرین میں سے علامہ شوکانی نے اپنی مشہور تفسیر 'فتح القدیر' میں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دونوں دلائل کے تجزیے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ میں جو مسجد مراد لی گئی ہے وہ یقیناً مسجد نبوی شریف ہی ہے۔ (۶) تاہم یہ بات کرنے سے ہمارا مقصد مسجد قباء کی اہمیت گھٹانا نہیں ہے، بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ناقابل تردید شواہد اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہی ہے کہ قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ سے جو مسجد مقصود ہے وہ مسجد نبوی شریف ہی ہے

جب کہ عالم اسلام میں آج کی مساجد صرف نماز یا چند دینی اجتماعات تک محدود ہیں، مسجد نبوی شریف اپنی تاسیس کی وقت صرف ایک

نہیں تھی بلکہ ایک مکمل ادارہ تھی جس کا کردار امت کے لیے ہمہ جہتی اور کثیر المقاصد تھا مومنوں کے لیے تو تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنادی گئی ہے جس کی رو سے ہر مسجد کا درجہ برابر ہونا چاہیے تھا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تین مساجد میں ایسی کونسی خصوصیت ہے جو کہ ان کو تمام بیوت اللہ سے ممتاز کرتی ہے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق تین مساجد کے علاوہ کسی کے لیے رخت سفر باندھنے کی اجازت نہیں ہے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے۔ میری اس مسجد اور مسجد الحرام اور مسجد الاقصیٰ کے سوا] (۷) ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے [میری مسجد میں ایک نماز دوسری کسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے ہزار درجہ افضل ہے سوائے مسجد الحرام کے] (۸) بیہقی نے الجامع الشعب الایمان میں یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے [میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری کسی مسجد میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے، یہاں ایک نماز جمعہ کی ادائیگی دوسری مساجد میں ہزار جمعہ ادا کرنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے اور میری اس مسجد میں ایک ماہ روزے رکھنا دوسری مساجد میں ہزار ماہ کے صوم سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے] (۹) مذکورہ تینوں مساجد میں سے دو تو بیوت اللہ یعنی قبلہ اول (مسجد الاقصیٰ) اور قبلہ ثانی (بیت اللہ شریف) ہیں جب کہ تیسری مسجد بیت اللہ ہونے کے علاوہ بیت رسول مقبول ﷺ بھی ہے۔ یہی تیسری مسجد ''مسجد رسول اللہ ﷺ'' (مسجد نبوی شریف) ہے۔ اس مسجد ہونے کے علاوہ اس کا کردار وسیع تر ہے۔ یعنی ایک طرف تو یہ اللہ کی عبادت گاہ تھی اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اسے بہت سے دوسرے کردار بھی ادا کرنے تھے یعنی بیک وقت یہ مسجد بھی تھی، دارالحکم (حکومت کا ہیڈکوارٹر)، دارالضیافہ (سرکاری ریسٹ ہاؤس)، دارالقضاء (عدالت عظمیٰ)، دارالقلادہ (مجلس شوریٰ اور پارلیمنٹ ہاؤس)، دار الحکمت اور مہبط وحی (مقام نزول وحی)، دارالقیادۃ الجیش (عساکر اسلام کا ہیڈکوارٹر۔ جی ایچ کیو)، دارالرشد (دنیا کی پہلی درسگاہ اور یونیورسٹی جہاں مستحق طلباء کو کھانے اور رہائش درسگاہ کے اندر ہی مقام الصفہ پر مہیا کی گئی تھی)، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک ایسا مرکز و مقام تھا جہاں سے اسلام کے آفتاب عالمتاب کی کرنیں چاردانگ عالم میں پھیلیں اس سب پر مستزاد یہ کہ اسی کے ایک حصے میں سب مخلوق کی غایت اولیٰ اور بعد از خدا بزرگ ترین ہستی حضور سرور کائنات ﷺ تشریف فرما ہیں

ان تینوں مساجد (یعنی مسجد الحرام، مسجد الاقصیٰ اور مسجد النبوی الشریف) کی فضیلت بیان کرتے ہوئے شیخ عطیہ محمد سالم نے بیان کیا ہے کہ ان تینوں مساجد کا مرتبہ دنیا کی دیگر مساجد سے اس لیے بھی ارفع و اعلیٰ ہے کہ جب کہ دیگر مساجد عالم کی جگہوں کے انتخاب اور ان کی حد بندی میں انسانی عمل دخل شامل ہوتا ہے ان تینوں مساجد کے مواقع جات اور ان کے رقبے کی نشاندہی بواسطہ وحی انبیاء علیہم السلام کو کی گئی تھی ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جب بیت اللہ شریف بنانے کا حکم ہوا تو وہ شش و پنج میں تھے کہ اسے کہاں

تعمیر کیا جائے۔ وحی کے ذریعے ان کو بتایا گیا کہ بادل کا ایک ٹکڑا اس وادی کے ایک حصے پر سایہ فگن ہوگا جہاں اللہ کا گھر تعمیر ہوگا۔ جب یہ ہوا تو آپ نے رب ذوالجلال والاکرام کے حکم کی تعمیل کی اور اس جگہ پر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ بیت المقدس کی تعمیر کا وقت آیا تو حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ کے گھر کے لیے ایک قطعہ اراضی خریدنے کا حکم ملا کہ فلاں شخص سے اس کی زمین خرید لی جائے اور انہوں نے اسی حکم کی تعمیل کی۔ اسی طرح مسجد نبوی شریف کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے از خود کوئی فیصلہ نہیں فرمایا کہ کہاں قیام فرمائیں اور مسجد کی تعمیر کریں۔ ہر قبیلے کا سردار آپ حضور ﷺ سے دست بستہ درخواست گزار تھا کہ اس کو شرف میزبانی عطا فرمائیں، لیکن سرکار دو عالم ﷺ ایک کو یہ کہہ کر خاموش کر دیتے کہ [اس (ناقہ اونٹنی قصوی) کا راستہ چھوڑ دیجیے، اس کو حکم ہو چکا ہے] گویا یہ حکم الٰہی تھا جو کہ ناقہ 'قصوی' کے میڈیم کے ذریعے دیا گیا تھا جس کی تعمیل میں پہلے تو وہ وہاں رکی جہاں پر امام الانبیاء، دانائے سبل اور ختم الرسل ﷺ نماز امامت فرمایا کرتے تھے، مگر پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہاں سے اٹھ گئی اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی۔ پہلے دونوں بیوت اللہ کی طرح مسجد نبوی شریف کے موقع کا انتخاب بھی وحی الٰہی (الہام) سے ہوا جو کہ اس میڈیا (یعنی ناقہ رسول مقبول ﷺ جس پر حضور رسالت مآب اس وقت تشریف فرما تھے) کو الہام کے ذریعے ہوئی جس سے اس کا تعین جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا (۱۰)

فضیلت مسجد نبوی شریف میں بہت سی احادیث روایت ہوئی ہیں۔ قند مکرر کے مصداق ہم مذکورہ با احادیث مبارکہ کو قارئین کرام کے سامنے دوبارہ پیش کرنا چاہیں گے کیونکہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا [ایک جمعہ مدینہ (مسجد نبوی شریف میں) کسی اور جگہ پر ہزار نماز جمعہ ادا کرنے کے برابر ہے] انہی کی روایت کردہ ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق [مدینہ میں روزہ رکھنا کسی اور جگہ ہزار روزے رکھنے کے برابر ہے] ( ) حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [وہ شخص جو میری مسجد میں بغیر ناغہ کے چالیس نمازیں ادا کرتا ہے وہ جہنم کی آگ اور نفاق سے محفوظ رہے گا] (۱۲) یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو کہ بشمول دوسری دونوں مساجد کے کسی اور مسجد کے نصیب میں نہیں۔ ابن حبان نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے کہ: [جو اپنے گھر سے میری اس مسجد کے لیے روانہ ہوتا ہے، اس کے ایک قدم اٹھانے پر اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور دوسرے قدم پر اس کی ایک خطاء معاف کر دی جاتی ہے] (خلاصۃ الوفاء، ص: ۱۴۳) ابن حبان ہی کی اور روایت از زید بن اسلم کے الفاظ کچھ اس معنی میں ہیں [جو میری اس مسجد میں داخل ہو کہ یہاں نماز ادا کرے یا ذکر ہی کرے، یا خیر کی تعلیم دے یا خیر کا علم حاصل کرے، وہ اللہ کی راہ میں ایک مجاہد کا مقام رکھتا ہے] (ایضاً، ص: ۱۴۴)

مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے اراضی کا حصول

جیسا کہ سب جانتے ہیں، تاجدار حرم جناب رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں ٹھہرے تھے جب کہ مدینہ طیبہ کے ہر عرب قبیلے کا سردار رسول اللہ ﷺ سے درخواست کر رہا تھا کہ آپ حضور ﷺ اسے شرف میزبانی عطا کریں، آقائے نامدار ﷺ بار بار یہی فرما دیتے کہ آپ وہیں قیام فرمائیں گے جہاں آپ کی سواری آپ حضور ﷺ کو لے جائے گی اور جب سرکار دو عالم ﷺ قباء سے مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے قصوی کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دی تھیں اور اس جم غفیر کو جو حضور نبی اکرم ﷺ کے دیدار کی ایک جھلک دیکھنے کو امڈ آیا تھا فرما رہے تھے [اس کا راستہ چھوڑ دیجیے، اسے حکم مل چکا ہے کہ اس نے کہاں جانا ہے] رب ذوالجلال کی طرف سے اسے الہام ہو چکا تھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو کہاں لے کر جانا تھا۔ وہ احاطہ جس میں پہلے ناقہ رسول اللہ ﷺ رکی وہ بنی غنم بن مالک بن النجار کے
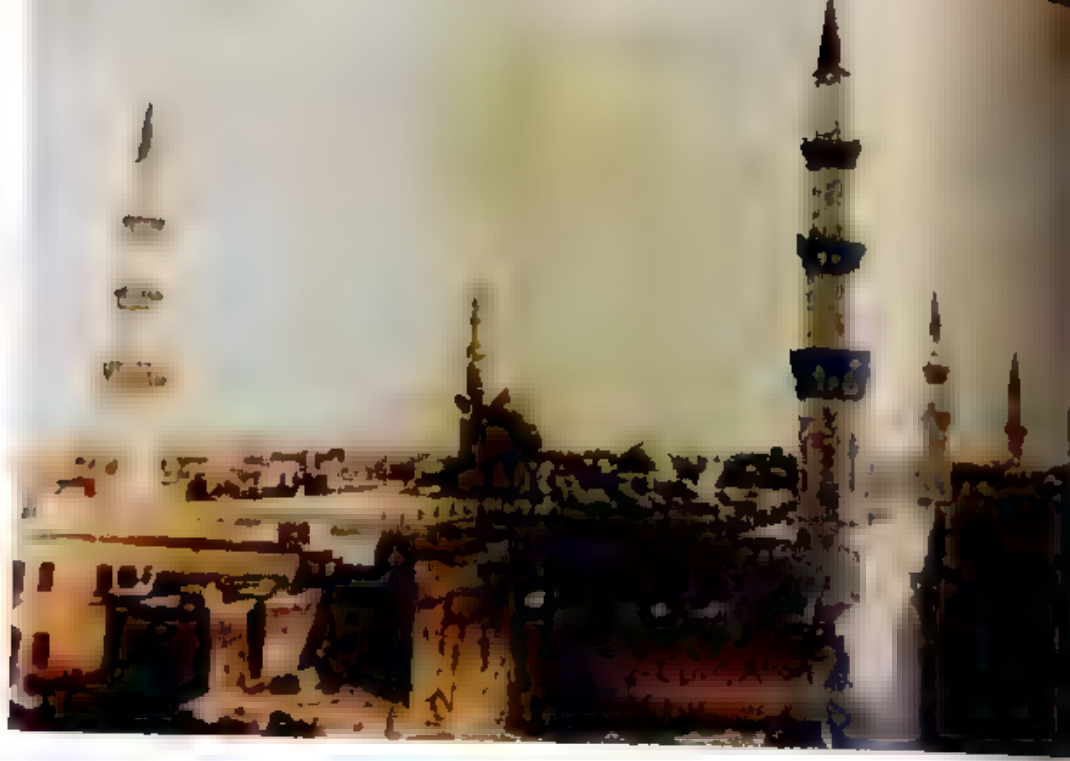
مسجد نبوی شریف سعودی توسیع سے پہلے (۱۹۰۳ء)

احاطے میں تھا اور دو یتیم بچوں کی ملکیت میں تھا جو کہ حضرت اسعد بن زرارہؓ کی تولیت میں تھے۔ حضرت اسعدؓ ان بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانی پر خزرج کا نقیب (سردار) متعین فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود سے پہلے ہی حضرت اسعد بن زرارہ نے اس احاطے میں ایک طرف چار دیواری کر کے چھوٹی سی مسجد بنائی تھی جس کی صرف دیواریں تھیں جو غیر مسقف تھیں اور اس کا روئے قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا (۱۳)

رسول اللہ ﷺ نے اس قطعہ زمین کو خریدنے میں اپنی رغبت ظاہر فرمائی اور اس کے مالکان کو بلا بھیجا۔ اسی اثناء میں حضور سرور کونین ﷺ اسی احاطے میں بابھیڑ اس کے ایک باڑے میں کچھ دنوں تک نماز ادا فرماتے رہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے دونوں بچوں اور ان کے اہل خانہ سے بات کی جنہوں نے وہ قطعہ اراضی رسول اللہ ﷺ کو تحفتاً دینے کی پیش کش کی۔ حضرت انس بن مالکؓ کے بیان کے مطابق، [جب بھی نماز کا وقت آ جاتا تو رسول اللہ ﷺ نماز ادا کرنا پسند فرماتے خواہ وہ بھیڑوں کے باڑوں میں ہی کیوں نہ ہو۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ایک مسجد بنائی جائے اور بنی نجار کے چند آدمیوں کو بلا بھیجا اور فرمایا [اے بنی نجار، مجھے اس دیوار والے احاطے کی قیمت بتائیں۔] انہوں نے عرض کیا "نہیں، اللہ کی قسم ہم سوائے اللہ کے کسی سے کچھ نہیں لیں گے!" (۱۴)] مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے بغیر قیمت ادا کیے لینے سے انکار فرما دیا۔ مزید گفت و شنید کے بعد وہ اسے دس سونے کے دیناروں کے عوض دینے پر راضی ہو گئے (۱۵) جو کہ درحقیقت اس کی قیمت خرید تھی (واقدی کے بیان کے مطابق انہوں نے وہ زمین بنی افرع سے اسی قیمت میں خریدی تھی) (۱۶) سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنی جیب سے اس کی قیمت ادا کی اور اس طریقے سے وہ قطعہ مبارکہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے خرید لیا گیا (۱۷) یہ ربیع الاول کے دوسرے نصف حصے میں ہوا تھا کیونکہ سیرت نگاروں کی متفقہ رائے کے مطابق کائنات کے شمس الضحیٰ اور بدر الدجیٰ اور ماہ تمام علیہ افضل الصلوۃ و سلام نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے کاشانہ مطہرہ کو ۱۶ ربیع الاول (اکتوبر ۶۲۲ء) کے دن منور و تاباں کیا تھا

اس قطعہ ارضی مبارکہ کے ارضیاتی خدوخال

اس مبارک قطعہ ارضی جس کی قسمت میں تا ابد مسجد النبوی شریف ہونا لکھا تھا رسول اللہ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے پہلے ایک غیر ہموار زمین تھی جس میں غرقد اور دیگر قسم کے درخت اور خاردار جھاڑیاں اور چند کھجوروں کے درخت تھے جہاں کچھ مشرکین کی قدیم قبریں بھی تھیں۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کے مطابق [اس میں مشرکین کی قبور تھیں اور اس کا کچھ حصہ غیر ہموار تھا اور چند کھجوروں کے

ثانی رہ چکا تحریر ہے علی سے جب ملتجہ بوی ﷺ میں مسجد نبوی شریف کے لیے گارا اور اینٹیں تیار کی گئی تھیں

درخت بھی تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کی قبروں کو اکھاڑ پھینکا جائے اور غیر ہموار زمین کو ہموار کر دیا جائے اور کھجوروں کے درختوں کو بھی کاٹ دیا جائے](۱۸) یہ ممکن ہے کہ کھلا حصہ مال مویشیوں کو رکھنے کے لیے مستعمل ہوتا ہو، اس کا کچھ حصہ مربد کے طور پر استعمال ہوتا تھا جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں اس زمین میں کچھ گڑھے بھی پڑے ہوئے تھے حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [اے بنونجار اپنے اس باغ کا مول لگاؤ][اس کے کچھ حصے پر کھجوروں کے چند درخت بھی تھے](۱۹) اس کے گڑھوں میں بارش کا پانی جمع ہو چکا تھا جس نے ایک جوہڑ کی شکل اختیار کر لی تھی لہذا اس متعفن پانی کو نکالنے کے لیے ایک نالہ کھودنا پڑا تھا (۲۰) یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مبارکہ سے پہلے یہاں چند مہاجرین جو کہ رسول مقبول ﷺ سے آپ حضور ﷺ سے پہلے مدینہ طیبہ ہجرت کر چکے تھے اس احاطے میں نمازیں ادا کرتے تھے (۲۱)

رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر کفار کے مردوں کی باقیات کو ان کی قبروں سے نکال کر زمین کو ہموار کر دیا گیا اور اسے اچھی طرح نباتات اور جھاڑیوں سے پاک کر دیا گیا کھجور کے درختوں کی بھی بیخ کنی کر دی گئی اور اس کے تنے اور پتے مسجد شریف کی تعمیر کے کام میں لائے گئے (۲۲) کھڑے گئے کھجور کے درختوں کے تنے سیدھے کر کے سامنے کی جانب لگائے گئے جس سے قبلہ کی جانب کو ظاہر کرنا مقصود تھا حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے [کٹے ہوئے کھجور کے تنوں کو قبلہ کی جانب نصب کر دیا گیا تھا](۲۳) صحیح بخاری ہی کی ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے [کھجوروں کے تنوں کو اس طرح جوڑ دیا گیا تھا کہ ان سے قبلہ کی جانب کی دیوار بن گئی تھی اور اس کے دروازے کے لیے پتھر کے ستون کھڑے کئے گئے تھے جب قبلہ اس وقت شام کی جانب بیت المقدس کی طرف مقرر تھی](۲۴)

مسجد نبوی شریف کی خشت اول رسول اللہ ﷺ کے دست با برکات سے رکھی گئی

ماہ ربیع الاول ۱ ہجری (بمطابق اکتوبر ۶۲۲ء) کے اواخر میں مسجد نبوی شریف کی تاسیس عمل میں آئی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کا سنگ بنیاد رکھا بنیاد تقریباً تین ذراع (۵. میٹر) گہری تھی (۲۵) بنیاد کے لیے پتھر سے گھڑی ہوئی اینٹوں سے دیوار بنائی گئی جب کہ اوپر کی دیوار گارے سے بنی اور دھوپ میں سکھائی گئی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی (۲۶) رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ سنگ بنیاد رکھتے وقت بلکہ بعد میں بھی اس کی تعمیر کے لیے بنفس نفیس باقی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح کام کیا (۲۷) جب مسجد شریف کی بنیادیں پتھروں سے استوار ہو رہی تھیں دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مٹی کی اینٹیں بنانے میں مصروف تھے یہ کام بقیع الخبجہ میں ہو رہا تھا جو کہ بقیع الغرقد کی شمالی جانب واقع تھی (۲۸) گارا اور اینٹیں بنانے کے لیے پانی بئر ابوب (جو کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا کنواں تھا) سے لیا جاتا تھا جو کہ بقیع الغرقد میں اس مقام کے سامنے تھا جس کے جوار میں بعد میں حضرت ابراہیمؓ فرزند

رسول ... مدفون ہوئے (۲۹) بیس سال پہلے بقیع الغرقد کی شمالی جانب کی دیوار میں ایک چھوٹا سا کمی دروازہ ہوا کرتا تھا اس کے گرائے جانے سے پہلے اس دروازے کو باب البقیع کہا جاتا تھا (یعنی وہ دروازہ جہاں گارا بنایا گیا تھا)

ابراہیم العیاشی المدنی کے مطابق وہ جگہ جہاں مسجد نبوی شریف اور حجرات مطہرہ کی اینٹیں تیار اور دھوپ میں سکھائی گئی تھیں وہ بقیع الغرقد کے اس حصے میں تھی جو کہ بقیع العمات (حضور نبی اکرم ﷺ کی پھوپھیوں - سیدہ عاتکہؓ اور سیدہ صفیہؓ بنات عبدالمطلب) اور اس دروازے کے درمیان واقع تھی (۳۰) نئی توسیع کی وجہ سے بقیع الغرقد کا وہ دروازہ ہٹا دیا گیا ہے

اس دوران ایک اعرابی حضرت طلق بن علی یمامیؓ جن کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا وہاں ایسے وقت میں آئے جب کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تعمیر میں بنا رہے تھے مسند امام احمد میں شامل حضرت طلق بن علیؓ کی مروی حدیث مبارکہ کے مطابق جس طریقہ سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ کام کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ پسند نہ تھا لہذا میں نے کدال پکڑا اور گارے کا آمیزہ بنانے لگ گیا جس انداز سے میں کدال چلا رہا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کو بہت پسند آیا اور آپ حضور ﷺ نے فرمایا [حنفی - کیونکہ ان کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا - کو گارا بنانے دو کیونکہ تم سب سے زیادہ وہ اس کام میں مہارت رکھتا ہے] رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ [یمامی کو بلاؤ کیونکہ اس کام میں وہ تم میں سب سے زیادہ مہارت رکھتا ہے](۳۱)

بیس سو سترکی دہائی میں مسجد نبوی شریف کا صحن ایسا ہوا کرتا تھا سرخ ریت سے ملی کنکریاں صحن مسجد پر بچھائی گئی تھیں

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ درختوں کے تنوں کو اس طرح رکھا گیا تھا کہ جانب قبلہ نمایاں ہو جائے۔ اس کے دروازے کی اطراف میں پتھروں کے ستون بنائے گئے تھے شمع رسالت کے پروانے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور ساتھ ساتھ نغمے بھی گاتے تھے (۳۲) کبھی کبھار سید الثقلین و نبی الحرمین اور امام القبلتین ﷺ اپنے دامن رحمت مآب میں ای مسجد شریف کے لیے مٹی اور گارا لاتے اور اپنے جان نثاروں کی لے میں لے ملا کر فرماتے

هذا الحمال لا حمال خيبر   هذا ابر ربنا و اطهر

ابتداء میں اس عمارت کی کوئی چھت نہیں بنائی گئی تھی صرف اس کی ایک جانب پر جزوی طور پر چھت ڈال دی گئی تھی تاکہ نادار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسے بے سائبان کا کام کر سکے اس جزوی چھت کی وجہ سے اس مقام کو الظلہ (سایہ دار جگہ) کہا جاتا تھا حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے اور ہم میں سے کچھ سجدہ کرنے والے حصہ پر اپنے کسی کپڑے کا کچھ حصہ رکھ لیتے تاکہ سخت گرمی کی وجہ سے تپتی زمین کی حدت سے بچ جا سکے (۳۳) تاہم بعد میں جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شدید گرمی کی شکایت کی تو گھاس پھوس اور کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے چھت بنائی گئی مگر وہ بھی جزوی تھی اور اس وقت بھی مسجد شریف کا

'سمیط' طریقہ سے لگائی گئی اینٹیں

کچھ حصہ غیر مسقف تھا۔ فرش مٹی کا تھا جس کو کوٹ کوٹ کر اچھی طرح ٹھوس کر دیا گیا تھا اور ستون کھجور کے تنوں سے بنے ہوئے تھے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں مسجد کچی اینٹوں کی بنی تھی اور اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کی تھی، اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے] (۳۴)

تمام عمارت انتہائی سادگی اور کفایت شعاری کا مظہر تھی نہ کوئی زیب و زینت اور نہ کوئی آرائش۔ ابتداء میں تعمیر کے وقت دیواروں کو اینٹیں لگانے کا طریقہ یہ تھا جس کو عرب 'سمیط' (Al-Sumayt) (ایک کے اوپر دوسری اینٹ کو رکھنا) کہتے تھے تاہم کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد دوسرے مرحلے پر دیواروں کو مزید چوڑا اور مضبوط بنا دیا گیا اور اس بار یہ طریقے سے اینٹیں لگائی گئی جن کو معمار 'سعیدہ' (A-So'aidan) کہتے تھے اس کو عربی میں نر اور مادہ اینٹوں کا جوڑا بنا کر چنائی کرنا کہتے ہیں (۳۵) دیواریں ڈیڑھ ہاتھ (۰.۵ ذراع) یعنی تقریباً پونا میٹر چوڑی رکھی گئی تھیں جس کی اونچائی سات ذراع (۳ میٹر) کے لگ بھگ تھی کچی اینٹیں سادہ مٹی کے گارے (لبن) سے بنائی جاتی تھیں جن کو دھوپ میں رکھ کر سکھا لیا جاتا تھا۔ بہت سی احادیث مبارکہ سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ ابتداء میں مسجد شریف غیر مسقف تھی حضرت ایاس بن سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے: [ہم رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں اس وقت نماز جمعہ ادا کرتے تھے جب کہ (مسجد کی) دیواروں کا سایہ نہیں ہوتا تھا جس کی وجہ سے ہم دھوپ سے نہ بچ سکتے] (۳۶) حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے [ایک مرتبہ مطلع ابر آلود تھا اور پھر بارش شروع ہو گئی جس سے مسجد کی چھت سے جو کہ کھجور کے پتوں سے بنی تھی بہت پانی ٹپکنے لگ گیا جب نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا سجدہ بھی کیچڑ کے پانی میں ادا فرمایا یہاں تک کہ جبین انور سے کیچڑ کے اثرات نظر آرہے تھے] (۳۷) ایک دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت ہے [جب میں اپنی اعتکاف کی جگہ پر واپس آیا تو مطلع ابر آلود ہو چکا تھا اور پھر بارش ہونے لگی اس رب ذوالجلال کی قسم جس نے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، مطلع سر شام سے ابر آلود تھا اور مسجد جس کی چھت جو کہ کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے بنائی گئی تھی بارش کا پانی ٹپک رہا تھا اور میں نے کیچڑ اور پانی کے اثرات رسول اللہ ﷺ کی ناک مبارک پر لگے دیکھے تھے] (۳۸) یہ دونوں احادیث مبارکہ دو مختلف مرحلوں کا ذکر کرتی ہیں پہلا جب کہ مسجد شریف پر چھت نہیں تھی اور دوسرا جب کہ اس پر کھجور کے پتوں سے چھت ڈل چکی تھی

ان احادیث مبارکہ سے ہمیں مسجد نبوی شریف کی بلند مرتبہ مگر انتہائی سادہ سی عمارت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بنائی گئی تھی۔ اس میں نہ تو کوئی دنیوی شان و شوکت تھی اور نہ ہی کوئی دکھاوا اور تصنع تھا۔ دنیاوی لحاظ سے یہ سراپا سادگی اور عجز کا مظہر تھی

"السعیدہ" طریقے سے لگائی گئی اینٹیں

اس تمام تر سادگی اور طرز تعمیر کے باوجود دنیا کی اس عمارت کا مرتبہ اور مقام اتنا بلند و بالا تھا کہ اس پر آسمان کی رفعتیں بھی رشک کرتی تھیں۔ اسی سادہ سی عمارت کی کوکھ سے ان اداروں نے جنم لیا جنھوں نے امت محمدیہ کو اس درجے پر فائز و فائق کیا کہ وہ اقوام عالم کی شہید اور راہنما بن گئی سرکار دو عالم ﷺ مسجد شریف کی صفائی کا خاص خیال فرماتے تھے اور نہ صرف یہ کہ اس کی صفائی کا باقاعدہ بندوبست کیا جاتا تھا بلکہ مختلف طرز زندگی رکھنے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن میں سے بہت سے بھیڑ بکریاں چرا کر گزر اوقات کرتے تھے اور موسمی اثرات اور صحرائی گرد و غبار سے اٹے ہوتے تھے ان کو صفائی کی ترغیب دیتے تھے۔ رسول مقبول ﷺ نے طہارت و پاکیزگی کو جزو ایمان قرار دیا اور حکم فرما دیا کہ مسجد میں آؤ تو صاف ستھرے ہو کر آؤ اصحابہ کرام

مسجد نبوی شریف [illegible] (۱۹۰۵ء)

[illegible] انہیں [illegible] سہولیات [illegible] چند [illegible] مسجد [illegible]

[illegible]

[illegible] اچانک ایک بدو [illegible] سے [illegible] بدو [illegible] اور [illegible] کو [illegible] پکڑ [illegible] شدہ [illegible] بھاری [illegible] رسول اللہ ﷺ سے لوگوں کو شاق گزرا [illegible] میں بعض [illegible] آیت [illegible] کی طرف سے جو اس وقت نازل ہوئی جب بنو تمیم [illegible] بیٹھنے والوں سے دور [illegible] گفتگو [illegible] ﷺ [illegible] اور [illegible] سجدہ کے بیچ تنبیہ فرمائی [illegible] (۳۹) یہ آیت [illegible] رسول مقبول ﷺ (یعنی حجرات مطہرہ) کی [illegible] پابندی کرتی ہے اور مسجد نبوی شریف کے احترام کو بھی واجب اور فرض کر دیتی ہے۔ یہ کاشانہ طہر کا صحن مبارک ہی تو تھا [illegible] صحن مسجد نبوی [illegible] میں ہوتا تھا

احادیث مبارکہ [illegible] ہمیں چند ایسی روایات ملتی ہیں کہ کبھی کوئی نو وارد اعلام مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوتا تو [illegible] [illegible] رشد و ہدایت اور رحمت مجسم ﷺ نے نہ صرف ان کو آداب مسجد سکھائے بلکہ دیگر [illegible] منع فرمایا تاکہ خلاف ورزی کرنے والے [illegible] نہ ہونے پائے مسجد شریف میں آنے والے آداب [illegible] قرآن کریم (۴۰) اور رسول اللہ ﷺ [illegible] احادیث مبارکہ میں سکھائے گئے کیونکہ ابتداء میں چند ایسے واقعات ہو گئے تھے [illegible] مسجد شریف کا تقدس [illegible] واقع ہوتا [illegible] ایک نو وارد [illegible] انداز سے مسجد نبوی میں داخل ہوا کہ اپنے ساتھ اپنی [illegible] (اونٹ) بھی لے آیا اور صحن مسجد میں [illegible] کی ٹانگوں کو باندھ کر بٹھا دیا (۴۱) یہاں [illegible] بات ذہن میں رہے کہ اس وقت مسجد نبوی [illegible] صرف مسجد ہی نہیں تھی بلکہ یہ ایک مرکز حکومت بھی تھی جہاں سیاسی اور سماجی اجتماعات بھی ہوتے تھے اور جہاں باہر سے آئے وفود بھی [illegible] چند ایک واقعات و قبائل تو غیر نظیر نہیں سمجھے جا سکتے ایک ایسی ہی مثال ایک ایسے بادیہ نشین کی ہے جنھوں نے رسول [illegible] اور دیگر صحابہ کرام [illegible] علیہم اجمعین کی موجودگی میں مسجد شریف کے ایک کونے میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کر دیا تھا اصحابہ کرام [illegible] علیہم اجمعین اس کی طرف لپکے تاکہ اس کو اس بے ادبی سے منع کریں مگر شفیع المذنبین اور رحمت للعالمین ﷺ نے ان کو منع فرما دیا [illegible] پیشاب کو فارغ ہو لینے دو جونہی وہ بدو صحابی فارغ ہوئے تو رسول رحمت ﷺ نے طہارت اور صفائی پر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس [illegible] پانی کا ڈول بہانے کا حکم فرما دیا (۴۲) صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا [تمھیں اس لیے

مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجد شریف کا طول ۷۰ ذراع اور عرض ۶۰ ذراع یا تھوڑا زیادہ رکھا تھا۔(۶۴) تمام مورخین کے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، جیسے کہ ابن نجار اور سمہودی وغیرہ نے بیان کی ہے۔(۶۵) البتہ غزوہ خیبر کے بعد جب مسجد شریف کی توسیع کی گئی تو اس کا رقبہ بڑھ کر ۱۰۰x۱۰۰ ذراع کر دیا گیا تھا۔

ابتداء میں مسجد نبوی شریف میں دروازوں کی تعداد

حضرت انس بن مالک کی روایت کے مطابق دیوار کی اطراف میں پتھروں سے بنے ستون کھڑے کیے گئے تھے۔(۶۶) ابتداء میں صرف تین دروازے ہوا کرتے تھے جو کہ شرقی، غربی اور جنوبی طرف میں ہوتے تھے تاہم قاری کو یہ فرق نہ رہنا چاہیے کہ ان دروازوں کے کوئی کواڑ ہوا کرتے تھے، دور رسالت مآب ﷺ میں مسجد شریف کے دروازے بالکل سادہ تھے اور ہمہ وقت کھلے رہتے تھے بعض احادیث مبارکہ سے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لوگ اپنی سواری (مثلاً اونٹنی وغیرہ) سمیت اندر آ جاتے تھے۔

شروع سے ہی شرقی جانب کے دروازے کو "باب النبی" کہا جاتا تھا کیونکہ حضور سرکار دو عالم اسی دروازے سے تشریف لایا اور لے جایا کرتے تھے اور اسی طرف ہی زیادہ تر اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھر بنے ہوئے تھے۔ چونکہ ابتداء ہی سے نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے جنازے بھی اسی جانب رکھے جاتے تھے، اسی نسبت سے بعض اوقات اسے "باب الجنائز" بھی کہا جاتا تھا پھر جب سیدنا عثمان بن عفان کا گھر بھی اسی جانب بن گیا تو اسے باب عثمان یا باب آل عثمان بھی کہا جاتا رہا لیکن اس کے بعد اسے ہمیشہ باب جبریل علیہ السلام کے نام سے جانا جاتا رہا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ اگر کوئی مسجد شریف کے اس دروازے سے باہر کی طرف جاتا تو سب سے پہلے اس کے دائیں جانب ساڑھے تین ذراع کا ایک چھوٹا سا پتھر آتا تھا جس کو "مقام جبریل" کہا جاتا تھا اسی کے ایک حصے پر مسجد شریف کی ایک دیوار بھی آ چکی تھی۔ غزوہ خندق سے فراغت پر رسول اللہ ﷺ اسی پتھر پر کھڑے تھے جب کہ جبریل امین علیہ السلام نے آ کر غزوہ بنی قریظہ کے لیے روانگی سے متعلق اللہ کا حکم پہنچایا تھا اور اسی نسبت سے اس دروازے کو باب جبریل کہا جانے لگا تھا۔

اس دروازے کے بالکل سامنے مغربی جانب بھی ایک دروازہ تھا جس کو باب الرحمۃ (رحمت کا دروازہ) کہا جاتا تھا۔ ابتداء میں جب جانب قبلہ بیت المقدس کی طرف (یعنی شمال میں یروشلم کی جانب) تھا تو رسول اللہ ﷺ کا مصلیٰ ان دو دروازوں کے درمیان ہوا کرتا تھا یعنی باب جبریل اور باب الرحمۃ کے درمیان۔ اور جو کوئی بھی باب الرحمۃ سے داخل ہوتا سیدھا رسول اللہ ﷺ کے مصلیٰ کے پاس آ جایا کرتا تھا۔ باب الرحمۃ کی وجہ تسمیہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی اسی دروازے سے داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جب کہ آپ حضور ﷺ مقام مصلیٰ پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ چونکہ ان دنوں مدینہ طیبہ شدید خشک سالی اور قحط کا شکار تھا اس لیے اس صحابی نے دربار رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا کہ حضور

مسجد نبوی شریف کے دروازے

یہ نقشہ 2005ء میں مسجد نبوی شریف کے مطابق ہے

بارانِ رحمت کے لیے دعا فرمائیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض گزار ہوئے یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مویشی قحط سے مرنے لگے ہیں اور راستے منقطع ہو چکے ہیں، آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک دعا کے لیے اٹھائے اور اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہوئے فرمایا اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم ہمیں آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آتا تھا اور نہ ہی کہیں کوئی نام و نشان تھا یہاں تک کہ ہمارے اور جبل سلع کے درمیان کوئی گھر یا عمارت بھی نہ تھی جو ہماری نظروں کے درمیان حائل ہو سکتی تھی) اتنے میں ایک ڈھال کی طرح بادل جبل سلع کی اوٹ سے نمودار ہوا جب یہ آسمان کے درمیان پر پہنچا تو پھیل گیا اور بارش شروع ہو گئی۔(۶۷) چونکہ اس صحابی نے مغربی دروازے سے مسجد شریف میں آ کر رسول اللہ ﷺ کی دعا مبارکہ پر باران رحمت کا نزول ہوا تھا، اسی نسبت سے اس دروازے کو باب الرحمۃ (یعنی رحمت کا دروازہ) کہا جانے لگا۔(۶۸)

اس حدیث مبارکہ کو غور سے پڑھنے سے دو نکات واضح ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس وقت مسجد نبوی شریف کی مغربی جانب مکانات نہیں تھے یا بہت ہی کم تھے جس سے اندر بیٹھے اصحاب کو جبل سلع تک ہر چیز واضح نظر آتی تھی اور دوسرے یہ کہ مسجد شریف کی اس وقت تک کوئی چھت نہ تھی کیونکہ مسجد میں بیٹھے حضرات کھلے آسمان کو دیکھ رہے تھے تاہم بعد میں آنے والے وقتوں میں اس طرف مکانات بننے شروع ہو گئے تھے اور باب الرحمۃ کے سامنے ایک گھر بن گیا ہوگا جو کہ مختلف اصحاب کی ملکیت میں رہا ہوگا، جن میں ابتدائی مراحل میں وہاں واقع مکان ایک بزرگ صحابیہ سیدہ عاتکہ بنت زید بن عمرو کی ملکیت میں بھی کچھ عرصہ رہا، جن کا تعلق قبیلہ عدی بن کعب سے تھا۔(۶۹) ان صاحب ثروت خاتون کا معاشرہ میں ایک خاص مقام تھا جس کی وجہ سے باب الرحمۃ کو بعد میں "باب عاتکہ" بھی کہا جانے لگا تھا، لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد سے دوبارہ باب الرحمۃ کہا جانے لگا اور آج تک یہ دروازہ اسی مبارک نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔(۷۰)

ابتداء میں ان دو دروازوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے آستانہ مبارکہ تک رسائی کے لیے حجرات مبارکہ کی طرف دو دروازے رکھے گئے تھے جہاں شہنشاہ دو عالم ﷺ اپنی زوجہ مطہرہ ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہؓ اور صاحبزادیوں کے ساتھ رونق افروز تھے۔ یہاں ماہ شوال ۲ ہجری تک رہے جب کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بنت ابو بکر کاشانہ نبوت میں تشریف لائیں لہٰذا ان کی نسبت سے حجرہ مبارکہ کے مدخل کو "باب عائشہ" کہا جانے لگا تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی شریف کے چاروں طرف مکانات تعمیر ہو گئے، خاص طور پر جنوبی اور مغربی جانب جن میں اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اقامت پذیر تھے اور قربت رسول مقبول علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم کے حصول کے لیے بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے گھروں کے دروازے بھی مسجد نبوی شریف کے اندر کی طرف رکھ لیے تھے جو کہ صرف ان کے ذاتی استعمال کے لیے تھے نہ کہ گزرگاہ عام تھے ایسے پرائیویٹ دروازوں کی صحیح تعداد تو بتائی نہیں جا سکتی لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ احد سے قبل پہلے رسول اللہ ﷺ نے حکم دے دیا تھا کہ ایسے ذاتی دروازے بند کر دیے جائیں سوائے دروازہ علی کرم اللہ وجہہ کے

تاریخ منبر نبوی شریف پر ایک جائزانہ نظر

(۱) یکم ہجری — رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے سب سے پہلی جگہ جہاں سرکار دو عالم ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے وہ موجودہ منبر شریف کی سیدھ میں باب جبریل اور باب الرحمہ کے درمیان واقع تھی۔ اس وقت قبلہ بیت المقدس ہوا کرتا اس لیے مصلّی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جائے خطبہ اسی طرف تھی

(۲) ۲ ہجری — تحویل قبلہ کے بعد مصلّی النبوی ﷺ اس مقام پر آ گیا جہاں آج کل ہے اس وقت تاجدار مدینہ ﷺ کھجور کے ایک تنے کے قریب کھڑے ہو کر وعظ فرماتے اور خطبہ ارشاد فرماتے اور کبھی کبھی اسی واقع کھجور کے تنے سے ٹیک لگا لیتے تھے جسے 'الحنانہ' کہا جاتا تھا کیونکہ جب لکڑی سے بنا منبر شریف بنا دیا گیا اور حضور پر نور ﷺ اس پر جلوہ افروز ہوئے تو فراقِ حبیب رب ذوالجلال ﷺ میں یہ کھجور کا تنا حاملہ اونٹنی کی طرح بلبلانے لگ گیا اسی سبب سے اس کا نام جذع الحنانہ پڑ گیا یہ اس جگہ پر تھا جہاں محراب النبی ﷺ کی پشت پر اب اسطوانہ مخلقہ ہے

(۳) ۸ ہجری — الغابہ کے جنگلات میں طرفہ کے درختوں سے لکڑی لا کر رسول اللہ ﷺ کے لیے چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تین زینوں والا منبر شریف تیار کیا اور بروز جمعہ سرور کائنات اور سید المخلوقات ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے اور پھر تمام حیات طیبہ میں اس منبر شریف پر جلوہ افروز ہوتے رہے۔ یہی منبر شریف خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زیر استعمال رہا خلیفہ راشد ثالث سیدنا عثمان بن عفانؓ نے سب سے پہلے اس پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا اور یوں تبرکات نبوی شریف پر تزئین کے لیے غلاف چڑھانے کی ابتداء خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ اس کے بعد اس پر غلاف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ڈلوایا تھا

(۴) ۵۰-۵۱ ہجری — مروان بن الحکم نے منبر شریف کو دمشق منتقل کرنے کی سعی ناکام کی پھر اس کی مرمت کروائی اور اس میں چھ زینوں کا اضافہ کر کے اس کی بلندی میں اضافہ کر دیا۔ مسعودی (ت ۳۴۶ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ۵۰ ہجری میں حج کیا اور حکم دیا کہ منبر شریف کو دمشق منتقل کر دیا جائے جب اسے مسجد نبوی شریف سے ہٹانے کی کوشش کی گئی تو سورج کو مکمل گرہن لگ گیا جس سے مدینہ طیبہ میں گھپ اندھیرا چھا گیا اور دن کے وقت تارے نظر آنے لگ گئے یہ دیکھ کر مروان نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور اس کی مرمت کروانے میں ہی عافیت سمجھی اس وقت انہوں نے اس میں مزید چھ زینوں کا اضافہ کر کے اس کی بلندی بڑھا دی (۱۲)

یہ کب ہوا اس کا تعین بہت مشکل ہے کچھ مورخین کی رائے ہے کہ مروان نے ایسا اس وقت کیا ہو گا جب کہ وہ دوسری بار مدینہ طیبہ کا گورنر رہا (یعنی ۵۴-۵۹ ہجری کے دوران) کیونکہ اس وقت تک حضرت معاویہؓ کو حجاز پر مکمل کنٹرول حاصل ہو چکا تھا تاہم مسعودی کی طرح ابن اثیر کی رائے ہے کہ ایسا ۵۰ ہجری میں ہوا تھا اور یہی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے

(۵) ۱۶۱ ہجری — خلیفہ مہدی عباسی نے خواہش ظاہر کی کہ مروان نے جو منبر شریف میں اضافہ کر دیا تھا اسے ہٹا دیا جائے اور اسے مزین کر دیا جائے جب امام مالک بن انسؒ سے رائے لی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ اصلی منبر شریف کی لکڑی بہت پرانی ہو چکی ہے اور نئے سرے سے کیل لگانے کی متحمل نہیں ہو سکتی (طبری ۸-۱۴۳)

(۶) ۶۹۸ ہجری — وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منبر شریف کے پائے شکست و ریخت کا شکار ہونے لگ گئے اور تین میں سے دو لکڑی کے ٹکڑے جنہیں ایک دوسرے سے مضبوطی سے جوڑا گیا تھا بوسیدہ ہو گئے۔ سید ابو القاسم حسن نے جو اس وقت مدینہ طیبہ کا عباسی گورنر تھا اس کی مرمت کروائی

(۷) ۵۸۰ ہجری — ابن جبیر مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور اپنی تحریر یادداشتوں کے مجموعے میں لکھتے ہیں
"منبر شریف ایک قد آدم کی بلندی کا حامل ہے۔ یہ پانچ بالشت چوڑا ہے اور پانچ ذراع اونچا ہے اور اس کی آٹھ زینے ہیں اس کا دروازہ جالی دار ہے جو سوار تھے چار بالشت عریض ہے سوائے جمعہ المبارک کے دن کے دنوں میں یہ مقفل رہتا ہے منبر مبارک کے اوپر سے آبنوس کی لکڑی کی وجہ سے اس طرح سے ڈھانپ دیا گیا ہے کہ وہ کرسی مبارکہ یعنی وہ مقام جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوا کرتے تھے وہ نظر تو آ سکتی ہے مگر کوئی اس مقام پر بیٹھنے کی گستاخی نہیں کر سکتا اور لوگ اپنی فرط عقیدت سے جو آبنوس کی لکڑی اور اس کرسی مبارکہ کے درمیان رکھا گیا ہے حصول برکت کے لیے اس کو اپنے ہاتھوں سے استلام کرتے ہیں منبر شریف کی چوٹی پر جہاں امام صاحب اپنا ہاتھ رکھتے ہیں ایک خالی چاندی کا حلقہ سا بنا ہوا ہے جیسے کہ درزی کپڑا سیتے وقت اپنی انگلی پر چڑھا لیتے ہیں یہ اسی طرح کا ہے مگر سائز میں کافی بڑا اور کھلا ہے اور اس جگہ پر ہے جہاں امام صاحب اپنا ہاتھ رکھتے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ جب رسول مقبول ﷺ وہاں تشریف فرما ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو حسنین کریمین اس کے ساتھ کھلونے کی طرح کھیلا کرتے تھے۔" (۱۲۲)

ابن جبیر کی مہیا کی ہوئی تفصیل ہی آخری اور حتمی سمجھی جاتی ہیں کیونکہ اس کے کچھ عرصہ بعد منبر شریف آگ لگنے سے جل کر تباہ ہو گیا تھا اور دیگر کسی مورخ یا زائر نے اپنے سفرنامے میں کبھی اتنی تفصیل نہیں دی

(۸) ۶۵۴ ہجری — مسجد نبوی شریف میں اچانک موم بتیوں کے سٹور سے آگ بھڑک اٹھی جس سے نہ صرف مسجد شریف کا بہت سا حصہ تباہ ہو گیا بلکہ منبر رسول ﷺ کو بھی جلا کر خاکستر کر دیا تاتاریوں نے عباسیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی لہٰذا وہ فوری طور پر منبر شریف کا انتظام نہ کر سکے دو سال تک اہل مدینہ نے عارضی انتظام کے تحت خطبہ کا بندوبست کیے رکھا۔

(۹) ۶۵۶ ہجری — یمن کے بادشاہ شمس الدین المظفر نے لکڑی سے بنا ایک خوبصورت منبر بنوا کر ارسال کیا اس کی کرسی کے ہاتھ رکھنے والے حصے صندل کی لکڑی کے تھے یہ یمن میں بنایا گیا تھا لہٰذا اس کو مدینہ طیبہ منتقل کرنے کے لیے خصوصی انتظامات کرنے پڑے تھے

(۱۰) ۶۶۶ ہجری — مصر کے بادشاہ رکن الدین بیبرس بندقداری نے ایک نیا منبر بنوا کر ارسال کیا بشمول کرسی اس کے سات زینے ہوا کرتے تھے اور ایک خوبصورت لکڑی کا دروازہ تھا جس کے ہینڈل چاندی کے تھے

(۱۱) ۷۹۷ ہجری — مصر کے سلطان برقوق نے ایک نیا منبر بنوا کر بھیجا تاکہ پرانا منبر جو کہ بقول مطری دیمک زدہ ہو چکا تھا بدل دیا جائے

(۱۲) ۸۲۲ ہجری — مصر کے المعید نے ایک اور منبر بنوا کر بھیجا یہ شام میں تیار ہوا تھا اور وہاں سے خصوصی محملوں کے ذریعے سے مدینہ طیبہ لایا گیا تھا

(۱۳) ۸۸۶ ہجری — معید کا بھیجا ہوا منبر اس حادثاتی آگ کی نذر ہو گیا جو کہ بجلی گرنے کے سبب مسجد نبوی شریف میں بھڑک اٹھی تھی۔

(۱۴) ۸۸۶ ہجری — اہل مدینہ نے پکی اینٹوں سے ایک منبر بنا کر اس مقام پر نصب کروایا جو صرف دو سال تک زیر استعمال رہا۔

(۱۵) ۸۸۸ ہجری — مصر کے سلطان قیتبائی نے سفید سنگ مرمر سے بنا عالیشان منبر بنوا کر بھیجا یہ تقریباً سو سال تک زیر استعمال رہا یہ منبر

پہنچ تشریف لے آئے اور اپنے دست مبارک اس پر رکھ دیئے۔ (۲۹)

کھجور کے اس سوکھے تنے کے چیخنے اور چلانے کی روایات کئی ثقہ اور متواتر ہیں کیونکہ انہیں کم و بیش بارہ جلیل القدر اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مختلف راویان کرام کے ذریعے سے روایت کیا ہے۔ اس واقعہ کے راویوں میں جن جلیل القدر اصحاب کرام کا نام آتا ہے ان میں حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ اور حضرت بریدہؓ شامل ہیں۔ سید سمہودیؒ نے ان تمام روایات کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ مشہور علمائے کرام اور قدیم مورخین مدینہ طیبہ کی آراء بھی نقل کی ہیں اور بالصراحت لکھا ہے کہ اس معاملے میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی اختلاف ہے تو وہ اس بات میں ہے کہ بعض روایات میں ترکھان (نجار) کا نام دوسری سے مختلف ہے۔ مصادر رئیسی پر انحصار کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ اس کا نام باقوم یا باقول ہے جیسے کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے، یا صباح یا کلاب (یہ دو حضرت عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے) یا پھر میناء ہو سکتا ہے جو کہ ایک انصاری خاتون کے غلام تھے۔ (۳۱) اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ کے آٹھویں سال میں ہوا تھا یعنی فتح خیبر کے بعد۔

قاضی عیاضؒ نے بھی ایک حدیث مبارکہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ اور حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ رونما ہو جانے کے بعد اس تنے کو منبر شریف کے نیچے دفن کر دیا گیا تھا یا یہ کہ اسے چھت میں شہتیر کے ساتھ ڈال دیا گیا تھا۔ حضرت ابی بن کعبؓ کے مطابق، جب مسجد مصطفوی کو حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں تعمیر نو کی خاطر گرایا گیا تو وہ اس کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے اور یہ ان کے پاس اس وقت تک رہا جب تک کہ وہ سارا (یا اس کا کچھ حصہ) دیمک کی نذر نہ ہو گیا اور پھر انہوں نے اسے مسجد نبوی میں لوٹا دیا۔ (۱۳۲) اس کے علاوہ اور روایات بھی ہیں جو اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی تلاش شروع کی تو حضرت ابی بن کعبؓ جو اس وقت قباء میں مقیم تھے اس کو واپس لے آئے۔

ابن جبیر جنہوں نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں "روضہ (الجنۃ) میں لوگوں کا نماز کے لیے تانتا بندھا رہتا ہے (اور یہ ہونا بھی چاہئے) اس کے ساتھ ہی جنوب کی جانب ایک ستون ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں اس تنے کو ڈال دیا گیا تھا جس پر رسول مقبول ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے اس کا ایک ٹکڑا آج بھی نظر آتا ہے اور لوگ اس کے بوسے لیتے ہیں تاکہ اس کو چھو کر اور اپنے چہروں کو مل کر برکت حاصل کریں"۔ (۳۳)

ابن جبیر کی زیارت مدینہ طیبہ کے تقریباً ایک صدی بعد ایک دوسرا مشہور عالمی سیاح ابن بطوطہ جب مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہے تو وہ بھی یہ لکھتا ہے

"پھر ہم نے اس منور روضہ (ریاض الجنۃ) میں نماز ادا کی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ اور منبر کے درمیان واقع ہے اور بہت ہی ادب و احترام سے لکڑی کے اس ٹکڑے کو چوما جو کہ اس کھجور کے تنے کی باقیات میں سے ہے جس پر رسول اللہ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے"۔ (۳۴)

وہ مزید لکھتا ہے

"اس سفر مدینہ طیبہ کے دوران ہمارا وہاں قیام چار دن رہا۔ ہم ہر رات اس عظیم المرتبت مسجد میں گزارتے جہاں لوگ حلقہ در حلقہ قندیلوں کی روشنی میں اپنا زیادہ تر وقت اپنے سامنے مصاحف کو رکھ کر قرآن خوانی میں گزارتے ہیں اور یا پھر حجرہ مطہرہ کے متبرک مقامات کی زیارت کرتے ہیں"۔ (۱۳۵)

یاد رہے کہ ابن بطوطہ کا سفر حج نومبر ۱۳۲۶ء میں آج سے تقریباً سات صدیاں پہلے ہوا تھا (نوٹ: توپکاپی میوزیم میں موجود لکڑی کے ٹکڑے کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ وہی ہے جو کہ مجاصل حرم النبوی شریف میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب)

مسجد نبوی شریف میں روشنی کے انتظامات

جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی حدیث مبارکہ [ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوا کرتے تھے] (۱۳۶) سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاشانہ مبارک رسالت مآب ﷺ میں ابتدائی سالوں میں بنیادی مصنوعی روشنی کا بندوبست نہ تھا۔ جہاں تک مسجد مصطفوی کا تعلق ہے تو اس میں، رات کے کچھ حصے کے لیے، اس میں گھاس پھوس اور لکڑیوں کے الاؤ سے روشنی کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ ۹ ہجری تک حالات اسی طرح رہے جب حضرت تمیم الداریؓ نے جن کا تعلق فلسطین سے تھا اسلام قبول کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے تیل سے جلنے والے چراغوں کو کھجور کے تنوں (مسجد شریف کے ستونوں) کے ساتھ لٹکانے کا بندوبست کیا۔ ابو نعیم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ [مسجد شریف میں روشنی کا بندوبست کرنے والے سب سے پہلے صحابی حضرت تمیم الداریؓ تھے] (۱۳۷) اس کی تفصیل ایک اور حدیث مبارکہ سے بھی ملتی ہے جسے حضرت سراجؓ نے روایت کیا ہے جو کہ حضرت تمیم الداریؓ کے خادم تھے [ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہم کل پانچ تھے۔ اور حضرت تمیم الداریؓ کے غلام تھے جنہوں نے مجھے مسجد شریف میں روشنی کرنے کا حکم دیا تھا جو کہ ہم نے تیل کا چراغ جلا کر کر دی۔ اس سے پہلے کھجور کے سوکھے ہوئے حصے (پتے اور ٹہنیاں وغیرہ) اس کام کے لیے جلائے جاتے تھے تب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور

فرمایا: کون ہے جس نے ہماری مسجد کو روشن کردیا ہے؟ حضرت تمیم داری نے عرض کیا [میرے اس غلام نے] رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا: اس کا نام کیا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا "فتح"۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [نہیں] اس کا نام سراج (روشن چراغ) ہے۔ (۱۳۸) سرکار دو عالم رسول اللہ ﷺ اس پر بے حد خوش ہوئے کہ فرمایا [تو نے ہماری مسجد روشن کیا ہے اللہ کریم تیری زندگی روشن کرے۔]

حضرت ابی سعد سے مروی ہے [حضرت تمیم داری شام سے شہری چراغ مدینہ طیبہ لے کر آئے جن میں تیل تھا وہ جمعہ کی رات مدینہ طیبہ پہنچے اور آتے ہی انہوں نے اپنے غلام ابو سرار کو مسجد شریف میں وہ چراغ آویزاں کرنے کا حکم دیا ان میں تیل اور پانی ڈالا گیا تھا جب سورج غروب ہوا تو انہوں نے ابو سرار کو ان کو روشن کرنے کا فرمایا جب رسول اللہ ﷺ مسجد شریف میں تشریف لائے تو آپ حضور ﷺ نے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور استفسار فرمایا [ایسا کس نے کیا ہے؟] آپ حضور ﷺ کو عرض کیا گیا "یہ تمیم الداری نے کیا ہے" آپ نے فرط انبساط میں فرمایا [انہوں نے اسلام اور اس کی مسجد کو روشن کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت کو روشن کرے۔](۳۹)

مسجد نبوی شریف میں روشنی کا انتظام یوں ہی چلتا رہا اور تیل کے دیے جلتے رہے جب سیدنا عمر ابن الخطاب کا دور آیا انہوں نے ان چراغوں کی تعداد میں اضافہ کردیا یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے رمضان کریم میں تراویح کی نماز باجماعت کروانی ہو (۱۴۰) ابن زبالہ کے مطابق ان چراغوں کے لیے تیل شام سے آیا کرتا تھا ان کے دور میں یعنی دوسری صدی کے آخر میں ان قندیلوں کی تعداد بڑھ کر ۲۹۰ ہوگئی تھی تاہم جب عباسیوں کی طرف سے جعفر بن منصور مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے شام سے تیل درآمد کروانا بند کردیا اور قندیلوں سے روشنی کا بندوبست کرنے کے لیے ایک مستقل اہل کار مقرر کردیا جس کو ہر ماہ بیت المال سے ۳ دینار مشاہرہ ملتا تھا ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں (چھٹی صدی ہجری میں) تیل مصر سے آتا تھا اور سید سمہودی کا بیان ہے کہ دسویں صدی میں بھی تیل مصر اور شام سے درآمد ہوا کرتا تھا درآمد کے علاوہ تیل کا بندوبست مقامی لوگ بھی کیا کرتے تھے اور مسجد شریف میں ایک طرف تیل جمع کرنے کے لیے خزان کا بندوبست تھا جسے قبۃ الزیت کہا جاتا تھا یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قندیلوں اور چراغوں کا فائدہ تو اپنی جگہ ہے مگر پہلی بار جب مسجد نبوی شریف آگ کی لپیٹ میں آئی تو اس کی وجہ قندیلوں کے ستور میں چاتک آگ کا بھڑک اٹھنا تھا جو کہ ستور کے غلاف سے بروقت بجھائی نہ جاسکی اور پھر پھیلتے پھیلتے یہ آگ اتنی بے قابو ہوگئی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ خوبصورت مسجد تباہ ہو کر رہ گئی اور یوں صدیوں کا اثاثہ جل کر خاکستر ہوگیا تھا۔(۱۴۱)

قندیلوں اور چراغوں کے ذریعے روشنی کا بندوبست تیرہ صدیوں تک جاری رہا سلطان عبدالحمید دوم کے دور میں ۱۳۲۶ ہجری میں جب مدینہ طیبہ میں ریلوے سٹیشن کا افتتاح ہوا تو اسی تاریخ سے بجلی کا پہلا بلب بھی مسجد نبوی شریف میں جگمگانے لگا پھر اس کے بعد ایک مغربی مخیر شخص الحاج لشادی لحرازی نے بجلی کا ایک جنریٹر نصب کروادیا جو ۱۳۵۳ ہجری تک کاشانہ مصطفوی میں روشنی بکھیرتا رہا اس کے بعد مسجد نبوی شریف میں پاور سٹیشن کے ذریعے سے بجلی کی سپلائی شروع ہوگئی جو کہ باقی شہر کو بھی بجلی فراہم کرتی تھی (۱۴۲) اب اس بقاع مبارکہ کو بجلی کی سپلائی مین گرڈ سٹیشن سے ہوتی ہے جو کہ حرم پاک کے سب سٹیشن کے ذریعے مسجد شریف کے کونے کونے کو منور کر رہی ہے

سیدنا عمر فاروق کے دور خلافت میں مسجد نبوی شریف کی توسیع

حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں مسجد شریف کچی اینٹوں سے بنی تھی جس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور چوب سے بنی تھی اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے سیدنا ابوبکر صدیق نے اس کو اسی حال میں رہنے دیا اور اس میں کوئی توسیع یا تبدیلی نہ کروائی حضرت عمر فاروق نے اس کی تعمیر نو اور توسیع تو کروائی مگر اس کی ہیئت اور طرز تعمیر میں کوئی تبدیلی نہیں کی انہوں نے بھی اسی طرح کے طرز تعمیر سے نوازا چھت بھی اسی طرح کھجور کے تنوں کی رہی انہوں نے صرف ستون تبدیل کئے تھے اور پھر سیدنا عثمان ابن عفان نے اس میں تبدیلیاں کیں اور اس کی کافی توسیع بھی کروائی انہوں نے دیواریں پتھر کی بنوائیں جن پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور ستونوں کے لیے چونے کا استعمال کیا گیا تھا چھت میں شیشم کی لکڑی استعمال ہوئی تھی](۴۳) سیدنا عمر فاروق نے ۱۷ ہجری میں مسجد کی تعمیر کو اپنی زیر نگرانی مکمل کروایا توسیع کے بعد مسجد کا رقبہ ۱۰۰x۱۰۰ ذراع سے بڑھ کر ۱۴۰x۱۲۰ ذراع ہوگیا تھا (۱۴۴)

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق کے دور میں بھی مسجد نبوی شریف وہی رہی تھی جو کہ عہد مصطفوی میں تھی تاہم خلیفہ راشد ثانی سیدنا عمر فاروق نے تعمیر نو کے ساتھ اس میں کافی توسیع ہوگئی تھی

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے "حضرت عمر بن الخطاب نے حکم دیا کہ مسجد شریف کی تعمیر نو کی جائے اور فرمایا [لوگوں کو بارش سے بچاؤ کا بندوبست کیا جائے تاہم سرخ اور سفید تزئین سے اجتناب کیا جائے کیونکہ یہی تزئین انسان کو مقصد سے دوچار کر دیتی ہے]" (۴۵) حضرت عمر فاروق نے بھی کفایت شعاری سے کام لیا اور مسجد شریف کو اسی طرز پر استوار کیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں ہوا کرتی تھی مسجد کی توسیع کے وقت انہیں اس سے ملحقہ مکانات حاصل کرنے پڑے جو کہ تمام جنوب اور مغربی جوانب تھے یہ کام خاصا مشکل تھا مکین نے تو رضا و رغبت اپنی زمینیں مسجد شریف کو ہبہ کردیں مگر کچھ کے لیے سیدنا عمر فاروقؓ کو ان کی تفہیم و عملی ترغیب کا طریقہ کار اختیار کرنا پڑا اس طرح آپ کو کچھ زمین خرید کر مسجد شریف میں شامل کرنی پڑی جب آپ نے مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہا تو مسجد نبوی شریف میں برسر منبر ایک خطبہ دیا جس میں تین متبادل طریقہ ہائے کار کی نشاندہی فرمائی ۔

(۱) مالک مکان اگر چاہے تو وہ اپنی مملوکہ جائیداد کو جس بھاؤ پر چاہے بیچ سکتا ہے اس کے لیے بیت المال سے اس کو ادائیگی کردی جائے گی

(۲) مالک مکان اپنا مملوکہ مکان مسجد شریف کے لیے وقف کردے اس کے عوض ریاست اس کو مدینہ طیبہ کے کسی دوسرے علاقے میں اس کی پسند کی زمین خرید کردے گی

(۳) مالک مکان اپنی رضا و رغبت سے مسجد شریف کو اپنی جائیداد ہبہ کرسکتا ہے جس کا اجر اس کو اللہ تعالیٰ دے گا

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ عم رسول اللہ ﷺ نے جن کا گھر مسجد شریف کے ساتھ جنوب مغربی طرف متصل تھا اصرار کیا کہ وہ یہ مکان اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے ہیں دلیل کے طور پر وہ یہ کہتے تھے کہ ان کا گھر نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تعمیر ہوا بلکہ اس کی خشت اول بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ہی رکھی تھی دونوں میں اس معاملے میں کافی بحث و تمحیص ہوتی رہی مسئلہ یہ تھا کہ حضرت

نے حضرت عمرؓ کو بھی کسی سے منظوری لینے دیتا تھا؟" تو اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "بہتر ہے کہ تم خاموش رہو یہ تو صرف حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت تھی جو یہ کر سکتے تھے میری تو جرأت نہیں تھی کہ ان کے آگے زبان کھول سکوں مبادا کہ وہ ناراض نہ ہو جائیں ان کی جلالت کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ کسی کو حکم کر دیتے کہ کسی صحرا کی ریت کی تہ میں گھس جاؤ، تو بھی ایسا شخص ان کی حکم عدولی نہ کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا: "میں اپنے گھر والوں پر مسلط رہنا نہیں چاہتا، میں تو جو کام بھی کروں گا ان کی مرضی سے کروں گا۔" (۱۷۰)

پھر جب آپ نے اپنے منصوبے کے متعلق تمام اہل الرائے اصحاب و عمائدین سے مشورہ کیا تو مسجد شریف کی تین جانب وسیع کرنے کے لیے ارد گرد زمین حاصل کی گئی۔ چونکہ آپ نے عوضانے کے طور پر ان صحابہ کو کافی رقم بھی پیش کی تھی مگر پھر بھی چند اپنے مکانات دینے کے حق میں نہ تھے اور یوں بحث مباحثے کا سلسلہ طویل ہوتا گیا و تقریباً چار سال گزر گئے مگر کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ حضرت عبید اللہ خولانی سے مروی ہے "جب لوگ اپنے مکانات دینے سے پس و پیش کر رہے تھے اور دلائل طوالت پکڑتے جا رہے تھے تو میں نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کو کہتے ہوئے سنا، تم لوگ بہت باتیں کر چکے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مسجد کی تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کرے گا۔" (۱۷۱) اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت ... کی روایت ہے کہ "جب مسجد شریف کی تعمیر نو کا وقت آیا تو سیدنا عثمانؓ لوگوں کی آراء کو خندہ پیشانی سے سنتے رہے جو کہ کثرت سے اس کی مخالفت میں ہوتی تھیں اس پر انہوں نے فرمایا "تم لوگ مجھ سے اختلاف کیوں کرتے ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مسجد کی تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کرے گا۔" (۱۷۲)

اسی طرح حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے "جب سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مسجد کی تعمیر نو کا ارادہ کیا تو لوگوں کو ان کا منصوبہ ناپسند تھا ان کا اصرار تھا کہ مسجد شریف کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارکہ میں تھی۔ اس پر آپ نے فرمایا "جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مسجد تعمیر کرے گا، اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کروائے گا۔" (۱۷۳) تاہم اگر اس بحث و تمحیص کے پس منظر کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کا اصرار صرف اس بات پر تھا کہ مسجد شریف کو اسی سادگی اور طرز تعمیر میں رہنے دیا جائے جیسی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں تھی حتیٰ کہ سیدنا عمر فاروقؓ نے بھی اس کی تعمیر نو اور توسیع کرتے وقت اس کی سادگی اور طرز تعمیر میں تبدیلی نہیں کی تھی حالانکہ انہوں نے بھی مغربی و شمالی سمت مکانات خرید کر اس میں شامل کیے تھے۔ (۱۷۴)

جب حضرت عثمانؓ کچھ حد تک لوگوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو آپ نے ماہ ربیع الاول ۲۹ ہجری (نومبر ۶۴۹ء) میں کام کی ابتداء کروا دی۔ تعمیر نو کے کام میں دس ماہ صرف ہوئے اور یوں یکم محرم ۳۰ ہجری کو مسجد نبوی شریف بن کر تیار ہو گئی۔ آپ بنفس نفیس اس کی نگرانی فرماتے، دن کے وقت ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات کے وقت اگر نیند مجبور کرتی تو مسجد شریف میں ہی ستا لیا کرتے تھے۔ (۱۷۵) آپ نے مسجد شریف کو جنوب میں قبلہ کی جانب وسعت دی اور اس کی قبلہ کی دیوار کو اس جگہ تک لے آئے جہاں کہ آج تک ہے شمالی جانب میں ۵۰ ذراع کا اضافہ کیا گیا اور کچھ توسیع مغربی جانب بھی کروائی البتہ شرقی جانب (جہاں حجرات مبارکہ تھے) کوئی توسیع نہیں کی گئی۔ اس کے ہو جانے پر مسجد شریف کا کل رقبہ ۱۶۰x۱۵۰ ذراع ہو گیا۔ (۱۷۶) اس طرح مسجد شریف کے رقبے میں کل ۴۹۶ مربع میٹر کا اضافہ ہوا۔ (۱۷۷) آپ کے دور مبارکہ میں مسجد کے دروازوں کی تعداد چھ تھی یعنی باب النبی ﷺ (موجودہ نام باب جبریل)، باب رحمہ، اور اس کے ساتھ طرف ایک اور دروازہ بنوایا گیا (باب مروان) اور دو دروازے مسجد شریف کی عقبی جانب شمال میں رکھوائے گئے تھے۔ (۱۷۸) پہلی مرتبہ مسجد شریف میں پتھروں پر نقش و نگار بنوائے گئے اور اس میں سفیدی کروائی گئی حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؓ کے بیان کے مطابق سیدنا عثمان بن عفان نے مسجد شریف کی شرقی اور غربی جانب کی دیواروں میں روشن دان رکھوائے تھے۔ (۱۷۹) مسجد شریف کی توسیع کے لیے سیدنا عثمان

موجود مکانات بیچنے پڑے، ان میں ام المومنین سیدہ حفصہؓ کا حجرہ مبارکہ بھی شامل تھا جن کو اس کا متبادل مکان دیوار قبلہ سے متصل جنوب شرقی جانب دیا گیا تھا اور ایک خوخہ کے ذریعے ان کی آمد و رفت حجرہ مطہرہ تک ممکن اور آسان بنا دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ورثاء سے ان کے مکان کا نصف حصہ ایک لاکھ درہم کے عوض خرید لیا گیا تھا اور اسی طرح دار العباسؓ کا کچھ حصہ بھی خرید کر مسجد شریف میں شامل کیا گیا تھا۔

دیوار قبلہ کو جنوبی جانب لے جانے کے علاوہ سب سے نمایاں فرق جو کہ مسجد مصطفوی میں ہوا وہ یہ تھا کہ محراب مصطفوی کی جگہ، محراب کی مقدار بھی اس کی سیدھ میں تھوڑی آگے لے جانا پڑا جہاں تک دیوار قبلہ لے جائی گئی تھی جو عین اسی جگہ پر تھی جہاں آج کل ہم محراب عثمانی دیکھتے ہیں، وہاں علامتی محراب بھی بنوائی گئی تھی۔ (۱۸۰) مٹی کے گارے کی جگہ انہوں نے پیسے ہوئے پتھر استعمال کروایا اور پتھر سے بنے ستونوں میں سیسے کی تاریں ڈلوائی گئیں، اس بات کا خاص اہتمام رکھا گیا کہ نئے ستون انہیں ستونوں کی جگہ استوار کیے جائیں جہاں رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں کھجور کے تنے سے بنے ستون ہوا کرتے تھے تعمیر میں جو مواد اور طرز تعمیر استعمال ہوا وہ اسی طرح کا تھا جیسا کہ بیت المقدس میں گنبد صخرہ کی تعمیر میں بازنطینیوں نے استعمال کیا تھا۔ (۱۸۱) چھت شیشم کی لکڑی سے بنائی گئی تھی جو کہ لکڑی کے شہتیروں پر رکھی گئی تھی جو سیسہ پلائے پتھروں (حجر منقوش) کے ستونوں پر استوار تھے۔ (۱۸۲)

چونکہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کے پیش رو سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت محراب النبوی شریف میں نماز کی امامت کرواتے ہوئے ہوئی تھی، اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ آئندہ کوئی ایسا حادثہ رونما نہ ہو سیدنا عثمان بن عفانؓ نے محراب کے مقام پر ایک مقصورہ تعمیر کروایا جو کہ مٹی کی اینٹوں سے بنا تھا اور اس میں جھروکے اور روزن رکھے گئے تھے تاکہ مقتدی اپنے امام کو دیکھ سکیں۔ (۱۸۳) یہ پہلا حفاظتی طریقہ تھا جو کہ مسجد نبوی شریف میں تعمیر ہوا جو کہ بعد میں دمشق میں خلفائے بنو امیہ کے حفاظتی پروٹوکول کا باقاعدہ حصہ بن گیا۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ کے علاوہ کسی بھی خلیفہ راشد نے کبھی اپنے لیے ایسا حفاظتی حصار بنانے کا کبھی نہیں سوچا تھا اس کے علاوہ مزید حفاظت کے طور پر ایک محافظ کا تقرر بھی کیا گیا جس کو دو درہم ماہانہ مشاہرہ ملتا تھا۔ یہ کچی مٹی سے بنا ہوا مقصورہ اس وقت تک رہا جب تک مروان بن الحکم نے اس کی جگہ منقش پتھروں کا مقصورہ کھڑا نہیں کیا۔ پہلے مقصورے اور مروان بن الحکم کے بنوائے ہوئے مقصورے میں دوسرا واضح فرق یہ بھی تھا کہ اسے اونچے چبوترے پر استوار کیا گیا تھا۔ پھر بعد میں جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے مسجد شریف کی تعمیر نو کروائی تو اس پتھر کے مقصورے کی جگہ لکڑی کا بنا ہوا مقصورہ نصب کروا دیا گیا۔ (۱۸۴) جیسا کہ ابن زبالہ کا بیان ہے، مقصورہ کی بنیادیں مسجد شریف کے صحن کی سطح سے تقریباً ۲ ذراع بلند تھیں۔ اس کا یہ ارتفاع عباسی دور تک قائم رہا جب مسجد شریف کی تعمیر نو کروائی گئی۔ (۱۸۵) یہ حفاظتی مقصورہ ۶۵۴ ہجری تک موجود رہا جب کہ یہ اس آتشزدگی کا شکار ہو گیا جس نے مسجد نبوی شریف میں تباہی مچا دی تھی۔

مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو اور توسیع کے علاوہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن پاک کو مصحف شریف کی شکل میں یکجا کرنا تھا۔ گو کہ قرآن کریم کو کتابی شکل میں سب سے پہلے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے دور مبارکہ میں جمع کر دیا گیا تھا جو پہلے تو ان کی تولیت میں رہا پھر بعد میں سیدنا عمر فاروقؓ کے پاس رہا اور اس کے بعد ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے پاس رکھوا دیا گیا تھا جہاں سے کوئی بھی ضرورت مند اس سے استفادہ کر سکتا تھا مگر پھر بھی یہ عام آدمی خاص طور پر مدینہ طیبہ کے باہر والوں کے لیے بآسانی دستیاب نہیں تھا لہذا سیدنا عثمان بن عفانؓ نے ایک کمیٹی تشکیل دی (جو کہ حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبد الرحمن بن حارثؓ پر مشتمل تھی) جس نے محنت شاقہ سے اس کام کو انجام دیا۔ (۱۸۶) انہوں نے قرآن کریم کے چھ نسخے تیار کروائے جن میں سے پانچ تو امصار یعنی صوبوں کے صدر مقاموں (بصرہ، کوفہ، شام، مصر اور مکہ) کو ارسال کروائے گئے اور ایک نسخہ مسجد نبوی شریف میں رسول اللہ ﷺ کے منبر شریف کے پاس رکھوا

دیا گیا جہاں وہ عوام کی دسترس میں تھا۔ یہی نسخہ سیدنا عثمانؓ کے زیر استعمال بھی رہا اور جب ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا تو وہ مصحف ان کے زیر استعمال تھا اور بوقت شہادت وہ اسی سے تلاوت کلام مجید کر رہے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد وہ نسخہ مسجد نبوی شریف میں منبر شریف کے پاس رکھوا دیا گیا تھا تاہم بعد میں جب حجاج بن یوسف نے مصحف شریف کے ایسے نسخے تیار کروائے جن پر اعراب لگوا دیئے گئے تھے تو ان میں سے ایک نسخہ مدینہ طیبہ بھی روانہ کیا جس نے مصحف عثمانی کی جگہ لے لی جسے حامد بن عمرو بن عثمان اٹھا کر اپنے پاس لے گئے۔ جب عنان خلافت عباسیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تو انہوں نے حجاج بن یوسف کا نسخہ اٹھوا دیا اور مصحف عثمانی دوبارہ منبر شریف کے پاس رکھوا دیا۔ (۱۸۷)

بنو امیہ کے دور میں مسجد مصطفوی کی دیکھ بھال

حضرت معاویہؓ کے دور میں سوائے معمولی مرمت کے مسجد نبوی شریف پر زیادہ کام نہیں ہوا۔ مسجد شریف کے اردگرد تمام سڑکیں اور گلیاں مدینہ طیبہ کی دوسری گلیوں کی طرح کچی ہوا کرتی تھیں جس کی وجہ سے بعض اوقات بارشوں کے موسم میں مسجد شریف تک پہنچنے میں کافی دشواری کا سامنا ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ مروان کا باپ حکم جو کافی بوڑھا ہو چکا تھا رات کے وقت کیچڑ میں پھسل گیا جس کی وجہ سے مروان نے مسجد شریف کے اردگرد تمام گلیوں میں ٹائلیں لگوا کر پختہ کروا دیا۔ پانی کے نکاس کے لئے نالیوں کا بندوبست کیا گیا۔ یہ ٹائلوں کا فرش مسجد شریف کے چاروں طرف لگوا دیا گیا تھا جو مشرق میں بقیع غرقد تک اور مغرب میں مسجد الغمامہ تک اور شمال میں حش ابو طلحہ (مرحاء) تک چلا گیا تو پانی کی نالیاں مختلف مقامات سے اکٹھی ہو کر شمال مغرب میں وادی کے علاقے کی طرف نکل کر اس وقت کے مدینہ طیبہ کے مضافات میں جاتی تھیں جو سقیفہ بنی ساعدہ کی مغرب کی جانب پر تھا۔ (۱۸۸)

ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد نبوی شریف کی دیکھ بھال

محمد بن جعفر بن وردان (وردانؒ جنہیں ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد شریف کی تعمیر میں بطور معمار اور نگران شرکت کا شرف حاصل تھا) سے روایت ہے "میں نے دیکھا کہ ولید بن عبدالملک نے ایک قاصد مدینہ طیبہ بھیجا جو کہ مدینہ طیبہ میں ماہ ربیع الاول ۸۸ ہجری میں آیا۔ جب اس کی آمد کا سبب پوچھا گیا تو اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو وہ خط پیش کیا جو کہ ولید نے ان کو ارسال کیا تھا جس میں حکم دیا گیا تھا کہ حجرات مبارکہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو مسجد نبوی شریف میں داخل کر دیا جائے۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی تھا کہ وہ ان تمام رہائشی مکانات کو خرید لیں جو کہ مسجد شریف کی عقبی (شمالی) جانب اور مغربی جانب واقع تھے اور مسجد کو اتنی وسعت دے دی جائے کہ اس کا رقبہ ۲۰۰×۲۰۰ ذراع (تقریباً ۱۰۰×۱۰۰ میٹر) ہو جائے۔ یہ بھی حکم تھا "کہ اگر ممکن ہو تو مسجد کو قبلہ کی جانب بھی وسعت دے دی جائے کیونکہ تم اپنے ننھیال (اس وقت دار آل عمرؓ میں حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ مقیم تھے جو کہ رشتہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ماموں لگتے تھے) سے ان کے مکان کو خرید سکتے ہو کیونکہ وہ تمہاری مخالفت نہیں کریں گے۔ جو بھی روڑا اٹکاتا ہے اس سے رابطہ کر کے اس کی مناسب قیمت طے کر لیں اور ان کو معاوضہ دے دیں اور پھر ان مکانات کو گرا دیں۔ سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کی مثالیں تمہارے سامنے ہیں۔" (۱۸۹)

اس حکم نامے کی تعمیل میں مسجد شریف کے اردگرد تمام مکانات کو خرید کر منہدم کر دیا گیا۔ جہاں تک حجرات مبارکہ کا تعلق ہے، تمام امہات المومنین رضوان اللہ علیہن ولید بن عبدالملک کے دور سے بہت پہلے وفات پا چکی تھیں۔ سب سے آخر میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا انتقال ہوا تھا جو کہ بعض روایات کے مطابق ۵۸ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں فوت ہوئی تھیں۔ اس طرح ان تمام سیدات الطاہرات کے مکانات عملی طور پر خالی تھے جن کے دروازے مسجد نبوی شریف میں ہی کھلتے تھے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر و بیشتر ان کو

ان حجرہ ہائے مبارکہ کو گرا دیا گیا کیونکہ یہ خاص طور پر نماز جمعہ کے اجتماعات میں ہو جاتا تھا۔ یوں مندرجہ ذیل حجرات کے علاوہ دیگر تمام حجرات مسمار کئے جا چکے تھے

(۱) حجرہ مبارکہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ جہاں اہل بیت الطاہرہ کے اجل جلیل کی اولاد یعنی حضرت حسن بن الحسن ابن علی اور حضرت فاطمہ بنت حسینؓ اپنے بچوں اور اہلیوں کے ساتھ مقیم تھے

(۲) حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدہ حفصہؓ جو کہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس وقت اس میں ان کے بیٹے (حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن عمرؓ) اور اہل خانہ مقیم تھے

اس سلسلے میں بہت سی مستند روایات موجود ہیں جو اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ اگرچہ شہادت امام عالی مقام حسین علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی شہادت کے بعد بنو امیہ کا تسلط پوری مملکت اسلامیہ پر ہو چکا تھا لیکن پھر بھی وہ افراد اہل بیت الطاہرہ سے ہراساں اور خوفزدہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتے تھے کہ کہیں یہ چنگاری پھر نہ بھڑک اٹھے حالانکہ اس کے ستم ہائے یزید کو خاکستر نہ کر دے وہ اہل بیت الطاہرہ کی معاملات سے اور تعلق سے بھی غافل نہیں تھے اگرچہ پبلک فورم سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور اہل بیت الطاہرہ کے خلاف زہر افشانی اور پروپیگنڈہ سب روا رکھے جاری تھا۔ یہاں تک کہ منبر و محراب سے حکماً تمام مساجد میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر کھلے عام تبرا بازی کیا کرتے تھے جس سے مسجد نبوی شریف بھی مستثنا نہیں تھی (۹۰) مگر وہ اپنی کمزوریوں کو بخوبی جانتے تھے کہ شاخ نازک پر بنے اس آشیانہ کو زیادہ دیر تک طوفان کی تیز و تند موجوں میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائے گا۔ اس لیے افراد اہل بیت طاہرہ کی مسجد شریف سے متصل حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ میں موجودگی اور اہل مدینہ کے دلوں میں ان کی پذیرائی حکام میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ لہذا حکام کی یہ ہر دو قدم اٹھانے کی خواہش ہوئی تھی جس سے اہل بیت الطاہرہ کو وہاں سے بے دخل کیا جا سکے کیونکہ خام خیالی میں وہ یہ سوچتے تھے کہ جب وہ مسجد نبوی سے ہٹ کے کہیں دور نکل گئے تو عامۃ الناس سے ان کا رابطہ اور تعلق خود بخود منقطع ہو جائے گا اور سلاطین دمشق سکھ کی نیند سو سکیں گے۔

ابن زبالہ کی روایت ہے کہ ایک بار جب حج کے بعد ولید بن عبدالملک مدینہ منورہ آیا تو اس نے دیکھا کہ لوگوں کی عقیدت اور رغبت حضرت حسن بن الحسنؓ (حسن المثنیٰ) سے اس سے کہیں زیادہ تھی جو کہ وہ ولید کو بطور خلیفہ حاصل تھی۔ اس دوران حضرت حسن المثنیٰؓ نے خود کو خلیفہ کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ جونہی وہ منبر سے اترا تو گورنر مدینہ (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) کو حکم ہوا "میں اسے دوبارہ یہاں دیکھنا نہیں چاہتا۔ ان تمام گھروں کو خرید لو۔ حتیٰ کہ حجرہ رسول مقبول ﷺ بھی مسجد میں شامل کر دیا جائے" (۹۱) تاہم ابن زبالہ کے اس بیان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جیسا کہ مقدسی نے تحریر کیا ہے ولید نے مدینہ طیبہ کی زیارت تو ۹۱ ہجری میں کی تھی جب کہ مسجد نبوی شریف بن کر تیار ہو چکی تھی اور وہ تمام حجرات مبارکہ منہدم ہو چکے تھے۔ البتہ ابن زبالہ ہی کی ایک اور روایت کے مطابق جس پر سمہودیؒ اور دیگر قدیم مورخین نے انحصار کیا ہے ولید بن عبدالملک دمشق سے اپنے مخبروں کو مدینہ طیبہ بھیجا کرتا تھا جو اسے مدینہ طیبہ کی سیاسی صورت حال اور مدو جزر سے مطلع رکھا کرتے تھے۔ اسے اس معاملے میں چند رپورٹیں ملی تھیں کہ لوگوں کا رجحان اور عقیدت حضرت حسن المثنیٰؓ کی طرف زیادہ مائل تھے۔ واقعہ حرہ سے وہ لوگوں کے احساسات کو اچھی طرح جان چکا تھا اور مزید خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس طرح کی سیاسی مجبوریوں نے ولید کو یہ فیصلہ کرنے پر اکسایا کہ کیوں نہ افراد اہل بیت الطاہرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مسجد نبوی شریف سے نکال باہر کیا جائے۔ مسجد شریف کی توسیع کا منصوبہ ایک ایسا حربہ تھا جس کی بادی النظر میں کوئی بھی مخالفت نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف یہ کہ اس کی عمارت پرانی ہو گئی تھی بلکہ نمازیوں کے لیے تنگ پڑ رہی تھی

اس طرح مسجد کی توسیع کا منصوبہ خالصتاً سیاسی نوعیت کا تھا مگر اسے نہایت چالاکی سے مذہبی لبادہ پہنا دیا گیا تا کہ حجرات مبارکہ کی زبردستی نکلوائی پر کسی قسم کا ردعمل نہ ہو لہٰذا اس نے اس وقت کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو حکم نامہ بھیجا کہ تمام حجرات مبارکہ کو خرید کر مسجد شریف میں شامل کر دیا جائے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے والی بات تھی حافظ رزین العبدری اندلسی جو کہ قدیم مورخین میں شمار ہوتے ہیں (فی ذکر دار الہجرۃ) کے بیان کے مطابق ولید کے خط کے متن میں وارد دیئے گئے احکامات کے علاوہ یہ بھی حکم تھا کہ "جو بھی اپنا مکان بیچنے پر رضامند ہو جائے اس کو معاوضہ دے دیا جائے اور اگر وہ برضا و رغبت ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اہل مدینہ سے رائے کر کے اس کی قیمت کا تعین کر لینا اور پھر وہ مکان ان کے سروں کے اوپر ہی گرا دینا (یعنی بزور بازو اور جبراً ان سے قبضے لینا) اور رقم غرباء و مساکین میں تقسیم کر دینا۔" (۱۹۲) چنانچہ جیسا کہ متوقع تھا جب حضرت حسن بن الحسنؓ نے اپنا آبائی گھر چھوڑنے سے انکار کر دیا تو انہیں قوت کے ذریعے نکال باہر کیا گیا اس کے عوض مبلغ ۸۰۰۰ (اور بعض روایات کے مطابق ۸۰،۰۰۰) دینار کی پیش کش کی گئی تھی مگر جب انہوں نے انکار کر دیا تو قوت کا استعمال کیا گیا اور یوں صاحبزادہ حسنؓ اور شہزادی حسینؓ اپنے اہل خانہ سمیت حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے نکال باہر کیے گئے اور معاوضے کی رقم ولید کے احکام کے تحت بیت المال میں جمع کروا دی گئی۔

جہاں تک کاشانہ مبارکہ سید الکونین ﷺ کا تعلق ہے تو ہم یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ نے ۵۴ ہجری میں اپنی وفات سے پہلے اپنا حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کو ہبہ کر دیا تھا اور ان سے حضرت معاویہؓ نے وہ جگہ ۱۸۰،۰۰۰ درہم کے عوض خرید لی تھی بہتر ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اس شرط پر راضی ہوئی تھیں کہ جب تک وہ حیات رہیں گی وہ اسی گھر میں رہیں گی جب معاملہ طے پا گیا تو حضرت معاویہؓ نے ان کو رقم روانہ کر دی اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اس مقام سے جہاں وہ اس وقت بیٹھی ہوئی تھیں اس وقت اٹھیں جب کہ انہوں نے وہ تمام رقم اہل مدینہ کے مستحقین اور غرباء میں تقسیم کر دی تھی۔ (۱۹۳) اسی طرح ام المومنین سیدۃ صفیہؓ بنت حیی کے ورثاء نے بھی ان کے حجرہ مبارکہ کو حضرت معاویہؓ کے ہاتھ اتنی ہی رقم کے عوض بیچ دیا تھا حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ کو حجرہ ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کے تبادلے میں اسی حجرہ سے متصل جنوبی جانب کی زمین دے دی گئی تھی۔ جہاں تک دیگر حجرات مبارکہ کا تعلق ہے تو وہ تو پہلے ہی خالی تھے اور لوگ وہاں نمازیں ادا کیا کرتے تھے یوں تمام کے تمام حجرات مبارکہ ریاست کی ملکیت میں آ چکے تھے اور حجرات مبارکہ کے علاوہ جو مکانات حاصل کیے گئے ان میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے تین مکانات تھے جو کہ شمال کی طرف تھے اور قراتیں کہلاتے تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ایک گھر جو دار القراء کہلاتا تھا، اور ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاصؓ کے مکانات تھے جو کہ شمالی جانب تھے اس کے علاوہ مغربی جانب حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ اور ابی سبرہ بن ابی رہمؓ کے مکانات تھے جب کہ جنوبی جانب دار عباس بن عبدالمطلبؓ کا بچا ہوا حصہ (جو کہ اس وقت ان کے غلام مخیریق کے قبضہ میں تھا) بھی حاصل کر لیا گیا (۱۹۴) جب انہوں نے حضرت عبیداللہ بن عبداللہ ابن عمرؓ کے مکان کو حاصل کرنے کا عندیہ دیا تو انہوں نے پس و پیش سے کام لیا اور حجت یہ پیش کی کہ وہ حجرہ ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کا تھا جہاں سرور کونین ﷺ بھی اقامت فرمایا کرتے تھے بہت بحث و تمحیص کے بعد حضرت عبیداللہؓ اس بات پر راضی ہوئے کہ اس کے بدلے انہیں دار رقیق دے دیا جائے جو کہ قبلہ کی جانب اس سے متصل تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس مکان سے حجرہ نبویہ شریفہ کی طرف ایک دروازہ نکال کر مسجد نبوی شریف میں ان کو دسترس دے دی اور وہ دروازہ بعد میں کئی صدیوں تک قائم رہا اور خوخہ دار حفصہؓ کے نام پر جانا جاتا تھا (آج بھی قبلہ کی دیوار میں محراب عثمانی کی بائیں جانب ایک کھڑکی ہے جس میں نیلی ورژن کمرہ نصب ہے جو کہ اسی خوخہ کی جگہ پر یادگار کے طور پر ترکوں نے رکھوا دیا تھا)۔

ولید بن عبدالملک کے احکام کو مسجد نبوی شریف میں سر عام پڑھ کر سنا دیا گیا۔ (۱۹۵) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس نے حکم صادر کیا

کہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے حجرات مبارکہ کو بھی مسجد شریف میں شامل کر دیا جائے تا کہ مسجد کا رقبہ ۲۰۰X۲۰۰ ہو جائے ساتھ ہی یہ بھی حکم تھا کہ اگر ممکن ہو تو قبلہ مسجد مصطفوی کو جنوب کی طرف بڑھا دیا جائے اور یہ کام اگر سیدھے طریقے سے نہ ہو سکے تو قوت کا استعمال کیا جائے۔ (۱۹۶) ان احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے وہ تمام مکانات حاصل کر کے خالی کروا لیے اور پھر ۸۸ ہجری میں منہدم کروا دیا گیا اور مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع پر عمل درآمد کیا گیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے ہاتھوں مسجد مصطفوی شریف کی توسیع اور تعمیر نو کی تفصیل

الطبری کے بیان کے مطابق مسجد شریف کی قدیم عمارت کا انہدام ماہ صفر ۸۸ ہجری میں شروع ہوا۔ حضرت صالح بن کیسانؓ کو اس کام پر مقرر کیا گیا سب سے پہلے حجرات مبارکہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن، اجمعین کو مسمار کیا گیا۔ اس کام کے لیے مزدور مدینہ سے لیے گئے تاہم تجربہ کار کاریگروں کا بندوبست ولید بن عبدالملک نے روم سے کیا تھا جو مدینہ طیبہ میں ماہ ربیع الاول ۸۸ ہجری (فروری ۷۰۷ء) میں پہنچے ولید کی درخواست پر بازنطینی شہنشاہ (جسٹینین دوم Justinian) نے ہدیتاً ایک لاکھ مثقال سونا، ایک سو کاریگر اور چالیس بوجھ سنگ مرمر کی سلوں کے ارسال کیے تھے۔ (۱۹۷) تعمیر نو اور توسیع کا تمام کام ۹۱ ہجری میں پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ تاہم سمہودیؒ کے بیان کے مطابق ابن زبالہ کی روایت یوں اس طرح ہے کہ "ولید نے شاہ روم کو یہ خط لکھا ہم اپنے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی تعمیر کروانا چاہتے ہیں۔ اس معاملے میں کاریگروں اور سنگ مرمر سے ہماری مدد کیجیے" اس نے سنگ مرمر اور بیس سے زیادہ کاریگر ارسال کیے۔ چند روایات کے مطابق ان کاریگروں کی تعداد ۱۰۰ تھی جو کہ روم سے آئے تھے اور اتنے ہی کاریگر قبطیوں میں سے لیے گئے تھے۔ (۱۹۸) بلاذری (ت ۸۹۲ء) کہتا ہے کہ کل ملا کر ۸۰ رومی اور قبطی کاریگر تھے جو کہ شام اور مصر سے آئے تھے اور ان سب نے مدینہ طیبہ کے مشہور معمار حضرت صالح بن کیسانؒ کی زیر نگرانی کام کیا تھا۔ (۱۹۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے تعمیر کا کام ربیع الاول ۸۸ ہجری میں (یا جیسا کہ بلاذری نے کہا ہے ۸۹ ہجری میں) شروع کروایا (۲۰۰) اور اس کی تکمیل میں تین سال صرف ہوئے۔ مسجد شریف کو مغربی جانب ۲۰ ذراع کی وسعت دی گئی جب کہ شرقی جانب چونکہ حجرات مبارکہ کی زمین بھی اس میں شامل ہو گئی تھی اس جانب اسے ۳۰ ذراع کی وسعت مل گئی تھی۔ (۲۰۱) مسجد شریف کا رقبہ اب ۲۰۰X۱۸۰ ذراع پر محیط ہو گیا تھا جو کہ تقریباً ۳،۳۶۹ مربع میٹر تھا۔ (۲۰۲) جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے تعمیر شروع کروائی تو انہوں نے قریش اور انصار میں سے تمام اہل الرائے حضرات کو مدعو کیا ساتھ ہی عامۃ الناس کے نمائندوں کو بھی بلایا اور کہا [آپ آئیں اور قبلہ کی بنیاد رکھ دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں یہ کہا جائے کہ عمر نے آپ کا قبلہ ہی تبدیل کر دیا ہے] (۲۰۳) یوں اس کا سنگ بنیاد مقام قبلہ پر رکھا گیا اور ساری مسجد کی بنیادیں استوار کی گئیں تمام بنیادوں میں پتھر استعمال ہوئے مگر صحن مسجد میں جو ستون استوار ہوئے ان کو سیسہ کے ساتھ مقوی کر دیا گیا تھا۔ (۲۰۴) ستونوں پر نصب کرنے کے لیے سنگ مرمر شام سے لایا گیا تھا دیواروں پر گرینائٹ میں نقش و نگار کندہ کیے گئے تھے جو مصر سے منگایا گیا تھا (۲۰۵) انہوں نے ۴۵،۰۰۰ دینار کی رقم اور اس صرف پہلی دو روشوں پر دوہری چھت کی تعمیر اور تزئین و آرائش پر صرف کیے جب ولید بن عبدالملک مدینہ آیا تو مسجد کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ گیا اس نے اتراتے ہوئے حضرت ابان ابن عثمانؓ سے کہا ہماری تعمیر آپ کے والد کی تعمیر کے مقابلے میں کیسی ہے؟ حضرت ابانؓ نے فوراً جواب دیا [ہم نے تو یک مسجد بنوائی تھی مگر تم نے تو اسے کلیسا بنا کر رکھ دیا ہے۔] (۲۰۶)

ابن نجار کے مطابق ولید کی تعمیر کردہ مسجد میں شرقاً غرباً ۱۶ روشیں اور شمالاً جنوباً مربع قبر کے ستون سے شمال کی طرف ۱۳ روشیں تھیں ان میں سے ۱۰ روشیں تو صحن مسجد میں تھیں جبکہ چار روشیں مسجد شریف کے اس حصہ میں تھیں جو کہ دور مصطفوی میں تعمیر ہوا تھا۔ اسطوانہ مربع قبر سے

مستقبل میں کوئی بھول سے بھی حجرہ مطہرہ کو کعبہ مشرفہ سے مشابہت دیکر فرمان رسول مقبول ﷺ کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھے ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ یہ تعمیر نو ولید بن عبدالملک کے احکام سے ہو رہی تھی جو کہ دمشق میں بھی اسی زمانے میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کروا رہا تھا جو جامعہ امیہ کے نام سے آج تک جانی جاتی ہے لہذا دونوں کے طرز تعمیر میں کافی حد تک مماثلت پایا جانا قدرتی بات تھی۔ یہ ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جامع امیہ کے صحن میں بھی ایک جلیل القدر پیغمبر (سیدنا یحییٰ علیہ السلام) کی قبر تھی جسے اسی مقام پر رہنے دیا گیا تھا اور اس کے اردگرد اس مسجد کا صحن بنایا گیا تھا جہاں تک مسجد مصطفوی کا تعلق ہے تو اس توسیعی منصوبے کی تکمیل پر حضور سرور دو عالم ﷺ کا کاشانہ رحمت بھی مسجد شریف کے اندر آ گیا تھا اور اس کے چاروں اطراف میں صلوٰۃ باجماعت کے وقت اصحاب کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ اجمعین قطار اندر قطار کھڑے ہوا کرتے تھے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ اس فرمان رسول مقبول ﷺ کے مضمرات کو کون جان سکتا تھا، مگر ان کے محل نظر ایک دوسرا فرمان رسول مقبول ﷺ بھی اتنی ہی اہمیت کا حامل تھا کہ انبیاء کرام اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں سے ان کی ارواح مقدسہ پرواز کرتی ہیں

مسجد شریف کے چاروں گوشوں میں بلند و بالا مینار بنائے گئے تھے اس سے پہلے دومۃ الجندل میں سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور میں مسجد عمر کے ایک کونے میں مینار تعمیر کرنے کی مثال موجود تھی سیدنا عمر بن عبدالعزیز ؒ نے اسی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے مسجد مصطفوی میں چاروں کونوں پر مینار تعمیر کروائے۔ یہ مینار مسجد شریف کے باہر کی طرف چاروں کونوں میں تھے جنہیں ۸x۸ ذرع (تقریباً ۴x۴ میٹر) کے رقبہ پر استوار کیا گیا تھا تین مینار ۵۵ ذرع (۲۲،۵ میٹر) بلند تھے (۲۱۶) جب کہ چوتھا جو کہ شمال مغربی جانب تھا صرف ۳۵ ذرع بلند تھا یہاں ایک اور بات ہم قارئین کرام کی توجہ میں لانا چاہیں گے کہ اس تعمیر نو کے چند سال بعد جب سلیمان بن عبدالملک سریر آرائے سلطنت بنو امیہ ہوا تو اس کے حکم سے مسجد مصطفوی کے جنوب مغربی کونے والا مینار (جہاں آج کل باب السلام کا چھوٹا سا مینارہ ہے) منہدم کر دیا گیا۔ ایک بار جب وہ مدینہ طیبہ کے دورے پر تھا اور گورنر ہاؤس (جو کہ اس وقت دار مروان میں واقع تھا جو اس مینار سے متصل حصے میں باہر کی جانب تھا) کے صحن میں آرام کر رہا تھا کہ موذن کو اذان کے لیے مینارے پر جانا پڑا سلیمان بن عبدالملک نے اس کو پسند نہ کیا کہ کوئی خلوت میں اس پر نظر ڈال سکے۔ لہذا فرمان شاہی جاری ہوا کہ مینارہ گرا دیا جائے اور فوراً اس کی تعمیل کی گئی۔ (۲۱۷) اور پھر آنے والی چھ صدیوں تک مسجد مصطفوی کے صرف تین مینارے ہی قائم رہے ۷۰۶ ہجری میں جب سلطان محمد بن قلاوون کا دور آیا تو اس نے حکم جاری کیا کہ اس کونے میں بھی ایک مینارہ تعمیر کیا جائے جسے محاصل حرم کے مبالغ سے تعمیر کیا گیا اور آج تک جتنی بار بھی توسیعات یا تعمیر نو ہوئی ہیں ان سب میں اس مینارہ سلطان محمد بن قلاوون کی یادگار کے طور پر باقی رہنے دیا گیا ہے۔

اب جب کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز ؒ کی تعمیر کردہ مسجد مصطفوی کو تیرہ صدیاں بیت چکی ہیں اور اس طویل عرصے کے دوران مسجد شریف متعدد بار تعمیر نو اور توسیع کے مراحل سے گزر چکی ہے ایسے میں یہ اندازہ لگانا کہ وہ مسجد شریف کیسی لگتی تھی یا فن تعمیر کا کیسا شہ پارہ تھا صرف تخمین کے گھوڑے دوڑانے والی بات ہے۔ البتہ اس وقت کی معاصر تعمیرات کے آثار قدیمہ سے کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے جو کہ بلاد عربیہ میں اس وقت معرض وجود میں آ چکی تھیں۔ دومۃ الجندل (جدید شہر الجوف کے قریب ہی اس کے کھنڈرات واقع ہیں) جو کہ مدینہ طیبہ سے ۴۰۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر شمالی جانب واقع ایک سرسبز و شاداب شہر تھا جہاں غساسنہ کے نصرانی حکمران تھے۔ جب وہ شہر اسلامی عملداری میں آیا تو سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور خلافت میں وہاں پتھروں سے ایک خوبصورت مسجد کی تعمیر ہوئی جس کے ساتھ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے عالم اسلام میں پہلی بار ایک بلند و بالا مینار تعمیر کیا گیا تھا۔ وہ مسجد تاریخ میں "مسجد سیدنا عمر ؓ" کے نام سے جانی جاتی رہی۔ اگرچہ امتداد زمانہ سے مسجد عمر کی کئی بار مرمت اور تعمیر تو ہوئی مگر وہ مینار اپنی اصلی حالت میں سیدنا عمر فاروق ؓ کی یادگار کے طور پر رہنے دیا گیا۔ اب جب کہ وہ تمام

دومۃ الجندل میں سیدنا حضرت عمرؓ کی مسجد پر بنائے گئے مینار کا ایک حصہ

[illegible] (۲۱۸) [illegible] خلافت [illegible] مساجد [illegible] مسجد نبوی شریف میں جب [illegible] (سیدنا عمر فاروق [illegible]) میں حضرت عمر بن [illegible] مسجد نبوی شریف میں مینار تعمیر کئے گئے تھے [illegible] مسجد نبوی شریف [illegible] جب سیدنا عمر فاروق [illegible] حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد مصطفوی [illegible] گئے تھے

[illegible] دومۃ الجندل میں موجود آثار قدیمہ [illegible] مسجد نبوی شریف [illegible] مسجد نبوی شریف [illegible] نصف صدی [illegible] مسجد نبوی شریف [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] مسجد مصطفوی [illegible] حضرت عمر بن عبدالعزیز [illegible] مسجد میں پہلا مینار [illegible] خلافت راشدہ میں سیدنا عمر فاروق [illegible] پہلے ایک بلند و بالا مینار تعمیر کر چکے تھے جسے اس قسم کے فن تعمیر میں عالم اسلام میں اولیت حاصل ہے سیدنا عمر فاروق [illegible] نصف صدی ہجری میں بلاد عرب میں [illegible] بن چکی تھیں [illegible] ہجری میں حضرت معاویہ [illegible] ایک اور نظیر مسجد حضرت عمرو بن العاص [illegible] جو کہ انہوں نے فسطاط (موجودہ قاہرہ کے مضافات میں) میں ۵۳ ہجری میں بنائی تھی (۲۱۹) ان [illegible] صدی کے اوائل میں دریافت ہوئے تھے

[illegible] بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حجرات مبارکہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو [illegible] کر کے ان کا رقبہ مسجد نبوی شریف میں شامل کر لیا تھا [illegible] بلکہ پوری مسجد مصطفوی شریف [illegible] پامال نہیں ہونے دیا گیا بلکہ اسے [illegible] جہاں انہوں نے اس سے اپنے مکان کی تعمیر کروائی [illegible] حجرات مطہرہ سے حاصل ہوا تھا [illegible] وہ مکان زیارت گاہ خاص و عام تھا اور ان کے دور تک (یعنی چھٹی صدی ہجری تک) [illegible] کی دیواروں پر باقاعدہ [illegible] ہوا کرتی تھی۔ (۲۲۰)

فن تعمیر کے نقطہ نظر سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد مصطفوی میں دو نئی چیزوں کا اضافہ کیا تھا۔ ایک تو محراب تھی جو کہ دیوار کو منحنی اور محدب کر کے بنائی گئی تھی اور دوسری مینار وحدت کی تعمیر تھی جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے میناروں کی نظیر تو خلافت راشدہ کے دور سے ملتی تھی مگر قبلہ کی محراب کا پہلی بار کسی مسجد میں اضافہ ہوا تھا مگر یہ دونوں چیزیں مسجد نبوی شریف میں ہونے کی وجہ سے اتنی شہرت پا گئیں کہ چار دانگ عالم میں مساجد کے فن تعمیر کا جزو لاینفک بن چکی ہیں آج جب ہم اسلامی فن تعمیر کی بات کرتے ہیں تو اس کا ذکر مینارہ و محراب کے بغیر مکمل نہیں ہوتا جو درحقیقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی یاد تازہ کرتی ہیں اس کے بعد تقریباً پانچ صدیوں تک یہی طرز تعمیر مساجد کے لیے مشعل راہ رہا اس کے بعد اس میں ایک اور اضافہ ہوا تھا کہ گنبد شریف کا ہے جو کہ عباسی فن تعمیر کی نشانی ہے قبہ جات (گنبد) سب سے پہلے مزارات پر بنائے گئے مگر دیکھتے ہی دیکھتے یہ اتنے مقبول ہوئے کہ تمام عالم اسلام میں مساجد کا طرہ امتیاز بن گئے آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ گنبد (عربی جلنہ جمع جملہ) محدثات میں دوسری صدی ہجری میں بننے شروع ہو گئے تھے مگر مساجد میں ان کا رواج اس وقت ہوا جب کہ روضہ مبارک نبی ﷺ پر پہلا گنبد تعمیر ہوا اور پھر اس کے بعد سے مساجد میں محرابوں میناروں اور گنبدوں کا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا ہے

ابتدائی عباسی دور میں مسجد شریف کی توسیع اور دیکھ بھال

عباسی عہد کے شروع میں خلیفہ جعفر المنصور کے دور میں جب حسن بن زید بن الحسن بن علیؓ مدینہ طیبہ کا گورنر تھا تو مسجد شریف میں کچھ ترمیم اور مرمت کروائی گئیں بعض روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن زید نے مسجد شریف میں ایک نیا دروازہ ہونے کا حکم دیا تھا جسے باب زید کہا جاتا تھا دیواروں کے کچھ حصے شکست و ریخت کا شکار ہو چکے تھے لہذا اس نے حکم دیا کہ ان متاثرہ حصوں کو نئے سرے سے بنا دیا جائے صحن مسجد میں نمازیوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے پردوں کا انتظام کیا گیا اس نے ۱۵۰ہجری (۷۶۷ء) میں مسجد میں پرانا سنگ مرمر کا فرش اکھڑوا کر نیا مرمریں فرش لگوایا اور مسجد رسول مقبول ﷺ کے نیچے مرمر کا ایک مرتفع چبوترہ بنا کر نصب کیا جو کہ بعد میں دکۃ الاغوات کے نام سے جانا جانے لگا تھا جیسا کہ ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں ذکر کیا ہے تاہم ان چھوٹے موٹے کاموں کے علاوہ مسجد شریف میں توسیع کا کوئی کام نہ ہوا

سمہودیؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ ابوالعباس السفاح تھا جس نے سب سے پہلے عباسیوں میں سے مسجد کی توسیع اور تزئین کا حکم ۱۳۲ہجری میں جاری کیا مگر چونکہ وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا اس لیے اس حکمنامے پر عمل درآمد نہ ہو سکا (۲۲۱) البتہ حافظ ابن نجار کے مطابق یہ ابوالعباس نہیں بلکہ ابوجعفر المنصور تھا جس نے عباسیوں میں سب سے پہلے مسجد نبوی شریف کی توسیع کا منصوبہ بنایا اس کی خواہش تھی کہ مسجد شریف کو شرقی جانب اس حد تک وسعت دے دی جائے کہ موضع الجنائز اور دار عثمان بن عفانؓ بھی اس میں شامل ہو جائیں اور روضہ رسول مقبول ﷺ مسجد شریف کے اندر درمیان میں آ جائے۔(۲۲۲) جب مہدی عباسی سریر آرائے خلافت ہوا تو اس کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ مسجد بہت حد تک نمازیوں کے لیے ناکافی ہو چکی تھی اور یہ مسئلہ خصوصی طور پر حج کے موسم میں شدت اختیار کر جاتا تھا لہذا اس نے مسجد شریف کی توسیع کا حکم دیا ان دنوں جعفر بن سلیمان بن علی مدینہ طیبہ کا گورنر تھا جس نے ۱۶۲ہجری (۷۷۸ء) میں کام شروع کروا دیا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پوتے عبداللہ بن عاصم بن عمر اور عبدالملک بن شبیب الغسانی کو نگران مقرر کیا گیا (۲۲۳) مسجد شریف کو صرف شمالی جانب وسعت دی جا سکی جو کہ ۱۰۰ ذراع تھی یعنی اب اس کا طول ۳۰۰ ذراع بن گیا شرقی اور غربی جانب کوئی توسیع نہ ہونے کے سبب مسجد کی چوڑائی پہلے کی طرح ۲۰۰ ذراع رہی البتہ مسجد کے رقبے میں ۱۲ ذراع کا اضافہ ہوا (۲۲۴)

مسجد نبوی شریف کا خاکہ (۱۸۵۳ء)
Cheter Beatty (ڈبلن)
کرا: مجلہ العربی، شمارہ ۲۵۲

چونکہ یہی شکایات موصول ہوتی تھیں کہ وادی مہزور کی طغیانی کا پانی مسجد میں داخل ہو جایا کرتا تھا اس کا سدباب کرنے کے لیے بادر یہ جاتا ہے کہ مسجد شریف کا فرش کافی حد تک بلند کر دیا گیا ہو اور شاید یہی وجہ تھی کہ چھت دو ذراع (ایک میٹر) تک مزید بلند کر دی گئی تھی۔ پہلو سے اوقصورہ جو کہ محراب عثمانی پر حفاظتی اقدامات کے طور پر بنوایا گیا تھا مسمار کروا دیا اور وہاں کا فرش نیچا کر کے باقی مسجد کے صحن کے برابر کروا دیا پہلے تو اس نے خوخہ آل عمر بھی بند کروا دیا تھا مگر جب بہت زیادہ احتجاج ہوا تو اس نے انہیں خوخہ کی جگہ سرنگ (سرداب) بنوا دی جس سے وہاں کے مقیمین آسانی سے حجرہ مطہرہ تک آ جا سکتے تھے

مہدی کی کروائی ہوئی توسیع کے بعد مسجد نبوی شریف کے کل ۲۴ دروازے ہو گئے تھے جن میں سے ۸ شرقی جانب، ۸ غربی جانب، ۴ شمالی طرف اور ۴ جنوبی دیوار میں جانب قبلہ تھے۔ وہ دروازہ جو کہ ماضی میں باب مروان کہلاتا تھا اب صرف بڑی شخصیتوں کے لیے مختص کر دیا گیا ایک دروازہ جو کہ محراب عثمانی کے دائیں جانب تھا بیت القنادیل کی طرف جاتا تھا جو کہ مسجد نبوی شریف کی دیوار قبلہ کے ساتھ ہی بنایا گیا تھا جہاں روشنی کے لیے قندیلیں سٹور کی جاتی تھیں۔(۲۲۵) میناروں کی تعداد پہلے کی طرح تین ہی رہنے دی گئی۔ ابن نجار کے مطابق میناروں کی بلندی ۵۵ ذراع تھی اور ان کی بنیاد کے قریب ان کا رقبہ بھی ۸×۸ ذراع ہی رہنے دیا گیا تھا جیسا کہ بنوامیہ کے دور میں تھا۔(۲۲۶) ابن زبالہ جو مہدی عباسی کے ہمعصر تھے اور جن کے سامنے مسجد شریف کی توسیع اور ترمیم ہوئی تھی نے بیان کیا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اواخر تک دیوار قبلہ میں ۱۸ روشن دان (محراب دار) ہوا کرتے تھے اور اتنے ہی روشن دان شمالی جانب کی عقبی دیوار میں بھی تھے جبکہ شرقی اور غربی دیواروں میں ہر جانب ۱۹ روشن دان تھے ان تمام روشن دانوں میں لکڑی کی جالیاں لگائی گئی تھیں

توسیع کے لیے شمالی جانب جو خالی اراضی یا مکانات تھے وہ بحق سرکار خرید لیے گئے تھے جن میں مندرجہ ذیل گھر آ گئے تھے دار عبدالرحمن بن عوفؓ (جسے دار ملیکہ کہا جاتا تھا)، دار شرحبیل بن حسنہؓ، دار مسور بن مخرمہ الزہری اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے مکان کا باقیماندہ حصہ جو کہ پچھلی توسیع سے بچ گیا تھا جسے دار القراءۃ کہا جاتا تھا۔(۲۲۷) تعمیر کا کام ۱۶۲ہجری میں شروع ہوا اور ۱۶۵ہجری میں اختتام پذیر ہوا صحن مسجد میں ۲۲ مقامات پر مختلف مقامات پر بارش کے پانی کے نکاس کے لیے چھوٹے چھوٹے پائپ طرز کے مخرج لگا دیے گئے جن سے پانی پتھر کی نالیوں کے ذریعے باہر نکل جاتا تھا۔ پینے کے پانی کے لیے سقایہ جات نصب کیے گئے تھے۔(۲۲۸)

گئے تھے اور جس کو عباسی دور نے مزید جلا بخشی تھی وہ سب کے سب نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ دیوار قبلہ پر بنائے گئے نقش و نگار اور خوبصورت نقاشی جو کہ جنت کی عکاسی کرتی تھیں سب تباہ ہو گئیں اس جانکاہ حادثے نے امت مسلمہ کو اپنے بہت ہی قیمتی اثاثے سے محروم کر دیا تھا۔

یہ المناک حادثہ معتصم باللہ۔ آخری عباسی خلیفہ۔ کے دور میں رونما ہوا۔ فوری طور پر قاصد بغداد روانہ کیے گئے تاکہ خلیفہ کو اس جانکاہ حادثے سے مطلع کیا جائے اور وہ مسجد شریف کی تعمیر نو اور بحالی کے لیے فوری قدم کرے۔ خلیفہ نے مسجد شریف کی تعمیر نو کے احکامات جاری کر دیے اور کچھ تعمیراتی سامان بھی روانہ کیا مگر اس کی قسمت میں بحالی مسجد شریف کی سعادت نہ تھی سقوط بغداد سے پہلے معتصم باللہ صرف چند معماروں اور کاریگروں کو (بمع چند اونٹوں کے جو سامان، مشینری اور روپے پیسے سے لدے تھے) روانہ کر سکا جو کہ اتنے بڑے نقصان کی تلافی کے لیے ناکافی تھے بغداد سے جو تھوڑا بہت سامان پہنچا اس سے مرمت کا کام شروع کر دیا گیا اس سے صرف مقصورہ شریفہ کی چھت ہی مرمت ہو سکی تھی جس میں قبور مطہرہ ہیں یا پھر اس کے علاوہ کچھ عارضی نوعیت کے کام کروائے گئے تاکہ مسجد شریف میں نمازیوں کو عبادت کرنے میں دقت نہ ہو۔ ادھر مسجد مصطفوی پر ابتلا آیا ادھر تاتاریوں نے بغداد کو تاخت و تاراج کر دیا مسجد نبوی شریف میں اموی اور عباسی یادداشتیں کیا گئیں خلافت کا شیرازہ ہی بکھر گیا۔ پوری امت کا شیرازہ بکھر گیا یہ تو اللہ رب العزت کا کرم رہا کہ تاتاریوں کے قدم صرف بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رک گئے اور حجاز ان کی چیرہ دستیوں سے بچ گیا اس سیاسی زلزلے کے نتیجے میں اسلامی ریاستوں میں بے چینی کی کیفیت ہو گئی اور سرپرست کوئی بھی آگے بڑھ کر مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو کے لیے وسائل مہیا نہ کر سکا اور یوں مرمت اور تعمیر نو کا کام تقریباً ایک سال تک رکا رہا مصر کے شاہ نور الدین علی ابن ایبک نے لکڑی کے تختے اور کچھ سامان ارسال کیا تاہم ایک سال بعد یعنی ۶۵۵ ہجری میں جب حالات کچھ معمول پر آنے لگے تو شاہ یمن ملک المظفر سلطان المنصور عمر بن رسول نے تعمیر نو کا حکم دیا اور اس نے اس کام کے لیے کافی وسائل بھی مہیا کیے اور ایک نیا منبر بھی بنوا کر ارسال کیا اس کے ساتھ ہی چند دیگر صوبوں کے حکمرانوں اور مخیر حضرات نے آگے بڑھ کر اس کام کو مکمل کروانے کے بیڑہ اٹھایا اور یوں کام پوری جمعی، سرعت اور تندہی سے شروع ہو گیا۔ اسی اثناء میں شاہ ظاہر بیبرس الصالحی البندقداری نے مملوک حکومت کی عنان اپنے ہاتھوں میں لی اور اس نے دل کھول کر اس کام کے لیے وسائل مہیا کیے یوں مصر سے مادی وسائل اور تجربہ کار کاریگر مدینہ طیبہ پہنچنے لگ گئے (۲۳۸) اس طرح زیادہ تر کام بیبارس کے دور میں مکمل ہوا اس نے دوہری چھت تعمیر کرنے کا اہتمام کیا جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کروایا تھا (۲۳۹) دو سالوں میں کام پایہ تکمیل کو پہنچا

۶۶۶ ہجری میں شاہ بیبارس نے مسجد نبوی شریف کے لیے ایک نیا منبر بنوا کر ارسال کیا (۲۴۰) اس نے حجرہ مطہرہ کے گرد مقصورہ نئے سرے سے تعمیر کروایا اور اسے شمال کی جانب بڑھا دیا شاہ بیبارس کی وفات پر مملوک خاندان سے یکے بعد دیگرے کئی جانشین آئے اور سب نے مسجد نبوی شریف کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سلطان قلاوون الصالحی نے ۶۸۰ ہجری میں مسجد نبوی شریف میں ایک نئی محراب تعمیر کروائی۔ یہ مملوک سلاطین ہی تھے جن میں سے ایک (سلطان المنصور سیف الدین قلاوون الالفی الصالحی) نے ۶۷۸ ہجری (۱۲۷۹ء) میں حجرہ مطہرہ پر پہلی بار گنبد تعمیر کروایا (۲۴۱) اس کے دور میں صحن مسجد کی شرقی اور غربی جانب روشوں پر چھتیں بھی دوبارہ ڈلوائی گئیں۔ اس کے بعد بھی آنے والے مملوک سلاطین نے بوقت ضرورت مسجد شریف کی پوری دیکھ بھال کا بندوبست جاری رکھا ۷۶۵ ہجری میں سلطان شعبان بن حسین بن ناصر محمد بن قلاوون نے حجرہ مطہرہ پر گنبد کی بڑے پیمانے پر مرمت کروائی حقیقت تو یہ ہے کہ خدمت مسجد مصطفوی میں ان میں سے ہر ایک اپنے پیش رو سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا رہا۔ ۸۳۱ ہجری میں قبلہ و عقبی جانب کی روشوں پر چھتوں کی تجدید کی گئی ۸۵۳ ہجری میں مسجد شریف کی چھت (خاص طور پر روضۃ الجنۃ پر) میں کچھ شکست و ریخت کے آثار پائے گئے جس پر الملک الظاہر جقمق نے فوری مرمت اور تجدید کروا دی۔ اسی طرح ۸۷۹ ہجری میں سلطان قیتبائی کی حکومت کے ابتدائی دنوں میں، خواجہ شمس الدین بن الزمان کی سفارشات پر

جنوب اور شمالی مشرقی مینارے (جس کو منجریہ کہا جاتا تھا) کے قریب چھت کی مرمت کروائی (۲۴۲) سلطان قیتبائی نے وسیع پیمانے پر مرمت کا حکم دیا اور یہ تمام کام ۸۸۱ ہجری میں مکمل ہو گیا

مسجد نبوی شریف میں دوبارہ آگ کا حادثہ

پہلے آتشیں حادثے کو بمشکل ابھی تین صدیاں ہی گزری ہوں گی کہ اسلام کا یہ مقدس ترین بقعہ نور ایک بار پھر آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ مسجد میں آگ کی وجہ انسانی غفلت نہ تھی بلکہ یہ ایک قدرتی آفت کی صورت میں بلائے ناگہانی کے طور پر نازل ہوئی تھی۔ ۱۳ رمضان ۸۸۶ ہجری کی شام شمس الدین بن الخطیب مؤذن اعلیٰ مسجد نبوی شریف اذان دینے کی غرض سے مینارہ رئیسیہ (موذنہ) پر گئے رات کے وقت ہر طرف گھپ اندھیرا تھا اس رات مدینہ طیبہ پر بادل کا طوفان امڈا ہوا تھا یکایک ان پر آسمانی بجلی گری بجلی کا گرنا تھا کہ مینارہ رئیسیہ گنبد کی جانب چھت پر آ رہا جس سے مسجد شریف کا اس طرف کا حصہ شہید ہو گیا مؤذن بھی موقع پر ہی ہلاک ہو گئے اور مسجد میں آگ بھڑک اٹھی افراتفری میں مسجد کے خدام دوڑے اور آگ بجھانے کے لیے چھت پر چڑھ گئے ہر طرف آفت کا سماں تھا اور لوگ چیختے چلاتے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے اس بھگدڑ میں دس آدمیوں کی جانیں ضائع ہو گئیں اور بیشتر لوگ زخمی ہوئے مسجد شریف کا شرقی حصہ بری طرح آگ سے متاثر ہوا محراب، منبر اور شرقی جانب کے بہت سے دروازے آگ کی نذر ہو گئے حجرہ مطہرہ کی چھت کو بھی شدید نقصان پہنچا اس کے جلتے ہوئے چند حصے حجرہ مطہرہ کے اندر تک گر گئے حجرہ مطہرہ کے گرد لکڑی کی جالی تھی جل کر خاکستر ہو گئی اس کے نتیجے میں حجرہ مطہرہ پر کافی وسیع بنیادوں پر کام کروانا پڑا جس کی تفصیلات متعلقہ باب میں دی گئی ہیں

اس جانکاہ خبر کے ساتھ مدینہ طیبہ کی انتظامیہ نے فوری طور پر قاصد مصر روانہ کر دیے سلطان اشرف قیتبائی نے فوری اقدامات کرنے کے احکامات جاری کیے اس کے ساتھ ہی ایک سو سے زیادہ کاریگر جن میں تجربہ کار معمار، سنگ تراش، آہن گر اور ترکھان وغیرہ سب شامل تھے، منتخب کیے اور ان پر مشتمل ایک قافلہ اونٹوں کے ایک قافلے کے ساتھ مدینہ طیبہ روانہ کیے جو اپنے ساتھ بہت سا تعمیری سامان اور یکمشت طور پر ۲۰،۰۰۰ دینار کا زر نقد بھی ساتھ لائے۔ یوں تھوڑے ہی عرصہ بعد شمس الدین بن الزمان کی زیر نگرانی ربیع الاول ۸۸۷ ہجری میں پوری تندہی سے کام شروع کر دیا گیا (۲۴۳) چونکہ مشرقی حصہ کی چھت بری طرح متاثر ہوئی تھی اس لیے سلطان قیتبائی نے مسجد شریف کی تمام چھت نئے سرے سے ڈلوائی (۲۴۴) سادہ چھت کی بجائے اس نے حکم دیا کہ چھت پر دو گنبد تعمیر کروائے جائیں۔ ایک حجرہ مطہرہ پر اور دوسرا محراب عثمانی پر گنبدوں کی تعمیر کی خاطر مشرق کی جانب مسجد میں ۲.۲۵ ذراع (تقریباً ایک میٹر ساٹھ سینٹی میٹر) کا اضافہ ناگزیر ہو گیا۔ دونوں گنبدوں پر سنگ مرمر لگایا گیا جن میں نقش و نگار بنائے گئے تھے

جہاں تک مسجد نبوی شریف کی دورِ رسالت مآب ﷺ میں چھت کی اونچائی کا تعلق ہے اسے چند ستونوں پر پھول بنا کر ظاہر کیا گیا ہے۔(۲۵۵)

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ جب مسجد شریف کی تعمیر جاری تھی اور مختلف مقامات پر ستونوں اور بنیادوں کے لیے کھدائی ہو رہی تھی تو اس وقت اسطوانہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس زمین سے فوارے کی طرح پانی نکلنا شروع ہو گیا بعد ازاں اس جگہ پر ایک کنواں کھود دیا گیا اور اس کے پانی کو نالیوں کے ذریعے صحن مسجد میں لایا گیا جہاں پر ایک منہل (سبیل) بنا دی گئی جہاں سے نمازیوں کے استعمال کے لیے وہ پانی دستیاب ہوتا تھا جیسا کہ خدشہ تھا وہاں صارفین کا ہجوم لگ جاتا اور پانی زمین پر پھیل کر حفظانِ صحت کا مسئلہ کھڑا کر دیتا جس سے مسجد شریف کی حرمت مجروح ہونے لگ گئی مزید برآں چونکہ وہ پانی ریاض الجنۃ سے نکلتا تھا لوگوں نے اسے جنت کا پانی کہہ کر آبِ زمزم سے بھی زیادہ تقدس دینا شروع کر دیا تھا بعد ازاں سعودی دور میں اس کنویں کو مٹی سے بھر دیا گیا اور صحن میں واقع مخرج کو بند کر دیا گیا، البتہ وہ سبیل ستر کی دہائی کے آخیر تک صحن مسجد میں موجود رہا کرتی تھی۔ اسی طرح ایک اور کنواں حجرہ مطہرہ و سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے دروازے کے عین سامنے بھی ہوا کرتا تھا ہجوم کی وجہ سے قدمین شریفین کی طرف نمازیوں کے لیے وہاں نماز ادا کرنا محال ہو جاتا تھا لہٰذا اس کنویں کو بھی مٹی سے بھر کے بند کر دیا گیا تھا۔

مسجد کے صحن میں کھجور کے درختوں کا ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی ہوا کرتا تھا جسے بستانِ فاطمہؓ یا بستان السیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کہا جاتا تھا۔ اس کے قریب بھی ایک چھوٹا سا کنواں ہوا کرتا تھا جو کہ ان درختوں کی آبیاری کے لیے مستعمل ہوتا تھا۔ اسے بئر النبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کہا جاتا تھا اس بستان میں ۱۲ کھجور کے درخت تھے جن کا پھل سدھین اور اعلیٰ درجے کے مستحقین میں تقسیم کیا جاتا تھا صحن مسجد پر ریت اور سنگریزے بچھائے گئے تھے اور جب بجلی نہیں ہوا کرتی تھی تو سرِشام اس پر پانی چھڑک دیا جاتا اور وہاں درود و صلوٰۃ کی محفلیں جمتیں اور لوگ تلاوت اور عبادت میں ہر طرف مشغول رہتے تھے سعودی دور میں نعت گوئی کو تو سرے سے ختم کر دیا گیا مگر وہاں پھر بھی ادبی اور علمی محافل ہوا کرتی تھیں مگر جوں جوں عقائد میں تشدد پسندی کا رجحان آتا گیا سے بھی خیرباد کہہ دیا گیا اس جگہ کو اہلِ مدینہ 'الصفوۃ' کا نام دیتے تھے

مسجد نبوی شریف کے متعلق ابراہیم رفعت پاشا کے مہیا کردہ اعداد و شمار

بیسویں صدی میں سب سے مشہور سفرنامہ حج مصری جنرل ابراہیم رفعت پاشا کا ہے جنہوں نے مصری کاروانِ حج اور محمل کے قافلوں کی تین بار کمان کی تھی اور یوں تین بار زیارت مدینہ طیبہ سے مشرف ہوئے تھے انہوں نے اپنے سفرنامے کو بہت جاں فشانی سے مرتب کیا جو کہ دراصل حرمین شریفین کی مصور تاریخ سے کم نہیں اس میں دی گئی تصاویر تو صحیح معنوں میں نادر تصور ہوتی ہیں موصوف نے سے مرآۃ الحرمین کے نام سے دو جلدوں میں ۱۹۲۵ء میں چھپوایا تھا

اگرچہ اس کا معتدبہ حصہ تو سرکاری معائنہ رپورٹ ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے تمام تر اخراجات کی تفصیل اور مختلف قبائل کے سرداروں سے ملاقاتیں بدقت تمام شامل سفرنامہ کر دی ہیں، لیکن معاصرین کے مقابلے میں ان کا سفرنامہ بہت حد تک جذبات کی نسبت حقائق پر مبنی ہے مختلف تاریخی مقامات کی زیارات کے ذکر کے بعد انہوں نے مسجد نبوی شریف کی بہت سی تصاویر اور تفاصیل مہیا کی ہیں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ بیسویں صدی کے شروع میں ترک دور کی تعمیر شدہ مسجد کی عملی طور پر پیمائش مولف نے خود اپنے ہاتھوں سے کی اور اسے آئندہ

مسجد نبوی کی تصویر جس میں بیتِ فاطمہؓ صرف نظر آ رہا ہے (بحوالہ مرآۃ الحرمین)

نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا ان کی دی گئی پیمائش کے مطابق مسجد شریف کی حدود اربعہ کی پیمائش کچھ یوں تھی

غربی جانب شمال سے جنوب طوالت =	۱۲۶،۲۵	میٹر
جانب قبلہ کی شرقاً غرباً چوڑائی =	۸۶،۲۵	میٹر
شمالی جانب شرقاً غرباً فاصلہ =	۶۶	میٹر

مقصورہ شریف کی پیمائش کچھ یوں تھی

شمال سے جنوب (لمبائی) =	۱۶	میٹر
مشرق سے مغرب (چوڑائی) =	۱۵	میٹر

اس وقت ستونوں کی کل تعداد ۳۲۰ تھی مسجد شریف میں اس وقت پانچ دروازے تھے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے

مغربی جانب دو دروازے تھے، یعنی باب السلام اور باب رحمہ شمالی جانب ایک صدر دروازہ تھا جسے باب التوسل کہا جاتا تھا اس کے علاوہ چھوٹا دروازہ کتب خانہ کی طرف سے ہو کر مسجد شریف کی طرف جاتا تھا مشرقی جانب بھی دو دروازے تھے

باب جبریل علیہ السلام اور باب النساء۔

اس وقت مسجد شریف کے پانچ مینارے ہوا کرتے تھے چار مینار تو چاروں کونوں میں تھے اور پانچواں باب رحمہ کے سامنے تھا وہ مینارہ رئیسیہ ہوا کرتا تھا جو کہ جنوب شرقی کونے میں ہے (۲۵۶) شمال مغربی کونے میں واقع مینار مینارہ مجیدیہ یا مینارہ تشکیلیہ کہلاتا تھا چونکہ اس پر بہت دیدہ زیب نقش و نگار بنے ہوئے تھے یہ ایک منفرد حیثیت کا حامل تھا کیونکہ یہ واحد مینارہ تھا جو لکڑی سے بنا تھا اور اس پر مزین کاری کا بہت ہی نفیس کام کیا گیا تھا اس میں تین گیلریاں تھیں شمال مشرقی مینار جسے ماضی میں مینارہ سنجاریہ کہا جاتا تھا سلطان سلیمان القانونی نے دوبارہ تعمیر کر دیا تھا اور اس نسبت سے اسے مینارہ سلیمانیہ بھی کہا جاتا تھا بعض مورخین نے اسے مینارہ عزیزیہ بھی کہا ہے جو کہ سلطان عبدالعزیز خان کی مسجد نبوی شریف کی خدمات کی یاد تازہ کرنے کے لیے کیا گیا تھا تاہم مینارہ رئیسیہ ہونے کا شرف جنوب مشرقی مینارہ کو ہی رہا کیونکہ وہ گنبد خضریٰ کے قرب میں واقع ہے اور یہی موذنہ بھی رہا ہے درحقیقت یہ سلطان اشرف قایتبائی کی تعمیر کا باقی ماندہ حصہ ہے جسے انہوں نے ۸۸۶ ہجری میں کروایا تھا اور

عہد عثمانی کی توسیع کے نشان کے طور پر سلطان عبدالمجید کی جانب سے تنصیب شدہ لوح

پھر ۸۹۲ ہجری میں بجلی گرنے سے یہ تباہ ہو جانے سے نصف سے زیادہ منارہ تعمیر کروایا تھا پچھلی پانچ صدیوں میں اس کی مختلف ادوار میں مرمت ہوتی رہی ہے مگر یہ تاریخی یادگار اسی طرح باقی ہے۔ باب السلام پر چھوٹا سا مینارہ سلطان ناصر محمد بن قلاوون نے ۷۰۶ ہجری میں بنوایا تھا اور اس وقت یہ مسجد نبوی شریف میں سب سے قدیم ترین مینارہ باقی رہ گیا ہے۔ سلطان قیتبائی نے پانچواں مینارہ باب الرحمۃ کے سامنے مسجد شریف کے باہر تعمیر کروایا تھا جو کہ مدرسہ شریفیہ سے متصل تھا جسے ترک دور میں تعمیر نو کر کے مدرسہ محمودیہ کہا جانے لگا تھا۔

سلطان عبدالمجید دوم کے جانشینوں کے بعد وقتاً فوقتاً مسجد شریف کی مرمت اور دیکھ بھال کا کام جاری رہا۔ سلطان عبدالعزیز خان نے باب السلام پر نقش و نگار ہوئے۔ بیسویں صدی میں سعودی عملداری میں آنے سے پہلے مدینہ طیبہ کے ترک گورنر فخری پاشا نے ۱۳۳۶ ہجری (۱۹۱۷ء) میں محراب النبوی شریف اور محراب عثمانی کی مرمت اور تزئین کروائی۔

۱۹۲۵ میں جب آل سعود نے مدینہ طیبہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو ابتدائی چند سالوں میں انہوں نے کوئی خاص تبدیلی نہیں کروائی بلکہ صرف تجدید و مرمت کی طرف توجہ مبذول رکھی اور اس سلسلے میں جو تبدیلی بھی انہوں نے مناسب سمجھی وہ کر ڈالی بلکہ حجرہ مقدسہ کی دیواروں پر چند جگہوں پر جو مختلف تحریریں تھیں ان میں سے جو ان کے عقائد کے برخلاف پائی گئیں ان پر بہت بھدے طریقے سے پینٹ تھوپ دیا گیا اور اس طرح مسدود کی گئی جالیوں پر جہاں یہ تحریر پائی گئی اسے بدل دیا گیا مثلاً ہر کسی جگہ پر "یا محمد" کے الفاظ تھے تو اس سے "یا مجید" کے الفاظ سے بدل دیا گیا اور یہ عمل تا حال جاری ہے قصیدہ بردہ شریف کے اشعار پر بھی سیمنٹ تھوپ دیا گیا۔

یہ وہ ابتدائی دور تھا جب کہ فرقہ وہابیہ کے خلاف ہر طرف سے آوازیں اٹھ رہی تھیں اور معاندانہ پروپیگنڈا اور شور سے جاری تھا جس کی وجہ سے حجاج کرام کی آمد پر بھی کافی اثر پڑا تھا مگر جوں جوں امن عامہ کی صورت حال بہتر ہونے لگی اور شہر نبوی میں امن قائم ہو گیا تو پہلے کی سی رونقیں بحال ہو گئیں تاہم پہلے بیس سالوں میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ سعودی حکومت نے مسجد نبوی شریف میں کوئی کام کروایا ہو۔ عبدالقدوس انصاری کے مطابق ۱۳۵۴ ہجری میں مصری حکومت کے خرچے پر ان رقوم سے کچھ مرمت کا کام کروایا گیا جو کہ ان اوقاف جائیدادوں سے حاصل ہوتی تھی جو مصر میں مسجد نبوی شریف کے نام پر صدیوں سے وقف تھیں (۲۵۷)

عثمانی دور سے سعودی دور تک کی تعمیرات اور توسیعات ایک ایسا حیرت کن باب ہے جو کہ پچھلے پچھتر سالوں میں رقم ہوا ہے۔ ان سالوں میں دو بار مسجد شریف وسیع کی گئی اور دوسری توسیع کے بعد تو اس کا رقبہ ترک دور کی مسجد نبوی شریف سے دس گنا بڑھ گیا ہے تاہم یہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ وہ کام جو کہ سلطان عبدالمجید دوم کے دور میں ہوا وہ ترک دور کی مسجد نبوی شریف کی بہترین خدمت کی مثال ہے اس میں سے بہت سا حصہ تو نئی توسیعات کی نذر ہو گیا ہے مگر قبلہ کی جانب کا مقصورہ شریف کا حصہ جب تک قائم رہے گا ترک دور کی عظمت رفتہ اور سلطان عبدالمجید ثانی کے عشق رسول کی یاد دلاتا رہے گا

شاہ سعود بن عبدالعزیز پہلے سعودی توسیعی منصوبے کا افتتاح کرتے ہوئے تاریخ ۱۳۷۲ھ

سعودی دور حکومت میں مسجد نبوی شریف میں توسیعات

۱۳۴۸ ہجری میں شاہ عبدالعزیز کے حکم سے مسجد شریف کے صحن کی طرف چند ستونوں کی مرمت کروائی گئی۔ اس کے بعد ۱۳۵۰ ہجری میں مشرقی اور مغربی روشوں میں چند ستونوں پر تجدید کا کام ہوا (۲۵۸) ۱۳۵۲ ہجری میں شاہ عبدالعزیز نے مصری حکومت سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت دونوں حکومتوں کے تعاون سے مسجد نبوی شریف کی مرمت اور دیکھ بھال کا انتظام کیا جانے لگا۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور سے مصر میں کئی گاؤں مسجد نبوی شریف کے لیے وقف تھے جن کی سالانہ آمدنی صدیوں

پہلی سعودی توسیع کے دوران گنبد خضریٰ کی مرمت کا ایک منظر

سے مسجد نبوی شریف کے مصارف کے لیے مستعمل ہوتی رہی تھی (۲۵۹) دونوں حکومتوں کے تعاون سے اس کام کے لیے ٹیمیں تشکیل دی گئیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً مرمت کا کام کر دیا، لیکن یہ تمام کام وسیع پیمانے پر نہ تھا۔ اس طرح سعودی دور حکومت کی پہلی دو دہائیوں میں زیادہ کام نہ ہوسکا اگرچہ تزئین و آرائش ہوتی رہی۔ حجاج کرام کی تعداد سفر کی سہولتیں بہتر ہونے کی وجہ سے پہلے کی نسبت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اور مسجد شریف میں تنگی کی شکایت عام ہو رہی تھی ۱۳۶۹ ہجری میں چند مصری اخباروں نے اس مسئلے پر لوگوں کی توجہ دلائی جس کی دیکھا دیکھی عالم اسلام کے میڈیا نے اس مسئلے کو خوب اچھالا اور یوں ہر طرف سے توسیع کے مطالبات ہونے لگے۔ (۲۶۰) جریدۃ المدینہ نے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں خاص اپیلیں شائع کیں جس کے نتیجے میں انہوں نے جریدۃ المدینہ کی ایک اشاعت میں (نمبر ۱۳۰، مورخہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۶۸ ہجری) ایک خطے میں اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ مسجد شریف کی توسیع کا منصوبہ بنا رہے ہیں بعد میں انہوں نے ۵ شوال ۱۳۷۰ ہجری کو اس سلسلے میں باقاعدہ فرمان شاہی صادر کر دیا کہ مسجد شریف کی توسیع عمل میں لائی جائے

ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کو اس منصوبے کے لیے پیشہ ورانہ سفارشات پیش کرنے کے لیے مامور کیا گیا انہوں نے مسجد نبوی شریف کی قدیم عمارت کا تفصیلی معائنہ کیا جس سے یہ بات منکشف ہوئی کہ مشرق کی جانب دیواروں میں کچھ رطوبت اور نمی کے آثار در آئے تھے ماہرین کی یہ ٹیم مصری اور پاکستانی انجینئروں پر مشتمل تھی مصری ماہرین نے جن کی اس کمیٹی میں اکثریت تھی سفارشات دیں کہ مسجد شریف کی تمام عمارت جو کہ ترک دور میں تعمیر ہوئی تھی بشمول حجرہ مطہرہ کے مسمار کر کے نئے سرے سے تعمیر کی جائے انہوں نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ نئی عمارت کی بلندی ۱۲ میٹر ہونی چاہیے بنیادوں کی مجوزہ گہرائی بھی مدینہ طیبہ کی ارضیاتی قوت اور تحمل سے غیر متناسب تھی۔ حجرہ مطہرہ کے مسمار کیے جانے کی تجویز پر بہت سے لوگوں کا ماتھا ٹھنکا اور اس منصوبے کے اصل محرکات پر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں

دوسری سعودی توسیع کے دوران مسجد نبوی کی تعمیر کا منظر

پاکستانی انجینئروں نے ان سفارشات سے زبردست اختلاف کیا اور شاہ عبدالعزیز کو ایک یادداشت پیش کی جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ پرانی عمارت مضبوطی کے لحاظ سے بہت پائیدار تھی جسے گرانا انتہائی نامناسب تھا۔ انہوں نے مختلف طرح کے ارضیاتی ٹیسٹ کر کے اس بات کی ناقابل تردید شہادت دی کہ قدیم عمارت کو مزید پچیس سال کے لیے کوئی خطرہ لاحق نہیں تاہم انہوں نے توسیع کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات سے اتفاق کیا کہ مسجد شریف کے صحن سے لیکر شمالی حصہ کو مسمار کر کے نئی اور وسیع عمارت تعمیر کر دی جائے دریں حالیکہ قدیم حصے کو کوئی گزند نہ پہنچے ساتھ ہی انہوں نے یہ تجویز بھی دی کہ بنیادیں زیادہ گہری نہ کھودی جائیں اور نئی تعمیر کی بلندی کو قدیم عمارت کی بلندی سے

جتنا بھی ممکن ہو ہم آہنگ رکھا جائے شاہ عبدالعزیز نے معاملے کا عمیق گہرا مطالعہ کرنے کی ہدایات جاری کیں اور پھر بہت سے ابتدائی نشستوں اور طویل بحث مباحثوں کے بعد انہوں نے پاکستانی انجینئروں کی سفارشات قبول کر لیں ان پاکستانی انجینئروں کے نام یہ تھے

(۱) جناب محمد شفیع صاحب

(۲) جناب محمد سلیمان صاحب

(۳) جناب محسن علی صاحب

ان سفارشات کے مطابق ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۷۰ ہجری کو ایک شاہی فرمان (نمبری ۲۷-۳-۲۸-۸۸) جاری ہوا جس میں توسیع کے منصوبے کی رسمی طور پر منظوری دے دی گئی۔(۲۶۱) کام کی نگرانی شہزادہ عبداللہ الفیصل کے ذمے لگائی گئی پلان کے مطابق تمام گھر، دوکانیں اور کھلے علاقے جن میں گلیاں اور سڑکیں شامل تھیں بحق سرکار حاصل کئے گئے ان کا تمام رقبہ ۲۲،۹۵۵ مربع میٹر تھا۔(۲۶۲) مکانوں اور دکانوں کی ملکیت حاصل کرنے کے بعد ان کو گرانے کا کام مغربی جانب سے ۵ شوال ۱۳۷۰ ہجری کو شروع ہو گیا پہلا گھر جو کہ مسمار کیا گیا وہ سید سمہودی کا تھا جو کہ مدینہ طیبہ کے نامور مورخ ہو گزرے ہیں جو کہ اس وقت وقف عمارت کی شکل میں ایک رباط بن چکا تھا جسے وقف دار السمہودی کہا جاتا تھا۔(۲۶۳)

۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری کو شاہ سعود (جو اس وقت ابھی ولی عہد تھے) نے مدینہ طیبہ کا دورہ کیا اور اس منصوبے کی ابتداء کا افتتاح کیا جس کے لیے اہل مدینہ نے بہت بڑی پارٹی کا بندوبست کیا تمام علاقہ خالی ہو جانے کے بعد ۱۱ شعبان ۱۳۷۲ ہجری کو مغربی جانب باب الرحمہ کے قریب نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور پھر تعمیر کا کام زور و شور سے شروع ہو گیا اگرچہ بہت سا بنیادی کام تو شاہ عبدالعزیز کے دور میں ہوا مگر اس منصوبے پر وسیع بنیادوں پر عمل درآمد ان کے جانشین شاہ سعود بن عبدالعزیز کے دور میں ہوا جنہوں نے ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۳ ہجری کو جنوب مغربی جانب خشت اول رکھی۔(۲۶۴) منصوبے کی تکمیل پر ۵ ربیع الاول ۱۳۷۵ ہجری (۱۹۵۵ء) کو شاہ سعود نے اس کا رسمی افتتاح کیا۔(۲۶۵) اس شاندار منصوبے میں اہل مدینہ منورہ کی دلچسپی کا اس بات سے اندازہ

۱۹۸۴ء میں شروع ہونے والی دوسری سعودی توسیع میں مسجد نبوی کا ماڈل تصویر میں نشان زدہ قبہ جو "آل حسن" کا تھا وہ اس میں تو موجود ہے لیکن عملاً ختم کر دیا گیا ہے

لگایا جا سکتا ہے کہ اس افتتاحی تقریب میں مصر کے شاہ فاروق اور پاکستان کے صدر غلام محمد خاص طور پر شمولیت کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے سعودی دور کی اس پہلی توسیع کے بعد مسجد شریف کا کل رقبہ ۱۶،۳۲۷ مربع میٹر ہو گیا تھا (۲۶۶) جب کہ اس سے پہلے ترکی دور کی مجیدیہ عمارت کا رقبہ ۱۰،۳۰۳ مربع میٹر تھا تعمیر نو کے بعد اس کی پیمائش کچھ یوں تھی

شمال سے جنوب کی طرف طول		۱۲۸ میٹر
مشرق سے مغرب عرض	=	۹۱ میٹر

قدیم حصے میں جو دروازوں کا تھا وہ رہنے دیا گیا تھا بس چند تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں مثلاً باب ابوبکر الصدیقؓ پہلے صرف ایک دروازہ ہوا کرتا تھا مگر اب اسے وسعت دے کر تین دروازوں کا مجموعہ بنا دیا گیا البتہ نئے تعمیر شدہ حصے میں تمام دروازے نئے سرے سے بنائے گئے تھے شرقی جانب تین دروازوں پر مشتمل ایک بڑا دروازہ بنایا گیا تھا جسے باب عبدالعزیز کہا جاتا تھا اور اس کے بالکل سامنے مغربی جانب بھی دروازہ بنایا گیا جس کا نام باب سعود رکھا گیا شمال میں باب توسل کا نام بدل کر باب المجیدی کر دیا گیا اور ان کے مشرق اور مغرب میں دو دروازوں کا اضافہ کیا گیا جن کو علی الترتیب باب عثمان بن عفانؓ اور باب عمر بن الخطابؓ کہا جاتا تھا۔(۲۶۷)

نالیں اور پتھر کی سلیں بنانے کے لیے ذوالحلیفہ کے علاقے میں "بیرعلی" کے قریب ایک بہت بڑی ورکشاپ قائم کی گئی تھی جہاں پر سامان تیار کیا جاتا تھا ان تعمیرات کے لیے گئے تھے جو کہ ٹیم کے ماہرین کی زیر نگرانی کام کرتے تھے جو سو لوگوں پر مشتمل اس افرادی قوت میں ۱۲ انجینئر تھے جن میں سے ۴ مصری، ۲ شامی اور ایک پاکستانی تھے جب کہ دیگر عملہ معماروں، سنگ تراشوں اور فن تعمیر سے منسلک دیگر پیشہ وروں پر مشتمل تھا اس کے علاوہ ۵۰۰ امدادی کارکنوں کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں کام کے تقدس کی وجہ سے ہر کس و ناکس رضا کارانہ طور پر اس میں شمولیت کا متمنی تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستانی سفیر بھی اپنے لیے وہاں مزدوری کرنے کو ایک سعادت عظیم سمجھتے تھے کام کی تکمیل میں اس وقت موجود جدید ترین مشینری جن میں کرینیں روڈ رولر اور ٹریکٹر شامل تھے استعمال ہوئے تھے تاکہ کام نہایت سرعت کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے

موقع پر کام کی نگرانی کے لیے ایک ہمہ وقتی پروجیکٹ آفس مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں قائم تھا جہاں ۱۵۰ اہل کار جن میں انتظامی امور کے ماہرین سے لے کر سٹور کیپر اور اکاؤنٹینٹ تک سب مل کر ایک ٹیم کی طرح کام کرتے تھے ٹیکنیکل برانچ کی سربراہی انجینئر محمد بن لادن کرتے تھے جن کے تحت تین ڈرافٹس مین اور ایک سیکرٹری کام کرتے تھے پروجیکٹ ڈائریکٹر شیخ محمد صالح قزاز تھے جو کہ براہ راست ملک شیخ محمد بن لادن کے تحت تھے (۲۶۸) اس وقت تمام منصوبے پر ۵۰ ملین سعودی ریال کی لاگت آئی تھی

یہ منصوبہ مکمل ہوئے ابھی صرف دو دہائیاں ہی گزری ہوں گی کہ مسجد شریف پھر نمازیوں کے لیے تنگ پڑنے لگی اور اس بات کا شدت سے احساس ہونے لگا کہ اس میں مزید توسیع کی جانی چاہیے شاہ فیصل مرحوم نے نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر توسیع کی ضروریات کا فوری جائزہ لینا شروع کیا اور حکم دیا کہ مغربی جانب میں واقع تمام مکانات خرید کر مسجد شریف میں شامل کر دیئے جائیں اس کام میں کچھ

نتاری تاریخی اہمیت کے مواقع جات بھی مسمار کر دیئے گئے جن میں ابوالنبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کا مزار اور مشہد حضرت مالک بن سنان بھی شامل تھے اس کام کو تیس برطول عمل کیا گیا تب جا کر مسجد شریف کی توسیع کے منصوبے کے خدوخال سامنے آئے ان احکامات کے تحت مسجد شریف میں ۸۳،۵۵۰ مربع میٹر کے کھلے رقبے کا اضافہ کیا گیا تاریخی اعتبار سے وسیع علاقے پر محیط تھا شاہ سعود کی تعمیر والے حصے میں کھلے صحنوں میں کھلنے والی چھتریاں (Ethena, umbre as) جو موسمی حالات کے مطابق کھلتی اور بند ہوتی ہیں نصب کی گئیں پہلے مرحلے میں مغربی جانب سے خالی کروائے گئے علاقوں کی جگہ پر عارضی گاس سے بنے شیڈ نصب کئے گئے منصوبے کی ابتداء تو شاہ فیصل کے دور میں ہی ہوگئی تھی مگر اس پر عملی جامہ شاہ خالد کے دور میں پہنایا گیا

ان دنوں حج سخت گرمی کے موسم میں ہوا کرتا تھا جب موٴلف ہذا نے اپنا دوسرا حج ۱۹۸۴ء میں ادا کیا تو تہائی رش کے دنوں میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور اس بات کا احساس ہوا کہ وہ سایہ دار شیڈ لاکھوں انسانوں کے لیے کتنے باعث رحمت تھے جہاں ہانپتے کانپتے حجاج کرام گرمی سے بچاؤ کا آسرا ڈھونڈا کرتے تھے شاہ خالد کے دور میں متاخرہ کا مزید علاقہ حاصل کر کے ان میں اسی طرح کے شیڈ نصب کئے گئے اور تمام علاقے کی تزئین و آرائش کی گئی قیمتی تنصیبات کے ذریعے بجلی کی روشنی کا مناسب بندوبست کیا گیا اور ان شیڈوں میں پنکھے نصب کروا دیے گئے اس کے ساتھ ہی ساتھ شرقی جانب بھی دکانوں کے مالکانہ حقوق حاصل کر کے بہت سا علاقہ مسجد شریف کے ساتھ ملحق کر دیا گیا اس طرف واقع بازاروں میں اسی طرح کی تنصیبات کے ذریعے مزین بجلی کی فراہمی کی گئی تاکہ مسجد شریف کے گردونواح کی تزئین میں ایک حسین تناسب پیدا ہو سکے مسجد کا رقبہ اب بڑھ کر ۴۵،۰۰۰ مربع میٹر ہو چکا تھا اور اردگرد کھلا علاقہ اس کے علاوہ تھا جس میں یوٹیلٹی ایریا اور زائرین کے لیے وضو خانے وغیرہ بنائے گئے تھے اس کھلے علاقے کو مسجد علی کرم اللہ وجہہ تک بڑھا دیا گیا تھا اور درمیان میں واقع عمارات اور دیگر تعمیرات کو صاف کر دیا گیا تھا۔(۲۶۹)

ابھی ایک ہی دہائی گزری ہوگی کہ سفری سہولیات کے پیش نظر حجاج کرام کی تعداد میں گونا گوں اضافہ پھر اس بات کا متقاضی تھا کہ مسجد شریف کو مزید وسعت دی جائے اس کے پیش نظر خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد کے ابتدائی دور میں بڑے بڑے سعودی ممالک اور کنسلٹنگ انجینیروں سے مشاورت طلب کی گئیں کہ مزید وسعت کس انداز میں اور کس حد تک کی جائے تین سال کے عرصے میں بہت سی تجاویز سامنے آئیں جن کی روشنی میں ایک عظیم الشان منصوبہ ترتیب دیا گیا جس کے تحت تاریخ مسجد نبوی شریف میں سب سے بڑی توسیع ہونا قرار پائی جس کی تکمیل پر مسجد شریف اس وقت موجودہ رقبہ سے بڑھ کر دس گنا ہونی
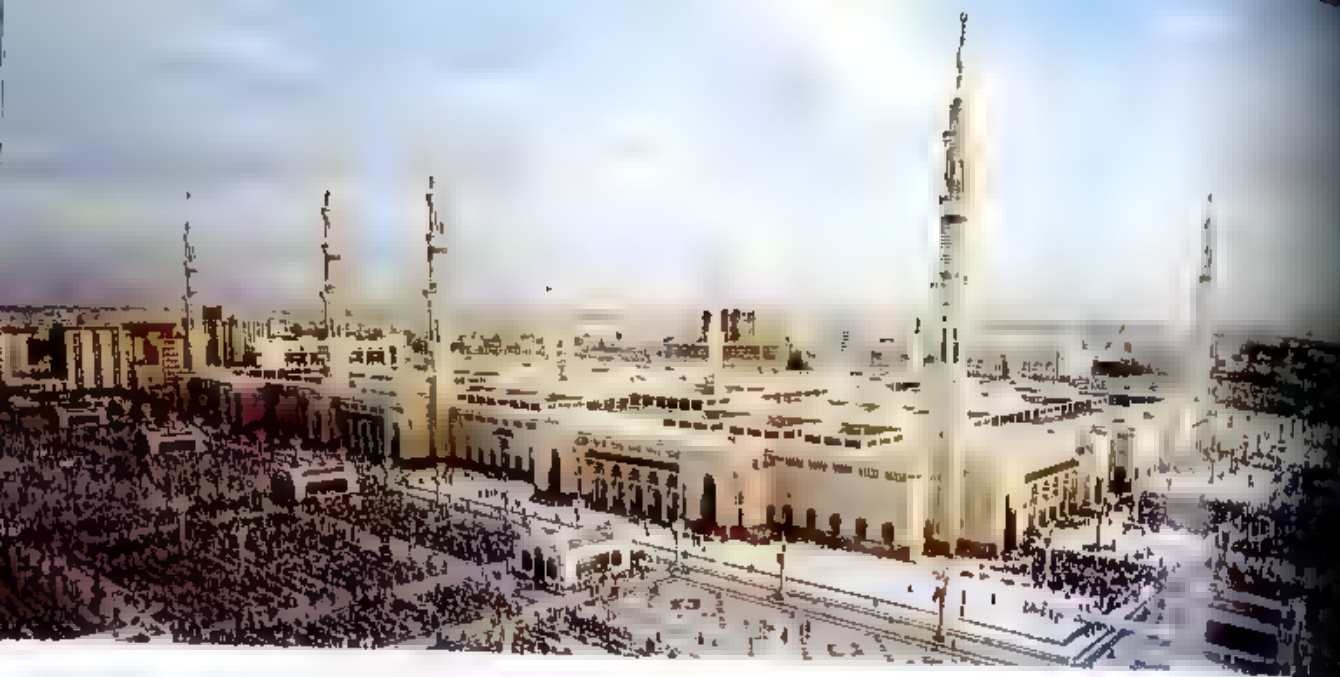
تھی جو حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوۃ کے دور میں تعمیر شدہ مسجد نبوی شریف سے سو گنا بڑی ہونا تھی۔(۲۷۰) عالمی شہرت کے معروف معمار سے تعمیل تھی اس منصوبے کے خدوخال نہایت نمایاں طور پر پیش کئے جب ماسٹر پلان بن کر تیار ہو گیا تو بن لادن گروپ کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے اس منصوبے کو "تسلیم مفتاح" کی بنیادوں پر عملی جامہ پہنایا یہ کہنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس سے پہلے منصوبے کی تکمیل بھی اسی کمپنی کے ہاتھوں ہوئی تھی جسے شاہ سعود کے دور میں مکمل کیا گیا تھا پورے کام کی تکمیل کے لیے چھ سال کا عرصہ طے ہوا جمعہ ۹ صفر المظفر ۱۴۰۵ ہجری (۱۲۹ کتوبر ۱۹۸۴ء) کو ایک بہت ہی عالیشان اور پرتکلف تقریب میں خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے "بسم اللہ علی برکۃ اللہ" کہتے ہوئے اس عظیم تر منصوبے کا فتتاح خشت اول رکھ کر کیا

اس منصوبے کی تکمیل کے لیے مسجد نبوی شریف کے اردگرد ۱۰۰،۰۰۰ مربع میٹر کا وسیع و عریض علاقہ خرید گیا جس میں زیادہ تر الردمیہ اور مسیبہ کے علاقے شامل تھے ان علاقوں کے حصول کے لیے ۳ بلین ریال کا زر کثیر صرف ہوا اس عظیم الشان منصوبے کے حجم کے مطابق بن لادن گروپ نے مرکز شہر سے دور وادی العقیق کے بطن میں ایک بہت بڑی ورکشاپ قائم کی مملکت سعودی عرب کے مختلف علاقوں کا سروے کیا گیا تاکہ بہترین قسم کا پتھر مل سکے اس سروے کے نتیجے میں القصیم کے علاقے میں واقع پہاڑوں کا پتھر بہترین اور مناسب پایا گیا جو سفید گرینائٹ کی چٹانوں پر مشتمل تھا جسے دیواروں میں استعمال کیا گیا اسی طرح نجران کے علاقے کا لیکرو گرینائٹ ستونوں اور اندرونی کام کے لیے بہت مناسب پایا گیا ان تمام معائنوں کے بعد اور مناسب ورکشاپیں بنوا کر مورخہ ۷ محرم الحرام ۱۴۰۶ ہجری (یکم مارچ ۱۹۸۶ء) کو شیخ بکر بن محمد بن لادن کی زیر نگرانی کام کی باقاعدہ ابتداء کی گئی

چونکہ مسجد نبوی شریف کے اردگرد کا علاقہ نرم زمین پر مشتمل تھا اس لیے اس میں بہت گہری تک کھدائی کی ضرورت پیش آئی جو کہ بعض مقامات ۵۳ میٹر تک چلی گئی تھی آہنی سلاخوں سے بنے مضبوط جال جن میں لاکھوں ٹن فولاد استعمال ہوا تھا اس گہرائی میں بچھائے گئے تاکہ عمارت کی مضبوط بنیادوں پر استوار ہو کہ تمام علاقہ مستقبل میں زلزلوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہے اور جھٹکوں سے متاثر نہ ہو۔ ان تمام خدشات کو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسجد شریف کی تمام عمارت ستونوں پر استوار کی جائے جن کو جھٹکوں سے متاثر نہ ہونے والے سٹیل کے خولوں میں اٹھایا گیا تھا جو کہ زیر زمین نہایت مضبوط آہنی جالوں سے بنی سطح پر تعمیر کئے گئے تھے اس سے نہ صرف سعودی حکومت بلکہ اس منصوبے پر کام کرنے والے تمام عملے کی لگن اور جانفشانی کا ظہار ہوتا ہے جنہوں نے اس مقدس عمارت کو اتنا پائیدار انداز میں تعمیر کیا ہے کہ آنے والی کئی صدیوں تک یہ عمارت انشاءاللہ قائم و دائم رہے گی
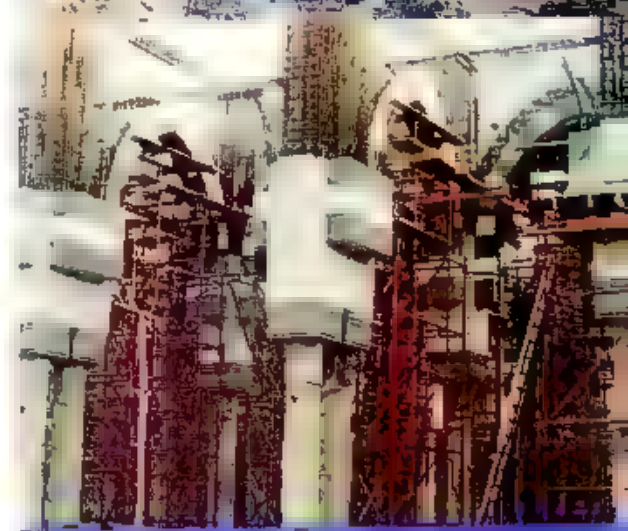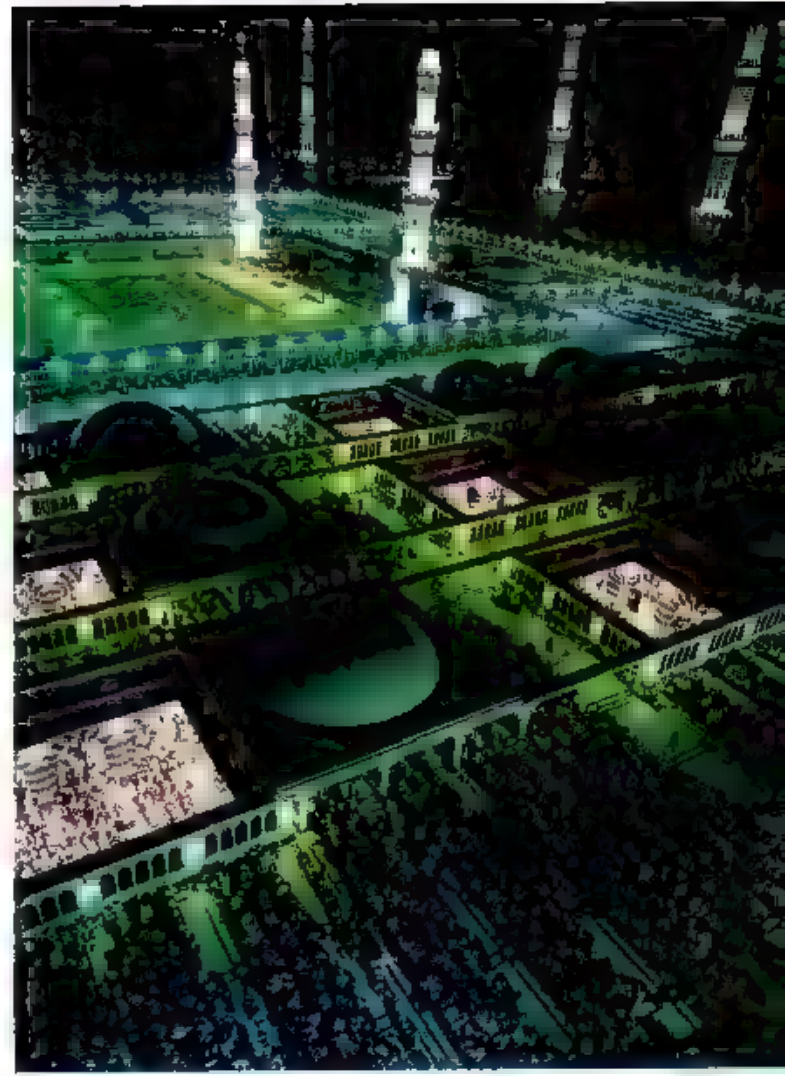
حسین نظر آتے ہیں

قرآنی آیات کی لکھائی کے لیے مصری خطاطوں کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے منتخب آیات قرآنی کو اپنے ہاتھوں سے ایک خاص قسم کے اوراق پر لکھا جن سے بعد میں اس خطاطی کو پوں کاربن کے سلینڈروں پر اتارا گیا جہاں سے خاص تکنیکی ذریعے سے ان شہ پاروں کو بھورے رنگ کے سنگ مرمر کی سلوں پر منتقل کیا گیا جن کی ہاتھوں سے رگڑائی (Sand Blasting) کر کے صاف کیا گیا اور پھر چمکدار پالش کی گئی جس سے ان کے حسن میں مزید نکھار پیدا ہو گیا۔ پھر ان الواح کو مسجد شریف کی چاردیواری کے اندر کی طرف سنگ مرمر کے اوپر ان ٹائیلوں کو چسپاں کر دیا گیا۔ خطاطی کے ذریعے قرآن کریم کی آیات سنگ مرمر کی سلوں پر مسجد شریف کی چاروں دیواروں کے اندر لگائی گئی ہے جس کی کل لمبائی چار کیلومیٹر تھی۔ یہ تاریخ مسجد نبوی شریف میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ نقاشی اور خطاطی کے لیے کمپیوٹر کو استعمال کیا گیا جن کے لیے بہترین فونٹ (Fonts) اور خطوط کا انتخاب کیا گیا۔ زائر و ناظر خطاطی کے ان شاہکاروں کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتا ہے کیونکہ ان قرآنی آیات کی خطاطی کے پس پردہ کلام الٰہی کے اپنے منور حسن و جمال کا پرتو بھی نہایت اچھوتے انداز میں عیاں نظر آتا ہے۔

نئی تعمیر میں استعمال شدہ خشت و سنگ سب کا سب پیشگی بنا ہوا تھا، یعنی (Pre-fabricated) تھا جسے موقع سے بہت دور ہی آپس میں جوڑ دیا جاتا تھا اور پھر جب موقع تعمیر پر ان کو لایا جاتا تو کرینوں کی مدد سے یا کاریگر کے ہاتھوں سے ان کے مختلف اجزاء جائے مطلوبہ پر نصب کر دیے جاتے تھے ہر ایک حصے کو انتہائی ماہرانہ انداز سے ڈیزائن کیا جاتا اور پھر اس ایک حصے کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور جب چھوٹے چھوٹے اجزاء اپنی مواصفات (Specifications) کے مطابق تیار ہو جاتے تو ان کو جوڑ کر ایک حصہ مکمل کر دیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے ستونوں کے مختلف اجزاء کو جو کہ نجران کے گرینائٹ سے تراشے جاتے تھے نجران کے موقع جات پر ہی تراشا اور خراشا جاتا تھا اور پھر ان کو مسجد نبوی شریف منتقل کر دیا جاتا تھا۔ مدینہ نجران روڈ ان دنوں سامان تعمیر سے لدے ٹرکوں سے دن رات مشغول رہتی تھی اور ان دنوں ایسے لگتا تھا گویا کہ پوری مملکت اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ ہمہ تن اسی کام پر منہمک تھی۔

دور ارضی کے نیچے وسیع و عریض تہہ خانے بنائے گئے ہیں جو کہ ۸۲,۰۰۰ مربع میٹر کے رقبے پر محیط ہیں جہاں بہت سی خدمات اور یوٹیلٹی کے مراکز واقع ہیں۔ (۲۷۱) عامۃ الناس کی سہولت کے لیے مسجد شریف کے چاروں طرف زیر زمین دو منزلہ کار پارکنگ ایریاز بنائے گئے ہیں جہاں مقررہ نرخوں کے عوض گاڑیاں گھنٹہ بھر یا روزانہ یا ماہانہ بنیادوں پر پارک کی جا سکتی ہیں۔ پارکنگ کی زیر زمین بالائی منزل میں ۲,۲۲۲ خصوصی گاڑیوں اور ۸۲ بڑی گاڑیاں مثلاً ٹرک وغیرہ پارک کرنے کی گنجائش ہے، جبکہ نچلی منزل پر ۲,۲۲۲ کاریں اور ۴۳ بڑی گاڑیاں

پارک کی جا سکتی ہیں۔ اس پارکنگ سے وسیع عمارتوں تک ۳۰ عام زینوں کے علاوہ بجلی کے زینے (Escalators) نصب ہیں۔ ٹریفک کے نظام کو مزید آسان بنانے کے لیے شارع ستین (موجودہ شارع فیصل) پر چلنے والی گاڑیاں کسی بھی جانب سے ان کار پارکنگ تک پہنچ سکتی ہیں تا کہ مسجد شریف میں آنے جانے والے لوگوں کو زحمت کا سامنا نہ ہو۔

خواتین و مرد حضرات کے لیے علیحدہ علیحدہ وضو خانے اور غسل خانے مسجد شریف کے باہر کھلے ایریا میں چاروں اطراف ملتے ہیں جن سے یومیہ ہزاروں میں لاکھوں زائرین و حجاج استفادہ کرتے ہیں۔ غسل خانوں میں فلش کے ذریعے نکاسی آب کا انتظام کیا گیا ہے۔ مسجد اور حرم النبوی شریف میں ایک بہت بڑے پیمانے پر پانی کی سپلائی کا نظام بنایا گیا ہے اور یوں لاکھوں نمازیوں کے لیے ہمہ وقت غسل اور وضو کا بندوبست مسجد شریف کے چاروں اطراف کر دیا گیا ہے۔ مستورات اور حضرات کے لیے الگ الگ عمارتیں اس کام کے لیے مختص ہیں جہاں آمد و رفت کے لیے عام زینوں کے علاوہ بجلی کے زینے بھی لگائے گئے ہیں۔ جائے وضو پر بیٹھنے کے لیے اونچی جگہیں بنائی گئی ہیں تا کہ پانی گرنے سے کپڑے غلیظ نہ ہوں۔ وضو کی کل ٹونٹیوں کی تعداد ۴,۴۴۲ مقرر ہے۔ پانی کے نکاس کے لیے وضو خانوں اور غسل خانوں سے نالیاں نکال کر مین نکاس کے نظام سے منسلک کر دی گئی ہیں جہاں سے یہ پانی مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں واقع زرخیز علاقوں کو آبپاشی کے لیے سپلائی کر دیا جاتا ہے۔ استعمال شدہ پانی کے نکاس کا نظام اتنا بہترین ہے کہ شدید بارشوں کی وجہ سے بھی کبھی پانی چند منٹوں سے زیادہ ٹھہرا نظر نہیں آتا۔

انتہائی سخت کوالٹی کنٹرول، نگرانی اور محنت شاقہ اس عظیم منصوبے کی تکمیل کے لیے سب سے بڑے رہنما اصول رہے تھے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اس منصوبے سے منسلک ہر اہل کار نے نہایت دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دیے۔ خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بنفس نفیس مدینہ طیبہ جاتے اور کام کی رفتار کا جائزہ لیتے رہتے اور کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ موقع پر ہی انہوں نے پلان سے ہٹ کر ہدایات دیں تا کہ مسجد نبوی شریف میں مزید سہولتوں کا اضافہ کیا جا سکے۔ پایہ تکمیل تک پہنچنے پر مسجد نبوی شریف کا چھتا ہوا حصہ پہلے کی نسبت پانچ گنا وسیع ہو چکا تھا جہاں اب ۱۸۰,۰۰۰ نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ نمازیوں کے لیے مزید گنجائش پیدا کرنے کی غرض سے چھت پر بھی صف بندی کے لیے برآمدوں کا بندوبست کیا گیا ہے۔ اس طرح چھت کا ۶۷,۰۰۰ مربع میٹر رقبہ بھی کام میں لایا گیا ہے جہاں مزید ۹۰,۰۰۰ نمازیوں کے بیک وقت نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ چھت پر آمد و رفت کے لیے ۸ عدد عریض سیڑھیاں تعمیر کر دی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ چار بجلی سے چلنے والے دو رویہ زینے بھی لگائے گئے ہیں۔ باب السلام سے لے کر (جسے باب نمبر ایک دیا گیا ہے) باب البقیع تک ۸۶ چھوٹے بڑے دروازے مسجد شریف کے چاروں طرف نمازیوں کی آمد و رفت کے لیے لگائے گئے ہیں۔ پہلے صرف آٹھ دروازے ہوتے تھے جن میں ۱۲ کواڑ نصب تھے، مگر تعمیر نو اور توسیع کے بعد ان کے مدخلوں کی تعداد ۲۵ ہو گئی ہے جن میں ۶۵ دروازے نصب ہیں۔ تہہ خانوں کو جانے کے لیے علیحدہ دروازے ہیں۔ صدر دروازوں کو

مدینہ طیبہ کی تاریخ کی رو سے بھی اس روایت میں جس ستون کا ذکر ہے وہ یہی ستون تھا جسے آج کل 'اسطوانہ عائشہ' کہا جاتا ہے۔ پہلے مصحف شریف اسی کے سامنے دھرا رہتا تھا یہ بھی ممکن نہیں کہ آج بھی قرآن کریم کے نسخے اسی ستون کے سامنے چھوٹی سی دیوار سے بنی پیتل سے بنی الماریوں میں رکھے رہتے ہیں (۲۸۴)

یہ ستون ریاض الجنہ میں پہلی صف کے ستونوں میں شامل ہے۔ حجرہ مطہرہ سے تیسرا ستون یہی ہے جب کہ منبر رسول مقبول ﷺ کی جانب قبلہ سے بھی یہ تیسرا ستون ہے۔ محراب النبوی شریف کی طرف سے اگر گنا جائے تو یہ دوسرے نمبر پر ہے۔ معتبر و ثقہ روایات سے مؤرخین مدینہ طیبہ اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ یہ جگہ ریاض الجنہ میں بہت ہی متبرک مقام ہے اور جائے قبولیت دعا ہے۔

اسطوانہ التوبہ

قبر اطہر سے دوسرا اور منبر شریف سے چوتھا ستون، اس کا نام اسطوانہ التوبہ ہے۔ اسے اسطوانہ ابی لبابہ بھی کہا جاتا ہے۔ جب بنو قریظہ کے یہودیوں نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غزوہ خندق کے دوران دشمن سے ساز باز کر کے غداری کا ارتکاب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ۵ ہجری کو غزوہ خندق کے فوراً بعد ان کا محاصرہ کر لیا جو کہ دو ہفتہ جاری رہا۔ یہودی تو پہلے ہی اپنے کئی حلیفوں کے راہ فرار اختیار کرنے سے پریشان تھے مگر اوپر سے جب ان کا محاصرہ کیا گیا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ بنو نضیر کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا اس سے بھی وہ واقف تھے۔ انہیں نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ جوں جوں محاصرہ شدید ہوتا گیا ان کے اعصاب اور حوصلے جواب دینے لگے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر اوسی انصاریؓ کو صلح کی بات چیت کے لیے ان کے پاس بھیجا جائے کیونکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے اوس قبیلہ بنو قریظہ کا حلیف رہا تھا اور اسی وجہ سے حضرت ابولبابہؓ کے بنو قریظہ کے یہودیوں کے ساتھ پرانے مراسم تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان حالات میں شاید وہ ان کے لیے اپنے دل میں کچھ نرم گوشہ رکھتے ہوں اور ان کے کچھ کام آ سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہؓ کو بات چیت کے لیے ان کے پاس بھیج دیا۔

جب ان سے بات چیت جاری تھی تو یہودیوں نے ان کا دل موم کرنے کے لیے اپنے بچوں اور عورتوں کو ان کے پاس بھیجا تا کہ ان کے جذبہ رحم کو ابھارا جا سکے۔ انہوں نے ان سے استفسار کیا: "آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ہم محمد (ﷺ) کے آگے ہتھیار ڈال دیں؟" انہوں نے کہا: "اگر تم نے ہتھیار ڈال دیے تو" اور پھر (غیر ارادی طور پر) انہوں نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کر دیا جس سے وہ سمجھ گئے کہ وہ قتل کر دیے جائیں گے۔" اسی وقت حضرت ابولبابہؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ ان کا بیان ہے کہ [رب العزت کی قسم میں نے ابھی اپنی جگہ سے قدم بھی نہیں ہلایا تھا کہ مجھے یہ احساس ہو گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے بدعہدی اور بیوفائی کا ارتکاب کر لیا تھا] (۲۸۵) یہ ایک ایسا جرم تھا جو قرآن کریم کے احکام کی صریح خلاف ورزی تھا۔ [اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو] (۲۸۶) احساس گناہ اور ضمیر کی ملامت نے ان پر لرزہ طاری کر دیا اور شرمندگی سے وہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو پیش نہ ہوئے۔ سیدھا مسجد نبوی شریف کا رخ کیا اور اپنے آپ کو انہوں نے اس ستون سے باندھ دیا جسے اسی نسبت سے 'اسطوانہ توبہ' کہا جاتا ہے (۲۸۷)

جب بنی قریظہ کا محاصرہ ختم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے تو اس وقت بھی حضرت ابولبابہؓ ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ اسی حالت میں دو ہفتے تک وہاں بندھے رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اگر وہ میرے پاس سیدھا آ جاتا تو میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا۔ لیکن چونکہ انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے مجھے کوئی حق نہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ انہیں معاف نہ کرے میں ان کو کھول دوں] (۲۸۸) ان کی بیوی نے بھی ان کا چہرہ دیکھنے سے انکار کر دیا تھا صرف ان کی ایک بیٹی ان کی
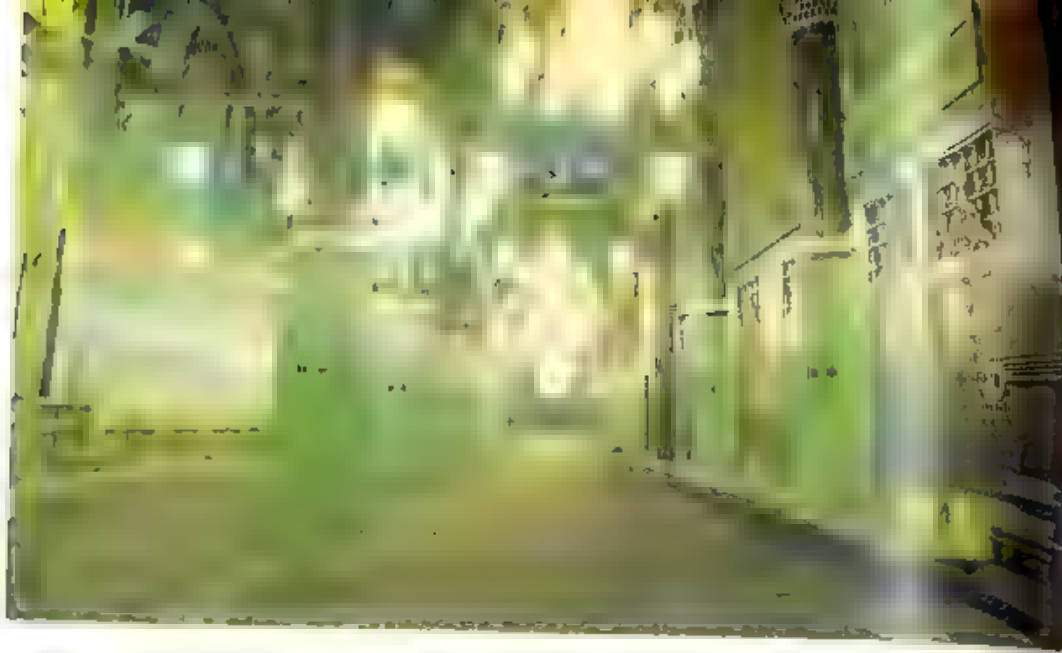
نماز وضو کی حاجت اور دیگر ضروریات کے لیے ان کو کھول کر چلی جاتی تھی اور جونہی وہ فارغ ہوتے اپنے آپ کو دوبارہ اسی ستون سے باندھ لیتے تھے۔ جب اللہ رب العزت نے ان کی توبہ قبول کر لی اور یہ آیت نازل ہوئی [اور کچھ وہ ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ایک اچھے کام کو دوسرے برے کام میں ملا کر ارتکاب کیا قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے] (۲۸۹) جونہی یہ خوشخبری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تک پہنچی تو وہ ان کی زنجیریں کھولنے کے لیے دوڑے آئے مگر آفرین ہے ان پر کہ کہنے لگے: نہیں نہیں! اللہ کی قسم میں اس وقت تک اپنے آپ کو نہیں کھلواؤں گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے میرے ہاتھ نہ کھولیں گے] آپ کے حضرت الاولین والآخرین ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کی زنجیریں کھول دیں۔ چونکہ صحابی رسول مقبول ﷺ کی توبہ اس ستون سے بندھے رہنے سے قبول ہوئی تھی اس لیے اس ستون کو 'اسطوانہ توبہ' کہا جاتا ہے۔ تاہم بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت ابی لبابہؓ نے چھ صحابہ کرام کی معیت میں اپنے آپ کو اس لیے باندھ دیا تھا کہ وہ غزوہ تبوک میں شرکت سے قاصر رہے تھے (۲۹۰) یہ بھی روایت ہے کہ جب کبھی کوئی کسی جرم یا کوتاہی کا قصوروار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کو اسی ستون سے بندھوا دیا کرتے تھے۔ ثمامہ بن اثالؓ کو جو کہ یمامہ کا سردار تھا بھی اسی ستون سے باندھا گیا تھا۔

حضرت محمد بن حبیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسطوانہ توبہ کی طرف رخ زیبا کر کے نوافل ادا فرمایا کرتے تھے۔ البیہقی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے جس میں روایت کیا گیا ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی شریف میں اعتکاف فرماتے تو آپ کا بستر اسطوانہ توبہ کے پاس لگا دیا جاتا تھا۔ ابن ماجہ کی ایک روایت کے مطابق جب بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اعتکاف میں بیٹھتے تو اپنا بستر اسطوانہ توبہ کے قریب لگواتے جس سے ان کا مقصود اتباع سنت رسول مقبول ﷺ ہوتا تھا۔ قاضی عیاضؒ نے ابن منذرؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت امام مالکؒ بھی اسی جگہ بیٹھتے جہاں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیٹھا کرتے تھے، یعنی اس جگہ پر جہاں رسول مقبول ﷺ بوقت اعتکاف استراحت فرمایا کرتے تھے۔ (۲۹۱)

کمزور و نادار اصحابہ کرام جن میں سرور کائنات ﷺ کے مہمان اور وہ لوگ بھی شامل ہوا کرتے تھے جن کا دل رب ذوالجلال والاکرام نے اسلام کی طرف مائل کر دیا تھا اور ایسے لوگ جن کے پاس مسجد شریف کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ ہوتی (اصحاب الصفہ) اسی ستون کے ارد گرد جمع رہتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے [جب رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے فارغ ہو چکتے تو کمزور و ناتواں، عمر رسیدہ و فقراء، مہمانان رسالت مآب ﷺ اور وہ اصحابہ کرام جن کا مسجد کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہ ہوتا تھا (یعنی اصحاب الصفہ) آپ حضور ﷺ کے گرد قطار اندر قطار حلقہ

اسطوانہ سریر

لگا کر بیٹھ جاتے اور حضور پرنور ﷺ ان آیات قرآنی کی تلاوت فرماتے جن کی تنزیل ایک دن پہلے ہوئی ہوتی اور پھر دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں ان کے مضمرات مندرجات پر گفتگو کرتے رہتے۔ اتنے میں سورج بلند ہو جاتا۔ عمائدین شہر آپ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے لگ جاتے تھے۔] (۲۹۲) سمہودیؒ نے اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ اس ستون کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے اس میں ایک چھوٹی سی محراب بنا دی گئی تھی جسے ۸۸۸ ہجری کی آتش زدگی کے بعد بند کرا دیا گیا تھا۔

اسطوانہ سریر

مشرق کی طرف اسطوانہ توبہ کے بعد دوسرا ستون اسطوانہ سریر ہے جس میں سے آدھا تو حجرہ مطہرہ کی دیوار کے اندر ضم ہو گیا ہے اور صرف آدھا زائر کی نظروں میں آ سکتا ہے۔ اس مقام پر رسول اللہ ﷺ اعتکاف فرماتے تھے۔ ۲ ہجری میں جب رمضان المبارک کے روزے مسلمانوں پر فرض ہوئے تو آپ حضور ﷺ نے اس ماہ مبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ جب بھی آپ حضور ﷺ حالت اعتکاف میں ہوتے تو آپ حضور ﷺ کا بستر جو کہ کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ہوتا تھا وہاں لگا دیا جاتا تھا۔ مقام اعتکاف اس ستون اور حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے درمیان ہوتا تھا جہاں حجرہ مطہرہ کا دروازہ ہوا کرتا تھا۔

سمہودیؒ کا خیال ہے کہ جب مسجد کی توسیع عمل میں نہیں لائی گئی تھی (یعنی غزوہ خیبر سے پہلے) تو آپ حضور ﷺ کا بستر مبارک اسطوانہ توبہ کے ساتھ لگایا جاتا تھا مگر توسیع ہو جانے کے بعد یہ اسطوانہ سریر (بستر والا ستون) کے پاس ہوا کرتا تھا۔ روایات میں اس اختلاف کی وجہ سے بعض مورخین کے ذہنوں میں تذبذب پیدا ہو گیا تھا (مثلاً ابن فرحون) جن کا نظریہ یہ رہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اسطوانہ سریر ہی اسطوانہ توبہ ہو تاہم ان روایات کے بین السطور مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں روایات متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے۔ [آپ حضور ﷺ کے اعتکاف کے لیے ایک پردہ کھڑا کر دیا جاتا جہاں سرکار دو عالم ﷺ رات کو مشغول عبادت رہتے اور جب دن ہو جاتا تھا تو ایک بستر لگا دیا جاتا جہاں آپ حضور ﷺ استراحت فرماتے تھے۔] (۲۹۳) ایسی ہی ایک اور حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ [جب رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں بیٹھتے تو پردہ لگا کر عارضی طور پر ایک احاطہ سا بنا دیا جاتا تھا جس کے اندر آپ حضور ﷺ کا بستر بھی ہوا کرتا تھا جو کہ کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے

بنا ہوتا تھا۔ مجھے وہ جگہ دکھائی گئی جو کہ قبر اطہر کے سامنے والے ستون (جسے اب اسطوانہ سریر کہا جاتا ہے) اور قندیلوں کے درمیان تھی (یہ بات ہے کہ قندیلیں اس وقت جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت بیان کی گئی تھی قندیلیں رکھی ہوتی تھیں) جہاں سرکار دو عالم ﷺ استراحت فرمایا کرتے تھے۔] (وہ خیمہ یا عریش جو وہاں لگا دیا جاتا تھا جس کے اندر اتنی گنجائش ہوا کرتی تھی کہ ایک چارپائی بچھائی جا سکے) تجزیہ یہ ہوگا جو کہ دونوں ستونوں کے درمیانی علاقے پر لگتا ہوگا۔ اس طرح دونوں روایات میں مدعا اتم تطابق پایا جاتا ہے جہاں اسطوانہ توبہ ایک ستون تھا اور اسطوانہ سریر اگلا ستون ہوا کرتا تھا۔ اسطوانہ توبہ حجرہ مطہر کے اتنا قریب تھا کہ رسول مقبول ﷺ اپنا سر مبارک حجرہ مبارک میں موجود کھڑکی کی جانب کر دیتے تھے جہاں سے اندر سے ہی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بالوں میں تیل لگاتیں اور کنگھی کر دیا کرتی تھیں۔

اسطوانہ حرس (محرس)

جب منافقوں اور یہودیوں کی معاندانہ سرگرمیاں شدت اختیار کر گئیں اور مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کو خطرہ محسوس کیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رضاکارانہ طور پر آپ حضور ﷺ کے کاشانہ مبارکہ پر پہرہ دینے کی آرزو کی۔ غزوہ احد کے عسکری نتیجے کے دوران تو ایسی صورتحال مدینہ طیبہ پر بھرپور نافذ ہو چکی تھی اور اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رات کو مسلح ہو کر سوتے تھے۔ حضور سرکار دو عالم ﷺ بھی ان دنوں مسلح رہتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ انہی ایام میں سے ایک رات حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پوری طرح مسلح ہو کر اپنے اسلحہ کی جھنکار کے ساتھ کاشانہ اقدس پر حاضر ہوئے اور پہرہ دینے کی درخواست کی اور وہ حجرہ مطہرہ کی دہلیز کے پاس رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ اسی طرح دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے کہ پہرہ داری اور سفر و حضر میں پاسبانی و حرس کا فرض ادا کرتے تھے۔ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جنہیں دوران حیات آپ ﷺ پر پہرہ دینے کا شرف حاصل ہوا ان میں درخشاں نام شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے تھے۔ چند دیگر احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ وہ در اقدس کے باہر رات کو اکثر پہرہ دیتے تھے تاہم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرائض سب سے زیادہ بار ادا کیے۔ دوران سفر تو اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام آتے ہیں جن میں سیدنا بلال بن رباحؓ (جنہوں نے یہ فریضہ وادی القریٰ میں ادا کیا)، حضرت محمد بن مسلمہؓ (جو یوم احد پر پہرہ دار تھے) اور حضرت سعد ابن معاذؓ (جنہوں نے یوم بدر یہ فریضہ انجام دیا تھا) کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے متعلق کا ہے کہ وہ دن بھر بیرونی سے دروازے پر دربانی کے فرائض ادا کرتے رہے تھے۔ یہ تمام حارسین رات بھر جاگ کر مصطفوی پر پہرہ دیتے ہوئے کھڑے رہتے اور اگر ٹیک لگانے کی ضرورت ہوتی تو پاس ہی موجود ستون کے ساتھ ٹیک لگا لیتے تھے جسے اس نسبت سے بعد میں محرس (مقام پہرہ داری) یا اسطوانہ حرس کہا جانے لگا تھا۔ اسے اسطوانہ علی بن ابو طالب کرم اللہ وجہہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ پہرہ داری کی سعادت زیادہ تر انہی کے حصے میں آتی تھی۔ حضرت موسیٰ بن سلمہؓ سے مروی ہے [میں نے جعفر بن عبداللہ بن الحسینؓ سے اسطوانہ علی ابن ابی طالبؓ کے محل وقوع کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا "یہ وہ جگہ ہے (قبر اطہر کے قریب) جہاں علی بن ابی طالبؓ پہرہ دار کے طور پر بیٹھا کرتے تھے۔] (۲۹۴)

یہ حفاظتی اقدامات اس وقت تک جاری رہے جب تک کہ قرآنی آیت [اور اللہ تعالیٰ آپ کی نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔] (۲۹۵) نازل نہ ہوئی تھی جس پر رسول اللہ ﷺ نے پہرہ داروں کو منع کر دیا تھا چونکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قیام بھی حجرہ اطہر کی حدود رحمت میں ہوا کرتا

تھا اس لیے دوسروں کی نسبت یہ فراخ اور کرسی کی عبادت اس کے حصے میں زیادہ آتی تھی اس کے علاوہ بھی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اس ستون کے سامنے نماز ادا کرتے تھے جس کی وجہ سے خاص طور پر اس کی نسبت شیر خدا علی المرتضیٰ سے ہوگئی ابن نجار کی تحقیق کے مطابق تو یہ پورا ستون شیر خدا اٹھا رہی تھی

ایک اور وجہ سے بھی اس ستون کی اہمیت ثابت ہے۔ بنو ہاشم کے افراد یہیں اپنی جگہ اپنے اجتماعات منعقد کرتے تھے یعنی مجلس قادہ بھی یہیں بچھتی تھی (٢٩٦)

اسطوانہ الوفود

رسول اللہ ﷺ کی مہمان نوازی تو زباں زد خاص و عام تھی۔ دوست ہو یا دشمن جب مہمان بن کر آتے تو سب کے لیے در کھلا ہوتا عشاق رسول مقبول ﷺ (مثلاً حضرت ربیعہ بن کعبؓ) ساری ساری رات کاشانہ اقدس کی چوکھٹ پر موجود رہتے لیکن یہی نہیں کہ کسی وقت بھی آنے والے مہمان کے لیے دربار رسالت مآب ﷺ بند رہا ہو حضور پرنور ﷺ آنے والے وفود اور مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم فرماتے اور حجرہ مطہرہ کے دروازے کے باہر انہیں شرف ملاقات بخشتے جہاں یہ ستون تھا وفود ستون تھا سرکار دو عالم ﷺ ستون کے پاس تشریف رکھتے اور ان وفود سے گفتگو فرماتے جو اکناف جزیرۃ العرب سے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے حاضر ہوتے تھے اس لیے اس ستون کی تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے کہ یہاں بہت سے قبائل کے متکبر سرداروں نے اپنا سر تسلیم خم کیا تھا آنے والوں میں مسلم، غیر مسلم، بدو وفود سب شامل ہوتے تھے وفود خود نجران کے عیسائی ہوں یا بنو تمیم کے سر پھرے سردار یا پھر بنو سعد بن بکر کے عربی، سب کا اسی مقام پر استقبال کیا جاتا تھا

یہ وہی جگہ ہے جہاں بنو تمیم کے ایک فرد نے حجرات مطہرہ کے پیچھے سے کرخت آواز میں یہ آواز لگایا تھا کہ "اے محمد (ﷺ) باہر آئیں تاکہ ہماری شان و شوکت کا مشاہدہ کر سکو" تکبر میں ڈوبی اس کی کرخت اور بیہودہ آواز نے عرش اعظم تک کو ہلا کر رکھ دیا اور رب ذوالجلال کی ناراضگی کو ملکار۔ اسی وقت قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی [بے شک جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر عقل نہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے](٢٩٧) وہ اپنے وفد کے ہمراہ اپنا ایک شعلہ بیاں مقرر عطارد بن حاجب اور ایک شاعر زبرقان بن بدر بھی لائے تھے۔ ان کی آمد پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو بلا بھیجا جو اذن حاضری سن کر راستے بھاگتے ہوئے آئے یہاں تک کہ ان کا سانس پھول گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے جواب آں غزل کے طور پر حضرت حسان بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ ان کے مقرر اور شاعر کا ترکی بہ ترکی جواب دیں جناب حسان بن ثابتؓ کے لیے ایک تپائی (ستون) منگوائی گئی جس پر کھڑے ہونے کا حکم ہوا اور سرکار دو عالم ﷺ نے دعا کی [اے اللہ روح القدس کے ذریعے حسان کی معاونت فرما]

اس کے بعد شعر گوئی کا مقابلہ شروع ہوا زبرقان پوری تیاری کے ساتھ آیا ہوا تھا مگر حضرت حسان بن ثابتؓ کو تو اچانک طلب کیا گیا تھا انہوں نے مد مقابل کی تیز و تند ابیات کو سنا اور پھر اسی بحر اور ردیف و قافیہ میں فی البدیہہ دنداں شکن جواب دینے لگ گئے مقابلہ کانٹے دار تھا زبرقان کی شاعرانہ صلاحیتوں کی دھوم جزیرۃ العرب میں دور دور تک تھی، مگر شاعر دربار رسالت مآب ﷺ حضرت حسان بن ثابتؓ کی شہرہ بھی آفاق عرب میں چاروں طرف پھیلا ہوا تھا جلد ہی زبرقان شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا اور حضرت حسان بن ثابتؓ جو عکاظ کے بین العرب مقابلوں میں اپنا لوہا منوا چکے تھے فائز و کامران قرار پائے جس پر الاقرع بن حابس التمیمی برمحل پکار اٹھا: "مجھے اپنے باپ کی قسم

حتیٰ کہ وہ وقت جہاں عبادت کے علاوہ حیثیت نشان کی ہو شعبے میں رہنمائی کے سوتے پھوٹتے تھے مگر اس کا ایک پہلو یہ بھی رہا ہے کہ یہ دینی اور دنیاوی ہر دو سے مقرِ حکومت اور مرکزِ خلافت بھی تھا اور اس کا یہ مقام اس وقت تک رہا جب تک کہ دنیاوی دار الخلافت مدینہ طیبہ سے منتقل نہ کر دیا گیا۔ چنانچہ حضورِ رسولِ مقبول ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کی بیعت کا مسئلہ تو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہی چند انصار اور اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے سے طے ہو گیا تھا مگر رسمی اور عام بیعت منبرِ رسولِ مقبول پر مسجد نبوی شریف میں ہی کی گئی تھی (۳۰۰) اس کے بعد سیدنا عمر بن الخطاب، سیدنا عثمان بن عفان ؓ اور شیرِ خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت عام بھی اسی مقام پر مسجد نبوی شریف میں ہوئی تھی۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کی شہادت بھی مصلّیٰ رسولِ مقبول ﷺ پر کھڑے ہوئے ہوئی تھی جب نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ سیدنا عثمان بن عفان ؓ کی شہادت باب جبریل کے سامنے ان کے گھر دار آلِ عثمان میں ہوئی تھی جب کہ باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ خلیفۂ چہارم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کوفہ میں ہوئی تھی۔ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ اور سیدنا فاروق ؓ کی نمازِ جنازہ بھی مصلّیٰ مصطفوی پر ادا کی گئی تھی اور پھر اس کے بعد بہت سے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نمازِ جنازہ اسی مقام پر ادا ہوئی۔ البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ وہ آخری صحابی تھے جن کا جنازہ اس مقام پر پڑھا گیا تھا۔ اس کے بعد عموماً نمازِ جنازہ وہاں کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی تھی کیونکہ میت وہاں رکھنے سے میت کے پاؤں حجرہ مطہرہ کی جانب ہو جاتے تھے جو کہ بے ادبی تھی اور یہی وجہ تھی۔ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی میت وہاں رکھ کر نمازِ جنازہ ادا کرنے کی مخالفت کی تھی

(۲) مسجد نبوی شریف کے اصلی فرش کی سطح

مصر کے سلطان بیبارس کے دور میں یہ طے کیا گیا کہ مسجد شریف کا چوتھا مینارہ (جو کہ دار مروان بن الحکم کے مسجد شریف سے متصل مکان کے کونے پر تعمیر ہوا تھا اور جسے سلیمان بن عبد الملک کے حکم پر مسمار کر دیا گیا تھا) دوبارہ اسی جگہ پر تعمیر کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے بہت گہرائی تک کھودنا پڑا تھا تاکہ مینارے کا ڈھانچہ بہت مضبوط بنیادوں پر استوار ہو سکے۔ جب کھدائی قدِ آدم کے برابر (یعنی تقریباً پانچ چھ فٹ) نیچے تک گئی تو مسجد نبوی شریف کا وہ فرش برآمد ہو گیا جس سے نہ صرف اس وقت کے دار مروان کے فرش کی سطح ظاہر ہو گئی بلکہ مسجد مقدس شریف کے اس دور میں فرش کی سطح بھی عیاں ہو گئی جس پر کالے رنگ کی ریت بچھی ہوئی تھی (شاید جبل سلع کے دامن سے وادی بطحان سے لائی گئی ہو گی) (۳۰۱) فرش کی یہ سطح وہ تھی جو کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دورِ گورنری میں بنایا گیا تھا جیسے کہ بہت سی روایتوں سے ثابت ہے۔ وادی مہزور کی طغیانی کا پانی مسجد شریف میں داخل ہو جایا کرتا تھا اس لیے حضرت عمر بن عبد العزیز ؓ نہ صرف فرش مسجد نبوی شریف کو بلند سطح پر لے آئے تھے بلکہ انہوں نے مسجد شریف کی شرقی دیوار کو دوسری تین دیواروں کے مقابلے میں کافی چوڑا تعمیر کروا دیا تھا تاکہ اس پر طغیانی کا زور نہ ہو۔

جب ۸۸ ہجری میں حجرہ مطہرہ کی مرمت کی جا رہی تھی تو اس وقت اس بات کا انکشاف بھی ہوا کہ کاشانہ قدس کے اندر کے فرش کی سطح جہاں قبور مطہرہ واقع ہیں حجرہ مطہرہ کے اردگرد حضرت عمر بن عبد العزیز ؓ کے تعمیر کردہ پنجگوشہ کے فرش کی سطح سے ڈیڑھ ذراع (تقریباً ۰.۷۵ میٹر) سے نیچی تھی جو بذاتِ خود اس وقت (۸۱ ہجری) میں مسجد شریف کے عمومی فرش سے ڈیڑھ ذراع نیچی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کاشانہ قدس کے فرش کی سطح اس وقت باہر کے مسجد شریف کے فرش کی سطح سے تین ذراع (یعنی ڈیڑھ میٹر) نیچی تھی (۳۰۲) حجرہ مطہرہ کے اندر کے فرش کی سطح اور مسجد شریف کے عمومی فرش میں یہ تین ذراع کا تفاوت تو ۸۸ ہجری میں تھا اب جب کہ پانچ مزید صدیاں گزر چکی ہیں اور اس دوران مسجد شریف کو کم از کم تین مرتبہ از سرِ نو تعمیر کیا گیا ہے (دو بار تو عثمانی دورِ حکومت میں اور ایک بار سعودی دورِ حکومت میں) اور ہر بار اس میں سنگِ مرمر کا فرش بچھایا گیا ہے، اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دونوں سطوح میں تفاوت مزید بڑھ گیا ہوگا۔
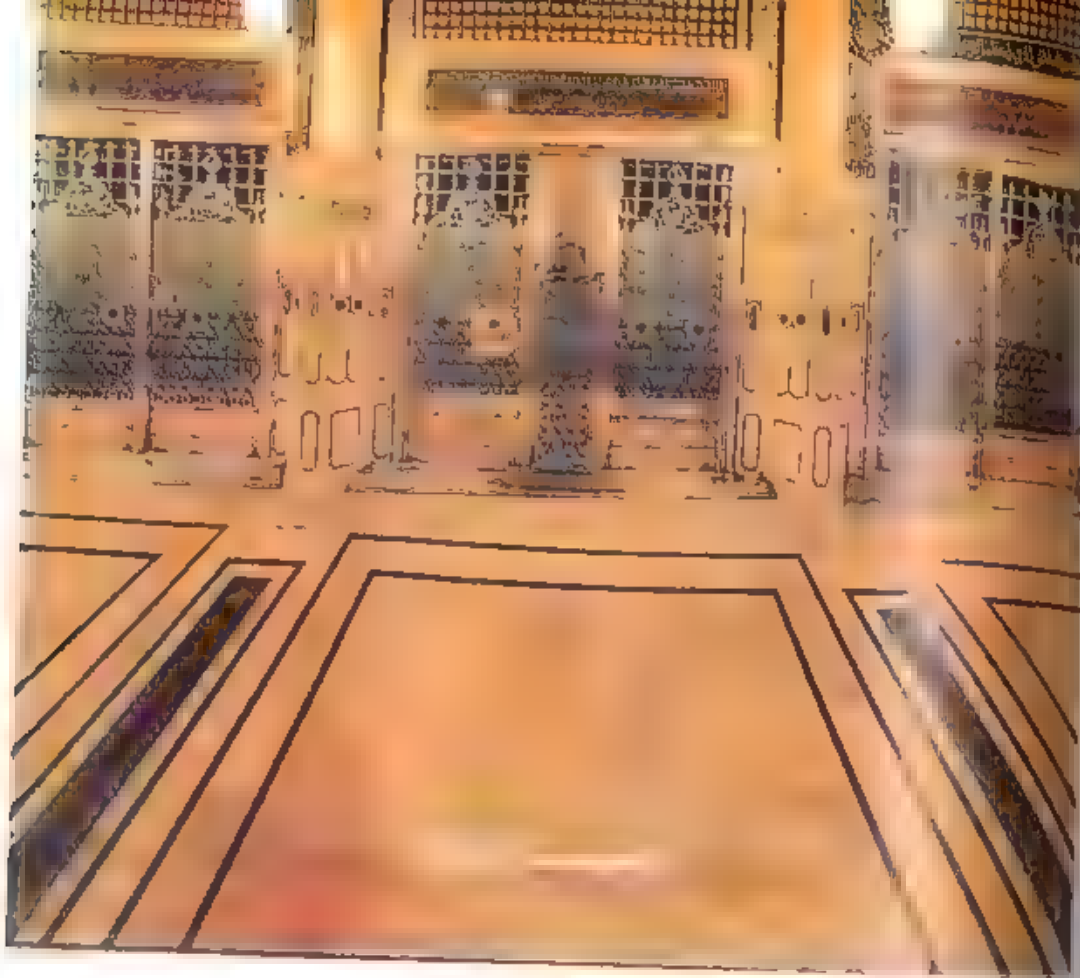
پچھلی پانچ یا چھ صدیوں میں مسجد نبوی شریف کی کرسی اتنی بلند ہو گئی ہے کہ ان قدیم آبادیوں میں (جو کہ باب جبریل کے سامنے۔ مثلاً حارۃ الاغوات وغیرہ میں تھیں جن میں بہت ہی قدیم تاریخی عمارتیں بھی ۱۹۸۰ء تک اچھی حالت میں موجود ہوا کرتی تھیں) بہت ہی قدیم تاریخی عمارتوں کے دروازوں کے سامنے سے جو تنگ گلیاں گزرتی تھیں ان کو بھی اسی سطح پر لایا گیا تھا جس کی وجہ سے ان عمارتوں کے دروازے بعض اوقات میں صرف آدھے نظر آیا کرتے تھے جب کہ ان کے آدھے حصے گلیوں میں مٹی وغیرہ بھرنے کی وجہ سے زیرِ زمین چھپ گئے تھے ان عمارتوں میں داخل ہونے کے لیے بہت جھک کر ان دروازوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ بھی اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ مسجد شریف کی سطح مختلف ادوار میں اوپر کی جانب اٹھائی جاتی رہی تھی۔ بقول عبد القدوس الانصاری "ان سڑکوں اور گلیوں کی سطح اتنی بلند ہو گئی ہے کہ ان مکانوں میں داخل ہوتے وقت یا تو چھلانگ لگا کر نیچے اترنا پڑتا ہے یا پھر پرانی طرز کی پتھر کی سلوں سے بنی سیڑھیوں سے نیچے اترنا پڑتا ہے"

سعودی، ص ۱۸۷

اس سلسلے میں عبد القدوس الانصاری نے آثارِ قدیمہ کی ان بہت سی باقیات کا حوالہ دیا ہے جو کہ مدینہ طیبہ میں مختلف مقامات پر عمارات وغیرہ کی تعمیر کے سلسلے میں کھدائی کے دوران دریافت ہوئی تھیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب انہوں نے اپنی کتاب ۱۳۵۳ ہجری (۱۹۳۴ء) میں طبع کی تھی۔ اس بارے میں سب سے زیادہ حیران کن انکشافات وہ ہیں جن میں انہوں نے لکھا ہے کہ جب ۱۳۳۵ ہجری میں فخری پاشا نے سوق المناخہ کے علاقے میں کھدائی کا حکم دیا تھا (وہ علاقہ جو کہ مسجد نبوی شریف کے غربی جانب ہوا کرتا تھا اور کا کافی حصہ سب کی تعمیر شدہ مسجد اور اس کے پیٹیو ایریا میں شامل ہو چکا ہے) تو دورانِ کھدائی چند ایسے بند کمرے دریافت ہوئے تھے جہاں انسانوں کی باقیات پائی گئی تھیں جو کہ صدیوں پہلے وہاں رہا کرتے تھے اور ان کے کپڑے تک دیواروں سے لٹکے ہوئے تھے جو کہ

اس تاریخی کی آمد و رفت نہ ہونے کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہو چکے تھے اس سے قبل مصنف نے ان کی تصاویر لی تھیں جن میں عکس سے مدینہ
مدینہ شریف کے بیشتر قدیم مدینہ طیبہ کے مقامات فن سے محفوظ رہ گئے ہیں (۳۰۳)

محراب سلیمانی

یہ محراب ۹۰۸ ہجری میں بنائی گئی تھی اس سے پہلے اس جگہ ایک سادہ سی قدیم محراب تھی جسے ۶۸۰ ہجری میں طوطان شاہ نے بنوایا تھا اس کی پشت پر موجود عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ محراب کو سلطان سلیمان بن سلطان سلیم بن سلطان بایزید دوم بن بایزید خان العثمانی نے ۹۳۸ ہجری میں بنوایا تھا (۳۰۴) اسی وجہ سے محراب سلیمانی کہا جاتا ہے اس کی تزئین اور پالش کا کچھ کام سلطان کے بیٹے اور جانشین سلطان سلیم دوم نے کروایا دور عثمانیہ میں تمام مذاہب کے اماموں کو اپنے فقہ کے مطابق مسجد نبوی شریف میں باری باری نماز پڑھانے کی اجازت تھی اور فقہ حنفیہ کے امام اس مقام پر امامت کرواتے تھے اور درس و تدریس کرتے تھے جس کی وجہ سے اسے محراب حنفی یا محراب احناف بھی کہا جاتا تھا یہ محراب مصطفوی کی غربی جانب واقع ہے اور سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے جس میں جگہ جگہ سیاہ پتھر کے ٹکڑے لگائے گئے ہیں محراب پر خوبصورت خطاطی کے فن پارے بھی موجود ہیں جو کہ ترک مسلم فن تعمیر کا طرہ امتیاز رہا ہے فخری پاشا نے گورنری میں پہلی جنگ عظیم کے دوران اس کی مرمت کروائی تھی

محراب سیدۃ نساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ

یہ محراب حجرہ مطہرہ کے اندر محراب تہجد اور ستون تہجد کے درمیان واقع ہے سفید سنگ مرمر سے بنی یہ خوبصورت محراب ایک چبوترے پر بنائی گئی ہے جس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیدۃ نساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی قبر اطہر ہے درحقیقت یہ محراب اس جگہ پر واقع ہے جہاں سیدۃ نساء اہل الجنۃ شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی دلہن بن کر آئی تھیں (۳۰۵) چونکہ یہ محراب بھی حجرہ مطہرہ کے اندر ہے اس کا نظارہ بھی کوئی قسمت والا ہی کر سکتا ہے

محراب تہجد

یہ خوبصورت محراب جو کہ مسجد نبوی شریف میں واقع ہے دیگر محاریب سے مقابلتاً چھوٹی ہے اور حجرہ مطہرہ کی شمالی جانب کی دیوار کے وسط میں بنائی گئی ہے چونکہ پیتل کی بنی ہوئی الماریاں شمالی جانب پوری دیوار کے ساتھ ساتھ رکھی ہوئی ہیں جن میں مصحف شریف کے نسخے رکھے رہتے ہیں اس لیے یہ مبارک محراب نظر نہیں آتی یہ اس ستون تہجد کے مدمقابل کے طور پر بنائی گئی تھی جو کہ مقصورہ شریفہ کے اندر ہے اور حد سے عام لوگوں کی پہنچ سے باہر ہو گیا تھا کیونکہ سیدھ میں حجرہ مطہرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر ستون تہجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نماز تہجد کے لیے چادر بچھایا کرتے تھے اور پھر جب اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہجوم ہونے لگا تو آں حضرت ﷺ نے اپنے سجادہ مبارک کو اٹھوا لیا اسے سلطان قیتبائی نے بنوایا تھا اور اس پر لکھا ہوا تھا "ہذہ متہجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" سلطان عبدالمجید کے دور میں اس کی تزئین و مرمت ہوئی تھی

خوخہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ایک چھوٹا سا گھر مسجد مصطفوی سے متصل غربی جانب بھی ہوا کرتا تھا جس میں سے ایک دریچہ مسجد شریف کے اندر کھلا کرتا تھا ابتداء میں تو تقریباً تمام گھروں کے (جو کہ مہاجرین نے مسجد نبوی شریف کے ارد گرد تعمیر کیے تھے) دروازے اور دریچے مسجد

گئے ہیں کہ جب کبھی تیز تندی یا طوفان کا سامنا ہو جس کی رفتار ۲۰ میل فی گھنٹہ سے زیادہ ہو تو یہ بجلی والا خود کار نظام کو معطل کر دیتا ہے اور چھتریاں بند پڑی رہتی ہیں اور اگر بارش ہو تو بارش کا پانی چھتریوں پر جمع ہو کر اپنے مرکز کی طرف بہہ نکلتا ہے جہاں سے ستون میں لگی نالیوں کے ذریعے ستون کی تہہ میں چلا جاتا ہے جو آگے جا کر قدرت کے پانی کے نکاس کے نظام سیکی سے منسلک ہیں ہر چھتری ۳۰۰ مربع میٹر سے زیادہ رقبے کو گھیر لیتی ہے ہر ایک میں ۲ فانوس لگے ہیں جیسے کہ دیگر ستونوں اور ستونوں میں نصب ہیں جن سے صحنوں میں روشنی کی چکا چوند پیدا ہو جاتی ہے اور خدانخواستہ بجلی کا نظام کسی وجہ سے معطل بھی ہو جائے تو بھی یہ چھتریاں سورج سے توانائی حاصل کر کے چلتی رہتی ہیں چھتریوں کے اوپر سولر سیلز (Solar cell Panels) لگائے گئے ہیں جو کہ چارج ایبل بیٹریوں (Rechargeable Batteries) میں شمسی توانائی جمع کرتے رہتے ہیں (۳۰۸)

مسجد مصطفوی میں موجود بعض تاریخی شہپارے اور دلچسپ معلومات

(۱) ربیع الاول کا مہینہ مسجد مصطفوی شریف کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے اس کی خشت اول سرکار دو عالم ﷺ نے ربیع الاول ۱ ہجری میں رکھی فتح خیبر محرم ۷ ہجری میں ہوئی اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کی تعمیر نو رسول اللہ ﷺ نے کی چونکہ یہ توسیع فتح خیبر کے کچھ ہی دیر بعد ہوئی تھی اس لیے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ تعمیر نو بھی بدست سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ماہ ربیع الاول ۷ ہجری میں ہی شروع ہوئی تھی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تعمیر نو بھی ربیع الاول (۱۷ ہجری) میں شروع کروائی، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی تعمیر نو ربیع الاول ۲۹ ہجری میں شروع کروائی پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر نو کا منصوبہ بنایا تو تعمیر کا کام بھی ربیع الاول ۸۸ ہجری کو شروع کیا گیا سلطان اشرف قیتبائی نے بھی تعمیر نو ماہ (ربیع الاول ۸۸۸ ہجری) میں شروع کروائی شاہ سعود نے اس کی توسیع کے منصوبے کا افتتاح (ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری) اور تعمیر نو کے لیے سنگ خشت بھی ربیع الاول ۱۳۷۳ ہجری کو رکھی منصوبے کا باقاعدہ افتتاح ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۵ ہجری کو کیا گیا

(۲) مسجد نبوی شریف میں سب سے قدیم ترین تعمیر وہ جنوب مشرقی گوشہ اور اس کے اندر واقع کاشانہ اقدس ہے جسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ۸۸-۹۱ ہجری میں تعمیر کروایا تھا سوائے چند مرمتوں کے جو کہ مختلف ادوار میں کروائی گئیں، یہ حصہ مسجد شریف کا قدیم ترین حصہ ہے

(۳) جانب قبلہ کا حصہ اور اس میں جو کام کروایا گیا ہے وہ سلطان عبدالمجید اول (۱۲۶۵-۱۲۷۷ ہجری) کے دور کی یادگار ہے

مسجد نبوی شریف کی
دیوار پر کی گئی خطاطی

(۴) مقصورہ شریف کے سبز جالی والے حصے کی بنیادیں اور وہ ستون جن پر سبز گنبد ستوار ہے سلطان قایتبائی نے ۸۸۷ ہجری میں تعمیر کروائے تھے
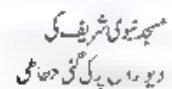
(۵) مقصورہ شریف کی سبز جالی شاہ ظاہر بیبرس (۶۶۸ ہجری) کی یادگار ہیں اس سے پہلے لکڑی کی جالی لگائی گئی تھی جو کہ مسجد شریف میں آگ کے حادثے میں جل کر خاکستر ہو گئی تھی اسے ۶۹۴ ہجری میں سلطان زین الدین کتبغا نے مرمت کروایا تھا

(۶) موجودہ گنبد سلطان عبدالحمید نے ۱۲۳۳ ہجری میں تعمیر کروایا تھا اور پہلی بار اس پر سبز رنگ بھی انہوں نے کروایا تھا

(۷) مینارہ رئیسیہ جو کہ سبز گنبد کے قریب ہے سلطان اشرف قیتبائی (۸۸۸ ہجری) کی یادگار ہے چند مرمتوں اور تبدیلیوں کے سوا باقی کا مینارہ سلطان قیتبائی کا بنوایا ہوا ہے

(۸) باب السلام کا مینار اس وقت قدیم ترین مینار ہے جسے سلطان ناصر محمد بن قلاوون نے ۷۰۶ ہجری میں تعمیر کروایا تھا اس سے پہلے چھ صدیوں سے اس جگہ پر کوئی مینارہ نہیں تھا کیونکہ مینارہ جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بنوایا تھا اسے سلیمان بن عبدالملک نے حکماً مسمار کروا دیا تھا اس کے بعد عثمانیوں نے اس کی دیکھ بھال کی اور تھوڑی بہت مرمت کروائی تا کہ اسے وقت کی تباہ کاریوں سے بچایا جا سکے اسی طرح سعودی حکومت نے بھی اس کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کی ہے مگر اس کی تاریخی اہمیت کو بحال رکھنے کے لیے یہ بات بتانا بہت ضروری ہے کہ اندر سے ابھی تک یہ مینارہ کچی مٹی کا بنا ہوا ہے

(۹) محراب النبی شریف کو سلطان اشرف قیتبائی نے تعمیر کروایا تھا (۸۸۸-۸۹۰ ہجری) سعودی دور میں جب کہ مسجد نبوی کی تجدید و توسیع ہوئی تھی تو اس میں کچھ تزئین و آرائش کا کام کیا گیا تھا

(۱۰) محراب عثمانی کو بھی ۸۸۸-۸۹۰ ہجری میں سلطان قیتبائی نے تعمیر کروایا تھا

(۱۱) سنگ مرمر سے بنا مکبر یہ بھی سلطان قیتبائی کی یادگار ہے

(۱۲) دوسرا مکبر شاہ سعود بن عبدالعزیز کے دور میں ۱۹۵۲ء میں بنا تھا

(۱۳) اس کے علاوہ باقی کے تمام کام خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور کے ہیں۔

(۱۴) موجودہ منبر شریف سلطان مراد کا بھیجا ہوا ہے البتہ اس پر کچھ کام سعودی دور میں بھی ہوا ہے

(۱۵) مسجد شریف کے لیے اس سے پہلے سلطان قیتبائی نے سنگ مرمر سے بنا ایک منبر ۸۸۸ ہجری میں بھیجا تھا جو کہ آج کل مسجد قباء میں محفوظ ہے اور ابھی تک زیر استعمال ہے یہ مسجد قباء کے قبلہ کی دائیں جانب پڑا ہے

اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ سے باہر نکلے اور اعلان کیا کہ

'اے لوگو جو کوئی محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو اس کو جان لینا چاہیے کہ آپ حضور انتقال فرما چکے ہیں لیکن جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ حی و قیوم ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی' (۲۳)

اس کے بعد انہوں نے قرآن کریم کی آیت کریمہ تلاوت فرمائی

﴿ (اے محمد) بیشک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے ﴾ (۲۴)

اور

﴿ محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی ہو چکے اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہ کر پائے گا ﴾ (۲۵)

ان الفاظ پر لوگوں کو قدرے سکون ہوا مگر پھر بھی ہر کوئی غم و اندوہ کی تصویر بنا ہوا تھا شدت حزن سے سب کی زبانیں گنگ ہو گئی تھیں ہر طرف سسکیوں کی آوازیں تھیں بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے (۲۶) کوئی غشی طاری ہو چکی تھی اور کچھ آہ و بکا کر رہے تھے سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے الفاظ میں [واللہ جب میں نے ابو بکرؓ کے (صدیق) الفاظ سنے تو میری ٹانگیں جواب دے گئیں اور جونہی انہوں نے اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں تو میں زمین پر گر گیا (۲۷)] صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین گروہ در گروہ دھاڑیں مارتے ہوئے مسجد نبوی کی طرف دوڑے آ رہے تھے ہر طرف آہ و زاری تھی اور کسی کو کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ کیا ہوگا اسی اثناء میں عم رسول حضرت عباس بن عبد المطلبؓ بھی حجرہ مطہرہ سے باہر تشریف لائے اور اعلان کیا [اے لوگو رسول اللہ ﷺ انتقال فرما چکے ہیں۔] پھر جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قدرے سنبھلے تو رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا جانے لگا

یحییٰ بروایت حضرت مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال پیر کے دن ہوا اور آپ حضور ﷺ کو منگل کو دفن کیا گیا (لیکن ابن اسحاق اور دیگر روایت کے مطابق بدھ کی رات کے وقت جیسا کہ آگے آئے گا) اور یہ کہ لوگوں نے فرداً فرداً نماز جنازہ ادا کی اور کسی نے امامت نہ کروائی بعض کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کے منبر شریف کے پاس دفن کیا جائے اور کچھ کا خیال تھا کہ جنت البقیع میں دفن کیا جائے سیدنا ابو بکر صدیقؓ آئے تو فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا [کوئی نبی بھی اس جگہ کے علاوہ کہیں نہیں دفنائے گئے سوائے اس جگہ کے جہاں ان کی روح پرواز ہوئی ہو] لہذا آپ کی قبر اطہر بھی اسی جگہ کھودی گئی جب غسل دینے کے لیے یہ بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ حبیب رب ذوالجلال ﷺ کے جسم اطہر سے قمیص مبارک اتاری جائے تو انہوں نے ایک آواز سنی [ان کی قمیص نہ اتاری جائے] لہذا آپ حضور ﷺ کی قمیص مبارک نہ اتاری گئی] (۲۸)

سنن ابی داؤد میں تاہم ایک حدیث مبارکہ کے مطابق ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے [ہم ابھی کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ آپ کی قمیص اتاری جائے یا نہ جیسا کہ ہم دیگر میتوں کے بارے میں کرتے ہیں یا پھر قمیص سمیت آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر کو غسل دے دیا جائے جب لوگوں کا آپس میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر غنودگی طاری کر دی یہاں تک کہ سب کی ٹھوڑیاں ان کے سینوں سے لگ رہی تھیں پھر گھر کے ایک کونے سے ایک آواز آئی اور کسی کو کچھ پتہ نہ چل سکا کہ بولنے والا کون تھا [رسول اللہ ﷺ کو جس لباس میں آپ ہیں اسی میں غسل دیا جائے] لہذا انہوں نے قمیص کے اوپر ہی پانی ڈالا اور آپ کے جسم اطہر کو آپ کی قمیص کے ساتھ ہی
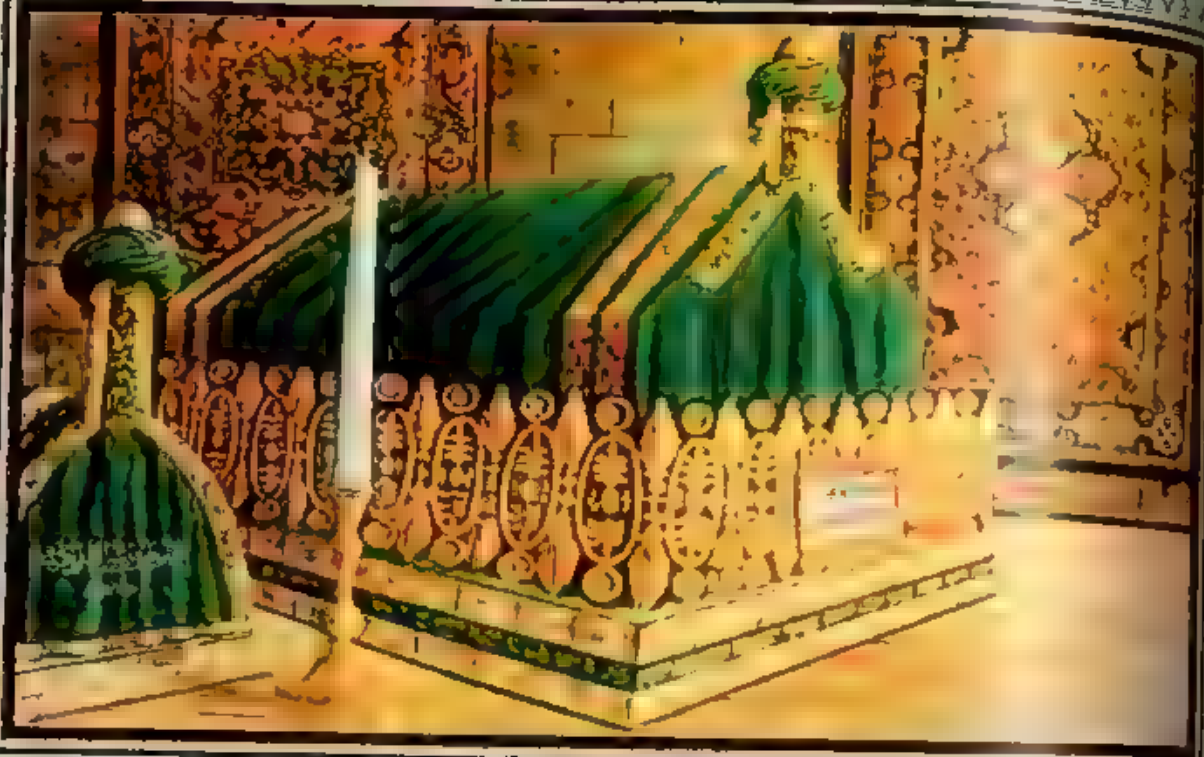
اپنے ہاتھوں سے ملا (۲۹) سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس بن عبد المطلبؓ نے آپ کو غسل دیا جب کہ حضرت فضل بن عباسؓ نے بھی اس کام میں معاونت کی آپ حضور ﷺ کو تین بار غسل دیا گیا شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر کو اپنی چھاتی سے لگایا اور حضرت عباسؓ، حضرت فضل ابن عباسؓ اور حضرت قثمؓ آپ کے جسم اطہر کو کروٹ دلوا رہے تھے حضرت قثمؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت شقرانؓ آپ کے جسم اطہر پر پانی ڈال رہے تھے جب کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ آپ کو اپنی چھاتی پر ڈال کر غسل دے رہے تھے آپ حضور ﷺ کی قمیص مبارک آپ کے جسم اطہر پر تھی جس کے باہر سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ آپ کے جسم اطہر کو ملتے تھے اور ساتھ یہ فرماتے جا رہے تھے [اے وہ ذات جو کہ مجھے میرے ماں باپ سے بھی پیاری ہے، آپ حیات و موت میں کتنے حسین و جمیل ہیں] (۳۰) وہ پانی جس سے آپ حضور ﷺ کو غسل دیا گیا وہ آپ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق خاص طور پر قباء میں واقع بیر غرس سے لایا گیا تھا (۳۱) کافور و مشک آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر پر ملا گیا حضرت ہشام بن عروہؓ نے اپنے والد حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ [جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک نے پرواز فرمایا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے گفتگو کرنی شروع کی کہ کہاں دفن کیا جائے تو سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا [آپ حضور ﷺ کو اسی جگہ دفنایا جائے جہاں سے آپ حضور ﷺ کی روح مبارکہ پرواز ہوئی تھی] (۳۲) لہذا آپ کی چارپائی کو اس جگہ سے ہٹایا گیا اور آپ حضور پرنور ﷺ کو اسی جگہ دفن کیا گیا] (۳۳) سیدنا علی ابن ابی طالبؓ اور سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں پر ان کی ارواح قبض ہوئی تھیں (۳۴)

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ کو تین نجرانی کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں سے ایک تو آپ کی قمیص مبارک تھی اور دو کپڑے اور تھے] (۳۵) ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ کو تین سفید یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا جن کو سحولیہ کہا جاتا تھا] (۳۶)

آپ کا ہم سے چلے جانا ایسا ہے جیسا کہ روئے زمین کا مالک چلا گیا ہو	اور ہم سے کتاب اللہ اور وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا
اے کاش کہ آپ سے پہلے ہمیں موت آ چکی ہوتی	آپ کے سانحہ ارتحال کی خبر ہمارے اور آپ کے درمیان (قبر اطہر کے) ٹیلے کی شکل میں حائل ہو گئی ہے

بحوالہ ابن عبد ربہ (وفات ۳۲۸ ہجری)، العقد الفرید [illegible]

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کو رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر سب سے پہلے زائر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا ہی نہیں بلکہ سب سے پہلا مرثیہ بھی مندرجہ بالا رباعیوں کی صورت میں انہیں کے منہ سے نکلا تھا۔ تمام اصحابِ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین (مثلاً سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ، حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن قیسؓ، و عمۃ رسول اللہ ﷺ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؓ وغیرہ) نے درد و غم سے مرثیے کہے جو کہ عربی ادب میں مرثیہ گوئی کی صنف میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ مرثیے مدح و نعت گوئی کی جان بھی ہیں (۵۵) رسول اللہ ﷺ کی اندوہناک وفات پر حضرت حسان ابن ثابتؓ شاعرِ دربارِ رسالت نے بہت سے طویل مرثیے کہے جن میں سے مندرجہ ذیل اشعار قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔ (۵۶)

کان الضیاء وکان النور نتبعه	بعد الإله وکان السمع والبصرا
فبتنا یوم واروه بملحده	وغیبوه وألقوا فوقه المدرا
لم یترک الله منا بعده أحدا	ولم یعش بعده أنثی ولا ذکرا
ذلت رقاب بنی النجار کلهم	وکان أمرا من أمر الله قد قدرا
آپ حضور ﷺ ایک ایسا مجسم تھے جس کا ہم اتباع کرتے ہیں	رب ذوالجلال کے بعد آپ ہی ہماری دیکھ بھال کرتے اور ہماری سنتے تھے
اس دن جب ہم نے آپ کے جسم اطہر کو قبر میں اتارا	اور آپ کی لحد پر مٹی ڈال کر آپ کو ہماری نظروں سے اوجھل کر دیا
اے کاش کہ اللہ نے ہمیں زندہ نہ رہنے دیا ہوتا	اور کوئی مرد و عورت یہ غم سہنے کے لیے باقی نہ بچے ہوتے
بنو نجار کو جو عزت ملی تھی وہ (آپ کے جانے سے) جاتی رہی	لیکن کیا کیا جا سکتا ہے، اللہ نے ہماری تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا

سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غم کی تصویر بنے ہوئے گم سم سے ہو گئے تھے اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہے تھے کوئی ڈھارس بندھانے والا نہیں تھا۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ [جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو مدینہ طیبہ اندھیرے میں ڈوب گیا اور کسی کو کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا اور فرطِ غم سے بعض تو پاس کھڑے ہوئے دوسروں کو بھی دیکھ نہیں سکتے تھے بعض کو تو اپنے ہاتھ بھی نظر نہیں آتے تھے۔ ہم بمشکل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے فارغ ہوئے ہوں گے کہ ہمارے دل و دماغ پر غم و اندوہ کے گہرے بادل چھا گئے] (۵۷) سب سے زیادہ غم تو حضورِ رسالت مآب سے بچھڑنے کا تھا کیونکہ اب آپ کا نورانی چہرہ اقدس ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ ایک صحابی، حضرت عبد اللہ ابن زیدؓ، تو سجدے میں گر کر رب ذوالجلال والاکرام سے گڑگڑا کر التجاء کر رہے تھے کہ صاحب الجمال اور سید البشر ﷺ کے بعد وہ کسی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتے اور اس لیے دعائیں مانگ رہے تھے کہ اے اللہ میری بینائی واپس لے لے اور ایسا ہی ہوا۔ والہانہ عشق کی اس سے زیادہ اور کیا مثال مل سکتی ہے؟

بمصداق	تجھے دیکھ کر پھر نہ دیکھوں کسی کو	نگاہوں کو اس درجہ مجبور کر دے

سجدے سے سر اٹھایا تو آنکھوں سے بینائی غائب تھی اور اللہ کریم نے ان کی یہ آرزو پوری کر دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد وہ کسی انسان کا چہرہ نہ دیکھ پائیں

محدثین اور مورخین کے مطابق حدیث (۶۰) کا ایک حدیث مبارکہ سے تعلق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہر انسان کی وفات جس جگہ ہوتی ہے اس کی مٹی سے بنایا جاتا ہے [حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ پیدا نہیں ہوتا جس کی ناف میں اس جگہ کی مٹی نہ ڈالی جاتی ہو جس سے وہ پیدا ہوا ہوتا ہے پھر جب وہ اپنے آخری عمر کو پہنچتا ہے تو اس جگہ کی طرف لے جایا جاتا ہے جس سے اس کی پیدائش کی مٹی لی گئی ہو اور پھر وہ مر کر اسی مٹی میں دفن ہوتا ہے اور میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے بنائے گئے ہیں اور ایک ہی مٹی میں دفن ہوں گے] (۵۸) اس حدیث مبارکہ میں بہت لطیف اشارہ ہے جو آیت کریمہ کی طرف ہے جس میں فرمایا گیا ہے ہم نے اسی (مٹی) سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے (۵۹) اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کا خمیر ایک ہی مٹی سے تھا جو اسی مقدس مٹی سے تھا اور یہی وجہ ہے کہ یہ تینوں ہستیاں ایک ہی بقعہ میں مدفون ہوئے۔ (۶۰)

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا انتقال پرملال اور ان کی حجرہ مطہرہ میں تدفین

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا انتقال پرملال ۶۳ سال کی عمر میں ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو پیر کے دن ہوا وفات سے پہلے آپ بخار میں پندرہ دن تک مبتلا رہے تھے (۶۱) دوران علالت آپ کا قیام اپنے اس گھر میں تھا جو مسجد نبوی کی شرقی جانب باب جبریل کے سامنے تھا آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیسؓ اور آپ کے فرزند حضرت عبدالرحمن نے غسل دیا تھا تجہیز و تکفین کے بعد آپ کا جنازہ مسجد نبوی میں اسی چارپائی پر لایا گیا جس پر رسول خدا ﷺ بوقت وفات محو استراحت تھے (۶۲) سیدنا عمر فاروقؓ نے مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو دفن کروایا جب کہ آپ کا جنازہ روضہ رسول ﷺ کے پاس رکھا ہوا تھا حضور نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر کے قریب ہی آپ کی قبر کھودی گئی۔ سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے آپ کے جسم اطہر کو قبر میں اتارا (۶۳)

حضرت عروہ بن زبیرؓ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے [میں ابوبکرؓ کے پاس ان کے مرض موت کے دوران گئی اور انہوں نے مجھ سے استفسار کیا رسول اللہ ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا ”سحولیہ کے بنے تین کپڑوں کے سفید کپڑوں میں اور ان میں کوئی بھی قمیص یا عمامہ نہیں تھا اور نہ ہی ان حضرت ﷺ کو عمامہ پہنایا گیا۔“ اس پر ابوبکرؓ نے پوچھا ”رسول اللہ ﷺ کی وفات کس دن ہوئی تھی؟“ انہوں نے جواب دیا [آپ کا انتقال پیر کے روز ہوا تھا] آپ نے پھر پوچھا ”آج کونسا دن ہے؟“ انہوں نے جواب دیا [آج پیر کا دن ہے] جس پر آپ نے فرمایا [مجھے امید ہے کہ آج صبح اور رات کے دوران میرا انتقال ہو جائے گا“ پھر آپ نے اس کپڑے کی طرف دیکھا جو زیب تن تھا اور جس کے اوپر کچھ زعفران کے دھبے تھے آپ نے فرمایا ”اس کپڑے کو دھو ڈالو اور اس کے ساتھ دو اور کپڑے ملا دو اور انہیں تین کپڑوں میں مجھے کفن دے دینا“ میں نے کہا ”یہ تو پھٹ چکا ہے“ اس پر آپ نے فرمایا [نئے کپڑے پہننے کا زیادہ حق ایک زندہ آدمی کا ہوتا ہے بہ نسبت ایک مردہ کے، اور پھر کفن تو بدن کی رطوبتوں کے لیے ہی ہوتا ہے] ” (۶۴)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے [جب میرے والد ابوبکرؓ بیمار ہوئے تو یہ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میری میت روضہ اقدس پر لے جا کر عرض کر دینا کہ یہ ابوبکر ہے جو آپ کے قریب دفن ہونے کی تمنا رکھتا ہے اگر وہاں سے اجازت ہو جائے تو مجھے وہیں دفن کر دینا اور اجازت نہ ہو تو بقیع میں دفن کر دینا چنانچہ آپ کے وصال کے بعد وصیت کے مطابق جنازہ وہاں لے جا کر معروضہ پیش کر دیا گیا وہاں سے ہمیں ایک آواز آئی، لیکن کوئی آدمی بولنے والا نظر نہیں آ رہا تھا، کہ انہیں عزاز و اکرام کے ساتھ اندر لے آؤ۔ یہی ایک روایت سیدنا علی کرم اللہؓ سے بھی مروی ہے۔ علامہ جلال الدین السیوطی نے ان دونوں روایتوں کو خصائص الکبریٰ میں نقل کیا ہے۔

حجرۂ قدس کے باب کی تصویر

محدثین اور مورخین کی رو سے ان روایات کو منکرات میں سے گردانا جاتا ہے مگر اس روایت کی تاریخی حیثیت پر کلام نہیں۔

مسجد نبوی شریف میں آپ کا جنازہ ادا کرنے کے بعد آپ کا جنازہ حجرہ مطہرہ لے جایا گیا اور جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ قبر میں نیچے اترے اور آپ کے جسم اطہر کو قبر میں اتارا (۶۵) طبری نے حضرت عروہ بن زبیرؓ اور حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر سے روایت کی ہے کہ ابوبکرؓ نے سیدہ عائشہؓ کو وصیت کی تھی کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا جائے لہٰذا جب آپ کا انتقال ہو تو آپ کی قبر بھی اس طرح کھودی گئی کہ آپ کا سر رسول اللہ ﷺ کے شانوں کے سامنے آتا تھا اور آپ کی قبر مبارک اپنے آقا و مولا کی قبر اطہر سے متصل تھی (۶۶) حضرت مطلب بن عبداللہ بن حنطبؓ سے مروی ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قبر مبارک رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی طرح ہی بنائی گئی تھی۔ اس کے اوپر پانی بھی چھڑکا گیا اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے اس پر نوحہ بھی کیا تھا]“ (۶۷)

سیدنا عمر ابن الخطابؓ کی شہادت اور ان کی حجرہ مطہرہ میں تدفین

سیدنا عمر فاروقؓ محراب نبوی کے سامنے کھڑے نماز فجر کی امامت کر رہے تھے کہ بدبخت ابولولو فیروز نے جو کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا غلام تھا آپ پر خنجر سے حملہ کر دیا حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے ”اے اللہ میری موت کسی ایسے آدمی کے ہاتھوں سے نہ ہو جس نے خود ایک سجدہ کیوں نہ کیا ہو جس سے وہ یوم حشر تمہارے سامنے مجھ سے بحث کرنے لگے“ (۶۸) جب دوران امامت آپ کو خنجر سے زخمی کر دیا گیا تو سب سے پہلا سوال آپ کا یہی تھا ”مجرم کون بدبخت تھا؟“ جب آپ کو یہ بتایا گیا کہ وہ فلاں بن فلاں شخص تھا، یعنی کہ غیر مسلم تھا تو آپ کے منہ سے نکلا [الحمدللہ کوئی مسلمان میرے قتل میں ملوث نہیں ہے!]

آپ کو دوران نماز تیز خنجر سے شدید زخمی کر دیا گیا تھا، تین دن تک طبیبوں نے آپ کے علاج کی پوری کوشش کی مگر گھاؤ بہت گہرے تھے آپ جانبر نہ ہو سکے اور تین دن کے بعد یکم محرم ۲۴ ہجری کو بروز پیر آپ نے جام شہادت نوش فرمالیا آپ کی نماز جنازہ حضرت صہیب رومیؓ نے مسجد نبوی شریف میں ادا کی ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین السجاد (زین العابدینؓ) نے حضرت سعید بن المسیبؓ سے پوچھا کہ نماز جنازہ کے لیے آپ کی میت کو کہاں رکھا گیا تھا تو انہوں نے جواب دیا [رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر اور منبر شریف کے درمیان والی جگہ پر] (۶۹)

حضرت عمرو بن میمونؒ سے مروی ہے [میں نے سیدنا عمر بن الخطابؓ کو دیکھا (خنجر سے زخمی ہو جانے کے بعد) اور وہ یہ کہہ رہے تھے [اے عبداللہ بن عمر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں جاؤ اور عرض کرو کہ ”عمر بن الخطابؓ آپ پر سلام بھیجتے ہیں خبردار امیر المومنین مت کہنا صرف اتنا کہہ دینا کہ عمر بن الخطابؓ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کر رہے ہیں] لہٰذا عبداللہؓ نے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور (حجرہ مطہر میں) داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو سیدہ عائشہؓ بیٹھی رو رہی تھیں انہوں نے عرض کیا عمر بن الخطاب آپ کی خدمت عالیہ میں سلام پیش کرتا ہے اور اپنے دونوں ساتھیوں کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔] انہوں نے فرمایا [میرا ارادہ تو خود یہاں دفن ہونے کا تھا، لیکن میں ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہوں اور اجازت دیتی ہوں کہ ان کو یہاں دفن کر دیا جائے] جب عبداللہ ابن عمرؓ واپس آئے تو سیدنا عمر فاروقؓ نے پوچھا

گیا خبر ہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا [اے امیر المومنین انہوں نے آپ کو وہاں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی ہے] سیدنا فاروق ؓ نے فرمایا [میرے لیے اس مقدس مقام پر دفن ہونے سے زیادہ کوئی اور چیز اہم نہیں تھی لہذا جب میری روح پرواز کر جائے تو مجھے وہاں لے جایا جائے اور استدعا کی جائے کہ عمر اندر آنے کی اجازت طلب کرتا ہے اگر اجازت مل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دیا جائے ورنہ مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا] (۷۰) آپ کی ہدایت پر عمل کیا گیا اور آپ کو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پہلو میں قبر انور حجرہ رسول مقبول ﷺ کے اندر دفن کیا گیا سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا سر رسول اللہ ﷺ کے شانوں کے محاذی تھا مگر سیدنا عمر فاروق ؓ کا سر حضور سرور کائنات ﷺ کے گھٹنوں کے محاذی رکھا گیا تھا۔ (۷۱)

سیدنا عمر فاروق ؓ کی تدفین کے بعد حجرہ مطہرہ میں کسی اور کو دفن نہیں کیا گیا باغیوں کی شدید مزاحمت کے باعث خلیفہ ثالث امیر المومنین سیدنا سیدنا عثمان بن عفان ؓ کو شہید کر دیا گیا تھا ان کو حجرہ مبارکہ میں دفن نہ کیا جا سکا اسی طرح چوتھے خلیفۃ الراشد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت بھی مدینہ طیبہ سے بہت دور واقع ہوئی تھی اس لیے ان کے وہاں دفن کیے جانے کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکا البتہ جب حضرت حسن مجتبیٰ ؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ کو زہر دے دیا گیا اور وہ بستر مرگ پر تھے تو انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کو اسی حجرہ مطہرہ میں دفن کیا جائے مگر یہ ممکن نہ ہو سکا کیونکہ اس وقت کے گورنر مدینہ مروان بن الحکم کی ہٹ دھرمی آڑے آ گئی لیکن اس تمام عرصہ میں ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ اسی حجرہ مطہرہ میں مقیم رہیں تاہم جب آپ کا انتقال ہو تو حجرہ مطہرہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا اور اس طرح وہاں مزید تدفین کا امکان ہی نہ رہا وہ جگہ جہاں ام المومنین سیدہ عائشہ رہائش پذیر تھیں (اور وہ جگہ تمام حجرہ شریف کی ایک چوتھائی کے برابر تھی) اتنی کشادہ تھی کہ وہاں چوتھی قبر بنائی جا سکتی ہے حضرت سعید بن المسیب ؓ سے مروی ہے کہ اس مقام پر سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام دفن ہوں گے ان کی روایت کے مطابق [حجرہ شریف کے اندر مشرقی جانب ایک چوتھی قبر کی جگہ خالی ہے یہ جگہ دوسری سطح زمین سے کچھ اونچی ہے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اسی مقام پر دفن کیے جائیں گے اور ان کی قبر وہاں پر چوتھی قبر ہوگی] (۷۲) اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حجرہ مطہرہ میں چوتھی قبر میں دفن ہوں گے۔ (۷۳) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ ابن مریم زمین پر نازل ہوں گے، پھر وہ شادی کریں گے اور ان کے بچے ہوں گے اور پھر وہ ۴۵ سال تک حیات رہیں گے اور پھر جب ان کا انتقال ہوگا تو ان کو میرے ساتھ (یعنی حجرہ مطہرہ میں) دفن کیا جائے گا پھر (یوم القیامت کو) میں اور عیسیٰ ابوبکر اور عمر کے درمیان اٹھائے جائیں گے۔] (۷۴)

قبور مطہرات کی مزید تفاصیل:

اساطعۃ البہیۃ والتی ضمت فی حنایاہا — حبیب اللہ سید البشر خیر البریۃ

"اور جس بقاع نور نے اپنی چار دیواری میں اللہ کے حبیب ولد آدم کے سردار اور تمام مخلوق سے بہتر ہستی کو ضم کر رکھا ہے"

امام مالک بن انس ؓ نے فرمایا [ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ کا حجرہ مبارکہ دو حصوں میں منقسم تھا ایک وہ حصہ جہاں خیر الانام رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر تھی اور دوسرا وہ حصہ جس میں ام المومنین رہائش پذیر تھیں دونوں حصوں کے درمیان ایک دیوار ہوا کرتی تھی ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ قبر اطہر والے حصے میں بغیر پردے کے آیا جایا کرتی تھیں، لیکن جب سیدنا عمر فاروق ؓ بھی اس حجرہ میں مدفون ہوئے تو ام المومنین رضی اللہ عنہا اس حصے میں کبھی بغیر پردے کے نہیں گئیں] (۷۵)

حضرت مالک بن اسماعیل ؓ نے حضرت الحسن بن صالح ؓ سے روایت کی ہے [میں حجرہ طاہر میں داخل ہوا جہاں رسول اللہ ﷺ اور
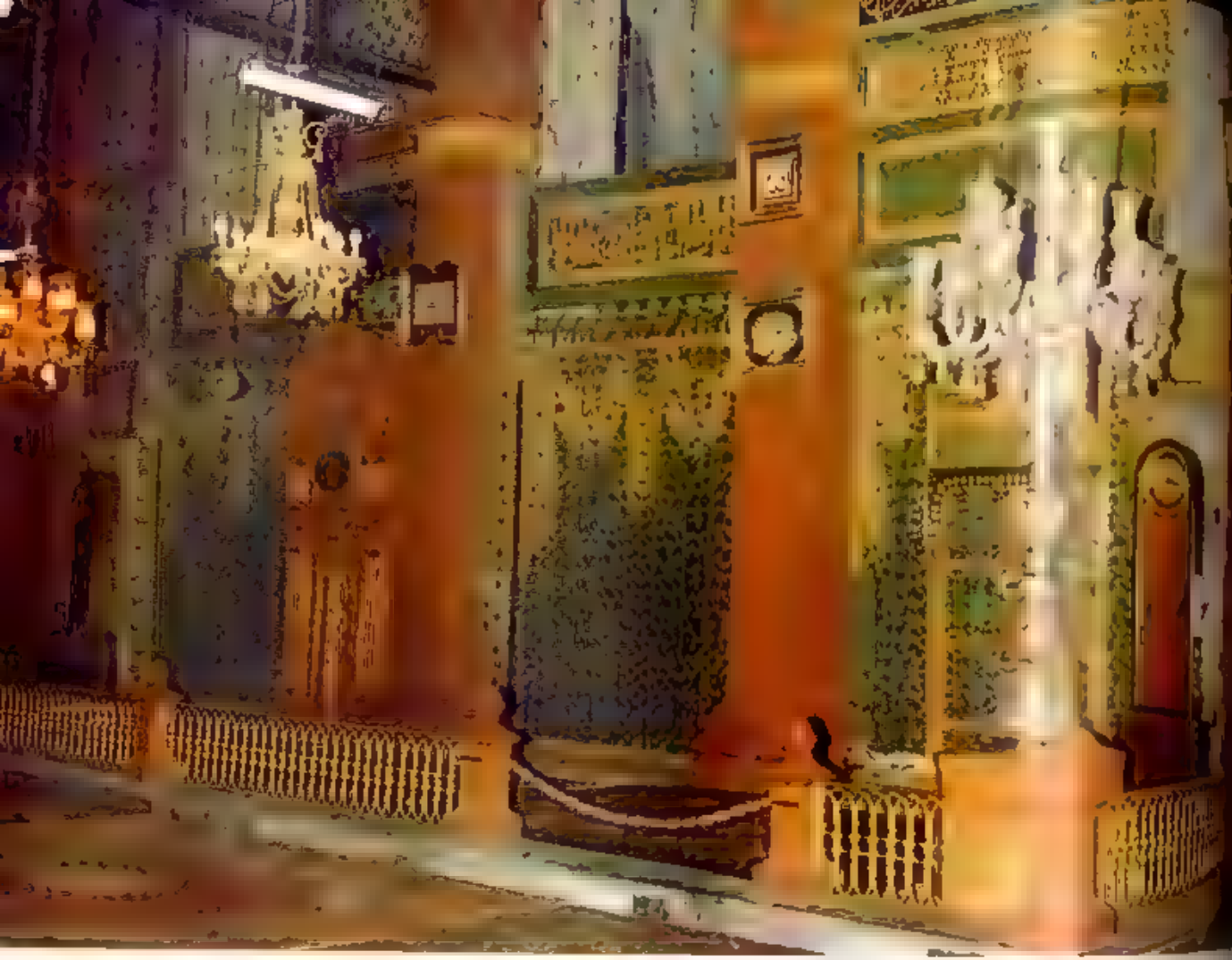
مقصورہ الشریفہ کی شمالی دیوار دکھائی جانب باب الشامیہ اور دائیں طرف محراب تہجد نظر آ رہا ہے

سیدنا ابوبکر ؓ اور سیدنا عمر فاروق ؓ کی قبور مبارکہ ہیں میں نے دیکھا کہ تینوں قبور مبارکہ مستطیل شکل کی تھیں] (۷۶) حماد نے ابراہیم ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر طاہر کو نمایاں کرنے کی غرض سے اس کے اوپر کچھ (سرخ ریت اور سنگ ریزے) ڈال دیا گیا تھا (۷۷) ابن سعد نے بھی حضرت سفیان بن دینار ؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ [میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو دیکھا ہے اور سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اور سیدنا عمر فاروق ؓ کی قبور طاہرہ کو بھی تمام قبور مسنمہ تھیں (جس کا مطلب ہے کہ درمیان سے ان کا کچھ حصہ اوپر اٹھا ہوا تھا جیسے کہ اونٹ کی کوہان ہوتی ہے)] (۷۸) حضرت ابوبکر بن عیاش ؓ نے بیان کیا کہ حضرت سفیان التمار ؓ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر دیکھی تھی جو کہ درمیان سے باقی حصوں کی نسبت اوپر اٹھی ہوئی تھی۔ (۷۹)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لوگ (لوگوں سے مراد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا زیادہ سے زیادہ تابعین حضرات ہیں) آپ کے حجرہ مطہرہ میں داخل ہو جایا کرتے تھے اور اس بقعہ مبارکہ سے قبر اطہر کی مٹی اٹھا کر لے جایا کرتے تھے (۸۰) ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ نے خواہش ظاہر کی کہ ان کی رہائش کے حصے اور قبور طاہر کے درمیان ایک دیوار بنا دی جائے ایسا سیدنا عمر فاروق ؓ کی شہادت اور ان کی تدفین سے قبل ہوا پھر جب دیوار بنا دی گئی تو اس میں ایک جھروکہ یا روشن دان رکھ دیا گیا (عربی میں کوئی کہلاتا ہے) ایسا اس لیے کیا گیا تا کہ زائرین حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر طاہر کا دیدار کر سکیں اس کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہوا کہ لوگ قبر اطہر کی مٹی لے جانے سے باز آ گئے لیکن چونکہ یہ دیوار مٹی کی بنی تھی اس لیے اب یہ سلسلہ اس دیوار کے ساتھ شروع ہو گیا اور اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس دیوار اور خاص طور پر جھروکے سے مٹی بطور تبرک لے جایا کرتے تھے اس لیے ام المومنین کو مجبوراً اس جھروکے کو بھی بند کروانا

پڑا (۸) اس طرح حجرہ مبارکہ دو حصوں میں منقسم ہو کر رہ گیا۔ جنوبی حصہ میں تینوں قبور مبارکہ تھیں اور شمالی حصے میں ام المومنین سیدۃ عائشہ نے اپنی باقی ماندہ حیات بسر کی۔

حضرت ہشام بن عروہ نے اپنے والد (حضرت عروہ بن زبیر) سے روایت کی ہے کہ جب ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں حجرہ مطہرہ کی دیوار گر گئی تو لوگوں نے اس کی مرمت شروع کی اس وقت انہیں ایک قبر میں سے ایک قدم مبارک نظر آیا۔ اہل مدینہ میں کوئی بھی نہ تھا جو یہ پہچان سکتا کہ وہ پاؤں کن کا تھا سوائے عروہ بن زبیر کے۔ انہوں نے کہا [یہ رسول اللہ ﷺ کا قدم مبارک نہیں ہے بلکہ سیدنا عمر فاروق کا قدم مبارک ہے]۔ (۸۲)

ام المومنین سیدۃ عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ پر لعنت کی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبور کو عبادت گاہیں بنا لیا تھا]۔ اگر یہ ممانعت نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارکہ کو بہت نمایاں کر کے بنایا جاتا لیکن ڈر تھا کہ اسے عبادت گاہ ہی نہ بنا لیا جائے۔ (۸۳)

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ (۸۴) سے مروی ہے [میں ام المومنین سیدۃ عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اماں مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے دونوں دوستوں کی قبور کی زیارت کروا دیجیے۔ انہوں نے میرے لیے پردہ ہٹا دیا۔ (میں نے دیکھا) قبور مطہرہ سطح زمین سے نہ تو زیادہ نمایاں طور پر بلند تھیں اور نہ ہی اتنی پست تھیں۔ ہاں مگر تھوڑی سی بلند ضرور تھیں اور ان کے اوپر سرخ رنگ کی بطحا کی کنکریاں بچھی ہوئی تھیں] اور مزید بیان فرماتے ہیں کہ [رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارکہ پہلے تھی پھر ابوبکرؓ کی قبر تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے شانوں سے شروع ہوتی تھی اور پھر اس کے بعد سیدنا عمر فاروق کی قبر مطہرہ تھی جو کہ ان کے شانوں سے شروع ہوتی تھی جہاں پر رسول اللہ ﷺ کے قدم شریفین تھے]۔ (۸۵-۸۶)

طبقات الکبریٰ کی ایک روایت کے مطابق حجرہ اشریفہ کا جس میں تینوں قبور مبارکہ تھیں دروازہ اور سیدۃ عائشہ صدیقہ کے حصے کا دروازہ شام کی طرف کھلتا تھا اور جب مشرقی دیوار کے گرنے کے بعد حجرہ مبارکہ کی مرمت کی گئی تو اس دروازے کو جوں کا توں رہنے دیا گیا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر جنوبی دیوار کے قریب تھی اور دیوار اور قبر اطہر کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ تھا یعنی تقریباً ایک چوتھائی میٹر۔ (۸۷)

حجرہ مطہرہ کی مرمت اور تعمیر نو

سیدنا عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں حجرہ اشریفہ کو دوبارہ تعمیر کروایا اور مٹی اور کھجور کے پتوں سے بنی دیواروں کی جگہ آپ نے دیواروں کو مٹی کے گارے اور اینٹوں سے بنوا دیا۔ حضرت عمرو بن دینارؓ اور حضرت عبید اللہ بن ابی یزیدؒ نے بیان کیا ہے کہ پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کے دولت خانہ کے گرد کوئی حفاظتی دیوار نہیں ہوا کرتی تھی مگر سیدنا عمر فاروق نے ارد گرد چار دیواری کروا دی تھی۔ یہ چار دیواری زیادہ بلند نہ تھی، تاہم حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان دیواروں کو اونچا کروا دیا۔ (۸۸) ایسی چار دیواری بنوانے کی بظاہر وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وادی مہزور میں موسمی طغیانی کے باعث طوفانی پانی کی تباہی سے (جو کہ اکثر اوقات بقیع الغرقد اور حجرات مبارکہ رسول اللہ ﷺ کے درمیانی حصے سے بہہ جایا کرتا تھا) حجرات مبارکہ کو محفوظ کرنے کے لیے بنا دی گئی ہوگی اس وقت کی بہت سی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وادی مہزور کا پانی مسجد نبوی شریف میں بھی داخل ہو جایا کرتا تھا۔ یہ ایسی ہی چار دیواری ہوگی جس کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اونچا کروا دیا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ تمام کے تمام حجرات مبارکہ ایک دوسرے سے متصل تھے اور سب کے دروازے مسجد نبوی شریف میں کھلتے تھے، یہ ...

قبر مبارک رسول اللہ ﷺ

قبر مبارک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

قبر مبارک سیدنا عمر بن الخطاب امیر المومنین رضی اللہ عنہ

گئے کہ وہ چار دیواری تمام حجرات کے گرد بنائی گئی ہوگی نہ کہ صرف حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ (کا شانہ نبوی) کے گرد۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالبؓ سے مروی ہے [ہر رات آخر شب میرا معمول تھا کہ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی شریف چلا جاتا تھا پہلے میں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پیش کرتا اور پھر مسجد نبوی میں چلا جاتا اور پھر صبح فجر تک وہیں رہتا۔ ایک رات میں حسب معمول اپنے گھر سے باہر نکلا اور جب میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے گھر کے پاس پہنچا (۸۹) تو مجھے ایک بہت ہی پیاری خوشبو آنے لگی اور مجھے رب کی قسم ہے کہ میں نے زندگی میں کبھی ایسی خوشبو نہیں سونگھی تھی۔ پھر انکشاف ہوا کہ حجرہ شریفہ کی ایک دیوار گر چکی تھی میں اندر داخل ہوا اور حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام پیش کیا اور پھر جب عمر بن عبدالعزیزؒ کو پتہ چل گیا تو انہوں نے اس کے عارضی طور پر قبطی کپڑے کے ایک پردہ سے ڈھک کروا دیا]۔ (۹۰)

جب سورج طلوع ہوا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت وردانؒ (جو پیشے کے لحاظ سے معمار تھے) کو طلب کیا اور ان کو حجرہ مبارکہ کے اندر جانے کو کہا۔ حضرت وردان نے درخواست کی کہ کسی آدمی کو ان کی مدد کے لیے مامور کیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے چاہا کہ وہ خود اوپر چڑھ جائیں، اپنی آستینیں اوپر چڑھائیں تاکہ وہ بنفس نفیس اندر جا سکیں۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ نے بھی کیا۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ بھی حجرہ شریفہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو اندر جانے سے منع کر دیا اور فرمایا [ہم نہیں چاہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل پڑے]۔ پھر انہوں نے اپنے غلام حضرت مزاحم (ابن ابی مزاحم المکی) کو حکم دیا کہ وہ اندر جائیں اور حضرت وردان کی مدد کریں۔ بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے پوچھا [تم نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو کیسا پایا؟] تو انہوں نے جواب دیا کہ [وہ مستطیل تھی۔] پھر انہوں نے پوچھا [باقی دو قبریں کیسی تھیں؟] تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کی سطح زمین سے کچھ بلند تھی۔ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا [میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں]۔ جب سب کام ختم ہو گیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت علی السجاد بن حسین ابن علی علیہ السلام (حضرت زین العابدینؒ) سے درخواست کی کہ وہ حجرہ مطہرہ کے اندر جائیں اور صفائی کر دیں۔ اس پر حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ بھی تیار ہو گئے اور انہوں نے بھی اجازت طلب کی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ دیکھ کر پھر انکار کر دیا (کیونکہ حجرہ مبارکہ بہت چھوٹا سا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آرام میں خلل پڑے) لہٰذا حضرت زین العابدینؒ کو کہا گیا کہ وہ اندر جائیں اور صفائی کریں جو کہ انہوں نے کی۔ انہوں نے وہ تمام ملبہ وغیرہ جو کہ قبور مطہر پر گر چکا تھا اٹھایا اور صفائی کر دی۔ قبطی کپڑے کا پردہ جو کہ حجرہ مطہرہ کے ارد گرد لگایا گیا تھا ہٹا دیا گیا]۔ (۹۱)

رجاء بن حیوہؒ نے بیان کیا کہ [ولید بن عبدالملک کے حکم سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے امہات المومنین کے تمام حجرات مبارکہ مسجد نبوی شریف میں شامل کرنے کے لیے حاصل کر لیے جب ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کا حجرہ مبارکہ ۹۱ ہجری میں تعمیر نو کے سلسلے میں منہدم کیا گیا تو اس میں تین قبریں ظاہر ہوئیں۔ ان تینوں کے اوپر غبار اور ریت اٹی ہوئی تھی۔] (۹۲) ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارکہ کی شرقی دیوار گری اور رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر عامۃ الناس کی نظریں پڑیں تو اہل مدینہ پر رقت طاری ہو گئی اور ہر طرف آہیں اور سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو مجبوراً ایک درزی کو بلانا پڑا جنہوں نے کپڑے کا ایک پردہ بنا کر حجرہ مطہرہ کے گرد لگا دیا پھر وردانؒ (جو کہ اس وقت مشہور معمار تھے) کو طلب کیا گیا تاکہ دیوار کی دوبارہ تعمیر کر دی جائے۔ (۹۳)

اسی معاملے پر لکھتے ہوئے المراغی نے بیان کیا ہے کہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی وفات کے بعد کوئی بھی حجرہ مطہرہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکا تھا تاوقتیکہ حجرہ شریفہ کی شرقی دیوار (جو کہ موضع جنائز کی طرف تھی) منہدم نہیں ہوئی جس سے تینوں قبور مطہرہ ظاہر ہو گئیں۔ مدینہ طیبہ میں ایک کہرام مچ گیا لوگوں کے لیے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل تھا اور ہر طرف آہ و بکا کا عالم تھا اس وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وردان کو حکم دے کر حجرہ مطہرہ کے ارد گرد قبطی کپڑے کا پردہ تنوا دیا پھر انہوں نے وردانؒ سے متعلقہ جانب بنیادیں کھودنے کو کہا تاکہ نئی دیوار بنائی جاسکے۔ جب وردان کھدائی کر رہے تھے تو ایک جگہ سے دو پیر (قدمین) ظاہر ہوئے جس سے وہ خوفزدہ ہو گئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اندر گئے اور جا کر دیکھا کہ دونوں قدموں کے اوپر بال تھے حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر نے جو اس وقت وہاں موقع پر موجود تھے کہا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، یہ تو تمہارے پڑنانا عمر بن الخطابؓ کے قدمین مبارک ہیں](۹۴) جب ان کو دفن کیا گیا تھا تو اس وقت حجرہ مبارکہ میں جگہ کم تھی جس کی وجہ سے ان کی قبر شریف کو بنیادوں سے اندر تک لے جانا پڑا تھا] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ جو کچھ نظر آیا ہے اسے ڈھانپ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا پھر جب مشرقی دیوار مکمل ہو گئی تو حضرت مزاحمؒ ایک جھروکے کے ذریعے اندر داخل ہوئے جو کہ نئی تعمیر شدہ دیوار میں اسی مقصد کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور انہوں نے تینوں قبور مطہرہ کو صاف کیا اور تراب وغیرہ وہاں سے نکال لیے اس کے بعد پردہ وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ (۹۵)

ابن نجار قمطراز ہیں کہ جب مشرقی دیوار گر گئی تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابا حفصہؓ (جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کے غلام تھے) اور دیگر حضرات کو از سر نو دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ دیوار بناتے وقت انہوں نے دیوار میں ایک جھروکہ سا رکھا تھا اور جب سارا کام مکمل ہوا تو حضرت مزاحمؒ حجرہ مطہرہ میں اسی جھروکے سے داخل ہوئے اور تمام حصے کو ملبہ وغیرہ سے صاف کیا پھر اس کے بعد پردہ ہٹا دیا گیا تھا (۹۶)

۴۵ ہجری میں اپنی وفات سے پہلے ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ نے اپنا حجرہ شریف ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کو ہبہ کر دیا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے وہ حجرہ سیدۃ عائشہؓ سے ۱۸۰،۰۰۰ درہم میں خرید لیا تھا سیدۃ عائشہؓ بیع نامہ پر اس شرط سے راضی ہوئی تھیں کہ جب تک بقید حیات رہیں گی انہیں وہیں رہنے دیا جائے گا انہوں نے ایک ہاتھ سے رقم وصول کی اور دوسرے ہاتھ سے غرباء میں تقسیم کر دی اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھیں جب تک کہ تمام رقم تقسیم نہ ہو گئی تھی اس طرح ۵۸ ہجری میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی وفات کے بعد حجرہ مطہرہ کا بیعنامہ حضرت معاویہؓ کے نام ہو چکا تھا اسی طرح ام المومنین سیدۃ صفیہؓ کے ورثا نے بھی ان کا حجرہ حضرت معاویہؓ کو بیچ دیا تھا۔ اس معاملے میں ایک اختلافی بیان حضرت ہشام بن عروہ بن زبیرؓ کا ہے جس کے مطابق حجرہ مطہرہ کو سیدۃ عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ہبہ کیا ہوا تھا۔ (۹۷)

۵۸ ہجری میں ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی وفات سے پہلے ایک واقعہ رونما ہوا جس سے اس وقت کی سیاسی کشمکش اور بنو امیہ کے طرز حکومت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے جب امام حسن ابن علی المرتضیٰ علیہ السلام کو زہر دے دیا گیا اور وہ بستر مرگ پر تھے (۵ ربیع الاول ۵۰ ہجری) تو انہوں نے سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کو درخواست پہنچائی کہ وہ انہیں حجرہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ نے ان کی درخواست سے اتفاق فرمایا اور کہلا بھیجا کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں لیکن یہ خبر جونہی قصر امارت تک پہنچی وہاں گویا زلزلہ سا آ گیا مروان جو کہ اس وقت مدینہ طیبہ کا گورنر تھا انگاروں پر لوٹنے لگا اور پوری طرح مسلح ہو کر نکل آیا ادھر اہل بیت طاہرہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اپنی تلوار نیام سے نکال کر باہر آ گئے۔ مدینہ طیبہ میں یک بیک پھر ایک طوفان امڈ آیا اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ فریقین مسلح تصادم میں الجھ جائیں گے صورت حال کو بھانپ کر چند اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین آگے بڑھے تا کہ کوئی افہام و تفہیم کی صورت نکل سکے حضرت ابو ہریرہؓ اس معاملے میں سب سے آگے تھے اور کافی گفت و شنید کے بعد تصادم کا خطرہ ٹل گیا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو جنت البقیع الغرقد میں

اپنی والدہ ماجدہ سیدۃ فاطمۃ الزہراؑ کی قبر اطہر کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ (۹۸)

معاملہ تو وقتی طور پر ٹھنڈا ہو گیا تھا مگر خلفائے بنو امیہ کے محلات میں چہ میگوئیاں جاری تھیں۔ انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ آج نہیں تو کل اہل بیت طاہرہ میں سے کوئی شخصیت پھر وہاں دفن ہونے کا دعویٰ کر دے گی۔ بنو امیہ کسی قیمت پر یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی طور اہل بیت کو یہ فضیلت حاصل ہو کہ وہ یہ مقام پا سکیں کیونکہ ایسی صورت میں وہ سمجھ رہے تھے کہ اہل بیت مضبوط ہو کر ان کی حکومت کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں لہٰذا جونہی ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کا انتقال ہوا حجرہ مطہرہ کے دروازے کے باہر ایک مضبوط دیوار کھڑی کر کے اس کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ سمہودی نے القشیری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حکام وقت (عبد الملک بن مروان وغیرہ) نے اس ڈر سے بہت جلدی دیوار کھڑی کر دی تاکہ کسی اور کے وہاں دفن کیے جانے کا امکان ہی نہ رہے۔ (۹۹) جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے حضرت معاویہؓ نے تو وہ حجرہ مبارکہ ہی سیدۃ عائشہؓ سے خرید لیا تھا لہٰذا بنو امیہ کے خلفاء کے اس ایک عمل پر کون اعتراض کر سکتا تھا۔ سمہودی نے ابن زبالہ کے بیان کو نقل کیا ہے جو کہ انہوں نے مشہور تابعی حضرت محمد بن ہلالؒ سے روایت کیا ہے [وہ حجرہ جس میں رسول اللہ ﷺ کی قبر مطہرہ ہے وہی حجرہ ہے جہاں سیدۃ عائشہ صدیقہؓ رہائش پذیر تھیں یہ مربع شکل کا مکان ہے اور اسے سیاہ پتھروں اور جپسم سے بنایا گیا ہے اس کی قبلہ کی جانب کی دیوار قدرے طوالت میں بڑی ہے جبکہ شرقی اور غربی دیواریں برابر ہیں لیکن شمالی دیوار قدرے چھوٹی ہے حجرہ کا دروازہ شمالی جانب ہے جسے سیاہ پتھروں کو جپسم کے ساتھ ملا کر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے گرد ایک پنج گوشہ احاطہ تعمیر کر دیا ہے تاکہ کوئی قبلہ کی طرف رخ کرنے کی بجائے قبر رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کر کے سجدہ نہ کر سکے یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے عین مطابق تھا جو اس حدیث مبارکہ پر مبنی تھا [اللہ یہود کو غارت کرے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو جائے عبادت بنا لیا] مزید یہ کہ [اے اللہ میری قبر کو جائے عبادت نہ بننے دینا] انہوں نے مزید بیان کیا کہ [حجرہ مبارکہ کی اندرونی دیواروں اور پنج گوشے کی دیواروں میں فاصلہ کچھ یوں ہے شرقی جانب یہ فاصلہ دو ہاتھ ہے، غربی جانب ایک ہاتھ ہے، قبلہ کی جانب یہ فاصلہ صرف آدھا ہاتھ یعنی ایک بالشت ہے اور شمالی جانب (جہاں پنج گوشہ کی ایک تکون سی بن جاتی ہے) یہ فاصلہ زیادہ ہے اور کافی جگہ خالی ہے جہاں غسل کے لیے استعمال ہونے والا ٹب پڑا ہوا ہے] (۱۰۰) یہ بیان عبدالرحمن بن ابی زناد کے بیان سے مطابقت رکھتا ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے خالی جگہ پر کسی ٹب کا ذکر نہیں کیا، جس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ٹب وقت تعمیر وہاں رہ گیا ہو مگر بعد میں وہاں سے کام کرنے والوں نے اٹھا لیا ہو گا] (۱۰۱)

لیکن جہاں تک وقت کے تعین کا تعلق ہے کہ حجرہ مطہرہ کے دروازے کو کب بند کیا گیا ہو گا، اس کا تعین کرنے میں ہمیں خاصی دشواری کا سامنا ہے۔ ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ اس وقت تک جب کہ مروان مدینہ طیبہ کا گورنر تھا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مطہرہ میں اندر داخل ہو جایا کرتے تھے (یاد رہے کہ مروان دو مرتبہ مدینہ طیبہ کا گورنر رہا تھا۔ پہلی بار اس کی گورنری سے معزولی ۵۴ ہجری میں ہوئی تھی) (۱۰۲) وہ مشہور واقعہ کہ جب مروان حجرہ مطہرہ کے اندر گیا تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ قبر اطہر سے لپٹے رو رہے تھے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس وقت تک در اقدس بند نہیں کیا گیا تھا حضرت عبدالمطلب بن حنطبؓ نے بیان کیا ہے [مروان حجرہ مطہرہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک شخص قبر اطہر سے لپٹا ہوا ہے مروان نے انہیں ان کی ٹانگ پکڑ کر کھینچا اور سرزنش کرنے لگا کہ ''جانتے ہو کہ تم کیا کر رہے ہو؟'' اس شخص نے قبر اطہر کو بوسہ دیا اور یوں گویا ہوا '' ہاں مجھے معلوم ہے میں ان اینٹوں اور پتھروں کی زیارت کو یہاں نہیں آیا، میں تو یہاں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا ہوں ہم پر ایک ایسا وقت آن پڑا ہے کہ ہمیں اپنے اوپر مسلط کیے گئے حکمرانوں پر نوحہ کرنا چاہیے کیونکہ ان کا تعلق اسلام سے نہیں رہا''] (۱۰۳) یہ واقعہ اس وقت تو ہو نہیں سکتا جب کہ مروان خلیفہ کے طور پر متمکن ہو گیا تھا (۶۴ - ۶۵ ہجری)، کیونکہ اس

دوران اس واقعہ [illegible] کی بہت سی [illegible] مدینہ طیبہ کا رخ کرتا [illegible] کہ اس سے بہت پہلے ہی حضرت ابوایوب [illegible] دوران وفات پا گئے تھے جو کہ قسطنطنیہ پر ۵۲ھ میں ہوا تھا [illegible] سب سے اہم بات یہ ہے کہ حجرہ مطہرہ اس دور میں [illegible] کیونکہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اس وقت حیات تھیں (ان کا انتقال ۵۸ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا تھا) [illegible] مطلب ہے کہ یہ واقعہ ۵۸ ہجری سے پہلے ہوا تھا حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے [illegible] مذکورہ واقعہ کے علاوہ ایک اور [illegible] میں [illegible] ہے جب مسلم بن عقبہ نے یزید کے حکم سے [illegible] مدینہ طیبہ کو تاخت و تاراج کیا تو لوگ حضرت [illegible] کی تلاش میں نکلے اور تلاش [illegible] بعد انہوں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر سے چپٹے ہوئے گریہ وزاری [illegible] رہے تھے (۱۰۴) یہ واقعہ ۶۳ ہجری کا ہے

مستند تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب یزید نے ۶۰ ہجری میں عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لی [illegible] تک بنو امیہ کی گرفت حجاز پر کافی ڈھیلی پڑ چکی تھی [illegible] مکہ المکرمہ اور مدینہ طیبہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کا طوطی بولنے لگا تھا جیسا کہ ابن [illegible] بیان کردہ روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت عمرؓ فاروق [illegible] کی تعمیر کردہ احاطے کی دیوار کو اونچا کروایا تھا مدینہ طیبہ [illegible] امیہ کا مکمل کنٹرول [illegible] اس وقت قائم ہوا جب واقعہ حرہ ۶۳ھ میں وقوع پذیر ہوا جس کے نتیجے میں صرف ان مدنی حضرات کی جان بخشی کی گئی جنہوں نے نہ صرف یزید کی بیعت [illegible] قبول کر لی تھی بلکہ غیر مشروط طور پر اس کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا تھا اس واقعہ [illegible] دوران حضرت سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ ان تین دنوں میں وہ قبر اطہر رسول اللہ سے اذان کی آواز سنتے تھے اور اسی پر اقامت کرتے [illegible] رہتے تھے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ دروازہ اس وقت تک بند نہیں کیا گیا تھا یقیناً یہ قدم ۶۳ ہجری کے بعد اٹھایا گیا ہوگا

جہاں تک مٹی اور گارے اور کھجور کے تنوں سے بنائی گئی دیواروں (جو کہ رسول اللہ ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مبارک ہاتھوں سے تعمیر ہوئی تھیں) کی جگہ کالے پتھروں سے حجرہ مبارک کی تعمیر نو کا تعلق ہے تو ہمیں اس بارے میں سب سے زیادہ معتبر روایت بخاری شریف میں ملتی ہے جس میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ حجرہ مطہرہ کی شرقی دیوار ولید بن عبدالملک کے دور میں گری تھی جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے حضرت عروہ بن زبیرؓ کی روایت کے مطابق "جب ولید بن عبدالملک کے دور میں حجرہ شریف کی دیوار قبور مطہرہ پر گری تو لوگوں نے اس کی مرمت شروع کر دی [illegible]" (۱۰۵) یہ حدیث مبارکہ قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ دیوار ولید بن عبدالملک کے دور میں گری تھی جسے عمر بن عبدالعزیزؒ نے از سر نو تعمیر کروایا جب کہ وہ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے ان کی گورنری کا دور ۸۶ ہجری سے شروع ہوتا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ دیوار یا تو ۸۶ ہجری میں یا پھر زیادہ سے زیادہ ۸۸ ہجری میں گری تھی اور بلا تاخیر نئے سرے سے تعمیر کروا دیا گیا تھا۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ باقی کی تین دیواروں کو نہیں چھیڑا گیا تھا اور وہ پہلے کی طرح ہی رہیں جیسا کہ بخاری کی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے۔ تاریخ اور ۸۸ ہجری میں انہوں نے امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کے تمام حجرات خالی کروا لیے تھے تاکہ انہیں مسجد نبوی شریف میں شامل کیا جا سکے مسجد نبوی کی تعمیر نو ۹۱ ہجری میں پایہ تکمیل کو پہنچی اسی عرصہ کے دوران انہوں نے حجرہ مطہرہ کے گرد پنج گوشہ حاطہ تعمیر کروایا تھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ حجرہ مطہرہ کی مکمل تعمیر جس میں بقول ابن زبالہ سیاہ پتھر اور چونا استعمال ہوا تھا وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں ہی ہوئی ہوگی مگر پنج گوشہ حاطہ بنانے سے پہلے اس کی تعمیر کا اندازاً وقت بھی ۸۸-۹۱ ہجری کے دوران کا ہی ہے

تمام مورخین مدینہ طیبہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حجرہ مطہرہ کے اندر چوتھی قبر کی جگہ ابھی خالی ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے بہت سی احادیث مبارکہ کے مطابق وہ جگہ سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے لیے مخصوص ہے اور جب ان کا نزول ہوگا اور وہ اپنی طبعی موت

[illegible] تو نہیں وہاں [illegible] روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے مروی ہے کہ [عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیا جائے گا] حضرت سعید بن المسیبؒ نے بھی یہی روایت کی ہے۔ (۱۰۶)

۵۵۵ ہجری میں دو صلیبیوں نے غیر مسلم جاسوسوں نے قبر اطہر تک پہنچنے کے لیے ایک سرنگ کھودنے کی کوشش کی اور اس کی سازش ناکام رہا ہونے پر سلطان نورالدین زنگی نے پنج گوشہ کے ارد گرد کھدائی کر کے اس میں پگھلا ہوا سیسہ ڈلوا دیا (اس معاملہ پر ہم نے [illegible] مدینہ طیبہ میں رونما ہونے والے حوادث اور ادوار فتن" میں پوری تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔) مقصورہ شریفہ کے ارد گرد وہ خندق کھودی گئی تھی [illegible] پانی کی تہہ سے پانی نکلنا شروع ہو گیا تھا (۱۰۷) [illegible] بقعہ نور سے ۳۰ ہاتھ دور کے دائرے میں بیس ہاتھ (یعنی [illegible]) گہری خندق کھودی گئی پھر اس خندق میں بھاری پتھروں کی دیوار چنی گئی اور ان دونوں دیواروں کے درمیانی خلا کو سیسہ فولاد اور [illegible] سے بھر دیا گیا تھا اس طرح حجرہ مطہرہ کے ارد گرد ایک ناقابل تسخیر فولادی دیوار کھڑی ہو گئی (۱۰۸) یوں سطح زمین تک حجرہ مطہرہ کے [illegible] اس طریقے سے محفوظ کر دیا گیا اس مقام پر ہم ایک عام غلط فہمی کو دور کرنا چاہیں گے کہ سلطان نورالدین زنگیؒ نے حجرہ شریف [illegible] دیوار کھڑی [illegible] تھی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیسہ اور فولاد سے بنی وہ ناقابل تسخیر دیوار صرف سطح زمین تک تھی (نہ کہ سطح زمین سے اتنی بلند تھی کہ [illegible] کا احاطہ کر لیتی) تاکہ آئندہ کسی مجرمانہ تخریبی کارروائی کا خدشہ نہ رہے جیسا کہ صلیبیوں کے ایجنٹوں نے کیا [illegible] بچا ہوا سیسہ [illegible] کو پگھلانے کے لیے خاص انتظامات کیے گئے تھے اور مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں واقع ایک ایسے مکان میں رکھا گیا تھا جو کہ صدیوں تک "بیت الرصاص" (یعنی سیسہ کا گھر) مشہور رہا۔ زنگیؒ کے وزیر جمال الدین اصفہانی نے پنج گوشہ عمارت پر سنگ مرمر لگوایا البتہ چھت کے قریب صندل اور آبنوس کی لکڑی سے بنی بہت ہی خوبصورت جالی لگوا دی تھی۔ (۱۰۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پنج گوشہ عمارت اس لیے تعمیر کروائی تھی تاکہ اس عمارت کی کعبۃ المشرفہ کے ساتھ مشابہت نہ ہو [illegible] عباسی خلیفہ متوکل [illegible] کے دور میں مدینہ طیبہ کے گورنر اسحاق بن سلامہ کو حکم دیا گیا کہ وہ پنج گوشہ عمارت کی دیواروں پر سنگ مرمر لگوا دے [illegible] متوکل باللہ کے دور تک (۲۴۸ ہجری) رہا (۱۱۰) ابن جبیر۔ جنہوں نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی۔ نے اپنے سفرنامے میں ہمارے لیے حجرہ مطہرہ کے متعلق بہت سی مفید معلومات چھوڑی ہیں وہ رقمطراز ہیں

"حجرہ شریف (پنج گوشہ) کی لمبائی قبلہ کی جانب سے ۲۴ بالشت (جو کہ چھ میٹر سے کچھ زیادہ بنتی ہے) ہے، مشرقی جانب ۳۰ بالشت ہے مشرق سے شمالی کونے تک ۳۵ بالشت اور شمالی کونے سے لیکر مغربی دیوار تک ۳۹ بالشت جبکہ مغربی دیوار کی لمبائی ۲۴ بالشت ہے" ( )

وہ مزید لکھتے ہیں

"روضہ مطہرہ (پنج گوشہ) کے اطراف کی کل لمبائی ۲۷۲ بالشت ہے۔ یہاں نہایت ہی اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر کی ٹائلیں لگی ہوئی ہیں دیواروں کے ساتھ ساتھ ایک تہائی بلندی تک سنگ مرمر لگایا گیا ہے اس کے اوپر مشک و عنبر کی خوشبوئیات اور عطریات مل کر جگہ سیاہ نشان ہو گئی ہے اور مرور ایام سے کئی مقامات سے خستہ بھی ہو چکی ہے۔ دیواروں کے اس سے اوپر کے حصہ پر لکڑی کا بہت ہی نفیس کام کیا گیا ہے جو کہ چھت تک چلا گیا ہے۔ کیونکہ روضہ شریف کا اوپر کا حصہ مسجد نبوی کی چھت کو چھو رہا ہے" (۱۱۲)

جمال الدین اصفہانی جو سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے چچیرے بھائی اور سلطان نورالدین زنگیؒ کے وزیر بھی تھے انہوں نے آبنوس اور صندل کی لکڑی سے ایک خوبصورت جالی بنوا کر حجرہ شریفہ کے باہر کے احاطے میں لگوا دی تھی یہ جالی مسجد شریف کی چھت تک اونچی تھی اس جالی سے تمام منظر بہت دیدہ زیب ہو گیا تھا اور حجرہ مبارکہ کے حسن کو چار چاند لگ گئے تھے لیکن یہ جالی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور مسجد نبوی شریف میں آتش زنی کے حادثے میں جو کہ ۶۵۴ ہجری میں واقع ہوا یہ سب جل کر خاکستر ہو گئی۔ مسجد نبوی شریف کی چھت کا وہ حصہ

جو کہ حجرہ مطہرہ کے اوپر تھا وہ بھی اس آگ کی تباہ کاریوں سے منہدم ہوا اور حجرہ مبارک کی چھت پر آ رہا اور چھت یہ تمام بوجھ برداشت نہ کر سکی اور قبور مطہرہ پر آ گری فوری طور پر حادثہ کی تمام تفصیل بغداد میں خلیفہ معتصم باللہ کو روانہ کی گئیں خواہش تمام کے باوجود خلیفہ کوئی مدد نہ کر سکا کیونکہ تاتاریوں کی یورشوں نے اسے بے دست و پا کر رکھا تھا جو بالآخر سقوط بغداد پر منتج ہوئیں اور خلافت عباسیہ دم توڑ گئی

عباسی خلافت کی بساط لپٹنے سے اسلامی دنیا میں سیاسی خلفشار پیدا ہو گیا اور یوں حجرہ شریفہ کی مرمت کا کام تھوڑی دیر کے لیے معطل ہوا عباسی خلیفہ سقوط بغداد سے پہلے صرف تھوڑا سا سامان روانہ کر سکا تھا جس سے نہایت ہی ضروری قسم کی مرمت کا کام شروع کیا گیا مگر وسائل کی کمی آڑے آ گئی اور یوں یہ کام دو سال تک تاخیر کا شکار ہوتا رہا اسی اثناء میں اسلامی دنیا کے دیگر حکمرانوں نے مرمت کا بیڑہ اٹھایا اور یوں ۶۵۶ میں حجرہ مطہرہ کی مرمت مکمل ہو گئی۔ جب مصری ملک الظاہر رکن الدین بیبارس نے حج کیا تو وہ ۶۶۷ ہجری میں مدینہ طیبہ بھی آئے انہوں نے حجرہ مطہرہ کے گرد پنج گوشے کے چاروں طرف علاقے کی اپنے ہاتھوں سے پیمائش کی اور پھر واپس جا کر لکڑی کی ایک خوبصورت جالی بنوا کر روانہ کی جو کہ اس کے اوپر نصب کر دی گئی (۱۳) اس لکڑی کی جالی کے اندر روضہ اقدس کا کچھ حصہ بھی آ گیا تھا داخلے کے لیے صرف تین دروازے رکھے گئے جو کہ جنوبی شرقی اور غربی جانب تھے اس کے بعد ملک عادل زین الدین کتبغا نے ایک اور خوبصورت جالی بنوا کر ۶۹۴ ہجری میں پہلی جالی کے اوپر نصب کروا دی۔ اس جالی کی بلندی مسجد نبوی کی چھت کو چھونے لگ گئی (۱۴) ساتھ ہی ساتھ اس کے ایک اور دروازے کا اضافہ بھی کر دیا جو کہ شمالی جانب کھلتا تھا ۸۵۳ ہجری میں ظاہر شاہ چقمق نے پنج گوشہ شریفہ کے گرد سنگ مرمر کی ٹائلیں لگوا دیں۔

بد قسمتی سے ایک بار پھر مسجد نبوی شریف آگ کے حادثے کا شکار ہو گئی اور ۸۸۶ ہجری میں خوبصورت جالیوں اور قیمتی لکڑی کا کام سب جل کر تباہ ہو گیا اور سلطان قیتبائی نے تانبے کی جالیاں لگوا دیں لکڑی کے دروازوں کی جگہ مضبوط آہنی دروازے نصب کر دیے گئے۔ جالی کے اوپر کی جانب تانبے کی باریک جالی لگا دی گئی تاکہ کبوتر یا دیگر طیور حرم اندر نہ داخل ہو سکیں پنج گوشے کے شمالی طرف دونوں طرف دو دروازوں کا اضافہ کر کے حجرہ سیدتنا فاطمۃ الزہراء ؓ کو بھی اس بقعہ نور میں شامل کر لیا گیا اور اسی سے اندر آنے کے لیے دروازہ بھی رکھا گیا (۱۱۵) جو کہ آج تک اندر داخلے کے لیے استعمال ہوتا ہے اس آہنی جالی نے حجرہ مطہرہ کا رقبہ کافی بڑھا دیا تھا

حجرہ مطہرہ پر گنبد کی تعمیر اور چند مزید تفاصیل

حجرہ مطہرہ پر سب سے پہلے گنبد ہونے کا شرف سلطان منصور قلاوون الصالحی کو ہوا یہ گنبد ۶۷۸ ہجری میں بنوایا گیا اور مسجد نبوی کی چھت سے زیادہ بلند تھا یہ چار گوشہ عمارت پر تعمیر ہوا جو کہ اوپر جا کر آٹھ گوشوں میں تبدیل کر دی گئی تھی گنبد مبارک لکڑی کے تختوں پر استوار کیا گیا تھا جن کی مضبوطی کے لیے اس کے اوپر سیسے کی پتیاں لگا دی گئی تھیں سیسے کی پلیٹیں لکڑی کے تختوں کو موسمی اثرات سے بچانے کے لیے لگائی گئی تھیں۔ اس سے پہلے کبھی حجرہ مطہرہ پر گنبد نہیں ہوا کرتا تھا (۱۱۶) گنبد سے پہلے حجرہ شریف کے اوپر پردہ کی دیوار ہوا کرتی تھی جو کہ ایک بالشت اونچی ہوا کرتی تھی (۱۱۷) ایسی پردہ کی دیوار سب سے پہلی بار سیدنا عمر فاروق ؓ نے تعمیر کروائی تھی اس کا مطلب ایک طرف تو یہ تھا کہ حجرہ مطہرہ کا بقاع نور مسجد نبوی شریف کی باقی چھت سے ممتاز رہے اور دوسرے یہ کہ جو کوئی بھی کسی غرض سے مسجد نبوی کی چھت پر جائے اسے احساس رہے کہ وہ نہایت ادب کا مقام ہے اور کوئی بھول کر بھی اس پر نہ چڑھے۔ مقصورہ مطہرہ کے اوپر پردہ کی دیوار ۶۵۸ ہجری تک رہی جس کی بلندی نصف قد آدم تک ہوا کرتی تھی (۱۸)

یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ مقتدر شخصیات کے مزارات پر گنبد بنانے کا رواج عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بغداد اور دمشق میں قبہ جات (جن کو عربی میں جنابذ۔ جنبذ کی جمع) اسلامی شخصیات کے مزارات کے فن تعمیر کا ایک باقاعدہ حصہ

۱۷۹۱ء میں لکھا ہوا فتوح الحرمین کا خطی نسخہ جو 'بون' جرمنی میں پڑا ہے سے لیا گیا مسجد نبوی کا نادر خاکہ

بن گئے دوسروں کے علاوہ امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر بھی ایک گنبد بن چکا تھا جو سلجوقی سلطان ملک شاہ نے پانچویں صدی میں تعمیر کروایا تھا اس کے بعد فاطمیوں نے اس طرز تعمیر کو مصر میں خوب رواج دیا اور یہاں تھوڑے ہی عرصے میں بہت سے مزارات پر گنبد بن گئے امام ابو حنیفہؒ کے مزار کی طرح امام شافعیؒ کے مزار پر بھی ایک گنبد تعمیر ہو چکا تھا جب قلاوون خاندان کا دور دورہ ہوا تو گنبد تقریباً تمام مسلم علاقوں میں رواج پا چکا تھا یوں اس دور کے بعد مصر میں جتنے بھی گنبد تعمیر ہوئے وہ سب کے سب چوکور عمارتوں پر استوار ہوتے تھے جو کہ اوپر جا کر ہشت گوشہ بنا دی جاتی تھیں اور پھر اس کے اوپر گنبد تعمیر کیا جاتا تھا مصر میں چونکہ یہ فن تعمیر بہت مقبول تھا اس لیے سلطان منصور قلاوون نے جب روضہ رسول ﷺ پر گنبد بنوانے کا فیصلہ کیا تو مصری معماروں کی خدمات حاصل کی گئیں اور انہوں نے اس وقت کے مقبول فن تعمیر کو کام میں لاتے ہوئے حجرہ مطہرہ پر ایک ہشت گوشہ حصے پر گنبد بنایا جس کا بنیادی حصہ چار گوشہ عمارت پر استوار کیا گیا تھا اسی عرصے کے لگ بھگ مصر میں ایسی بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں۔ (۱۹)

جونہی حجرہ مطہرہ پر گنبد بنایا گیا تو اس کی خوبصورتی اور نسبت روضہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو چہار دانگ عالم میں مقبول کر دیا جو بھی زائر باہر سے آتا اس کے دل و دماغ میں روضہ رسول ہمیشہ کے لیے نقش ہو جاتا۔ زمین سے لے کر ساتوں آسمانوں تک کوئی بھی بقعہ نور مقدس میں حجرہ مطہرہ کی برابری نہیں کر سکتا۔ یہ ایک ایسا مقام اور منظر ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اس کا نقشہ اس کے دل میں بستا ہے۔ اس منظر کی یاد تازہ کرنے کے لیے مسلمان جہاں کہیں بستا ہے وہاں اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ مسجدوں کے گنبد اور مینارے گنبد خضری کی شکل اور رنگ کے بنا لیتا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت کا اظہار ہے کہ اکثر مساجد سبز گنبدوں کے ساتھ حجرہ اقدس کی شبیہ پر بنائی جاتی ہیں بعض حالات میں تو گنبدوں کی شکل اور رنگ بعینہ گنبد خضری کی طرح لگتا ہے جس کی ایک مثال پاکستان میں جامع مسجد بھونگ (رحیم یار خان) جس پر رئیس غازی صاحب نے کروڑوں روپے خرچ کیے اور کئی مرتبہ معماروں کو حج اور زیارت کے لیے بھیجا تاکہ گنبد خضری کی نقل بمطابق اصل بنائی جا سکے۔ ہمارا یہ کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ لگاؤ اور والہانہ محبت مسلمانوں میں نئی ہے، بلکہ روز اول سے ہی جب سے پہلا گنبد شریف تعمیر ہوا لوگوں نے اس کی نقل بنانی شروع کر دی تھی اس وقت گنبد مطہرہ کا رنگ ہلکا آسمانی (خفیف سا نیلا) ہوا کرتا تھا لہٰذا اس دور میں جب عشاق نے اس کی نقل بنوانے کی کوشش کی تو وہ تمام نقش و نگار اور شکل و شباہت کو مشہور بزرگوں کے مزاروں پر گنبد تعمیر کر کے اتارا گیا پچھلے ساڑھے سات سو سالوں میں بہت سی ایسی عمارتیں زمانے کی دستبرد کی نذر ہو چکی ہوں گی، لیکن ان میں سے چند ایک اب بھی محفوظ ہیں مگر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ ساتویں صدی ہجری میں جب ان کی تعمیر ہوئی تھی تو روضہ رسول مقبول ﷺ کی شبیہ ان کے بنوانے والوں اور معماروں کی نظروں کے سامنے تھی۔ ایسے گنبد زیادہ تر ہندوستان میں اس وقت تعمیر ہوئے جب خاندان تغلق کی حکمرانی تھی جن کا مدینہ طیبہ سے لگاؤ اور اہل مدینہ کی خدمات مسلمہ ہیں۔ یہ وہ عہد تھا جب کہ مصر میں مملوک سلاطین کی حکومت تھی برصغیر میں اس وقت بھی تین ایسے تاریخی مزارات ہیں جو کہ تغلق دور کی یادگار ہیں اور اسی وقت کے لگ بھگ تعمیر ہوئے جب مدینہ طیبہ میں حجرہ مطہرہ پر پہلا ہشت گوشہ گنبد بنایا گیا تھا اور اس کا رنگ نیلا تھا

مقصورہ الشریف کا ایک مصور کے قلم سے بنایا ہوا خاکہ جس میں گنبد شریف کا رنگ نیلا ہوا کرتا تھا، گنبد شریف پر جلوہ مصور کے تخیل کے مطابق ان وارد تجلیات کی عکاسی کرتا ہے جو کہ اس بقعہ اقدس پر شب و روز برستی ہیں (تقریباً ۸۵۰ء)

شکریہ مجلۃ العربیہ، کویت ۱۹۹۴/۱۴۲۲۶ھ

اسی وجہ سے اسے قبۃ الزرقاء (نیلا گنبد) کہا جاتا تھا۔(۱۲۰) ان میں سے ایک پاکستان میں ملتان میں واقع ہے (مزار شاہ شمس سبزواری) جو ایک ایسا مقبرہ ہے جسے شاہ محمد تغلق نے شاہ شمس سے عقیدت کی بنا پر ہشت گوشہ عمارت پر تعمیر کروایا۔ اس کا رنگ نیلگوں مائل ہے۔ دیگر مزارات ہندوستان میں ہیں جن میں سے ایک دہلی کے قریب احاطہ تاریخوں میں ہے اور نیلا گنبد کہلاتا ہے۔

شاہ شمس سبزواریؒ کے مزار پر ہشت گوشہ گنبد خاصی دلچسپی کا حامل ہے کیونکہ اسے محمد شاہ تغلق نے تعمیر کروایا تھا جو شاہ شمس کا بہت عقیدت مند تھا۔ لہذا اس نے پوری عاجزی سے مزار کی تعمیر کروائی اور عمارت کو روضۂ رسول کی طرح پر نہ صرف ہشت گوشہ بنایا بلکہ گنبد کا رنگ بھی نیلا بنایا۔ یہ رنگ کا ہونا ایسا ہی تھا جیسا کہ سلطان قلاوون کی تعمیر کردہ عمارت روضۂ رسول پر گنبد کا ہوا کرتا تھا۔ ایسی ہی مثال ان مزارات کی ہے جو کہ تغلق خاندان نے تعمیر کروائے تھے لہذا ایسے تاریخی نیلے گنبدوں پر ایک نظر سے قارئین کو اس گنبد اطہر کی شکل و شباہت کا تھوڑا بہت اندازہ ضرور ہو سکتا ہے۔ حتیٰ جس کی تحقیق ابھی ممکن ہے اصل اس کی کتنی وجہ ہوگی فن تعمیر کی اس مشابہت کا سرمایہ ذکر اس باب سے متعلق تو نہیں لیکن سنجیدہ طالب علم کے خیال کو مہمیز دینے کے لیے کافی ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ اب موجودہ گنبد خضریٰ اسلامی دنیا میں موجود گنبدوں پر کتنی گہری چھاپ رکھتا ہے۔

ہم اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں حجرہ مطہرہ پر پہلا نیلا گنبد تقریباً ایک صدی تک عشاق کی نگاہوں کا مرکز رہا پھر مرور ایام سے بوسیدہ پڑے ہوئے لکڑی کے تختوں میں سے چند کمزور پڑ گئے۔ پہلے تو سلطان الناصر حسن بن محمد بن قلاوون نے ایسے تختوں کو تبدیل کروا کر کچھ مرمت کروادی، مگر بعد میں سلطان اشرف شعبان بن حسین بن محمد نے ۷۶۵ ہجری میں مزید مرمت کا کام کروا دیا۔(۱۲۱) ابھی ایک صدی اور گزری ہوگی کہ اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ گنبد شریف کی وسیع بنیادوں پر مرمت یا تعمیر نو کی جائے اور ساتھ ہی پنج گوشہ حائط کی مرمت کی جائے جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنوایا تھا۔ سلطان اشرف قیتبائی نے شمس بن زمان کو اس بات پر مامور کیا کہ حجرہ مطہرہ کی پورے طور پر چھان بین کی جائے تا کہ اگر ضروری سمجھا جائے تو اس کی مرمت یا تعمیر نو کر دی جائے۔ شمس بن زمان کی رپورٹ کے مطابق حجرہ مطہرہ کی دیواروں کی مرمت کی اشد ضرورت تھی اور خاص طور پر پنج گوشہ شریف کی شرقی دیوار جس میں کچھ دراڑیں پڑنی شروع ہو گئی تھیں جو کہ اس بات کا فوری تقاضا کر رہی تھی کہ فوری مرمت کے اقدامات کیے جائیں۔

ان کی سفارشات پر عملدرآمد کرتے ہوئے ۱۴ شعبان ۸۸۱ ہجری کو پنج گوشہ شریف کے متاثرہ حصے نکال لیے گئے ساتھ ہی ساتھ حجرہ مطہرہ کی پرانی چھت بھی ہٹالی گئی اور پتھروں سے بنا ایک چھوٹا سا گنبد حجرہ شریف پر تعمیر کر دیا گیا اور اس کے اوپر مسجد نبوی شریف کی چھت کو مزید بلند کر دیا گیا تا کہ یہ چھوٹا سا گنبد اپنے کلس (ہلال) سمیت مسجد نبوی کی چھت کی نیچے آ جائے۔(۱۲۲) اس کے اوپر بڑا گنبد تعمیر کیا گیا۔

۱۷ شعبان المعظم ۸۸۱ ہجری کو حجرہ مطہرہ کی مرمت اور تعمیر نو کا کام شروع ہوا اور دو ماہ میں مکمل ہوا۔ کام ۷ شوال ۸۸۱ ہجری کو ختم ہوا۔(۱۲۳) امام سمہودیؒ جو کہ بنفس نفیس اس مرمت کے کام میں شریک رہے تھے، بیان کرتے ہیں کہ پنج گوشہ عمارت کے اندر حجرہ مطہرہ مستطیل شکل کا تھا جسے سنگ سیاہ سے بنایا گیا تھا اور اس میں داخلے کے لیے کوئی دروازہ نہیں تھا۔ امام سمہودیؒ کے اپنے الفاظ میں:

[میں نے اللہ رب العزت سے التجاء کی کہ وہ مجھے انکساری اور ضروری آداب بجالانے کی توفیق دے تا کہ میں اس بقاع طاہرہ میں حاضری دینے کے قابل ہو جاؤں اور میرا عجز و انکساری حضور رسالت مآب ﷺ میں مقبول و منظور ہو جائے اور میں سرور دو عالم شفیع المذنبین علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم کی شفاعت کے قابل ہو سکوں پھر میں بائیں جانب سے حجرہ مقدسہ میں داخل ہوا جونہی میں داخل ہوا تو ایک
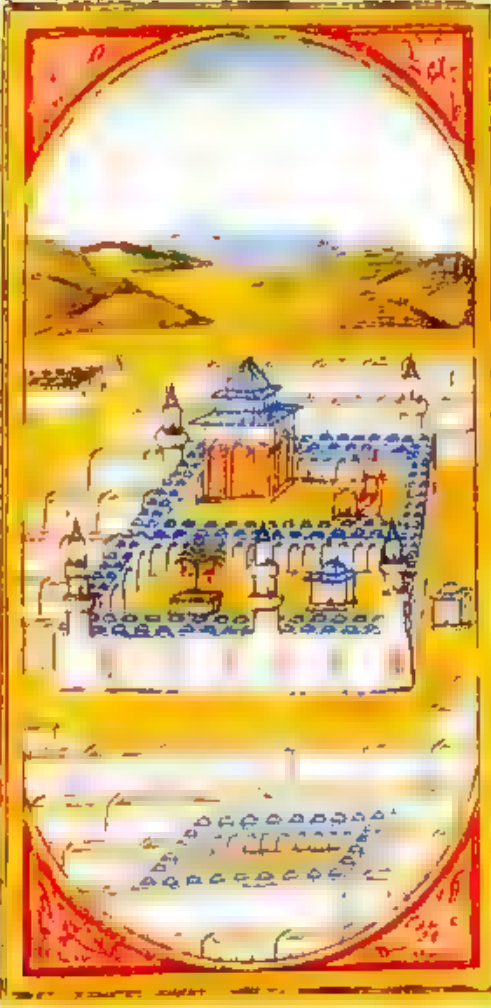
دلائل الخیرات کا ۱۲۱۰ھ کا قلمی نسخہ جس سے مسجد نبوی اور روضۂ اقدس کی ڈرائنگ ہم یہاں شائع کر رہے ہیں جس میں روضۂ اطہر کے اوپر نیلا گنبد نظر آرہا ہے

ایسی قسم کی خوشبو نے میرے دماغ کو معطر کر دیا جو کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی نہ سونگھی تھی جب میں احتیاط سے مؤدب انداز میں صلوٰۃ و سلام اور التجائے تشفع سے فارغ ہوا تو میں نے اپنی نگاہیں اونچی کیں تا کہ میں اس بقعہ نور کی ایک جھلک دیکھ سکوں اور عشاق حبیب کبریاء کو اس حسین ترین منظر کی تفصیل بتا سکوں۔ تب میں نے دیکھا کہ حجرہ مطہرہ کی ارض مقدسہ کی سطح ہموار تھی اور ایسے لگ رہا تھا کہ اس میں کوئی قبر نہیں تھی، سوائے اس کے کہ حجرہ مطہرہ کے وسط میں تھوڑی سی جگہ عام سطح سے ذرا بلند تھی میرے ساتھ جو دوست تھے انہوں نے کہا کہ یہی جگہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی ہے لیکن ایسا خیال ان کی علمی کم مائیگی کی نشانی تھا کیونکہ امام شافعیؒ نے ایسے خیال کو رد کر دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر حجرہ مطہرہ کے وسط میں آڑے رخ میں واقع تھی یہ ایک بے بنیاد خیال تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر تو دیوار کے اتنی قریب تھی کہ اس کی لحد اس دیوار کے نیچے چلی گئی تھی جو کہ قبلہ کی جانب ہے یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ ان حالات میں آپ حضور ﷺ کی قبر اطہر حجرہ مطہرہ کے وسط میں ہو اور وہ بھی آڑے رخ میں ہو؟]

مزید یہ کہ تحفۃ ابن عساکر میں حضرت جابر (بن عبداللہؓ) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا جو کہ حضرت بلال بن رباحؓ نے کیا تھا، جنہوں نے مشکیزے سے پانی کا چھڑکاؤ سر مبارک کی طرف سے شروع کیا اور قدمین شریفین تک لے گئے اور کچھ پانی جو مشکیزہ میں بچ گیا تھا اسے دیوار پر چھڑک دیا گیا اور ایسا کرتے وقت انہیں سخت دشواری کا سامنا تھا کیونکہ قبلہ کی دیوار اور قبر شریف کے درمیان بمشکل ایک بالشت کا فاصلہ تھا (جس کی وجہ سے وہ وہاں کھڑے نہیں ہو سکتے تھے) الخ (۱۲۴)

حجرہ مطہرہ کی شرقی دیوار کے گرنے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں اسے دوبارہ تعمیر کئے جانے کے ذکر کے بعد امام سمہودی مزید رقمطراز ہیں:

[ہم نے حجرہ مطہرہ کی تمام تفاصیل اور اس کی پیمائشیں اور حجرہ مبارکہ کی ارض مقدس کی سطح میں نشیب و فراز اور پنج گوشہ کے ارد گرد کی زمین کی سطح کے ساتھ اس کے موازنہ کو بیان کر دیا ہے جو کہ اندرون حجرہ شریفہ کی زمین کی نسبت ۳ ذراع (یعنی ڈیڑھ میٹر) بلند ہے اور وہ ملبہ جو حجرہ اطہر سے نکالا گیا وہ بھی کوئی دو ذراع (تقریباً ایک میٹر) کے برابر تھا۔ پھر انہوں نے حجرہ مبارکہ کی مرمت کا کام ۷ شعبان کو شروع کر دیا۔]

وہ مزید لکھتے ہیں:

[ماہرین کی رائے کے مطابق شمالی دیوار کی چوڑائی بڑھا دی گئی تا کہ وہ ستون جو کہ پہلے اس کے باہر تھا وہ اس دیوار کے اندر آ سکے اس طرف (یعنی شمالی جانب) چونکہ کافی جگہ خالی پڑی تھی اس دیوار کی موٹائی کو بڑھانے میں آسانی رہی تاہم اس دیوار کی موٹائی مختلف مقامات پر کم و بیش تھی؛ ستون کے مشرقی جانب اس دیوار کی موٹائی تین ہاتھ (ذراع) یعنی ڈیڑھ میٹر تھی جبکہ ستون کے مغربی جانب کے حصے کی دیوار کی موٹائی تقریباً آدھا ذراع کم تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر میں واضح کیا گیا ہے۔ حجرہ شریفہ کے اندر شرقی جانب تقریباً ایک تہائی حصہ پر چھت ڈال دی

ابن نجار (۵۷۳ھ-۶۴۳ھ) کا بنایا ہوا قلمی خاکہ جسے انہوں نے اس سے پہلے کے دوسری صدی ہجری کے قلمی نقشے سے اخذ کر کے بنایا تھا۔ سمہودی (وفاء الوفاء، ص ۵۶۳)

پاشا نے ترکی سلطان کے احکام کے تحت نکال باہر کیا تھا یہ اسی واقعہ کے بعد ہوا تھا کہ وہ چھوٹا سا گنبد جو کہ صحن مسجد کے وسط میں ہوا کرتا تھا (جس کے اندر نوادرات اور تبرکات نبویہ اور مصحف شریف کے چند نہایت ہی قدیم مخطوطے محفوظ تھے) ترکی حکومت نے مسمار کروا دیا اور تمام نوادرات آستانہ (استنبول) لے گئے جہاں توپکاپی میوزیم میں آج تک محفوظ ہیں تاکہ آئندہ کسی بدبخت کو ان پر بھی ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوسکے

حجرہ شریفہ کی تعمیر نو کا اصل سبب بھی بدو سعود کی وہابی حوادث سے منسلک تھا کیونکہ انہوں نے گنبد پر چڑھ کر اس کے ہلال کو سونے کا سمجھ کر اتارنے کی سعی حاصل کی تھی۔ یہ سلطان محمود خان کے دور میں ہوا کہ گنبد شریف کو ۱۲۵۳ ہجری میں سبز رنگ کر دیا گیا اس سے پہلے اس کا رنگ نیلا ہوا کرتا تھا گنبد شریف کے مختلف ادوار میں مختلف رنگوں کی وجہ سے اسے ان رنگوں کی نسبت سے شہرت رہی ہے، مثلاً جب اس کا رنگ سفید تھا تو اسے 'قبۃ البیضاء' کہا جاتا تھا، اور جب نیلا رنگ ہوگیا تو اسے 'قبۃ الزرقاء' یا الفیحاء (۱۳۲) کہا جاتا تھا اور پھر ۱۲۵۳ ہجری کے بعد سے اب تک تقریباً ۱۷۰ سال گزر چکے ہیں، اور سبز رنگ کی وجہ سے یہ قبۃ الخضری کے نام سے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنا ہوا ہے (۱۳۳)

امام سمہودیؒ کے علاوہ ایک اور شخصیت جنہوں نے حجرہ مطہرہ کے اندر کی مزید تفاصیل بیان کی ہیں وہ السید جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی ہیں جو مایہ ناز تاریخ مسجد نبوی ''نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین'' کے مصنف اور مشہور برزنجی شیخ اور عالم جعفر برزنجی کے پوتے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں شہرہ آفاق ''قصیدہ برزنجیہ'' لکھا تھا (۱۳۴) انہوں نے نزہۃ الناظرین میں اپنی نگارشات میں لکھا ہے کہ انہیں ایک مرتبہ سبز گنبد کے ایک جھروکے سے حجرہ مطہرہ کے اندر جھانکنے کا موقع ملا تھا انہوں نے مشاہدہ کیا کہ حجرہ مطہرہ مربع شکل میں ہے اور اس کے اوپر ایک پردہ دائمی طور پر پڑا تھا جس سے واضح طور پر نظارہ نہ ہوسکا انہوں نے ایک چھوٹا سا گنبد بھی دیکھا جو کہ حجرہ مطہرہ کے اوپر استوار تھا اور اس کے اوپر بھی پردہ ڈلا ہوا تھا (۱۳۵) تاہم ان کے خیال میں پردہ کچھ اس انداز سے پڑا تھا کہ وہ خیمے کی طرح درمیان سے اوپر اٹھا ہوا لگتا تھا انہوں نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ دیواروں کے اوپر والے حصے میں لکڑی کی جالی لگی تھی جس سے حجرہ شریفہ پر پردے لٹکائے گئے تھے انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے وہ چاروں ستونوں کے اوپر والے حصے بھی دیکھے جن کے اوپر چھوٹا گنبد بننے سے پہلے حجرہ شریفہ کی چھت ہوا کرتی

تھی اور ان دونوں کی اصلی حالت پر ہی رہنے دیا گیا تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی چھوٹا گنبد ان دیواروں پر استوار ہوا جو کہ پنج گوشہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے اندر واقع حجرہ مطہرہ کی دیواریں ہیں بیرونی گنبد (گنبد خضریٰ) کی اندرونی کیفیت سے متعلق وہ رقمطراز ہیں کہ اندر کی طرف سے یہ نہایت ہی خوبصورت منظر پیش کرتا ہے خوبصورت نقاشی اور خطاطی سے سجایا گیا ہے جو کہ ان کے لیے پڑھنا مشکل تھا، وہ صرف یہ جان پائے تھے کہ ایک طرف اس کے بنانے والے کا نام لکھا تھا جو کہ 'قیتبائی' (ملک اشرف قیتبائی) تھا

سبز گنبد کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ اسے چار گوشہ بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے اور اس میں ۶ روشن دان ہیں جن میں سے چند گول شکل کے ہیں اور باقی کے مستطیل ہیں جہاں تک اس روشن دان کا تعلق ہے جس کا امام سمہودی اور دیگر مورخین نے بکثرت ذکر کیا ہے، یہ حجرہ مطہرہ کی چھت کے اس حصے میں روشن دان کے مانند تھی جو کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے ارشادات پر بنایا گیا تھا جب کہ عام الفتق میں شدید قحط کا سامنا تھا یہ روشن دان سبز گنبد کی جانب صرف جنوب میں ہلال کے نیچے ہوا کرتا تھا اور جب کبھی بھی خشک سالی یا قحط کا سامنا ہوتا تو اہل مدینہ طیبہ اس روشن دان کو کھول دیا کرتے تھے اور جونہی دھوپ کی کرنیں حجرہ مطہرہ میں پڑتیں بادل چھا جاتے اور اہل مدینہ کے لیے باران رحمت کا سبب بن جاتے صدیوں سے یہی ہوتا آیا تھا مگر موجودہ حکومت کے وہابی پرستوں نے اسے بدعت سمجھ کر بند کر دیا ہے، حالانکہ اصحاب کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار مبارکہ سے ہی ایسا ہوتا آیا تھا

مقصورہ شریف کے متعلق عبدالقدوس انصاری نے بیان کیا ہے ''موجودہ مقصورہ شریف (باہر کی جالیوں سے لیکر اندرونی گنبد تک) سلطان اشرف قیتبائی کے شاہکاروں میں سے ایک ہے، اندر ایک چھوٹا سا گنبد ہے جسے سنگ سیاہ سے بنایا گیا ہے اور اوپر سفید سنگ مرمر جڑا ہوا ہے اور یہ حجرہ نبویہ کے اوپر استوار کیا گیا ہے جس میں تینوں قبور مقدسہ ہیں ہمارے آقا و مولا رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک اور آپ کے خلفاء شیخین کریمین سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور مبارکہ ہیں یہ اندرونی تعمیر چار صدیاں پرانی ہے، تاہم باہر کا گنبد، گنبد خضریٰ، سلطان محمود ثانی کا بنایا ہوا ہے۔'' (۱۳۶) اندرونی چھوٹا گنبد 'قبۃ نور' (گنبد نور) کہلاتا ہے جب کہ باہر والا بڑا گنبد 'قبۃ الخضریٰ' (سبز گنبد) کہلاتا ہے سلاطین عثمانیہ کے بھیجے ہوئے پردے (کسوۃ الشریفہ) قبۃ نور پر ڈالے جاتے تھے سلطان عبدالمجید کی کروائی ہوئی مرمت اور تعمیر نو کے بعد قبلہ کی دیوار سے جالی مبارکہ تک ساڑھے سات میٹر فاصلہ ہے، جب کہ شرقی اور غربی جالی کے درمیان چھ میٹر کا فاصلہ ہے حجرہ مطہرہ کا کل رقبہ شرقاً غرباً ۱۱ میٹر چوڑائی اور شمالاً جنوباً اس کی لمبائی ۱۹ میٹر ہے یہ پیمائش اس ناپ پر مبنی ہے جس کے مطابق مدینہ طیبہ کا ایک ذرع (ہاتھ) سرکاری طور پر ۴۲ سنٹی میٹر کے مطابق گردانا جاتا تھا اگرچہ فقہ کی کتابوں میں شرعی ذرع کی لمبائی ۴۸ سنٹی میٹر کے برابر بتائی گئی ہے۔

ایوب صبری پاشا، مشہور ترکی مورخ مدینہ طیبہ اور عثمانیوں کے آخری شیخ الاسلام نے ۱۲۹۶ میں یوں لکھا تھا ''سلطان محمود خان دوم کے دور میں گنبد خضریٰ میں کچھ دراڑیں ظاہر ہوگئیں جن کا بظاہر سبب دیواروں اور اوپر کی پٹی کی کم چوڑائی اور ضعف سمجھا گیا تھا لہذا سلطان محمود نے حکم دیا کہ گنبد مبارک کو اس کی بنیادوں تک گرا دیا جائے اور اسے دوبارہ بہت ہی مضبوط اور چوڑے ستونوں پر از سرنو استوار کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یوں موجودہ گنبد ۱۲۳۳ ہجری میں بنایا گیا (۱۳۷) اسی سال مزید مرمت کا کام بھی کیا گیا اور پھر ۱۲۵۵ ہجری میں اسے سبز رنگ کر دیا گیا (۱۳۸) ایوب صبری پاشا نے بیان کیا ہے کہ ۱۱۹۱ ہجری میں سلطان عبدالحمید کی لکھی ہوئی نعت شریف کے نو اشعار حجرہ

غربی جانب دو شعر سنہرے حروف سے لکھے نظر آ رہے ہیں

مطہرہ کے باہر نہایت ہی خوبصورت خطاطی سے لکھے گئے تھے، جن کا ذکر ابراہیم رفعت پاشا نے بھی کیا ہے اور ان میں سے دو اشعار اپنی کتاب مرآۃ الحرمین میں نقل کئے ہیں

لی توسلت بالمختار اشرف من	رقی السماوات سر الواحد الاحد
رب الجمال تعالی اللہ خالقہ	فمثلہ فی جمیع الخلق لم اجد (۳۹)

میں نے احمد مختار ﷺ کے وسیلے کا سہارا لیا ہے جن کی ذات مبارکہ کو شب معراج آسمانوں پر جانے کا شرف حاصل ہے اور وہ رب الاحد کے راز ہیں

خالق حسن رب ذوالجلال نے انہیں احسن تقویم میں بنایا ایسا کہ ہم نے پوری مخلوق میں ان کا ثانی نہیں پایا

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ چند اشعار پر مشتمل یہ پورا قصیدہ، کاشانہ قدس پر نہایت ہی خوشخطی سے سبز جالی کے اوپر والی جگہ لکھا گیا تھا، مگر سعودی حکومت کے آنے پر اس کے بہت سے اشعار کو ان پر سیمنٹ لگا کر حذف کر دیا گیا، خاص طور پر ایسے اشعار جن میں حضور کو نبین شفیع المذنبین اور رحمت للعالمین ﷺ سے شفاعت کی درخواست کی گئی ہے ان پر سیمنٹ لگا کر اور سبز رنگ چڑھا کر حذف کر دیا گیا مگر ایسے اشعار جو کہ سعودی مکتبہ فکر سے زیادہ متصادم نہیں ہیں اور ان کے علماء کی طبع نازک پر گراں نہیں گزرتے تھے وہ آج بھی کندہ ہیں اور ان پر سنہری رنگ کر کے اجاگر کر دیا گیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر سے ظاہر ہے مواجہ شریفہ کی جالی کے اوپر کی جانب تین اشعار جو کہ اس نعت کی جان تھے مٹا کر ان پر لکڑی کی لوح لگا دی گئی ہیں جن پر قرآنی آیات لکھی گئی ہیں، دیگر تین اطراف میں چند مزید اشعار کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس طرح دست برد سے بچ جانے والے اشعار کی تعداد نو ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں

غربی جانب بچ جانے والے اشعار

یا من یقوم مقام الحمد منفرداً	للواحد الفرد لم یولد ولم یلد
یا من تفجرت الانہار نابعۃ	من اصبعہ فروی الجیش ذی العدد

شمالی جانب کندہ اشعار جو کہ ابھی تک محفوظ ہیں وہ یہ ہیں

رب الجمال تعالی اللہ خالقہ	فمثلہ فی جمیع الخلق لم اجد
خیر الخلائق اعلی المرسلین ذرا	ذخر الانام وہادیہم الی الرشد

اس کے علاوہ شرقی جانب قدمین الشریفین کی دیوار پر جالیوں کے اوپر پانچ اشعار رہنے دیئے گئے ہیں، البتہ ایک شعر کے دوسرے مصرع کے کچھ حصہ کو بھونڈے طریقے سے حذف کر دیا گیا ہے قارئین کرام کی سہولت کے لیے ہم مکمل نعت شریف درج ذیل کر رہے ہیں

شمالی جانب کندہ اشعار جو کہ ابھی تک محفوظ ہیں

سلطان عبدالحمید خان اول کی نعت
جو کہ حجرہ مطہرہ کے باہر جالیوں سے اوپر والے حصے میں سنہری حروف میں لکھی گئی تھی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

یا سیّدي یا رسول اللّٰہ خُذ بیدی	مالی سواکَ و لا الوي علیٰ احد
اے میرے آقا اے اللہ کے رسول میرا ہاتھ تھام لیجئے	نہ آپ کے سوا میرا کوئی ہے اور نہ ہی میں آپ کے علاوہ کسی کی طرف مائل ہوتا ہوں
فانت نور الہدیٰ في كل كائنۃ	و انتَ سرُّ الندیٰ یا خیرَ مُعتمد
آپ ہی ساری کائنات میں نور ہدایت ہیں	اور آپ ہی ساری سخاوت کا راز ہیں اور آپ ہی کی ذات سب سے زیادہ معتمد ہے
وانتَ حقاًغیاثُ الخلق اَجمعہم	و انتَ ھادي الوریٰ للّٰہ ذی المدد
اور آپ بے شک ساری مخلوق کی مدد کرنے والے ہیں	اور آپ سب سے بہتر رہنما اور اللہ کی جانب سے سب کے ہادی ہیں
☆ یا مَن یقومُ مقامَ الحمد منفرداً	للواحد الفرد لم یولد و لم یلد
اے وہ ذات جن کے لیے سب سے منفرد مقام محمود مقرر ہوا	اس یکتا ذات کے ہاں کہ نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد
☆ یا من تفجّرت الانہارُ نابعۃٌ	من اصبعہ فروَی الجیش ذی العدد
اے وہ ذات کہ جن کی انگلیوں سے دریاؤں کے سے	چشمے پھوٹ پڑے جن سے لشکر کے لشکر سیر ہو کر اپنی پیاس بجھاتے تھے
انی اذا سامَنی ضَیمُ یَروِّعُنی	اقولُ یا سید السادات یا سندی
جب بھی میرا ظلم سے سامنا ہوا اور میں خوف زدہ ہوا	تو میں یا سید السادات اور یا سندی پکارتا ہوں
کن لي شفیعاً الی الرحمٰن من زللي	وامنُن عليَّ بما لا کانَ في خلدی
آپ رحمٰن کی بارگاہ میں میری خطاؤں پر میری شفاعت فرمائیں	اور مجھ پر وہ احسان فرمائیں جو کہ میرے تصور سے بھی بالا ہو
وانظُر بعین الرّضاء لي دائماً ابداً	واستُر بفضلكَ تقصیري مدیٰ الامد
اور آپ ہمیشہ مجھ پر نگاہ التفات رکھیں	اور اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ میری کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرمائیں
واَعطف عليَّ بعفوٍ منكَ یشملني	فانني عنكَ یا مولدی لم اُجد
اور آپ مجھ پر نظر کرم فرمائیں کہ میری کوتاہیوں کو ڈھانپ لے	بے شک اے میرے آقا آپ کے سوا میرا کوئی نہیں

انی توسلتُ بالمختار اشرف من　　　رقی السماوات سرّ الواحد الأحد

بے شک میں نے ہی مختار حق کا وسیلہ پکڑا ہے　　　جو آسمانوں سے بھی بالاتر تشریف لے گئے اور اللہ واحد لاشریک کا راز ہیں

☆ رب الجمال تعالی اللّٰہ صدیقہ　　　فمثلہ فی جمیع الخلق لم احد

حسن کے رب نے آپ کی تخلیق کی　　　و پوری کائنات میں آپ جیسا کوئی دوسرا نہیں ہے

☆ خیر الخلائق و المرسلین ذری　　　ذُخر الانام و هادیهم الی الرُّشد

آپ ساری مخلوق سے بہتر اور تمام رسولوں سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں　　　آپ پوری مخلوق کے ملجاء و ماوٰی اور صراط مستقیم کی طرف ان کے راہنما ہیں

به التجئتُ لعل اللّٰہ یغفرلي　　　هٰذا الذی هو فی ذهنی و معتقدی

میں نے بیٹے سے میں نے التجا کی ہے اور میرے، اللہ مجھے بخش دے گا　　　یہی میرا عقیدہ اور ایمان ہے

☆ فمدحهٗ لم یزل دابي مدی عُمري　　　و حبّهٗ عند رب العرش مُستنَد

جب تک میری عمر ہے ہمیشہ ان کی تعریف ہی میرا طرز عمل ہے، اور ان کی محبت ہی رب العرش کے ہاں قابل اعتماد سہارا ہے

☆ علیه ازکی صلاةٍ لم تزل ابداً　　　مع السلام بلا حصر و لا عدد

ان پر ہمیشہ ہمیشہ بہترین درود ہو　　　جس کے ساتھ بے حد و شمار صلوٰۃ و سلام ہو

☆ و علی الآل والصحب اهل المجد قاطبةً　　　بحر السماح و اهل الجود والمدد

اور تمام آل و اصحاب کرام پر جو بڑی فضیلت والے ہیں　　　اور جو سخاوت و عفو و مدد کا سمندر ہیں

(وہ اشعار جن کے سامنے ستاروں کے نشانات ہیں ابھی تک اپنی جگہ موجود ہیں)

اس کے علاوہ ایک اور قصیدہ جو کہ سید الشیخ عبد اللہ بن علوی الحداد العلوی الحسینی الحضری (ت ۱۱۳۲ ہجری) نے لکھا تھا، وہ حجرہ مطہرہ کے اندر نفیس خطاطی سے لکھا گیا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

وقفنا علی اعتاب فضلك یا سیدي　　　لتقبیل ترب حبذّلك من ترب

اے ہمارے آقا ہم آپ کے فضل و کرم کی چوکھٹ پر کھڑے ہیں　　　تاکہ چوکھٹ کی زمین کو بوسہ دیں، کتنی عمدہ ہے یہ خاک!

و قمنا تجاہ الوجه مبارك　　　علینا به نسقی الغمام لدی الجدب

ہم چہرہ اقدس کے سامنے کھڑے ہیں ایسا مبارک چہرہ　　　جس کے توسل سے قحط کی حالت میں بھی ہم پر بادلوں سے بارش نازل ہو جاتی ہے

محمد طاہر الکردی (جو کہ مکۃ المکرمہ کے عصر حاضر کے مشہور وقائع نگار ہوئے ہیں) نے بھی اپنی کتاب تاریخ القویم میں چند تفاصیل مہیا کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

"مقصورہ شریف کا رقبہ شمالاً جنوباً ۱۶ میٹر ہے جبکہ شرقاً غرباً یہ ۱۵ میٹر چوڑا ہے۔ اس کے چاروں کونوں میں بہت ہی مضبوط چار ستون ہیں جو سنگ خارا سے بنائے گئے ہیں اور چھت تک بلند ہیں جس کے اوپر گنبد شریف استوار کیا گیا ہے۔ جہاں تک حجرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے رقبے کا تعلق ہے یہ شمالاً جنوباً ساڑھے چودہ میٹر لمبا ہے اور شرقاً غرباً چودہ میٹر چوڑا ہے۔ یہ حجرہ رئیسیہ سے دو دروازوں کے ذریعے متصل ہے۔ ایک شرقی جانب ہے اور دوسرا غربی جانب ہے اور دونوں کے درمیان کچھ اونچی جگہ ہے جو کہ بعض مورخین کے مطابق سیدۃ فاطمہؓ کی قبر اطہر ہے۔" (۱۴۰)

رقبے کی یہ تفاصیل بتنونی کی بیان کی گئی تفاصیل سے بہت حد تک مطابقت رکھتی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

شمالاً جنوباً	۱۶ میٹر
شرقاً غرباً	۱۵ میٹر

حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے متعلق بتنونی لکھتا ہے کہ جنوب کی طرف یہ ۴۵ میٹر لمبا ہے جب کہ شمال کی طرف اس کی لمبائی ۴۰ میٹر ہے، اور شرقاً غرباً اس کی چوڑائی تقریباً سات میٹر ہے اور یہ حجرہ مطہرہ سے دو دروازوں کے ذریعے جڑا ہوا ہے جو کہ اس کے اندر واقع ہیں۔ (۱۴۱)

باہر کی سبز جالیوں اور اندر کے حجرہ شریف جس میں قبور مطہرہ ہیں کے درمیان خالی جگہ ہے جو کہ تین اطراف سے تقریباً تین تین میٹر ہے (جنوب میں قبلہ کی طرف اور مشرق میں قدمین شریفین کی طرف اور مغربی جانب) جنوب مغربی کونے میں اس کھلی جگہ پر ایک بہت ہی ضخیم مصحف شریف رکھا ہوا ہے جو کہ حجاج بن یوسف نے مدینہ طیبہ میں رکھوایا تھا مگر بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ ان چھ مصحفوں میں سے ایک ہے جو کہ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے تیار کروائے تھے۔ اس کھلی جگہ کے اوپر والی چھت سے جھومر اور سونے اور چاندی کے فانوس لٹکتے ہیں، جن میں سے ۳۱ ہیرے جواہرات سے مرصع ہیں اور چاندی کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں۔ حجرہ شریفہ میں ایسے فانوسوں کی کل تعداد ۱۰۲ ہے۔ سید الکونین اور محبوب رب المشرقین و رب المغربین ﷺ کے سرہانے مبارک کی طرف ایک نادر ہیرا ہے جس کا حجم کبوتر کے انڈے کے برابر ہے جسے سونے کی لوح میں جڑا گیا ہے۔ اس ہیرے کو عرف عام میں 'کوکب دری' کہا جاتا ہے۔ (۱۴۲) جس زریں لوح میں اسے جڑا گیا ہے اس میں مزید ۲۲۷ ہیرے بھی جڑے ہیں جو کہ مختلف حجموں میں ہیں۔ اسے حجرہ مبارکہ پر سلطان احمد خان اول ابن سلطان محمد خان نے گیارھویں صدی کی ابتداء میں پیش کیا تھا۔ (۱۴۳) یہ تمام معلومات محمد طاہر الکردی کی مہیا کردہ ہیں جن کے بیان کے مطابق، مندرجہ بالا قیمتی اشیاء کے علاوہ اور بھی بہت سے بیش قیمت ہار، سیم و زر اور جواہرات کے تحائف ہیں جو کہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر پڑے ہوئے ہیں جن کے ساتھ بہت سے مصحف بھی رکھے ہیں۔ چند عینی شاہدوں کے بیانات کے مطابق جنہیں ایک یا دو مرتبہ حجرہ مطہرہ کے اندر جانے کی سعادت نصیب ہوئی تھی، حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر ایک چرخہ، ایک آٹا پیسنے کی چکی اور ایک مشکیزہ بھی محفوظ ہیں جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے منسوب ہیں۔

حجرہ مطہرہ کے گرد پہلی بار جالی شاہ ظاہر رکن الدین بیبارس نے ۶۶۸ ہجری میں لگوائی تھی جو کہ ۸۸۶ ہجری (۵ نومبر ۱۴۸۱ء) کے آتشزدگی کے حادثے میں جل کر خاکستر ہو گئی اور سلطان اشرف قیتبائی نے تانبے کی بنی جالیاں ارسال کیں جو کہ ۸۸۶ ہجری میں نصب ہوئیں۔ گنبد پر پیتل کا ہلال سب سے پہلے عثمانیوں نے ۳ شوال بروز منگل ۹۳۶ ہجری کو لگوایا۔ (۱۴۴) آہنی دروازے یہ ہیں: باب التوبہ (جنوب میں مواجہ شریف کی طرف)، باب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ (جو کہ مشرق میں ہے)، باب الوفود (جو کہ مغربی جانب ہے اور ریاض الجنۃ میں کھلتا ہے)۔ یہی ۶۶۸ ہجری میں شاہ ظاہر بیبارس نے لگوائے تھے، وہ بھی لکڑی کے تھے اور ۸۸۶ ہجری کے حادثے میں تباہ ہو گئے تھے۔ ایک اور دروازہ جسے باب التہجد یا باب الشامی کہا جاتا ہے، زین الدین کتنغ کے احکام پر ۷۲۹ ہجری میں نصب ہوا تھا۔ یہ تمام دروازے چونکہ جل گئے تھے اس لیے سلطان اشرف قیتبائی نے جب تانبے کی جالی بنوا کر بھیجی تو یہ تمام دروازے بھی دھات کے بنوا دیئے تھے۔ حجرہ مطہرہ کے اندر کھڑکیاں تھیں جو کہ سونے کی بنی ہوئی تھیں ترکی سلطان

محمد سے پیش کی تھیں مگر بدقسمتی سے سعودا نہیں اُٹھا کر اپنے ساتھ درعیہ لے گئے تھے۔(۱۴۵) اس وقت مقصورہ شریف میں چھ دروازے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں

(۱) چاندی سے بنا باب توبہ جو کہ مواجہ شریف کے پاس ہے۔ اسے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے

(۲) باب سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ جو کہ مشرق میں ہے اور حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ میں داخلے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خدام مقصورہ شریف اسی دروازے سے اندر جاتے ہیں اور دوسرے ممالک سے آنے والے خوش قسمت وی آئی پی بھی اسی دروازے سے اندر لے جائے جاتے ہیں

(۳) باب الوفود جو کہ مغربی جانب ہے یہ دروازہ اسطوانہ السریر اور اسطوانہ الحرس کے درمیان ہے اور آج کل بند ہے۔

(۴) باب التہجد شمالی جانب ہے یہ دروازہ باب الوفود سے ذرا چھوٹا ہے اور آج کل اس کے سامنے الماریاں رکھ کر اسے نظروں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ ان الماریوں میں قرآن کریم کے نسخے رکھے رہتے ہیں

(۵) پانچواں اور چھٹا دروازہ یہ دونوں دروازے کاشانہ سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ میں داخل ہونے کے بعد نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک دروازہ شرقی جانب اور دوسرا غربی جانب کھلتا ہے جن سے حجرہ مطہرہ میں رسائی ممکن ہوتی ہے

عہد عثمانی کے پیچھے سلطان کا بھیجا ہوا پردہ جو قبر مطہرہ کے اردگرد ایک عرصہ تک لٹکا رہا

مقصورہ الشریفہ میں آویزاں پردے

ابن نجار کے بیان کے مطابق حجرہ مطہرہ میں پردے ڈلوانے کا شرف سب سے پہلے ابن ابی الہیجاء کو ہو جو کہ مصر کے ایک وزیر تھے انہوں نے عباسی خلیفہ المستضئی بامر اللہ سے اجازت لے کر اسے چھٹی صدی ہجری میں حجرہ مطہرہ میں آویزاں کیا تھا۔ یہ پردہ سفید مخمل کا بنا تھا جس پر سرخ رنگ میں قرآن کریم کی سورۃ یٰسین کی کشیدہ کاری کی گئی تھی یہ پردہ دو سال تک رہا اور پھر خلیفہ مستضئی بامر اللہ نے ایک نیا پردہ ارسال کر دیا اور پرانا پردہ نجف شرف میں شیر خدا علی المرتضیٰؓ کے مزار پر لٹکا دیا گیا (۱۴۶) خلیفہ کا نیا بھیجا ہوا پردہ سرخ مخمل کا تھا جس پر سفید رنگ سے کشیدہ کاری کی گئی تھی اور اس پر چاروں خلفائے راشدین کے نام گرامی لکھے گئے تھے۔ اس کے بعد خلیفہ ناصر الدین اللہ نے سیاہ ریشمی پردہ ارسال کیا۔ ابن نجار کے بیان کے مطابق ان کے دور میں تین پردے ہوا کرتے تھے جو حجرہ مطہرہ میں ایک دوسرے کے اوپر آویزاں تھے۔ تاہم سمہودی نے ابن نجار کے بیان سے اتفاق نہیں کیا کہ سب سے پہلے پردے کس نے ڈلوائے تھے۔ وہ ابن رزین العبدری لاندی کے بیان پر اعتماد کرتے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ سب سے پہلے پردے ملکہ خیزران (ہارون الرشید کی والدہ) نے ڈلوائے تھے۔ اس کے بعد ایک طرح کی رسم ہی چل نکلی کہ پردے ہمیشہ بغداد سے بن کر آتے تھے۔ مگر بعد میں کسوہ شریفہ مصر سے بن کر آنے لگے جو کہ ہر چھ سال کے بعد بھیجے جاتے تھے ہمارے نزدیک سمہودیؒ کی تحقیق زیادہ قرین قیاس ہے عثمانی دور کے آخر میں یہ پردے آستانہ (استنبول) سے سل کر بھی آنے لگے تھے سلطان عبد المجیدؒ نے ایک پردہ ۱۲۷۹ ہجری کو روانہ کیا تھا۔ (۱۴۷) ان کے بعد ایک اور پردہ سلطان عبد العزیز خان نے ۱۲۸۸ ہجری میں بھیجا تھا

موجودہ پردہ جو سبز رنگ کی مخمل سے بنا ہے اور کشیدہ کاری سے باقی حصے پر خوبصورت خطاطی کی گئی ہے اگر ہم شرقی جانب سے روزن جالی سے اندر جھانک کر دیکھیں تو پردے کا ایک حصہ جو کہ قبر اطہر رسول مقبول ﷺ کے سامنے پڑتا ہے وہ سرخ رنگ میں ہے جبرہ ابراہیم رفعت پاشا جنہوں نے ۱۹۰۱ء، ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۴ء اور پھر ۱۹۰۸ء میں مصری کارواں حج کے امیر حج کے طور پر مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی۔ اس بات کو بالصراحت بیان کرتے ہیں کہ حجرہ مطہرہ میں تمام دروازوں اور محرابوں پر پردے ہوا کرتے تھے منبر رسول اللہ ﷺ پر بھی پردہ ڈالا ہوا کرتا تھا ان کے بیان کے مطابق جالی مبارک پر کل اٹھارہ پردے ہوا کرتے تھے جب کہ قبر اطہر پر گیارہ پردے تھے جو کہ سبز مخمل کے تھے۔ (۱۴۸) منبر رسول ﷺ پر سب سے پہلے پردہ خلیفہ راشد سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور میں ڈالا گیا تھا

اس معاملے میں محمد طاہر الکردی لکھتے ہیں اس کے اوپر سبز پردے ڈالے ہوئے ہیں جن پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا گیا ہے بالائی حصے پر قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ لکھی ہوئی ہے (۱۴۹)

﴿وما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شئی علیما﴾

خوبصورت دائروں کے اندر نہایت ہی خوبصورت کشیدہ کاری سے رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی لکھے گئے ہیں۔ زمین سے اڑھائی میٹر کی بلندی پر پردے پر سنہری پٹی لگی ہے جو سرخ مخمل پر ہے اور ۳۰ سنٹی میٹر چوڑی ہے اور اس کے اوپر سلطان کا نام لکھا ہوا ہے۔ یہ پردہ خلافت عثمانیہ کے آخری سلطان نے تیار کروایا تھا جو کہ ترکیہ کے جمہوریہ بن جانے کے بعد ارسال ہوا تھا۔ (۱۵۰) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ پردہ جو ابھی بھی حجرہ مطہرہ پر آویزاں ہے وہ آخری ترکی سلطان کا ارسال کردہ ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ سعودی دور میں شاہ سعود نے بھی ایک پردہ ڈلوایا تھا۔ اور پھر بعد میں شاہ فیصل نے ایک نیا پردہ بنوا کر آویزاں کروایا تھا۔ (مدینہ طیبہ میں ابھی بھی وہ حضرات موجود ہیں جو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آخری پردہ شاہ فیصل کے دور کا ہے کیونکہ انہیں ان پردوں کے بنانے اور آویزاں کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔)

ایک قدیم پردہ جو کہ حجرہ مطہرہ پر آویزاں کیا گیا تھا اور اب توپکاپی میوزیم میں محفوظ ہے

رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں صلوٰۃ وسلام کیسے پیش کیا جائے؟

﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے﴾(۱۵۱)

﴿اور جب وہ تمہارے حضور حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام، تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کر لی ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے﴾(۱۵۲)

[جو حج ادا کرتا ہے اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ میری زندگی میں میرے حضور حاضری دیتا ہے۔] (۱۵۳)

قبر مطہر کی بیرونی جانب آویزاں پردہ

جذب القلوب کے قلمی نسخے سے ماخوذ حجرہ مطہرہ اور قبور مقدسہ کے قلمی خاکے کا عکس ۷۷۷ ہجری

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [جو کوئی حج کرتا ہے اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ میری زندگی میں میرے حضور حاضری دیتا ہے] (۵۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی یہ حدیث بھی مروی ہے [جس نے میری قبر کی زیارت کی تو وہ میری شفاعت کا حقدار ہو گیا] محمد بن حسن نے روایت کی ہے کہ انہوں نے ابراہیم بن شیبان سے سنا [میں نے چند سال حج کیا اور پھر مدینہ طیبہ حاضر ہوا جب میں قبر اطہر پر حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پیش کیا تو میں نے حجرہ شریفہ کے اندر سے اپنے سلام کا جواب یوں سنا وعلیک السلامؑ] (۱۵۵)

حضرت جعفر الصادقؓ کا قول ہے کہ جب بھی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سید العرب والعجم ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام کے لیے حاضر ہوتے تو وہ روضہ مبارکہ کے قریبی ستون کے پاس کھڑے ہو جاتے اور اپنا سلام پیش کرتے تھے پھر وہ ہاتھ سے اشارہ کر کے کہتے یہ وہ جگہ ہے جہاں پر رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک ہے (۱۵۶) سیدنا ابو بکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے "رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنی آوازوں کو بلند کیا کرنا نہ ہی آپ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں درست ہے اور نہ ہی بعد میں" ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ اپنے قریب ہی واقع ایک حجرہ شریفہ میں کیل ٹھونکنے کا شور سنا تو آپ نے فوراً ہی پیغام بھجوا دیا کہ "رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل نہ ڈالا جائے" (۱۵۷) اسی طرح ایک مرتبہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے حجرے کے دروازے کا ایک کواڑ مرمت کرنا پڑا۔ آپ اس بات کا حد درجہ خیال رکھا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ اقدس کے آس پاس کسی قسم کا شور نہ ہو اور اس لیے اپنے دروازے کا کواڑ اٹھا کر بقیع الغرقد کے پاس مناصع کے علاقے میں لے گئے تاکہ اس کی مرمت کر سکیں اور حجرہ مطہرہ کے پاس اس کام کی وجہ سے شور نہ ہو

یحییٰ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن دینارؒ نے فرمایا [میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کہتے اور پھر ابو بکرؓ اور عمر بن الخطابؓ پر سلام بھیجتے] (۱۵۸) حضرت نافعؒ جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے سے روایت کی [جب کبھی بھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر سے شروع ہوتے اور پھر حضرت ابی بکرؓ اور پھر سیدنا عمر فاروقؓ کی قبر پر حاضری دیتے اور کہتے [یا رسول اللہ ﷺ آپ پر صلوٰۃ و سلام ہو، اے ابو بکرؓ آپ پر سلام ہو، اور اے والد محترم (یعنی سیدنا عمرؓ) آپ پر سلام ہو](۵۹)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک بدو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تین دن بعد قبر اطہر پر حاضر ہوا، اس نے قبر اطہر سے کچھ مٹی اور ریت اٹھائی اور اپنے منہ اور سر پر مل کر یوں گویا ہوا [یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کا ارشاد سنا ہے جو کہ آپ پر اللہ رب ذوالجلال کی طرف سے وحی ہوا تھا ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے﴾ (۱۶۰) میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے (یعنی مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے) لہٰذا میں آپ حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے استغفار کریں قبر اطہر سے آواز آئی [اس نے تمہیں معاف فرما دیا ہے] (۶۱) ایک ایسا ہی واقعہ تیسری صدی کی ایک مسلم شخصیت سے مروی ہے حضرت محمد بن عبیداللہ بن عمرو العتبیؒ (۱۶۲) نے بیان کیا کہ جب وہ حجرہ مطہرہ شریف کے پاس بیٹھے تھے تو ایک بدو حاضر ہوا اور یوں گویا ہوا [یا سید المرسلین بیشک اللہ کریم نے آپ پر اپنی کتاب برحق نازل فرمائی جس میں یہ مذکور ہے ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے﴾ (۱۶۳) پھر اس کے بعد اس نے عرض کیا [میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ اللہ سے میری شفاعت کریں تاکہ مجھے معاف کر دیا جائے] اس نے مندرجہ ذیل رباعی با آواز بلند پڑھی۔ (۱۶۴)
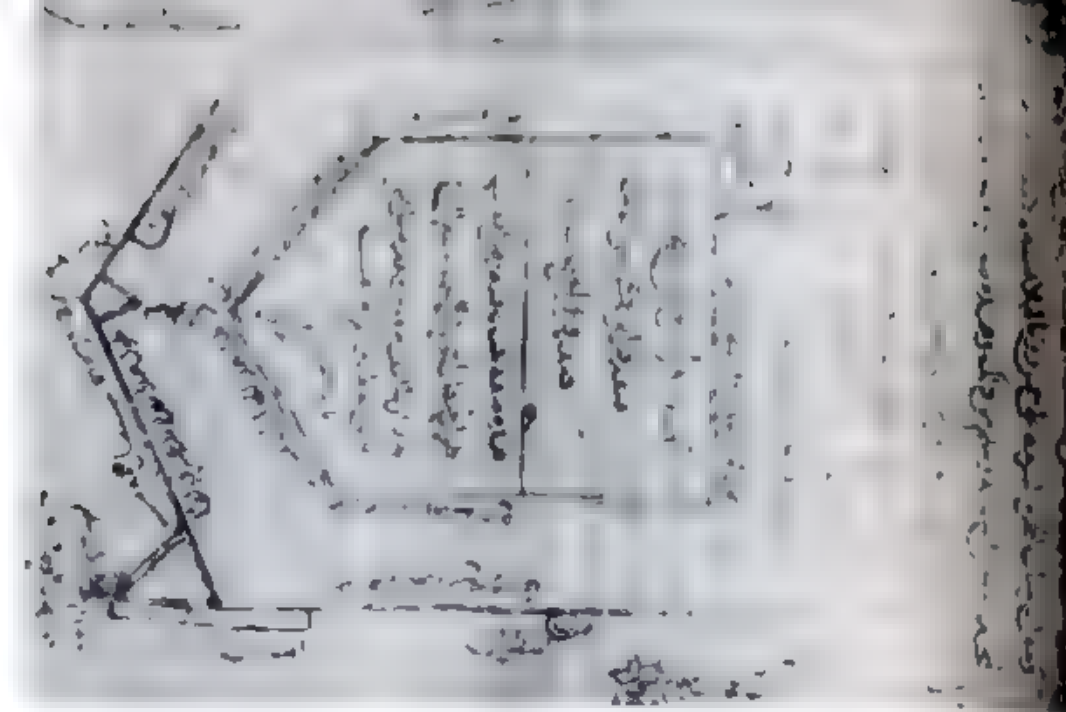
یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه	فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنه	فیه العفاف و فیه الجود والکرم

اے وہ سب سے بہترین ذات جن کا جسم اطہر اس خاک میں مدفون ہے	آپ کے جسم اطہر کی خوشبو سے سب کوہ و دمن مہک اٹھے ہیں
میں قربان جاؤں اس قبر اطہر پر جس میں آپ استراحت فرما رہے ہیں	جس میں سراسر عفت اور سخاوت جود اور کرم ہے

(یہ رباعی آج بھی مواجہہ شریف کے دائیں اور بائیں جانب والے ستونوں پر نہایت ہی مسحور کن انداز میں کندہ ہے)

اپنا معروضہ پیش کر کے وہ بدو چلا گیا عتبیؒ بیان کرتے ہیں کہ ان پر کچھ دیر کے لیے غنودگی طاری ہو گئی اور انہوں نے ایک خواب دیکھا جس میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے انہیں فرمایا [جاؤ اس بدو کے پیچھے اور اس کو خوشخبری دے دو کہ اللہ رب العزت نے میری شفاعت پر اسے معاف فرما دیا ہے] (۱۶۵) ابن عبد ربہ (متوفی ۳۲۸ ہجری) نے بھی ایک ایسا ہی واقعہ قلمبند کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور کہنے لگا [آپ نے جو فرمایا ہم نے اس پر آمنا وصدقنا کہا، آپ نے جو بھی حکم دیا ہم نے اس کی تعمیل کی، آپ نے اپنے رب کا یہ فرمان بھی ہمیں پہنچایا ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی

جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ ہم سے اپنے آپ پر ظلم سرزد ہو گیا ہے اور اب ہم آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہیں لہٰذا ہمیں معاف فرما دیجئے] (احمد بن محمد ابن عبد ربہ، العقد الفرید، صفحات ۔۔۔) اسی طرح ایک مسلم خاتون ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اذن حاضری مانگا تا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو سکیں چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ نے انہیں اندر جانے کی اجازت دے دی جونہی وہ خاتون اندر حاضر ہوئیں تو ان کے آنسو بہہ نکلے اور انہوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ اسی موقع پر ان کی روح پرواز کر گئی (۶۶)

صاحب المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ علامہ قسطلانیؒ نے اسی قسم کا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے ایک اعرابی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور یوں گویا ہوا اے اللہ جل جلالہ آپ نے غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا ہے، یہ آپ کے حبیب ہیں اور میں آپ کا بندہ (عبد) ہوں اپنے حبیب کی قبر پر مجھے نار جہنم سے آزادی عطا کر دو۔ ہاتف غیبی نے آواز دی اے تو نے صرف اپنے لیے ہی آزادی مانگی ہے؟ تمام مخلوق کے لیے آزادی کیوں نہیں مانگی؟ جا ہم نے تمہیں جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا (ص ۵۸۳)

عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے جب مدینہ طیبہ حاضری دی تو امام مالک نے انہیں نصیحت کی کہ جب تک کہ وہ مسجد نبوی شریف میں رہیں وہ اپنی آواز اونچی نہ کریں جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے پھر جب المنصور نے پوچھا "اے ابا عبد اللہ کیا دعا کرتے وقت میں قبلہ رخ ہو جاؤں یا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنا منہ رکھوں اور دعا مانگوں؟" اس پر امام مالک نے جواب دیا "اپنا منہ رسول اللہ ﷺ سے مت موڑیں، کیونکہ وہی تو اللہ کے حضور آپ کے شفیع اور سفارش کار ہیں، وہ ہی تو آپ کے جد امجد (سیدنا آدم علیہ السلام) کے روز محشر شفیع ہوں گے" (۱۶۶) اس سلسلے میں امام مالک نے سیدنا عمر فاروقؓ سے مروی حدیث مبارکہ سے استناد کیا تھا جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

سیدنا عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب آدم علیہ السلام کو اپنی خطاء کا احساس ہوا تو حضور رب ذوالجلال میں دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے حضرت محمد ﷺ کے واسطے بخش دے۔ اس پر اللہ جل جلالہ نے فرمایا اے آدم تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا کیونکہ ابھی تک تو میں نے ان کی تخلیق نہیں کی؟ آدم علیہ السلام نے عرض کیا اے رب جب تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور اس وقت میں نے عرش اعظم کے ستونوں پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں جان گیا کہ تیری ذات معلیٰ کے لیے تو اپنے نام کے ساتھ مخلوق میں سے کسی اور کا نام لکھنا بعید از قیاس ہے سوائے اس کے کہ وہ تجھے تمام مخلوقات سے پیارے ہوں اللہ رب العزت نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا بیشک وہ مجھے تمام مخلوق سے پیارے ہیں جب تو نے ان کے واسطے سے مجھ سے مغفرت چاہی تو میں نے تمہیں معاف فرما دیا اور اگر محمد مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں ہرگز پیدا نہیں کرتا] (۱۶۷)

حضرت یزید بن مہدیؒ سے روایت ہے [جب میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے اجازت طلب کر کے آ رہا تھا تو انہوں نے مجھے فرمایا کیا مجھ پر ایک مہربانی کرو گے؟" میں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین میں بھلا کس قابل ہوں کہ آپ پر مہربانی کر سکوں!" تب انہوں نے فرمایا [میری تم سے درخواست ہے کہ جب بھی آپ مدینہ طیبہ جائیں اور آپ کو سعادت نصیب ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دیں تو میرا سلام ضرور عرض کر دینا] (۱۶۸) حاتم بن وردانؒ نے بھی روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ شام سے خاص قاصد بھیجا کرتے تھے جو کہ ان کا سلام مدینہ طیبہ بحضور سرور کونین ﷺ ادا کرتے تھے۔ (۱۶۹) قاضی عیاضؒ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ اپنے آقا و مولا حضور سید البشر ﷺ کی قبر اطہر پر آئے اور اپنے ہاتھ کھڑے کر لیے اور پھر انہوں نے آپ حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھا اور اس کے بعد وہ وہاں سے گئے (۱۷۰)

قبر طہر کے سامنے والی دیوار پر آویزاں پردہ

ایک مرتبہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مسجد نبوی شریف میں آئے اور سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے حجرہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر بہت دیر تک روتے رہے پھر آپ حجرہ مطہرہ میں داخل ہوئے اور کہا "السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ" اس کے بعد پھر زار و قطار رونے لگ گئے پھر کہا "علیکما السلام یا اخویا و رحمت اللہ" انہوں نے سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر فاروقؓ کو مخاطب کیا اور پھر باہر نکل آئے۔ جب سیدنا عمر بن الخطابؓ فتح یروشلم سے حضرت کعب الاحبارؓ کی معیت میں واپس مدینہ طیبہ آئے تو سب سے پہلے جو کام انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ سیدھے حجرہ مطہرہ پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں سلام پیش کیا یہ کہنا خارج از امکان نہیں کہ دور خلافت راشدہ میں سیدنا عمر بن الخطابؓ کے دور میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی اجازت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مطہرہ کے اندر قبر اطہر کی زیارت سے بہرہ یاب ہوا کرتے تھے

حضرت عبد اللہ بن دینار سے روایت ہے [میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کہتے اور پھر ابو بکرؓ اور عمر بن الخطابؓ پر سلام بھیجتے] (۱۷۰) حضرت نافعؓ جو کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے نے روایت کی [جب کبھی بھی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر سے شروع ہوتے اور پھر حضرت ابی بکرؓ اور پھر حضرت عمر فاروقؓ کی قبور پر حاضری دیتے اور کہتے [یا رسول اللہ ﷺ آپ پر صلوٰۃ و سلام ہو، اے ابو بکرؓ آپ پر سلام ہو، اور اے والد محترم (یعنی سیدنا عمرؓ) آپ پر سلام ہو] حضرت نافعؓ سے ایک اور روایت ہے کہ "میں نے عبد اللہ ابن عمرؓ کو سو سے زیادہ بار دیکھا ہے کہ وہ (حجرہ مطہرہ میں حاضر ہو کر) کہتے [السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر، اور السلام علیک یا ابی] (۱۷۲) حضرت نافعؓ نے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے متعلق ایک اور روایت بھی کی ہے [جب کبھی حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سفر سے واپس آتے تو مسجد شریف میں دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر حجرہ مطہرہ رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہو کر قبر اطہر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھتے کہ ان کی پشت قبلہ کی طرف ہوتی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام پیش کرتے اس کے بعد سیدنا ابی بکر اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہما پر سلام بھیجتے (منقول از امام اسمٰعیل بن اسحاق الجہضمی القاضی مالکی (۹۹-۲۸۲ ہجری) "فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ" صفحات ۸۲-۸۳)

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ شہادت اور تدفین عمر فاروقؓ کے وقت مدینہ طیبہ سے باہر تھے اور اس لیے وہ آپ کے جنازے میں شرکت نہ کر سکے تھے جب بعد میں وہ مدینہ طیبہ واپس آئے تو سیدھے حجرہ مبارکہ میں حاضر ہوئے بڑی دیر تک کھڑے روتے رہے اور اپنی رداء ایک طرف رکھتے ہوئے یوں گویا ہوئے بیشک میں آپ کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا مگر واللہ میں آپ کی مدح و ثناء کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دوں گا پھر اس کے بعد بہترین الفاظ میں انہوں نے امیر المومنین عمر ابن الخطابؓ کو خراج تحسین پیش کیا۔ (ابن عبد ربہ (ت ۳۲۸ ہجری) مصدر مذکور، الجزء الثالث، ص ۱۷۱)

ابی صالحؒ نے مالکؒ سے روایت کیا ہے کہ [مدینہ طیبہ کے لوگوں کو قحط کا شدید سامنا تھا، ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر

پر حاضر ہوا اور عرض کیا [یا رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے اللہ کریم سے فرمائیں تاکہ بارش ہو کیونکہ وہ قحط سے مر رہے ہیں] اسی رات اس کے خواب میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بشارت دی کہ [تم عمرؓ کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہنا ان کو بتا دینا کہ بارش عنقریب ہوگی اور عمرؓ کو کہنا کہ وہ زمین پر عدل قائم رکھے] (۱۷۳) یہ رجل صالح حضرت بلال بن حارث المزنیؓ تھے جن کو خواب میں یہ بشارت دی گئی تھی (۱۷۴)

صرف یہی نہیں تھا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سید امام المتقین اور خاتم النبیین ﷺ کی قبر اطہر پر صلوۃ وسلام کے لیے ہی حاضر ہوتے تھے بلکہ جب کبھی ان پر ابتلاء یا مصیبت آجاتی تو مدنی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قبر اطہر کا رخ کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے التجائیں کرتے تھے

المسعودیؒ نے ایک ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے سوتیلے بھائی زیاد بن ابیہ کو ۵۳ ہجری میں مدینہ طیبہ کے گورنر کے طور پر تعین کرنے کے احکامات جاری کر دیے تاکہ وہ اپنے معمول کے مطابق سختی سے وہاں کی سیاست کو بنو امیہ کے حق میں رکھیں تو اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے آقا و مولا سرور کائنات اور رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کا رخ کیا اور مضطر ہیں۔

"اس طرح زیاد کی عملداری اہالیان مدینہ طیبہ پر بھی ہوئی تھی. پیر و جوان، سب مسجد نبوی شریف میں جمع ہو گئے اور اللہ کریم سے گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگے تین دن تک متواتر وہ قبر رسول اللہ ﷺ سے جا کر لپٹ جاتے اور گریہ وزاری کر کے التجائیں کرتے رہے کہ انہیں اس ظالم کی حکمرانی سے نجات دلائی جائے" (۱۷۵)

اس گریہ وزاری کا اثر یہ ہوا کہ زیاد چند دن کے اندر اندر بہت ہی بری موت مر گیا اور مدینہ طیبہ میں گورنری کی حسرت دل میں ہی لے کر چلا گیا اس کے ہاتھ میں جذام کا سیاہ ناسور ہو گیا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا. یہ واقعہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی حیات طیبہ میں ہی ہوا اور یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ انہوں نے اس بات کی اجازت بھی تین دن تک دیئے رکھی تا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قبر اطہر سے لپٹ لپٹ کر گریہ وزاری کریں. اصحابہ کبار کے اجتماعی عمل کو غیر اسلامی کہنے کی جسارت تو کوئی خارجی بھی نہیں کر سکتا یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ وہ وقت تھا جب کہ امام عالی مقام حسین علیہ السلام بھی پاس ہی اپنے حجرہ مطہرہ میں مقیم ہوا کرتے تھے. (۱۷۶)

بہت سی احادیث مبارکہ اس بات کی شاہد ہیں کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تاجدار جہاں فخر کون و مکاں ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر صلوۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے. اور حجرہ مبارکہ کا دروازہ اس تمام عرصے میں کھلا رہا جب تک کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ یہاں مقیم رہیں. اوپر بیان کی گئی حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ کی روایت سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب بھی زیارت کے لیے حاضر ہوتے تو ام المومنین سیدۃ عائشہؓ حجرہ مطہرہ کا دروازہ ان کے لیے کھول دیا کرتی تھیں. حضرت زید بن اسلمؓ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے [ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو دیکھا کہ وہ قبر رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے رو رہے تھے حضرت عمرؓ نے پوچھا. کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا مجھے ایک بات پر رونا آ گیا ہے جو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے سنی تھی آپ نے فرمایا تھا [ریا تھوڑا سا بھی ہو تو شرک ہے اور جس نے اولیاء اللہ سے عداوت کی تو اللہ تعالیٰ اس سے جنگ کرتے ہیں.] (حافظ ابو نعیم الاصفہانیؒ (ت ۴۳۰ ہجری) حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۱، ص ۳۵)

... امر کی قطعی دلیل ہے "امہات المومنین رضوان اللہ علیہن حجرہ مبارکہ کے مسجد نبوی میں شامل کیے جانے سے پہلے دوسرے حجرہ ہائے ... رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر پردے سے ہو جایا کرتے تھے اور یوں رسول اللہ ﷺ پر صلوۃ وسلام پیش کرتے تھے اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی وفات تک حجرہ مبارکہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا تھا" (۱۷۷) ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ "ایک عرصے تک قبر اطہر کی متولیہ تھیں بلکہ اس بات پر بہت فخر بھی کیا کرتی تھیں کہ یہ ان کی ملکیت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی کے حجرہ مبارکہ میں مجھ سے اجازت لی جاتی ... حضرت ہارون بن موسیٰ الفروی سے مروی ہے کہ جب لوگوں نے ان کے دادا (یعنی حضرت ابی فروہ) سے پوچھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کس طرح رسول اللہ ﷺ پر صلوۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ حجرہ مطہرہ کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے، اور یہ کہ وہ دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہوا جب تک کہ سیدۃ عائشہؓ کی وفات نہیں ہوئی (۱۷۸) تاہم بعد میں جب حجرہ مطہرہ کے گرد اس کے اطراف پر پتھروں کی دیوار کر کے چاروں طرف سے ناقابل رسائی بنا دیا گیا تو اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ریاض الجنہ میں حجرہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے تھے حضرت زین العابدینؒ ہمیشہ ریاض الجنہ میں کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین پر سلام پیش کیا کرتے تھے

جب حضرت بلالؓ ابن رباحؓ نے سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو آپ حجرہ مطہرہ میں بھی تشریف لے گئے اس سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار زار و قطار روتے رہے آپ کے عشق رسول کی انتہا یہ معراج تھی کہ آپ نے اپنا چہرہ قبر مطہرہ محبوب ﷺ سے ملنا شروع کر دیا. (۱۷۹) بہت سی روایت میں مذکور ہے کہ جب حضرت بلالؓ شام میں تھے تو ایک رات رسول اللہ ﷺ کی زیارت طیبہ ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا [بلال یہ کیا بے رخی ہے؟ کیا ہماری زیارت کو نہیں آؤ گے؟] اس خواب کا دیکھنا تھا کہ حضرت بلالؓ ماہی بے آب کی طرح بے چین ہو گئے اور جلد ہی مدینہ محبوب کے لیے عازم سفر ہوئے. وہ اپنے آقا و مولا تاجدار مدینہ سرور قلب و

اٹھارویں صدی عیسوی کے ایک مصور کی فنکاری جس میں اس نے مسجد نبوی شریف اور حجرہ مطہرہ کے خدوخال اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے

سیدنا ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے اور اس سے لپٹ گئے پھر آپ حسنین کریمین علیہما السلام کے پاس گئے اور ان سے بہت پیار کیا۔ اہل بیت عظام دونوں شہزادوں نے بلال سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ فجر کے وقت حضرت بلال اذان دیں۔ آپ مسجد نبوی شریف کی چھت پر تشریف لے گئے جونہی انہوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا ایسا لگ رہا تھا کہ گویا مدینہ طیبہ ہلنے لگ گیا تھا، جب انہوں نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کہا تو اہل مدینہ کے جذبات اور بھڑک اٹھے اور پھر جب آپ نے اشہد ان محمد رسول اللہ کہا تو گویا ایک کہرام مچ گیا، خواتین مدینہ بھی اپنے گھروں سے مسجد نبوی کی طرف سسکیاں بھرتی اور روتی ہوئی آنے لگیں۔ اس دن کے علاوہ اہل مدینہ کو کبھی آہیں اور سسکیاں بھرتے نہیں دیکھا گیا۔ (۱۸۰) خود سیدنا بلالؓ اتنی آہ و زاری کر رہے تھے کہ اتنا کبھی بھی ان کو عمر بھر زندگی میں نہیں دیکھا گیا۔ (۱۸۱) یہ واقعہ بیان کرنے والے ابن اثیر اور ابن العساکر جیسے علماء ہیں۔

وہ جو یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ ”سفر مدینہ طیبہ برائے پیش کردن صلوٰۃ وسلام علی رسول اللہ ﷺ و زیارۃ قبر رسول اللہ ﷺ جائز نیست“ ان کو چاہیے کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے سبق سیکھیں۔ حضرت بلال بن رباح کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے اور انہوں نے وہ سفر کسی اور غرض سے نہیں بلکہ صرف اور صرف زیارت رسول مقبول ﷺ کے لیے کیا تھا اور ایسے وقت کیا تھا جب کہ تمام جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بقید حیات تھے اور ان کی کثرت اس وقت مدینہ طیبہ میں ہی مقیم تھی۔ (۱۸۲)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، مروان بن الحکم کا واقعہ جو کہ مسند امام احمد اور الطبرانی میں مروی ہے جس میں بیان ہے کہ اس نے دیکھا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ قبر اطہر سے لپٹ کر رو رہے تھے، یہ واقعہ بہت سے راویوں کے ذریعے سے ثابت ہے، جس سے اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ صرف حجرہ مطہرہ میں آیا جایا کرتے تھے بلکہ قبر اطہر سے معانقہ (لپٹ جایا کرتے تھے) کیا کرتے تھے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جیسے صحابی بھی اپنے ہاتھ قبر اطہر پر رکھ کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے۔ (۱۸۳) ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا عمر فاروقؓ جب یروشلم فتح کر کے واپس آئے تو حضرت کعب احبارؓ کی معیت میں سیدھا قبر اطہر پر حاضر ہوئے تھے، اس کے بعد کسی اور کام کی طرف انہوں نے توجہ فرمائی۔ (۱۸۴)

صحابی رسول حضرت ابوعبیدہؓ نے ایک دوسرے صحابی حضرت میسرہ بن مسروقؓ کے ذریعے امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطابؓ کو سرکاری ڈاک دے کر بھیجی حضرت میسرہؓ رات کے وقت مدینہ طیبہ پہنچے۔ وہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہونے کی بجائے سیدھے حجرہ مطہرہ پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور کے یار غار سیدنا ابوبکر صدیقؓ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا اور وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ڈاک اور پیغامات پہنچا دیں۔ (۸۵) یہ تمام مثالیں اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہونے کے لیے عازم سفر ہوتے اور پھر جب دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوتے تو نہایت ہی انکساری اور ادب سے حاضری دیتے اور حجرہ مطہرہ کے اندر قبر رسول اللہ ﷺ پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں بہت شدید قحط کا سامنا تھا اور لوگ بھوک سے مرنے لگے تھے خشک سالی سے کوئی بھی پیداوار نہ ہو سکی تھی اور لوگ بوند بوند پانی کو ترس گئے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے انہوں نے فرمایا [رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی طرف دیکھیں اور حجرہ مطہرہ کی چھت میں ایک سوراخ اس طرح کر دیں کہ قبر اطہر اور چرخ نیلی فام کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے] ایسا ہی کیا گیا اور جونہی سورج کی کرنیں قبر اطہر پر پڑیں بادل چھا گئے اور خوب بارش ہونے لگ گئی، اتنی زیادہ بارش

اس بارش کی وجہ سے ہر طرف خوب سبزہ اگ آیا اور جانوروں کو اتنا چارہ میسر ہوا کہ وہ موٹے ہو کر پھٹنے لگے۔ چنانچہ مدینہ طیبہ کی تاریخ میں اس سال کو عام الفتق (یعنی چربی کا سال) کہا جاتا ہے۔ یعنی جانوروں کی بہتات سے میسر ہو گیا تھا کہ مویشی کھا کھا کر بہت موٹے ہوئے اور ان کے اجسام ایسے لگتے تھے جیسے کہ وہ چربی سے پھٹ جائیں گے۔ (۸۶) اہل مدینہ نے اس رسم اور اس طریقے کو زندہ رکھا اور جب کبھی قحط سالی کا سامنا ہوتا تو حجرہ مطہرہ میں اس سوراخ کو کھول دیا کرتے تھے حتیٰ کہ جب چھت کی جگہ گنبد نے لے لی تب بھی گنبد شریف میں آسمان کی طرف ایک روزن رکھ دیا گیا جو کہ بوقت ضرورت کھول دیا جاتا اور یوں رحمت اللعالمین انحضرت ﷺ کی وساطت اور وسیلے سے اہل مدینہ باران رحمت کا فیضان حاصل کرتے تھے۔

السمہودی بیان کرتے ہیں کہ ان کے دنوں میں بھی (ان کا انتقال ۸۶۱ ہجری میں ہوا) وہ رسم جاری و ساری تھی۔ (۸۷) المراغی کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے السمہودی (ت ۹۱۱ ہجری) رقمطراز ہیں کہ ان کے دنوں میں بھی وہ رسم مدینہ طیبہ میں موجود تھی اور روضہ مواجہ شریف کی طرف کا دروازہ کھول دیتے اور سامنے باادب کھڑے ہو کر التجا کیا کرتے تھے۔ (۸۸) جب عثمانیوں نے گنبد شریف کو دوبارہ تعمیر کیا تو بھی اس میں بالائی طرف ایک روزن رکھا گیا تھا جو کہ بوقت ضرورت کھول دیا جاتا تھا لیکن وہابیوں نے جب وہ مدینہ طیبہ میں سیدہ سعید کے مالک بن بیٹھے تو انہوں نے وہ روزن گنبد ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ آج بھی وہ جگہ جہاں گنبد شریف کا روزن بند کیا گیا تھا وہ صحیح طور پر نظر آجاتی ہے جیسا کہ اس تصویر میں دکھایا گیا ہے جو کہ اس باب کے شروع میں دوسرے نمبر پر دی گئی ہے۔

اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مطہرہ کا کس حد تک ادب و احترام کرتے تھے، اس کے لیے ہم ایک اور مثال پیش کرنا چاہیں گے جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی ہے جب وہ امیر المومنین بنے تو ان کے ایک مصاحب نے چاپلوسی کے انداز میں کہا ”اے امیر المومنین، اگر آپ مدینہ طیبہ تشریف لائیں اور آپ کا انتقال وہاں پر ہو جائے تو آپ واقعی اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو حجرہ مطہرہ کے اندر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔“ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فوراً اس کی بات کاٹی اور گویا ہوئے کہ ”اللہ کی قسم میں ہر قسم کی عقوبت کا سوائے جہنم کے سامنا کر لوں گا مگر میرے دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہو جائے کہ میں اس بقعۂ نور میں دفنائے جانے کا اہل ہو گیا ہوں“ (۱۸۹)

علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ زیارت مدینہ طیبہ واجب اور مستحب ہے البتہ اس بات میں علماء میں ضرور اختلاف پایا جاتا ہے کہ حاجی پہلے مدینہ طیبہ جائے یا حج کے بعد روضہ اقدس پر حاضری دے۔ حضرت علقمہ، اسودؓ اور عمرو ابن میمونؓ جو کہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں، کی رائے ہے کہ حاجی کو چاہیے کہ پہلے مدینہ طیبہ جائے۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ تھی کہ پہلے حج ادا کیا جائے اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ حاضری دی جائے۔ شہرہ آفاق سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے مولف، قاضی عیاضؒ، جو کہ شافعی علماء میں سے تھے، امام اسنویؒ اور حنفی عالم ابن ہمام محمد السواسی (ت ۸۶۱ ہجری) نے کہا ہے کہ علماء میں مکمل اجماع ہے کہ زیارت قبر رسول اللہ ﷺ ایک مستحب عمل ہے بعض علماء کی

فتح خیبر کے موقع پر جو علم سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا اس کی ایک نایاب تصویر، یہ توپ کاپی میوزیم، ترکی میں محفوظ ہے

ماخوذ از اللؤلؤ المکنون، المجسٹر (الیڈ بلو سٹاسیکی)

رہ گئے ہے کہ یہ عمل واجب ہے لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ زیارت قبور سنت رسول اللہ ﷺ ہے بلکہ قبر رسول اللہ ﷺ جو کہ پوری کائنات میں مطہر و متبرک مقام نور ہے اس کی زیارت کو تو واجب کی سی فضیلت حاصل ہے

امام ابوحنیفہؒ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ جب امام مدینہ طیبہ میں تھے تو انہوں نے اپنے استاد اور جلیل القدر تابعی حضرت ایوب سختیانیؒ (ت [illegible] ہجری) کو دیکھا وہ جب آئے تو مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے اور قبر اطہر رسول مقبول ﷺ کے سامنے اس انداز میں مودب کھڑے ہو گئے کہ قبلہ ان کی پشت پر تھا اور روتے رہے تھے۔ محدث السمر قندی امام ابوحنیفہؒ کے فتوی کا حوالہ دیتے ہیں کہ "زائر کو چاہئے کہ وہ قبلہ رخ ہو جائے اور قبر اطہر پشت پر رہے" تاہم شیخ کمال الدین ابن الہمام نے وضاحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے زیارت کا طریقہ اپنی مسند میں بیان کیا ہے جو کچھ محدث نے بیان کیا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کے ایک سابقہ فتوی کی بنا پر تھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی اس رائے سے رجوع فرما لیا تھا اور یہ فتوی دے دیا تھا کہ زائر کو چاہئے کہ وہ بالرخ قبر اطہر کی طرف ہی رکھے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول بھی یہی ہے کہ زائر کو چاہئے کہ وہ سلام اس طرح پیش کرے کہ اس کا منہ قبر مطہرہ کی طرف ہو اور قبلہ اس کی پشت پر ہو۔" شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر فی مناسک القاری و شرح مختار من شعراء احناف نے امام ابوحنیفہؒ کی دربار رسالت مآب ﷺ پر حاضری کا ذکر کیا ہے امام ابوحنیفہؒ قبر اطہر کے سامنے حاضر ہوئے اور یوں سلام عرض کیا

"یا سید الثقلین اور اے نوع انسانی کے سب سے قیمتی خزانے، مجھ پر بھی رحم و کرم فرمائیں اور مجھے اپنی خوشیوں کی سعادت سے نوازیں میں آپ کے جود و کرم کا طالب ہوں اور ابوحنیفہ کے لئے آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں"

اگر کسی کو تمام تر تجلیات کے مواجہ مطہرہ کے سامنے کھڑے ہونے کی چند گھڑیاں بھی نصیب ہوں تو ان کو غنیمت جانا جائے اور اگر اژدہام ہو تو ہرگز ہرگز جلد بازی نہ کی جائے اور نہایت ہی انضباط و ادب و احترام سے وہاں کھڑے ہو کر صلوۃ و سلام پیش کیا جائے آواز کو حتی پست رکھا جائے۔ تو یہی بہتر ہے وہاں پر متعین حضرات نے قائم کر دہ نظام کی پاسداری کرتے ہوئے اور خوش نصیب معہ انتہائی عجز و انکساری سے گزارے جائیں اگر کسی وجہ سے وہاں کے متعینین جھڑک بھی دیں تو آپ دربار رسالت مآب ﷺ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے صبر اور خاموشی اختیار کریں کسی سے تعارض میں اپنی آواز بھی اونچی نہ کریں ورنہ تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

سامنے والے صفحہ پر ہم جان کائنات صاحب لولاک ﷺ پر درود وصلوۃ وسلام کا ایک گلدستہ پیش کر رہے ہیں جو کہ زائر دربار رسالت مآب ﷺ پر حاضری کے وقت پڑھے

سب سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ پر صلوۃ وسلام پیش کرے۔ جب فارغ ہو چکے تو تھوڑا دائیں جانب ہو لے اور شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھیں، پھر جب مواجہ شریف سے جانے کا ارادہ ہو تو یہ کلمات کہنے چاہئیں

وَدَعَاکَ یا رسول الله غیرَ مودِّع و لا سامحین بفرقتک نسألک ان تسأل الله تعالی أن لا یقطع آثارنا من زیارت حرمک مرۃ اخری.

پھر یہ دعا مانگے اللھم لا تجعلھا آخر العھد من زیارۃ نبیک صلی الله تعالی علیه وسلم اور نہایت ادب سے اس مقام سے رخصت ہو جائے

وہ خوش نصیب افراد جن کو حجرہ مطہرہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی

جب سے بنو امیہ کے دور میں کاشانہ نبویہ کے دروازے کے آگے پتھروں کی دیوار کھڑی کر کے اس کو دائمی طور پر بند کیا گیا تھا، کسی کیلیے بھی یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ قبور مطہرہ کی زیارت کر سکے، سوائے ان چند دنوں کے جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی گورنری کے دور میں

بسم الله الرحمن الرحيم

السَّلامُ عَلَيكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ السَّيِّدِ الكَرِيمُ ، والرَّسُولُ العَظِيمُ ، الرَّؤُوفُ الرَّحِيمُ ، و رَحمَةُ اللهِ و بَرَكَاتُه . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يا سيِّدِنا ويَا نَبِيِّنا وحَبِيبِنا وقُرَّةَ اَعيُنِنا ياإمَامَ القِبلَتَينِ ويارَسُولَ الثَّقَلَينِ . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يانَبِيَّ الله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ ياحَبِيبَ الله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يا جَمالَ مُلكِ الله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يَاصَاحِبَ الجَمَالِ ويَا سَيِّدَ البَشَرِ . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ وعلى أهلِ بَيتِكَ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ وعلى أزواجِكَ اُمَّهَاتِ المومِنِين . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ سَيِّدِيَ يَا مُحَمَّد إبنَ عبدِالله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ ياخَيرَ خَلقِ الله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يَاطٰه يَايٰس يَا بَشِيرُ يَا نَذِيرُ . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يَامُزَّمِّلُ . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يَا مُدَّثِّرُ . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يا شَفِيعَ المُذنِبِينَ عِندَالله . الصَّلوةُ والسَّلامُ عَلَيكَ يا مَن اَرسَلَهُ اللهُ تعالى رَحمَةً لِلعَالَمِينَ . و قَد قَالَ اللهُ تَعالى فِي حَقِّكَ العَظِيمِ : وَلَو أَنَّهُم إذ ظَّلَمُوا اَنفُسَهُم جآءُوكَ فَاستَغفَرُواللهَ وَاستَغفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواللهَ تَوَّابًا رَّحِيماً . اَشهَدُ اَنَّكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَد بَلَّغتَ الرِّسَالَةَ و اَدَّيتَ الأمَانَةَ و نَصَحتَ الاُمَّةَ وكَشَفتَ الغُمَّةَ وجَلَّيتَ الظُّلمَةَ وجَاهَدتَ فِي سَبِيلِ اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ وعَبَدتَ رَبَّكَ حتّٰى اَتَاكَ اليَقِينُ . جَزَاكَ اللهُ تَعالى عنَّاوَ عَن وَّالِدَينَا وعَنِ الاُمَّتِكَ خَيرَ الجَزَآءِ .

قدمین شریفین کی طرف والی شرقی دیوار شدید بارش کی وجہ سے گرگئی تھی لیکن جب سے سے دوبارہ بنایا گیا اور اس کے گرد پنج گوشہ احاطہ تعمیر کیا گیا، یہ عملی طور پر ناممکن ہو گیا کہ کوئی اندر جھانک بھی سکتا تاہم مورخین مدینہ طیبہ نے چند ایسے واقعات کا ذکر ضرور کیا ہے کہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر چند انتہائی خوش نصیب افراد کو اندر جانے کی سعادت نصیب ہوئی

ابن نجار نے ایک ایسے ہی واقعے کا ذکر کیا ہے کہ ۵۴۸ ہجری میں لوگوں نے حجرہ مطہرہ کے اندر سے کچھ غیر معمولی آواز سنی اس وقت کے گورنر قاسم بن مہنا الحسینی کو فوراً اس کی اطلاع دی گئی اور انہوں نے حکم دیا کہ کسی کو اندر داخل کیا جائے تا کہ حقائق معلوم ہو سکیں لوگوں کی خواہش تھی کہ کوئی ایسا فرد اندر جائے جو کہ حد درجہ متقی اور پرہیز گار ہو سو اس شیخ عمر النسائی موصلی کا جو کہ زبدۃ الصوفیاء تھے اور اپنے وقت کے مشہوروں گردانے جاتے تھے انتخاب کیا گیا وہ بہت عمر رسیدہ اور ایک طرح کے فالج کے مریض تھے بہت ردو قدح کے بعد وہ اندر جانے پر راضی ہوئے انہوں نے چند دن تک کھانا پینا چھوڑ دیا اور پھر انہیں ایک قندیل دیکر ایک رسی سے باندھ کر حجرہ مطہرہ کے اندر اتارا گیا اندر پہنچنے پر انہوں نے دیکھا کہ چھت کا کچھ مواد قبور مطہرہ پر گر گیا تھا انہوں نے اسے ہٹایا اور اس بقاع مطہرہ پر اپنی داڑھی سے جاروب کشی کی معجزانہ طور پر ان کی بیماری جاتی رہی اور وہ اس واقعہ کے بعد نو سال تک زندہ رہے اور ۵۵۷ ہجری میں مکۃ المکرمہ میں وفات پائی.

ایک ایسا ہی دوسرا واقعہ ۵۵۴ ہجری میں ہوا اس وقت بھی قاسم بن مہنا الحسینی ہی گورنر تھے ان کو بتایا گیا کہ حجرہ مطہرہ کے اندر سے کچھ غیر مرغوب سی بدبو آرہی تھی اس وقت خدام حجرۃ الرسول میں سے ایک آغا (جن کا نام طواشی بن ابی سعود تھا) کو اجازت دی گئی کہ وہ صوفی الموصلی (جو کہ اس وقت مسجد نبوی شریف کے متولی تھے) اور ایک دوسرے صوفی بزرگ ہارون الشادیؒ کے ساتھ اندر جائیں انہوں نے دیکھا کہ ایک بلی ایک روشن دان سے حجرہ مطہرہ کی دیوار اور پنج گوشہ کی دیوار کے درمیان گر گئی تھی اور وہیں دم توڑ گئی تھی انہوں نے مردہ بلی کو وہاں سے نکالا اور پوری جگہ کو صاف اور معطر کیا یہ واقعہ اا ربیع الثانی بروز ہفتہ ۵۵۴ ہجری کو ہوا تھا. (۱۹۰)

ان کے علاوہ اگر کوئی اور اندر جانے کی سعادت حاصل کر سکا ہو گا تو وہ معمار یا مرمت کرنے والا ہو گا جنہوں نے حجرہ مطہرہ کی مرمت کی تھی جب دوسری بار مسجد نبوی میں ۸۸۶ ہجری میں آگ بھڑک اٹھی اور حجرہ مبارکہ کی چھت اور گنبد کو شدید نقصان پہنچا تھا تو سمہودیؒ اور چند دیگر افراد تین چار دن تک اندر جاتے رہے تھے تا کہ مرمت اور تعمیر نو کا کام ہو سکے امام سمہودی نے اس واقعہ کی تفاصیل خلاصۃ الوفاء میں بیان کی ہیں جس کو پڑھ کر قاری پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ایک پیراگراف میں لکھا ہے

پنج گوشہ عمارت کے باہر اور موجودہ سطح زمین پر واقع حجرہ شریف کے اندر تو کئی نیک بخت اصحاب مدرج چکے ہیں ایک ایسی ہی صاحب تصنیف شخصیت مشہور ترکی سیاح جناب اولیا شلبیؒ (وفات ۱۰۴۰ ہجری) کی ہے جنہوں نے کچھ وقت اوپر والے حصے میں گزارا اور پھر اسے قارئین کے لیے اپنے "سیاحت نامہ" میں قلمبند کیا ان کا تعلق چونکہ ترکی مشاہیر میں ہوتا تھا اس لیے بوقت حاضری ان کے ساتھ ترکی نائب اور شیخ الحرم (گورنر مدینہ کو ان دنوں شیخ الحرم کہا جاتا تھا) جن کا نام حسین پاشا تھا اور دیگر چند لوگ جن میں خدام روضہ رسول مقبول (طواشی) بھی گئے وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ شرقی جانب سے دروازہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے اندر داخل ہوئے اپنی وجدانی اور روحانی کیفیتوں کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اور شیخ الحرم نے وہاں جاروب کشی کی اور حجرہ مطہرہ کو صاف کیا.

وہ رقمطراز ہیں کہ جب وہ داخل ہوئے تو سید الکونین ختم الرسل مولائے کل کی قبر طہران کے سامنے تھی جس پر کعبۃ المشرفہ کے غلاف سے بنا سبز رنگ کا پردہ پڑا تھا حجرہ الشریفہ میں جابجا بیش بہا قیمتی ہیرے، موتی اور سونے کے بنے شمعدان تھے جنہیں مختلف سلاطین اور امراء نے مختلف اوقات میں حجرہ مطہرہ کی نذر کیا تھا ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا بھی ظن و تخمین کے بس کی بات نہیں تھی شیخین کریمین سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور مطہرہ پر بھی بیش قیمت چادریں تھیں انہوں نے یہ بھی تذکرہ کیا ہے کہ بیرونی حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء سے لے کر حجرہ مطہرہ

الصلوۃ والسلام علیک
یا سیدی و یا نبی و
حبیب و قرۃ اعینی
یا امام القدس و
یا رسول الثقلین

تک زینوں کے تین درجے بنے ہیں جن کو بہت ہی قیمتی پتھروں سے بنایا گیا تھا عقیق، فیروزہ اور یاقوت وغیرہ سے حجرہ مطہرہ کے اندر سے گنبد اخضر کی بلندی تقریباً ۵۰ ذراع (یعنی ۲۵ میٹر) ہے نفیس خطاطی سے اس کے اندرونی حصے پر مندرجہ ذیل قرآنی آیت کریمہ لکھی ہوئی ہے.

﴿الله نور السموات والارض مثل نوره كمشكاة فيها مصباح   الخ﴾ (۱۹۱)

یہ یاد رہے کہ رسول اللہ سرکار دو عالم ﷺ کے منبر شریف پر پہلی بار پردہ (کسوہ) خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفانؓ نے چڑھوایا تھا، اور پھر ان کے بعد مروان اور دیگر بنو امیہ کے حکمرانوں نے یہ رسم جاری و ساری رکھی اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے قبر اطہر پر غلاف ڈالنے کا رواج تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے دوسری صدی ہجری میں شروع ہو چکا تھا کیونکہ سب سے پہلے ایسا کرنے والی خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران تھیں

کاشانۂ اقدس پر بیش قیمت تحائف کی تفصیل اور پس منظر

قارئین میں سے چند کے ذہنوں سے اس بارے میں شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے کہ کہیں حجرہ مطہرہ پر پیش کردہ تحائف کا پس منظر غیر شرعی تو نہیں، ہم ابتداء ہی میں یہ بیان کرنا چاہیں گے کہ ایسے تحائف، جو نقد اور قیمتی اشیاء پر مبنی ہوتے تھے، کعبۃ المشرفہ میں بعثت سید المرسلین علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم سے پہلے اور بعد میں بھی اور پھر خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور راشدہ میں کثرت سے چڑھائے جاتے تھے جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کی ساری دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگی تو سیدنا عمر فاروقؓ نے دو سونے کے ہلال جو مال غنیمت میں ہاتھ لگے تھے کعبۃ اللہ کو بھیج دیئے تھے جو کہ اس کی چھت سے معلق کر دیئے گئے تھے. (۱۹۲) سیدنا عمر فاروقؓ کے طرز

شمع دان رکھے ہوتے ہوں گے۔ بنو امیہ کے خلفاء بھی بہت سے تحائف کعبۃ المشرفہ بھیجا کرتے تھے جن میں خاص طور پر ولید بن یزید بن عبد الملک کا نام آتا ہے جنہوں نے سونے سے بنے ہوئے دو انتہائی بیش قیمت شہری پیالے کعبۃ المشرفہ روانہ کئے تھے جن کے اوپر یہ تحریر کندہ تھی

بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے بندے امیر المومنین خلیفہ ولید بن یزید نے … ہجری میں بھیجا گیا (۱۹۳)

کوکب دری کا ٹکڑا ہے

حمد اور عباسی دور خلافت میں سونے کے بنے تاج اور جواہرات کعبہ شریف بھیجے جاتے تھے اور یہ رسم آج بھی جاری و ساری ہے شاہ خالد بن عبدالعزیز نے کعبۃ المشرفہ کا دروازہ خالص سونے سے بنوا کر (جس میں ۲۵ کیلو گرام سونا استعمال ہوا تھا) کعبۃ المشرفہ پر لگوایا تھا۔ حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سونے اور چاندی کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہی حال مسجد نبوی شریف کا ہے کہ وہاں بھی گنبدوں کے ہلال اور دروازوں پر بے تحاشا سونے کا استعمال ہوا ہے۔ انہیں امثلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں ان تحائف کی شرعی حیثیت کا تعین کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے جو کہ کاشانہ نبوی ﷺ پر سلاطین عالم شروع سے ہی بھیجتے چلے آئے ہیں جو زر نقد، قیمتی جواہر اور سونے کے شمعدان وغیرہ کی صورت میں ہوا کرتے تھے۔ شمعدانوں کا بنیادی مقصد تو حرم نبوی شریف تھا اور بھیجنے والے اپنے اپنے مقام کے مطابق ایسے شمعدان بھیجتے تھے جو کہ حرم نبوی شریف کے شایان شان ہوتے تھے حتیٰ کہ یہ وزن میں بہت بڑے ہوتے تھے اور یہ رسم وفا آج بھی نبھائی جا رہی ہے۔ مسجد نبوی شریف میں معلق … پر سونے کی تہہ چڑھائی گئی ہے۔ ان تحائف سے حرم النبوی شریف کا خزانہ بن گیا تھا جس سے اکثر اوقات ان تحائف کو بیچ کر … نقد کو … مسجد نبوی کی مرمت و تعمیر کا کام چلایا جاتا تھا۔ سمہودی نے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں جن میں سب سے زیادہ دلچسپ مثال یہ ہے کہ ان کے دور میں چوتھا مینارہ (جو کہ باب السلام پر آج بھی اپنی قدیم و اصلی شکل میں استوار ہے) جس کو مصر کے ایک حکمران نے … کا حکم دیا تھا اور پھر تقریباً سات صدیوں تک وہاں کوئی مینارہ نہیں تھا۔ اس کی تعمیر بھی انہیں … حاصل جرم (یعنی تحفہ تحائف کو بیچ کر ان کی قیمت حاصل کی گئی) سے کی گئی تھی انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب سلطان … نے فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو شیخ احمد بن … الدولہ کافور المظفری نے عرض کیا کہ اگر سلطان اجازت مرحمت فرمائیں تو خزانہ حرم نبوی شریف میں جو بھی تحائف اور شمعدان وغیرہ ہیں ان کو بیچ کر ان سے حاصل … سے مذکورہ مینارہ کو تعمیر کروا دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (۱۹۴)

ایسے تحائف مختلف صورتوں میں پیش کئے جاتے تھے، جن میں کشیدہ کاری کئے گئے پردوں اور چادروں سے لے کر (جو کہ قبور مطہرہ پر ڈالی جاتی تھیں) سیم و زر سے بنی پلیٹیں اور جواہرات سے مرصع تختیاں بھی شامل تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی تحفہ کوکب الدری تھا جو ایک بیش بہا ہیرا تھا جو اندھیرے میں بھی چمکتا تھا۔ باقی کی اشیاء میں سونے سے بنے شمعدان یا تاریخی تلواریں تھیں جن کے دستوں پر ہیرے جواہرات لگائے گئے تھے۔ بر ہم رفعت پاشا کے الفاظ میں "عام طور پر ایسے تحائف جواہرات یا قیمتی پتھروں کی شکل یا سیم و زر کی صورت میں آتے تھے لیکن ان کے علاوہ بیش قیمت تلواریں بھی تھیں جن کی تعداد ایک سو کے قریب تھی جن پر ہیرے اور سونا لگا ہوا تھا" (۱۹۵) شمعدان تو حجرہ الشریفہ میں یا مسجد شریف کے دوسرے حصوں میں قندیلیں جلانے کے لیے مستعمل ہوتے تھے تاکہ نمازیوں کو رات میں آنے جانے میں سہولت رہے میں آسانی ہو مگر تلواریں خزانۃ الحرم میں اس لیے پیش کی جاتی تھیں تاکہ مسجد اور حجرہ مطہرہ کا مناسب دفاعی انتظام ہو سکے ان تحائف کو پیش کرنے والوں کی دلی محبت اور عقیدت کا اظہار مقصود ہوتا تھا

سب سے قیمتی تحفہ جس کا نام کوکب الدری (قیمتی موتیوں کا ستارہ) عثمانی سلطان احمد خان بن سلطان محمد خان نے حجرہ مطہرہ کو پیش کیا تھا یہ دو ہیروں سے مل کر بنا تھا جس میں ایک چھوٹا تھا اور ایک بڑا۔ بڑے ہیرے کا حجم کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ ان دونوں ہیروں کو سونے اور چاندی سے جوڑا گیا تھا۔ بڑے ہیرے کی اس وقت کی قیمت کا اندازہ تقریباً ۸۰،۰۰۰ دینار (سونے کی اشرفیاں) لگایا گیا تھا ۱۰۲۴ ہجری میں سلطان مراد بن احمد خان نے ایک اور ہیرا تحفتاً پیش کیا جو کہ سونے کی پلیٹ میں جڑا ہوا تھا ۱۱۵۴ ہجری میں شاہی بیگمات نے حجرہ شریفہ … پانچ ہیرے پیش کیے جو کہ ایک قیمتی لوح میں لگائے گئے تھے اور ان کے اوپر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کے نام زری کندہ تھے اور ساتھ ہی سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کا اسم گرامی بھی کندہ تھا (۱۹۶)

سلاطین عثمانیہ کے علاوہ ان کی ملکہ اور شہزادے اور شہزادیاں بھی اس معاملے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں۔ ایسی ہی ایک بیش قیمت پلیٹ جس میں جواہر لگے تھے ملکہ سلطانہ نے ۱۲۹۱ ہجری میں پیش کی جس پر سنہرے حروف میں "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا (۱۹۷)

حجرہ مطہرہ میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں

قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جہاں اربوں کی تعداد میں عشاق حجرہ مطہرہ موجود ہیں وہاں چند شقی القلب منافقین ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنہوں نے تخریبی کارروائیوں سے بھی گریز نہیں کیا اور حجرہ مطہرہ میں چوری تک کا ارتکاب کر ڈالا۔

۸۱۱ ہجری میں مدینہ طیبہ کا ایک گورنر (جماز بن ہبہ بن جماز الحسینی) تھا جو کہ اپنی بدطینتی اور اخلاقی بے راہ روی کے لیے خاصہ بدنام تھا ایک مرتبہ وہ رات گئے مسجد نبوی شریف میں داخل ہوا اور اس قبہ شریفہ کا دروازہ توڑا جو مسجد کے صحن کے وسط میں ہوا کرتا تھا اور اس میں نوادرات اور تحائف رکھے رہتے تھے۔ جو کچھ بھی قیمتی تحائف میں سے اس کے ہاتھ لگا، جن میں سمہودی کے بقول پانچ قنطار کے لگ بھگ سونے کی اشیاء از قسم شمعدان وغیرہ تھیں چرانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ حجرہ مطہرہ میں بھی داخل ہوا اور کسوہ شریفہ کے علاوہ وہ فانوس جو وہاں آویزاں تھے ان کو بھی اٹھا لے گیا اور ایسے ہی دیگر سامان بڑے سٹور سے بھی لے کر چلتا بنا۔ ایسی ہی ایک حرکت اس کے ایک بھتیجے شہزادہ عزیز بن ہیازع بن ہبہ بن الجماز نے کی اور وہ ۸۲۳ ہجری میں اسی قبہ شریفہ میں داخل ہو کر بہت سی قیمتی اشیاء اٹھا لے گیا تاہم اسے پکڑ لیا گیا اور قاہرہ بھیج دیا گیا جہاں وہ جیل میں ذلت کی موت مرا۔ اسی طرح کچھ دوسرے شہزادوں (مثلاً برغوث بن باتیر بن جریل الحسینی اور … بن سعد الحسینی وغیرہ) نے بھی مسجد نبوی شریف میں نقب لگائی اور قیمتی شمعدان لے کر چلتے بنے۔ برغوث تو پکڑا گیا اور گورنر کے حکم سے اسے دار پر لٹکا دیا گیا

قبر اطہر پر جھولتا ہوا بیش قیمت جھومر جو اب توپ کاپی میوزیم میں سرکار ﷺ کے بردہ شریف کے اوپر آویزاں ہے

فتح خیبر کے موقع پر جو علم سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا اس کا ایک اور حصہ بھی توپ کاپی میوزیم، ترکی میں محفوظ ہے۔
(بحوالہ الکوکب الدری از تجمیل دیدہ سید استادکی)

بعد میں ایک اور شہزادہ (امیر حسن بن ربیعہ المنصوری) جو کہ اس وقت گورنر تھا، ۶ ربیع الاول ۹۰۱ ہجری کو ان دو بڑے مسجد نبوی شریف میں اپنے محافظ دستوں کے ساتھ آیا اور خدام حرم سے اس قبر شریف کی چابیاں طلب کیں جو کہ صحن کے وسط میں ہو کرتا تھا جب سٹور کیپر نے چابیاں دینے سے انکار کیا تو اس کو زدوکوب کیا گیا۔ پھر وہ حجرہ مطہرہ کی طرف گیا اور کلہاڑے سے اس کا دروازہ کھول دیا اور جو کچھ بھی نقدی، سیم وزر اور شمعدان وغیرہ اس کے ہاتھ لگے، لے کر چلتا بنا اس نے یہ تمام سامان دو گھوڑوں اور ایک خچر پر لادا اور اسے اپنے محل میں لے گیا اس تمام مسروقہ سامان کی قیمت بعد میں ۳۰،۰۰۰ دینار بتائی گئی تھی

۱۲۲۱ ہجری میں ایک بار پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا اس مرتبہ وہابی لیڈر (سعود بن عبدالعزیز) مدینہ طیبہ پر قبضہ کرنے کے بعد حجرہ مطہرہ میں گھس گیا اور جو کچھ بھی قیمتی تحائف میں سے اس کے ہاتھ لگا، مثلاً جواہرات، سیم وزر اور شمعدان وغیرہ، وہ سب اٹھا کر لے گیا یہ سوچ کر کہ گنبد خضری کا ہلال (کلس) بھی کہیں سونے کا نہ ہو ایک کوشش کی گئی کہ اسے بھی اتار لیا جائے جس ابراہیم رفعت پاشا بیان کرتے ہیں کہ وہابی بیش قیمت ہیرے اور جواہرات اٹھا کر لے گئے جن کی قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اس لوٹ مار میں سونے چاندی کے علاوہ زمرد کے بنے چار شمعدان، اور ایک مستطیل ہیرا جس سے قندیل کی طرح روشنی نکلا کرتی تھی اور ایک سو کے لگ بھگ تلواریں شامل تھیں جن پر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے، جن میں سے ہر ایک کی قیمت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے جن کو پچھلے خلفاء اور سلاطین نے پیش کیا تھا، بھی شامل تھے (۹۸) وہابی فتنے کا شدید ردعمل ہوا اور عثمانی خلیفہ کے حکم سے طوسون پاشا کو مصر سے ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا طویل جھڑپوں کے بعد عبداللہ ابن سعود کو اس کے دیگر مجرم ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا اور قاہرہ روانہ کر دیا گیا (۹۹) طوسون پاشا کی کوششوں سے مدینہ طیبہ کو وہابیوں سے ۱۸ رجب ۱۲۳۳ ہجری کو پاک کر دیا گیا ان میں سے ۴۴۰ افراد نے ہتھیار ڈالے تھے سرغنہ لوگوں کو قاہرہ روانہ کیا گیا جہاں سے ان کو استنبول لے جایا گیا جہاں ان کو سر عام پھانسی دے دی گئی (۲۰۰) عبداللہ بن سعود نے لوٹے ہوئے مال میں سے صرف ایک صندوق واپس کیا جس کے اندر مصحف شریف کے تین قدیم مخطوطے تھے، ۳۰۰ موتی اور ایک زمرد کا ٹکڑا تھا باقی ماندہ مسروقہ مال کے متعلق اس کا بیان تھا کہ جب اس کے والد (سعود) نے ان کو لوٹا تو اس نے ان قیمتی اشیاء کو عرب قبائل کے شیخوں میں تقسیم کر دیا تھا مبینہ طور پر بعض اغوات (خدام حرم) اور شریف مکہ کو بھی اس مال مسروقہ میں سے حصہ دیا گیا تھا مصری حکام نے اسے یقین دلایا کہ وہ سفارش کریں گے کہ عثمانی سلطان اس کو معافی نامہ دے دے لہٰذا ۱۹ محرم الحرام ۱۲۳۴ ہجری کو انہیں سکندریہ کے راستے استنبول روانہ کیا گیا، استنبول پہنچنے پر اس کو اور اس کے دیگر ساتھیوں کو پورے شہر میں گھمایا گیا اور پھر باب ہمایوں کے سامنے استنبول میں ان کے سر قلم کر دئے گئے۔ (۲۰۱) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ 'کوکب الدری' بھی اٹھا کر لے گئے تھے، لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت میسر نہیں آ سکا عبدالقدوس الانصاری نے بیان کیا ہے کہ جنگ عظیم اول کے دوران کوکب الدری آستانہ منتقل کر دیا گیا تھا اور پھر اس کے بعد وہ کبھی واپس نہیں آیا (۲۰۲)

تاہم برطانوی جاسوس، رچرڈ برٹن، جس نے مدینہ طیبہ کے متعلق اپنی یادداشتیں چھوڑی ہیں، اس بدقسمت واقعے کے متعلق رقمطراز ہے:

"وہابیوں کے مدینہ طیبہ پر قبضہ کے دوران ان کے لیڈروں نے مزار اقدس پر مخزون قیمتی چیزیں چرائیں اور آپس میں بانٹ لیں ان کی قیمت بہت زیادہ تھی پھر جب مدینہ طیبہ مکمل طور پر ان کے ہاتھ آ گیا تو سعود اور اس کے دیگر چیدہ چیدہ افسروں نے حجرہ مطہرہ میں گھسنے کی کوشش کی لیکن چونکہ اس سے پہلے وہ اپنے خوابوں میں بہت ہی بھیانک

سپنے دیکھ چکے تھے اس لیے انہیں پردوں کے اس پار جانے اور قبر اطہر کو دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی تاہم اس نے راستے میں پڑے تمام خزانے لوٹ لیے، جن میں کوکب الدری اور دیگر زر و جواہرات شامل تھے جو کہ عالم اسلام کی مختلف کناف سے پیش کیے گئے تھے کہا جاتا ہے کہ ان میں سے بہت سے تو انہوں نے شریف مکہ شریف غالب کے ہاتھ بیچ ڈالے جن کی قیمت ۵۰،۰۰۰ ڈالر بتائی جاتی ہے باقی ماندہ قیمتی سامان وہ اپنے ساتھ درعیہ لے گیا جو کہ اس کا دارالحکومت تھا۔ وہ تو عمارت کی اور بھی بے حرمتی پر تلے ہوئے تھے مگر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے وہ ایسا نہ کر پائے اجڈ وہابی یہ سمجھ بیٹھے کہ گنبد کے اوپر ہلال سونے کا تھا لہٰذا انہوں نے اسے بھی مسمار کرنے کی ٹھانی مبینہ طور پر ان کے دو جیالے گنبد سے پھسلے اور گرتے ہی مر گئے، باقیوں پر خوف اور توہم طاری ہو گیا اور اس بے مزید خرابی سے باز رہے۔" (۲۰۳)

ازواج مطہرات اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حجرات مبارکہ

سلامتی ہو تم پر اے بالیان شہر (بقیع الغرقد)،
تم پر جو ایمان والے ہو اور مسلمان ہو! انشاءاللہ ہم تم سے آملنے والے ہیں
میں اللہ رب العزت سے اپنے اور تمہارے لئے مغفرت اور سلامتی کی دعا مانگتا ہوں۔ ( )

مسجد نبوی شریف کی جانب شرقی جانب جنت البقیع الغرقد کا قبرستان ہے جو مدینہ طیبہ کا سب سے مشہور مدفن، گورستان ہے۔ یہ مدینہ طیبہ کے بہت ہی اہم تاریخی مقامات میں سے ایک منفرد مقام ہے جو کہ مسجد نبوی شریف کے جنوب مشرق میں واقع ہے اور لاکھوں کی تعداد میں باہر سے آنے والے افراد کی زیارت گاہ ہے۔ ایک مضبوط اور سفید رنگ کی چاردیواری جس میں خوبصورت آہنی جالی لگی ہے جو بقیع الغرقد کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ابتدائے اسلام میں یہ قبرستان بہت تھوڑے سے رقبے میں ہوا کرتا تھا۔ اس کی پہلی بار توسیع حضرت معاویہ بن ابو سفیان کے دور میں ہوئی۔ پھر اس کے بعد وقتاً فوقتاً مزید توسیعات ہوتی رہیں۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ترکی دور حکومت کے آخر میں صرف ۱۵،۰۰۰ مربع میٹر (۱۵۰ x ۱۰۰) پر محیط تھی۔ سعودی دور میں سب سے پہلی توسیع شاہ فیصل مرحوم کے دور میں ہوئی۔ پھر اس کے بعد ۱۹۷۹ میں شاہ خالد کے دور میں مزید اراضی اس میں شامل کر دی گئی تھی لیکن سعودی دور کی سب سے بڑی توسیع شاہ فہد کے دور حکومت میں ہوئی ہے۔ اور آج اس کا کل رقبہ ۵۶،۰۰۰ مربع میٹر ہے۔

سرکار دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود کے وقت وہاں بہت سے قبرستان تھے (۳) یہودیوں کے اپنے قبرستان ہوا کرتے تھے جب کہ عربوں کے مختلف قبائل کے اپنے اپنے قبرستان تھے۔ مدینہ طیبہ چونکہ اس وقت مختلف چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بٹا ہوا تھا اس لیے ہر قبیلہ اپنے ہی علاقے میں کھلی جگہ پر اپنے میتوں کو دفنا دیتا تھا۔ قبا کا الگ قبرستان تھا جو زیادہ مشہور تھا، گو کہ وہاں چھوٹے چھوٹے کئی اور قبرستان بھی تھے۔ قبیلہ بنی ظفر کا اپنا قبرستان تھا اور بنی سلمہ کا اپنا الگ قبرستان تھا۔ دیگر قبرستانوں میں بنی ساعدہ کا قبرستان تھا جس کی جگہ بعد میں سوق النبی (مناخہ) قائم ہوا۔ جس جگہ پر مسجد نبوی تعمیر ہوئی وہاں بھی کھجوروں کے جھنڈ میں چند مشرکین کی قبریں تھیں۔ ان تمام قبرستانوں میں بقیع الغرقد سب سے پرانا اور مشہور قبرستان تھا اور پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اسے مسلمانوں کے قبرستان کے لیے منتخب کیا تو اس کے بعد سے آج تک اسے ایک منفرد اور ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے جو تا ابد رہے گی۔

بقیع الغرقد کا مسلمانوں کے قبرستان کے طور پر انتخاب اور اہمیت

حضرت عبید اللہ بن ابی رافعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں صرف مسلمانوں کی قبریں ہوں اور اس غرض سے آنحضرت ﷺ نے مختلف جگہوں کو ملاحظہ بھی فرمایا لیکن یہ فخر بقیع الغرقد کے حصے میں لکھا تھا۔ جناب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا [مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس جگہ کو (یعنی بقیع الغرقد) کو منتخب کروں۔ اسے اس دور میں بقیع الخبخبہ کہا جاتا تھا، اس میں بے شمار غرقد کے درخت اور خود رو جھاڑیاں ہوا کرتی تھیں۔ یہاں مچھروں اور دیگر حشرات الارض کی بھرمار تھی اور مچھر جب اڑتے تو ایسے لگتا تھا کہ دھوئیں کے بادل چھا گئے ہوں۔ وہاں سب سے پہلے جن کو دفن کیا گیا وہ حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نشانی کے طور پر رکھ دیا اور فرمایا "یہ ہمارے پیش رو (سلف) ہیں۔" ان کے بعد جب بھی کسی کی فوتیدگی ہوتی تو لوگ تاجدار مدینہ ﷺ سے پوچھتے کہ انہیں کہاں دفن کیا جائے تو آقا ﷺ فرماتے "ہمارے پیش رو (سلف) عثمان بن مظعونؓ کے قریب۔" (۴)

بقیع عربی میں ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں درختوں کی بہتات ہو (۵) مدینہ طیبہ میں اس مقام کو بقیع الغرقد کے نام سے جانا جانے لگا کیونکہ وہاں غرقد کے درختوں کی بہتات تھی۔ (۶) اس کے علاوہ وہاں دیگر خود رو صحرائی جھاڑیاں بھی بکثرت تھیں۔ اسے جنت البقیع بھی کہا جاتا ہے۔ جنت کا عربی میں ایک مطلب 'باغ' یا 'فردوس' بھی ہے اس لیے یہ جگہ زیادہ تر عجمی زائرین میں 'جنت البقیع' کے نام سے ہی جانی جاتی ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عرب عموماً اپنے مقابر اور قبرستانوں کو "جنت" ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس کا ایک نام 'مقابر البقیع' بھی ہے جو عربیوں میں زیادہ مشہور ہے۔

نماز فجر کے بعد جنت البقیع الغرقد کا دروازہ زیارت کے لیے کھول دیا جاتا ہے۔ زائرین کا ہجوم عصر، زیارت اور سلام کے لیے اس کا رخ کرتا رہتا ہے۔ اس تصویر میں دور افق سے روشن مدینہ طیبہ پر طلوع ہوتے ہوئے سورج کی روشنی میں جنت البقیع الغرقد پر پڑتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔ (دسمبر ۲۰۰۲ء)

مقابر البقیع مسجد نبوی شریف کے باب جبریل کے سامنے شرقی جانب واقع ہیں۔ پرانے شہر میں یہ قبرستان فصیل شہر سے باہر ہوا کرتا تھا اور وہ دروازہ جو اس کی طرف کھلتا تھا، اسے اسی نسبت سے 'باب البقیع' کہا جاتا تھا جب کہ اس کا اصلی نام 'باب الجمعہ' تھا۔ ۱۹۸۴ء تک 'حارۃ الاغوات' کی تاریخی آبادی مسجد نبوی اور البقیع کے درمیان حد فاصل تھی۔ (۷) مگر اس کے بعد جب وہ ساری آبادی مسجد نبوی شریف کے توسیعی منصوبے کے لیے مسمار کر دی گئی، تو عملی طور پر مسجد نبوی اور بقیع الغرقد کے درمیان صرف خالی جگہ ہی باقی رہ گئی ہے۔ علامتی طور پر مسجد نبوی کی حد بندی کے لیے اس کے گرد خوبصورت آہنی جالی دار دیوار موجود ہے جو کم و بیش پرانی فصیل کی باقیات پر بنائی گئی تھی۔ اب وہی دیوار مسجد نبوی شریف اور بقیع الغرقد سے الگ کرتی ہے۔ کسی دور میں یہاں سے شارع ابوذر گزرا کرتی تھی۔ اس کے شمال سے شارع ملک عبدالعزیز گزرتی ہے۔ جنوب میں شارع علی بن ابی طالب ہے اور مشرق میں شارع ستین (شارع ملک فیصل) کی سرکلر روڈ یعنی طریق دائری گزرتی ہے۔

ہجرت مبارکہ کے بعد چونکہ سرکار دو عالم ﷺ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کے گھر پر قیام پذیر تھے جو کہ بقیع الغرقد سے تقریباً ۵۰ میٹر کے فاصلے پر تھا۔ چند روایتوں سے مترشح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی آمد مبارک کے چند ہی دن بعد بقیع الغرقد تشریف لے گئے تھے (۸) رحمت اللعالمین شفیع المذنبین ﷺ وہاں اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے، کبھی کبھار دن کے وقت اور کبھی آدھی رات کے بعد اور وہاں مدفونین کے لیے دعائے مغفرت فرماتے تھے۔ موطا امام مالکؒ کی روایت کے مطابق ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے [ایک رات رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے کپڑے پہننے کے بعد باہر کو چل دیئے۔ پھر میں نے اپنی جاریہ بریرہؓ کو آپ کے پیچھے پیچھے جانے کے لیے بھیجا وہ آپ حضرت ﷺ کے پیچھے ہو لی یہاں تک کہ حضور والا شان ﷺ بقیع الغرقد پہنچ گئے۔ آپ حضور ﷺ جب تک اللہ رب العزت نے چاہا وہاں کھڑے رہے اور پھر واپس تشریف لے آئے۔ بریرہؓ آپ کے آنے سے پہلے ہی گھر پہنچ گئی اور سارا ماجرا مجھے بتایا۔ میں نے آپ حضور ﷺ سے اس وقت تک کچھ نہیں کہا جب تک کہ صبح نہیں ہوئی۔ پھر میں نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو حضور والا شان ﷺ نے فرمایا: مجھے بقیع الغرقد بھیجا گیا تھا تا کہ میں ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر کروں۔] (۹)

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ: [جب بھی رسول اللہ ﷺ بقیع الغرقد

تشریف لے جاتے تو آپ اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت فرماتے جب ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے آپ سے اس مسئلے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا [مجھے ان کے حق میں دعائے خیر کرنے کا حکم ہوا ہے۔] حضرت حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے [جب ام المومنین عائشہؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ میں ان کے لیے کیسے دعا کروں؟ تو آپ حضور ﷺ نے فرمایا [کہو: سلام ہو تم پر اے اہل بقیع جو کہ مومنین میں سے ہیں اللہ کریم ان پر رحم کرے جو ہم سے پہلے جا چکے ہیں اور جو بعد میں جانے والے ہیں، اور ہم بھی انشاءاللہ تمہارے ساتھ آملیں گے](۱۰) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ البقیع کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا [السلام علیکم، اے قبور میں محو استراحت مومنین کی جماعت اللہ کریم نے تمہیں ان امتحانات سے بچا لیا ہے جو کہ تمہارے جانے کے بعد آرہے ہیں!] پھر آپ حضور ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف دیکھا اور فرمایا [یہ لوگ تم سے بہتر ہیں] اصحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور وہ کس طرح؟ ہم بھی تو ویسے ہی ایمان لائے ہیں جیسے کہ وہ لائے تھے، ہم نے بھی ہجرت کی جیسے کہ انہوں نے کی تھی، ہم نے بھی اللہ کی راہ میں ویسے ہی خرچ کیا جیسے کہ وہ کرتے تھے، تو پھر وہ ہم سے بہتر کس لحاظ سے رہے؟] اس پر آپ حضور ﷺ نے فرمایا [وہ اپنے نیک اعمال کا پھل دنیا میں حاصل کرنے سے پہلے ہی چل دیئے اور میں ان پر گواہ ہوں، جہاں تک تمہارا تعلق ہے، تم نے ان کے جانے کے بعد اپنے اعمال کے پوری طرح دنیاوی ثمر حاصل کیے ہیں، اور مزید برآں کیا معلوم میرے بعد تم لوگ کیا کرو گے!](۱۱)

غرقد کا درخت

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے بہت ہی طویل حدیث مروی ہے جس میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کا ایک رات بقیع الغرقد جانے کا تذکرہ کیا ہے، جس میں دوسری باتوں کے علاوہ، یہ روایت بھی ہے کہ [آپ حضور ﷺ نے وہاں طویل عرصے تک قیام فرمایا پھر آپ حضور ﷺ نے تین مرتبہ (دعا کے لیے) اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے، اور پھر واپس تشریف لے آئے ...](۱۲) علماء و فقہاء نے اس حدیث مبارکہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مسلمان کے لیے قبرستان میں دعا کرتے وقت اپنے ہاتھ اٹھانا سنت رسول مقبول ﷺ اور مستحب عمل ہے۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر مرتبہ بقیع الغرقد تشریف لے جایا کرتے تھے، اور خاص طور پر رات کے پچھلے پہر اور پھر وہاں جا کر فرماتے۔[اے اللہ اہل بقیع الغرقد کی مغفرت فرما](۱۳) بیہقی کے مطابق، ام المومنینؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان کی ۱۴ تاریخ کی رات کو بقیع الغرقد تشریف لے گئے تھے۔ یہ اسی سنت خیر الانام ﷺ کا نتیجہ تھا کہ اہل مدینہ ہمیشہ شب برات کی رات (یعنی ۱۴ شعبان المعظم) کو کثیر تعداد میں جنت البقیع جایا کرتے تھے۔(۱۴) تاہم اب ایسا نہیں رہا کیونکہ طبقہ ارباب بسط و کشاد اس کے برعکس مکتب فکر رکھتا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ کی رو سے یوم حشر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین رضوان اللہ علیہما کے اپنی قبور مطہرہ سے اٹھائے جانے کے بعد وہ لوگ جو سب سے پہلے اٹھائے جائیں گے وہ جنت البقیع سے ہوں گے۔(۱۵) اسی طرح ایک دیگر حدیث مبارکہ کی رو سے۔[ستر ہزار نفوس بقیع الغرقد سے اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کے چہرے چودھویں رات کے بدر کامل کی طرح منور ہوں گے اور وہ بغیر کسی حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔](۱۶) حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔[جو کوئی بھی ہمارے اس قبرستان میں دفنایا جائے گا، ہم اس کے شفیع ٹھہریں گے اور اس کی شہادت دیں گے۔](۱۷) بہت سے دیگر راویان (مثلاً حضرت عقبہ بن

غرقد کے درخت کی ایک اور تصویر

عبدالرحمن اور جابر بن عبداللہ) سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [دونوں ناموں (یعنی وادیوں) کے درمیان وادی بطحان اور وادی العقیق کے درمیان ایک ایسا قبرستان ہے جس سے تین روشنی اور نور ظاہر ہوگا کہ آسمان اور زمین میں پھیل جائے گا] اس سے مراد بنی سلمہ (بنی حرام) کا قبرستان ہے جو کہ جبل سلع کی غربی جانب ہوا کرتا تھا اس کے ایک طرف وادی بطحان بہا کرتی تھی اور دوسری طرف ذرا ہٹ کے وادی العقیق تھی چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو غزوہ احد میں شدید زخم آئے تھے ان کو مدینہ طیبہ لایا گیا تھا اور پھر جوں ہی ان کی روح اللہ نے قبض ہوتی گئیں انہیں بنی حرام کے قبرستان میں دفن کیا گیا تھا ان میں سے ایک کا نام حضرت عمرہ بن سکنؓ تھا اسی طرح حضرت ابوسعید الخدریؓ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ انہیں بنی سلمہ کے قبرستان میں ہی دفن کیا جائے کیونکہ انہوں نے حضرت کعب جیسے اس کی فضیلت کے متعلق سن رکھا تھا (۱۸) یہ قبرستان اب ناپید ہے اور مدت مدید سے اس کے محل وقوع کا بھی پتہ نہیں (۱۹) قدیم مورخین نے بھی اس معاملے میں کوئی رہنمائی فراہم نہیں کی تاہم احادیث مبارکہ سے کچھ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا محل وقوع یا تو ان کھجوروں کے باغ سے قریب ہوگا جو کہ سبعہ مساجد کے سامنے سڑک کے اس پار مغرب میں واقع ہے یا پھر مسجد بنی حرام، اور مسجد قبلتین کے درمیان کسی اور جگہ واقع ہوگا کیونکہ بنی سلمہ (جو کہ قبیلہ بنو حرام کی ایک شاخ تھا) مسجد قبلتین کے آس پاس رہتا تھا لہذا پرانی یثربی آبادیوں اور باشندوں کے تذکرے سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ وہیں کہیں تھا جہاں کہ وہ دونوں قبائل بستے تھے

ایسی بھی روایات آتی ہیں کہ کبھی کبھار حضور سرور کونین ﷺ جب جنت البقیع میں ہوتے تو وہیں زمین پر تشریف فرما ہو جاتے اور شمع رسالت کے پروانے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس نور اولین و آخرین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے گرد حلقہ زن ہو کر بیٹھ جاتے۔(۲۰) انصار میں سے جو صحابی جنت البقیع میں سب سے پہلے دفن ہوئے وہ حضرت اسعد بن زرارہؓ تھے۔(۲۱) ابھی مسجد نبوی زیر تعمیر تھی کہ ان کا انتقال کسی ایسی مرض سے ہو جو کہ کالی کھانسی کی طرح کی کوئی بیماری تھی مدینہ طیبہ میں سب سے پہلا کسی انصاری کا جنازہ جو کہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا وہ انہی حضرت اسعد بن زرارہؓ کا تھا مہاجرین میں سے سب سے پہلے جن کو وہاں دفن کیا گیا وہ حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے جو کہ حضرت عمر فاروقؓ کے برادر نسبتی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے بھی قریبی رشتہ دار تھے اور بدری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تھے (۲۲) وہ مہاجرین میں سے پہلے اصحابی تھے جن کا انتقال غزوہ بدر کے بعد ہوا تھا اور وہ بقیع الغرقد میں دفن کیے گئے تھے۔ ان کی وفات پر جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ انہیں کہاں دفن کیا جائے، تو آپ حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور آپ حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے (۲۳) اور پھر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان کو بقیع الغرقد میں دفن کیا

بقیع الغرقد ۱۹۳۰ء
پس منظر میں مسجد نبوی
شریف اور قدیم فصیل شہر
کے ساتھ ساتھ
باب البقیع نظر آرہا ہے

جانے دفن فرماتے وقت حضور والا شان ﷺ نے فرمایا [عثمان بن مظعونؓ ہمارے بہترین پیشرو (سلف) ہیں .(۲۴)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے جب ان کو دفن کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک پتھر اپنے دست مبارک سے اٹھا کر ان کی قبر کے سرہانے رکھ دیا اور فرمایا [تاکہ سب کو معلوم ہو کہ یہ میرے بھائی کی قبر ہے اور بعد میں میرے اہل بیت سے جو بھی فوت ہو وہ یہاں دفن کیا جائے.](۲۵) حضرت محمد بن عمرو بن حزمؓ سے مروی ہے [میں نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر دیکھی ہے. یہ اونچی ہے اور ایسے لگتا ہے کہ یہ ایک علم (جھنڈے) کی طرح ہے.(۲۶) رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر بقیع الغرقد کے اس حصے کا نام "الروحاء" رکھا تھا.(۲۷) ابوغسان سے مروی ہے کہ: "مجھے بہت سے لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت اسعد بن زرارہؓ کی قبور البقیع میں الروحاء کے حصے میں ہیں. الروحاء اس قبرستان کا وہ حصہ ہے جو کہ البقیع کے وسط میں واقع ہے اور اس کے ارد گرد پگڈنڈیاں ہیں.(۲۸) یہ روایت آج بھی سچ ہے اور البقیع کے اس حصے کے ارد گرد سڑکیں موجود ہیں- یہ وہی خطہ ہے جہاں کہ جگر گوشہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیمؓ کی قبر مبارک ہے فرزند رسول حضرت ابراہیمؓ عالم شیر خواری میں انتقال کر گئے تھے اور انہیں بھی حضرت عثمان بن مظعونؓ کے قریب ہی دفن کیا گیا تھا. ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ہے [جب ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو تو آں حضور ﷺ نے فرمایا کہ [انہیں ہمارے پیش رو (سلف) کے قریب ہی دفن کیا جائے](۲۹) ان کی عمر ابھی سولہ ماہ کی تھی جب ان کا انتقال ہوا. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہیں البقیع میں دفن کیا جائے. ان کے لیے جنت میں ایک دایہ ہے جو کہ ان کی شیر خواری کی مدت پوری ہونے تک ان کو دودھ پلائے گی](۳۰) ایسی ہی ایک اور روایت حضرت عطاؒ سے بھی ہے [جب حضرت ابراہیمؓ کو دفن کیا جا رہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ کی نظر مبارک چند کنکریوں پر پڑی جو کہ قبر کے اندر تھیں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو ہٹا کر ہموار کر دو، کیونکہ جسم کے لیے یہ زیادہ بہتر ہے. اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب اس کے بندے کو کوئی کام سونپ جائے تو وہ اسے ایسے طریقے سے کرے کہ اس کا حق ادا ہو جائے](۳۱) سبحان اللہ کیا شان ہے میر امم اور میر کاروان امت مسلمہ کی کہ جب اپنے فرزند ارجمند کی تدفین کا غم بھی تھا اور ان کی میت سامنے دھری تھی تب بھی امت کی ہدایت کا مشن جاری وساری تھا

جب سیدۃ رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا، تو اس وقت بھی آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہیں "ہمارے سلف کے قریب دفن کیا جائے". لہٰذا انہیں بھی اسی علاقے میں ان کے قریب ہی دفنایا گیا. وہیں رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کی خواتین وحضرات کی تدفین کے لیے ایک جگہ مقرر کر دی گئی. آپ ﷺ کے اتباع حسنہ میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنے اہل خانہ کے لیے جھاڑیاں کاٹ کاٹ کر علیحدہ علیحدہ جگہیں بنا لیں.(۳۲) اس کے بعد جب بھی کسی کا انتقال ہوتا تو اہل قبیلہ ان کو اپنے اپنے علاقوں

جنت البقیع شریف میں
حضرت ابراہیمؓ بن رسول
اللہ ﷺ کی قبر طہر کی
ایک قدیم تصویر

میں دفن کیا کرتے تھے سوائے شہدائے غزوہ احد کے جن کو ان کی جائے شہادت اور میدان جنگ میں ہی دفن کیا گیا. البتہ ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو زخمی حالت میں مدینہ طیبہ لائے گئے تھے اور بعد میں ان کی ارواح طاہرہ نے مدینہ طیبہ میں پرواز کیا، تو ان میں سے اکثریت کو بقیع الغرقد میں ہی دفن کیا گیا سوائے ایک یا دو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جو اپنے اپنے گھروں میں دفن کیے گئے تھے. رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق اس قبرستان کے فضائل اتنے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد نے بقیع الغرقد میں ہی مدفون ہونے کو ترجیح دی. چند روایات کے مطابق وہاں پر مدفون صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد دس ہزار سے بھی متجاوز تھی.(۳۳)

ہجرت مبارکہ سے پہلے اور ابتدائے اسلام میں بقیع الغرقد صرف ایک قبرستان ہی نہیں ہوا کرتا تھا، بلکہ یہ ایک ایسا منطقہ تھا جو کثیر المقاصد کیونکہ یہ ایک مثال کے طور پر اسی کے ایک حصے سے جس کو "بقیع الخبخبہ" کہا جاتا تھا مٹی اور گارا لیا گیا تھا جس سے مسجد نبوی اور حجرات نبویہ شریفہ کی تعمیر کی گئی تھی. وہیں اینٹیں بھی بنائی گئیں. اسی کے ایک حصے میں بیر ایوب تھا جو کہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کا کنواں تھا جس کے پانی سے گارا اور اینٹیں بنائی گئیں تھیں. اسی کے شمال کی طرف مناصع کا علاقہ تھا جس میں کھجوروں اور دوسری قسم کے درخت اور جھاڑیاں ہوا کرتی تھیں جہاں خواتین مدینہ طیبہ رفع حاجت کے لیے رات کے وقت جایا کرتی تھیں. اسی کے ارد گرد اکثر اوقات منڈیاں بھی لگا کرتی تھیں جہاں باہر سے آئے ہوئے سوداگر اپنا مال بیچا کرتے تھے. پہلی بار جب ایک زانی کو حدود کی سزاء کے تحت سنگسار کیا گیا تو بھی البقیع کا ہی انتخاب کیا گیا(۳۴) چونکہ یہاں جھاڑیوں کی کثیر تعداد تھی اس لیے اکثر اوقات لوگ وہاں رفع حاجت کے لیے بھی چلے جاتے تھے جیسے کہ حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے "ہم میں سے کچھ رفع حاجت کے لیے البقیع چلے جاتے اور پھر واپس اپنے گھروں کو آکر طہارت کرکے اور وضوء بنا کر مسجد میں آتے اور دوبارہ نماز میں شامل ہو جاتے تھے." (۳۵) ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ نوجوان وہاں پر یا اس کے کچھ حصے پر جسمانی ورزشیں بھی کیا کرتے تھے، کیونکہ ان میں سے کچھ لمبی چھلانگ لگانے کے مقابلے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر پر سے کود کر کیا کرتے تھے حضرت خارجہ بن زیدؓ سے مروی ہے [مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ہم حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت کے دور میں نوعمر تھے تو قبروں کے اوپر سے چھلانگنے کی مشق کیا کرتے تھے اور سب سے اچھا جمپ لگانے والا وہ تصور ہوتا تھا جو کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کو پھلانگ سکتا تھا](۳۶)

شیر خدا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے کچھ زمین بقیع الغرقد سے لے کر ایک کمرہ وہاں بنا لیا تھا. اس سلسلے میں ہمیں بہت سی روایات ملتی ہیں. انہوں نے وہاں ایک گھر بھی بنایا ہوا تھا جو کہ بقیع الغرقد کی تاریخ میں 'بیت الحزن' کے نام سے مشہور ہوا (غم واندوہ کا

جنت البقیع شریف کی موجودہ حالت

گھر) جہاں پنے بابا جان سید المرسلین ﷺ کی وفات کے بعد سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ زیادہ تر اپنا وقت گزارا کرتی تھیں لیکن اس کے بعد اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کسی اور نے بھی وہاں قیام کیا ہو، جیسے کہ سمہودی کے بیان کے مطابق "آج تو وہاں صرف بہت سی قبور ہی رہ گئی ہیں" (۳۷) یہ جگہ بھی البقیع میں دار عقیل کے پاس ہی تھی

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے چند مشاہیر کے اسمائے گرامی جو بقیع الغرقد میں مدفون ہیں

بعض مؤلفین نے تو اپنی تالیفات ہی اس موضوع پر مختص کی ہیں جن میں ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء اور تفاصیل شامل ہیں جن کو مدینہ طیبہ میں دائمی قیام اور بقیع الغرقد میں دفن ہونے کا اعزاز حاصل ہوا تھا ان کے مطابق ایسے اسماء کی فہرست ہزاروں تک پہنچتی ہے اور بعض روایات کے مطابق تو ان کی تعداد دس ہزار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی زیادہ ہے۔(۳۸)

ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو کہ مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں ہی اس کے ارد گرد رہائش پذیر تھے بقیع الغرقد میں مدفون ہونا تو قدرتی بات تھی مگر تاریخ اسلام کے ان درخشندہ ستاروں کی بقیع الغرقد سے لگن کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو مرکز مدینہ طیبہ سے میلوں دور وادی عقیق کے کنارے یا اس پار رہائش پذیر تھے، ان کی وصیتوں کے مطابق ان کی میتیں کندھوں پر اٹھا کر اتنی دور سے بقیع الغرقد لائی گئیں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نوفیلؓ اور حضرت سعید بن العاصؓ کا تعلق ایسی ہی چند مثالوں سے ہے۔(۳۹) حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ کا انتقال الجرف میں ہوا مگر ان کا جنازہ مدینہ طیبہ لایا گیا اور انہیں البقیع میں دفن کیا گیا عمرو بن عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے [جب ۵۹ ہجری میں حضرت ابو ہریرہؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمان بن عفانؓ کے صاحبزادے ان کے جنازے کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر بقیع الغرقد لائے جو کہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کے اپنے والد محترم کے متعلق موقف کو بنظر تحسین دیکھتے تھے](۴۰) ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ "وہ (ابو ہریرہؓ) العقیق میں فوت ہوئے اور انہیں مدینہ طیبہ لایا گیا اور ولید بن عتبہ بن ابو سفیانؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی" (۴۱) حضرت ابو سعید الخدریؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ان کے جنازے کے آگے آگے چل رہے تھے اسی طرح حضرت مقداد بن اسود حضرمیؓ کا انتقال بھی الجرف میں ہوا لیکن ان کا جنازہ بھی بقیع الغرقد ہی لایا گیا۔(۴۲) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا محل وادی العقیق میں تھا جو کہ مسجد نبوی سے تقریباً بارہ کلومیٹر دور تھا، مگر ان کے انتقال پر بھی ان کا جنازہ کندھوں پر اٹھا کر مسجد نبوی شریف میں لایا گیا جہاں ان کا جنازہ ہوا اور وہ بقیع الغرقد میں دفن ہوئے بعض اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کے جنازے

حضرت عثمان بن عفانؓ کی قبر اطہر کی تصویر پس منظر میں جبل احد کا ایک حصہ بھی نظر آ رہا ہے (۱۳۹۸ھ)

کو مسجد نبوی شریف میں منبر رسول ﷺ کے پاس رکھ کر جنازہ ادا کرنے پر اعتراض کیا مگر جب ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے مداخلت کی تو ان کا جنازہ ریاض الجنۃ ہی میں پڑھایا گیا اور پھر انہیں بقیع الغرقد میں سپرد خاک کر دیا گیا عادل عبدالمنعم ابو العباس نے ایک بہت پرانا مگر کرم خوردہ مخطوطہ شائع کیا ہے جس میں ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے جو کہ بقیع الغرقد میں مدفون ہیں اس فہرست میں سے ہم نے صرف چند مشہور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی چنے ہیں جو کہ وہاں دفن ہیں جن میں سے اکثر کی تحقیق دیگر مختلف ماخذوں سے بھی کر لی گئی ہے

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ	حضرت ابو ہریرہؓ (۴۳)	حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ
حضرت ابی بن کعبؓ	حضرت ابو شریح الکعبی الخزاعیؓ	حضرت ابو سفیانؓ
حضرت ابو الیسر (کعب بن عمرو) الانصاریؓ	حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ	حضرت اسعد بن زرارہؓ
حضرت اسید بن حضیرؓ	حضرت اوس بن ثابت بن منذر الانصاریؓ	حضرت اوس بن خولی بن عبداللہ الانصاریؓ
حضرت جابر بن عبداللہؓ	حضرت جبار بن صخر الانصاریؓ	حضرت جبیر بن مطعم القریشیؓ
حضرت حارث بن خزیمہؓ	حضرت خفاف بن ایمن الغفاریؓ (۴۴)	حضرت حسن بن علی بن ابی طالبؓ
حضرت حسان بن ثابت الانصاریؓ	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اللخمیؓ	حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ القریشیؓ
حضرت خباب مولیٰ عتبہ بن غزوانؓ	حضرت خفاف بن ایمن الغفاریؓ (۴۴)	حضرت زید بن خالد الجہنیؓ
حضرت زید بن ثابت الانصاریؓ	حضرت کعب بن مالک الانصاریؓ	حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ
حضرت قتادہ بن النعمان الانصاریؓ	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ	حضرت سعد بن معاذؓ
حضرت سعد بن مالک (ابو سعید الخدریؓ)	حضرت سلمہ بن اکوعؓ	حضرت سہل بن بیضاء القریشیؓ
حضرت سہل بن سعد الساعدی الانصاریؓ	حضرت سہل بن ابی حثمہؓ	حضرت سعید بن زید بن نوفل القریشیؓ
حضرت سعید بن زید بن عمرو العدویؓ (۴۸)	حضرت صائب بن یزید الکنانیؓ	حضرت صہیب بن سنان الرومیؓ (۴۹)
حضرت مالک بن ربیعہؓ	حضرت مامور الخصیؓ	حضرت محمد بن مسلمہ الانصاریؓ (۴۵)
حضرت محمد بن عمرو بن حزم الانصاریؓ	حضرت محمد بن ابی کعبؓ	حضرت محمد ابن علی کرم اللہ وجہہ (محمد بن حنفیہ)(۴۶)

حضرت معاذ ابن الحارث الانصاریؓ	حضرت مخرمہ بن نوفل القریشیؓ	حضرت مغیرہ بن اخنس الثقفی
حضرت مقداد بن الاسود الشجعیؓ (۴۷)	حضرت نوفل بن معاویہ الدیلیؓ	حضرت عباس بن عبد المطلبؓ
حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ	حضرت عبد اللہ بن جعفر الطیارؓ	حضرت عبد اللہ بن کعبؓ
حضرت عبداللہ بن ثابت الانصاریؓ	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	حضرت عبداللہ بن حنظلہ الغسیل الملائکہؓ
حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ	حضرت عبدالرحمن بن عمر بن الخطابؓ	حضرت عثمان بن عفانؓ
حضرت عثمان بن مظعونؓ	حضرت علقمہ بن وقاص اللیثیؓ	حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ
حضرت عمرو بن حزم بن زیدؓ	حضرت عقبہ بن عمرو (ابو مسعود البدریؓ)	حضرت عقیل بن ابی طالبؓ
حضرت ہند بن حارثہ الاسلمیؓ		

مشاہیر صحابیات اور سیدات اہل بیت الطاہرہ رضوان اللہ علیہن میں سے چند اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

سیدۃ صفیہ بنت عبد المطلبؓ	سیدۃ عاتکہ بنت عبد المطلبؓ	سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ صاحبزادی رسول اللہ ﷺ
سیدۃ رقیہ صاحبزادی رسول اللہ ﷺ	سیدۃ ام کلثوم صاحبزادی رسول اللہ ﷺ	ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ
ام المومنین سیدۃ حفصہ بنت عمر فاروقؓ	ام المومنین سیدۃ جویریہؓ	ام المومنین سیدۃ سودہؓ
ام المومنین سیدۃ زینب بنت جحشؓ	ام المومنین سیدۃ زینب بنت زمعہؓ	ام المومنین سیدۃ صفیہ بنت حیؓ
ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ	ام المومنین سیدۃ ریحانہ بنت شمعونؓ	ام ابراہیم سیدۃ ماریہ قبطیہؓ
ام المومنین سیدۃ ام حبیبؓ	ام علی کرم اللہ وجہہ سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ	اخت علی کرم اللہ وجہہ سیدۃ ام ہانیؓ بنت ابی طالب
سیدۃ ام رومانؓ (والدہ سیدۃ عائشہ صدیقہ)	سیدۃ ام سلیمؓ (والدہ حضرت انس بن مالکؓ)	سیدۃ اروی بنت کریز (والدہ حضرت عثمان بن عفانؓ)
سیدۃ صبیہ بنت حارثؓ		

ام ابراہیم سیدۃ ماریہ قبطیہؓ کے متعلق بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ اپنے گھر مشربہ ام ابراہیمؓ (جو کہ العوالی میں ہے) میں ہی مدفون ہیں، لیکن اکثریت کا خیال ہے کہ وہ باقی امہات المومنین کے ساتھ ہی بقیع الغرقد میں مدفون ہیں جن کے خیال میں آپ بقیع الغرقد میں مدفون ہیں، ان میں واقدی، اور ابن سعد جیسے بلند پایہ مورخین ہیں، اور ہمارے خیال میں انہیں کی بات زیادہ معتبر اور حقیقت پر مبنی ہے۔ ابن سعد نے تو واضح الفاظ میں لکھا ہے [حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیمؓ کا انتقال محرم ۱۶ ہجری میں ہوا حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں کا ہجوم دیکھا تو پتہ چلا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی قبر بقیع الغرقد کے اندر واقع ہے](۵۰)

بقیع الغرقد کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر

جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے، بقیع الغرقد حضور رسالت مآب ﷺ کے دور حیات میں موجودہ رقبہ سے کہیں کم رقبہ پر محیط تھی، ابن زبالہ اور ابن شبہ سے لے کر مختلف قبور کے محل وقوع کے بارے میں مورخین مدینہ طیبہ نے صفحات پر صفحات لکھے ہیں اور بعض نے تو مستقل کتابیں اسی موضوع کی نذر کی ہیں۔ علامہ القشیری (ت ۷۳۹ ہجری) نے تو ۲۵۲ صفحات پر محیط ایک کتاب بعنوان "الروضۃ الفردوسیہ والحزیرۃ القدسیہ" صرف بقیع الغرقد کے لیے تحریر کی تھی (۵۱)، ایسے ہی ایک دوسری کتاب "الروضۃ المستطابہ فی من دفن بالبقیع من الصحابہ"

جنت البقیع انہدام سے پہلے
پس منظر میں گنبد خضریٰ کا کچھ
حصہ اور مسجد نبوی کے دو مینار
بھی نظر آ رہے ہیں
(۱۸۹۵ء)

بھی لکھی گئی، بدقسمتی سے اس کے مخطوطے کا پہلا ورق ناپید ہے اور اس لیے اس کے مولف گوشہ گمنامی میں ہی رہے، (۵۲) اس کتاب میں بڑی عرق ریزی سے ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تفاصیل جمع کی گئی ہیں جو یہاں مدفون ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے مدینہ طیبہ کے مورخین (ابن زبالہ اور ابن شبہ وغیرہ) کے علاوہ اس شہر مقدس کے بہت سے زائرین نے اپنی یادداشتیں اور سفرنامے چھوڑے ہیں جن کی بنا پر صدیوں سے بقیع الغرقد میں مشاہیر اسلام کی قبور مطہرہ کے محل وقوع کے بارے میں اتفاق رائے رہا ہے، بالخصوص چند سیاحوں کے سفرناموں نے اس معاملے میں بعد میں آنے والوں کی کافی رہنمائی کی ہے۔ ابن جبیر (ولادت ۵۴۰ ہجری) جسے مدینہ طیبہ کی زیارت کی سعادت ۵۸۰ ہجری میں حاصل ہوئی، اپنے مشہور سفرنامے میں رقمطراز ہیں "البقیع مدینہ طیبہ کے مشرق میں واقع ہے آپ اس میں باب البقیع کی جانب سے داخل ہوتے ہیں جونہی آپ داخل ہوتے ہیں آپ کے دائیں ہاتھ پر حضرت صفیہؓ عمۃ الرسول اللہ ﷺ کی قبر ہے، اور اس سے ذرا آگے امام مالک بن انسؒ کی قبر ہے جو کہ امام دار الہجرہ تھے ان کی قبر پر ایک چھوٹا سا گنبد بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے سامنے فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم کی قبر ہے اور اس کے اوپر بھی سفید رنگ کا گنبد ہے، اس کے بعد دائیں طرف حضرت عبدالرحمن بن عمر بن الخطابؓ (المشہور ابوشحمہ) کی قبر ہے جن کو ان کے والد نے کوڑوں کی سزا دی تھی جس کے نتیجے میں وہ بیمار ہو گئے تھے اور بالآخر انتقال کر گئے تھے۔ اس کے سامنے حضرت عقیل بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کی قبور ہیں، پاس ہی اس کے سامنے ایک چھوٹا سا مقبرہ ہے جس میں امہات المومنین، رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات، کی قبور مطہرہ ہیں جن کے پاس ہی ایک اور مزار ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی تین صاحبزادیوں کی قبور ہائے مطہرہ ہیں۔"

"ان کے بعد حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کا مزار آتا ہے جس میں حضرت حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی قبر ہے جو کہ دروازے کے دائیں جانب ہے اس مزار کے اوپر ایک بلند گنبد تعمیر کیا گیا ہے حضرت حسن مجتبیٰؑ کا سر حضرت عباسؓ کے پائیں جانب ہے، اور دونوں قبور مبارکہ سطح زمین سے کافی بلند ہیں، ان کی دیواریں سنہری پلیٹوں سے سجی ہوئی ہیں جن میں خوبصورت ستاروں کی شکل کے کیل لگے

حضرت البقیع کی اس تصویر میں دائیں طرف قبر سیدنا حضرت عثمان غنیؓ اور بائیں طرف قبر حضرت ابوسعید خدریؓ نظر آ رہی ہے

(۱۹۲۸ء)
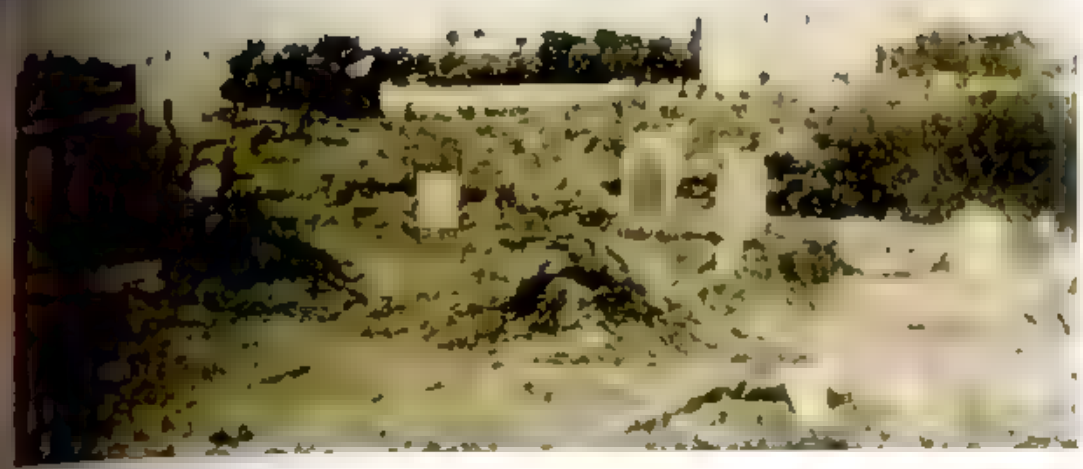
ہیں جبکہ فرزند رسول مقبول حضرت ابراہیمؓ کی قبر مبارک بھی سجائی گئی ہے۔''

''حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے مزار کے پیچھے ایک گھر ہے جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے جسے ''بیت الحزن'' (غم کا گھر) کہا جاتا ہے کیونکہ اس گھر میں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اپنے بابا جان احمد مختار ﷺ کی وفات کے بعد رنج و حزن کی وجہ سے عزلت نشیں رہی تھیں۔ بقیع کے آخر میں امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ کا مزار ہے جس کے اوپر ایک چھوٹا سا گنبد ہے اور اس سے ذرا آگے سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ، ام علی کرم اللہ وجہہ، کی قبر مطہرہ ہے۔ اس طرح صرف چند ہی مشہور قبریں جانی پہچانی جاتی ہیں۔ باقی کا بقیع الغرقد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، مہاجرین اور انصار، کی قبور سے بھرا پڑا ہے۔'' (۵۳) تاہم اس تفصیلی بیان میں سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ کی قبر مطہرہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ان سے پہلے کے مورخین نے بھی اس کا بھی ذکر نہیں کیا۔ اگلے صفحہ پر دی گئی تصویر میں ہم نے کوشش کی ہے کہ چند مشہور و معروف قبور کا محل وقوع بیان کیا جائے۔

وہ علاقہ جہاں سیدنا عثمان بن عفانؓ کی قبر مبارک ہے اور اس سے مشرق کی طرف کا تمام علاقہ قدیم بقیع الغرقد کا حصہ نہیں تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھا۔ یہ علاقہ حضرت عثمانؓ کے بیٹے حضرت ابان بن عثمانؓ کی ملکیت تھا اور اسے 'حش کوکب' کہا جاتا تھا تاہم بعد میں مروان بن الحکم نے جب وہ مدینہ طیبہ کا گورنر بنا تو اس نے مشرقی دیوار گرا کر سیدنا عثمان بن عفانؓ کی قبر مبارک کا علاقہ بقیع الغرقد میں شامل کر دیا تھا (۵۴) دیوار گرانے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا باپ الحکم بھی اسی علاقے میں دفن کیا گیا تھا۔ اس نے یہ بھی کوشش کی تھی کہ وہ پتھر جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے سرہانے نصب کیا تھا اس کو اٹھا کر حضرت عثمان بن عفانؓ کی قبر پر نصب کر دے مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اصرار پر سے واپس اسی جگہ رکھنا پڑا۔ (۵۵) حضرت عثمان بن عفانؓ کی قبر اطہر کے آس پاس بنو امیہ کے چند لوگوں کی قبور بھی تھیں جو کہ ان کے دور میں وہاں مدفون ہوئے تھے۔ ان دنوں میں اس علاقے کو 'حش' کہا جاتا تھا۔

مورخین میں اس بات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ وہ قبر جو کہ بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مشرقی کونے میں سیدۃ فاطمہ بنت اسد، ام علی کرم اللہ وجہہ الکریم، سے منسوب ہے وہ درحقیقت ان کی قبر نہیں ہے بلکہ حضرت سعد ابن معاذؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ کی قبور ہیں۔ اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس معاملے میں تمام احادیث مبارکہ متفق ہیں کہ جب سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [چلیں، میری والدہ کے گھر چلتے ہیں!] آپ حضور ﷺ نے اپنی قمیص مبارک یہ کہہ کر اتار دی [ان کو غسل دینے کے بعد یہ قمیص ان کے کفن کے نیچے پہنا دی جائے] پھر آپ حضرت ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ ان کو بقیع الغرقد میں دفن کیا جائے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جنہوں نے قبر کھودی اور رسول اللہ ﷺ کچھ دیر ان کی قبر میں بیٹھے رہے اور قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہے تاکہ ان کی قبر کو انوار الہیہ سے منور کر دیں۔ آپ حضور ﷺ سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کو اپنی ماں کی طرح پیار کرتے تھے کیونکہ جب آپ حضور ﷺ شعب ابی طالب میں تھے تو انہوں نے آپ حضور ﷺ کی والدہ سیدۃ آمنہ بنت وہب کی طرح

بقیع شریف میں اہم مزارات کی تفصیل

۱۔ قبور اہل بیت الاطہار

سیدہ فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا، امام حسنؓ، امام زین العابدینؒ، امام محمد باقرؒ، امام جعفر الصادقؒ، سر مبارک امام حسینؓ

۲۔ قبور بنات النبی ﷺ

سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ

۳۔ قبور امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین

سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدہ زینب بنت جحشؓ، سیدہ زینب بنت خزیمہؓ، سیدہ جویریہؓ، سیدہ ام حبیبہؓ، سیدہ صفیہؓ، سیدہ ام سلمہؓ، سیدہ ام ابراہیمؓ، سیدہ حفصہ بنت عمرؓ

۴۔ دار عقیل (برادر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم)

حضرت عقیل بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ

۵۔ قبر حضرت امام مالکؒ، دائیں طرف قبر امام نافعؒ (امام مالک کے استاد)

۶۔ قبر عبدالرحمٰن الاوسط بن عمر فاروقؓ

۷۔ قبر ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ

یہ احاطہ بہت اہمیت کا حامل ہے اس لیے کہ یہاں سب سے پہلی تدفین (حضرت اسعد بن زرارہؓ) کی ہوئی جسے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے دفن فرمایا۔ یہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوہریرہؓ، سیدہ فاطمہ بنت اسدؓ، والدہ حضرت علی، حضرت محمد بن حنفیہؒ و دیگر صحابہ کرامؓ مدفون ہیں

۸۔ شہدائے واقعہ حرہ

اسی جگہ ایک ہزار شہدائے حرہ بھی مدفون ہیں

۹۔ قبر مبارک حضرت سیدنا عثمان ابن عفانؓ

۱۰۔ سیدہ حلیمہ سعدیہؓ اور ان کی بیٹی سیدہ شیماؓ

۱۱۔ اسی احاطے میں امام اسماعیلؒ کو ان کا مزار مسجد نبوی شریف کی توسیع کے باعث منہدم کرنے کے بعد دفن کیا گیا تھا

بقیع شریف کے آخر میں چوکھٹے کے اندر دو قبریں ہیں جن میں سے ایک حضرت سعد ابن معاذؓ اور دوسری حضرت ابوسعید خدریؓ کی ہیں (یہ دونوں قبور اس تصویر میں نظر نہیں آ رہی ہیں)

۱۲۔ البقیع العمات

(جہاں رسول اللہ ﷺ کی دو پھوپھیاں اور سیدہ ام البنینؓ (زوجہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم یعنی حضرت عباس علمدارؓ کی والدہ ماجدہ مدفون ہیں)

۱۳۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی بائیں طرف وضو خانہ بنایا گیا ہے

دیکھ بھال کی تھی۔ حدیث مبارکہ میں تو یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آپ حضور ﷺ نے اپنی قمیص مبارک اتاری اور فرمایا کہ اس کو ان کے کفن کے طور پر پہنایا جائے۔ ابن زبالہ نے حضرت محمد بن عمر بن علی بن ابی طالبؓ سے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشمؓ جو کہ مہاجرہ اصحابیہ تھیں کو روحاء میں حمام ابی قطیفہ کے سامنے دفن کیا تھا" انہوں نے مزید کہا ہے کہ "اس کے پاس ہی فرزند رسول حضرت ابراہیم اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبریں تھیں" (۵۷) ابن زبالہ دوسری صدی ہجری کے سب سے پہلے مورخ مدینہ طیبہ تھے جو صرف یہ ابتدائی مورخین کا اس بات پر اتفاق رائے تھا کہ ان کی قبر روحاء میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پاس تھی بلکہ ان کے موجودہ محقق ابراہیم العیاشی المدنی بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ ابراہیم عیاشی نے تو اس بات کی شدید مخالفت کی ہے کہ ان کی قبر اس جگہ نہیں جس پر غلط العام کے طور پر لوگ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ علاقہ اس وقت بقیع الغرقد کا حصہ ہی نہیں تھا (۵۸) اس کے علاوہ ابن شبہ نے عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی قبر سیدۃ فاطمہ بنت اسد بن ہاشمؓ کے قریب تھی۔ ایسی ہی چند روایات کو بنیاد بنا کر شیعہ حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قبر جو کہ اہل بیت میں ہے، وہ قبر سیدۃ فاطمہ بنت اسد کی ہے نہ کہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی۔

قبور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کتبوں کی تنصیب اور قبوں کی تعمیر

بقیع الغرقد کے تقدس، احترام اور ہیبت کی وجہ سے روز اول سے ہی اس کا بہت خیال رکھا جاتا رہا ہے۔ ابن زبالہ نے حضرت عیسیٰ بن عبداللہ سے روایت کی ہے "میں نے حسن بن قطیفہ کو دیکھا ہے جو بقیع تنخواہ و بیت المال سے لیا کرتے تھے کیونکہ ان کے ذمے بقیع الغرقد میں قبور کی دیکھ بھال لگائی گئی تھی" (۵۹) آثار قدیمہ کی باقیات اس بات کی شہادت بھی دیتی ہیں کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور راشدہ میں لوگ اپنے اپنے عزیزوں کی قبور پر یادداشت کے لیے پتھر کی سلیں لگایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے میں ۱۹۳۰ء میں ایک مضمون چھپا تھا بعنوان "حضرت عثمانؓ کے دور مبارکہ ۳۱ ہجری (۶۵۲ء) کا سب سے قدیم اسلامی کتبہ" جس میں اس بات کا تجزیہ کیا گیا تھا کہ سب سے پہلا قبر کا کتبہ جو کہ کوفی رسم خط میں کسی قبر پر ملا ہے وہ ۳۱ ہجری کا ہے۔ اگرچہ مدینہ طیبہ میں ایسا کوئی کتبہ محفوظ نہیں کیا گیا، لیکن مصر میں دریافت ہونے والا یہ پہلا کتبہ تھا جو کہ ایک اصحابی، حضرت عبدالرحمن ابن خیر الحجریؓ کی قبر پر نصب تھا۔ دو وجوہات کی بنا پر یہ کتبہ ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ (۱) یہ پہلا کتبہ ہے جس پر قدیم کوفی رسم الخط سے عبارت کندہ ہے جو بغیر نقطوں اور اعراب کے ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ پوری اسلامی دنیا میں پہلا کتبہ ہے جس پر اس کے بنانے کی تاریخ کندہ ہے۔ (۶۰)

اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ تمام قبور پر ایسے کتبے نصب تھے، یہ دور از کار اور غیر حقیقی بات ہے، لیکن اس سے یہ بات ضرور ثابت ہو جاتی ہے کہ بہت سی یا چند قبور پر ایسے کتبے ضرور لگ چکے ہوں گے۔ اس آثار قدیمہ کے انکشاف کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ یہ ایک اصحابی کی قبر پر نصب شدہ کتبہ تھا جو کہ خلفائے راشدین کے دور مبارکہ میں ہی وقوع پذیر ہوا تھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ یہ قبر مبارکہ بقیع الغرقد میں نہیں تھی مگر چونکہ یہ ایک اصحابی کی قبر تھی جو کہ ۳۱ ہجری میں شہید ہوئے تھے، اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جیسا کہ بہت سے مورخین کے بیانات سے واضح ہے، ایسے کتبے جنت البقیع میں بھی لگ چکے ہوں گے۔ اس کے اوپر کندہ عبارت جو کہ ایک ایسے رسم الخط میں ہے جو کہ ابھی خط کی ترقی یافتہ شکل تھی جس کی کوکھ سے خط کوفی نے جنم لیا تھا۔ اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ قبر عبدالرحمن ابن خیر الحجری کی ہے۔ اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ پاس سے گزرنے والے جب اس تحریر کو پڑھیں تو ان کے لیے دعائے خیر کریں۔ آمین۔ یہ تحریر جمادی الثانی اکتیسویں سال میں لکھی گئی (یعنی لگ بھگ جنوری فروری ۶۵۲ء)" (۶۱)

اسلامی دنیا کی سب سے قدیم لوح جو حضرت عبدالرحمن بن الحجریؓ کی قبر پر لگائی گئی تھی۔ یہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کا دور اور سن ۳۱ ہجری تھا

اس آثار قدیمہ کی شہادت سے جو کہ ۳۱ ہجری میں اس دور سے تعلق رکھتی ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ سریر آرائے خلافت راشدہ تھے، یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ... رضوان اللہ علیہم قبور کا کتنا احترام ... وفوت شدہ ... کی یادگاری ... کیا کرتے تھے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ... سنت رسول ﷺ کے مطابق قبور پر پتھر نصب کیے جاتے تھے، لیکن ... اوقات میں مرحومین کی یادداشت کے لیے ان پتھروں لوحوں یا کتبوں پر عبارت کندہ کی جاتی تھیں۔ ابن شبہ نے بھی ایک ایسی ہی روایت کی ہے جس میں انہوں نے ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کی قبر پر کتبے کا ذکر کیا ہے ان کی قبر اطہر سے متعلق لکھتے ہوئے ... ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی قبر مبارک بقیع میں ہے جب ... محمد بن زید بن علی (ابن حسین علیہ السلام) کو سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی قبر اطہر کے قریب دفنانے کی خاطر ان کے لیے قبر کھودی جا رہی تھی تو تقریباً ۸ انگل (یعنی ...) کی گہرائی پر ایک ٹوٹا ہوا کتبہ ملا تھا جس پر لکھا ہوا تھا "ام سلمہ زوجہ ... رسول مقبول ﷺ" اور اس سے ان کی قبر اطہر کی شناخت بھی ہو گئی تھی۔ (۶۲) مسعودی (ت ۳۴۶ ہجری) نے لکھا ہے کہ اہل بیت عظام کی قبور پر کتبے کے الفاظ مندرجہ ذیل تھے

بسم اللہ الرحمن الرحیم سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو مردہ زندہ چیز پیدا کرتا ہے اور پھر اسے موت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے۔ یہ قبور حامل ... رسول اللہ ﷺ سیدۃ النساء الفردوس سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اور ان کے فرزند حسن ابن علی علیہ السلام، اور علی ابن حسینؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ، اور حضرت محمد بن علی اور حضرت جعفر بن محمدؓ کی ہیں" مسعودی نے بھی یہ چند واقعات قلمبند کیے ہیں جن میں چند مشاہیر کے قبور کے البقیع یا دیگر جگہوں سے زیر زمین کھدائی کے وقت دریافت ہوئے تھے

امت مسلمہ کی نگاہوں میں اس تاریخی مقبرے کے بے حد احترام کی وجہ سے جب مشائخ اور بزرگوں کی قبور پر گنبد بنانے کا رواج ہوا (اور خاص طور پر یہ عباسی دور میں ہوا) تو وہاں بھی بہت سی مشہور قبور پر گنبد تعمیر کر دیے گئے۔ بعض اوقات ایسے گنبد صرف ایک ہی قبر پر تھے لیکن زیادہ تر ایک سے زیادہ قبور کے مجموعے پر (جو کہ ایک ہی گروہ سے متعلق تھیں۔ مثلاً اہل بیت اطہار، امہات المومنین رضوان اللہ علیہم، بنات رسول اللہ ﷺ وغیرہ) صرف ایک ہی گنبد بنا دیا گیا تھا۔ پہلا گنبد جو کہ بقیع الغرقد میں تعمیر ہوا وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے مزار پر تھا اور اسی کے احاطے میں اہل بیت الطاہرہ کی سرخیل شخصیتوں سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراءؓ، امام حسن ابن علیؓ، امام زین العابدینؓ، امام محمد باقرؓ اور امام جعفر الصادقؓ کی قبور تھیں۔ (۶۳) یہ گنبد عباسی خلیفہ ناصر ابو العباس احمد بن المستضیٔ نے ۵۱۹ ہجری میں تعمیر کرایا تھا۔ (۶۴) لیکن اس سے بھی بہت پہلے شہدائے احد کے مقابر تو تیسری صدی ہجری میں ہی تعمیر ہو چکے تھے جیسا کہ ابراہیم رفعت پاشا کی مرآۃ الحرمین سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقبرے کے دروازے پر جو لوح سنگ ۹۲۲ء تک نصب تھی اس پر سن تعمیر ۲۷۵ ہجری کندہ کیا گیا تھا (مرآۃ الحرمین ... صفحات ۲۹۲-۲۹۳)

روایات میں ہے کہ اپنی وفات سے پہلے حضرت ابو سعید خدریؓ نے اپنے فرزند کو وصیت کی تھی کہ ان کی تدفین کے بعد ان کی قبر پر

جنت البقیع کے انہدام سے پہلے کی ایک نایاب تصویر
۱۔ مقبرہ حضرت عباسؓ
۲۔ مقبرہ دختران رسول اللہ ﷺ
۳۔ مقبرہ امہات المومنین
۴۔ مقبرہ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ
۵۔ مقبرہ حضرت امام مالک اور شیخ القراء حضرت نافعؒ
۶۔ مقبرہ حضرت ابراہیمؓ (سرکار ﷺ کے بیٹے)

کوئی خیمہ نہ لگایا جائے۔ انہوں نے اپنی جائے تدفین کا انتخاب بھی خود کیا تھا اور اپنے بیٹے کو بتا دیا تھا۔ (۶۵) ایک اور روایت کچھ اس طرح ہے [حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا تھا کہ کھجور کے دو پتے ان کی قبر پر رکھ دیے جائیں] حضرت محمد بن عمر بن حزم سے مروی ہے [میں نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر دیکھی ہے۔ اس کے اوپر کچھ اس طرح کا بنا ہوا تھا جو کہ کافی بلند تھا اور ایسے لگتا تھا جیسے کہ کوئی جھنڈا ہو] (۶۶) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت عبد الرحمٰنؓ (یہ ان کے وہ بھائی تھے جن کو ابو شحمہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے) پر بکری کے بالوں سے بنا ہوا ایک خیمہ تھا انہوں نے فرمایا ''اس کو ہٹا دو کیونکہ اس کے اعمال اس کو سایہ فراہم کریں گے'' (۶۷) اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر کوئی خیمہ نہ لگایا جائے (۶۸) ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں ہی بعض قبور پر خیمے وغیرہ تنے شروع ہو گئے تھے، گو کہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے ایک اور روایت میں ہے کہ 'جب حسن بن الحسن بن علی کرم اللہ وجہہ کا انتقال ہو تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک خیمہ نصب کروا دیا تھا جو کہ تقریباً ایک سال وہاں موجود رہا اور پھر اسے ہٹا دیا گیا۔ اس وقت انہوں نے ہاتف غیبی سے یک صدا سنی جو کہہ رہی تھی ''کیا نہیں وہ مل گیا جو کچھ ان سے کھو گیا تھا'' ساتھ ہی ایک دوسری ندا آئی کہ ''نہیں وہ مایوس ہو کر جا رہے ہیں'' لیکن اس روایت سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ فسطاط لگانے کی ممانعت کی گئی تھی (۶۹) سخت گرمیوں میں اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ قبر وغیرہ کھودنے کے لیے اس جگہ خیمہ لگا لیا جاتا تھا تاکہ گرمی کی حدت سے بچا جا سکے سب سے پہلی روایت جس میں اس بات کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ ام المومنین سیدہ زینب بنت جحشؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ نے حکم دیا تھا کہ چونکہ ان کی تدفین دن کے وقت ہوئی اور موسم انتہائی گرم تھا گورکنوں کو سایہ فراہم کرنے کے لیے ایک خیمہ لگا دیا جائے (۷۰) لیکن ایسا لگتا ہے کہ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں یہ کوئی رواج ضرور ہو گیا تھا کہ قبور پر مستقل خیمے نصب ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ابن سعد حضرت عبید اللہ بن عبداللہ ابن عمرؓ کے متعلق اپنی طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں [حضرت عبید اللہؓ کی قبر پر ایک خیمہ ہوا کرتا تھا اور قبر پر پانی بھی چھڑکا جاتا تھا] (۷۱)

ان تمام روایات سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ چند اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم نے خیمہ وغیرہ لگانے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا مگر تابعین رضوان اللہ علیہم کے دور میں یہ رواج عام ہو گیا تھا۔ اگر حضرت عبید اللہ ابن عبداللہ ابن عمرؓ کی قبر پر خیمہ تھا اور اس سے پہلے ان کے چچا (حضرت عبد الرحمٰن) کی قبر پر بھی خیمہ تھا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ در اہل بیت میں سے حضرت حسن مثنیٰ ابن حضرت حسن علیہ السلام کی قبر پر سال بھر خیمہ رہا تھا، تو اس کا مطلب صاف واضح ہے کہ ایسا صرف ایک یا دو قبروں پر نہیں ہوا ہوگا بلکہ اس بات کا عام رواج ہو چکا ہوگا۔ بہت سی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بقیع الغرقد میں ایک جگہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے لیے ایک گھر بنوا دیا تھا جہاں سیدہ بتولؓ صاحبزادی رسول ﷺ اپنے بابا جان ﷺ کی وفات کے بعد عزلت نشین ہو کر اپنے حزن و غم کا اظہار کیا کرتی تھیں قبروں پر مزارات بننے کا براہ راست تعلق اس رسم سے ہے جس میں بعض اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور پر خیمے (فساطیط) لگائے گئے تھے۔

عمر بن شبہ النمیری، المشہور ابن شبہ (۱۷۳-۲۶۲ ہجری) تاریخ مدینہ کے اولین استادوں میں دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ ان کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ بعنوان ''اخبار المدینۃ النبویہ'' جس کا وہ حصہ جو کہ زمانے کی دستبرد سے بچ سکا ہے آج کل ''تاریخ المدینۃ المنورہ'' کے

انیسویں صدی کے آخر میں ایک ترک سیاح کی لی ہوئی تصویر جس میں بائیں جانب واقع قبہ حضرت ابو سعید الخدریؓ کا ہے جب کہ درمیانی قطار کا درمیانی قبہ حضرت عثمانؓ کا ہے جب کہ دائیں جانب کا بڑا قبہ بنات الرسول ﷺ یعنی سرکار دو عالم ﷺ کی تین شہزادیوں کا مزار ہے
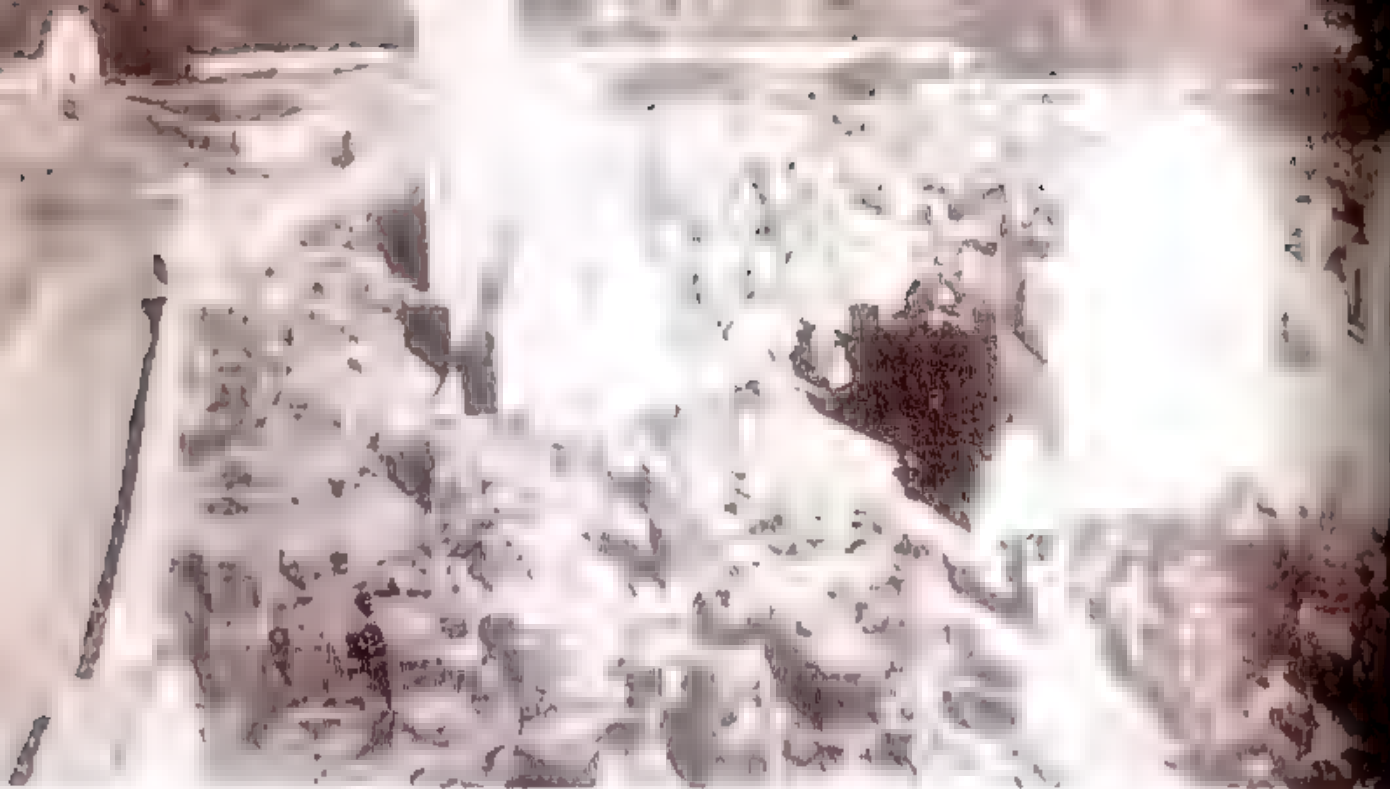
ہمارے چار جلدوں میں دستیاب ہے۔ دراصل یہی معرکۃ الآراء کتاب بعد میں آنے والے مورخین کے لیے ماخذ رئیسی ثابت ہوئی ہے۔ اس کتاب میں ایک ایسا انکشاف کیا گیا ہے کہ وہ جب اپنی کتاب تالیف کر رہے تھے اس وقت حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر مطہر پر جنبذہ (جو کہ فارسی کے لفظ گنبد کی عربی شکل ہے) بنا ہوا تھا جن کو کہ ان کے اپنے گھر دار افلح میں (جو کہ حضرت مقداد بن الاسودؓ کے گھر کے پاس واقع تھا) محلہ بنی عبد الاشہل کے احاطے میں بالکل آخر میں دفن کیا گیا تھا (جو کہ آج کل بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مشرقی کونے میں پڑتی ہے۔ (۷۲) ان کا جنازہ سرکار دو عالم ﷺ نے ادا فرمایا تھا اور اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کی معیت میں اس گھر میں دفنایا تھا۔ حضرت محمد بن منکدرؓ نے حضرت محمد بن شرحبیلؓ سے روایت کی ہے کہ: [ایک شخص نے حضرت سعد بن معاذؓ کی قبر سے مٹھی بھر مٹی اس دن اٹھائی جس دن ان کو دفن کیا گیا تھا، اس سے مشک کی طرح خوشبو آ رہی تھی] (۷۳)

یہ جنبذہ پہلی صدی کے اواخر میں یا دوسری صدی کے اوائل میں اکلوتی مثال معلوم ہوتی ہے مگر یہی جنبذہ بعد میں بہت سے مزارات پر قبے اور گنبدوں کا پیش رو ثابت ہوا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ زمانہ قبل از اسلام میں اور پھر اسلامی دور کی ابتداء میں اکثر اوقات قبور کمروں کے اندر ہوا کرتی تھیں صرف یہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کو آپ حضور ﷺ کے حجرہ مطہرہ میں دفن کیا گیا، بعد ازاں آپ کے خلیل سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور دوست راست سیدنا عمر فاروقؓ بھی اسی حجرہ مطہرہ میں مدفون ہوئے۔ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مثلاً حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت مالک بن سنانؓ (حضرت ابو سعید الخدریؓ کے والد ماجد) بھی رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنے اپنے ذاتی کمروں میں دفن ہوئے جہاں تک زمانہ قبل از اسلام کی تدفین کا تعلق ہے تو ہو انبی سیدنا عبداللہ بن عبد المطلبؓ کی قبر مطہرہ بھی ایسے ہی واقع تھی۔ نہ تو رسول اللہ ﷺ نے اور نہ ہی کسی اصحابی نے زمانہ قبل از اسلام کی ایسی قبروں پر سے کمرے گرائے اور نہ ہی زمانہ بعد از اسلام کی قبور جو کمروں میں واقع تھیں (مثلاً حضرت مالک بن سنانؓ اور حضرت سعد ابن معاذؓ کی قبور مطہرہ) پر سے کمرے گرائے جانے کا حکم دیا۔ جب ابو سفیان اپنی مکی فوج کی سربراہی میں غزوہ احد کے لیے مدینہ طیبہ پر چڑھ دوڑا تو اس سلسلے میں مورخین خاص طور پر اس بات کا ذکر ضرور کرتے ہیں کہ جب اس کی فوج ابواء کے پاس پہنچی تو اس کی بیوی ہند بنت عتبہ نے تجویز دی کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر کو کھود کر ان کے جسد خاکی کو ممکنہ قیدی ہو جانے والے مکیوں کی رہائی کے لیے بطور تاوان نکال لیا جائے۔ اس
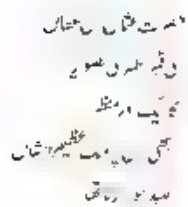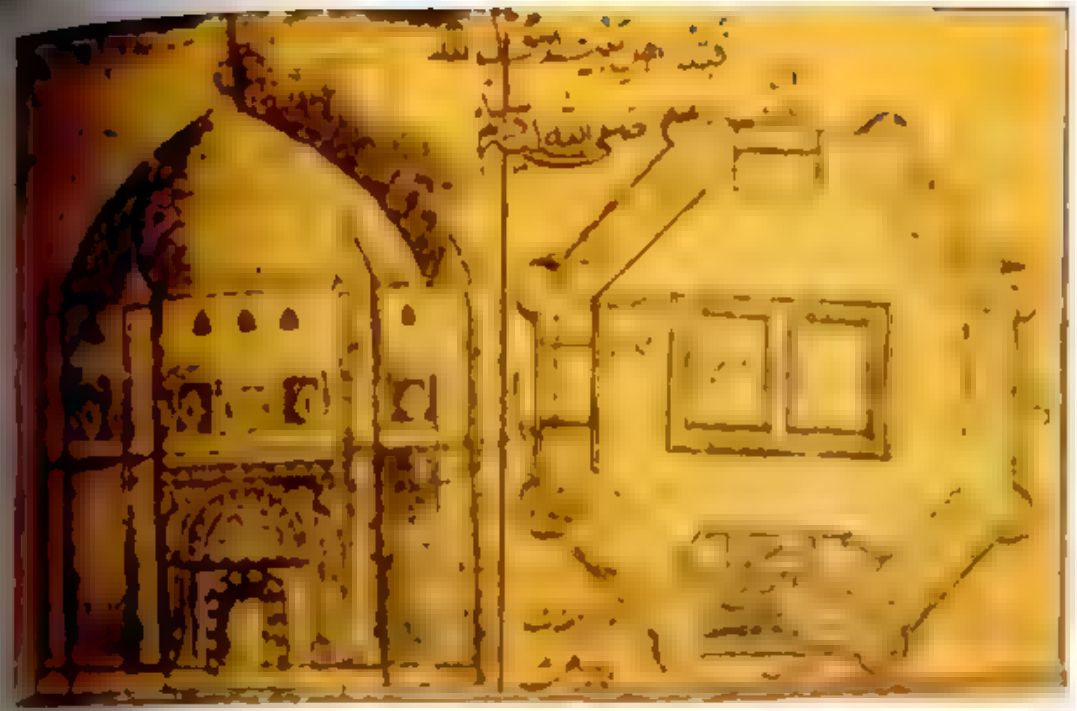
تھا جسے قبہ اہل البیت کہا جاتا تھا۔ اس کے دو دروازے تھے ایک شمال میں اور دوسرا مغربی جانب۔ اس میں حضرت عباسؓ کے علاوہ اہل بیت کی بہت ہی سرکردہ شخصیتوں کی قبور طاہرہ بھی تھیں۔ دیگر قبہ جات بعد کے ادوار میں مختلف بادشاہوں اور سلاطین نے تعمیر کروائے تھے یا پھر زائرین نے چندہ جمع کر کے کچھ کو تعمیر اور مرمت کروایا تھا۔ صرف بقیع الغرقد کے لیے ہی نہیں بلکہ شہدائے احد، مشہد حضرت مالک بن سنان وغیرہ کے لیے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ کم و بیش دس قبہ جات (گنبد) بقیع الغرقد میں ہوا کرتے تھے ہم ان میں سے صرف تین ہی کی تصاویر حاصل کر پائے ہیں جو مختلف وقتوں میں مختلف زائروں نے مختلف زاویوں سے کھینچی تھیں۔ ان قبہ جات کے نام مندرجہ ذیل تھے

(۱)	قبہ عباسؓ یا قبہ اہل بیت اطاہرہ	(۲)	قبہ بنات الرسول اللہ ﷺ
(۳)	قبہ امہات المومنین (زوجات رسول اللہ ﷺ)	(۴)	قبہ ابراہیم فرزند رسول اللہ ﷺ
(۵)	قبہ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ	(۶)	قبہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ
(۷)	قبہ عمات رسول اللہ ﷺ	(۸)	قبہ امام نافع اور امام مالکؒ
(۹)	قبہ سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ	(۱۰)	قبہ ام علی ابن ابی طالب سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ
(۱۱)	ایک اور قبہ جو عرف عام میں بیت الحزن کے نام سے مشہور تھا		

ان میں سے ہر قبہ کے اندر ایک یا ایک سے زیادہ قبور تھیں اور ترکی حکومت نے بہت ہی احتیاط سے ان تمام قبور کے اوپر کتبے لگا رکھے تھے تاکہ مختلف قبور کی مناسب نشان دہی ہو سکے جب مولف ہذا نے ۱۹۷۵ء میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو دیکھا کہ ابوالنبی حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلبؓ اور صحابی رسول حضرت مالک بن سنانؓ کے مزارات پر بھی سنگ مرمر کے کتبے نصب تھے جن پر تفاصیل لکھی ہوئی تھیں ان تمام قبوں کو جو بقیع الغرقد میں یا مدینہ طیبہ میں کسی اور جگہ پر واقع تھے، مثلاً سید الشہدا احد وغیرہ، وہابیوں نے جب پہلی بار ۱۸۰۵ء میں مدینہ طیبہ پر قبضہ کیا تھا تو انہیں مسمار کر دیا تھا انہوں نے نہ صرف ان قبوں کو زمیں بوس کر دیا بلکہ ان کے اندر موجود قبور کو بھی گرا کر ان کا نام و نشان مٹا دیا تھا۔ (۸۲) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ ابتداء میں ایسے گنبد نہ تھے مگر نہ صرف قبروں کے نشانات تھے بلکہ مشہور قبور پر الواح قبور بھی نصب تھیں جن سے ان کی پہچان قائم تھی، اور پھر آٹھ صدیوں سے وہاں موجود ہونے سے ان کا اپنا تشخص اور مقام بن چکا تھا جو کروڑوں مسلمانوں کے دل کی دھڑکن تھا مزید برآں رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ کے اردگرد پانچ گوشہ اور حجرہ مبارکہ اور بہت سے دیگر اصحابہ کرام

اوپر دائیں طرف
حضرت فاطمۃ الزہرہؓ
بائیں طرف پیچھے
حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ
اور ان کے قدموں کی
حضرت امام حسنؓ،
حضرت امام زین العابدینؓ،
حضرت امام محمد باقرؓ
اور حضرت امام جعفر الصادقؓ
کی قبور مبارکہ ہیں
صلوات اللہ علیہم اجمعین

رضوان اللہ علیہم کی قبور مطہرہ اور مکانات کا ہونا اس بات کی مضبوط دلیل تھی کہ ان کو ان کی حالت پر رہنے دینے سے نہ کوئی حرج تھا اور نہ کسی فتنے کا ڈر تھا۔ حجرہ طاہرہ سید خیر الانام ﷺ کے گرد جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پانچ گوشہ تعمیر کروایا تو اس وقت کم و بیش ستر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ طیبہ میں بقید حیات تھے مگر کسی نے بھی ان سے تعرض نہیں کیا مگر تشدد پسندی نے اپنا رنگ دکھایا اور کروڑوں فرزندان توحید کے احتجاج کے باوجود بقیع الغرقد میں واقع ان گنبدوں اور قبور کو مسمار کر دیا گیا۔ (۸۳) اس سے نہ صرف کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا گیا بلکہ ان قبور پر موجود تختیوں اور الواح کو ضائع کر دیا گیا جن سے ان کی شناخت ہمیشہ کے لیے جاتی رہی آٹھ سال کے بعد جب وہ لوگ نکال دیے گئے تو ترکوں نے قبہ جات پھر سے تعمیر کروا دیے ان قبہ جات کے متولی خوش قسمتی سے اس وقت بقید حیات تھے، اس لیے قبروں اور قبور کی شناخت میں دشواری پیش نہ آئی بمشکل ایک ہی صدی گزری ہوگی کہ وہابیوں نے پھر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کر دی اور جونہی یہاں ان کا قبضہ ہوا، انہوں نے پھر پرانی تاریخ کو دہرایا اور ان تمام قبہ جات کو دوبارہ مسمار کر دیا اب کی بار تو بقیع الغرقد میں موجود قبور کا پوری طرح نام و نشان مٹا دیا گیا اور اب سوائے چند کھنڈرات کے باقی کی بقیع الغرقد ہل چلائے ہوئے کھیت کی سی لگتی ہے قبروں پر نشانات تو ایک طرف سب قبروں کو مسمار کر کے زمین ہموار کر دی گئی تھی اور ادھر ادھر سیاہ رنگ کے پتھر پھینک دیے گئے تاکہ گورستان کی ویرانی میں مزید اضافہ ہو سکے

زائرین جب بقیع الغرقد کی زیارت کے لیے جاتے ہیں تو ان کو کوئی بتانے والا نہیں کہ کونسی قبر کس کی ہے سعودی معلمین جو البقیع کے صدر دروازے پر ملتے ہیں کا ان مقصد پیسے بٹورنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اول تو ان جہلاء کو مشہور قبور مطہرہ کا پتہ ہی معلوم نہیں ہوتا اور اگر اندر جا کر بتاتے بھی ہیں تو ان کے بیانات تضادات سے مزین ہوتے ہیں اور بالآخر یہ کہہ کر پیچھا چھڑاتے ہیں کہ یہ سب بدعتیں تھیں جن کو ان لوگوں نے ختم کر کے نیکی کمائی ہے سیدھے سادے سب اہل البقیع پر سلام پڑھو اور چلتے بنو اور زائر منہ دیکھتا رہ جاتا ہے مولف ہذا کے ساتھ ایسا کئی بار ہو چکا ہے

ان مشکلات کی بنا پر ہمیں ان مشہور اور قدیم قبہ جات (جن کو وہابیوں نے گرا دیا تھا) کے محل وقوع کے مطابق ان میں واقع قبور مطہرہ کا کھوج لگانا پڑا جو کہ مختلف تاریخی کتب اور سفرناموں میں درج تھیں اور جن کی تصدیق چند پرانی تصاویر بھی کر رہی تھیں (۸۴) بہت سے سروے اور نقشہ جات کا تفصیلی مطالعہ اور موازنہ کرنے کے بعد ہمیں امام سمہودیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بیانات حقیقت کے زیادہ قریب نظر آئے کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے اپنی زندگی کا کافی حصہ مدینہ طیبہ میں گزارا تھا۔ امام سمہودیؒ تو پچیس سال تک مسجد نبوی شریف میں مسلک شافعی کے امام بھی رہے تھے اور ان کی ساری زندگی مدینہ طیبہ کی تاریخ کی تدوین ہی میں صرف ہوئی تھی لہذا قارئین کی سہولت کے

مزارات منہدم شدہ حالت میں (تصویر بہ سبب تاریخ جاء ۱۹۲۴)

یے ہم نے ان مختلف قبہ جات کے حساب سے ان میں واقع قبور کی تفصیل فراہم کی ہیں گرچہ سب قدیم قبہ جات تو ناپید ہیں مگر ان میں سے تمام کی جگہ چند آثار اور کھنڈرات ضرور چھوڑ دیے گئے ہیں جو امت مسلمہ کی بے اعتنائی پر نوحہ کناں ہیں یہ تمام مورخین کی بتائی ہوئی تفصیل کے عین مطابق ہیں تفصیلات کے معاملے میں ہم نے بہت سے نقشہ جات کا ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ اور مقارنہ بھی کیا، مثلاً ان تفصیل کا موازنہ جو کہ ابن جبیر نے دی ہیں اور ایرانی زائرین کو دیے گئے ایرانی مورخوں کے مختلف نقشوں سے، مگر ان تمام معاملات میں ہمارا اعتماد انتہائی ثقہ قسم کے مورخین پر زیادہ رہا ہے جیسے کہ امام سمہودی اور شیخ جعفر برزنجی وغیرہ

چند معروف ومشہور قبور مطہرہ کا محل وقوع

دار اہل بیت اطاہرہ یا دار عباس بن عبدالمطلبؓ

جس جگہ یہ قبہ ہوا کرتا تھا وہاں ابھی بھی اس عمارت کی چند باقیات ہیں یہ جگہ بقیع الغرقد میں داخل ہوتے ہی پہلی سڑک جو کہ دائیں طرف کو بقیع کے مدر کی طرف جاتی ہے اس پر تھوڑی دوری بائیں طرف واقع ہے بقیع الغرقد میں سب سے معروف ومشہور یہی جگہ ہے اس میں مندرجہ ذیل قبور ہیں

(۱) حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ

(۲) سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء وبتولؓ جگر گوشۂ رسول اللہ ﷺ

(شیعہ حضرات کی روایت کے مطابق یہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشمؓ کی قبر ہے)

(۳) سید الشباب الجنۃ امام حسنؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ

(۴) حضرت علی ابن حسینؓ (حضرت امام زین العابدینؓ)

(۵) حضرت محمد بن علی بن حسینؓ (حضرت امام محمد باقرؓ)

(۶) حضرت جعفر ابن محمدؓ (حضرت امام جعفر الصادقؓ)

ان قبور مطہرہ کے علاوہ ایسی بھی روایات موجود ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا باقی کا دھڑ خاک کربلاء میں مدفون ہے کیونکہ آپ کا سر مبارک یزید کے دربار میں بھیج دیا گیا تھا جس نے عمرو بن سعید بن العاص کو جو کہ اس وقت مدینہ طیبہ کا گورنر تھا اسے مناسب تدفین کے لیے بھیج دیا تھا، چنانچہ اس سر مبارک کو بھی آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کے پہلو میں دفن کر دیا گیا تھا جو کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی بائیں جانب واقع ہے۔(۸۶) ابتدائی ایام میں سب سے مشہور مورخ جس نے سب سے پہلے اس بات کا ذکر کیا

بائیں طرف سے

قبہ نمبر ۱

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ

حضرت امام حسنؓ

حضرت امام زین العابدینؓ

حضرت امام محمد باقرؓ

اور حضرت امام جعفر الصادقؓ

قبہ نمبر ۲

دختران رسول اللہ ﷺ

حضرت زینبؓ

حضرت ام کلثومؓ

حضرت رقیہؓ

قبہ نمبر ۳

ازواج مطہرات

حضرت عائشہ و دیگر

امہات المومنینؓ

قبہ نمبر ۴

حضرت زینب بنت امام حسنؓ

(تصویر شعیب برنٹی رچارڈ رپورٹ ۱۹۲۵ء)

ابن قرطبی ہیں جنہوں نے اس معاملے میں بہت سی تفصیل مہیا کی ہیں کہ امام عالی مقام کا سر مبارک کیسے کیسے اور کہاں کہاں سے ہوتا ہوا مدینے پاس لے جایا گیا اور پھر اس نے اسے مدینہ طیبہ کے گورنر کو روانہ کر دیا جس نے اسے حضرت حسن بن علی کرم اللہ وجہہ کے پہلو میں دفن کر دیا۔(۸۷) اس تشریح میں ابن سعد کا حوالہ دیکر اسی رائے کے حامل نظر آتے ہیں جن کے بیان کے مطابق عمرو بن سعید بن العاص نے سے بقیع میں آپ کی والدہ ماجدہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے جوار رحمت میں دفن کروا دیا تھا (۸۸) تاہم اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ یہ روایت شیعہ اور سنی حضرات میں متنازعہ ہی ہے شیعہ حضرات اس بات کی تردید کرتے ہیں اور ان میں سے اکثریت کی رائے ہے کہ امام عالی مقام کا سر مبارک دمشق میں ہی مدفون ہے وہاں تو حسین علیہ السلام کے نام پر ایک مزار بھی ہے

پیر بن بکار کی ایک روایت کے مطابق شیر خدا علی المرتضیٰؓ کا جسد خاکی بھی انہی قبور کے ساتھ مدفون ہے۔(۸۹) مسعودی رقمطراز ہیں کہ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ [ان کو (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو) مدینہ طیبہ لایا گیا تھا اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے قریب ہی دفن کر دیا گیا تھا"](۹۰) تاہم بعد کے مورخین اس نظریے سے اتفاق نہیں کرتے لیکن جیسا کہ امام سمہودی نے نصیحت کی ہے یہ زیادہ بہتر ہے کہ جب بھی آپ بقیع الغرقد جائیں تو سب اہل بیت طاہرہ پر سلام پیش کریں۔(۹۱)

اسی طرح کا اختلاف سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی قبر مطہرہ کے متعلق بھی ہے مختلف ماخذوں کی حتمی شہادتیں اتنی واضح نہیں لیکن غالب امکان یہی ہے کہ سیدۃ النساءؓ کی قبر شریف بقیع الغرقد ہی میں اسی مقام پر ہے جہاں صدیوں سے مشہور ہے تاہم ایک یہ روایت بھی ہیں جن کے مطابق آپ کی تدفین اسی حجرہ مطہرہ میں ہی ہوئی جہاں کہ آپ رہائش پذیر تھیں اس نقطہ نظر کے حامی محمد بن ابراہیم عبداللہ بن جعفر صادق بن محمد الباقرؓ ہیں جن سے مروی ہے "سیدۃ فاطمہؓ کی قبر ان کے گھر میں ہی تھی جو کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی میں داخل کر دیا تھا"(۹۲) مشاہیر علماء میں سے ابن الجوزی بھی اسی سے اتفاق کرتے ہیں۔(۹۳) شیعہ حضرات کی بھی کثیر تعداد اسی نقطہ نظر سے متفق ہے لیکن اس کے برعکس قدیم ترین مورخین میں سے کوئی بھی اس نظریے کا حامی نظر نہیں آتا، بلکہ انہوں نے ایسی شہادتیں مہیا کی ہیں جن سے حتمی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سیدۃ بتولؓ جگر گوشۂ رسول اللہ ﷺ کو بقیع الغرقد میں ہی دفن کیا گیا تھا

ابن سعد نے اپنی شہرہ آفاق طبقات الکبریٰ میں بہت سی روایات پیش کی ہیں جن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سیدۃ النساء کو بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا تھا سب سے زیادہ معتبر بیان فرزند سیدۃ بتولؓ حضرت حسن ابن علیؓ کا ہے جنہوں نے بستر مرگ پر اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسین ابن علیؓ کو وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کی صورت میں سب سے پہلے تو یہ کوشش کی جائے کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے رجوع کیا جائے اور اگر وہ اجازت دے دیں تو ان کو حجرہ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن کیا جائے تاہم اگر ایسا کرنا ناممکن ہو جائے تو انہیں بقیع الغرقد میں ان کی والدہ محترمہ کے قریب دفن کر دیا جائے۔(۹۴) بدقسمتی سے اس وقت جو سیاسی صورت حال در پیش تھی

جس کی وجہ سے بنو امیہ کو بالادستی حاصل ہو چکی تھی باوجود یکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے بخوشی اجازت بھی دے دی تھی، مروان بن الحکم کی ضد آڑے آ گئی اور اس نے اس وقت کے گورنر سعید بن العاص کو مجبور کر دیا کہ امام حسین علیہ السلام کو اپنے بھائی کی وصیت کے پیچھے یہ کہتے ہوئے عملدرآمد نہ کرنے دیا جائے "اللہ کی قسم نہیں ہرگز نہیں علیؓ کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اندر دفن نہیں ہو سکتا جبکہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ حش کوکب میں مدفون ہوں" (۹۵) اس شدید موقف کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں حالات کچھ اس ڈگر پر چلنے لگے کہ یوں نظر آ رہا تھا کہ فریقین کے درمیان مسلح تصادم ہونے چلا تھا تاہم خون خرابے سے بچنے کے لیے امام عالی مقام علیہ السلام نے حضرت حسن علیہ السلام کی وصیت کے مطابق ان کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر کے قریب بقیع الغرقد میں دفن کر دیا یہ ایک ایسی روایت ہے جو بغیر کسی قسم کے شک وشبہ کے اس اٹل حقیقت کو واضح کر دیتی ہے کہ جناب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ البقیع میں ہی مدفون ہیں۔ (۹۶)

دوسری اہم شہادت اہل بیت اطہار کے ایک اہم فرد کی ہے (حضرت عمر بن علی بن حسین بن علی کرم اللہ وجہہ) جنہوں نے دو ٹوک الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جناب سیدۃ الزہراءؓ کی قبر اطہر اس پگڈنڈی پر واقع تھی جس کو زقاق نبیہ کہا جاتا تھا اور جو کہ البقیع میں داخل ہونے کے بعد آتی تھی (۹۷) اس سے بھی زیادہ ناقابل تردید شہادت ہمیں اس بات سے ملتی ہے کہ امام عالی مقام سیدنا حسین علیہ السلام نے سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی لونڈی سیدۃ رقیہؓ کا خیمہ ان کی قبر اطہر کے قریب نصب کروا دیا تھا سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے سایہ عاطفت میں اتنے سال گزارنے کے بعد سیدۃ رقیہؓ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بقیہ زندگی اپنی مالکہ کے پہلو میں ہی گزارنا چاہیں گی جس کو امام حسین علیہ السلام نے قبول کرتے ہوئے اس کا خیمہ بقیع الغرقد میں قبر اطہر کے قریب ہی نصب کروا دیا تھا۔ (۹۸) المسعودی کے حوالے سے امام سمہودیؒ نے بیان کیا ہے کہ ۳۴۰ ہجری میں سنگ مرمر کا ایک کتبہ ان قبور کے پاس سے کھدائی کے وقت نکلا تھا جس کے اوپر یہ کندہ تھا: "یہ قبریں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ صاحبزادی رسول مقبول ﷺ سیدۃ النساء العالمین اور حسن بن علیؓ، علی بن حسینؓ، محمد بن علیؓ اور جعفر بن محمدؒ کی ہیں" (۹۹) مسعودی سے بہت پہلے واقدی بھی یہی حقیقت بیان کر چکے تھے۔ (۱۰۰)

اس سلسلے میں ایک اور اہم روایت حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی ہے جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے بہت قریب تھیں۔ ان سے مروی ہے "ایک دن میں نے سیدۃؓ سے کہا کہ میں نے دیکھا تھا کہ حبشہ میں لوگ درختوں کی ٹہنیوں اور شاخوں سے ایک قسم کا خیمہ سا بنا لیتے تھے انہوں نے فرمایا [مجھے ایسا ہی خیمہ بنا کر دکھاؤ] جب میں نے ان کو دکھانے کے لیے ایک ایسا خیمہ بنایا تو انہوں نے اسے بہت پسند کیا اور تبسم فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے کسی نے انہیں مسکراتے نہیں دیکھا تھا آپ نے مجھے یہ وصیت کی [جب میرا انتقال ہو جائے تو تم مجھے غسل دینا علی کرم اللہ وجہہ بھی موجود رہیں کسی اور کو اندر مت آنے دینا] (۱۰۱) سیدۃ النساء کی یہ خواہش یا وصیت آپ کی حد درجہ شرم و حیاء کی عکاسی کرتی ہے، لیکن اس روایت میں یہ کہیں بھی ذکر نہیں ملتا کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ انہیں وہیں (یعنی ان کے حجرہ مبارکہ میں) دفن کیا جائے اس وصیت پر عمل ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رات کے وقت آپ کو بقیع الغرقد میں دفن کیا۔ (۱۰۲) دارقطنی اور بیہقی کی روایت کے مطابق سیدۃ بتولؓ کو آخری غسل سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے دیا تھا

قبور اہل بیت طاہرہ پر گنبد کی تفاصیل

اہل بیت طاہرہ کی قبور مطہرہ پر جو گنبد تھا وہ سطح زمین سے ہشت گوشہ تھا، جب کہ گنبد گول اور مخروطی شکل کا تھا۔ اب چونکہ گنبد نا پید ہے تو زائرین کے ذہنوں میں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی قبر اطہر کے متعلق شکوک ہیں کہ اس قبہ اہل بیت میں ان کی قبر کا اصل محل وقوع کہاں تھا۔ اس معمے کو حل کرنے کے لیے ہمیں ان زائرین اور سیاحوں کی روایات کو سامنے رکھنا پڑتا ہے جنہوں نے ان قبہ جات گرائے جانے سے پہلے بقیع

قبور امہات المومنین
رضوان اللہ علیہن اجمعین

الغرقد کی زیارت کی تھی اس سلسلہ میں ہم جناب محمد مدین مرحوم، ایڈیٹر رسالہ صوفی کی مایہ ناز تالیف "سیرۃ فاطمہؓ" سے اقتباس پیش کرتے ہیں جو ۱۳۳۵ ہجری (۱۹۱۵ء کے لگ بھگ) بقیع الغرقد کی زیارت سے فیضیاب ہوئے تھے، وہ رقمطراز ہیں

> یہ روضہ مبارکہ جنت البقیع میں ایک سادہ گنبد ہے۔ جس کی عمارت زیادہ شاندار نہیں اور نہ نقاشی کا کام ہے چھت ضریح پر ریشم کا کپڑا ڈالا ہے حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے مزار کے برابر دیوار پر نہایت قیمتی طلائی کی چادر آویزاں ہے جو کئی ہزار روپیہ میں تیار ہوئی ہوگی۔ عمارت کے باہر دروازے پر یہ شعر لکھا ہے
>
> لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمه   المصطفى والمرتضىٰ وابنهما والفاطمه
>
> مزار کے اندر سیدۃ فاطمہؓ کی قبر اطہر جنوب مغربی کونے میں سطح زمین سے بلندی پر واقع ہے۔] (۱۰۳)

مزار بنات رسول اللہ ﷺ

معتبر ترین روایت کے مطابق اس قبہ کے احاطے میں مندرجہ ذیل قبور مطہرہ تھیں، جہاں اب چند پتھر رکھ کر تین قبور کے نشانات ظاہر کئے گئے ہیں

(۱) سیدۃ رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ (ان کا انتقال غزوہ بدر کے فوراً بعد ماہ رمضان ۲ ہجری میں ہوا تھا)
(۲) سیدۃ ام کلثومؓ بنت رسول اللہ ﷺ (ان کا انتقال ۹ ہجری میں ہوا تھا)
(۳) سیدۃ زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ
(۴) سیدۃ ام ہانیؓ (اخت شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

مزار امہات المومنین زوجات رسول اللہ ﷺ

بقیع الغرقد میں داخل ہوتے ہی یہ مطہر و متبرک احاطہ زائر کے بالکل سامنے پڑتا ہے ثقہ روایتوں میں اس قبہ شریف کے اندر گیارہ قبور تھیں، جو ذیل درج ہیں

(۱) ام المومنین سیدۃ زینب بنت خزیمہؓ (ان کا انتقال ۴ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں ہوا)
(۲) ام المومنین سیدۃ ریحانہ بنت شمعونؓ (ان کا انتقال رسول مقبول ﷺ کی وفات سے ۱۴ دن پہلے ہوا)
(۳) ام ابراہیم سیدۃ ماریہ قبطیہؓ (ان کا انتقال ۱۶ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہوا)
(۴) ام المومنین سیدۃ رملہ بنت ابوسفیان (ام حبیبہؓ) (ان کا انتقال ۴۴ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)
(۵) ام المومنین سیدۃ حفصہ بنت عمرؓ (ان کا انتقال ۴۵ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۶) ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ (ان کا انتقال ۵۴ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۷) ام المومنین سیدۃ جویریہ بنت الحارثؓ (ان کا انتقال ۵۰ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۸) ام المومنین سیدۃ صفیہ بنت حیی (ان کا انتقال ۵۲ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۹) ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ (ان کا انتقال ۵۸ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)(۰۴)

(۱۰) ام المومنین سیدۃ ام سلمہ بنت ابی امیہؓ (ان کا انتقال ۶۱ یا ۶۲ ہجری میں یزید کے دور میں ہوا)

(۱) ام المومنین سیدۃ زینب بنت جحشؓ (ان کا انتقال ۲۰ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہوا)

جہاں تک ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ (حضرت رملہ بنت ابو سفیان) کے اس مقام پر دفن ہونے کا تعلق ہے تو قدیم مورخین نے اس سلسلے میں اپنے تحفظات کا ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں آپ کی قبر ان کے حجرہ مبارک یعنی مسجد نبوی شریف کے اندر ہی ہوگی، کیونکہ عباسی دور میں مسجد نبوی کی توسیع کے لیے جب کھدائی کی گئی تو اس جگہ سے ایک لوح سنگ نکلی تھی جس پر کندہ تھا "یہ ام المومنین ام حبیبہؓ کی قبر ہے" یہ علاقہ آج کی مسجد نبوی کے صحن میں اس جگہ واقع ہے جہاں چھتریاں نصب ہیں

دیا شلبی (ولادت ۱۰۲۰ ہجری) اپنے سیاحت نامے میں دیگر جگہوں کے علاوہ اپنی زیارت مدینہ طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ قبور امہات المومنینؓ کے دروازے پر ایک کتبہ آویزاں تھا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی

"حضرت عائشہ صدیقہؓ کی قبر مطہرہ کی تعمیر نو سلطان سلیمان خان بن سلیم شاہ بن بایزید خان بن محمد خان کے حکم سے ۹۵۰ ہجری میں انجام پائی"(۰۵)

دیا شلبی نے اپنے سیاحت نامے میں ایک حیران کن انکشاف یہ کیا ہے کہ اس مقام پر جہاں امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کی قبور مطہرہ ہیں، وہاں سب امہات المومنین کی قبور نہیں یہ بیان ترکی دور کے دیگر مورخین کی آرا سے بھی مطابقت رکھتا ہے، جن کا خیال ہے کہ وہ جگہ تو یہ دس قبور کے لیے انتہائی ناکافی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے چند کی قبور قبہ عقیل بن ابی طالبؓ کے احاطے کی طرف ہوں جو بعد میں قبہ وغیرہ بناتے وقت اسی قبہ کے نیچے آگئی ہوں

ہم یہ بھی ذکر کرنا چاہیں گے کہ اگرچہ تمام مورخین مدینہ طیبہ میں اس معاملے پر اتفاق ہے کہ سوائے ام المومنین سیدہ خدیجہ الکبریٰ اور سیدۃ میمونہؓ کے دیگر تمام امہات المومنین رضوان اللہ علیہن مدینہ طیبہ میں بقیع الغرقد میں مدفون ہیں، لیکن پھر بھی دو ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ (ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ) کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی قبور مطہرہ دمشق میں واقع ہیں حالانکہ کسی بھی بڑے سیرۃ نگار نے اس بات کا اشارہ تک نہیں کیا۔ ابن جبیر نے بھی ایک انکشاف کیا ہے کہ ۵۸۰ ہجری میں انہوں نے ام المومنین سیدۃ ام حبیبہؓ کی قبر کی زیارت دمشق میں کی تھی جو کہ دمشق کے مغربی مضافات میں جابیہ کے قبرستان میں واقع تھی انہوں نے ابن عساکر کی نقل

دمشق کا حوالہ بھی دیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ ام المومنین ام حبیبہؓ کی قبر مطہرہ دمشق میں تھی (۰۷) لیکن حیرانی کی بات ہے کہ وہ بھی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی قبر مطہرہ کا ذکر نہیں کرتے کہ وہ دمشق میں واقع تھی یا نہیں اس کے برعکس ابن شبہ نے ناقابل تردید شواہد کی بنیاد پر بیان کیا کہ ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کی قبر بقیع الغرقد میں واقع ہے واللہ اعلم بالصواب قارئین کے تجسس و تشنگی ذوق کے لیے ہم دمشق میں واقع مزاروں کی تصاویر آگے دے رہے ہیں

فرزند ارجمند رسول مقبول ﷺ حضرت ابراہیمؓ

احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات حتمی ہے کہ فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیمؓ کی قبر اسی حصے میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے قریب تھی چونکہ سب سے پہلے مہاجرین اور انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا انتقال رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہوا اسی خطہ میں مدفون ہوئے جس کو سرکار دو عالم ﷺ نے "روحاء" کا نام دیا تھا، اس لیے احاطہ اہل بیت اطاہرہ کے بعد بقیع الغرقد کا وہ حصہ جو مورخین اور زائرین کی توجہ کا مرکز رہا ہے وہ یہی خطہ ہے اس خطے میں بے شمار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدفون ہوئے جن میں سے صرف مشاہیر کے نام گرامی ہم تک پہنچے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں

(۱) حضرت عثمان بن مظعونؓ (۲) حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ

(۳) سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ (ام حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

(۴) حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ (انہوں نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے خاص طور پر استدعا کی تھی کہ انہیں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا جائے)

(۵) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ

(۶) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ آپ نے اپنی قبر کی جگہ کا انتخاب اپنی زندگی میں ہی کر لیا تھا اور پھر جب آپ کا انتقال وادی العقیق میں ہوا تو آپ کی میت تقریباً بارہ کیلومیٹر سے کندھوں پر اٹھا کر لائی گئی تھی

(۷) حضرت اسعد بن زرارہؓ

(۸) حضرت خنیس بن حذافہ السہمیؓ آپ غزوہ بدر میں شدید زخمی ہو گئے تھے لیکن انتقال مدینہ طیبہ پہنچ کر ہوا تھا

(۹) حضرت محمد بن الحنفیہؓ (فرزند ارجمند حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

(۱۰) عباسی خلیفہ الواثق باللہ

قبور امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین (۲۰۰۰ء)

ایک اور لحاظ سے بھی بقیع الغرقد کا یہ حصہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ عشرہ مبشرہ

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تین وہیں مدفون ہیں۔ حضرت عبد الرحمن ابن عوفؓ، حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس کے علاوہ ونیائے مذاہب اربعہ میں سے حضرت امام مالک بن انسؒ بھی وہیں محو استراحت ہیں

دار حضرت عقیل بن ابی طالبؓ

جنت البقیع میں داخل ہوتے ہی یہ جگہ احاطہ قبور مطہرہ سیدات امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے احاطے کی بائیں (شمالی) جانب پڑتی ہے۔ معتبر ترین روایات کے مطابق اس علاقے میں مندرجہ ذیل قبور ہیں

(۱) حضرت عقیل بن ابی طالب۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی

(۲) حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھتیجے

(۳) حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلبؓ۔ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی

(۴) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین میں سے بھی ایک یا دو اسی احاطے میں مدفون تھیں۔

(۵) ایسی بھی روایات ہیں کہ سیدۃ فاطمۃ الصغریٰ بنت امام عالی مقام حضرت امام حسین ابن علیؓ بھی وہیں مدفون ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دار امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفانؓ

یہ قبر اطہر پرانی بقیع الغرقد کے انتہائی مشرق میں اور جدید بقیع الغرقد کے عین وسط میں واقع ہے۔ حضرت مالک بن ابی عامرؓ سے مروی ہے کہ ان کے والد نے کہا: [لوگ اپنے اقرباء کی میتوں کو حش کوکب میں دفن کرنے سے کتراتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ ایک صالح شخص کو مار دیا جائے گا جسے اس جگہ میں دفن کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد لوگوں کی میتیں وہاں دفن ہونے لگ جائیں گی۔ ابی عامرؓ نے کہا کہ سب سے پہلے وہاں جو مدفون ہوئے وہ حضرت عثمانؓ ہی تھے۔ (طبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج ۳، ص ۷۷) اس احاطے میں مشہور و معروف قبر اطہر جامع القرآن سیدنا حضرت عثمان بن عفانؓ کی ہے۔ جب تک قبہ تھا اس وقت اس کے اندر ایک اور قبر بھی تھی جو کہ بقیع الغرقد کے متولیوں میں سے کسی ایک کی تھی

بلوائیوں نے امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفانؓ کو آپ کے گھر میں لگ بھگ دو ماہ تک محصور کر کے نہایت سفاکی سے شہید کر دیا تھا۔ مدینہ طیبہ کی تاریخ کا یہ نہایت ہی افسوسناک باب تھا۔ شہید کرنے کے بعد دو تین دن تک بلوائی مدینہ طیبہ میں دندناتے پھرتے تھے اور

قبور بنی ہاشم
۱ قبر عقیل بن ابی طالبؓ
۲ قبر عبداللہ بن جعفر الطیار المشہور بجواد العرب
۳ قبر ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب، ابن عم نبی ﷺ جو آپ کے رضاعی بھائی تھے

روضہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ انہدام کے بعد ۱۹۲۶ء

...سے سیدنا عثمانؓ کی میت کو دو دن تک کہیں دفن نہیں ہونے دیا۔ دو دنوں کے بعد جب ام المومنین سیدۃ ام حبیبہؓ نے مداخلت کی تو چار صحابہ کرام، حضرت حکیم بن حزام، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت ابوجہم بن حذیفہؓ اور حضرت نیار بن مکرم الاسلمیؓ نے رات کے اندھیرے میں آپ کی میت دار عثمان سے نکال کر آپ کی بیٹی سیدۃ عائشہ بنت عثمانؓ نے مشعل روشن کی اور یوں آپ کا جسد اطہر اس وقت کی بقیع الغرقد کی مشرقی دیوار کے باہر اس علاقے میں دفن کرا دیا گیا جو کہ آپ کے بیٹے حضرت ابان بن عثمانؓ کی ملکیت تھا اور "حش کوکب" کہلاتا تھا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، مروان بن الحکم کے دور میں وہ دیوار گرا دی گئی اور یوں یہ علاقہ بھی بقیع الغرقد میں شامل ہو گیا تھا۔ قبر سیدنا عثمانؓ کے اوپر سب سے پہلے قبہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک اور دیوار کے ساتھ تعمیر کروایا تھا جسے وہابیوں نے مدینہ طیبہ پر اپنی پہلی یلغار میں منہدم کر دیا تھا۔ تقریباً اس کے بعد عثمانی سلطان محمود نے ۱۲۳۳ ہجری میں ایک نیا قبہ تعمیر کروا دیا تھا۔ (۱۱۱) یہ قبہ تقریباً ایک سو سال تک قائم رہا اور پھر وہابیوں کی متشدد لہروں کی نذر ہو گیا اور اسے ۸ شوال ۱۹۲۵ء میں دوبارہ مسمار کر دیا گیا تاہم یہی ایک بے خطہ تھا جو کہ پوری طرح مسمار نہیں کیا گیا بلکہ اس کے ارد گرد فرش تک سلامت چھوڑ دیا گیا تھا کیونکہ اکناف عالم اسلام سے احتجاج کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مروان بن الحکم نے اپنے باپ حکم بن العاصؓ کو بھی سیدنا عثمانؓ کی قبر کے قریب ہی دفن کروا دیا تھا

روضہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ انہدام سے پہلے

دار عمات رسول اللہ ﷺ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھیوں) کا احاطہ

یہ مزار اسی بقیع الغرقد کے جنوبی مغربی کونے میں ایک الگ خطے کے طور پر رہا ہے جیسا کہ جنت البقیع کو "بقیع الغرقد" کہا جاتا ہے ویسے ہی اس علاقے کو بھی "بقیع العمات" کہا جاتا تھا اور دونوں کے درمیان ایک سڑک حد فاصل کے طور پر ہوا کرتی تھی۔ اب یہ منطقہ بقیع الغرقد کی چار دیواری کے اندر ہے اور اندر داخل ہونے پر اگر زائر اپنے دائیں ہاتھ باہر کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہے تو تھوڑے فاصلے پر ہی یہ مربع شکل کا احاطہ ہے جس میں تین قبور ہیں

کھودائی کے مطابق ان تینوں قبور پر کوئی قبہ نہیں ہوا کرتا تھا، صرف ایک بلند چار دیواری تھی جس کے اندر یہ قبور مطہرات تھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبہ جو ۱۹۲۵ء تک موجود تھا اور وہابیوں نے اسے مسمار کیا تھا وہ ترکوں کا تعمیر کردہ تھا۔ اس قبہ میں مندرجہ ذیل تین قبور تھیں

(۱) سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ (حضرت زبیر بن العوامؓ کی والدہ ماجدہ)

(۲) سیدۃ عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ

(۳) سیدۃ ام البنینؓ بنت حرام بن خالد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے شادی کر لی تھی اور

قبر مبارک سیدہ حلیمہ سعدیہ انہدام سے پہلے

نہیں کے بطن سے ان کے بیٹے ابوالفضل عباس بن عبدالمطلب تولد ہوئے تھے)

دار شیخ القراء سیدنا امام نافع کا احاطہ

یہ احاطہ حضرت عقیل بن ابی طالب کی قبر کے احاطے سے ذرا نیچے شرقی جانب الروحاء کے کونے والے مغربی حصے میں واقع ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل دو قبور ہیں

(۱) امام نافع جو کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے انہیں شیخ القراء بھی کہا جاتا ہے آپ کا شمار مدینہ طیبہ کے مشاہیر تابعین کرام میں ہوتا ہے اور انہوں نے کثرت سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے احادیث روایت کی ہیں

(۲) امام مالک بن انس الاصبحی آپ فقہ مالکیہ کے بانی ہیں اور ایک طویل عرصہ تک مسجد نبوی شریف کے امام رہے تھے جس کی وجہ سے آپ کو امام دارالہجرہ بھی کہا جاتا ہے۔

ان کی قبور مبارکہ اور فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم کی قبر مبارک کے درمیان ایک اور قبر بھی ہوا کرتی تھی، جس پر گنبد نہیں تھا، وہ قبر حضرت عبدالرحمن الاوسط بن عمر ابن الخطاب (جن کو عام طور پر ابوشحمہ بھی کہا جاتا ہے) سے منسوب تھی۔ ان کو ان کے والد ماجد حضرت عمر فاروق نے جرم کے ارتکاب پر حدود کی سزا کے طور پر اپنے ہاتھوں سے کوڑے مارے تھے جس سے وہ بیمار پڑ گئے تھے اور اسی حالت میں انتقال کر گئے تھے

قبر مبارک سیدۃ حلیمہ سعدیہ

سیدنا عثمان بن عفان کی قبر سے شمال کی جانب سیڑھیاں اترتی ہیں اسی پگڈنڈی پر بالکل سامنے حضرت حلیمہ سعدیہ کی قبر ہے اوپر دی گئی تصویر ۱۹۰۲ء کی ہے جب کہ پرانی بقیع الغرقد کی چار دیواری اس قبر شریف کے پاس سے ہو کر گزرتی تھی جیسے کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کسی بھی قدیم مورخ نے سیدۃ حلیمہ سعدیہ کی قبر مبارک کا بقیع الغرقد میں ہونے کے متعلق ذکر نہیں کیا حتی کہ امام سمہودیؒ نے اس ضمن میں لکھا ہے "بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدۃ حلیمہ سعدیہ، مرضعہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک بقیع الغرقد میں ہے، لیکن ہمیں اس کے لیے کوئی سند نہیں مل سکی" (۱۱۴) اس کے برعکس اولیا شلبی (وفات ۱۰۲۰ ہجری) کا بیان ہے کہ سیدۃ حلیمہ سعدیہ کی قبر شریف کے ساتھ ہی سیدۃ ام ایمن اور سیدۃ شیما بنت حلیمہ سعدیہ (رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن) کی قبور بھی وہیں واقع ہیں۔ اس اکلوتے بیان کے علاوہ ہمیں اور کوئی تاریخی شواہد نہیں مل سکے جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ وہ قبر مبارک سیدۃ حلیمہ سعدیہ ہی کی ہے۔ لیکن بقول امام سمہودی، جب بھی زائر وہاں جائے تو ان تینوں ہستیوں پر فاتحہ خوانی مستحسن عمل ہے

سعد ابن معاذ (جو کہ مبینہ طور پر سیدۃ فاطمہ بنت اسد کا دار تھا)

موجودہ بقیع الغرقد کے تقریباً شمال مشرقی جانب نصف قد آدم دیواروں کے احاطے میں دو قبور ہیں۔ عرصہ قدیم سے یہ مشہور رہا ہے کہ ان میں سے ایک قبر سیدۃ فاطمہ بنت اسد زوجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ) کی ہے، مگر روز اول سے ہی مورخین اس بات کی نفی کرتے رہے ہیں حتی کہ امام سمہودیؒ نے بھی اس کی تردید کی ہے ساتھ ہی ساتھ یہ بات صحیح ترین احادیث کے بھی خلاف جاتا ہے کیونکہ کئی احادیث مبارکہ میں جن میں مذکور ہے کہ سیدۃ فاطمہ بنت اسد بقیع الغرقد میں دفن ہوئی تھیں اور چونکہ یہ جگہ اس وقت بنو عبد اشہل کی رہائش گاہ تھی اور بقیع الغرقد سے کافی دور تھی، یہ دعویٰ کہ سیدۃ فاطمہ بنت اسد کو بقیع الغرقد کے باہر دفن کیا گیا تھا صحیح احادیث نبویہ شریفہ کے برعکس ہے تاہم اس کے برعکس اس بات کے کئی تاریخی شواہد ہیں کہ مذکورہ قبر حضرت ابو سعید الخدری کی ہے جہاں تک دوسری قبر کا تعلق ہے یہ بھی حتمی طور پر ثابت ہے کہ وہ قبر شریف حضرت سعد ابن معاذ کی ہے ان کو غزوہ خندق کے دوران تیر لگنے سے شدید زخم آیا تھا اور چند دن تک مسجد نبوی میں ان کا خیمہ نصب رہا تاکہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس ان کی تیمارداری فرمائیں پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو انہیں ایک گھر میں جسے دار بن افلح میں جو کہ بنی عبد الاشہل کے قبیلے کے گاؤں میں تھا دفن کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی حضرت محمد بن منکدرؒ نے حضرت محمد بن شرحبیلؒ سے روایت کیا ہے "ایک شخص (یقیناً وہ ایک صحابی ہی ہوں گے) نے حضرت سعد بن معاذ کی قبر مبارک سے اس دن جب ان کی تدفین ہوئی مٹھی بھر مٹی اٹھائی اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی" (۱۱۵) جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے دوسری صدی ہجری میں اس پر گنبد (عربی میں جنبذہ) تعمیر ہو چکا تھا یہ بات اس لحاظ سے اہم ہے کہ ان کے اہل خانہ میں سے تابعین کرام نے اس جلیل القدر صحابی رسول مقبول ﷺ کی قبر اطہر پر سب سے پہلا قبہ تعمیر کر دیا تھا۔ (لسان العرب ۴۸۲/۳ جنبذہ وہ لفظ ہے جس کے معنی گنبد کے ہیں جو کہ عرب میں 'قبہ' کا مترادف ہے)

اس قبر جات کے علاوہ بقیع الغرقد میں اور بھی بہت سے معروف مقامات ہیں جہاں امت اسلامیہ کے ان گنت سپوت محو استراحت ہیں۔ جب ہم فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم کی قبر مبارک سے مشرق کی جانب آگے کی طرف بڑھتے ہیں تو بائیں ہاتھ پر نصف قد آدم سیدہ پتھروں سے بنی چار دیواری کے اندر بھی چند قبور ملتی ہیں۔ اس مقام پر وہ شخصیتیں جنہوں نے یزیدی افواج (جن کی کمان مسرف بن عقبہ کر رہا تھا) کے ہاتھوں ۶۳ ہجری میں جام شہادت نوش فرمایا تھا، اجتماعی قبر میں مدفون ہیں۔ (۱۱۶) مشہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جو اس واقعہ حرہ میں شہید ہوئے تھے، چند کے نام یہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہؓ (مع اپنے سات بیٹوں کے)، حضرت عبداللہ ابن زیدؓ، حضرت معقل بن سنانؓ (جنہیں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے لشکر میں شمولیت کا اعزاز حاصل تھا) شامل تھے۔ مختلف روایات میں ہے کہ ۷۰ سے ۸۰ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس واقعہ میں شہید ہوئے تھے اس اجتماعی قبر میں دفن کیے گئے تھے۔ ان کے علاوہ چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو غزوہ احد میں شدید زخمی ہوئے تھے اور مدینہ طیبہ میں آ کر انہوں نے دم توڑا تھا وہ بھی اسی جگہ دفن کیے گئے تھے۔

اس صفحہ پر دی گئی دو تصاویر سیدہ حلیمہ سعدیہ کے مقبرہ کی ہیں۔ اوپر ۱۹۰۲ء، نیچے ۲۰۰۲ء

اس کے سامنے ہی ایک تنگ گلی تھی جس کے ایک طرف باب حضرت اسماعیل بن جعفر صادق (جو کہ اسماعیلیوں کے بانی امام ہیں) کی قبر ہے (۷) ان کا اصل مدفن تو بقیع الغرقد سے باہر ایک شہری فصیل سے متصل امام زین العابدینؒ کے پاس تھا جو کہ باب البقیع اور شارع ابی ذر غفاری کے سنگم پر فصیل کے اندر کی طرف تھا ایک تنگ سی گلی ہوا کرتی تھی جو کہ اس مزار پر جایا کرتی تھی جس کا نام اسی وجہ سے امام اسماعیل ہوا کرتا تھا امام سمہودی کے مطابق اس مزار کے اوپر ایک گنبد تھا جو کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے قبہ کی مانند تھا فاطمیوں کے ایک شاہ نے تعمیر کروایا تھا جو مصر پر حکمران تھا تاہم جب قدیم فصیل گرائی گئی تو ساتھ ہی یہ مزار بھی ہموار کر دیا گیا اور امام اسماعیل کی باقیات کو بقیع الغرقد میں اس مقام پر منتقل کر دیا گیا تھا اس کے ساتھ ہی حضرت زین العابدینؒ کا تاریخی کنواں بھی پر کر دیا گیا تھا

یہ چند ایک مشہور و معروف قبور کی تفصیل ہیں ان کے علاوہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ رہے ہیں ابن نجار (وفات ۶۴۳ ہجری) کے الفاظ میں "ہماری بقیع الغرقد ایک کثیر التعداد قبور کی شکل میں ہے جو کہ مشہور ہیں (ترجمہ) پر مشتمل ہے جہاں کوئی نہیں جانتا کہ کون سی شخصیت کون سے اصحابی یا تابعی یا عام مسلم کا محل ہے اور یہ میں مجموعہ ہے" (۸) چونکہ تمام اکناف عالم سے مسلمان مدینہ طیبہ زیارت اور تحصیل علم کے لیے آتے رہے ہیں بہت سے تو واپس چلے جاتے رہے مگر ان میں ان گنت ایسے بھی تھے جنہوں نے مدینہ طیبہ کو ہی اپنا مسکن بنایا اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ ہی ان کا مدفن بن گیا اس طرح ان علماء و صلحاء کے درخشندہ ستارے بقیع الغرقد کی شور یلی زمین کے نیچے اپنے شفیع مشفق ﷺ کے سایہ عاطفت میں مسجد نبوی کے جوار رحمت میں مدفن ہیں برصغیر ہند میں سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے لے کر حسین احمد مدنی تک اور مصر سے امام سمہودی اور شیخ جعفر برزنجی وغیرہ، تیسویں صدی کے کوہ قاف کی سحر انگیز شخصیت امام شامل نقشبندی جن کی روحانیت کی زلف دراز کی خوشبو سے آج بھی چیچنیا، داغستان اور افغانستان کے کوہ و دمن مہک رہے ہیں سے لے کر قطب وقت ضیاء الدین مدنیؒ تک، سب ہی بقیع الغرقد میں محو استراحت میں اس یوم نشور کے منتظر بیٹھے ہیں کہ کب صور اسرافیل پھونکا جائے گا اور کب اپنی جبینوں کے ساتھ جو کہ ماہ تمام کی طرح منور اور تاباں ہوں گی وہ اپنی قبور شریفہ سے باہر آئیں گے اور رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین کا استقبال کریں گے

مسجد ابی کعبؓ (مسجد البقیع)

بقیع الغرقد کی تفصیل کے متعلق باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم ایک نہایت ہی بار یک مگر ایک اہم نقطے کی طرف قارئین کی توجہ دلانا چاہیں گے جب ہم جنت البقیع میں داخل ہوتے ہیں اور دار منورہ دار امہات المومنین یا دار عقیل کی طرف ہوتا ہے تو وہ جگہ جہاں پر ہر وقت ہجوم لگا رہتا ہے، یہ مقام بقیع الغرقد میں بہت ہی ہیبت و تقدس کا حامل ہے یہ وہی جگہ ہے جہاں پر شفیع المذنبین اور انیس الغریبین حبیب کبریا علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کھڑے ہو کر اپنے امتی مدفونین بقیع کے حق میں رب ذوالجلال کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگا کرتے تھے (۹) اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جو کہ مسجد حضرت ابی بن کعبؓ یا مسجد بنی جدیلہ کہلاتی تھی۔ ابن شبہ کے بیان کے مطابق یحییٰ بن سعیدؒ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد ابی بن کعبؓ میں جایا کرتے تھے اور آپ حضرت ﷺ نے بہت دفعہ اس جگہ نماز بھی ادا کی تھی۔ ایک مرتبہ رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا "اگر اس بات کا خدشہ نہ ہو کہ لوگ گروہ در گروہ اس جگہ کا رخ کریں گے تو میں بہت زیادہ نمازیں اس جگہ ادا کروں" امام سمہودیؒ کا بیان ہے کہ ۹۰۲ ہجری میں امیر شجاعی نے چاہا کہ اس مسجد کی تعمیر نو کر دی جائے جب اس مسجد کی بنیادیں گہرائی تک کھودی جارہی تھیں تو نیچے سے پتھروں سے بنی پرانی دیواریں ظاہر ہو گئیں جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ مسجد کی باقیات تھیں (۱۲۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲ ہجری) جنہوں نے مدینہ طیبہ میں ۲۳ ربیع الاول ۹۹۷ ہجری سے رجب ۹۹۸ ہجری تک قیام کیا اور اپنی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ جذب القلوب الی دیار المحبوب تحریر کی، وہ بھی اس مسجد کے متعلق رقمطراز ہیں کہ یہ مسجد جو کہ دیکھنے میں بہت چھوٹی سی ہے اور اسے عام لوگوں میں "موقف نبی" یعنی وہ مقام جہاں پر رسول مقبول ﷺ بوقت زیارت بقیع الغرقد کھڑے ہو کر دعا کرتے تھے کہا جاتا ہے (۱۲۱) اس کے علاوہ دسویں صدی ہجری کے ایک اور مورخ عباسی نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مسجد ابی بن کعبؓ دار امہات المومنین اور دار عقیلؓ کے مغرب میں موجود تھی اور اسے اکثر اوقات مسجد البقیع بھی کہا جاتا تھا (۱۲۲) پھر جب وہ قدیم مسجد قریب المنہدم ہو گئی تو ترکوں نے اس کی تعمیر نو کر وادی اور اس کی محراب کو مرمت کروایا (۱۲۳) یہ ۱۲۹۵ ہجری میں ہوا اور اس کے دروازے پر سنگ مرمر کا کتبہ لگا دیا گیا جس پر لکھا تھا "یہ حضرت ابی بن کعبؓ کی مسجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک سے زیادہ مرتبہ نماز ادا کی تھی" ابراہیم رفعت پاشا کے مطابق ۱۹۰۰ء میں یہ مسجد بہت خستہ حالت میں تھی۔ جب سعودی دور شروع ہوا تو لوگوں نے وہاں اپنے نمازی کے آثار مٹنے شروع کر دیے لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ مسجد بے اعتنائی کا شکار ہوتی گئی اور جیسے جیسے بقیع الغرقد مختلف توسیعی مراحل سے گزرتی گئی ویسے ویسے اس آثار نبویہ کی باقیات معدوم ہوتی چلی گئیں، اور پھر ایک دن اس کا ملبہ اٹھا کر پھینک دیا گیا اور یوں "موقف نبی" "موقف زائرین" میں تبدیل ہو گیا جہاں زائرین جوتیاں لیکر کھڑے ہو کر ادھر ادھر تک رہے ہوتے ہیں مگر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس مقام پر جوتیوں سمیت کھڑا ہے جہاں رسول مقبول ﷺ کی جبین طاہرہ کئی بار سجدہ ریز ہوئی تھی بقیع الغرقد میں مختلف جگہوں پر سعودی پر بیٹھے مرشدین سے اگر اس کا استفسار کیا جائے تو پہلے تو تاک جھانک کرتے ہیں اور پھر بعد میں بقیع الغرقد میں واقع آثار نبوی (یعنی مسجد حضرت ابی بن کعبؓ) کے متعلق اپنی جہالت کو چھپانے کے لیے شرک کے متعلق وعظ جھاڑنا شروع کر دیتے ہیں

اس جگہ سے بائیں ہاتھ ایک تکونی سی جگہ ہے جس میں بھی کافی قبور ہیں، یہاں سابقہ دنوں میں بقیع الغرقد کے بہت سے متولیوں اور مشائخ کی قبور ہیں جن میں خاص طور پر مدینہ طیبہ کے سمان خاندان جو کہ قادریہ سلسلہ کے مشہور مشائخ تھے، کے بزرگوں کی قبور ہیں (حال ہی میں وہاں جدید تدفین بھی ہونی شروع ہو گئی ہیں) اسی طرح جہاں مختلف زبانوں میں بہت بڑے بڑے سائن بورڈ لگائے گئے ہیں ان سائن بورڈ (جہاں حال ہی میں ایک شیڈ تعمیر کر دیا گیا ہے) عثمانی دور کے ترک زعماء اور علماء کی قبور ہوا کرتی تھیں

اسی طرح ایک اور نقطہ جو کہ ہم قارئین کرام کی توجہ میں لانا چاہیں گے وہ یہ ہے کہ اگر ہم بقیع الغرقد کے صدر دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر مسجد نبوی شریف کی طرف ایک نگاہ ڈالیں تو جو چیز فوراً محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے جنت البقیع کا سطح زمین جو کہ مسجد نبوی شریف کے گرد و نواح سے بہت اونچی دکھائی دیتا ہے یہ اونچائی بذات خود ہی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ پچھلے چودہ سو سالوں میں بے شمار افراد

مسجد قبلتین کے بارے میں وقیع قبرستان جہاں نبی ﷺ کے بہت سے اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم مدفون ہیں

ں بقعہ طاہرہ میں دفن ہوتے رہے ہیں، جن سے قدرتی طور پر یہاں کی سطح ارد گرد کے علاقوں سے بلند ہوگئی ہے۔ اس کی زمین بہت حد تک شوریلی ہے۔ وہاں بنے والی قبریں زیادہ عرصہ اپنی حیثیت برقرار نہیں رکھ سکتیں اور موسمی اثرات سے جلد ہی بیٹھ کر ہموار ہو جاتی ہیں۔ صدیوں کے مرورِ ایام نے ایک قبر پر کئی کئی قبریں استوار کردی ہوں گی۔ اس سے ان سوالات کا جو کئی زائرین کے ذہنوں میں ابھرتے ہوں گے جواب خود بخود مل جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اہل مدینہ طیبہ کے اقوال کے مطابق اس علاقے میں بھی جو سادہ قبور بنائی جاتی ہیں وہاں بھی چھ ماہ سے زیادہ کوئی قبر قائم نہیں رہتی اور اس کی جگہ دوسرا مردہ دفنا دیا جاتا ہے۔ بلدیہ حرم کے لوگ مختلف پیمائش کی بہت سی قبریں تیار رکھتے ہیں تاکہ دفنانے کے لیے آنے والوں کا وقت ضائع نہ ہو۔ مدینہ طیبہ میں کندھوں پر میت کے اٹھانے کا رواج اب تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ بلدیہ کی گاڑیاں یہ خدمت سرانجام دیتی ہیں۔ ورمیت کو سٹریچر پر رکھ کر بقیع الغرقد کے مشرقی دروازے سے لایا جاتا ہے۔ زیادہ تر تدفین نماز فجر کے بعد ہی ہوتی ہے لیکن اکا دکا تدفین کے واقعات روز روشن میں بھی ہوتے رہتے ہیں خاص طور پر ان میتوں کے جن کے جنازے ان کے وقت کی نمازوں کے فوراً بعد مسجد نبوی شریف میں پڑھے جاتے ہیں۔

سعودی دور میں بقیع الغرقد کے گرد چار دیواری کو ۱۹۷۹ء میں مرمت کر دیا گیا تھا۔ بعد میں جب شاہ فہد کے دور میں مسجد نبوی شریف کی تاریخ میں سب سے بڑی توسیع عمل میں آئی تو بقیع الغرقد کی حدود میں بھی اضافہ کیا گیا اور اس کے گرداگرد خوبصورت اور مضبوط اور بلند دیوار تعمیر کر دی گئی۔ داخلے کے بعد دائیں ہاتھ پر ایک مسقّف شیڈ تعمیر کیا گیا اور وہاں پانی کی ہمہ وقت فراہمی کے لیے ٹونٹیاں لگا دی گئیں اور پینے کا پانی بھی وافر مقدار میں مہیا کیا گیا۔ حال ہی میں دائیں جانب بھی (جہاں کبھی ترک مشائخ کی قبور ہوا کرتی تھیں) زیادہ حصہ پر مسقف شیڈ تعمیر کر دیا گیا ہے۔ دار اہل بیت کی طرف جانے سے منع کرنے کے لیے آہنی جالی نصب کر دی گئی ہے۔ زیارت کے لیے اوقات مختص ہیں۔ ماضی میں تو خواتین و حضرات دونوں کو اندر داخلے کی اجازت تھی مگر ۱۹۸۵ء کے بعد سے خواتین کے اندر جانے کی اجازت نہیں رہی اور مردوں کو بھی نماز فجر، ظہر اور عصر کے بعد تقریباً ایک ایک گھنٹہ تک اندر جانے کی اجازت ہے۔

مدینہ طیبہ میں چند دیگر قبرستان

گرچہ مدینہ طیبہ میں یوم اول سے سب سے اہم قبرستان بقیع الغرقد اور بنو سلمہ کا قبرستان ہی رہے ہیں لیکن بہت سے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی اپنی آبادیوں میں یا پھر اپنے اپنے آبائی قبرستانوں میں بھی دفن ہوتے رہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو موجودہ مدینہ طیبہ میں جہاں جہاں بھی اس وقت قبائل کے گاؤں آباد تھے، وہاں کوئی نہ کوئی قبرستان ضرور تھا۔ اس بات کے ان گنت تاریخی شواہد سامنے آچکے ہیں۔ نئی تعمیرات کے سلسلے میں جب بھی گہرائی میں کھدائی ہوئی تو کوئی نہ کوئی قبر ضرور برآمد ہوئی اور بہت سے مدفونین کی میتیں صحیح سلامت نکلیں جنہیں بعد میں یا تو اسی جگہ ہی دفن کر دیا گیا یا پھر ان کے اجسادِ خاکی کو دوسری جگہوں پر منتقل کر دیا گیا۔ مدینہ طیبہ کے عصر حاضر کے مشہور مدنی مورخ اور آثار قدیمہ کے ماہر ابراہیم العیاشی نے ایک ایسا ہی دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ایک مرتبہ شارع حبیب پر (مسجد نبوی شریف کے جنوب میں الزرودان کا علاقہ جہاں آج کل قصر الحکم اور مدینہ طیبہ کی شریعت کی عدالتیں اور سواق
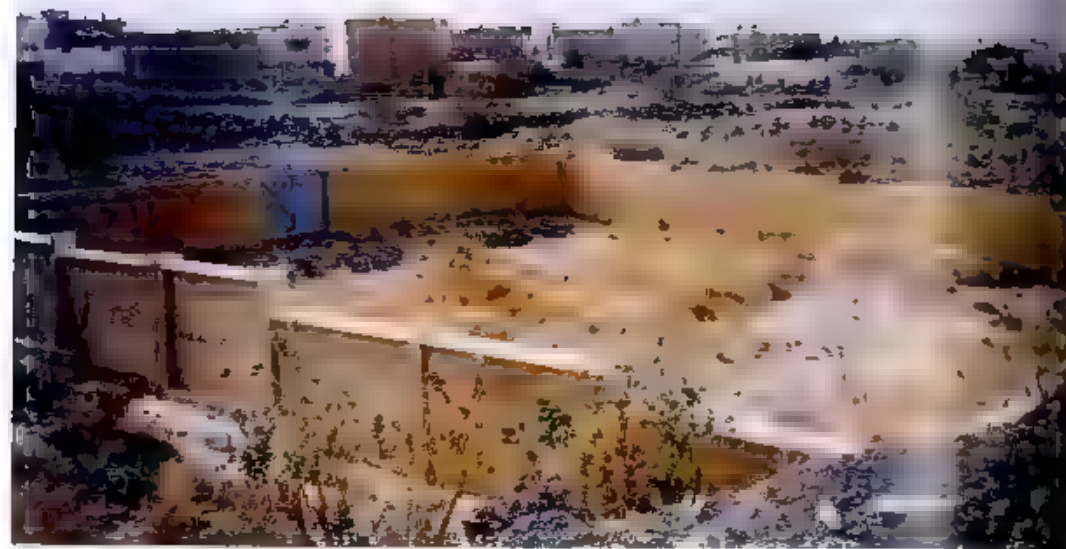
قصر عروہ بن زبیرؓ کے پاس تاریخی مقبرہ جہاں حضرت عروہؓ بن زبیر مدفون ہیں (۲۰۰۳ء)

وغیرہ تعمیر ہوئے ہیں) کھدائی ہو رہی تھی تو سطح زمین سے تقریباً چار میٹر نیچے سے ایک پرانی قبر سے ایک خوبصورت نوجوان کی میت برآمد ہوئی جس کی داڑھی گھنی اور سیاہ تھی، اور جسم پوری طرح سلیم تھا اور حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ میت اپنی آنکھیں کھول کر کھدائی کرنے والوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فاضل مصنف کے خیال میں وہ میت شہدائے احد میں سے کسی کی تھی۔ اس کے بعد اس میت کو پورے احترام کے ساتھ بقیع الغرقد میں دفن کر دیا گیا (۲۴) ایسے بے شمار واقعات اہل مدینہ بیان کرتے ہیں۔ خاص طور پر حرہ غربیہ اور وہ علاقہ جہاں اب وقف داؤدیہ کی عالیشان عمارت تعمیر کی گئی ہے، وہاں ایسے بہت سے واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔

قبر مبارک والد ماجد سید الانبیاء سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ

واقدی کا بیان ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ قریش کے ایک قافلے کے ساتھ گھر سے شام کے سفر کو نکلے۔ اپنے کاروباری معاملات سے فارغ ہو کر انہوں نے واپسی کا رختِ سفر باندھا اور مدینہ طیبہ میں آکر رک گئے۔ وہاں پر ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ وہ انہیں ان کے ننھیال کے ہاں ہی چھوڑ جائیں۔ جب قافلہ مکہ المکرمہ پہنچا تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے متعلق استفسار کیا۔ انہیں بتایا گیا کہ چونکہ وہ راستہ میں بیمار پڑ گئے تھے اس لیے انہیں ان کے ننھیال میں بنی عدی کے ہاں (جو کہ بنو النجار کی ایک شاخ تھی) چھوڑ آئے ہیں۔ اس پر حضرت عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا جن کو پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ تو وفات پا چکے تھے اور یہ کہ انہیں دارالنابغہ میں دفن کر دیا گیا تھا۔ وہ واپس چلے گئے اور اس خبر سے اپنے والد (حضرت عبدالمطلب) کو مطلع کیا۔" (۱۲۵)

مسجد قباء کے قبلہ کی جانب قدیم قبرستان جہاں بہت سے اصحاب کرام مدفون ہیں

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: [جناب رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کے ساتھ تھے جب آپ چھ سال کے ہوئے تو آپ اپنے ننھیال بنی عدی بن النجار کو ملنے گئے۔ سیدہ ام ایمنؓ بھی ہمراہ تھیں۔ یہ چھوٹا سا قافلہ دو اونٹوں پر سفر کر رہا تھا۔ سیدہ آمنہؓ آپ کے ساتھ دارالنابغہ میں ٹھہریں۔ انہوں نے وہاں ایک ماہ قیام کیا۔ جناب رسول مقبول ﷺ کو اس وقت کے اہم واقعات یاد تھے۔ ایک مرتبہ آپ حضور ﷺ نے بنی عدی بن النجار کا اطم (چوبارہ) دیکھا تو اسے پہچان لیا اور فرمایا "میں ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ جو کہ اس اطم میں ایک انصاری کی جاریہ ہوا کرتی تھیں اور میں اپنے (والد کے) ننھیال میں سے ایک ماموں کے ساتھ

کھیلا کرتا تھا اور ہم دونوں مل کر ایک پرندے کو جو کہ اس اطم پر آ کر بیٹھا کرتا تھا اڑایا کرتے تھے پھر آپ نے ایک گھر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا یہ ہے وہ گھر جس میں میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ رہا تھا اور اسی گھر میں میرے والد عبد اللہ بن عبد المطلب کی قبر ہے اور میں نے بنی عدی کے کنویں کے پاس ایک حوض میں تیرنا سیکھا تھا]۔(۱۳۶)

حضرت ابن زید البخاریؒ سے مروی ہے [یہ بھی حضرت عبداللہ بن عبد المطلبؓ کی قبر دار النابغہ میں ہے] اس بیان کی مزید تصدیق ایک اور تابعی حضرت فلیحؒ بن سلیمانؒ نے کی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ [ان کی قبر دار النابغہ میں ہے] سیدنا عبد اللہ بن عبد المطلبؓ شام سے واپسی پر مدینہ طیبہ میں بیمار پڑ گئے تھے انکی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور قبائلی رسوم کے مطابق انہیں ان کے قبیلے کے علاقے میں بنی نجار کے ایک گھر میں دفن کر دیا گیا طبقات ابن سعد، اسد الغابہ اور الاستیعاب بھی اسی بیان کی تائید کرتے ہیں انہوں نے جو وراثت اپنے در یتیم کے لیے چھوڑی، وہ یہ تھی (۱۳۷)

(۱) سیدہ ام ایمنؓ، جو کہ ان کی جاریہ تھیں (آپ کا اصلی نام برکہ حبشیہ تھا اور آپ حضرت اسامہ بن زید بن الحارثہؓ کی والدہ تھیں)

(۲) ۵ عدد اونٹ،

(۳) ایک گھر جس میں سیدتنا آمنہ بنت وہبؓ رہا کرتی تھیں، اور جہاں پر رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی، اور

(۴) ایک تلوار جس کا نام "ماثور" تھا (۲۸)

بیسویں صدی کی ستر کی دہائی کے شروع میں جب شاہ فیصل مرحوم نے مسجد نبوی شریف کو مغربی جانب وسعت دینے کا حکم جاری کیا تو اس طرف گرد و نواح میں جتنا علاقہ تھا اس کو حکومت نے حاصل کر لیا۔ زقاق طوال (طوال سٹریٹ) جس میں یہ دار النابغہ واقع تھا بھی اسی توسیع کی زد میں آ گیا تمام رہائشی مکانات، سکول، رباطیں اور تاریخی قبور جن میں حضرت عبد اللہ ابن عبد المطلبؓ کی قبر بھی شامل تھی، اسی توسیعی منصوبے سے متاثر ہو گئے اور ایک رات بعد یہ مدینہ طیبہ کے حکام نے اس پورے علاقے سے تمام قبور ہٹا دیں اور راتوں رات ان قبور میں محو استراحت اجساد طاہرہ اور مطہرہ کو نکال کر بقیع الغرقد میں دوبارہ دفن کر دیا گیا ان میں ابو النبی سیدنا عبد اللہ بن عبد المطلبؓ کا جسد خاکی بھی تھا ہم نے بہت سے ذریعوں سے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ دار النابغہ سے سیدنا عبد اللہ بن عبد المطلبؓ کے جسد اطہر کے علاوہ دو چچا اور اصحاب کرام کے اجساد خاکی بھی برآمد ہوئے تھے اور پھر انہیں اسی رات بقیع الغرقد میں دوبارہ دفن کر دیا گیا تھا ان سب کے اجساد خاکی بالکل صحیح اور تروتازہ نکلے تھے اسی طرح کا معاملہ مشہور صحابی حضرت مالک بن سنانؓ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا یہ تمام مقامات اب مسجد نبوی کی مغربی جانب کی توسیع شدہ عمارت کا حصہ بن چکے ہیں محتاط اندازے کے مطابق یہ جگہ مغرب میں باب الصدیق کے تھوڑا اندر کی طرف ہے

الابواء کے قریب سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ ام النبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک

ام النبی سیدۃ آمنہؓ بنت وہب بن عبد مناف کی قبر اطہر

اگرچہ قبر ام النبی سیدتنا آمنہ بنت وہبؓ تاریخ مدینہ طیبہ کا جزو نہیں، لیکن چونکہ ماضی قریب میں اس موضوع پر متضاد بیان بازی ہوئی ہے، ہم چاہیں گے کہ چونکہ ابو النبی سیدنا عبد اللہ بن عبد المطلبؓ کی قبر کی تفصیلات ہم نے بیان کی ہیں، ساتھ ہی ام النبی سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر کے بارے میں بھی قاری کی معلومات کو درست کر دیا جائے تاکہ سرور دو عالم ﷺ کے والدین کریمین کی قبور مطہرہ کے محل وقوع کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے حضرت نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدتنا آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ الزہریہ کی قبر اطہر الابواء میں ہے جو کہ مستورہ گاؤں سے تقریباً آٹھ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ رابغ سے اس کا فاصلہ ۴۳ کیلومیٹر ہے۔ الابواء کے گاؤں میں زیادہ تر حرب اور بنو ایوب کے لوگ آباد ہیں عصر جدید کے سعودی عرب میں اس وادی کو وادی الخریبہ کا نام دیا جاتا ہے مگر ابھی بھی الابواء کا نام زبان زد عام ہے چونکہ باہر سے آئے ہوئے اکثر زائرین مدینہ طیبہ کی زیارت کے دوران ابواء بھی چلے جایا کرتے تھے اور یہ بات عصر حاضر کے مدینہ کے علماء کے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتی تھی اس لیے اس قبر اطہر کو ہموار کر دیا گیا پھر جب بین الاقوامی طور پر احتجاجات کا سلسلہ شروع ہوا تو انہوں نے مبہم سی روایات میں پناہ ڈھونڈنی شروع کر لی جس سے انہوں نے لوگوں کو یہ باور کروانے کی سعی لاحاصل کی گئی کہ ام النبی سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر تو سرے سے الابواء میں تھی ہی نہیں یہ اپنی ہی چودہ سو سال کی مستند تاریخ کے منہ پر طمانچہ مارنے کے مترادف تھا۔ ہمارا مقصد اس تنازع کو طول دینا نہیں، بلکہ اس سلسلے میں جتنی بھی مستند روایات وارد ہوئی ہیں ان کو قارئین کی توجہ میں لانا ہے

ابن اسحاق رقمطراز ہیں "[حضرت عبداللہ بن ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزمؓ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ کا انتقال اس وقت ہوا جب وہ آپ حضور ﷺ کو چھ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد کے ننھیال کو ملانے کے بعد واپس مکہ لوٹ رہی تھیں، الابواء میں ہوا جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے](۱۲۹)

ابن اسحاق سے اتفاق کرتے ہوئے اور اپنے بیان کو دیگر حوالوں سے مزید قوی بناتے ہوئے واقدی دوٹوک الفاظ میں لکھتے ہیں: [رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ اور سیدۃ ام ایمنؓ کی معیت میں مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اس وقت آپ حضور ﷺ کی عمر مبارک چھ سال تھی، آپ کی والدہ ماجدہ آپ ﷺ حضور کے والد کے ننھیال گئی تھیں۔ سیدۃ ام ایمنؓ نے بیان کیا ہے: "ایک دن دو آدمی یہودیوں میں سے میرے پاس آئے اور کہنے لگے "ذرا ہمیں احمد پر ایک نظر ڈالنے دو۔" دونوں نے آپ حضور ﷺ کو دیکھا، پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: "یہ اس قوم (امت) کے نبی ہیں اور یہ یثرب ان کی جائے ہجرت ہے۔ اب بہت قتل و غارت ہوگا اور فسادات ہوں گے" یہ بات آپ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بھی سن لی اور وہ ڈر گئیں اور انہوں نے آپ حضور ﷺ کو ان یہودیوں سے چھین لیا۔ اس کے بعد جب آپ مکہ واپس آ رہی تھیں تو الابواء میں انتقال فرما گئیں۔](۱۳۰) ابن الجوزی کا بیان ہے: "جب حلیمہ سعدیہؓ رسول اللہ ﷺ کو مکہ واپس چھوڑ گئیں تو آپ

حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ سیدۃ آمنہ کے پاس رہنے لگے جب آپ حضور ﷺ کی عمر چھ سال کی ہوگئی تو وہ عازم مدینہ طیبہ ہوئیں تاکہ آپ اپنے والد ماجد کے ننھیال سے ملیں جو کہ بنی عدی بن النجار سے تھے اس وقت آپ کے ہمراہ سیدۃ ام ایمنؓ یعنی آپ حضور ﷺ کی دایہ بھی تھیں وہ مدینہ میں ان لوگوں کے پاس ایک ماہ رہے اور پھر عازم مکہ ہوئے سیدۃ آمنہ کا انتقال ابواء کے مقام پر ہوا اور وہیں ان کی قبر بھی ہے پھر جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر ابواء کے پاس سے گزرے تو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر بھی تشریف لے گئے اور وہاں جاکر روتے رہے۔" (۱۳۱)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث کو نقل کرتے ہوئے جس میں کہا گیا ہے کہ والد نبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ دار النابغہ میں مدفون ہیں، ابن سعد ان تمام واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کرتے ہیں جو کہ ام النبی سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی وفات حسرت آیات تک ہوئے تھے۔ وہ رقمطراز ہیں پھر آپ (یعنی سیدۃ آمنہ) اپنے لخت جگر کے ساتھ مکہ کے واپسی سفر پر روانہ ہوگئیں اور جب آپ الابواء پہنچیں تو وہاں آپ کا وصال ہوگیا آپ کی قبر وہیں پر ہے پھر ام ایمنؓ آپ کے ساتھ دونوں اونٹوں پر سوار مکہ پہنچ گئیں انہوں نے آپ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کے بعد آپ کی دیکھ بھال کی جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے موقع پر الابواء سے گزرے تو آپ نے فرمایا [بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت دی ہے] (۱۳۲) کیا اس بیان سے بھی بڑھ کر اور کوئی سند ہوسکتی ہے جو کہ کسی اور کا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے سگے چچیرے بھائی کا ہے؟

بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کا اپنی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر پر جانے کا ذکر ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے [ہم اس دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جارہے تھے جب آپ قبر پر پہنچے تو آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ قبر کس کی ہے؟ ہم نے عرض کیا "یہ صرف اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں۔" آپ حضور ﷺ نے فرمایا [یہ میری والدہ (ماجدہ) آمنہ کی قبر ہے، جبریل امین نے مجھے اس کا رستہ دکھایا ہے]] (۱۳۳)

ابن سعد کا بیان ہے [رسول اللہ ﷺ الابواء کے پاس سے عمرہ حدیبیہ کے موقع پر گزر رہے تھے آپ نے فرمایا [بلاشک اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت دے دی ہے] لہٰذا آپ حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے، اور اس قبر کو اپنے ہاتھوں سے مرمت کیا اور اس کے پاس زار و قطار رونے لگے یہ دیکھ کر سب اصحابہ کرام بھی زار و قطار رونے لگے آپ نے فرمایا [میں نے ان کی محبت کو محسوس کیا ہے جس سے مجھے رونا آگیا] (۱۳۵) اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جس میں کہا گیا ہے کہ ان کو مکہ میں دفن کیا گیا تھا، ابن سعد نے دوٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ [یہ غلط ہے ان کی قبر تو الابواء میں ہے] (۱۳۶)

ابو عبداللہ الاسدی (جو کہ تیسری صدی ہجری کے مشہور علماء میں سے تھے) کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے امام سمہودیؒ نے لکھا ہے کہ ان مساجد میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک یا دو نمازیں ادا کی تھیں ایک مسجد الابواء میں بھی ہے جو کہ اس گاؤں کے وسط میں واقع ہے۔ (۱۳۷) الابواء کے گاؤں کے وسط میں ایک مسجد کا ہونا جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی تھی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ آپ نے وہ نماز اس وقت ادا کی تھی جب کہ آپ حضور ﷺ الابواء تشریف لے گئے تھے ابواء کے باسی آج بھی ایک مسجد کا ذکر کرتے ہیں جو کہ اسی قصبے کے پاس ہی ایک پہاڑی پر واقع ہے جسے مسجد النبی کہا جاتا ہے۔ یہ مسجد اب صرف کھنڈرات کی شکل میں موجود ہے نبی کریم ﷺ نکل کر اس علاقے میں صرف معدودے چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں غزوہ ودان (جو کہ پہلا غزوہ تھا جس کی قیادت حضور پر نور ﷺ نے بنفس نفیس فرمائی تھی اور بنو ضمرہ کے ساتھ معاہدہ امن پر منتج ہوئی تھی بایں حالیکہ بنو ضمرہ نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا) پر تشریف لے گئے تھے ابن اسحاق کے الفاظ میں [پھر آں حضرت ﷺ ہجرت مبارکہ کے بارھویں ماہ صفر کے اخیر میں نکل پڑے یہاں تک

کہ آپ حضور ﷺ ودان پہنچ گئے تاکہ بنو قریش اور بنو ضمرہ سے مقابلہ کیا جاسکے مخشی بن عمرو الضمری نے معاہدہ امن کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی اسے غزوہ ابواء کا نام دیا گیا ہے] (۱۳۸) اہم بات یہ ہے کہ ودان کا قصبہ الابواء سے چھ میل کی مسافت پر تھا جہاں بنو ضمرہ رہا کرتے تھے اور ابن اسحاق کے علاوہ تمام قدیم سیرۃ نگاروں نے یہ بات روا رکھی ہے کہ "خرج من المدینۃ (اثنی عشر شہرا) ... في صفر ... حتی بلغ ودان" اس قلیل مدت کے غزوہ میں نہ تو اس وقت کوئی جنگ ہوئی اور نہ ہی حضور پر نور ﷺ الابواء تشریف لے گئے تھے "حتی بلغ ودان" سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ صرف ودان تک ہی تشریف لے گئے تھے اس تناظر میں دیکھا جائے تو ابواء جاکر نماز ادا کرنے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا۔ الابواء میں حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز اس وقت ادا کی تھی جب کہ آپ غزوہ حدیبیہ سے واپس لوٹ رہے تھے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ حضور ﷺ غزوہ حدیبیہ میں مکہ مکرمہ میں اپنی والدہ کی قبر اطہر پر تشریف لے گئے تھے خود بھی احمقوں کی جنت میں بستے ہیں اور دوسروں کو بھی بیوقوف بنانے کی سعی کرتے ہیں غزوہ حدیبیہ میں تو صرف صلح حدیبیہ ہوئی تھی وہ بھی مکہ مکرمہ سے چھ میل باہر بیٹھ کر معاہدے کی شرائط کے تحت تو آپ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں اس وقت جا ہی نہیں سکتے تھے اور بغیر عمرہ کئے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے صلح نامہ پر دستخط کرنے کے بعد اور مشرکین مکہ کی یہ شرط مان لینے کے بعد کہ آپ حضور ﷺ مکہ میں داخل نہیں ہوں گے، آں حضرت ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر ہی ستر اونٹوں کی قربانی دی اور پھر مدینہ طیبہ کا رخ فرمالیا (۱۳۹) تمام مؤرخین اور سیرۃ نگاروں کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر غزوہ حدیبیہ کے موقع پر ہی گئے تھے نہ کہ بعد میں یا اس سے پہلے ذہن رسا کتنی ہی اڑان کیوں نہ بھرے اور اس بارے میں وارد احادیث مبارکہ کی کتنی بھی تاویلیں نہ کرلے دلائل یہ ثابت کرنے سے قاصر رہیں گے کہ جب آپ حضور ﷺ مکہ میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے تو مکہ میں اس مبینہ قبر پر کیسے تشریف لے گئے تھے جو مدعیان کے مطابق سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی تھی اور مکہ مکرمہ کے اندر ہی تھی

جہاں تک ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے منسوب اس حدیث کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تھی جس میں اس زیارت کے علاوہ اس بات کا بھی ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا پر سیدۃ آمنہؓ قبر سے باہر زندہ ہوکر آگئی تھیں اور ایمان لانے کے بعد اپنی قبر میں واپس تشریف لے گئی تھیں، اس روایت کے حد درجہ ضعف اور موضوع ہونے کی تصدیق مشاہیر علمائے کرام نے کی ہے جن میں حافظ ابوالفضل بن ناصر الدین، جورقانی، ابن الجوزی، ذہبی اور حافظ ابن حجر شامل ہیں، اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی حدیث مبارکہ جس میں شک سے کہا گیا ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے مکہ میں اپنی والدہ ماجدہؓ کی قبر کی زیارت یا تو عمرۃ القضاء یا پھر حجۃ الوداع کے وقت کی تھی، محدثین کی رائے میں ضعیف ترین روایت ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے اکابر اور قدیم سیرۃ نگاروں نے ان روایات کا سرے سے بطلان کیا ہے کہ سیدۃ آمنہ مکہ مکرمہ میں مدفون تھیں۔ ابن اسحاق اور ابن سعد سے لے کر حافظ دمیاطی تک سب نے ایسی روایات کو غلط قرار دیا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ سیدۃ آمنہؓ مکہ مکرمہ میں مدفون تھیں۔ امام ذہبی تو اس روایت کے موضوع ہونے پر اس درجہ اصرار کرتے تھے کہ صاف اعلان کیا کرتے تھے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے۔ علامہ سیوطی نے ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے منسوب روایت کو حد درجہ ضعیف قرار دیا ہے مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے "السیرۃ الحلبیہ" از علامہ ابی الفرج نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی الشافعی (متوفی ۱۰۴۴ ہجری) مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲، صفحات ۵۴ - ۱۵۷

مجد الدین فیروز آبادی کا بیان ہے [الابواء میں ام النبی سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر ہے۔ ان کو وہاں دفن کئے جانے کی وجہ یہ تھی کہ ابو النبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب، سفر تجارت کے دوران مدینہ میں انتقال کرگئے تھے۔ ان کی بیوہ، سیدۃ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب، ہر سال مدینہ طیبہ جایا کرتی تھیں اور ان کی قبر کی زیارت کیا کرتی تھیں جب رسول اللہ ﷺ

چھ سال کی عمر کے تھے، تو وہ عبدالمطلب اور ام ایمنؓ (جو کہ حضور سرورِ دو عالم ﷺ کی دایہ تھیں) کی ہمراہی میں مدینہ طیبہ گئیں، واپسی پر ان کا انتقال ابواء میں ہو گیا۔" (۱۴۰) فیروز آبادی کے اس بیان پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے ان کی کتاب "المغانم المطابہ فی معالم طابہ" کے ناشر حمد جاسر مرحوم نے، جو کہ مشہور سعودی تاریخ دان ہوئے ہیں، بڑے واضح انداز میں لکھتے ہیں "ابواء میں ایک قبر ہے جو کہ (سیدة) آمنہ سے منسوب ہے۔" (۱۴۱) یاقوت الحموی البغدادی (ت ۶۲۶ ہجری) نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب معجم البلدان میں بھی واضح طور پر بیان کیا ہے کہ [وبالابواء قبر آمنة بنت وهب ام النبی ﷺ یعنی ابواء میں سیدة آمنہ بنت وہب ام نبی ﷺ کی قبر ہے] (۱۴۱)

مکۃ المکرمہ سے پرانے راستے کے ذریعے براستہ بدر اگر مدینہ طیبہ کا سفر کیا جائے تو رابغ کے صنعتی شہر سے بتیس کیلومیٹر کے فاصلے پر مدینہ طیبہ کی جانب مستورہ کا چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس سے گزر کر تقریباً دو کیلومیٹر کے فاصلے پر داہنی جانب ایک پختہ سڑک نکلتی ہے جہاں الابواء کا ایک بورڈ بھی لگا ہوا ہے اور ساتھ ہی ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ اس سڑک پر چلتے ہوئے آٹھ کیلومیٹر کے فاصلے پر ابواء کا گاؤں ہے جس سے پہلے ایک پٹرول پمپ ہے۔ گاؤں اور پٹرول پمپ سے ذرا پہلے اگر پشت ابواء کی طرف ہو تو داہنی جانب سیاہ اور گہرے رنگ کے پہاڑ ہیں۔ سیدة آمنہ بنت وہبؓ کی قبر تو مسمار کی جا چکی ہے مگر ایک پہاڑی پر ایک پگڈنڈی طرح کا راستہ جاتا ہے جو کہ اس پہاڑی کی چوٹی تک جاتا ہے۔ گاؤں کے باسیوں کے مطابق لوگ اسی پگڈنڈی سے گزر کر پچھلی چودہ صدیوں سے اس قبر اطہر پر حاضری دیتے رہے ہیں، مگر وہ کام جو ہند بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) نہ کر سکی وہ عمل عرب کے موجودہ انتہا پسندوں نے کر دکھایا ہے اور وہ بھی اتنی ڈھٹائی سے کہ اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے سیرة نبوی کے اہم سوانح کو بھی غلط ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ چونکہ بعض زائرین تمام پابندیوں کو توڑ کر وہاں چلے جایا کرتے تھے، لہٰذا اب اس راستے میں خندق کھود دی گئی ہے تاکہ کوئی وہاں نہ پہنچ سکے

مشہد سید الشہداء سیدنا حمزہ ابن عبدالمطلبؓ

اس تاریخی مشہد کو ہم نے اسی کتاب کے ایک اور باب "مدینہ طیبہ کے کوہسار" میں 'جبل احد' کے ضمن میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ قبرستان غزوہ احد کے میدانِ جنگ میں واقع ہے جہاں ستر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جامِ شہادت نوش فرمایا تھا، جن میں سے سب سے زیادہ مشہور سیدنا حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ عم رسول اللہ ﷺ تھے۔ ان کی قبر اطہر پر جو گنبد ہوا کرتا تھا وہ بقیع الغرقد کے دیگر قبوں کی طرح ۱۹۲۶ء میں مسمار کر دیا گیا تھا، اور باقیات میں سے صرف چند نشانات چھوڑ دیے گئے تھے جن سے معلوم ہو سکے کہ وہاں ان کی قبر اطہر واقع تھی

قباء میں واقع قبرستان

یہ قبرستان مسجد قباء کے جنوب مشرقی کونے کے باہر مسجد قباء سے تقریباً پندرہ فٹ کے فاصلے پر ایک بلند و بالا چار دیواری کے اندر ہے۔ چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کثیر التعداد قباء کے گاؤں میں بھی آباد تھی جہاں ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنا پہلا قدم مبارک رکھا تھا، وہاں پر وفات پانے والے، اکثر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کے قبیلے کے قریب واقع ان کے آبائی گورستانوں میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ وہیں بھی چونکہ بہت سے شعوب و قبائل آباد تھے، اغلب امکان یہی ہے کہ وہاں بھی کئی قبرستان ہوا کرتے تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ معدوم ہوتے چلے گئے۔ خوش قسمتی سے ایک قبرستان بچ گیا ہے، جو کہ مسجد قباء کے قریب ہی واقع ہے، جہاں دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ مدفون ہیں۔ یہ دو حصوں میں منقسم ہے اور دونوں حصوں کے بیچوں بیچ سے ایک چھوٹی سی سڑک گزرتی ہے، مگر دونوں حصوں کے اردگرد ایک بلند و بالا دیوار حائل کیے کھڑی ہے۔ اس کے علاوہ قباء میں بیر غرس کے پاس بھی ایک قبرستان ہوا

کرتا تھا، جس کا ذکر ہم نے بیر غرس کے ضمن میں کیا ہے۔ یک زمانہ پہلے تو اس کے گرد ایک چار دیواری بھی ہوا کرتی تھی اور ایک بہت ہی پرانی طرز کا دروازہ ہوا کرتا تھا۔ اب چار دیواری تو غائب ہو چکی ہے مگر دروازہ آثار قدیمہ کے کھنڈروں کی شکل میں کھڑا اپنی باری کا انتظار کر رہا ہے اور اپنا حال زارِ زبانِ حال سے ہر زائر کو سناتا ہے۔ رہا قبرستان تو وہ اس علاقے کے مکینوں کے پیٹ بھرنے کا اڈہ بن چکا ہے

ایسا ہی ایک اور قبرستان مسجد قبلتین سے متصل چار دیواری کے اندر واقع ہے اور اپنی دیواریں نظارے سے مانع ہیں۔ یہ اس قبیلے کا قبرستان ہوا کرتا تھا جو کہ وہاں آباد تھا اور جن کی زمین پر مسجد قبلتین بنائی گئی تھی

تیسرا تاریخی قبرستان اعوان میں مشربہ ام ابراہیمؓ کی چار دیواری کے اندر ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ بعض غیر مصدقہ روایت کے مطابق ام ابراہیم سیدة ماریہ قبطیہؓ بھی وہیں مدفون ہیں، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے البتہ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ وہاں چند اصحابہ اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور ہوں۔ اس کے اردگرد کے علاقے کی (جس کو دشت کہا جاتا تھا) زیادہ تر آبادی اہل بیت طاہرہ کے افراد کی ہوا کرتی تھی، اور یہی وجہ ہے کہ اس قبرستان میں زیادہ تر قبور افراد اہل بیت ہی کی ہیں، جن میں سے سب سے مشہور سیدة نجمہ خاتون ہیں جو اثنا عشری حضرات کے آٹھویں امام کی زوجہ محترمہ تھیں

مسجد کتیبہ مسجد نبوی شریف کے جنوب میں پل کے اس پار واقع ہے۔ اس کے صحن میں بھی ایک اصحابی کی قبر ہوا کرتی تھی اور یہ دراصل مسجد کم اور مزار زیادہ تھا۔ صوفی سلسلہ سنوسی انہیں اصحابی کی اولاد سے متعلق تھا۔ اب یہ قبر گرا کر اسے صحن مسجد بنا دیا گیا ہے۔

مشہد حضرت مالک بن سنانؓ

حضرت مالک بن سنانؓ غزوہ احد میں شدید زخمی حالت میں مدینہ طیبہ لائے گئے تھے، انہی زخموں کی وجہ سے آپ کی شہادت آپ کے گھر میں ہوئی جو کہ پرانی مسجد نبوی شریف کے شمال مغرب کی جانب واقع تھا۔ آپ کو گھر ہی میں دفن کیا گیا تھا۔ پچھلے توسیعی منصوبے سے پہلے ان کا مزار مشہور و معروف تھا اور اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہوا کرتی تھی جو کہ مسجد مالک بن سنانؓ کے نام سے مشہور تھی، لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، یہ تمام علاقہ اب مسجد نبوی شریف میں شامل ہو چکا ہے۔ ابوالنبی حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلبؓ کی قبر کی طرح حضرت مالک بن سنانؓ کی قبر طاہر بھی کھودی گئی تھی اور ان کا جسم سلیم بھی بقیع الغرقد منتقل کر دیا گیا تھا۔ ان معدودے چند مقبروں کے علاوہ مدینہ طیبہ میں اور بھی دیگر قدیم تاریخی قبرستان تھے جن میں سے کچھ کے آثار تو ابھی تک موجود ہیں۔ ایسا ہی ایک قبرستان مسجد الفتح کے نیچے مغربی جانب ہے اور دوسرا مسجد جمعہ سے متصل علاقے میں ہے۔ مسجد جمعہ سے متصل قبرستان میں زیادہ تر قبور حضرات اہل بیت کی ہیں

حضرت مالک بن سنانؓ کا مزار اور مسجد جو کہ اب مسجد نبوی شریف میں آ چکے ہیں

حواشی

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ یہ حضور والا شان ﷺ نے ہمیں اس وقت کہی جب کہ آپ حضور ﷺ بقیع کی زیارت کو گئے ہوئے تھے گئے مسلم، ج ۲، نمبر ۲۱۲۸

(۲) ابن الاثیر عزالدین ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد الشیبانی (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، بیروت، ج ۲، ص ۳۷۳

(۳) مثلاً بقیع الخبخبہ، بقیع الزبیر وغیرہ (ایک خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ عربی میں بقیع درختوں کے جھنڈ کو کہا کرتے تھے، ان جگہوں پر صرف چند قبریں ہو کرتی تھیں اور بقیع الغرقد کی طرح یہ مقامات باقاعدہ قبرستان نہیں تھے

(۴) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج ۳، ص ۳۹۷

(۵) مجدالدین فیروز آبادی (۷۲۹۔۸۱۷ ہجری)، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، دار الیمامہ للبحث والترجمہ والنشر الریاض، ناصر حمد الجاسر، ۱۹۶۹، ص ۹۱

(۶) ایک خاردار جھاڑی ہے جو ان جگہوں پر خودرو نباتات کی طرح اگتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہیں ویرانی کی علامت سمجھا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے غرقد درخت کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ یہودیوں کا درخت ہے صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۶۹۸۵ لہٰذا اب یہ کوئی درخت بقیع الغرقد میں تو ایک طرف پورے مدینہ طیبہ میں دیکھنے کو نہیں ملتا البتہ چند خاردار جھاڑیاں کے درخت کہیں کہیں ہو کرتے تھے، آج سے تیس سال پہلے چند دیگر قسم کے درخت بھی ہو کرتے جو مشہور قبروں کے پاس تھے ایک جنڈی کا درخت حضرت عثمانؓ کی قبر اطہر کے پاس تھا اور دوسرا پیلو کا درخت تھا جو کہ سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ کی قبر اطہر کے پاس تھا مگر اب بقیع الغرقد کو ہر قسم کی جھاڑیوں سے پاک کر دیا گیا ہے

(۷) یہ آبادی زیادہ تر وقف عمارتوں پر مشتمل تھی (رباط اور دیگر قدیم عمارتیں وغیرہ) جن کو پچھلے چودہ سو سالوں سے مختلف ادوار میں مسلم سلطانوں نے "وقف فی سبیل اللہ" کے طور پر تعمیر کروایا تھا سب سے بڑا اور قدیم ترین وقف کمپلیکس رباط المغربی تھا جس کو شاہان مراکش نے وقف کیا تھا

(۸) حضرت سلمان الفارسیؓ تیسری بار جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ بقیع الغرقد میں موجود تھے اور وہیں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، ابن اسحاق، ص ۹۷

(۹) الموطا امام مالکؒ، ج ۱، نمبر ۵۷۳

(۱۰) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۲۱۲۷، مسند امام احمد، ۶۔۲۲۱ نیز ابن شبہ (ابوزید عمر بن شبہ نمیری البصری ۱۷۳۔۲۶۲ ہجری) تاریخ المدینہ، ج ۱، صفحات ۸۷-۸۹ یہ حدیث مبارکہ عام طور پر خواتین کو قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت دینے کے مسئلے میں پیش کی جاتی ہے، ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کو دعا سکھایا جانا کہ اہل بقیع پر کیسے سلام اور دعا کی جائے بدیہی طور پر امت مسلمہ کی دیگر خواتین کو بھی بقیع الغرقد کی زیارت دینے کے مترادف ہے کیونکہ یہ تو نہیں سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کسی عمل کو اپنی زوجہ مطہرہ کے لیے تو جائز قرار دیں مگر امت کی خواتین کو منع فرما دیں۔

(۱۱) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج، ص ۹۴

(۱۲) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۲۱۲۷

(۱۳) صحیح مسلم، ج ۲ نمبر ۲۱۲۶

(۱۴) السید جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزھۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین، ص ۳۱۵

(۱۵) جمال المطری (ت ۷۴۱ ہجری)، التعریف بما انست الھجرۃ من معالم دار الھجرۃ، مکتبۃ سعد مصطفیٰ الباز، مکہ، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۷، از عنوان تاریخ المدینۃ الشریفۃ، ص ۱۰۱، ایک دوسری حدیث مبارکہ میں یوں ہے: [میں سب سے پہلا ہوں گا جسے یوم حشر اٹھایا جائے گا، پھر ابوبکر اور پھر عمر اور پھر ہم البقیع کو جائیں گے جہاں اس کے مدفونین اٹھائے جائیں گے۔] جلال الدین السیوطی، جامع الحدیث، نمبر ۲۷۵۶، الحاکم اور الترمذی نے بھی

یہی حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے روایت سے بیان کی ہے

(۱۶) ابن حبان نے اسے ثقہ احادیث میں سے جانا ہے (احادیث ۵۰۔۴۷۰) الطبرانی، المعجم الکبیر ۲۵۱۔۸۸، نمبر ۲۲۵، ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۹۳ ابن ماجہ نے اس حدیث مبارکہ کے تمام راویوں کے سلسلے کو بیان کیا ہے جسے ام قیس بن محصنؓ نے روایت کیا تھا [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے ام قیس! کیا تم یہ قبرستان دیکھ رہی ہو؟ میں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! پھر آپ نے فرمایا [اس جگہ سے ستر ہزار لوگ اٹھیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہوں گے جو بلا حساب اور اپنے کسی عمل اور فعل کے مواخذے کے بغیر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے' ابن نجار (۵۷۸۔۶۴۳ ہجری) درۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبہ الثقافہ الدینیہ، قاہرہ ۱۹۹۵، ص ۲۲۹

(۱۷) منقول از ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۲۳۰

(۱۸) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۴

(۱۹) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص ۲۷، ان کے قول کے مطابق جب انہوں نے مدینہ طیبہ میں قیام کیا تھا (یعنی دسویں صدی ہجری) تو اس وقت بھی بنی سلمہ کا قبرستان ناپید تھا

(۲۰) صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۴۴۴ حضرت علی المرتضیٰؓ سے مروی ہے [ہم ایک جنازے کے ساتھ بقیع الغرقد گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی وہیں تشریف لے آئے اور پھر ہم آپ حضور ﷺ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے] صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۶۳۹۸، صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۴۴۴

(۲۱) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۹۶

(۲۲) ابن الاثیر (ت ۶۳۰ ہجری)، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۳، ص ۵۹۱، حضرت عثمان بن مظعونؓ کی تدفین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی قبر کے سرہانے کی طرف ایک پتھر رکھا اور فرمایا [تاکہ سب کو معلوم ہو کہ یہ میرے بھائی کی قبر ہے اور بعد میں میرے اہل بیت سے جو بھی فوت ہو وہ یہیں دفن کیا جائے] اسماعیل بن عبداللہ السکداری (ت ۸۲ ہجری)، [illegible] الحبیب المصطفیٰ، مکتبۃ الثقافہ، المدینۃ المنورہ، ص ۹۳

(۲۳) سنن ابی داؤد، ج ۳، ۳۰۵۷

(۲۴) ابن الاثیر (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری)، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۳، ص ۳۸۶

(۲۵) یہ حدیث مبارکہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب میں نقل کی ہے اردو ترجمہ نوری کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۵، ص ۱۷۳

(۲۶) ابن سعد، مصدر مذکور، ج ۳، ص ۳۹۷

(۲۷) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۱۰۰

(۲۸) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۳۲۳

(۲۹) ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج ۳، ص ۳۸۶

(۳۰) یہ حدیث مبارکہ ابن شبہ نے اپنی تاریخ مدینہ میں نقل کی ہے، دیکھئے ج ۱، ص ۹۷ سمہودی نے اسے وفاء الوفاء میں، جزء دوم ص ۸۳ پر نقل کیا ہے

(۳۱) ابن شبہ، ج ۱، ص ۹۸

(۳۲) ایضاً، ص ۱۳۱

(۳۳) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۳۱۸

(۳۴) حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ [ہم اسے بقیع الغرقد لے گئے نہ ہم نے اسے کسی طریقے سے باندھا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی کھائی وغیرہ کھودی بلکہ اسے ہڈیوں، ڈھیلوں اور پتھر کے ٹکڑوں سے مارا] صحیح مسلم، ج ۳، نمبر ۴۲۰۲ تاہم چند مورخین نے اس روایت سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے خیال میں البقیع سے مراد "البقیع المصلیٰ" (جو کہ مسجد الغمامہ کے قریب ایک وسیع قطعہ تھا) دیکھئے سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۳۶۴

(۳۵) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۲۰۷۹

(۳۶) صحیح بخاری، ج ۳، باب نمبر ۸۰

(۳۷) سمہودی، وفاء الوفاء، ج ۲ ص ۹۰۸ ابن جبیر کے سفرنامے کے مطابق ان کے عہد مدینہ طیبہ کے دوران (۵۸۰ ہجری) میں بھی دو بیت الحزن موجود تھا زیارت گاہ خاص و عام تھی تاہم کچھ اس قسم کی بھی روایات ہیں کہ یہ جگہ دراصل مسجد حضرت فاطمۃ الزہراء ہوا کرتی تھی، جیسے کہ امام مراغی نے کہا ہے کہ انہوں نے بقیع الغرقد میں مسجد حضرت فاطمۃ الزہراء میں نماز ادا کی تھی
(۳۸) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۳۱۸۔ دراصل یہ بیان امام مالک کا ہے جیسا کہ قاضی عیاضؒ کی مدارک میں منقول ہے
(۳۹) ص الی ۱۹۰۰۰۱، ۱۰ ۳۱ نیز المطری، مصدر مذکور ص ۲۳ نیز ابن سعد، ج ۳ ص ۳۸۴
(۴۰) ابن سعد، ج ۴، ۳۳۰
(۴۱) ابن الاثیر، سد الغابہ، ج ۶ ص ۳۰۵
(۴۲) جلال الدین السیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، ص ۴۶
(۴۳) بلاد الشام العسقلان میں ایک صحابی رسول ﷺ کی قبر ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ کی قبر بتایا جاتا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے عبدالمومن ابو العصم الروضۃ المستطابہ فی من دفن بالبقیع من الصحابۃ، مکتبہ الثقافیہ مدینہ منورہ، ۱۴۳۱ھ ص ۶۵، اگرچہ فاضل مولف نے اپنی حتمی رائے کا اظہار نہ کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جنت البقیع میں ہی مدفون ہیں، مگر بتدائی مورخین میں سے کسی نے بھی (جیسے کہ ابن زبالہ اور ابن شبہ) نے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ جنت البقیع میں مدفون ہیں، تاہم سب سے زیادہ مستند روایت ابن نمیر کی معلوم ہوتی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان کا انتقال ۵۹ ہجری میں وادی العقیق میں ان کے گھر میں ہوا تھا اور یہ کہ ان کی نماز جنازہ ولید بن عتبہ بن ابو سفیان نے ادا کروائی تھی۔ دیکھئے مصطفیٰ الرفاعی عواد الحدادی معرفہ من مات بالمدینہ المنورہ من مشاہیر الصحابہ، المکتبہ العلمیہ، مدینۃ المنورہ، ۱۹۸۴ء ص ۲۲۲ مزید برآں العقیق میں ہی مدینہ طیبہ کے ایئرپورٹ کی طرف جاتے ہوئے چند کھنڈرات کے قریب چند اہل بیت حضرات (حضرت علی العریضیؒ، حضرت امام جعفر الصادقؒ کے سب سے چھوٹے فرزند) کی قبور ہیں اور ان میں سے ایک کے متعلق یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی قبر ہے عام طور پر سے مدرسہ ابو ہریرہؓ یا مقبرہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، اس مزار کی چھت گرا دی گئی ہے اور قبور کو بھی منہدم کر دیا گیا ہے، صرف چار دیواری باقی رہ گئی ہے جس کے اندر تین قبور ہیں، زائرین سے اندر جھانکنے کے لیے دیوار میں ایک روزن سا بنایا تھا مگر اب اسے بھی بند کر دیا گیا ہے۔ (۲۰۰۳ء میں اسے گرا کر تمام علاقہ ہموار کر دیا گیا ہے)۔ اس مقام کے متعلق بہت اختلاف رائے ہے۔ یقینی طور پر یہ مقبرہ حضرت ابو ہریرہؓ کا نہیں ہو سکتا، کیونکہ نہ تو سمہودیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے۔ البتہ شیعہ حضرات اس کے متعلق اور رائے رکھتے ہیں ان کے خیال میں وہ قبور اہل بیت طاہرہ میں سے ان کے مشاہیر کی ہیں، مثلاً حضرت علی عریضیؒ، اور قریب واقع مدرسہ حضرت جعفر صادقؒ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ابراہیم رفعت پاشا نے مرآۃ الحرمین میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ۱۹۰۲ء میں وہ جگہ مقبرہ علی عریضیؒ کے نام سے مشہور تھی۔
(۴۴) ان کا شمار اصحاب الصفہ میں ہوتا ہے بعض تواریخ میں ان کے نام کو خلاف الخدریؓ بھی لکھا گیا ہے
(۴۵) آپ ان تین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں شامل تھے جنہوں نے یہودی کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا۔
(۴۶) ابی الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی (ت ۳۴۶ ہجری۔ آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اولاد سے تھے اور عربوں کے جغرافیہ دانوں کے باوا آدم سمجھے جاتے ہیں)، مروج الذہب ومعادن الجواہر ص ۱۳۹ اس سلسلے میں مسعودی نے چند شیعہ روایات کا ذکر بھی کیا ہے جن کے مطابق وہ کسی پہاڑی پر خفیہ مقام پر چلے گئے تھے سنی روایات میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا نیز ابی حبان البستی (ت ۳۵۴ ہجری) مشاہیر الصحابہ والتابعین، مکتبہ الثقافیہ، مدینۃ المنورہ، ص ۵۷
(۴۷) ان کا انتقال بھی الجرف میں ہوا تھا، لیکن ان کی میت کندھوں پر لا کر بقیع الغرقد لائی گئی تھی سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۷۵۱
(۴۸) آپ حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی تھے اور حضرت عمر فاروقؓ سے پہلے ایمان لے آئے تھے۔ ان کا انتقال بھی ۵۱ ہجری میں العقیق میں ہوا اور ان کی میت بھی بقیع الغرقد لائی گئی تھی۔
(۴۹) ابی الحسن البستی (ت ۳۵۴ ہجری)، مشاہیر الصحابہ والتابعین، مصدر مذکور ص ۴۱
(۵۰) ابن سعد، ج ۸، ص ۲۱۶

(۵۱) Al-Medina Al-Munawwara in One Hundred Manuscripts مدینہ منورہ کی ادبی کتب کی تاریخ مدینہ طیبہ میں ایک گراں قدر کاوش ہے اس کتاب میں مخطوطوں کا ایک تنقیدی جائزہ اور تجزیاتی انڈکس دیا گیا ہے۔ دیکھئے صفحات ۲۵۰۔۲۷۲
(۵۲) اس گمنام مولف کی تاریخ کا سن تالیف ۷۵۰ ہجری ہے جسے عادل عبد المومن ابو العباس نے شائع کیا ہے مخطوطے سے پہلا صفحہ ناپید ہونے کی وجہ سے مولف کے نام کا پتہ نہیں چل سکا
(۵۳) ابی الحسین محمد بن احمد بن جبیر (وفات ۵۴۰ ہجری)، رحلہ ابن جبیر، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، صفحات ۱۴۴۔۱۴۵
(۵۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور ص ۱۷۸
(۵۵) ایضاً
(۵۶) ابی الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی، مصدر مذکور، ج ۲ ص ۳۸۲
(۵۷) ابراہیم بن علی العیاشی المدنی، المدینۃ بین الماضی والحاضر ص ۲۸۷
(۵۸) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات ۳۲۰۔۳۲۱
(۵۹) زین الدین ابی بکر المراغی، مصدر مذکور ص ۱۲۹
(۶۰) www.islamic-awareness.org/History/Islam/Inscriptions/Hajri.html
<accessed March 23, 2001>
(۶۱) ہم شکر گزار ہیں کہ ویب سائٹ www.islamic-awareness.org/ نے ہمیں اس تصویر کے استعمال کی اجازت دی، اصلی کتبہ اب قاہرہ میں Cairo Museum of Arab Art میں مصر میں موجود ہے
(۶۲) ابن شبہ، ج ۱ ص ۲۰
(۶۳) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۹۰۲
(۶۴) المطری، مصدر مذکور ص ۳۳
(۶۵) ابن شبہ، ج ۱ ص ۹۵
(۶۶) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۳ ص ۳۹۷
(۶۷) صحیح بخاری، ج ۲ باب ۸۰
(۶۸) دکتور حمزہ اسماعیل الحداد، القبب فی العمارات المصریۃ الإسلامیۃ، قاہرہ، ۱۹۹۳ء ص ۳۳
(۶۹) صحیح بخاری، ج ۲، باب ۶۰ ص ۲۳۲
(۷۰) محمد سید الوکیل، المدینۃ المنورہ (معالم وحضارہ) دمشق ص ۳۰
(۷۱) ابن سعد، ج ۵، ۲۰۳
(۷۲) تفصیلات کے لیے دیکھئے ابن شبہ، ج ۱ ص ۱۲۵ حضرت سعد ابن معاذؓ اوس کی بنی عبد الاشہل شاخ سے تھے، اور ان کا قبیلہ مدینہ طیبہ میں اس جگہ آباد تھا جس کا کچھ حصہ اب جنت البقیع میں آ چکا ہے۔ ان کی قبر کے ساتھ حضرت ابو سعید الخدریؓ کی قبر بھی ہے۔ ابراہیم العیاشی المدنی، المدینۃ بین الماضی والحاضر، ۱۳۹۲ھ ص ۲۰۹
(۷۳) ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ (ت ۲۳۵ ہجری)، کتاب المغازی، دار اشبیلیہ، ریاض، ۱۹۹۹ء ص ۲۵۰
(۷۴) علامہ ابی الفرج نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی الشافعی (ت ۱۰۴۴ ہجری)، السیرۃ الحلبیہ (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۲۰۰۲ء، ج ۲، ص ۲۹۷) نیز دکتورہ عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی، ام النبی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۵ء ص ۱۸۱ انہوں نے الازرقی اور السیوطی سے نقل کیا ہے
(۷۵) ابن سعد، ج صفحات ۱۶۔۱۷
(۷۶) دکتور محمد حمزہ اسماعیل الحداد، مصدر مذکور ص ۳۹

(۱۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مطابق پہلے کسی بھی مورخ نے کسی دور میں حضرت حلیمہ سعدیہ کی قبر مبارک کا کہیں ذکر نہیں کیا ہو سکتا ہے کہ یہ اہلِ مدینہ طیبہ کی روایات کا حصہ ہو۔ ایسے اور بہت سے آثار ہیں جن کے متعلق کوئی مستند روایت تو نہیں ملتی مگر شروع سے ہی اہلِ مدینہ طیبہ کی روایات کے مطابق وہ مقامات مقدس آثار مدینہ شریف کے طور پر مشہور ہیں یا پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی حیاتِ طیبہ سے متعلق بتائے جاتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مورخین نے ان آثار کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا

(۱۴) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۹۱۹

(۱۵) ابن ابی شیبہ، ابی بکر عبداللہ بن محمد (ت ۲۳۵ ہجری) کتاب المصنف، مکتبہ الرشید، الریاض ۱۹۹۹، ص ۲۵۰

(۱۶) اس واقعہ میں ۳۴۹۔۱۱۲ افراد یزیدی فوج کی سفاکانہ حرکتوں کی بھینٹ چڑھ گئے تھے جن میں ۷۰۰ حفاظِ قرآن تھے اور ۷۰۰ اصحابِ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم میں سے علماء تھے ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزر رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور پھر فرمایا: امیہ کے اصحابِ کرام میں سے بہترین لوگ یہاں قتل کر دیے جائیں گے۔ صادق مصدوق رسولِ مقبول ﷺ کی پیشین گوئی ۶۳ ہجری میں پوری ہوئی جب کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے ردعمل میں مدینہ طیبہ سراپا احتجاج بن گیا، ادھر مکۃ المکرمہ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے بنو امیہ کے خلاف بغاوت کر دی اور ادھر مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ اور حضرت عبداللہ ابن المطیعؓ نے یزیدی بیعت کا طوق گلے سے اتار پھینکا اس پر مشتعل ہو کر یزید نے مسلم بن عقبہ کا لشکر جرار مسرف بن عقبہ کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ یزیدی فوج نے نہ صرف قتلِ عام کیا بلکہ مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھ کر اس کی بے حرمتی کی۔ یوں مسجد نبوی شریف کا تقدس ابنائے اسلام کے اپنے ہی ہاتھوں مجروح ہوا۔

(۱۱۷) تاہم اسماعیلی حضرات اس نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں رکھتے ان کی روایات کے مطابق امام اسماعیلؒ دمشق میں مدفون ہیں، اور وہاں پر وہ ایک مزار کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور اس گھر کے کھنڈرات کا ذکر کرتے ہیں جہاں امام اسماعیلؒ رہائش پذیر رہے تھے ان کی روایت کے مطابق بقیع الغرقد کے قرب میں دفن ہونے والے عبداللہ بن جعفر الصادقؒ تھے نہ کہ اسماعیل بن جعفر الصادقؒ۔ اس سلسلے میں مزید تفاصیل ان کی ویب سائٹ <www ismaili net> پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۱۸) ابن نجار، ص ۲۳۳

(۱۹) ایضاً، ص ۲۳۴

(۲۰) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۳۹۹

(۲۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ص ۱۹۳

(۱۲۲) شیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور، ص ۸۶

(۱۲۳) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۴۲۰، نیز الحدیا سیمن الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، دار العلم، جدہ، ۱۹۹۳، ص ۲۹

(۱۲۴) ابراہیم، عیاشی المدنی، مصدر مذکور، ص ۲۲۲

(۱۲۵) ابن سعد، ج ۱، ص ۹۹، ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری) نے البدایہ والنہایہ میں واقدی کو نقل کیا ہے۔ مکتبۃ المعارف، بیروت، ۱۹۸۱، ج ۲، ص ۲۹۳

(۱۲۶) ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۹

(۱۲۷) ابن شبہ، ج ۱، ص ۱۱۹

(۱۲۸) رسول اللہ ﷺ کو اس تلوار سے بہت پیار تھا اور جب آں حضرت ﷺ ہجرت پر مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اس وقت وہ تلوار آپ کے ساتھ تھی۔

(۱۲۹) ابن اسحاق، ص ۴۷

(۱۳۰) منقول از ابن کثیر، مصدر مذکور، ج ۲، ص ۴۷۹

(۱۳۱) ابن الجوزی (۵۱۰۔۵۹۷ ہجری)، صفۃ الصفوۃ، المکتبۃ التوفیقیہ، قاہرہ، ج ۱، ص ۴۱

(۱۳۲) ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۹

(۱۳۳) ابن شبہ، ج ۱، ص ۱۷

(۱۳۴) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۲۳۰

(۱۳۵) ابن سعد، ج ۱، ص ۱۷

(۱۳۶) ایضاً

(۱۳۷) سمہودی، وفاء الوفاء، صفحات ۱۰۰۹۔۱۰۱۰

(۱۳۸) ابن اسحاق، ص ۲۸۱، ابو عمرو خلیفہ بن خیاط بن ابی ہبیرہ اللیثی العصفری الملقب بہ "شباب" (ت ۲۴۰ ہجری)، تاریخ الخلیفہ بن خیاط، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۵، ص ۹

(۱۳۹) ابن اسحاق، حاشیہ ۴۹۹۔۵۰۶ (محققین کی رائے میں وداں کا قصبہ مدتِ مدید سے ختم ہو چکا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ گاؤں اس جگہ پر تھا جہاں موجودہ مستورہ آباد ہے، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ یہ مستورہ کے جنوب مشرق میں وسیع و عریض بادیہ میں واقع تھا جو کہ وہاں سے تقریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا جہاں اب قبیلہ بنی حرب کی ایک شاخ موجود آباد ہے)

(۱۴۰) فیروزآبادی (۷۲۹۔۸۱۷)، ص ۶

(۱۴۱) ایضاً، ص ۶ (حاشیہ میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ ابواء ایک ایسا مقام ہے جو کہ مستورہ کے گاؤں کی شرقی جانب ایک بہت مشہور جگہ ہے)

(۱۴۲) امام شہاب الدین ابی عبداللہ یاقوت الحموی الرومی البغدادی (ت ۶۲۶ ہجری)، معجم البلدان، دار احیاء التراث العربی، مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت، مجلد اول، ص ۷۳
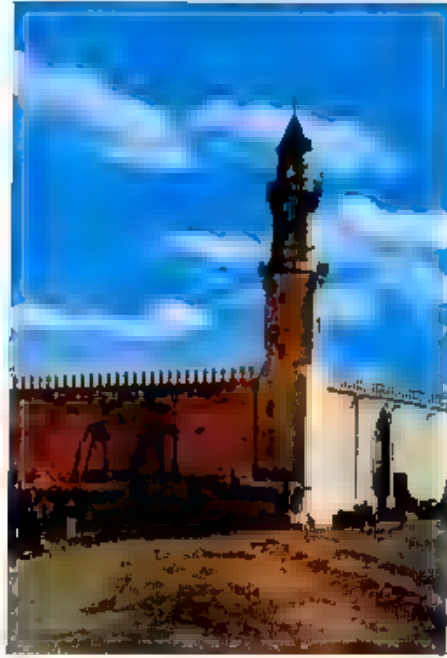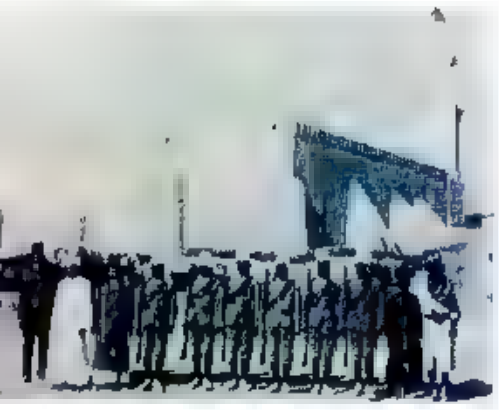
قباء — باب المدینہ

جو رسول اللہ ﷺ کا استقبال کرکے زندہ جاوید ہوگئی

"مجھے مسجد قباء میں دو رکعت پڑھنا دو بار بیت المقدس جانے سے زیادہ بھلا لگتا ہے
اگر لوگوں کو پتہ ہو کہ قباء میں کیا ہے تو وہ اپنے اونٹوں کے پیٹ پیٹ کر وہاں جانے پر مجبور کر دیں گے۔"
(حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ)
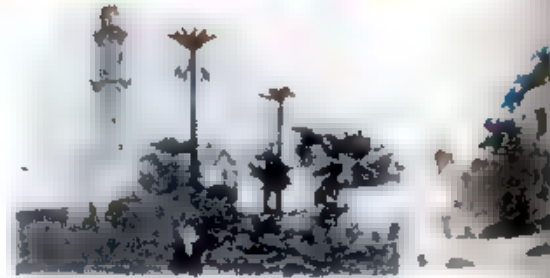
قباء ایک مشہور قصبہ ہے جو کہ مدینہ طیبہ کے جنوب میں شہر سے تین کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے زمانہ قدیم سے قباء سے اب المدینۃ المنورہ کہا جاتا ہے کیونکہ جنوب کی طرف سے آنے والوں کے لیے (بالخصوص مکۃ المکرمہ کی جانب سے) مدینہ طیبہ سے پہلے قباء ہی آنے والوں کا استقبال کرتا تھا شہر حبیب سے قدرے اونچی سطح زمین پر واقع یہ قصبہ طلوع اسلام کے بعد سے بہت ہی اہمیت کا حامل رہا ہے حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے [ہم عصر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرتے اور پھر جب کبھی قباء جایا کرتے تو وہاں ایسے وقت میں پہنچے کہ سورج بھی کافی بلند ہوتا تھا](۱) اس حدیث مبارکہ سے ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ مسجد نبوی شریف اور قباء میں فاصلہ اتنا تھا کہ پیدل چلنے والا انسان نماز ظہر اور عصر کے درمیان بڑی آسانی سے وہاں پہنچ سکتا تھا آج کے شہر مدینہ طیبہ پر یہ بات شاید لاگو نہ ہو کیونکہ اب تو شہر اتنا پھیل چکا ہے کہ قباء کا سیٹلائٹ ٹاؤن اور شہر عملی طور پر ایک ہی بن چکے ہیں زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قباء اب مدینہ طیبہ کی مضافات بن چکا ہے البتہ مسجد نبوی شریف اور قباء کے درمیان فاصلہ ذرا زیادہ محسوس ہوتا ہے کیونکہ جدید سڑکوں کے جال نے ٹریفک کے راستے بنانے کیلئے سڑکوں کو گھما پھرا دیا ہے اور اس طرح یہ فاصلہ کچھ زیادہ ہی معلوم ہوتا ہے مگر سنت نبوی پر عمل پیرا ہونے والے عشاق آج بھی ان راستے سے پیدل سفر کر لیتے ہیں جہاں حضور مصطفیٰ ﷺ کے قدمین شریفین لگا کرتے تھے

وہ پگڈنڈی جو کہ رسول اللہ ﷺ کی گزرگاہ تھی، جہاں سے نہ جانے سید الانبیاء ﷺ کتنی بار پاپیادہ یا سواری پر اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے جلو میں گزرے ہوں گے آہستہ آہستہ وسیع ہوتی گئی اور طریق قباء کے نام سے مشہور و معروف ہوئی قباء جانے کے لیے دیگر راستوں کے علاوہ آج بھی مشہور راستہ وہی ہے، جس کو مزید وسعت دے کر ایک کشادہ سڑک بنا دیا گئی ہے جو دراصل اب دو حصوں میں تقسیم ہے اس کے درمیان آبادی کی ایک پٹی حائل ہے ان میں سے ایک قباء جانے کے لیے (قباء طالع) اور دوسری قباء سے واپسی (قباء نازل) کے لیے استعمال ہوتی ہے یہ دونوں سڑکیں شارع فیصل پر پل کے نیچے سے ہوتی ہوئی مسجد نبوی شریف سے قباء کو ملاتی ہیں دونوں سڑکوں کے دونوں طرف بلند و بالا عمارتیں ہیں جن کے نیچے بڑی بڑی دکانیں اور شوروم کھلے ہوئے ہیں جہاں زمانے بھر کا سامان بکتا ہے اور زندگی کی ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہے آج کے دور میں مکۃ المکرمہ سے آنے والی طریق الہجرہ (ہجرہ ہائی وے) قباء کے پاس سے ایک طرف ہو کر گزرتی ہے زمانہ قدیم میں تو اس شاہراہ تجارت پر یک اہم پڑاؤ ہوا کرتا تھا مگر اب اس کی وہ اہمیت نہیں رہی یثربی دور میں بنو سالم اور بنو عمر بن عوف کے بنو خزرج کے قبیلے وہاں رہا کرتے تھے ان کے علاوہ یہودیوں کے بھی بہت سے گھر مختلف محلوں میں علیحدہ رہا کرتے تھے بنو انیف کے لوگ جو کہ اپنا تعلق بنو عملقہ سے جوڑا کرتے تھے وہ بھی وہیں آباد تھے ساکنین قباء میں سے جو لوگ صاحب حیثیت تھے وہ اس وقت بھی اپنے اطام (حصار اور حویلیاں) بنا کر رہا کرتے تھے قباء کی آبادی زیادہ تر کاشتکاری کیا کرتی تھی اور کچے مکانوں میں رہتی تھی بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالنا بھی ان کا محبوب مشغلہ تھا

قباء کے ارد گرد کا علاقہ حرہ شوران کے ساتھ بھی لگتا تھا جو زیادہ تر لاوا سے اٹے ہوئے چٹیل میدانوں پر مشتمل تھا جسے اہل قباء چراگاہوں کے طور پر استعمال کرتے تھے قباء میں سطح آب سطح زمین سے زیادہ دور نہیں تھی اس لیے وہاں گھریلو اور زراعتی مقاصد کے لیے کافی تعداد میں کنوئیں کھودے گئے تھے جن سے کھیتوں کی آبیاری کی جاتی تھی یہی وجہ تھی کہ یہاں کھجور کے باغات اور زراعت کی بہتات تھی آج کے مدینہ طیبہ میں جب ہم مدینہ شہر اور قباء کا موازنہ کرتے ہیں تو قباء میں تاریخی کنوؤں کی تعداد نسبتاً زیادہ نظر آتی ہے اس کی زمین آج بھی زرخیز ہے اور سونا اگلتی ہے جگہ جگہ گھنے کھجوروں کے باغات نظر آتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ

مسجد قباء، اسلام کی پہلی مسجد
۱۳۲۶ ہجری
حفاظت پر مامور ترک فوجی

مسجد قباء
۱۳۳۰ ہجری

مدینہ طیبہ کے مشہور ترین باغات صرف قباء ہی میں ہیں مدینہ طیبہ کا قدیم ترین باغ "الجزع" بھی قباء میں ہے جہاں قسم قسم کی کھجوروں کے علاوہ انگور اور انار بھی ہوتے ہیں اور یہ باغ صدیوں سے اہل مدینہ طیبہ کو ثمر ہائے گوناگوں مہیا کرتا آیا ہے اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں ایک ایسا کھجور کا درخت بھی ہے جو کہ پچھلے پانچ سو سالوں سے پھل دیتا آ رہا ہے (۲) باغ حضرت سلمان فارسیؓ کے اجڑنے کے بعد اور مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی کی وجہ سے بہت سارے باغوں کے معدوم ہو جانے سے "العجوہ" کھجور اب زیادہ تر قباء کے باغات سے آتی ہے جو کہ دیگر علاقوں کی عجوہ سے بدرجہا بہتر ہے (۳) اس کے علاوہ یہاں ترکاری کھیرے اور ٹماٹر بہت ہوتے ہیں جو کہ کھجوروں کے باغات میں ان کے درختوں کے درمیان واقع کیاریوں میں بوئے جاتے ہیں یہاں ہلکے رنگ کا گلاب بھی بکثرت ہوتا ہے جس کی خوشبو مدنی ماحول میں اور بھی بہت ہی بھینی بھینی معلوم ہوتی ہے

یہ قصبہ جو کہ کبھی چھوٹا سا ہوا کرتا تھا اب بہت وسیع ہو چکا ہے، لیکن اس کی آبادی آج بھی چند ہزار نفوس سے زیادہ نہیں زمانہ قدیم میں یہ زیادہ تر لاوے سے بنے حرے کی ناہموار زمین پر مشتمل تھا مگر اب ترقی کے اس جدید دور میں یہاں سڑکوں کا جال بچھ چکا ہے اور سطح زمین کافی حد تک ہموار ہو چکی ہے، لیکن اب بھی اگر اس کی قدیم آبادیوں میں جایا جائے تو نشیب و فراز واضح طور پر نظر آ جاتے ہیں قدیم زمانے میں نشیب و فراز کے درمیان سے ندی نالے نکلتے تھے جو کہ وادیوں کی شکل اختیار کر لیتے تھے دور حاضر میں بھی اگر ایک باغ بلند سطح پر ہے تو دوسرا کافی ڈھلوان میں نظر آتا ہے یہاں مدینہ طیبہ کی طرح عمرانی ترقی کی آمد کافی دیر سے شروع ہوئی ہے اور جوں جوں مدینہ طیبہ کی گھنی آبادی کے علاقے مسجد نبوی کے توسیعی منصوبوں کی نذر ہوتے رہے، وہاں سے بے گھر ہونے والے کثیر تعداد میں یہاں آ بسے ہیں، جس کی وجہ سے ترقی کی رفتار کافی حد تک تیز ہو گئی ہے قباء ایک ایسا تاریخی قصبہ ہے جس کی اہمیت صدیوں سے مسلم ہے اور بیرونی ممالک سے آنے والے زائرین اس میں واقع تاریخی مقامات کی زیارت کے لیے جوق در جوق قباء کا رخ کرتے ہیں، جب سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا، قباء کی قسمت بدل گئی اور سرکار دو عالم ﷺ کے آثار مبارکہ کے علاوہ قباء اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد میں آثار کی بھی امین ہے، رسول اللہ ﷺ اس قصبے سے بہت پیار فرماتے تھے اور یہاں بسنے والوں سے ملنے جلنے کے لیے اکثر اوقات قباء تشریف لے جایا کرتے تھے ایسی احادیث کا شمار کرنا مشکل ہے جس میں قباء کا ذکر خیر ہے

نمازی کے وقت سے قبل شہرت سے آسمان پر پہنچا ہوا تھا۔ یہ وہ قباء ہے اس وقت طلوع ہوا جب اس نے پہلے بار نبی ء مرسل، سرور دو عالم ﷺ اور آپ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق ؓ (۴) کے سینہ فرش راہ کر دیے۔ ۱۲ ربیع الاول (۲۷ ستمبر ۶۲۲ء) وہ دن تھا کہ اس کی دھرتی پر وہ رحمت کی بارش ہوئی کہ اس کے ایک ایک ذرے کی قسمت پر بھی رشک کرنے لگا گیا جب مہاجرین کے سب خانوں کا قافلہ قباء کے چھتے پانے یہ نبی کا اس سے وہ تھے اس دھرتی نے ایک سپوت حضرت کلثوم بن ہدم ؓ اپنے آنگن میں سرور کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا حق مہمان داری ادا کر رہے تھے (۶) آپ نے ان کے ہاں چار دن قیام فرمایا (۷) جب کہ سیدنا ابوبکر حضرت حبیب بن اساف کے ہاں ٹھہرے جن کا تعلق بنی حارث سے تھا جو کہ خزرج کی ایک شاخ تھی (۸) رسول اللہ ﷺ قباء میں اپنے قیام کے دوران مسجد قباء کی تعمیر چاہا کرتے تھے شیر خدا علی المرتضیٰ ؓ بھی جن کو مکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی امانتیں مالکوں کو لوٹانے کا فریضہ سونپا گیا تھا اپنے فریضے سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ سے پیدل چلتے ہوئے آبلہ پا ہو کر اپنے قافلہ سالار، رہبر امم، سید العرب والعجم ﷺ سے تین دن بعد (یعنی ۵ ربیع الاول) آملے تھے انہوں نے بھی قباء میں حضرت کلثوم بن ہدم ؓ کے ہاں قیام فرمایا (۹) حضور نبی کریم ﷺ ابھی قباء میں ہی قیام فرما تھے کہ حضرت سلمان فارسی ؓ دوبار آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے حق کا یہ متلاشی بلکہ یکتا وہ عاشق کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا جانے کن کن سالوں سے انتظار کی گھڑیاں گن گن کر گزار رہا تھا جونہی انہیں خبر ہوئی کہ رسالت پناہ ﷺ کا مہتاب عالمتاب ارض قباء کو اپنی انوار کی کرنوں سے منور و تاباں کر رہا ہے تو وہ آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے دوران دو حاضریوں میں انہوں نے تین میں سے دو نشانیاں دیکھ لیں (تیسری نشانی کی تصدیق انہوں نے مدینہ طیبہ میں جا کر کی تھی) جوں جوں آپ حضور ﷺ کا قیام قباء میں طول پکڑتا جا رہا تھا، اہل مدینہ بے چین و مضطرب ہوتے جا رہے تھے چار دنوں کے قیام میں حضور سرور دو عالم ﷺ نے قباء کو وہ انمول تحفہ دیا کہ اس کے سینے پر بنے والی مسجد قباء عمرے کی حد تک کعبۃ اللہ کو بھی اپنے پیچھے چھوڑ گئی کعبے کے گرد تو عمرے کے لیے سارے واجبات ادا کرنے سے عمرے کا ثواب ملتا ہے، مگر مسجد قباء کو یہ فخر عظیم حاصل ہو گیا کہ وہ نہ صرف عالم اسلام کی پہلی مسجد ہے جس کی تعمیر کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے گارا اور پتھر ڈھوئے اور چنے تھے، بلکہ اس کے مقام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں صرف دو رکعت نماز ادا کرنا ہی عمرے کا ثواب دے دیتا ہے

قباء میں چار دن قیام فرمانے کے بعد قافلہ سالار امت محمدیہ ﷺ نے اپنی اصلی منزل کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا علی الصبح روانگی ہوئی دراپنے جانبازوں کے جلو میں رسول اللہ ﷺ نے پہلا پڑاؤ قبیلہ بنی سالم بن عوف کی آبادی میں وادی رانونا کے کنارے کیا (۱۰) کیا نظارے تھے جو ارض قباء نے نہیں دیکھے اور کیا برکتیں تھیں جو اس چھوٹے سے قصبے نے اپنے دامن میں نہ سمیٹی ہوں گی! بنی سالم میں ہی آپ حضور ﷺ نے نماز جمعہ ادا کی (۱۱) مسجد جمعہ اسی واقعہ کی یادگار ہے (۱۲) بنو نجار (جو کہ رشتہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ؓ کے ننھیال تھے) کی ننھی منی بچیاں دف بجا بجا کر تاجدار حرم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے لیے ترحیبی نغمات گا رہی تھیں۔ وہ مقام بھی مسجد جمعہ کے سامنے ہی تھا جہاں بعد میں مسجد بنات النجار بن گئی (بدقسمتی سے وہ مسجد اب ناپید ہے وراس کی جگہ وہاں اہل محلہ کی گاڑیاں پارک ہوتی ہیں) وہاں سے یہ قافلہ ایک جلوس کی شکل میں مدینہ طیبہ روانہ ہو گیا جس میں خصوصی گارڈ آف آنر کا انتظام اوس و خزرج کے قبائل نے کیا تھا۔ ارض قباء پر جہاں جہاں سرور کائنات ﷺ نے اپنی جبین طاہر رکھی وہاں وہاں پر ایک مسجد تعمیر ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ اس کی دھرتی پر مدینہ طیبہ کے دوسرے علاقوں کی نسبت آثار نبویہ کی تعداد بہت زیادہ ہے

مسجد قباء کا فضائی منظر ۱۹۹۰ء
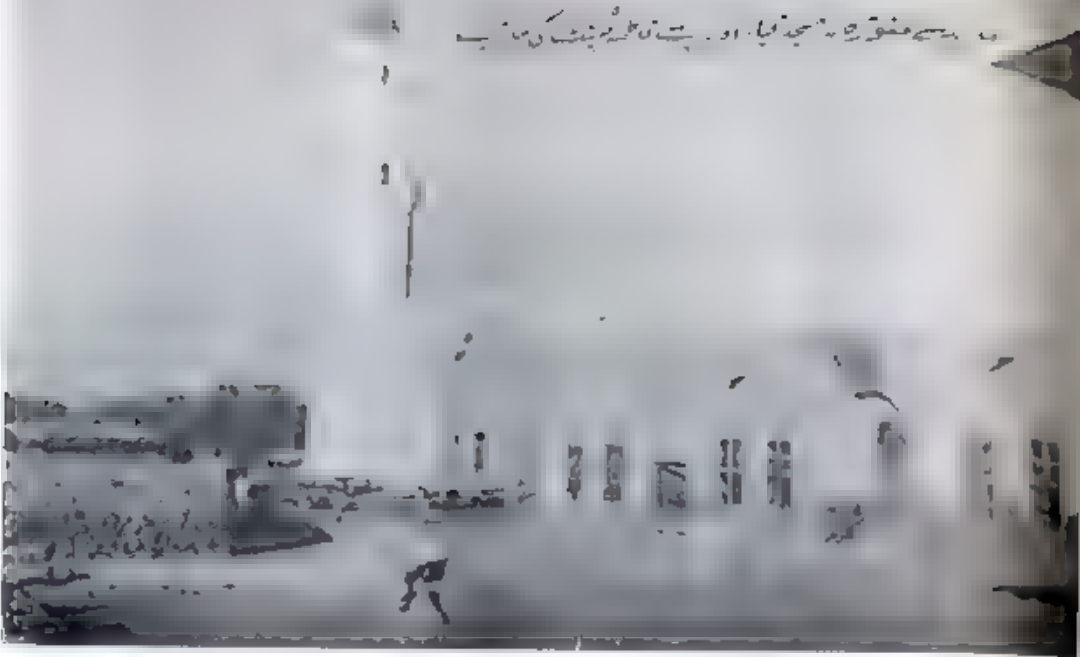
مسجد نبوی اور پشت کی جانب بیت فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا کی ایک نایاب تصویر

ہجرت مبارکہ کے چھ یا سات ماہ بعد (جس عرصہ میں آپ حضور ﷺ حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے ہاں مقیم رہے) رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ ؓ کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تاکہ آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ کو مدینہ طیبہ لایا جا سکے اس وقت تک مسجد نبوی شریف کے ساتھ ساتھ حضرت نبی کریم ﷺ کے وہ حجرات مبارکہ بھی تیار ہو چکے تھے بلکہ مکہ مکرمہ سے تشریف آوری پر آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ بھی پہلے قباء میں حضرت کلثوم ابن ہدم ؓ کے ہاں مہمان رہے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اہل خانہ بھی تھے پھر جب سیدہ اسماء بنت ابی بکر ؓ جو کہ اس وقت حاملہ تھیں تشریف لائیں تو وہ بھی قباء میں ہی ٹھہریں اور اسی اثناء میں ان کے ہاں حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کی ولادت ہوئی، جو کہ مہاجرین میں سے سب سے پہلے بچے تھے جن کی پیدائش ہجرت کے بعد ہوئی تھی (۱۳) یوں ارض قباء کو ایک اور فخر کا مقام مل گیا ہجرت مبارکہ کے بعد مہاجرین کے ہاں پہلے بچے کی ولادت بھی ارض قباء پر ہی ہوئی

قباء میں تاریخی مقامات

ہجرت مبارکہ کے بعد بے گھر مہاجرین جن کے پاس رہنے کا کوئی انتظام نہیں تھا وہ مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں ایک چبوترے (یعنی 'الصفہ' یا 'الظلہ') پر قیام کرتے تھے بعد میں جب مزید مہاجرین آ گئے تو صفہ کا مقام بھی تنگ پڑ گیا لہذا ان کے قیام کے لیے قباء میں عارضی انتظامات کیے گئے اس علاقہ کو 'حی المہاجرین' اور بعد میں اسے 'حوش المہاجرین' اور 'العرفات' بھی کہا جاتا تھا۔ ابن جبیر جس نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی، وہ اس آبادی کے متعلق لکھتے ہیں

"قصبے (قباء) کے آخر پر ایک اونچی سی جگہ یا ٹیلہ نما مقام ہے جسے العرفات کہا جاتا ہے اس پر 'دار الصفہ' واقع ہے جہاں حضرت عمار ابن یاسر ؓ اور حضرت سلمان فارسی ؓ نے قیام فرمایا تھا۔ اصحاب صفہ میں سے بہت سے دوسرے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی وہیں ٹھہرے تھے اس ٹیلے کو 'العرفات' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسی جگہ رسول اللہ ﷺ یوم عرفات کو ٹھہرے تھے (جب کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ حج کے لیے تشریف لے گئے تھے) اور معجزے کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام کو میدان عرفات کا جلوہ دکھایا تھا جہاں ان کے دیگر ساتھی فریضہ حج کے دوران وقوف عرفات کر رہے تھے قباء میں تاریخی مقامات کی تعداد اور ان کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے" (۱۵)

اس مقام پر ایک خوبصورت مسجد ہوا کرتی تھی جس کو مسجد عرفات کہا جاتا تھا جسے مسمار کر دیا گیا ہے اور وہ مسجد اور اس کا محل وقوع اہل قباء کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں (لیکن دل سے اوجھل نہیں ہوئی)۔ اسی طرح اس بستی کی باقیات بھی ویران کر دی گئی ہیں تاہم اس کی کچھ باقیات جہاں اصحاب الصفہ (مثلاً حضرت سلمان فارسی ؓ اور حضرت ابوہریرہ ؓ) نے عارضی طور پر قیام فرمایا تھا، ابھی بھی بقید حیات ہیں مگر نہائی

مسجد قباء کا قدیم منبر

خستہ و ناگفتہ بہ حالت میں ہیں۔ اس کے علاوہ قباء میں ایک اور تاریخی مقام قباء کا قدیم قلعہ ہے جس کی عمارت سے اس کی عظمت رفتہ کی جھلک اب بھی نظر آتی ہے۔

تقریباً نو صدیاں پہلے ۵۸۰ ہجری میں جب ابن جبیر نے قباء کی زیارت کی، وہ اس میں واقع تاریخی مقامات کے متعلق لکھتے ہیں:

''مسجد قباء کے قبلہ کی جانب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر ہے اور اس گھر کے احاطے میں مغربی جانب ایک کنواں ہے جس کے پاس ہی ایک چوڑا پتھر پڑا ہے جس پر لوگ وضو کرتے ہیں اور پھر دار بنی النجار کے بعد دار عائشہؓ ہے جس کے سامنے دار عمرؓ، دار فاطمہؓ اور دار ابو بکرؓ ہے جس کے سامنے بیر اریس ہے جس کا پانی نمکین ہو کرتا تھا مگر جونہی اس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اس کا کھارا پانی میٹھا اور پینے کے قابل ہو گیا اور اسی کنویں میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ سے انگوٹھی گر گئی تھی۔'' (۱۶)

جب سیدنا علی ابن ابی طالبؓ نے سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سے شادی کی تو انہوں نے مسجد قباء سے متصل ایک گھر لے لیا اور اہل بیت طاہرہ کے یہ مرکز چھ ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ ابراہیم رفعت پاشا کے بیان کے مطابق، مسجد قباء کی مغربی جانب ایک چھوٹی سی مسجد ہو کرتی تھی جو کہ اس گھر کی جگہ تھی جہاں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اپنے ہاتھوں سے اس چکی میں جو پیسا کرتی تھیں جو حضور سرور دو عالم ﷺ نے انہیں جہیز کے طور پر دی تھی۔ (۱۷) ان کے علاوہ اور بھی بہت سے تاریخی مقامات تھے جو کہ قباء میں تھے، مثلاً بیر غرس، بیر اریس وغیرہ جن میں سے چند تو ابھی تک بقید حیات ہیں (اگرچہ لوگوں کو ان کے استعمال سے منع کرنے کے لیے انہیں بند کر دیا گیا ہے) جب کہ باقی کے آثار اور مقامات ترقی کی اندھی دوڑ میں بلڈوزروں سے روندے جا چکے ہیں۔

اہم تاریخی مقامات مثلاً دار حضرت کلثوم بن ہدمؓ، دار سعد بن الخیثمہ (جہاں رسول اللہ ﷺ نے بوقت ہجرت قیام فرمایا تھا)، مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اور بیر اریس وغیرہ سب مسجد قباء کے توسیعی منصوبے کی آڑ میں منہدم کر دیے گئے تھے (حالانکہ یہ تمام مقامات مسجد قباء کی قبلہ کی جانب واقع تھے جس طرف مسجد شریف بڑھائی نہیں گئی)۔ ان میں صرف چند ایسے ہیں جو کہ مسجد قباء میں آ گئے، مگر باقیوں کی جگہ پارکنگ گراؤنڈ بنا دیے گئے ہیں۔ جہاں تک بیر اریس کا تعلق ہے وہ بیچ راہ سڑک اور درختوں کے جھنڈ کے نیچے دفن کر دیا گیا ہے۔

ان دنوں جب قباء، اعوالی اور قربان تقریباً پھیل کر ایک ہی آبادی بن چکے ہیں، وہاں چند بچے کھچے آثار اور تاریخی مقامات کے نشانات اب بھی موجود ہیں جن میں مسجد جمعہ، مسجد شمس، مسجد مصبح، بیر غرس، بستان حضرت سلمان فارسیؓ (مولف کی مدینہ طیبہ میں ۲۰۰۴ء کے اواخر میں حاضری پر معلوم ہوا کہ وہاں درختوں کی باقیات کا بھی صفایا کر دیا گیا ہے)، بستان حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ (انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہے)، بیر العہن (عام زائرین کی نظروں سے اوجھل انتہائی بے اعتنائی کا شکار ہے)، مشربہ ام ابراہیمؓ، مسجد الفضیخ (یہ مسجد اگست ۲۰۰۲ء میں گرا دی گئی تھی)، بستی مہاجرین اور یہودیوں کی چند قدیم بستیاں وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام بچے کھچے مقامات کی تفاصیل اپنے اپنے متعلقہ ابواب میں دی گئی ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، مسجد قباء کے قریب ہی قبلہ کی جانب وہ تمام تاریخی مقامات ہوا کرتے تھے جو حیات

مسجد قباء کی ایک نایاب تصویر جیسا کہ یہ صدی کے شروع میں

رسول مقبول ﷺ سے کسی طور منسلک رہے تھے مثلاً دار سعد بن الخیثمہؓ اور دار کلثوم بن الہدمؓ (جہاں سرور دو عالم ﷺ نے ہجرت پر قیام فرمایا تھا) پاس ہی بیر اریس (بیر خاتم) ہوا کرتا تھا۔ قبلہ ہی کی جانب دو چھوٹی چھوٹی مساجد بھی ہو کرتی تھیں جن میں سے ایک مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ تھی جو اس مقام پر تعمیر کی گئی تھی جہاں وہ گھر ہو کرتا تھا جو کہ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سیدۃ النساء سیدۃ فاطمہؓ سے شادی کے بعد لیا تھا۔ جہاں پر دونوں نے چھ ماہ تک قیام فرمایا تھا۔ ساتھ ہی ایک اور چھوٹی سی مسجد بھی ہو کرتی تھی جو کہ مسجد شمس کے نام سے مشہور تھی۔ مسجد قباء کے توسیعی منصوبے کی وجہ سے وہ تمام جگہ صاف کر دی گئی تھی۔ اب نہ تو وہاں مسجد ہے اور نہ ہی وہ تاریخی مکانات۔ پہلے تو اس جگہ کو خالی پلاٹ کی صورت میں کھلا چھوڑ دیا گیا تھا مگر اب ۲۰۰۲ء کے اواخر میں وہاں ایک شاپنگ سنٹر زیر تعمیر ہے۔ ان مکانات کی جگہ پر حال ہی میں کھجوروں کی ایک منڈی قائم کر دی گئی ہے۔ صرف تاریخ کے جھروکوں سے ماضی میں جھانکنے کے لیے ہم یہاں ابراہیم رفعت پاشا کی ۱۹۰۲ء میں لی گئی مسجد فاطمۃ الزہراءؓ اور مسجد شمس کی تصویر دے رہے ہیں۔

مسجد قباء

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ورود مسعود کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ اس گاؤں میں ایک مسجد کی تعمیر تھی جسے عالم اسلام کی پہلی مسجد ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی تھی۔ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ فرزندان توحید نے رسول اللہ ﷺ کی امامت میں پوری آزادی کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔ حضرت سعد بن الخیثمہؓ ان بارہ انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جنہوں نے بیعت عقبہ ثانی میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ انہوں نے بیعت عقبہ سے واپسی پر اپنے گھر کے پاس ایک احاطے میں نماز پڑھنے کا بندوبست کیا تھا۔ یہ زمین ایک عورت کی ملکیت تھی جس کا نام 'لیہ' تھا جہاں وہ اپنے بار بردار جانور باندھا کرتی تھی۔ (۱۸) حضرت سعد بن الخیثمہؓ نے وہ زمین لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی تا کہ اس پر مسجد تعمیر کی جا سکے۔ اس کے احاطے میں ایک کنواں ہو کرتا تھا جس کا نام بیر قباء تھا (۱۹) اسی نسبت سے اس مسجد کو مسجد قباء کہا جانے لگا۔

قباء کی بستی میں مسجد فاطمۃ الزہرہؓ اور مسجد شمس کی ایک نایاب تصویر

الطبرانی میں حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ وہ آپ کی ناقہ 'قصوی' پر بیٹھ کر اس جگہ کا چکر لگائیں۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ناقہ رسول پر بیٹھنے کی کوشش کی مگر وہ چھلانگ لگا کر کھڑی ہو گئی اور ان کو اپنے اوپر بیٹھنے نہ دیا۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ نے کوشش کی مگر اس بار بھی اس نے ایسا ہی کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [کیا تم میں سے کوئی اور ہے جو اس پر سوار ہونے کی کوشش کرے گا؟] اس پر حضرت علی المرتضیٰؓ کھڑے ہوئے اور قسمت آزمائی کی کوشش کی۔ سب دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ قصوی بڑے آرام سے بیٹھی رہی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ آسانی سے اس پر سوار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

مسجد قباء شریف کا جدید تعمیر کے بعد اندرونی منظر

مسجد قباء کے صدر دروازے کے اوپر آویزاں خطاط مصطفیٰ عزت کا لکھا ہوا کتبہ

اس کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے اور جس جگہ یہ تعمیر کی گئی ہے اس پر تختی لگا دی گئی ہے اور اس میں شامل تمام زمین کی حدود بھی مسجد قباء میں شامل کر دی جائیں گی جس کی تفصیل مدینہ کی طرف سے جاری ہو چکی ہے (۲۰) اس طرح پتہ چلتا ہے کہ مسجد قبا کی حدود کا تعین اس کی قدیم مسجد کے اندر کی بنیادوں کے قصوں کے مطابق ہے جس کی تفصیل بیان کی گئی۔

جب زمین کی تحدید ہو چکی تو روایات کے مطابق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قباء کے لوگو! مجھے پتھر لا کر دو۔ جب بہت سے پتھر جمع ہو چکے تو ایک پتھر کو اپنے دست مبارک سے پہلی خشت کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ [(حمیدی ص ۳۰ و ۳۱)] روایت کے مطابق حضرت ابن ابی حثمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اول جب سنگ بنیاد رکھا، پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے دوسرے پتھر رکھے اور پھر ان کے بعد باقی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پتھر رکھے (۲) رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شانہ بشانہ کام کرتے اور تعمیر کے لیے پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے (۲۲) الطبرانی کی ایک اور روایت کے مطابق مشہور صحابیہ سیدہ شموس بنت نعمانؓ سے مروی ہے [میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد تعمیر کرتے ہوئے دیکھا آپ حضور ﷺ پتھر اور اینٹیں اپنی کمر پر لادلیتے یہاں تک کہ آپ کی کمر مبارک جھک جاتی آپ کے کپڑے اور چہرے مبارک پر مٹی کے آثار نمایاں ہو جاتے جب بھی کوئی صحابی آپ حضور ﷺ کی کمر مبارک سے کوئی پتھر اٹھانے کی کوشش کرتا تاکہ آپ حضور ﷺ پر بوجھ کم ہو جائے تو آپ اسے منع فرما دیتے اور فرماتے کہ وہ جا کر آپ کی طرح دوسرے پتھر اٹھا کر لائیں (۲۳) حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کام کرتے وقت مدحیہ کلمات پڑھتے مندرجہ ذیل اشعار سے آپ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت اور وابستگی جھلکتی ہے جس نے ان کے نام گرامی کو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے

کامیاب و کامران ہے وہ جو مسجد کی تعمیر کرتے ہیں

اور کھڑے اور بیٹھے تلاوت قرآن کریم کرتے ہیں

اور اپنی راتیں رب ذوالجلال کی عبادت میں گزارتے ہیں

جواب میں رسول اللہ ﷺ بھی تعریفی شعر پڑھتے تھے

رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے تعمیر ہونے والی مسجد قبا نہایت ہی سادہ سی عمارت تھی جس کی دیواریں پتھروں سے اور کھجور کے چوبی ٹہنیوں کو گارے میں ملا کر بنائی گئی تھیں اس کے شہتیر کھجور کے تنوں سے بنائے گئے تھے سترہ ماہ بعد جب تحویل قبلہ کا حکم آ گیا تو مسجد قباء کا قبلہ بھی کعبۃ المشرفہ کی طرف کر دیا گیا حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی ہے [ہم مسجد قباء میں نماز پڑھ رہے تھے جب کسی نے آ کر اعلان کیا کہ تحویل کعبہ کا حکم نازل ہوا ہے اور اس کے مطابق ہم سب نے اپنے رخ نماز کی حالت میں کعبۃ المشرفہ کی جانب موڑ لیے] جب رسول اللہ ﷺ قباء سے مدینہ طیبہ شریف لے گئے تو حضرت معاذ ابن جبلؓ اس مسجد میں امامت کروایا کرتے تھے ان کے بعد حضرت سالمؓ جو کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے آزاد کردہ غلام تھے امامت کروایا کرتے تھے اور اصحابہ کبار میں سے (حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر ابن الخطابؓ) جو بھی وہاں آتے انہیں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے (۲۵) صحیح بخاری کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے

[illegible]

[جب شہر مدینہ میں مہاجرین العصبہ میں (جو کہ آج بھی قباء میں مشہور مقام ہے) ہجرت رسول اللہ ﷺ سے پہلے آئے تو حضرت سالم مولیٰ حضرت ابو حذیفہؓ کے غلام تھے وہاں نماز پڑھایا کرتے تھے](۲۶) رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں حضرت سعد بن عابدؓ جو کہ حضرت یاسرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے مسجد قباء میں موذن کے فرائض ادا کرتے تھے

مسجد قباء کی اہمیت کے پیش نظر حکمران اور سلاطین اسلام اس کا بہت خیال رکھتے تھے پہلی بار اس کی توسیع حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں ہوئی جیسا کہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمنؓ کی روایت سے ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی صومعہ اور قبلہ کے درمیان ہے وہ حضرت عثمانؓ کی توسیع کا نتیجہ ہے (۲۷) ولید بن عبدالملک کی خلافت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دور گورنری میں ۹۱-۹۳ ہجری میں اس کی تعمیر نو ہوئی سب سے پہلے اس مسجد میں موذنان کے دور میں تعمیر ہوا ابن نجار کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جب اس کی تعمیر نو کی اس کی توسیع بھی کر دی جس سے اس کا رقبہ کافی بڑھ گیا ستونوں پر دیدہ زیب نقش و نگار سے اس کی تزئین کی گئی ستون پتھر کے تھے جن کو سیسہ کے ساتھ مضبوط کر دیا گیا تھا۔ (۲۸) انہوں نے اس کی چھت میں شیشم کی لکڑی استعمال کی۔ (۲۹) حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی بنائی ہوئی مسجد قباء چار صدیوں سے زیادہ عرصہ تک رہی پھر مرور ایام سے اس میں شکست و ریخت کے آثار نمودار ہونے لگے اس لیے ابو یعلیٰ الحسینی نے اس کی مرمت کر دی

ابن شبہ کے مطابق دوسری صدی ہجری کے اواخر میں مسجد قباء کی پیمائش کچھ اس طرح تھی:

۶۶x۶۶ ذرع (یعنی ۳۳x۳۳ میٹر) جبکہ اس کی بلندی ۱۹ ذرع (یعنی ساڑھے نو میٹر) تھی

مسجد کے درمیان ایک کھلا صحن تھا جو کہ ۵۰ ذرع طویل اور ۲۶ ذرع عریض تھا اس کے تین دروازے تھے چھت کو ۳۲ ستونوں پر استوار کیا گیا تھا مسجد کے چار مینار بھی بنائے گئے تھے جن کو ۹x۹ ذرع کی بنیادوں پر استوار کیا گیا تھا ان میناروں کی بلندی ۵۰ ذرع (۲۵ میٹر) تھی۔ (۳۰) انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رات کے وقت روشنی کا بندوبست کرنے کے لیے ۲۴ قندیلیں یا شمعیں روشن کی جاتی تھیں

۴۳۵ ہجری میں ابو یعلیٰ الحسینی نے اسے تعمیر کروایا عبدالقدوس انصاری نے خاص طور پر ایک آثار قدیمہ کی لوح سنگ کا ذکر کیا ہے جس پر اور تحریر کے علاوہ یہ بھی لکھا ہوا تھا ''شریف ابو یعلیٰ احمد بن الحسن بن احمد بن الحسن بن علی نے اسے چار سو پینتیس سن ہجری میں تعمیر کیا'' (۳۱) اس کے بعد ۵۵۵ ہجری میں جمال الدین اصفہانی نے جو کہ نورالدین زنگیؒ کے وزیر تھے اس کی تعمیر نو کی (۳۲) اصفہانی کی تعمیر نو کے بعد جب ابن جبیر نے مسجد قباء کی زیارت کی تو اس کی خوبصورتی کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے انہوں نے ہمیں مندرجہ ذیل معلومات فراہم کی ہیں:

عہد عثمانی میں تعمیر شدہ محراب

''یہ مسجد مربع شکل کی ہے جس کا طول و عرض یکساں ہے اس کا ایک سفید رنگ کا مینارہ ہے جو بہت دور سے ہی نظر آنے لگتا ہے صحن کے وسط میں مبارک ناقہ ہے جہاں کہ رسول اللہ ﷺ کی ناقہ قصویٰ بیٹھا کرتی تھی'' (۳۳)

اس کے بعد ۶۷۱ ہجری میں مرمت کیا گیا اور پھر ۷۳۳ ہجری میں سلطان ناصر بن قلاوون نے اس کی مرمت کی پھر سلطان اشرف برسبائی کے دور میں ۸۴۰ ہجری میں شیخ الخدام مقبل القدسی کی نگرانی میں اس کی مرمت ہوئی۔ (۳۴) ۸۷۷ ہجری میں اس کا ایک مینارہ گر گیا تھا لہٰذا سلطان اشرف قایتبائی نے ۸۸۱ ہجری میں اس مینارے کو دوسرے حصوں کے ساتھ ہی از سر نو تعمیر کروایا اس کام کی نگرانی شمس بن زمن نے کی جو کہ اس وقت مسجد نبوی میں حجرہ مطہرہ کی مرمت بھی کروا رہے تھے سلطان قایتبائی کے دور میں اس کی چھتوں کو بدل کر نئی چھتیں ڈلوا دی گئیں العباسی بیان کرتے ہیں کہ دسویں صدی ہجری میں مسجد قباء کی پیمائش ۶۰x۶۰ ذرع (یعنی ۳۰x۳۰ میٹر) تھی (۳۵) اس کے بعد عثمانی ترکوں کا دور آگیا جنہوں نے اس مسجد قباء کی خوب دیکھ بھال کی سلطان عبدالمجید ثانی نے ۱۲۴۰ ہجری میں اسے نئے سرے سے تعمیر کروایا ابراہیم رفعت پاشا کے بیان کے مطابق نئی بنیادوں پر بنی ہوئی مسجد قباء کا رقبہ ۴۰x۴۰ میٹر تھا جب کہ اس کی بلندی ۶ میٹر تھی انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ صحن مسجد میں مبرک الناقہ کے مقام کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا تھا (۳۶)

اس کے بعد بھی اس میں مرمت کا کام ہوتا رہا پھر سلطان محمود ثانی نے ۱۲۴۵ ہجری میں اسے نئے سرے سے بنوا دیا اس کے بعد شاہ فیصل مرحوم کے دور میں ۱۳۸۸ ہجری میں اس کی تعمیر سعودی وزارت حج و اوقاف کی نگرانی میں ہوئی اس وقت اس پر ۸۰۰،۰۰۰ ریال خرچ ہوئے ۱۹۸۴ء میں خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس کی نئے سرے سے تعمیر کا حکم صادر کیا انہوں نے خاص ہدایات جاری کیں کہ اس کی تعمیر نو ایسے انداز سے کی جائے کہ اس میں اسلامی فن تعمیر کی جھلک نمایاں رہے اور ساتھ ہی ساتھ مسجد کی عمارت جدید دور کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہو چونکہ پچھلی تین دہائیوں میں زائرین کی تعداد میں اتنا اضافہ ہوا ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی اس لیے اس کو مزید توسیع دینے کے اقدامات بھی جاری کیے مسجد کا سنگ بنیاد ماہ صفر ۱۴۰۵ ہجری میں رکھا گیا

تعمیر نو کا کام بن لادن گروپ کے ذمے لگا جنہوں نے محنت شاقہ اور پوری لگن سے ۱۹۸۶ء میں پایہ تکمیل تک پہنچایا تعمیر کے دوران ۶۰۰ سے ۸۰۰ کاریگر اس منصوبے پر کام کرتے رہے ماضی میں اس کا رقبہ ۱۳۵۲ مربع میٹر تھا جو اب بڑھ کر ۱۳۶۵۰ مربع میٹر ہو گیا ہے مسجد کے اندر ۲۵۰۰ مرد اور زنانہ حصہ میں ۵۰۰ خواتین بیک وقت نماز ادا کر سکتی ہیں مسجد شریف کے باہر کے علاقے کا فرش خوشرنگ گرینائٹ کے بلاکوں سے بنایا گیا ہے۔ مسجد کا فرش سطح زمین سے تقریباً ایک منزل بلند ہے اور شمالی جانب نیچے اتر کر زنانہ اور مردانہ بیت

انخلاء اور وضو خانے بنائے گئے ہیں۔ مردوں کی طرف کل ۱۳۴ وضو خانے کی ٹونٹیاں ہیں جب کہ زنانہ طرف ۲۳ جو اتنی ہی وقت ...
سکتی ہیں کل رقبے میں سے ۳۲۰ مربع میٹر کا علاقہ صرف خواتین کے لیے مخصوص ہے

بیرونی برآمدے کے ساتھ ہی تجارتی علاقہ ہیں جس میں بہت سے سٹال اور دکانیں بنائی گئی ہیں جہاں عموماً تحائف اور مدینہ منورہ کی سوغاتیں بکتی ہیں خوبصورت شجرکاری کر کے مسجد کے ماحول کو بہت خوشنما بنا دیا گیا ہے اس میں کہیں کہیں مدینہ طیبہ کے روایتی درخت کھجور کے پیڑ لگا کر اس منظر کو روایتی مدنی رنگ دے دیا گیا ہے جو کہ طلوع آفتاب کے وقت مسحور کن نظر آتا ہے قباء کو مدینہ طیبہ سے ملانے والی ہائی وے جب مسجد قباء کے قریب سے زیر زمین انڈر پاس سے گزرتی ہے تو اس سے یہ منظر اور بھی حسین ہو جاتا ہے پاس ہی پڑے لوہے کے گئے ہیں جن کی جل ترنگ اہل ذوق کو دعوت فکر دیتی ہے مسجد شریف کے چار مینار ہیں اور ایک بہت بڑا گنبد ہے جو کہ سفید سنگ مرمر کا بنا ہے معذور زائرین کے لیے خاص انتظامات اور راستے بنائے گئے ہیں تاکہ وہ ویل چیئر پر اندر جا سکیں مسجد شریف کو مرکزی کنڈیشننگ نظام سے ٹھنڈا اور گرم کیا جاتا ہے خوش آئین کی مسجد قباء بہت دیدہ زیب اور منجھے ہوئے فن تعمیر کی عکاسی کرتی ہے چار بلند مینار اور متعدد چھوٹے بڑے گنبد اس کی عظیم الشان تعمیر کی منہ بولتی تصویر ہیں شاہ فہد کے دور میں بنائی گئی مساجد کا ایک طرۂ امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ ہر قسم کی جدید سہولتیں فراہم کرتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قدیم اسلامی فن تعمیر اور جدید نظریات کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں یہ تمام خوبیاں مسجد قباء میں بدرجہ اتم موجود ہیں صحن مسجد کے گرد مسقف دالان اور برآمدے ہیں جن کے اوپر چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے گئے ہیں تاکہ موسمی اثرات سے بچا جا سکے صحن پر بجلی سے کھلنے اور بند ہونے والی مضبوط ترپال (کینوپیس) ڈالی گئی ہے جو کہ طویل بڑی پٹیوں کی صورت میں چھت کا سا سایہ مہیا کرتی ہیں

مسجد شریف کا فرش ایسے سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے جس پر موسمی اثرات اور خاص طور پر گرمی اثر نہیں کرتی مسجد کے گرد گاڑیاں پارک کرنے کے لیے وسیع پارکنگ ایریاز بنائے گئے ہیں بسیں اور لیموزین مدینہ طیبہ اور قباء کے درمیان زائرین کے آنے جانے کے لیے بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں تعمیر نو کے مرحلے میں ایک بار جب حبیب بورقیبہ صدر تیونس نے مسجد قباء کی زیارت کی تو انہوں نے تیونسی گرینائٹ سے بنا ہوا خاص میٹیریل اور تخمینہ اور کاریگر بھیجنے کی پیش کش کی۔ یوں موجودہ محراب کی چمک اور خوبصورتی میں تیونسی خلوص بھی میسر آیا مسجد کی تعمیر پر کل ۳۰ لاکھ اینٹیں استعمال ہوئیں جو کہ ارض پاک مدینہ طیبہ کی تربت سے مٹی فیکٹری میں بنی تھیں شاہ فہد نے ماہ ... نے مسجد قباء کا ۱۴۰۷ ہجری (۱۹۸۷ء) میں افتتاح کیا مسجد کے ساتھ رہائشی ایریا بھی ہے جہاں امام صاحب اور دیگر عملہ رہائش پذیر ہے

مسجد قباء کے ضمن میں ہم ایک اور بات قارئین کے گوش گزار کرنا چاہیں گے کہ سلطان قیتبائی نے ۸۸۸ ہجری میں سنگ مرمر کا ایک خوبصورت منبر بنوا کر مسجد نبوی شریف روانہ کیا تھا جو کہ ایک صدی تک بطور منبر رسول اللہ ﷺ کے مقام پر رہا پھر بعد میں جب سلطان مراد ثانی نے ایک اور منبر بنوا کر مسجد نبوی کی نذر کیا تو وہ پرانا منبر ہٹا کر مسجد قباء میں رکھ دیا گیا جو کہ آج بھی محراب کے دائیں جانب رکھا ہوا ہے یہ سفید سنگ مرمر سے بنا ہے اور اس کے دروازے گہرے بھورے رنگ کے ہیں جن پر نفیس لکڑی کا کام کیا گیا ہے جس سے مصری کاریگروں کی مہارت اور عشق رسول کی عکاسی ہوتی ہے یہ منبر شریف اب بھی زیر استعمال ہے اور مسجد قباء کے امام صاحب اسی پر بیٹھ کر خطبہ دیتے ہیں

مدینہ طیبہ کے مورخین میں سے امام سمہودی اور شیخ احمد العباسی نے رسول اللہ ﷺ کا مسجد قباء پر جانے کا تفصیلی ذکر کیا ہے آپ حضور ﷺ جب بھی عازم قباء ہوتے تو پہلے بنی زریق میں مسجد مصلاۃ (مسجد الغمامہ) تشریف لے جاتے اور پھر وہاں سے وادی بطحان کے کنارے کنارے قباء روانہ ہو جاتے۔ (۳۸) صدیوں سے وہی راستہ 'طریق سویقہ' یا 'درب قباء' کے نام سے جانا جاتا تھا اور پھر جوں جوں مدینہ طیبہ ترقی کی منازل طے کرتا رہا وہی پرانا راستہ قباء روڈ بن گیا ایسے زائرین جو مسجد قباء پیدل جانا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اسی طریق
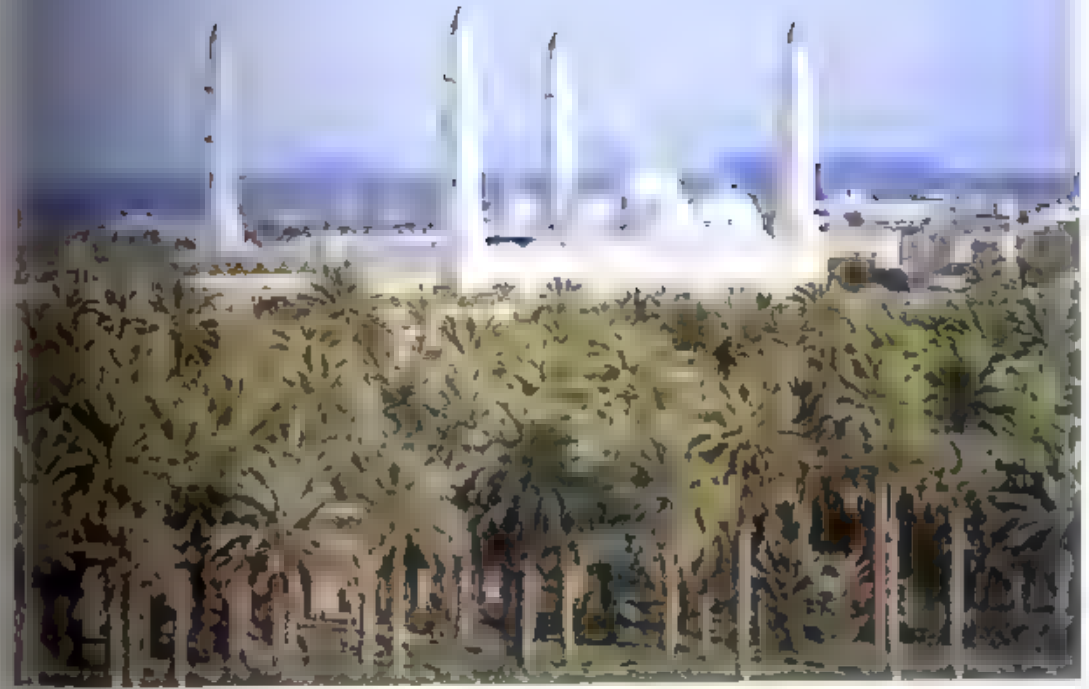
قباء پر چلیں کیونکہ یہ وہی راستہ ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے نہ جانے کتنی بار پیادہ اور سواری پر سفر کیا تھا اور آپ کی تقلید میں تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جاں نثاران رسول اسی راہ سے گزرتے ہوں گے

مسجد قباء کا تاریخی اور شرعی مقام

[بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں کہ خوب پاک ہونا چاہتے ہیں اور اللہ پاک لوگوں کو پیار کرتا ہے](۳۹) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور مبارک سے اس آیۂ کریمہ کی تفسیر کے بارے میں اختلاف ہے ہم نے باب مسجد نبوی شریف میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے یہاں ہم صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ مفسرین اور علماء کے قریب دونوں مساجد (یعنی مسجد نبوی شریف اور مسجد قباء) روز اول سے جب سے ان کی خشت اول رکھی گئی تھی بنیاد تقویٰ پر مبنی ہے۔ لیکن بایں ہمہ مسجد نبوی شریف مسجد قباء پر فوقیت رکھتی ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قباء سواری پر یا پیادہ جایا کرتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے (۴۰) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ حضور ﷺ قباء کو ہفتے کے دن تشریف لے جاتے، اور جاتے وقت یا تو سواری پر یا پھر پیادہ تشریف لے جاتے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یہی کرتے تھے۔ (۴۱) حضرت محمد بن منکدرؒ سے مروی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ قباء ہر سال کے رمضان کو علی الصباح تشریف لے جاتے] حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد قباء کبھی پیدل چل کر جاتے اور کبھی سواری پر۔ اس پر حضرت نافعؒ نے ایک دوسری روایت میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ [پھر آپ حضور ﷺ مسجد قباء میں دو رکعت نماز ادا کرتے]

صحابیہ سیدہ ام بکر بنت مسورؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا [مسجد قباء اگر آسمانوں میں یا افق پر بھی ہوتی تو ہم نے

مسجد قباء شریف کا ایک خوبصورت منظر
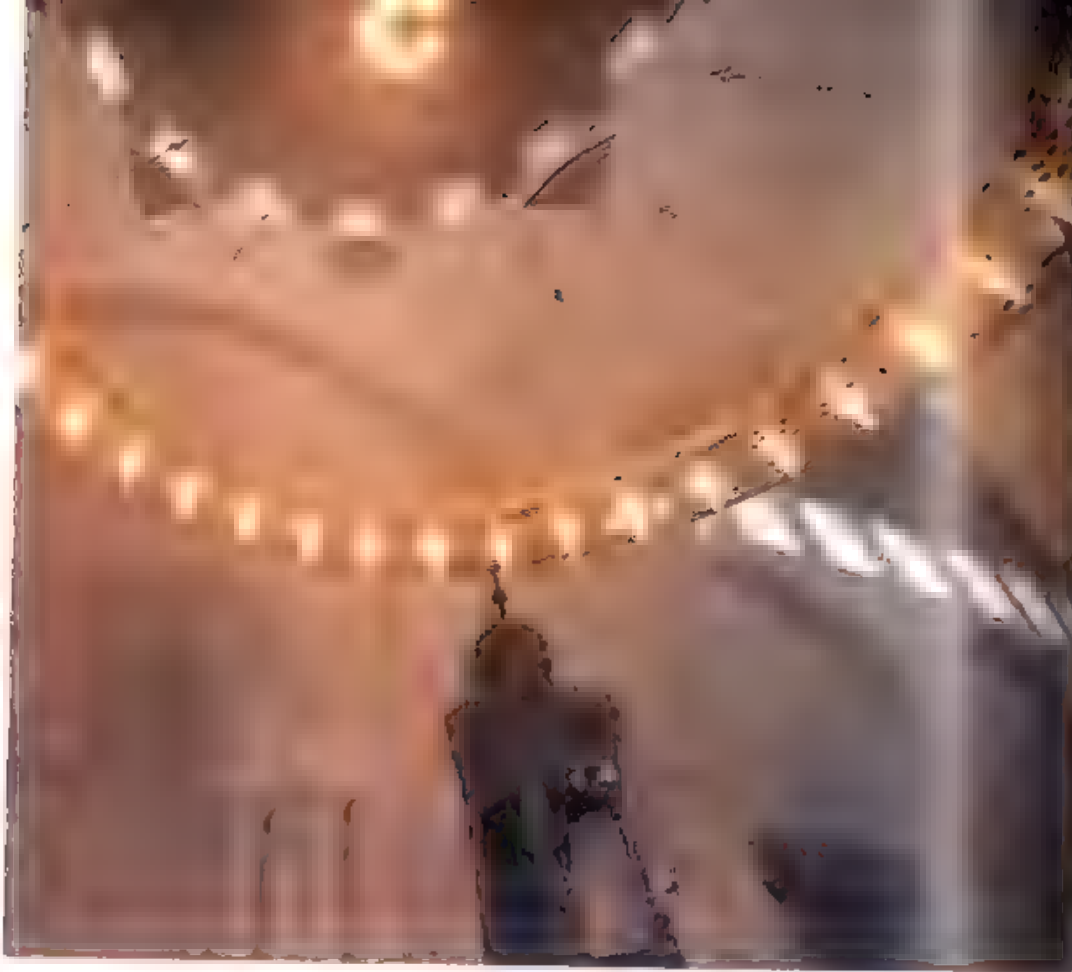
مسجد قباء شریف کے گنبد کا اندرونی منظر

اس تک پہنچنے کے لئے ہم اونٹوں پر سوار ہو کر جاتے اور اگر انہیں مجبور کر دیتے کہ وہ ہمیں وہاں لے چلتے](۴۲) مسجد قباء کے متعلق لکھتے ہوئے فیروز آبادی نے ”مغانم المطابہ فی معالم طابہ“ میں بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر نے حضرت سعد بن عمرو بن سلیم الزرقیؒ سے روایت کیا ہے ”رسول اللہ ﷺ اپنے گدھے پر سوار ہوتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیدل آپ حضور ﷺ کے ارد گرد ہو کر چلتے اور اس طرح آپ ہر ہفتے کے دن قباء تشریف لے جاتے“ اور حضرت زید بن اسلمؓ سے مروی ہے [شکر ہے رب ذوالجلال کا جس نے قباء کو ہمارے قریب تر بنایا ہے اور اگر یہ افق پر بھی ہوتی تو ہم اپنے اونٹوں کو پیٹ پیٹ کر انہیں وہاں لے جانے پر مجبور کر دیتے“(۴۳) صاحب مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جب حضور پر نور ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر قباء تشریف لے جا رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بھی دراز گوش پر سوار ہونے کی دعوت دی کمزوری کے باعث حضرت ابوہریرہؓ سے سوار نہیں ہوا جا تا تھا، اس لیے انہوں نے آپ حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اوپر سوار ہونے کی سعی کی جس کی وجہ سے دونوں نیچے آ رہے۔ دوسری بار بھی رحمت دو عالم ﷺ نے ان کو دعوت دی اور اس بار بھی ایسا ہی ہوا جب تیسری بار نبی الرحمۃ ﷺ نے ان کو دعوت دی تو انہوں نے خجالت سے سوار ہونے سے معذوری ظاہر کردی یہ واقعہ بھی طریق قباء پر کسی مقام پر ہوا تھا۔

حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ [میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا ”مجھے مسجد قباء میں دو رکعت ادا کر لینا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ میں بیت المقدس میں دو بار جاؤں۔ اگر لوگوں کو پتہ ہو کہ قباء میں کیا ہے تو وہ اپنے اونٹوں کے بطنوں کو پیٹ پیٹ کر وہاں جانے پر مجبور کریں“(۴۴)

حضرت اسید بن حضیر انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [قباء میں ایک نماز ایک عمرہ کے برابر ہے](۴۵)، ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے [میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس کسی نے اس (مسجد) میں نماز ادا کی وہ عمرہ

مسجد نبوی شریف میں داخل ہونے والے ایک قدیم دروازے کا اندرونی منظر، عہد عثمانی میں تجدید و تعمیر کے بعد

طالب علم بھی سن جانتے ہیں کہ مقام صفہ سے ان ہستیوں کا روایت حدیث میں کتنا بلند مقام ہے اتنی زیادہ حدیث اور کی اصحاب سے روایت نہیں ہیں ساتھ ہی ساتھ یہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم فقر اور استغنا کی دولت سے مالا مال تھے ان کے سخاوت کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں [روایات میں آتا ہے کہ جب کبھی کوئی کسی اہل الصفہ کو کوئی چیز پیش کرتا تو وہ اپنے دوسرے ساتھی کو پیش کر دیتے وہ آگے کسی تیسرے اہل الصفہ کو پیش کر دیتے اور کرتے کرتے وہ چیز پہلے اہل الصفہ کے پاس گھوم پھر کر واپس آ جاتی](٢٨)

اس کے علاوہ تقویٰ کا ہرگز یہ مطلب نہ لیا جانا چاہیے کہ انہوں نے کسی دور میں جب ضرورت پڑی ہے تو سعادت حاصل کرنی تھی یا نیابت تقویٰ تھی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب کبھی بھی غزوہ یا سرایا کا وقت آیا سب سے پہلے جہاد کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنے والے یہی ہوتے تھے اور اس طرح وہ اشاعت اسلام کی اہم ذمہ داری تصور ہوتے تھے فاتح اسلام رسول اللہ ﷺ نے جب بھی کسی بڑے فریضہ کے لیے صحابہ کو بلایا تو سب سے پہلے لبیک کہنے والے یہی اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم ہوتے تھے اور کبھی تو ایسے بھی ہوتا کہ جوں ہی رسول اللہ ﷺ کو کوئی ایسی ضرورت لاحق ہوتی جو فوری اور درست اقدام کی متقاضی ہوتیں تو اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم تیار ہو کر حاضر ہو جاتے اگر رات کے وقت مدینہ طیبہ کے کسی حصے پر کوئی حملہ کر دیتا اور بے خبری ہو جاتی کہ فوری طور پر اس حملہ آور کا مقابلہ یا پیچھا کیا جائے تو انہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے چند موقع پر پہنچ کر حملہ آوروں کو بھگاتے تھے چونکہ وہ دن رات دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر رہا کرتے تھے انہیں آج کی زبان میں ایسے معاملوں میں ایک ایسی تنظیم یا گروہ جان باز یا سر فروش کا نام دیا جا سکتا ہے جس کا کام ہی فوری نوعیت کے اقدام کرنا ہوتا تھا (Quick Action Task Force) ان میں سے بہت سوں نے غزوہ بدر اور دیگر جنگوں میں بھی شرکت کی اور جام شہادت نوش فرمایا تھا، مثلاً حضرت زید بن خطاب وغیرہ اور بہت سے اہل الصفہ غزوہ احد میں بھی سر بکف شریک تھے اور شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہوئے تھے، مثلاً حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ ان کے علاوہ خیبر اور غزوہ تبوک میں بھی شہید ہوئے تھے (٢٩) ان ستر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے جن کو دھوکے سے بیر معونہ پر نجدیوں نے شہید کر دیا تھا، ان میں کثیر تعداد اہل الصفہ ہی کی تھی (٣٠)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں معاشی حالات کی بہتری کے ساتھ ساتھ اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کی تعداد بھی کم ہوتی گئی ابن الجوزی کے مطابق "اہل الصفہ مسجد نبوی میں اس وقت تک قیام کرتے جب تک کہ ان کو نان و نفقہ کے لیے دوسروں پر انحصار کرنا پڑتا تھا تاہم جونہی اسلامی فتوحات نے نئے مواقع پیدا کیے تو ان کو دوسروں پر انحصار کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ ان میں سے کثیر تو مسلمہ فاتحین کے ساتھ جہاد کے لیے چلے گئے تھے" (٣١)

ابن ہشام کے بیان کے مطابق اہل الصفہ کی تعداد مختلف وقتوں میں مختلف رہی تھی۔ کم سے کم ١٢ افراد سے لے کر ٣٠٠ افراد ایک وقت میں مقام الصفہ پر مقیم رہے تھے ایک روایت میں ان کی کل تعداد ٦٠٠-٧٠٠ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بتائی گئی ہے حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر کی ایک روایت کے مطابق ایک دن ان کی تعداد ١٣٠ تھی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک بھیڑ خریدی تھی جسے ذبح کرنے کے بعد اس کا کلیجہ بھونا گیا اور پھر معجزہ نبوی سے وہی کلیجہ ١٣٠ مہمانوں اور رسالت مآب ﷺ کے لیے کافی ثابت ہوا (٣٢) کچھ تو صرف دو یا چند دن ہی رکے تھے اور جونہی ان کے باہر رہنے کا بندوبست ہوا اور انہیں روزگار کے لیے کوئی کام مل گیا، تو وہ الصفہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے تھے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق [میں نے صفہ پر ٣٠٠ سے زیادہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو دیکھا](٣٣) حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت ابوہریرہؓ مشرف بہ اسلام ہو کر مقام صفہ پر سکونت پذیر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیگر اصحاب الصفہ پر عریف بنا دیا تھا جب کبھی من حیث جماعت تمام اصحاب الصفہ کو بلانا مقصود ہوتا یا کسی کام پر لگانا ہوتا تو حضرت ابوہریرہؓ کو طلب کر کے حکم دے

مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد

سرکار دو عالم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں مختلف جگہوں پر مساجد تعمیر کی جائیں اور یوں مسجد نبوی شریف کے ساتھ ساتھ دیگر مساجد بھی معرض وجود میں آچکی تھیں جو کہ مساجد البیوت کہلاتی تھیں جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مسجد نبوی شریف کی آذان کے ساتھ ہی نماز ادا کر دیا کرتے تھے
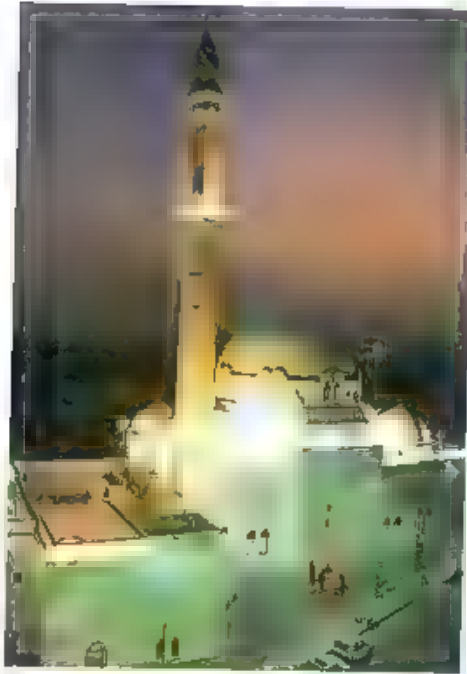
رچرڈ برٹن (برطانوی جاسوس) نے اپنے کتاب میں اس مسجد کی عمارت کا اسکیچ بنا کر شامل کیا ہے

اسکیچ تیار کردہ C.F.Kell Lith

MUSALAAL-NABI, THE PROPHET'S PLACE OF PRAYER

مسجد غمامہ، ترک دور میں

جاں نثارانِ رسولِ مقبول ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے یہ بہت ہی عزت و وقار کا لمحہ ہوتا جب کبھی حبیبِ خدا علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم ان کے گھروں کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازتے۔ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہتی جب کہ ان میں سے کسی کو سرورِ دو عالم ﷺ کی میزبانی نصیب ہو جاتی۔ حضورِ رسالت مآب ﷺ کبھی کبھی کسی کی دعوت یا درخواست پر رونق افروز فرماتے اور دورانِ ملاقات اگر مسجد میں نماز کا وقت آ جاتا تو آقائے دو جہاں سید کونین ﷺ سے درخواست کی جاتی کہ وہ میزبان کے گھر میں نماز کی امامت فرمائیں۔ مختلف سماجی مواقع (مثلاً شادی بیاہ، تیمارداری یا عزاداری یا دیگر سماجی اور ریاستی ضروریات وغیرہ) پر بھی حضورِ نبی اکرم ﷺ اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور ان کی خوشی اور غم میں برابر کے شریک ہوتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی صحابی مخلص اپنے حضورِ پرنور ﷺ کو اپنے گھر تشریف لانے کی درخواست کرتا کہ آپ ان کے گھر میں نماز ادا فرمائیں۔( ) اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ تاجدارِ مدینہ سرورِ قلب وسینہ ﷺ کسی قریب کے گھر میں تشریف لے جاتے تاکہ وہاں جا کر تھوڑی دیر کے لیے سستا لیں، جیسا کہ کتبِ احادیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ آقائے دو جہاں سید انس وجاں ﷺ سیدہ ام سلیمؓ (حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ ماجدہ) کے ہاں اکثر تشریف لے جاتے اور وہاں قیلولہ فرماتے اور پھر جب نماز کا وقت ہو جاتا تو وہیں نماز کے لیے سجدہ ریز ہو جاتے۔(۲) اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی کے ہاں ویسے ہی تشریف لے جاتے اور وہاں نماز ادا فرماتے جیسا کہ بروایت حضرت صعصعہؓ کئی بار ایسا ہوا کہ حضور رسول مقبول ﷺ حضرت ابو سعید الخدریؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور وہیں ان کے ہاں اکثر مرتبہ نماز بھی ادا کی۔(۳) اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں بعض ایسے بھی مقامات ہیں جہاں کسی غزوے کے دوران سرکارِ دو عالم ﷺ عساکرِ اسلام کی قیادت کے لیے خیمہ زن ہوئے اور پھر وہاں کئی کئی دن نمازیں ادا فرمائیں (جیسا کہ غزوہ احزاب کے دوران جبل ذباب پر مسجد الرایہ یا جبل سلع پر مسجد فتح کے مقام پر ہوا اور غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر مسجد بنو قریظہ کے مقام پر ہوا) اور کبھی کسی سفر کے دوران کسی مقام پر رات بھر قیام فرمایا اور وہاں ایک یا دو نمازیں ادا فرمائیں (جیسا کہ مسجد ذوالحلیفہ اور مسجد معرس وغیرہ)۔ ایسے تمام مقامات پر جہاں جہاں حبیبِ کبریا صاحبِ لولاک ﷺ کی جبینِ طاہرہ سجدہ ریز ہوئی اور وہ بقعہ ہائے طاہرہ مشاہدہ گاہِ انوارِ مصطفوی ہوئے، وہیں آپ کے اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم نے مساجد تعمیر کر لیں جہاں آج تک فرزندانِ توحید سر بسجود ہونا اپنے لیے سعادت مندی اور باعثِ صد افتخار و توقیر سمجھتے ہیں۔ دور دراز سے آئے ہوئے مسلمان تو اظہارِ عشق میں ان مقامات کی جستجو میں رہتے ہیں کہ کہاں کہاں سید دو سرور محبوبِ ربِ ذوالجلال ﷺ کے قدمین شریفین پڑے تھے تاکہ وہیں پر جبینِ نیاز رکھ دی جائے۔

یہ خوش نصیب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جن کے ہاں رسول اللہ ﷺ نے دوگانہ ادا کی ہوتی وہ اس مقدس ومطہر مقام پر نشانات لگا لیتے۔ حضرت ابی یحییٰؓ نے حضرت سمرہؓ سے روایت کی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ نے بنی وائل کے علاقے میں ایک مسجد میں قبلہ کی طرف دو ستونوں کے درمیان ایسی جگہ پر نماز ادا فرمائی جو کہ امام کی جگہ سے پانچ ذرع (ڈھائی میٹر) پیچھے تھی۔ ہم نے اس مقام پر ایک کیل ٹھونک دیا تھا (تاکہ جگہ کا تعین رہے)]۔(۴) بعض مقامات پر ستون کھڑے کر دیے گئے تھے جن پر خوشبو ملی جاتی تھی جس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ ان بقاعِ طاہرہ پر سید الساجدین اور امام المتقین ﷺ نے نماز ادا کی تھی، جیسا کہ مسجد قباء میں تھا اور پھر انہی ستونوں کے گرد عشاقِ رسالت مآب ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سجدہ ریز ہونا اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ تو مسجد قباء میں اس خوشبودار ستون کے گرد نماز ادا کرنے میں بہت شہرت رکھتے تھے۔(۵) کتنی ہی ایسی احادیث مبارکہ ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ ان مقامات کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے کہ میرے امام سرکارِ دو جہاں ﷺ نے کس کس جگہ کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی تھی۔

جب ولید بن عبد الملک کا دور آیا اور عنانِ ولایت مدینہ طیبہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مدینہ طیبہ کے شانوں پر ڈال دی گئی تو مسجد نبوی شریف کی تعمیرِ نو کے ساتھ ساتھ ولید نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان تمام مقامات کا پتہ لگائیں جہاں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک یا اس سے زیادہ

نمازیں ادا کی تھیں اور پھر ان جگہوں پر مساجد تعمیر کر دی جائیں۔(۶) لہٰذا ایسے مقامات پر باقاعدہ مساجد بنانے کا سہرا نہ صرف مشہور تابعی بلکہ سیدنا عمر فاروقؓ کی دختر کے بیٹے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ والی مدینہ طیبہ کے سر ہے جنہیں بعد میں امیر المومنین بننے پر ان کے دور کو خلافتِ راشدہ کا حصہ تصور کیا جاتا ہے۔ ان ہی مساجد میں مسجد الاجابہ، مسجد بنی قریظہ، مسجد الفضیخ، مسجد فتح اور مسجد الشمس وغیرہ شامل ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد بقید حیات تھی اور مدینہ طیبہ میں ہی مقیم تھی اور اسی وجہ سے ان مساجد کے محل وقوع کے بارے میں کوئی تنازعہ نہیں رہا کیونکہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان تمام مقامات سے بخوبی آشنا تھے اور تحقیق اور تصدیق کے لیے موجود تھے اور مستند روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مساجد کے مقامات پر نمازیں ادا کی تھیں جو کہ مدینہ طیبہ یا اس کے مضافات میں واقع ہیں۔ یہی تمام مساجد خوبصورت پتھروں سے بنایا گیا ہے جن پر نقش و نگار بنائے گئے ہیں ایسا اس وقت ہوا جب کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے مسجد نبوی شریف تعمیر کی۔ انہوں نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے درخواست کی کہ وہ ان تمام مقامات کی نشان دہی کریں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی۔ اس وقت کثیر تعداد میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ طیبہ میں موجود تھے پھر انہوں نے ان ہی تمام مساجد کو دوسری مساجد سے ممتاز کرنے کے لیے انہیں ایسے خوبصورت نقش و نگار والے پتھروں سے تعمیر کیا جیسے کہ مسجد نبوی شریف میں استعمال ہوئے تھے (۷)۔ ان مساجد میں تقریباً ایک قدر کافی حد تک مشترک تھی یعنی وہ رقبے میں بہت چھوٹی تھیں، وہ عموماً ۷x۵ ذرع (یعنی ۳.۵x۲.۵ میٹر) رقبے پر ہوتی تھیں (گو کہ یہ پیمائش ہر مسجد پر درست نہیں تھی)(۸) دیگر تمام مساجد جہاں اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی کہ وہاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے نماز ادا کی تھی، ان کو بالکل سادہ مواد، بغیر نقش و نگار کے پتھروں، اور عام طرزِ تعمیر سے بنایا گیا تھا۔

ایسی تمام مساجد جن کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تعمیر کروایا تھا عرصہ مدید تک موجود رہیں اور عشاق کی اتباعِ سنتِ رسول اللہ ﷺ کی پیاس بجھاتی رہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سے بہت کی حالت خستہ ہونی شروع ہو گئی سوائے ان چند کے جن کی نگہداشت اور مرمت میں مختلف اوقات میں بعد میں آنے والے حکمرانوں نے دلچسپی رکھی۔ ابن نجار کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ سے مندرجہ ذیل اقتباس چھٹی صدی ہجری میں ایسی تمام مساجد کی زبوں حالی کی تصویر کشی کرتا ہے

"یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مدینہ طیبہ میں اس وقت بہت سی مساجد ہیں جو کہ حالتِ انہدام میں ہیں اور بوسیدہ ہو چکی ہیں۔ ان میں سے بعض میں تو صرف ایک آدھ محراب یا ستون بچا ہوا ہے ان کا ملبہ از قسم پتھر وغیرہ لوگ اٹھا کر لے گئے ہیں تاکہ اپنے مکانات بنا سکیں۔ ان مساجد میں ایک مسجد قباء بھی ہے جو کہ مسجد ضرار کی جگہ کے قریب ہے، اس میں اب صرف چند ستون بچے ہیں جو کہ اپنی جگہ پر کھڑے ہیں۔ اس کے علاوہ دو اور مساجد ہیں جو کہ البقیع کے نزدیک ہیں جن میں سے ایک مسجد الاجابہ ہے جس میں صرف ستون اور محراب کا کچھ حصہ بچا ہوا ہے جبکہ باقی کا تمام حصہ کھنڈر بن چکا ہے۔ دوسری مسجد 'مسجد بغلہ' یا 'مسجد بنی ظفر' ہے جس میں صرف ایک ستون بچا ہے اور وہ بھی زبوں حالی کا مظہر ہے۔ اس کے قریب ہی ایک پتھر پڑا ہے جو تاریخی آثار (آثار النبویہ) میں سے ہے کیونکہ اس کے اوپر رسول اللہ ﷺ کی خچر کے پاؤں کے نشانات ہیں۔ بایں ہمہ یہ مستحب ہے کہ زائر ان تمام مساجد میں نماز ادا کرے"(۹)

یہ نہایت ہی قابلِ افسوس بات ہے کہ اگرچہ ان مساجد میں سے کچھ تو اچھی حالت میں موجود ہیں اور کچھ انتہائی خستہ حالت میں کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں مگر حجاج اور زائرین کے ان کی طرف جانے پر مدینہ طیبہ میں اس وقت صاحبِ اقتدار طبقہ کی طرف سے ناک بھوں چڑھائی جاتی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان مقامات تک رسائی اور راہ نمائی کے فقدان کا مکمل اور تسلی بخش انتظام کیا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی سعی بسیار سے ایسے کسی مقام یا مقامات پر پہنچ ہی جاتا ہے تو مباحث یا مطوع فورس کے ہاتھوں بیہودہ سوال و جواب اور سرزنش کا شکار رہتا ہے۔ مسجد قباء، مسجد قبلتین کے علاوہ دیگر تاریخی مساجد جو کہ تعمیرِ نو کے مراحل بھی طے کر چکی ہیں، وہ بھی اکثر و بیشتر

مسجد جمعہ (قبا کی بستی میں)
۲۲۶ ہجری

متصل ملتی ہیں اور زائر وہاں نماز ادا کرنے کی حسرت دل میں سمیٹے واپس لوٹنے پر مجبور ہوتا ہے

صدیوں سے مورخین مدینہ طیبہ نے ان مساجد کی کیفیات و اہمیت جتاتے جتاتے تاریخ کے صفحوں پر صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں اور تمام تفاصیل پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے ابن زبالہ اور ابن شبہ سے لے کر دور حاضر تک ایسی مساجد کو دو صنفوں میں تقسیم کیا گیا ہے ان مساجد جہاں پر رسول اللہ ﷺ کا ایک یا زیادہ بار نمازیں ادا کرنا ثابت ہے اور ایسی مساجد جہاں یہ ثابت تو نہیں کہ وہاں حبیب رب المشرقین و رب المغربین ﷺ نے نماز ادا کی تھی مگر اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مساجد صحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تعمیر کروائی تھیں

جیسا کہ مدینہ طیبہ میں تاریخی کنوؤں کے ضمن میں کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد سات ہے، اسی طرح اکثر اوقات ان تاریخی مساجد کی تعداد بھی سات بتائی جاتی ہے جہاں کہ رسول مقبول ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی جبکہ ان دوسری مساجد کی تعداد جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نماز ادا کیا کرتے تھے کہیں زیادہ ہے اور ان کی حیثیت بھی تاریخی اعتبار سے تاریخ مدینہ طیبہ کے ضمن میں کچھ کم نہیں بعض روایات میں ایسی تمام مساجد کی تعداد ۱۸ بتائی گئی ہے ان میں سے تمام تو زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں، اور قدیم مورخین نے بھی اقرار کیا ہے کہ ان کے متعلقہ ادوار میں بھی وہ مساجد صرف نام کی حد تک تاریخ کے اوراق پر تھیں حالانکہ ان کو معدوم ہوئے بھی ایک عرصہ گزر چکا تھا و تلاش بسیار کے بعد بھی ان کے محل ہائے وقوع کا بہ پتہ ان مورخین کو نہ مل سکا تھا البتہ چند مشہور مساجد بقید حیات رہیں اور زمانے کی بے اعتنائی کے باوجود آج بھی کھنڈرات کی شکل میں کہیں نہ کہیں نظر آجاتی ہیں ذیل کے صفحات میں ہم نے کوشش کی ہے کہ اس وقت موجود ان مساجد کے متعلق تفصیل جمع کر دی جائیں تاریخی مساجد میں سب سے زیادہ اہم مسجد نبوی شریف ہے اور اس کے بعد مسجد قباء کا نام آتا ہے ان کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے ان پر سیر حاصل بحث الگ الگ بابوں میں کی ہے تاہم دیگر تمام تاریخی مساجد کی تفصیل کو اس باب میں یکجا کر دیا گیا ہے

مسجد الجمعہ:

یہ مشہور مسجد موضع قباء میں واقع ہے اور مسجد قباء سے مسجد نبوی شریف جاتے ہوئے دائیں طرف آتی ہے ہجرت مبارکہ کے موقع پر اس علاقے میں بنی سالم کا قبیلہ آباد تھا اور ساتھ ہی کچھ گھر بنی نجار کے بھی تھے مسجد قباء کا سنگ بنیاد رکھ کر جب رسول اللہ ﷺ عازم مدینہ طیبہ ہوئے تو آپ حضور ﷺ اور تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جلوس کا گزر وادی رانونا سے ہوا جہاں بنی سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج کے لوگ آباد تھے انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ حضور ﷺ کچھ دیر ان کے ہاں رکیں رحمۃ للعالمین ﷺ نے کچھ دیر وہاں قیام فرمایا اور اسی اثناء میں وہاں نماز جمعہ کا وقت آگیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں پہلی باجماعت نماز جمعہ اس مقام پر ادا کی اور پھر اس کے بعد اسی جگہ پر باقاعدہ مسجد بنا دی گئی (۱۰) آج کی مسجد جمعہ اسی جگہ پر اسی واقعہ کی یادتازہ کرتی

مسجد جمعہ تجدید سے قبل

یہ بیت کے دور سے مسجد جمعہ تیسری مسجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت مبارکہ کے بعد باجماعت نماز کی قیادت فرمائی تھی پہلی دو مساجد میں مسجد قبا اور مسجد بنو حنیف کا نام آتا ہے

یہ کہنا بھی خالی از دلچسپی نہیں کہ بہت سے سیرۃ نگاروں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ نماز جمعہ ادا کی گئی تھی بلاشک ہجرت مبارکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود کے بعد یہ پہلا جمعہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اقتداء آزادانہ ماحول میں کروائی لیکن حضور پرنور ﷺ کی آمد سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ نماز جمعہ باجماعت پڑھاتے رہتے تھے حضرت محمد ابن سیرین کا بیان ہے کہ اہل مدینہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی آمد مبارکہ سے پہلے اور نماز جمعہ کے فرض ہونے سے پہلے ہی جمع ہو کر پڑھا کرتے تھے اور حقیقت یہی اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جنہوں نے اس نماز کا نام جمعہ رکھا تھا ان کا کہنا تھا کہ یہودی ہفتہ میں ایک دن اجتماع منعقد کرتے ہیں (یوم السبت) کرتے ہیں اور نصاریٰ اپنا اجتماع اتوار کے دن کرتے ہیں مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو بھی ہفتہ میں ایک دن مختص کریں تاکہ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نماز ادا کی جا سکے مسلمانوں نے یہ بھی سوچا کہ ہفتہ کا دن یہودیوں کا ہے اور اتوار کا دن نصاریٰ کا ہے چنانچہ انہوں نے یوم العروبہ (اس وقت جمعہ کے دن کو العروبہ کہتے تھے) کو اس کام کے لیے مختص کر لیا اور تمام حضرات حضرت اسعد بن زرارہ کے ہاں جمع ہوئے اور باجماعت دو رکعت نماز ادا کی اور اسی نسبت سے اس دن کو یوم جمعہ (جمع ہونے کا دن) کہا جانے لگا اور حضرت اسعد بن زرارہ نے اس خوشی میں ایک بکری ذبح کرنے کا بھی اہتمام کیا وہ جمعہ عالم اسلام میں سب سے پہلا جمعہ تھا۔(۱)

مسجد جمعہ ابتداء میں مسجد نبوی شریف کی طرز پر نہایت سادہ تعمیر کی گئی اس کی بنیادیں پتھر کی تھیں جب کہ دیواریں کچی اینٹوں کی بنی تھیں ابن شبہ کے مطابق اسے مسجد عاتکہ بھی کہا جاتا تھا (۲) ابن نجار کے مطابق اسے مسجد الغبیب بھی کہا جاتا تھا وہ یہ وادی رانونا کے وسط میں واقع تھی اور اس کی سمت میں مزدلفہ تھا جو کہ حضرت عتبان بن مالک کا اطم تھا اسے مسجد الوادی بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ وادی کی سمت میں واقع تھی (۳) مسجد کے سامنے جنوب میں ایک قدیم گھر ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک میں مسجد بنات النجار ہوا کرتی تھی جو کہ اب معدوم ہو چکی ہے

اس مسجد کی پہلی تعمیر نو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھوں ۸۸ ہجری میں ہوئی اس کا طرز تعمیر بھی ان دیگر مساجد جیسا تھا جو کہ نبی کرم ﷺ سے منسوب تھیں بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس کی تعمیر نو عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کے دور میں دوسری صدی ہجری کے وسط میں ہوئی پھر اس کے بعد صدیوں تک اس کی مرمت یا تعمیر نو کا کہیں ذکر نہیں ملتا تاآنکہ عثمانیوں کی نظر التفات اس کی زبوں حالی پر پڑی اور ترکی سلطان قطب بایزید (۸۸۶-۹۱۸ ہجری) کو اس کی تعمیر نو کا فخر حاصل ہوا اور دی گئی تصویر ترکی دور کی تعمیر سے تعلق رکھتی ہے دور ۹۰۰ کی بانی سے متعلق ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کافی بلند سطح پر تعمیر کی گئی تھی اور ۸×۸.۵ میٹر کے رقبے پر بنائی گئی تھی جس پر ایک چھوٹا سا مگر جاذب نظر گنبد تعمیر کیا گیا تھا سیڑھیاں چڑھ کر اس مسجد میں جایا جا سکتا تھا گنبد کے اندر خوبصورت نقش و نگار کے علاوہ دیدہ زیب خطاطی کی گئی تھی جو کہ

مسجد قبلتین
(دو قبلوں والی مسجد)
۱۳۲۹ ہجری
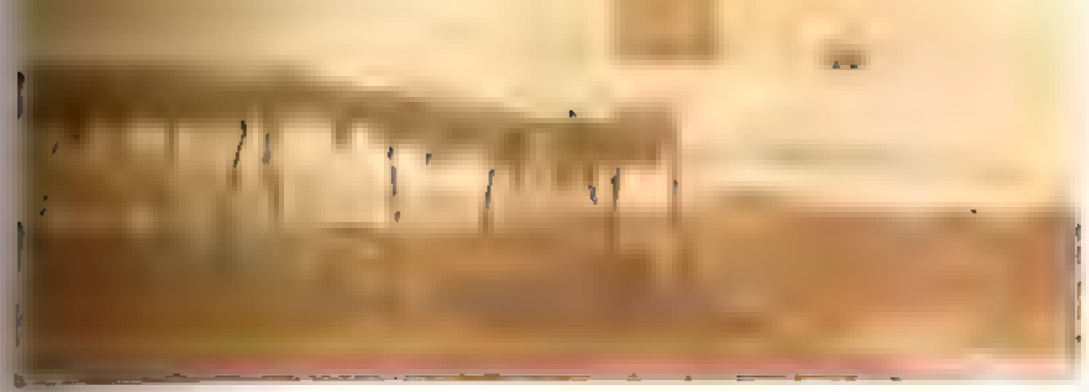
ترکی طرزِ تعمیر کا طرۂ امتیاز تھا

اس مسجد کو سعودی حکومت نے نئے سرے سے تعمیر کیا ہے یہ مسجد، مسجد قباء سے تقریباً ۵۰۰ میٹر کے فاصلے پر شمال کی جانب واقع ہے اس کا موجودہ رقبہ ۱۳۰ مربع میٹر ہے دو اس پر پانچ گنبد بنائے گئے ہیں پانچوں درمیانی گنبد سب سے بڑا ہے جس کا قطر ۲ میٹر ہے جبکہ باقی گنبدوں میں سے ہر ایک گنبد کا قطر صرف ۵ میٹر ہے اس کا صرف ایک ہی مینارہ ہے جو سطح ارضی سے ۲۵ میٹر بلند ہے اندرونی حصہ میں خوبصورت فانوس آویزاں ہیں جس سے اس کی مشابہت قدرے ترکی طرزِ تعمیر سے ملتی ہے

نمازکے ہال کے علاوہ جہاں ۶۵۰ نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں مسجد کے ساتھ یوٹیلٹی ایریا بھی بنایا گیا ہے جو خطیب اور قاری حضرت کی درسگاہ کے علاوہ امام صاحب کی رہائش اور خواتین و حضرات کے لیے وضو خانہ جات پر مشتمل ہے زنانہ حصہ ۸۵ مربع میٹر ہے اور مسجد کے عقبی حصے میں واقع ہے وضو خانہ میں مرد حضرات کے لیے دس غسل خانے اور تین سطروں میں وضو کے لیے جگہیں بنائی گئی ہیں اسی طرح خواتین کے لیے ۶ غسل خانہ جات اور ۲۲ عدد وضو کی جگہیں بنائی گئی ہیں امام اور موذن حضرات کے لیے دو رہائشی مکانات بھی مسجد کے کمپلیکس میں شامل ہیں۔ زائرین حضرات کو اطلاع ہے کہ اگر مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرنا چاہتے ہیں تو صرف اس وقت جائیں جب کہ نمازِ پنجگانہ میں سے کسی نماز کا وقت ہو ورنہ مایوسی ہوگی

مسجد قبلتین

حرۃ الوبرہ (حرۃ مغربیہ) میں یہ مسجد غربی جانب وادی العقیق کے معرصہ کے میدان کے قریب واقع ہے اسے مسجد قبلتین (یعنی دو قبلوں والی مسجد) کہا جاتا ہے۔ بنی سواد بن بنی سلمہ (جسے عرف عام میں بنی سلمہ کہا جاتا ہے) اس علاقے میں رہا کرتے تھے اور اسی کے قریب ان کا آبائی قبرستان بھی تھا ہجرت مبارکہ کے دوسرے سال (جب کہ ابھی سترہ یا اٹھارہ ماہ گزر رہے تھے) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بنی سلمہ میں ایک صحابیہ سیدۃ ام بشر بن براءؓ کے گھر ان کے بیٹے کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے تھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک کثیر تعداد بھی ہمراہ تھی اہل خانہ نے نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری پر آپ حضور ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خاطر و مدارت کے لیے طعام کا بندوبست کیا اور یوں وہاں کافی دیر ہوگئی اسی دوران نماز (ظہر) کا وقت آگیا اور رسول اللہ ﷺ نے حسب معمول بیت مقدس کی طرف رخ انور کرکے نماز کی امامت فرمائی جونہی آقائے دو جہاں ﷺ نے تیسری رکعت شروع کی قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوگیا

﴿ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا، تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو﴾.(۱۴)
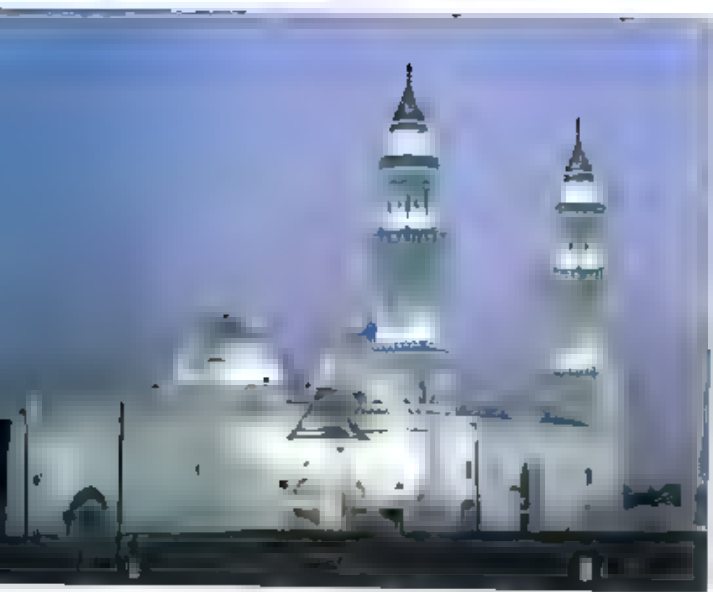
نئی تعمیر شدہ مسجد قبلتین
(دو قبلوں والی مسجد)
۱۴۲۰ ہجری

اور دوران نماز تیسری رکعت میں امام القبلتین اور نبی الحرمین ﷺ نے اپنا رخ انور کعبۃ المشرفہ کی طرف پھیر لیا چونکہ تحویلِ قبلہ کے احکام کے تحت یہ ۱۸۰ درجے کا زاویہ (شمال سے جنوب کی طرف) کی تحویل تھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (جن میں خواتین اور مرد سب شامل تھے) کو بھی نبی کریم ﷺ کے تابع اپنا رخ بدلنا پڑا چونکہ مسجد کی سمت تبدیل ہونے سے اب خواتین پہلی صفوں میں اور مرد حضرات پیچھے ہو گئے تھے اس لئے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے زمخشری کے مطابق مرد حضرات نے خواتین کی صفوں کی طرف رجوع کیا اور خواتین نے مرد حضرات کی جگہ لے لی اور رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے عقب میں واقع پرنالے کی طرف منہ کرکے باقی کی دو رکعتیں مکمل فرمائیں اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد قبلتین پڑ گیا چونکہ اس مسجد میں ایک ہی نماز کے دوران رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کیا تھا یعنی پہلے بیت المقدس کی طرف، پھر بیت اللہ شریف کی طرف (۵) مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے [اس وقت ظہر کی نماز کا وقت تھا اس دوران تحویلِ قبلہ کا ابتدائی مرحلہ انجام پایا (۱۶)] لیکن پہلی پوری نماز جو تحویلِ قبلہ کے احکام کے تحت ادا ہوئی وہ نمازِ عصر تھی اور مسجد نبوی شریف میں ادا ہوئی جس میں اللہ کے گھر اور مرکز توحید کا رخ کعبۃ المشرفہ کی طرف تھا۔ یہ بروز پیر ماہ رجب کے وسط میں ۲ ہجری (جنوری ۶۲۴ء) کو ہوا (۱۷) واقدی کا بیان بھی یہی ہے کہ تحویلِ قبلہ ماہ رجب کے وسط میں ہجرت مبارکہ کے تقریباً سترہ ماہ بعد ہوئی تھی (۸)

تاہم تاریخی روایات میں اس معاملے میں قدرے تفاوت پایا جاتا ہے کچھ کا خیال ہے کہ یہ نماز ظہر کی تھی جب کہ اکثریت کا خیال ہے کہ ایسا نمازِ عصر کے وقت ہوا تھا بعض روایات کے مطابق یہ مسجد بنی سلمہ میں ہوا تھا جب کہ کچھ علماء کا خیال ہے کہ تحویل قبلہ مسجد نبوی شریف میں ہوئی تھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس معاملے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ان کی رائے میں تحویل قبلہ کے حکم کی تعمیل تو مسجد بنی سلمہ میں ہی ہوگئی تھی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے باقی ماندہ دو رکعتیں کعبۃ المشرفہ کی طرف رخ زیبا کرکے ادا کروائی تھیں، لیکن پوری نماز جو کعبۃ المشرفہ کی طرف رخ کرکے پڑھی گئی وہ نمازِ عصر تھی جو کہ مسجد نبوی شریف میں ادا ہوئی تھی.(۱۹)

جونہی تحویلِ قبلہ کی خبر شہر میں پھیلی وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو حالت نماز میں تھے انہوں نے اسی وقت اپنے رخ نئے قبلہ کی طرف موڑ لیے حافظ ابن ابی بکر بن مردویہؒ نے سیدۃ نویلہ بنت مسلمؓ سے روایت کی ہے کہ [ہم نمازِ ظہر (یا عصر) بنی حارثہ میں مسجد ایلیا (بیت المقدس) کی طرف رخ کرکے پڑھ رہے تھے ہم نے ابھی دو رکعتیں ہی پڑھی تھیں کہ ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا رخ مبارک بیت الحرام کی طرف موڑ لیا ہے لہٰذا مستورات نے مردوں کی جگہ لے لی اور مرد حضرات مستورات کی قطاروں پر کھڑے ہوگئے پھر ہم نے باقی کی دو رکعتیں بیت الحرام کی طرف منہ کرکے ادا کیں۔](۲۰) حضرت سعید ابن المسیبؒ کے بیان کے مطابق ایسا غزوۂ بدر سے دو ماہ پہلے ہوا، یعنی ماہ رجب میں۔

اس کے بعد بنی سلمہ کے اصحاب نے اس خاتون سے درخواست کی کہ وہ اپنا مکان مسجد بنائے جانے کے لیے وقف کر دیں، انہوں نے یہ درخواست بخوشی قبول کر لی، اس طرح اس مقام پر ایک مسجد تعمیر کر دی گئی (۲) تاہم علمائے کرام کی اکثریت کی رائے ہے کہ اس مقام پر پہلے ہی ایک مسجد تھی جو کہ بنی سلمہ کی مسجد تھی ایسے علماء کرام بھی یہ مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت مذکورہ خاتون کے ہاں تشریف لے گئے تھے

اس کا تعلق اس مسجد سے تسلسل یا قربت تھا، روایات کے مطابق یہاں حضور رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز ادا کی (شکر نفل نماز پڑھی)، جو اب مسجد کے نام سے تعلق رکھتی ہے۔ تحویل قبلہ کا حکم اسی جگہ نماز کے دوران آیا تب کہ ابھی پہلی دو رکعتیں ادا ہوئی تھیں جو مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی طرف رخ کرکے پڑھی گئی تھیں، باقی دو رکعتیں بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرکے ادا کی گئیں۔ اس کے بعد تمام مدینہ منورہ کی مساجد کی قبلہ رخی تبدیل کی گئی۔ چنانچہ سب نے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ نے وہاں فرمایا وہ مسجد جو کہ عمارت تھی جو مسجد نبوی شریف میں تھی، اس تحویل سے متعلق مسجد نبوی شریف کے قبلہ کی جانب کا رخ بھی تبدیل کیا گیا۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی نماز ادا کی تھی جس کی پہلی دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف ادا کی تھیں اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف رخ کرکے ادا فرمائی تھیں جس سے یہود و مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوئی تھی، اور چونکہ تحویل قبلہ کے احکام بھی اسی مقام پر نازل ہوئے تھے اس لیے اس مسجد کو قبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد کے نام سے شہرت حاصل ہوئی اور آج تک اسی نام سے پہچانی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں وادی عقیق سے آنے والا پانی اس مسجد کے قریب ایک وادی ہو کر گزرتی تھی جسے القاع کہا جاتا تھا جو بارش کے موسم میں شدید طغیانی کی زد میں آ جاتی تھی۔ روایات کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ غزوہ میں روانہ ہوئے تو اس وقت وہ وادی طغیانی سے بھری تھی اور پانی کی سطح اس حد تک پہنچ گئی تھی جس سے عساکر اسلام کو اس کو عبور کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزے کی بدولت نہ صرف حضور ﷺ بلکہ صحابہ کرام پانی کی سطح کے اوپر سے چل کر گزر گئے بلکہ ہر طرح کے جانور، ہر قسم اونٹ اور خچر بھی اس کے اوپر سے یوں گزر گئے جیسے کہ وہ سطح زمین ہو۔ اس کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک روایت ہے "ہمیں القاع پر طغیانی سے واسطہ پڑا۔ جب ہم نے پانی کی پیمائش کی تو یہ قامت کے برابر گہرا تھا۔ اس پر نبی رحمت شاہ دو عالم تاجدار ﷺ مسجد میں چلے گئے اور خاص دعا فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا آپ ﷺ نے اللہ کا نام لے کر پانی کی سطح پر چل پڑو۔ سب نے پانی کی سطح کے اوپر چل کر اس کو عبور کیا۔ اس سے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کی تصدیق ہوئی جب کہ انہوں نے سمندر کو عبور کیا تھا۔" (۲۲) وہ معجزہ بھی اسی مسجد کے آس پاس ہوا تھا۔

وہ مسجد جو کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دور میں موجود تھی وہ پتھروں اور گارے مٹی کو کھجور کے پتوں سے مدد کر بنائی گئی تھی پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا دور مبارک آیا تو اسے منقوش پتھروں سے سنوارا گیا۔ ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایام میں چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں مسجد انتہائی کسمپرسی کے عالم میں تھی لوگ اس کے پتھر تک اٹھا کر لے گئے تھے، صرف چند کھنڈرات بچے ہوئے تھے (۲۳) نویں صدی میں ایک صدی بعد المطری نے بھی اس کی زبوں حالی کا ذکر کیا ہے۔ مزید یہ کہ مسجد کے گرد کھجوروں کے جھنڈ اور زرعی فارموں کی کثرت تھی اور تمام علاقہ 'القاع' کہلاتا تھا (۲۴)

عبدالقدوس انصاری کے الفاظ میں: "ہمیں اس مسجد کی تعمیر اور مختلف ادوار میں مرمت کی تاریخ کے بارے میں زیادہ معلومات ہم نہیں پہنچ سکیں سوائے اس کے کہ شیخ شمس الدین اجمالی نے ۸۹۳ ہجری میں اس کی مرمت کروائی اور محبوں سے اس کی بوسیدہ چھت کو نئے سرے سے

بنوایا۔ عثمانی ترک سلطان سلیمان نے ۹۵۰ ہجری میں اس کی مرمت کروائی جیسا کہ اس سنگ لوح سے ثابت ہوتا تھا جو کہ اس کے محراب پر ۹۰۳ سن تک موجود رہی تھی۔ ابراہیم رفعت پاشا کی مرأۃ الحرمین میں دی گئی تصاویر (جو کہ انہوں نے ۱۹۰۲ء میں لی تھیں) سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد بہت ہی بے اتفاقی، شکست و ریخت کا شکار رہی تھی (۲۶) شاہ فیصل مرحوم کے دور میں اس کی تعمیر نو کی گئی تھی۔

جب مسجد نبوی شریف کی توسیع کا منصوبہ زیر تکمیل تھا تو خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مدینہ طیبہ کی چند دیگر تاریخی مساجد کی تعمیر نو و توسیع کے احکام بھی جاری کیے تھے۔ اس منصوبے کے تحت مسجد قبلتین کی قسمت نے بھی یاوری کی اور اس کی توسیع اور تعمیر نو عمل میں آئی۔ مسجد الحرام کی توسیع کی طرح یہ کام بھی بن لادن گروپ کے سپرد ہوا اور اس کے مشاورتی انجینئر عبدالواحد الوکیل قرار پائے۔ پرانی عمارت مکمل طور پر مسمار کرکے اس سے ملحقہ علاقے بھی حاصل کر لیے گئے اور پھر اس تمام علاقے کی سطح تقریباً تین میٹر تک بلند کر دی گئی جس پر جدید طرز تعمیر کی تمام تر سہولیات سے لیس موجودہ مسجد قبلتین کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔

قدیم مسجد کا رقبہ صرف ۴۲۵ مربع میٹر ہوا کرتا تھا جب کہ جدید تعمیر کے بعد مسجد اور اس سے ملحقہ ذیلی علاقوں کا مجموعی رقبہ ۳،۹۲۰ مربع میٹر تک بڑھا دیا گیا ہے یعنی پہلے کی نسبت نو گنا اضافہ کر دیا گیا۔ اس کا طول ۹۵ میٹر ہے جب کہ یہ مشرقی جانب سے ۸۳ میٹر عریض ہے اور مغربی جانب سے اس کا عرض ۹۲ میٹر ہے اور جنوبی جانب اس سے ملحقہ مدینہ طیبہ کا ایک قدیم قبرستان بھی ہے جس کے گرد چار دیواری کر دی گئی ہے۔ تمام نمازیوں کے لیے ۹۰ مربع میٹر پر ایک رکاوٹ تعمیر کیا گیا ہے جس میں بیک وقت ۲،۰۰۰ نمازی ادا کر سکتے ہیں خواتین کے لیے ۴۰۰ مربع میٹر پر گیلری تعمیر کی گئی ہے (۲۷) نیز اندر ہی قرآن کے لیے طلباء کے لیے بہت بڑا مدرسہ رکھا گیا ہے۔ پرانے قبلہ (بیت المقدس) کی سمت ظاہر کرنے کے لیے صدر دروازے کے اندرونی طرف چھت کے قریب ایک محراب کا نقشہ بنا دیا گیا ہے جو درحقیقت اس مقام کی یاد میں بنایا گیا ہے کہ وہاں تحویل قبلہ کی آیت کریمہ کا نزول ہوا تھا۔ اس سے پہلے اسی دیوار پر تحویل قبلہ کی آیت لکھی گئی تھیں مگر ان کو مٹا کر دیوار کو صاف کروا دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ وضو کے لیے الگ علاقہ رکھا گیا ہے جس میں غسل خانوں اور پانی کا وافر انتظام کیا گیا ہے۔ مسجد کے ارد گرد کے علاقے میں خوبصورت شجر کاری کی گئی ہے اور درخت نصب کیے گئے ہیں جس سے یہ تمام علاقہ مدینہ طیبہ کے حسین ترین علاقوں میں شمار ہونے لگ گیا ہے۔ ارد گرد کی سڑکوں پر دور تک خوبصورت درخت لگائے گئے ہیں جن کے پیچھے سے اگر مسجد کا نظارہ کیا جائے تو یہ بہت ہی مسحور کن منظر پیش کرتی ہے۔ مسجد کے دو بلند مینارے ہیں۔ اندر کی جانب گنبدوں پر خوبصورت نقاشی اور خطاطی کی گئی ہے جس کے لیے مراکش کے مشہور خطاطوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

مسجد الاجابہ

شارع ملک فیصل (پرانا نام شارع ستین یا پہلا طریق دائری) پر بقیع غرقد کی شمال مشرقی جانب (شارع ستین اور شارع ملک عبدالعزیز کے جنوب کی بائیں طرف) مسجد الاجابہ واقع ہے جو کہ مدینہ طیبہ کی قدیم ترین نو مساجد میں سے ایک ہے۔ چند سال پہلے اس کے گرد کھجوروں کے نخلستان ہوا کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں یہاں انصار کا قبیلہ بنو معاویہ (بن مالک بن عوف الاوسی) آباد تھا۔ اسی نسبت سے یہ مسجد بنو معاویہ کے نام سے جانی جاتی تھی

مسجد الاجابہ

حضرت عامر بن سعدؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ عالیہ سے تشریف لائے، آپ بنو معاویہ کی مسجد کی طرف سے گزرے جہاں آپ حضور ﷺ نے تھوڑی دیر توقف فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی رسول اللہ ﷺ نے بہت دیر تک دعا فرمائی اس کے بعد آپ حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں جن میں سے رب ذوالجلال نے دو قبول فرمائیں مگر تیسری قبول نہیں ہوئی میں نے اللہ رب العزت جل شانہ سے دعا کی کہ میری امت قحط سالی سے تباہ نہ ہو، اس نے میری دعا قبول فرمائی میری دوسری دعا تھی کہ میری امت طوفانِ نوح کی طرح طغیانی سے غرق نہ ہو اللہ رب العزت نے قبول کر لی ہے میری تیسری دعا تھی کہ میری امت آپس میں قتل و غارت میں مبتلا نہ ہو مگر یہ دعا قبول نہ ہوئی]۔(۲۸) چونکہ اس مسجد میں سید المرسلین رحمت للعالمین ﷺ کی دو دعائیں قبول ہوئی تھیں اس لیے شروع سے ہی یہ مسجد الاجابہ (دعا کی قبولیت والی مسجد) کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

حضرت مالک بن حارثؓ سے مروی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہمارے پاس بنی معاویہ کے گاؤں میں تشریف لائے جو انصار کا ایک گاؤں ہے انہوں نے استفسار کیا "کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس مقام پر کھڑے ہو کر آپ کی اس مسجد میں نماز ادا کی تھی؟" میں نے کہا "ہاں" اور پھر میں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں سرورِ دوعالم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی تھی اس حدیث مبارکہ سے صاف واضح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بات کا کتنا اہتمام کرتے تھے کہ کونسے موقع پر کس مقام پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ نے سجدہ ریزی کی تھی۔

جمال المطری (ت ۷۴۱ ہجری) کے بیان کے مطابق اس مسجد کی وہ عمارت جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروائی تھی ان (مطری) کے ایام میں بہت بوسیدہ ہو چکی تھی یہ بنو معاویہ قبیلے کے گاؤں کے کھنڈرات اور خرابے کے وسط میں واقع تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک ٹیلے پر ہوا کرتا تھا (۳۰) امام سمہودی نے لکھا ہے کہ (دسویں صدی کے اوائل میں) یقیناً مطری کے بعد اس مسجد کی مرمت ضرور ہوئی نظر آتی ہے لیکن آج کل یہ خستہ حالت میں بقیع الغرقد کے شمال میں العریض کی طرف ٹیلوں کے اوپر بنی معاویہ کے گاؤں کے کھنڈرات میں واقع ہے شرقاً غرباً اس کا طول ۲۵ ذرع (۲۵ میٹر) ہے جب کہ قبلہ کی جانب اس کی چوڑائی تقریباً ۲۰ ذرع (۱۰ میٹر) ہے۔(۳۱)

دسویں صدی ہجری میں العباسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک کافی بڑی مسجد تھی جو کہ ٹیلوں کے اوپر بنی معاویہ کے گاؤں کے کھنڈرات کے درمیان واقع تھی اس کی چاردیواری موجود ہے جو شرقاً غرباً ۲۵ ذرع طویل ہے اور شمالاً جنوباً تقریباً ۲۰ ذرع عریض ہے اور اس کی قبلہ کی محراب کافی بڑی ہے (۳۲) ۱۸۵۳ء میں انگریز جاسوس رچرڈ برٹن (Richard Burton) نے لکھا کہ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے یہی بات فلبی (Philby) نے ۱۹۳۱ء میں لکھی ہے اس بات کا ذکر حاجی اسمٰعیل نہیں کہ جب وہابیوں نے ۱۹۲۴ء میں مدینہ طیبہ پر یلغار کی اور انہوں نے بہت

نو تعمیر شدہ مسجد الغمامہ، ۲۰۰۰ء

سے مقابر و مزارات کو مسمار کیا تو یہ مسجد بھی ان کی تباہ کاریوں سے نہ بچ سکی خلافت کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق جس میں مولانا محمد علی جوہر بھی شامل تھے اس وقت یہ مسجد بھی ان کے ہاتھوں توڑ پھوڑ کا شکار ہوا تھا (۳۳) تاہم بعد میں شیخ محمد بن عبدالعزیز (جو کہ مدینہ طیبہ کے سعودی گورنر تھے) کی مداخلت پر اس کی مرمت کروا دی گئی اس کے بعد شاہ فیصل مرحوم کے دور میں بھی اس کی تعمیرِ نو ہوئی محکمہ اوقاف کی رپورٹ کے مطابق جسے سعید الدریلی نے مرتب کیا تھا اس کا کل رقبہ اس وقت ۸ء۵۵۱ مربع میٹر تھا۔(۳۴) اس کے بعد دوبارہ اس کی تعمیر خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور میں ہوئی جب کہ مسجد نبوی شریف کی توسیع ہو رہی تھی

مسجد الغمامہ

ہجرت مبارکہ کے دوسرے سال جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار مدینہ طیبہ میں نماز عید الفطر ادا کی پہلی دو عیدیں تو سرورِ کائنات ﷺ نے دو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھروں کے صحنوں میں ادا کیں جو کہ مرکز مدینہ طیبہ یعنی مسجد نبوی شریف سے مضافات میں واقع تھے حضرت زید بن البکارؓ کی روایت کے مطابق پہلی عید آپ حضرت ﷺ نے حارثہ المدوس میں اپنی جنوب کے گھر کے قریب ادا کی مگر دوسری عید حکم بن عدیؓ کے گھر کے صحن میں اور تیسری عید حضرت عبداللہ بن درۃ المزنیؓ کے دار کی جگہ کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت کثیر بن الصلتؓ کے گھروں کے درمیان واقع تھا اور چوتھی عید حضرت عبداللہ بن کثیر بن الصلتؓ کے دار میں ادا فرمائی مگر پانچویں عید آپ حضرت ﷺ نے اس جگہ ادا فرمائی جہاں آج کل مسجد مصلیٰ موجود ہے (۳۵)

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اس امر کی شدت سے ضرورت محسوس ہونے لگی کہ نماز عید کا اجتماع کسی کھلے میدان میں ہو۔ احادیث مبارکہ میں اگرچہ ان تمام گھروں کا تواتر سے ذکر ہے جہاں سرورِ دوعالم ﷺ نے پہلی چار یا پانچ نمازیں ادا کی تھیں مگر چونکہ وہ تمام گھر کئی ہاتھوں میں بکتے رہے لہٰذا مورخین کے لیے یہ خاصا دشوار کام تھا کہ ان گھروں کے محل وقوع کا تعین کر سکتے۔ اس مقام کے جہاں سب سے پہلی بار کھلی گراؤنڈ میں رسول اللہ ﷺ نے نماز عید اور نماز استسقاء ادا فرمائی اور پھر طول حیات تک عیدین کی نمازوں کی اقتدا فرماتے رہے۔

رسول اللہ ﷺ جب کبھی کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو مصلیٰ کا رخ فرماتے اور وہاں قبلہ رخ ہو کر سربسجود ہو جاتے بہت سی احادیث مبارکہ ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ مسجد مصلیٰ مسجد نبوی شریف کے جنوب مغربی جانب اس سڑک پر واقع تھی جو کہ بنی زریق کی طرف جاتی تھی حضرت سعید بن المسیبؒ نے حضرت ابی عطاؓ سے پوچھا [اے ابا محمد کیا آپ کو دار کثیر بن الصلتؓ کا محل وقوع معلوم ہے؟ جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت سعید بن المسیبؒ نے فرمایا [رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ مبارک سے نکل کر اس جگہ (دار الصلت) تشریف لے آتے آپ حضور وہاں کھڑے ہوتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ حضور ﷺ کے پیچھے قطاریں بنائیں اور پھر آپ حضور ﷺ

مسجد ابوبکر صدیقؓ (۲۰۰۰ء)

مسجد ابوبکر صدیقؓ

مسجد سیدنا عمر بن خطابؓ (۲۰۰۰ء)

[illegible]

تیسری مسجد (مسجد حضرت عمر بن الخطاب) کا پرانی تاریخوں میں کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی کسی نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ تینوں مساجد ان شخصیتوں سے کب اور کیسے منسوب ہوئیں۔ عام خیال یہ ہے کہ اپنے اپنے دورِ خلافت میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان مقامات پر یا تو رہائش پذیر رہے ہوں گے یا پھر ان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی واقعہ وہاں ضرور ہوا ہو گا لیکن یہ خیال کرنا کہ دونوں شخصیتیں کریمین رضوان اللہ علیہم نے یہاں عیدین کی نمازیں ادا کروائی ہوں گی بعید از قیاس ہے کیونکہ وہ فدایانِ رسول مقبول ﷺ تو سنت نبوی شریف سے سرمو انحراف کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد غمامہ اور دوسری عیدین کی نماز پڑھنے کی جگہ ہوا کرتی تھیں۔ روایت سے یہ بات ضرور ثابت ہے کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ نے دورِ محاصرہ سیدنا عثمانؓ اس جگہ نماز پڑھائی تھی اور دعا بھی ادا کرتے رہے تھے۔ سمہودی کا خیال ہے کہ مسجد الغمامہ سے پہلے سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس جگہ پر نمازِ عید ادا فرمائی تھی اسی نسبت سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے وہاں نمازِ عید الضحیٰ بھی ادا کروائی کیونکہ عثمان غنی خلافت سنبھالنے کے بعد ایک نماز عید بھی انہوں نے مدینہ طیبہ میں نہیں ادا کی تھی کیونکہ امیر المومنین بننے کے بعد وہ فوراً ہی کوفہ روانہ ہو گئے تھے اور پھر کبھی واپس نہ لوٹ سکے تھے۔ مسجد سیدنا عمر بن الخطابؓ کے متعلق تو قدیم و جدید مورخین سب نے سکوت اختیار کیا ہے سوائے اس کے کہ اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ یہ عثمانی دور میں تعمیر ہوئی جیسا کہ اس کی عمارت سے مترشح ہوتا ہے۔

مسجد سیدنا عمر بن الخطاب سے ذرا ہٹ کر جنوب کی طرف مسجد سیدنا عثمان بن عفانؓ (مسجد ذو النورینؓ) ہے۔ مدینہ طیبہ کی تاریخ میں کسی بھی مورخ نے کسی ایسی مسجد کا ذکر نہیں کیا جو خلیفہ راشد ثالث سے منسوب ہو۔ البتہ قلعہ شامی جو کہ فصیل مدینہ طیبہ کے شمال مغربی کونے پر واقع تھا اس کے اندر ترکی دور میں ایک مسجد بنائی گئی تھی جو کہ مسجد سیدنا عثمان بن عفانؓ کہلاتی تھی۔ جب قلعہ مسمار کر دیا گیا تو یہ مسجد بھی ملک عدم سدھار گئی۔ یہ لگتا ہے کہ چونکہ تین مساجد دیگر تین خلفاء راشدین کے نام سے منسوب تھیں، پوری خلافت راشدہ کو نمائندگی دینے کے لیے تیسرے خلیفہ راشد یعنی حضرت عثمان بن عفانؓ کے نام کی بھی ایک مسجد بنا دی گئی تاکہ چاروں یارانِ نبی کے احترام میں مساوات رہے۔ یہ چوتھی مسجد سعودی حکومت نے تعمیر کروائی ہے۔ مسجد النبوی شریف سے قباء جانے والی سڑک پر پل سے ذرا پہلے بائیں ہاتھ واقع ہے۔ اسی طرح ایک مسجد، مسجد سیدہ فاطمۃ الزہراء کے نام سے منسوب تھی جو کہ ساحہ کے علاقے میں گنجان آبادی میں ہوا کرتی تھی۔ آخری توسیع کے وقت وہ مسجد بھی شہید کر کے اس کا علاقہ بھی مسجد نبوی شریف کے کام لایا گیا تھا۔

مسجد سیدنا علی بن ابی طالبؓ (تعمیر جدید سے پہلے) ۱۹۰۰ء

اس کی تعمیر نو ہوئی ترکی صاحب مرآۃ الحرمین ایوب صبری پاشا کے مطابق مسجد کی تعمیر نو ۱۲۷۰ ہجری میں سلطان عبد المجید اول کے دور میں ہوئی اس کے بعد سعودی حکومت نے بھی اس کی مرمت اور دیکھ بھال کی اور کچھ نفیس قسم کی ٹائلیں سیڑھیوں پر لگادی گئی ہیں لیکن مسجد کا بنیادی ڈھانچہ تقریباً وہی ہے جو کہ ترکوں کے دور میں تھا سعید اعدربی کی تحقیق کے مطابق اس کا کل رقبہ ۹۸.۵ مربع میٹر ہے۔ (۷۰)

مسجد الفتح کے علاوہ جبل سلع کے دامن میں اس کے جوار میں چند دو مساجد بھی ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دوران غزوہ اپنے اپنے خیمے نصب کیے ہوئے تھے حضرت سلمان الفارسیؓ (جن کی مشاورت سے طویل و عمیق خندق کھود کر دشمنوں کے دانت کھٹے کیے گئے تھے) کا کیمپ اس گھاٹی کے دامن میں قریب ہی تھا جب کہ دیگر صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خیمے بھی قریب قریب ہی تھے۔ روایتوں میں ہے کہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خیمے جس طرف نصب کیے ہوئے تھے جس میں وہ استراحت کرنے کے علاوہ نوافل پڑھا کرتے تھے حضرت معاویہ بن سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے خیموں میں نمازیں ادا کی تھیں۔ (۷۱) ایک اور حدیث مبارکہ جو کہ حضرت معاذ بن سعدؓ (بن ابی وقاصؓ) سے مروی ہے اس بات کی مزید توثیق کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد الفتح کے گرد و اطراف مساجد میں بھی نمازیں ادا کی تھیں۔ (۷۲) لہذا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان مقامات پر خیمے نصب کرنے اور ان میں رسول اللہ ﷺ کے نماز ادا کرنے کی یاد میں وہاں الگ الگ مساجد تعمیر کروادی گئی تھیں جن میں سب سے زیادہ اہم مقام مسجد الفتح کا ہے

۲۰۰۲ء کے وسط میں مدینہ طیبہ کے محکمہ اوقاف نے ان مساجد کی جگہ ایک بڑی مسجد تعمیر کرنے کے منصوبے کی ابتداء کی ہے جس کے تحت مسجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، مسجد سیدۃ فاطمہ الزہرہؓ کو منہدم کرکے وہاں ایک بڑی مسجد کی تعمیر پر کام شروع ہو چکا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد سبعہ مساجد کی جگہ لے گی ورشاید یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ اس کا نقشہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے اس کی چھت پر سات گنبد بنائے جائیں گے۔ آج کل اس منصوبے پر زور و شور سے کام جاری ہے تاحال (وسط ۲۰۰۳ء) مسجد حضرت سلمان فارسیؓ اور مسجد الفتح اس منصوبے کی دست برد سے محفوظ ہیں مگر کل کیا منصوبہ بنتا ہے یہ تو وقت بتائے گا

مدینہ طیبہ میں قدیم ترین تاریخی عمارت:

عمرانی ترقی نے جہاں ہر اہم اور غیر اہم تاریخی ورثے پر بلڈوزر چلائے ہیں وہاں عصر حاضر کے مشہور عمرانی محقق صالح علی مصطفی کی تحقیق کے مطابق ابھی بھی قدیم ترین اور مدینہ طیبہ کا آثار قدیمہ ہونے کی دعوی دار عمارت جو اس اکھاڑ پچھاڑ سے بچ سکی ہے وہ مسجد سلمان

مسجد سلمان فارسیؓ
کا ایک خوبصورت منظر

فارسیؓ ہے جسے ۵ ہجری میں سیف الدین بن ابی الہیجاء نے تعمیر کروایا تھا (۷۳)

ابراہیم رفعت پاشا کی دی گئی پیمائش کے مطابق یہ مسجد بیسویں صدی کے شروع میں ۲۰ ذرع طویل اور ۱۷ ذرع عریض تھی انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ جو کہ مسجد حضرت سلمان فارسیؓ کے قبلہ کی جانب ہوا کرتی تھی اس کی عمارت بھی تاریخی ورثہ ہی ہے کیونکہ اس کی تعمیر و تجدید زین الدین ضیغم بن خشرم (گورنر مدینہ طیبہ) نے ۸۷۶ ہجری میں کروائی تھی مگر بدقسمتی سے مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو تمام سے پہلے مسمار کرکے اس کی جگہ کار پارکنگ کی جگہ نکال دی گئی ہے مندرجہ ذیل تصویر میں مسجد حضرت سلمان فارسیؓ دکھائی گئی ہے جو کہ اگرچہ بادی النظر میں تو اچھی حالت میں نظر آتی ہے مگر بہت ہی خستہ حالت میں ہے اور اس کے در و دیوار کو غور سے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شکست و ریخت کا عمل بڑی تیزی سے جاری ہے اس وقت مدینہ طیبہ میں یہی ایک مسجد ہے جس کی عمارت قدیم ترین ہے اور اپنی اصلی حالت میں موجود ہے مگر جو اس کے باوجود بھی قابل استعمال ہے اگرچہ وقت کی ریل پیل اور عمرانی تجدید نے بہت سے قیمتی آثار قدیمہ نگل لیے ہیں مگر اب بھی وقت ہے کہ امت کے مقتدر طبقے آگے آئیں اور سعودی عرب میں صاحب اقتدار حضرات سے رابطہ کرکے امت کے قیمتی تاریخی ورثے کے تحفظ کو یقینی بنائیں نئی عمارتوں کا سحر اپنی جگہ مسلم ہے مگر قدیم تاریخی ورثے اپنی منفرد اہمیت اور جاذبیت رکھتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو یہود بے بہبود سے پاک و صاف فرمایا تو ان آطام کو جو کہ سابقہ یہود کی ملکیت تھے اور اب مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے گرائے جانے سے منع فرمایا ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے [ان آطام کو مسمار نہ کیا جائے یہ مدینہ طیبہ کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث ہیں] ان آثار قدیمہ کی حفاظت کرنا نہ صرف مدینہ طیبہ کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے کا سبب ہے بلکہ ایسا کرنے سے وہ مذہبی فریضہ بھی ادا ہو جاتا ہے جو کہ اس مذکورہ فرمان رسول اللہ ﷺ سے امت پر فرض ہے

ہم نے مسجد حضرت سلمان فارسیؓ کی چند تصاویر اسی لیے پیش کی ہیں جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر فوری اقدام نہ کیے گئے تو یہ

مسجد فسیح

اس وقت یہ تمام مساجد اور رسول اللہ ﷺ کے زیر نگرانی رہا تھا، اور اس وجہ سے تاریخ اسلام میں غزوہ احد سے واقعات کے بیان میں انہیں ایک شاہدی حیثیت حاصل رہی ہے۔ المطری کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں اس مقام پر ادا کی تھیں جب کہ جنگ کا شور و غوغا ختم ہو گیا تھا (۷۸) حضرت عمرؓ جو کہ غلام تھے سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر یوم احد کو بیٹھ کر پڑھائی تھی (کیونکہ آں حضرت ﷺ زخمی ہو چکے تھے) اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی آپ حضور ﷺ کی اقتداء میں بیٹھ کر ادا کی تھی (۷۹) اسی مقام پر یک قدیم مسجد ہے جسے مسجد فسیح کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ بعض وقائع نگاروں کا خیال ہے کہ اسے مسجد فسیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ قرآنی آیت کریمہ ﴿اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو اللہ تمہیں جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے﴾ (۸۰) کا نزول اسی جگہ ہوا تھا تاہم یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ مفسرین کی متفقہ رائے میں یہ آیت زمانہ تنزیل کے اعتبار سے مکی ہے نہ کہ مدنی البتہ اس بات کا امکان ضرور ہے کہ چونکہ وہ بہت چھوٹی سی جگہ تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کو پڑھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یاد دہانی کروائی ہوگی کہ وہ سکڑ کر بیٹھیں تاکہ زیادہ سے زیادہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس چھوٹی اور سطح مرتفع پر بیٹھ سکیں کیونکہ ہر ایک کی خواہش ہوگی کہ وہ اپنے آقا و مولا سرور کائنات ﷺ کے قریب بیٹھ سکے۔

المطری (ت ۷۴۱ ہجری) نے اس مسجد کے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ یک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی لیکن اس کے برعکس الشیخ السعدی نے دسویں صدی ہجری میں لکھا ہے کہ اس نے اس مسجد کی پیمائش کی تھی جو کہ جبل احد کے دامن میں واقع ہے اور یہ کہ وہ ۱۸ ذراع عریض تھی (۸۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطری کے بعد اس کے رقبے میں کچھ نہ کچھ توسیع ضرور ہوئی ہوگی۔ ان کھنڈرات سے جو کہ آج بھی موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ السعدی کی پیمائش زیادہ صحیح ہوگی۔ دیواروں پر چونے کے بچے کھچے پلستر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترکوں کے دور میں اس کی مرمت ہوئی ہوگی گرچہ کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن عثمانی دور کی چند ایک دیگر تاریخی مساجد کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں اس کی مرمت ضرور ہوئی ہوگی۔ آج کل یہ مسجد جس زبوں حالی اور کسمپرسی کے عالم میں ہے اس کو دیکھ کر انسان دو آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ وہ بقعہ ارض ہے جہاں نہ صرف کہ رسول اللہ ﷺ کے قدمین شریفین لگے تھے بلکہ جبین اطہر بھی سجدہ ریز ہوئی اور جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اقتدائے رسول مقبول ﷺ میں نمازیں ادا کی تھیں۔ کون جانتا ہے کہ یہ اسی جگہ ہو جہاں ایک شیدائے رسول شدید زخمی حالت میں لایا گیا ہو جس کی آخری آرزو یہ تھی کہ ان کا سر قدمین شریفین پر دھر دیا جائے اور رسول رحمت ﷺ نے اپنے پائے مبارک دراز فرما دیئے تھے اور پھر اس سرفروش کی روح اسی مقام حاضرہ سے پرواز ہوئی ہو۔ اس لحاظ سے یہ جگہ صرف تبرکات تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ ﷺ میں سے ہی نہیں بلکہ اسے ساتھ ساتھ آثار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا درجہ بھی حاصل ہے کیونکہ ان سب نے بیٹھ کر نماز وہیں ادا کی تھی۔ قفصی نے ۱۹۳۵ء میں لکھا ہے کہ یہ مسجد مسجد فسیح اور مسجد غسل (کیونکہ بعض کے نزدیک غزوہ احد میں حضور سرور کونین ﷺ کے زخموں کو اسی جگہ دھویا گیا تھا) کے نام سے بھی جانی جاتی تھی۔

جس حالت انہدام میں آج یہ اثر رسول مقبول ﷺ ہے اس کے بیان کرنے کا یارا تو نہیں، مگر صرف اتنا کہنے پر اکتفاء کریں گے کہ اس کے در و دیوار منہدم ہو چکے ہیں، قبلہ کی دیوار نصف قد آدم تک

مسجد فسیح کا ایک اور منظر

مسجد فسیح کے کھنڈرات

ہے اور محراب جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانے کی لگتی ہے نہایت ہی خستہ حالت میں ہے۔ صحن مسجد میں کوڑا اور پتھر اور ڈھیلے پڑے ہیں اور اس سے ملحقہ حصہ میں بکریوں کا باڑا ہے اور وہ غیر مکلف جانور پوری آزادی سے اس میں گھومتی اور چرتی رہتی ہیں اور اپنے اعمال غیر مکلفہ انجام دیتی ہیں۔ جانور تو جانور ہے وہاں تو بسیوں کے بچے اسی مقام پر آگ کا الاؤ روشن کر کے بیٹھے تھے جہاں کبھی سرور کائنات ﷺ کا سر اقدس سجدہ ریز ہوا تھا۔ اعیاذ باللہ

مسجد بنی ظفر

حضرت محمد بن فضالہ الظفریؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ ان کے پاس علاقہ بنی ظفر میں تشریف لائے اور ایک چٹان پر تشریف فرما ہوئے جو کہ اب بھی مسجد میں موجود ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ ابن معاذؓ اور چند دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آں حضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کریں انہوں نے تلاوت شروع کی حتی کہ وہ اس آیت کریمہ تک آ گئے ﴿تو کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں گے﴾ (۸۲) اس پر رسول اللہ ﷺ پر رقت کا یہ عالم تھا کہ آپ حضور زار و قطار رو رہے تھے اور آنسوؤں سے ریش مبارک بھیگ گئی پھر آں حضرت ﷺ یوں گویا ہوئے [اے میرے مالک میں ان پر تو گواہ ہو سکتا ہوں جن کو میں نے دیکھا ہے لیکن ان لوگوں کی گواہی کیسے دوں گا جن کو میں نے دیکھا ہی نہیں] (۸۳) زبیر بن بکار نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اس پتھر پر تشریف فرما تھے جو مسجد میں تھا (۸۴)

ابن نجار نے اس مسجد کے متعلق کچھ یوں لکھا ہے [اسے مسجد البغلہ (یعنی خچر والی مسجد) کہا جاتا ہے یہ نہایت ہی خستہ حالت میں ہے اس میں صرف ایک ستون بچا ہے جس کے قریب ہی ایک پتھر پڑا ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کی خچر (دلدل) کے پاؤں کا نشان ہے" سمہودی کے بیان کے مطابق اس مسجد کی مرمت عباسی خلیفہ المنتصر باللہ نے ۶۳۰ ہجری میں کروائی تھی اور اس کی پیمائش ۲۱x۲۱ ذراع تھی کیونکہ اس کی محراب کی بائیں جانب ایک لوح سنگ نصب تھی جس پر کندہ تھا

"اللہ تعالیٰ امیر المومنین ابی جعفر المنصور المنتصر باللہ کی حکومت کو دوام بخشیں۔ محررہ ۶۳۰ ہجری"

تاہم عبدالقدوس الانصاری نے لکھا ہے کہ اس نے وہی لوح سنگ پتھر کی دیوار میں نصب دیکھی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمہودی کے بعد بھی اس کی مرمت یا تعمیر نو ہوئی ہوگی جو کہ ترکی دور میں ہوگی جہاں تک اس تاریخی لوح سنگ کا تعلق ہے یہ سعودی دور کی ابتدا میں اپنی جگہ سے غائب ہو گئی اور انصاری نے حاشیہ میں ایک فٹ نوٹ دے کر چونکا سا دیا ہے۔

مسجد بنی ظفر کی ایک نادر تصویر
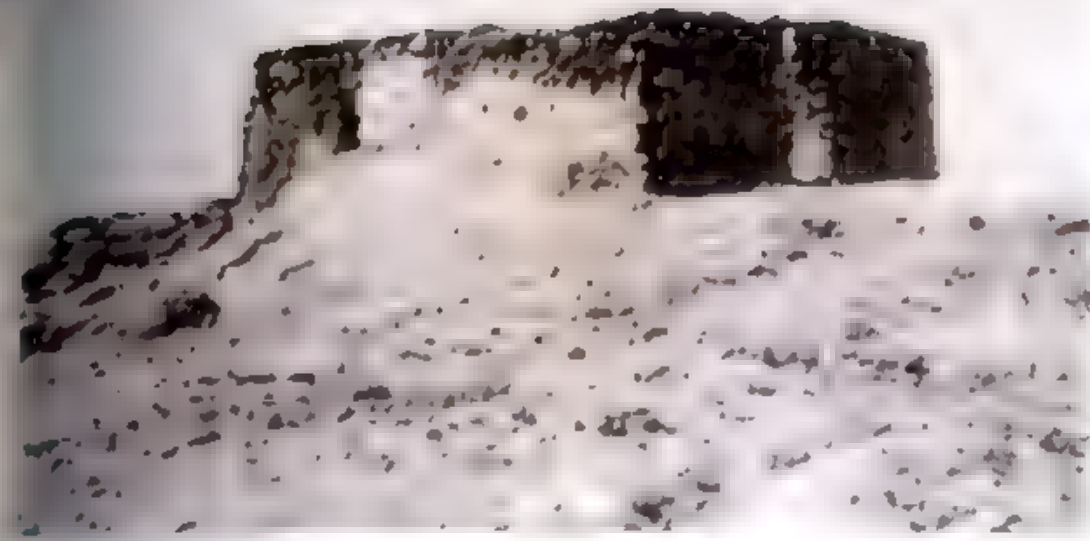
"بعد میں میں نے خود اس دو سنگ وشیشے کے ایک شوکیس میں محفوظ تمام دیکھی جو کہ دار الکتب المصریہ (قاہرہ) میں داخل ہوتے وقت نظر آتا ہے وہاں کے جنرل مینیجر نے مجھے بتایا کہ ایک مدنی اس دو سنگ کو اٹھا کر مصر لے آیا اور اس کی منہ مانگی قیمت لے کر اس کے ہاتھ بیچ دیا (۸۶)

رحمۃ اللہ گرفتہ چینیں در حرم کی حقیقہ رشتی

المطری لکھتے ہیں کہ مسجد بنی ظفر قبیلہ بنی ظفر کی تھی جو کہ اوس کی ایک شاخ تھا اور یہ البقیع کے شرقی جانب حرہ (شرقیہ) کی طرف واقع ہے اور آج کل اسے مسجد بغلہ (خچر والی مسجد) کہا جاتا ہے زید بن غازی نے حضرت حسن بن مصعب الظفری سے روایت کی ہے کہ ایک بار زیاد بن عبید اللہ (زیاد بن عبید اللہ بن عبد اللہ لی ش ۱۳۳ ہجری سے عباسیوں کی جانب سے مدینہ طیبہ کا گورنر تھا) نے حکم صادر کر دیا کہ وہ پتھر اٹھا لیا جائے جس پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے لیکن جب قبیلہ بنی ظفر کے مشائخ نے زیاد سے رجوع کیا اور اسے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پتھر پر استراحت فرمائی تھی تو اس نے وہ پتھر اسی جگہ پر رہنے دیا المطری یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بے اولاد خواتین جن کو اولاد کی خواہش ہوتی تھی وہ اس پتھر پر آ کر بیٹھ جاتیں اور دعا کرتیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اولاد نرینہ سے نواز دیتا (۸۷) اس کے قریب ہی کچھ اور آثار مبارکہ ہیں جن میں سے ایک حضور نبی اکرم ﷺ کے خچر کے پاؤں کا نشان ہے جو کہ قبلہ کی جانب ہے اور ساتھ ہی مغربی جانب کچھ اور نشانات ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی کہنی اور انگلیوں کے ہیں اور لوگ حصول برکت وسعادت کے لیے ان کا بہت احترام کرتے ہیں (۸۸) قطب الدین حنفی (ت ۹۹۰ ہجری) نے بھی اس بیان کی تصدیق کی ہے کہ ان کے دور میں بھی وہ آثار مبارکہ موجود ہوا کرتے تھے قبلہ کی جانب ایک چٹان تھی جس پر خچر کے پاؤں کے نشانات تھے جب کہ مغربی جانب ایک چٹان تھی جس پر رسول اللہ ﷺ کی کہنی مبارک اور انگلیوں کے نشانات تھے (۸۹) دسویں صدی ہجری میں السمہودی بھی ان بیانات کی تائید کرتے ہیں انہوں نے اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ چٹان پر خچر کے پاؤں کے نشانات ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسی پر سوار ہو کر وہاں تشریف لائے تھے اور جب آپ حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہوئے تو اسے قریب ہی باندھا ہوا تھا (۹۰)

مدینہ طیبہ کے تقریباً سب بڑے بڑے مورخوں نے جن میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی بھی شامل ہیں اس مسجد اور اس میں موجود تبرکات اور آثار نبوی شریف کا ذکر کیا ہے لیکن ایسا نظر آتا ہے کہ ماضی بعید میں حکمرانوں نے اس مسجد کی دیکھ بھال کے لیے کوئی خاص اقدام نہیں اٹھائے سمہودی نے بھی تبرکات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے (۹۱) لعیاشی نے دسویں صدی میں تحریر کیا تھا کہ اس مسجد کا رقبہ ۲۱x۲۰ ذراع تھا البتہ ۱۳۰۳ ہجری میں علی بن موسیٰ آفندی نے لکھا تھا کہ اس کے اوپر دو علیحدہ علیحدہ گنبد تھے ایک گنبد کے نیچے سنگ سیاہ میں بڑے بڑے پیالے بنے تھے جن کے متعلق روایت ہے کہ وہ اہل بیت طاہرہ پر مباہلہ کے وقت آسمان سے نازل ہوئے تھے دوسرے گنبد کے نیچے کہا جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خچر (دلدل) دفن تھی (۹۲) گنبدوں کی موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ عثمانیوں نے اس کی مرمت یا تعمیر نو کروائی ہوگی یہ لگتا ہے کہ وہابی یلغار کے بعد دونوں گنبدوں کو دیگر گنبدوں کے ساتھ ہی مسمار کر دیا گیا تھا جو کہ بقیع الغرقد میں تھے حتیٰ کہ وہ پتھر

مسجد مائدہ

بھی جس پر رسول اللہ ﷺ کے خچر کے پاؤں کے نشانات تھے وہ بھی ایک عرصہ ہوا غائب ہو چکا ہے اوقاف مدینہ کے مرحوم سعید اسعد ربی کی رپورٹ کے مطابق ۱۳۹۹ ہجری تک اس مسجد میں آثار موجود ہوا کرتے تھے اور یہ کہ اس وقت مسجد ۲۱x۲۰ ذراع کے رقبے پر محیط تھی وہ پرانی تصویر جس میں قدموں کے نشان کی تصویر ۱۹۷۲ء کی ہے جو کہ ایک عاشق تبرکات رسول اللہ ﷺ نے حاصل کی تھی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام تبرکات ۱۹۷۲ء تک مسجد کے کھنڈرات میں موجود ہوا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد اچانک کہیں غائب ہو گئے ۱۹۷۵ء تک ہمارے جانے والے بہت سے احباب کو ان کی زیارت نصیب ہوئی تھی انہیں تبرکات کے متعلق لکھتے ہوئے خیاری لکھتے ہیں

اس مسجد میں تبرکات بھی ہیں جو کہ قبلہ کی جانب پڑے ہوئے ہیں ایک کے متعلق مشہور ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خچر کے پاؤں کا نشان ہے جو ایک چٹان پر ثبت ہے اور اس کے قریب ہی مغربی جانب ایک اور پتھر ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کی کہنی مبارکہ کا نشان ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنی کہنی مبارک رکھ کر ٹیک لگائی ہوئی تھی اور ایک اور پتھر پر حضور نبی اکرم ﷺ کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود ہیں" (۹۳)

مسجد بغلہ کے قریب ہی ایک اور مسجد ہوا کرتی تھی جسے مسجد مائدہ کہا جاتا تھا جو کہ اس مقام پر تعمیر ہوئی تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ نے وفد نجران کے مسیحی پادریوں اور وفد کے ساتھ مباہلہ (۹۴) کے لیے منتخب فرمایا تھا اور جس جگہ پر اس دن حضرت سلمان فارسیؓ نے آپ حضور ﷺ کے لیے لکڑیاں گاڑ کر اس پر ردائے مبارکہ لگا کر سائبان کھڑا کیا تھا اور حضور پرنور ﷺ دیگر اہل بیت طاہرہ کے ہمراہ تشریف لائے تھے (شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما)

وفد نجران کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے مباہلے کا واقعہ:

سیرت نگاروں نے وفد نجران سے گفتگو کا تفصیلی ذکر کیا ہے جب بات چیت کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی تو قرآنی احکام کے مطابق یہ فیصلہ ہوا کہ فریقین مباہلہ کریں گے

﴿پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آ چکا تو ان سے فرما دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں.﴾ (۹۵)

مسجد بنی ظفر اور مقام مباہلہ کی موجودہ حالت اب اسے ویران کر کے گرد اگرد قد آدم دیوار کھڑی کر دی گئی ہے

یہ پہلی شوال ۱۰ ہجری کو ہوا تھا اور جو جگہ اس مباہلہ کے لیے منتخب کی گئی تھی وہ بقیع الغرقد کے قبرستان کے پاس حرہ میں تھی (۹۶) جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے مروی ہے، انہوں نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی تھی گو کہ ان کا بیان کسی اور سیاق وسباق میں تھا لیکن اسی ضمن میں انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق

قدیم مسجد معرس کی ایک نادر تصویر

مطری کے دور میں بھی آٹھویں صدی ہجری میں یہ مسجد حضرت ابوذر الغفاریؓ سے منسوب ہو چکی تھی۔ ابراہیم العیاشی کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بہت سی دیگر مساجد مشاہیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منسوب تھیں لوگوں نے اس مسجد کو حضرت ابوذر الغفاریؓ کے نام سے منسوب کر دیا ہوگا

حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ مسجد النبوی شریف کے صحن میں حاضر تھے تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بقیع الغرقد کی جانب تشریف لے جا رہے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بازار میں ایک احاطے میں داخل ہو گئے جہاں آپ حضور ﷺ نے وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا کی اور پھر بہت طویل عرصے تک سجدے میں چلے گئے جب انہوں نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو رحمت اللعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: [جبریل امین نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ جو بھی مجھ پر درود و سلام بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر سلام بھیجے گا پھر آپ حضور ﷺ نے اسی بات کو دوبارہ دہرایا کہ جو بھی مجھ پر درود و سلام بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر سلام بھیجے گا](۱۰۸) ایک اور روایت میں اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے [اس وجہ سے شکرانہ کے طور پر میں سجدہ میں چلا گیا] البیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا، اور چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ امام احمدؒ نے مسند میں اور حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے۔

العباسی نے دسویں صدی ہجری میں اس مسجد کے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جو کہ خستہ حالت میں تھی اس کے رقبے کا طول صرف ۸ ذرع تھا چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر بہت طویل سجدہ کیا تھا اس لیے اسے مسجد سجدہ بھی کہا جاتا تھا پچھلے چالیس سالوں کی یادوں کو سمیٹتے ہوئے ابراہیم العیاشی مرحوم نے لکھا ہے کہ "جب میں نے یہ مسجد چالیس سال پہلے دیکھی تھی تو یہ بالکل اتنے رقبے پر ہی محیط تھی جتنا کہ السید السمہودیؒ نے بیان کیا تھا حالانکہ اسے ایک مدنی علوی سقافؒ نے نئے سرے سے تعمیر کروا دیا تھا اس وقت یہ صرف ایک غیر مسقف چار دیواری پر مشتمل تھی اور وہ دیواریں بھی گارے سے بنائی گئی تھیں اس سے مغربی جانب کھجوروں کا ایک باغ ہوا کرتا تھا جو کہ بستان یحییٰ بن عبدالجلیل البری کی ملکیت ہوا کرتا تھا (۱۱۰)

شاہ فیصل کے دور میں اس کی تعمیر نو ہوئی جو کہ عرصہ تیس سال تک موجود رہی ۲۰۰۰ء میں اس کی تعمیر نو شروع ہوئی جو کہ ۲۰۰۲ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی اب یہ ایک نہایت ہی عالی شان مسجد بن چکی ہے جس کو سطح ارضی سے کافی بلند کر کے بنایا گیا ہے اس کے قبلہ کی جانب خوبصورت درخت لگے ہیں اور بہت ہی خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں ۲۰۰۲ء سے اس کے بالکل سامنے شریٹن ہوٹل تکمیل کے مراحل طے کر رہا ہے یہ مسجد چونکہ اکثر و بیشتر بند رہتی ہے مولف کو موقع نہیں مل سکا کہ اس میں دوگانہ ادا کر سکے۔

مسجد معرس:

"مسجد معرس" میقات ذوالحلیفہ کے قبلہ کی جانب ہوا کرتی تھی۔(۲) یہ اس جگہ واقع تھی جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکۃ المکرمہ سے واپسی پر استراحت فرمائی تھی۔ ورشب باشی کی تھی خیاری کے بیان کے مطابق ۱۳۰۵ ہجری کے لگ بھگ اس مسجد کے کھنڈرات موجود تھے اور

مسجد معرس کی موجودہ حالت

اس کے ساتھ ہی ایک منہدم کنواں بھی ہوا کرتا تھا جو کہ مسجد ذوالحلیفہ کی داہنی جانب تھا انہوں نے مزید کہا ہے کہ یہ علاقہ ایک زرعی فارم ہوا کرتا تھا جہاں کھیتی باڑی بھی ہوا کرتی تھی۔ (۱۱۳) تاہم اسی کتاب کے حاشیے میں ناشرین نے یہ وضاحت کر دی ہے کہ مرحوم مولف کے بعد وہ تمام علاقہ موجودہ مسجد میقات یعنی مسجد ذوالحلیفہ کے احاطے میں آ گیا ہے۔ مسجد ذوالحلیفہ چونکہ کافی وسیع ہے اور اس کے ارد گرد ایک وسیع و عریض پارکنگ ہے یا اس کو گھیرے ہوئے ہے اس لیے اس مقام کی پہچان مشکل ہے کہ وہ تاریخی مسجد معرس کس جگہ واقع تھی سعید الدربی نے ۱۳۹۹ ہجری میں اپنی گائیڈ- دلیل مساجد المدینۃ المنورۃ میں لکھا ہے کہ مسجد ذوالحلیفہ کے علاوہ اس کے قبلہ کی جانب ایک اور چھوٹی سی مسجد بھی ہوا کرتی تھی جس کے صحن میں ایک کنواں بھی تھا۔(۱۱۴)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ- کا (حج) کا راستہ الشجرہ کی طرف سے ہوا کرتا تھا اور واپسی پر سرور کونین ﷺ معرس کے راستے تشریف لاتے اور بلاشک جب بھی رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لے گئے تو آپ حضور ﷺ نے مسجد الشجرہ میں نماز ادا کی اور جب واپس تشریف لائے تو ذوالحلیفہ میں وادی کے عین بیچ میں نماز ادا کی اور اس کے قریب ہی رات کو استراحت فرمائی حتی کہ صبح ہو گئی۔(۱۵) اس حدیث مبارکہ سے صاف واضح ہے کہ مسجد ذوالحلیفہ (یعنی مسجد الشجرہ) اور مسجد معرس دو الگ الگ مساجد تھیں اور دونوں مختلف مقامات پر تھیں اور یہ کہ موخرالذکر مسجد پہلی مسجد سے ذرا دور واقع تھی ایک جانے کا راستہ تھا تو دوسرا واپس آنے کا تھا

مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ اس معاملے میں ہماری مزید رہنمائی کرتی ہے۔ حضرت موسیٰ بن عقبہؓ سے مروی ہے کہ حضرت سالم بن عبداللہؓ کے والد (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ) نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آپ حضور ﷺ مسجد معرس کے بطن میں وادی ذوالحلیفہ میں محو استراحت تھے تو مجھے یہ ندا دی گئی کہ [تم اس وقت ایک مقدس وادی میں ہو]

وادی عقیق میں مسجد معرس کی ایک نادر تصویر

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ نے ہمیں اونٹوں سے اترنے کا کہا جہاں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اترا کرتے تھے اور جہاں رسول اللہ ﷺ نے استراحت فرمائی تھی اور یہ مقام اس مسجد سے نیچے کی جانب تھا جو کہ وادی کے درمیان میں واقع ہے یعنی سڑک اور مسجد کے درمیان۔(۱۶) المراغی (ت ۸۱۶ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ ایک چھوٹی سی مسجد (معرس) بھی وہاں صرف اتنے فاصلے پر تھی جو کہ ایک تیر کی مسافت پر تھی۔(۱۷) تاہم وہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ اس جگہ کا تعین جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بہت سی روایت میں بتائی تھی کہ وہاں رسول اللہ ﷺ نے استراحت فرمائی تھی کافی

مشکل کام ہے کیونکہ ایک مرتبہ وادی بطحا میں شدید طغیانی آگئی تھی جس سے سب نشانات مٹ گئے تھے اور یہ پہچاننا مشکل ہو گیا تھا کہ وہ تمام مقامات کہاں تھے (۱۱۸)

بعد میں اس جگہ پر ایک مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جو کہ بیسویں صدی کے وسط تک معرض وجود میں رہی۔ ابراہیم العیاشی نے بیان کیا ہے کہ ۱۳۷۳ ہجری میں بہت تگ و دو اور تحقیق کے بعد وہ اس قابل ہوئے تھے کہ قدیم مسجد معرس کا جائے وقوع معلوم کر سکیں اس کی قدیم بنیادیں دریافت ہو گئیں جو کہ ایک کاشتکار نے اپنے پانی کے ذخیرہ کرنے کے لیے بنائے ہوئے تالاب کے نیچے دفن کر دی تھیں اور جہاں بچے زائرین اس مقدس مقام کی بے حرمتی کے مرتکب ہوا کرتے تھے اور پھر میڈیا میں زبردست مہم کے بعد وہ کہیں اس قابل ہوئے تھے کہ اس مسجد کی حرمت بحال کر سکیں (۹) وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مسجد 'مسجد المیقات' کے جنوب میں تقریباً ۱۵۰ میٹر کے فاصلہ پر واقع تھی وہاں اس کے قریب ایک کنواں بھی تھا جو کہ اس وقت قریب المنہدم تھا

وادی عقیق کے مغربی کنارے پر واقع مسجد شجرہ جسے اب مسجد ذوالحلیفہ (مسجد میقات) کہا جاتا ہے پہلی سعودی تعمیر کے بعد

مسجد ذوالحلیفہ

جنوب (مکۃ المکرمہ) سے مدینہ طیبہ آنے والے حضرات کے لیے باب المدینہ وہ مقام ہے جو کہ اہل مدینہ کے لیے حج اور عمرہ پر جانے کے لیے نقطہ میقات ہے اسے مسجد شجرہ بھی کہا جاتا تھا لیکن آج کل یہ مسجد ذوالحلیفہ کے نام سے مشہور ہے جو کہ وادی العقیق کے مغربی کنارے واقع ہے مسجد نبوی شریف سے تقریباً نو (۹) کلومیٹر کے فاصلے پر وادی العقیق کے اس علاقے میں یہ مسجد طریق الہجرہ پر اس علاقے میں واقع ہے جسے ابیار علی یا آبار علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے جانا جاتا ہے یہ تمام علاقہ آبار علی کے نام سے ہی مشہور ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس علاقے میں کنویں کھدوائے ہوئے تھے اور آج بھی ان میں سے چند بچے ہوئے کنویں مسجد ذوالحلیفہ سے پانچ منٹ کے پیدل فاصلے پر واقع ہیں

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں پہلی صدی ہجری کے آخر میں اس کی تعمیر نو ہوئی اس وقت اسے پتھر اور جپسم سے بنی دیواروں سے بنایا گیا تھا کئی صدیوں تک یہ عمارت قائم رہی لیکن بالآخر شکست و ریخت کا شکار ہو گئی۔ زین الدین نامی ایک شخص نے ۸۶۱ ہجری میں اسے دوبارہ تعمیر کروایا العباسی کے بیان کے مطابق "وہ جگہ جہاں لوگ احرام پہنتے ہیں اس مقام پر نہیں ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے احرام زیب تن فرمایا تھا، کیونکہ وہ مسجد تو کچھ عرصہ پہلے منہدم ہو چکی ہے یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جس کے گرد چار دیواری کا احاطہ تھا۔ اس کی جگہ اب عثمانیوں کے زیر اشراف ایک شخص محمود بیگ الحج نے مسجد تعمیر کروا دی ہے (۱۲) یہ حال تو دسویں صدی میں تھا جبکہ وہ ایک چھوٹی اور سادہ سی عمارت ہوا کرتی تھی اور اس کی چھت کھجور کے تنوں سے بنے شہتیروں سے بنی تھی۔ بعد میں عثمانی حکومت سے اجازت لے کر برصغیر کے چند مسلمانوں نے اس مسجد کو ۱۰۹۰ ہجری میں دوبارہ تعمیر کروا دیا یہ سلطان محمد چہارم کے دور میں ہوا تھا۔ اس وقت بھی مسجد نہایت سادہ اور پتھر کی اینٹوں اور گارے سے بنائی گئی تھی اور اس کا کل رقبہ ۵۲ مربع ذراع تھا۔

بیسویں صدی میں حجاج کرام کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگا اور یہ چھوٹی سی مسجد حجاج کے جم غفیر پر تنگ پڑنے لگی تو سعودی حکومت نے ۱۳۷۵ ہجری میں (جب کہ مسجد نبوی شریف بھی زیر تعمیر تھی) اسے نئے سرے سے تعمیر کروا دیا جلد ہی یہ نئی مسجد بھی حجاج کے لیے کم پڑنے لگی لہذا جب مسجد نبوی شریف کی عظیم تر توسیع کا منصوبہ زیر تکمیل تھا تو خادم الحرمین الشریفین کے احکام پر اس مسجد کو دوبارہ وسعت دینے کا منصوبہ تیار ہوا سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۸ ہجری کو ہوئی اس منصوبے کے تحت آبار علی کے علاقے کو ترقی دے کر ہموار

میقات کا ایک خوبصورت فضائی منظر (۲۰۰۵ء)

مسجد ... مسجد وہب کی ایک نایاب تصویر

کروائی اس کی قدیم طرز تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابھی تک بنیادی طور پر اسی زمانے کی تعمیر ہے اور اس لحاظ سے یہ مدینہ طیبہ کی قدیم اثری عمارتوں میں شمار ہوتی ہے

مسجد الفضیخ

تابعین حضرات ہاشم بن عروہ بن الزبیر اور حارث بن فضیل الانصاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مسجد پر جہاں بعد میں مسجد فضیخ بنی تھی نمازیں ادا فرمائی تھیں ابن شبہ نے بھی حضرت جابر بن عبد اللہ کی مرفوع روایت پڑھی اپنے بیان میں کہا ہے کہ بنی نضیر کے محاصرے کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ نمازیں ادا فرمائی تھیں جہاں پر اب مسجد فضیخ موجود ہے چونکہ بنی نضیر کا محاصرہ چھ دن تک جاری رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر نمازیں ادا کی تھیں لیکن اس وقت تک یقینی طور پر کسی مسجد کا وجود نہ تھا کیونکہ وہ یہود کا علاقہ تھا مسجد کی تعمیر بنی نضیر کے یہودیوں کے مدینہ بدر ہونے کے بعد ہی عمل میں آئی ہوگی لیکن جب مسجد بن گئی تو ایسے بہت سے شواہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نمازیں ادا کی تھیں جیسا کہ امام احمد اور ابویعلیٰ کی روایت مروی از حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ثابت ہوتا ہے

مسجد راية (مسجد وہب) کی ایک نایاب تصویر

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا تو آپ حضور ﷺ نے اس مقام پر اپنا خیمہ مبارک نصب کروایا تھا جہاں پر مسجد فضیخ تعمیر ہوئی چھ دن تک آپ حضرت ﷺ نے اسی مقام پر اپنی نمازیں ادا فرمائیں پھر بعد میں جب شراب نوشی حرام قرار دے دی گئی اور اس حرمت کی خبر حضرت ابوایوب انصاریؓ اور دیگر انصاری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پہنچی جو کہ اس وقت اس جگہ بیٹھے فضیخ (جو کہ کھجوروں سے کشید کی ہوئی ایک قسم کی شراب تھی) پی رہے تھے انہوں نے اپنے شراب کے مٹکے اسی وقت اس کنویں میں انڈیل دیئے (یہ کنواں اس مسجد کے صحن میں واقع تھا) اسی واقعہ کی نسبت سے اس مسجد کا نام ہی مسجد الفضیخ پڑ گیا۔(۲۹) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی اسی روایت کے مطابق جب حرمت خمر کا قرآنی حکم (۳۰) آن پہنچا تو ان اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے اس وقت شراب پی رکھی تھی جن میں حضرت ابوایوب الانصاری بھی شامل تھے نے اسی کنویں میں قے کر کے اپنے معدے خالی کر ڈالے اور جو شراب ان کے مٹکوں میں باقی بچی ہوئی تھی وہ بھی انہوں نے اسی کنویں میں انڈیل دی تھی جب بعد میں اسی مقام پر مسجد کی تعمیر ہوئی تو وہ مسجد بھی اسی واقعہ کی نسبت سے مسجد فضیخ کی

مسجد راية (مسجد وہب) ۲۰۰۱ء

علائی (۳۱) ... زمین ... وہ کنواں دیکھنے کو ملتا ہے جو صحن مسجد میں ابھی تک موجود ہے اور ایک مین ہول کے ڈھکنے سے ڈھانپا گیا ہے یہ کنواں اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تبرک رسول مقبول ﷺ کی یادگار کے طور پر موجود ہے

سمہودی کے مطابق یہ ایک مربع شکل کی مسجد تھی جس کا رقبہ ۱۱×۱۱ ذراع پر محیط تھا اسے شیخ الخدام الشجاعی الجمالی نے ۸۹۳ ہجری (۱۴۸۷ء) میں تعمیر کروایا تھا صالح معی مصطفیٰ کی رائے میں اس کی مرمت یا تعمیر نو سلطان عبدالمجید اول کے دور میں ۱۸۵۰-۱۸۳۹ء میں ہوئی ہوگی (۳۲) تاہم علی بن موسیٰ آفندی جنہوں نے اپنی 'وصف المدینہ' ۱۳۰۳ ہجری (۱۸۸۵ء) میں لکھی تھی بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایام میں مسجد پر کوئی چھت نہیں تھی یہ بیان اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ترکی دور میں اس مسجد کی تعمیر دوبارہ ہوئی تھی ایک بار تو سلطان عبدالمجید اول کے دور میں اور پھر ۱۸۸۵ء کے بعد اس کی تعمیر میں استعمال شدہ کالے پتھر اور محراب اور گنبد اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ ترکی طرز تعمیر ہی ہے مسجد کے اندر اور باہر سفیدی کی گئی ہے لیکن پھر بھی کئی جگہ سے سفیدی کے ہٹ جانے سے اس کی اصلی عمارتی خصوصیات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اس مسجد میں صرف ایک برآمدہ ہے جو کہ ۱۹ میٹر لمبا اور ۴ میٹر چوڑا ہے اور اس پر پانچ مضبوط گنبد سجے ہیں

بدقسمتی سے مسجد فضیخ کے متعلق اب خاصا ابہام پایا جاتا ہے ابن نجار نے لکھا ہے کہ مسجد فضیخ مسجد قباء کے قریب ہے اور اس کی شرقی جانب ہے اور وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اسے مسجد شمس کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ابن نجار اور سمہودیؒ کے مطابق یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جس کا رقبہ ۱۰×۱۰ ذراع تھا مسجد قباء کے قریب آج بھی ایک احاطہ ہے جس کو چار دیواری سے محیط کیا گیا ہے اب تو اس احاطے کے اندر صرف چند کھنڈرات ہی ہیں، مسجد کا کوئی نام و نشان باقی نہیں چھوڑا گیا یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ مسجد شمس ہے۔ العباسی نے کہا ہے کہ یہ مسجد شمس اس لئے ہے چونکہ یہ ایک اونچی جگہ پر واقع ہے جہاں قباء میں سب سے پہلے سورج کی کرنیں پڑتی ہیں اس لئے لوگ اسے مسجد شمس کہنے لگ گئے ہیں (۳۴) شیعہ حضرات کی روایات کے مطابق یہ مسجد 'رد الشمس' ہے تاہم العباسی نے اس نظریئے کی مخالفت یہ کہہ کر کی ہے کہ معجزہ رد شمس تو الصہباء کے مقام پر وقوع پذیر ہوا تھا جو کہ خیبر کے قریب ہے نہ کہ مدینہ طیبہ میں جیسا کہ سیدہ اسماء بنت عمیسؓ کی بیان کردہ روایت میں ہے سمہودیؒ اور مطری دونوں نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ الصہباء کے قصبے میں وہ مسجد موجود ہے جہاں پر وہ مذکورہ معجزہ رونما ہوا تھا۔(۱۳۵)

عالی الشنقیطی جنہوں نے اپنی زندگی مدینہ طیبہ میں گزاری تھی نے تو دوٹوک الفاظ میں اپنی تاریخ مدینہ طیبہ 'الدر الثمین' میں کہا ہے کہ وہ

مسجد بنی قریظہ

فرمایا جو کہ ایک دراز گوش پر سوار ہو کر حاضر خدمت ہوئے جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انصار کو فرمایا کھڑے ہو کر اپنے رئیس کا استقبال کیجئے پھر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا [یہود نے تمہاری تحکیم پر ہتھیار ڈالے ہیں تم ان کا فیصلہ کرو] حضرت سعدؓ نے فیصلہ صادر کیا کہ آپ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو بندی بنالیں۔] سمہودیؒ نے اس حدیث مبارکہ کے ان الفاظ "جب وہ مسجد کے قریب پہنچے" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف ہرگز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس وقت وہاں موجود ہی نہیں تھے بلکہ بنی قریظہ کے محاصرے پر تھے، چنانچہ اس مسجد سے مراد مسجد بنی قریظہ ہی ہے جہاں کہ آں حضرت ﷺ اس وقت تشریف فرما تھے۔(۱۴۰) چونکہ رسول اللہ ﷺ نے سولہ دن وہیں قیام فرمایا تھا یقینا وہاں مسجد بنا دی گئی ہوگی۔ الشیخ العباسی نے دسویں صدی ہجری میں تحریر کیا ہے کہ مسجد بنی قریظہ العالیہ (العوالی) میں مسجد شمس کی شرقی جانب کافی فاصلے پر واقع تھی جس کے قریب حدیقہ حجازیہ کا پارک تھا جو کہ غرباء اور مسافروں کے لیے وقف تھا۔(۱۴۱)

عصر حاضر کے چند مورخین مسجد بنو قریظہ کے محل وقوع کے بارے میں مغالطے کا شکار ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ وہی مسجد جس کو ماضی میں مسجد الفضیخ کہا جاتا تھا وہی دراصل مسجد بنی قریظہ ہے حالانکہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ مسجد بنی قریظہ اور مسجد الفضیخ دو الگ الگ مساجد ہیں مسجد الفضیخ کا تعلق غزوہ بنو نضیر سے ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر چھ دن محاصرے کی غرض سے قیام فرمایا تھا اور مسجد بنی قریظہ کا تعلق غزوہ بنی قریظہ سے ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاقے کا محاصرہ فرمایا تھا جو کہ دو ہفتے تک جاری رہا تھا یہودیوں کے یہ دونوں قبائل الگ الگ بستیوں میں رہتے تھے جو کہ ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھیں اور ذہن رسا خواہ کتنا ہی کیوں نہ پرواز کرے عقل سلیم ہرگز یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ کرتے وقت اپنا خیمہ بنو قریظہ میں نصب کیا تھا یا بنو قریظہ کا محاصرہ کرتے وقت بنو نضیر کے علاقے میں اپنا عریش مبارک لگوایا تھا۔ دوسری صدی کے مورخ ابن شبہ نے دو ٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ مسجد بنو قریظہ ایک الگ مسجد تھی جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کرتے وقت اپنا عریش نصب کروایا تھا اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ اس دوران ایک خاتون کے گھر میں نماز ادا فرمایا کرتے تھے جس کا تعلق خضر سے تھا بعد میں وہ گھر اسی مسجد میں شامل کر دیا گیا تھا اور وہ جگہ جہاں سرور دو عالم ﷺ نے نمازیں ادا کی تھیں وہ اسی مسجد کے مشرقی حصے میں تھی جو مینارہ کے قریب ہی تھا (جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروایا تھا) جو کہ (ابن شبہ کے دور میں) گر چکا تھا۔(۱۴۲) جب کہ مسجد الفضیخ وہ مقام ہے جہاں پر سرکار دو عالم علیہ افضل الصلوۃ والسلام نے محاصرہ بنو قریظہ کے وقت اپنا عریش مبارک نصب کروایا تھا اور جہاں پر سید العرب والعجم ﷺ چھ دن تک متواتر نمازیں ادا کرتے رہے تھے۔(۱۴۳)

حضرت علی بن رافعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نمازیں اس گھر میں ادا فرماتے رہے جو کہ الخضر کی ایک خاتون کی ملکیت تھا بعد میں وہ گھر مسجد بنو قریظہ میں شامل کر لیا گیا تھا اور وہ جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا کی تھیں وہ مسجد بنی قریظہ کے شرقی حصے میں ہے جہاں مینارہ ہوا کرتا تھا جو کہ گر چکا ہے۔(۱۴۴) اس مسجد کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے از سر نو تعمیر کروایا تھا اور اس کے ساتھ ایک مینارہ بھی بنوایا تھا۔ سمہودیؒ کے مطابق ۸۹۳ ہجری میں یہ مسجد ۳۴×۳۴ ذرع کے رقبہ پر تھی۔ ان کے بیان کے مطابق شاہین الجمالی نے جو کہ اس وقت شیخ الحرم تھے (گورنر مدینہ طیبہ) اسے ۸۹۳ ہجری میں نئے سرے سے تعمیر کروایا تھا۔ سید احمد الخیاری کے بیان کے مطابق یہ ایک بہت ہی مشہور و معروف مسجد ہے جو کہ مسجد الفضیخ اور مشربہ ام ابراہیم کے درمیان العوالی کے علاقے میں واقع ہے۔

مسجد بنی حرام

محل وقوع: مسجد نبوی شریف سے سبعہ مساجد (موقع غزوہ احزاب) کی طرف جاتے ہوئے مسجد قبلتین سے ملاقے میں سڑک کی داہنی جانب آبادی کے اندر کی طرف واقع ہے جو کہ جبل سلع کے دامن میں آباد ہے یہ ایک خوبصورت مسجد ہے جس کا ایک مینارہ ہے اور ایک چھوٹا سا گنبد اس کی چھت پر بنایا گیا ہے۔ سنہ ۱۴۰۹ ہجری میں پرانی مسجد کی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔

بنی حرام کا قبیلہ خزرج کی ایک شاخ تھا مسجد نبوی شریف سے کافی فاصلہ پر آباد تھا ان کو مسجد نبوی میں نماز جمعہ وغیرہ پڑھنے کے لیے وادی بطحان سے گزر کر آنا پڑتا تھا جو کہ اکثر و بیشتر طغیانی کا شکار رہتی تھی ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہجرت مرحمت فرمادی کہ وہ وہاں سے نکل کر تمام قبیلہ جبل سلع کے دامن میں آباد ہو جائے۔(۱۴۷) ایام غزوہ احزاب سے پہلے ہی یہ سب ہو گیا تھا۔ حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت جابر بن عبداللہ بن حرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کو دوران غزوہ اپنے گھر (جہاں پر اب مسجد ہے) مدعو کیا تھا اور رسول مقبول ﷺ کی خوشی میں ایک چھوٹی سی بکری ذبح کی تھی جو معجزہ سید العرب والعجم ﷺ کے سبب ۱،۵۰۰-۱ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے کفایت کر گئی جو کہ خندق کھودنے میں مشغول تھے رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز بھی اسی جگہ ادا فرمائی تھی۔(۱۴۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس جگہ مسجد تعمیر کروادی تھی صدیاں گزرنے پر یہ مسجد کھنڈرات میں تبدیل ہو گئی جس کا رونا ہر مورخ مدینہ طیبہ روتا رہا مگر اس کی تعمیر نو پر کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ بالآخر مورخ مدینہ ابراہیم العیاشی کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور انہوں نے چند مخیر حضرات کے تعاون سے اس کے کھنڈرات پر ۱۳۸۸ ہجری میں ایک مسجد بنوادی۔ بعد میں اوقاف مدینہ طیبہ نے اس کا انتظام و انصرام سنبھال لیا بعد میں جب مسجد نبوی شریف کا عظیم تر منصوبہ منعقد کیا گیا تو اس مسجد کو بھی دوبارہ تعمیر کروا دیا گیا یہ مسجد پانچ وقت نماز کے لیے کھلتی ہے یہ ایک ایسی آبادی میں ہے جس کی سڑکیں اور گلیاں پرانی طرز پر تنگ سی ہیں اور اسی وجہ سے باہر سے آنے والے زائرین اکثر اس کی زیارت سے محروم رہ جاتے ہیں

مسجد شیخین

مسجد نبوی شریف سے مشہد سیدنا امیر حمزہؓ (احد) کی طرف جاتے ہوئے یہ مسجد بائیں ہاتھ پر آتی ہے اس کے اوپر دو گنبد تعمیر کیے گئے ہیں یہ ایک گلی میں مین روڈ سے ۵۰ یا ۶۰ میٹر کے فاصلے پر اندر کی طرف واقع ہے (۲۰۰۲ء میں اس کے سامنے کی عمارت گرا دی گئی ہے اور اب وقت یہ کھلا سا میدان ہے اور دور ہی سے مسجد نظر آ جاتی ہے) جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے لیے نکلے تو پہلا پڑاؤ اسی مقام پر ہوا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ لگوایا تھا وہاں دو متصل اطام ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک میں ایک نابینا یہودی اور دوسرے میں ایک بوڑھی نابینا یہودیہ رہا کرتی تھی چونکہ دونوں ہی معمر (یعنی شیخ) تھے اس لیے وہ علاقہ انہی 'شیخین' کے نام پر مشہور ہو گیا فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی گئی جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں۔(۱۵۰) ترکوں نے اس مسجد کے اوپر دو گنبد تعمیر کروا دیے تھے یہ دونوں گنبد شاید ان دونوں اطام کی یاد میں تھے جو کہ کبھی وہاں ہوا کرتے تھے یا پھر اس علاقے کی نسبت سے جس کو الشیخین کہا جاتا تھا ایسا کیا گیا تھا

مسجد شیخین

مسجد شیخین
اگست ۲۰۰۲ء

رسول اللہ ﷺ نے یہی دو نمازیں اس مقام پر ادا فرمائی تھیں اس کے علاوہ صبح کی نماز امام سیدِ عرب و عجم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اسی جگہ سے تھوڑا بلندی کی طرف واقع (مسجد) میں ادا فرمائی تھیں (۱۵۱) زرہ کے لیے عربی لفظ 'درع' ہے اسی مناسبت سے اس مسجد کو مسجد درع بھی کہا جاتا ہے اس کے علاوہ اسے مسجد بدائع بھی کہا جاتا رہا ہے (۱۵۲) ابتدائی دنوں میں اسے مسجد عدوی بھی کہا جاتا تھا (۱۵۳) آج کل اوقاف مدینہ نے اس کا نام مسجد شیخین رکھا ہوا ہے (۱۵۴) اسی پڑاؤ کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنی حربی تیاریوں کا معائنہ فرمایا تھا آپ حضرت ﷺ نے حربی قوت کے لیے جسمانی قابلیت رکھنے والے افراد کو ساتھ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی لشکر اسلام کے ساتھ اس وقت چونکہ بہت سے بچے بھی شوقِ جہاد میں چلے آئے تھے لیکن چونکہ وہ بہت کم عمر تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دی تھی حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ ان کو شیخین کے مقام سے واپس کر دیا گیا تھا (۱۵۵) کیونکہ ان کی عمر اس وقت بہت کم تھی چونکہ شوقِ شہادت اتنا زیادہ تھا کہ ساتھ چلنے پر اصرار کر رہے تھے لہذا رسول اللہ ﷺ نے ان کی پریڈ منعقد فرمائی تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ جنگ کے فرائض ادا کرنے کے قابل بھی ہیں یا کہ نہیں حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت رافع الاوسیؓ کو اجازت نہ ملی کیونکہ وہ سب اس وقت نابالغ تھے وہ مشہور واقعہ جس میں ایک نابالغ بچہ (حضرت رافع بن خدیجؓ) اپنے پاؤں کی انگلیوں کے بل کھڑا ہو گیا تھا تاکہ اس کا قد لمبا نظر آئے بھی اسی مقام پر ہوا تھا جب کہ ایک اور بچہ جو کہ اس سے قوی تھا مگر نابالغ ہونے کی وجہ سے مسترد ہو گیا تھا وہ حضرت سمرہ بن جندبؓ تھے جنہوں نے احتجاج کیا کہ ان سے فروتر نابالغ کو اجازت دے دی گئی تھی لہذا انہوں نے چیلنج دے دیا کہ ان کا مقابلہ کروایا جائے ان کے جذبے کو دیکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو کشتی میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کا حکم صادر فرمایا مقابلے میں حضرت سمرہ بن جندب جیت گئے اور انہیں بھی ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت کر دی گئی وہ واقعہ بھی اسی جگہ ہوا تھا

تین سو منافقین کے گروہ کو لے کر رئیس المنافقین ابن ابی نے عساکر اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی اور مدینہ طیبہ کا رخ کر لیا حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے [جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد پر روانہ ہوئے تو وہ کچھ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے وہ واپس لوٹ گئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بات پر دو گروہوں میں بٹ گئے تھے ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ 'ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے' جب کہ دوسرا گروہ کہہ رہا تھا 'ہم ان سے نہیں لڑیں گے' تب وحی الٰہی کا نزول ہوا ﴿تو تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں دو فریق ہو گئے ہو اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کی حرکتوں کے سبب کیا یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ہرگز تو اس کے لیے راہ نہ پائے گا﴾ (۱۵۶) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ طابہ ہے جو کہ ہر ایک کو اس کے گناہوں سے صاف کر دیتی

مسجد مستراح
(مسجد بنی حارثہ)
[illegible]

ہے جیسا کہ ایک بھٹی چاندی کو اس کے کھوٹ سے الگ کر دیتی ہے (۱۵۷) وہ واقعہ بھی اسی جگہ ہوا تھا

مسجد مستراح (مسجد بنی حارثہ)

مسجد شیخین سے تھوڑے ہی فاصلے پر احد کی طرف جاتے ہوئے عین سڑک پر ایک بہت ہی خوبصورت مسجد ہے جو مسجد مستراح کے نام سے جانی جاتی ہے ابتدائے اسلام میں اسے مسجد بنی حارثہ کے نام سے جانا جاتا تھا کیونکہ وہاں بنی حارثہ کا قبیلہ (اوس) آباد تھا ابن شبہ کے مطابق اسی قبیلے کے ایک ممتاز فرد (حضرت حارث بن سعد بن عبید الحارثیؓ) کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان کی مسجد میں نماز ادا فرمائی تھی بنی حارثہ کی اصلی رہائش حرہ شرقیہ میں تھی جو کہ بنو عبد الاشہل کی جانب رہا کرتے تھے مگر وہ موجودہ مسجد مستراح کے قریب آ کر بس گئے تھے (۱۵۸)

بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر غزوہ احد سے واپسی پر تھوڑی دیر کے لیے استراحت فرمائی تھی وراسی مناسبت سے اس مقام پر تعمیر شدہ مسجد کو مسجد مستراح کہا جاتا ہے ماضی میں اس کے قریب ترکوں کا تعمیر کردہ ایک چھوٹا سا قلعہ بھی ہوا کرتا تھا مگر اب اس کی جگہ شاندار کوٹھیوں اور گھروں نے لے لی ہے مسجد کو سعودی حکومت نے نئے سرے سے تعمیر کروایا ہے اور یہ مدینہ طیبہ کی خوبصورت مساجد میں شمار ہوتی ہے

مسجد مصبح (مسجد بنو نیف)

اسے مسجد بنو نیف بھی کہا جاتا ہے یہ چھوٹی سی مسجد جو کہ صرف چار دیواری پر مشتمل ہے ایک بلند سطح پر مسجد قباء کے سامنے والے علاقے میں واقع ہے اس کے اردگرد ملبے کے ڈھیر ہیں اور ذرا فاصلے پر ڈھلوان میں کچھ کھجوروں کے باغات بھی ہیں مسجد قباء کے سامنے سے اگر مروس روڈ پر آبادی کے اندر کی طرف مڑا جائے تو آگے جا کر مستودعات القسان کے فوراً بعد اس خستہ حال مسجد کی چار دیواری نظر آتی ہے قبیلہ بنی انیف جو کہ دیومالائی طور پر اپنے آپ کو مدینہ طیبہ کے قدیم ترین ساکنین عمالقہ کی اولاد بتاتے تھے ہجرت مبارکہ کے وقت وہاں آباد تھے (۱۵۹) اس کے پاس کچھ یہود بھی آباد تھے ان گھروں کے سامنے ایک اونچی سطح مرتفع تھی جہاں پر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ سے آمد کا انتظار کیا کرتے تھے المراغی بیان کرتے ہیں کہ یہ مسجد بنی عمر بن عوف اور العصبہ کے درمیان واقع ہے (۱۶۰)

مسجد مستراح کی ایک
نادر تصویر

مسجد مصبح
(مسجد بنی حنیف)

مدینہ طیبہ کی دیگر تاریخی مساجد کی طرح یہ چھوٹی سی مسجد بھی اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے مگر انتہائی بے اعتنائی کا شکار ہے مسجد حمد یا دار مساجد کی طرح سیرۃ رسول مقبول ﷺ میں اس مقام کا نام بھی مرہے جہاں کہ رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاران کھڑے ہو کر انتظار کیا کرتے تھے اور جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد پہلی بار نماز فجر ادا کی تھی۔ اس وقت چونکہ فجر کی نماز کو صبح کی نماز کہا جاتا تھا لہذا اس جگہ پر تعمیر ہونے والی مسجد بھی مسجد مصبح کہلائی غیر مسقف اور بوسیدہ چار دیواری کی صورت میں موجود دیگر تاریخی لحاظ سے بہت ہی اہم مسجد کا اکثر لوگوں کو علم تک نہیں صرف اہل محلہ اسے جانتے ہیں یا پھر کا دکا زائر وہاں کبھی کبھی دوگانہ ادا کرنے چلا جاتا ہے احاطے کے اندر قالین بچھا ہوا ہے اور ایک مصلیٰ بھی دھرا ہے جو کہ محراب کی جگہ پر پڑا امت کی بے اعتنائی کا رونا روتا رہتا ہے

حضرت عبد الرحمن بن حارثہ ؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے اپنی پہلی فجر کی نماز حرہ میں ایک بلند مقام پر ادا کی پھر آپ حضور ﷺ اپنی سواری پر بیٹھے اور بعر غرس کے قریب مقام عزق پر ٹھہرے ابن زبالہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عاصم بن سوید ؓ سے مروی ہے کہ خوانیف کے ایک بزرگ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پہلی نماز فجر خوانیف میں ادا کی تھی حضرت عاصم ؓ نے مزید بیان کیا کہ انہوں نے ان لوگوں (بنی حنیف) کو دیکھا کہ وہ اس جگہ پر پانی چھڑکا کرتے تھے اور پھر انہوں نے اس جگہ پر مسجد بنائی تھی۔ (۱۶۱)

مدینہ طیبہ کے تقریباً تمام مورخین نے (ابن زبالہ سے لے کر سمہودی تک) اس مسجد کے موجود ہونے کا ذکر کیا ہے۔(۱۶۲) الشیخ احمد العباسی کے بیان کے مطابق دسویں صدی ہجری میں یہ مغربی قبا میں بنی عزق کی طرف واقع تھی۔ (۱۶۳) علی بن موسیٰ آفندی نے انیسویں صدی میں اس مسجد کے متعلق تحریر کیا ہے کہ "حرہ کے علاقہ میں مشہور نخلستان القویم کے پاس ایک چھوٹی سی غیر مسقف مسجد ہے جسے مسجد مصبح کہا جاتا ہے اور یہ اس راستہ پر واقع ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ مہاجر کی حیثیت سے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی معیت میں مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے" (۱۶۴) خیاری بھی اس بیان کی توثیق کرتے ہیں کہ یہ غیر مسقف مسجد عین زرقاء کے پانی کی تالابوں کے پیچھے واقع ہے جو کہ شاہ سعود کے دور حکومت میں تعمیر ہوئے تھے اور یہ ایک ٹیلے پر ہے اور اہل محلہ اسے مسجد مصبح کہتے ہیں جو شاید اس وجہ سے ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس مقام پر آپ حضور ﷺ کا استقبال ہوا تھا اور اس کے قریب ہی مغرب جانب ایک اطم ہے اور ثنیات الوداع ہے جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ حضور ﷺ کا پر جوش استقبال کیا تھا۔ (۱۶۵)

مسجد مصبح
(مسجد بنی حنیف)

مولف ہذا نے اس مسجد کی کئی بار زیارت کی ہے اور وہاں کے باسیوں سے کافی پوچھ گچھ بھی کی ہے وہ سب یہی کہتے ہیں کہ یہ مسجد مصبح یا مسجد مصبح ہے اور وہاں کے رضا کار خادم سے بھی کئی بار ملاقات کی ہے جو کہ رضا کارانہ طور پر اس کی دیکھ بھال کرتا ہے اس کی دیواریں بمشکل دو میٹر بلند ہیں اور ایک چھوٹا سا

مسجد السبق
دسمبر ۲۰۰۲ء

محراب بھی ہے لگتا ہے کہ اسے عثمانی دور میں تعمیر کیا گیا تھا مگر وقت کی چیرہ دستیوں نے اسے ملبہ شکست و ریخت کر دیا ہے اب صرف خادم ہی چند اہل محلہ مخیر حضرات کی مدد سے اس کی دیواروں کو ہاتھوں سے پلستر کر دیتا ہے اور عموماً اس کی نگہداشت کرتا ہے

مسجد السبق اور مسجد بنی زریق

حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ [رسول اللہ ﷺ نے گھڑ دوڑ کے مقابلے کا اہتمام کیا جو گھوڑے سدھائے ہوئے تھے ان کی دوڑ حفیاء سے ثنیات الوداع تک ہوتی (مو خرالذکر مقام مقابلے کی آخری منزل ہوتی) اور وہ گھوڑے جو ابھی تک سدھائے نہیں گئے تھے ان کی دوڑ ثنیات الوداع سے مسجد بنی زریق تک ہوتی اور یہ کہ عبداللہ بن عمر ؓ نے بھی اس مقابلے میں حصہ لیا تھا] وہ کہا کرتے تھے کہ وہ اس دوڑ میں اول آئے اور ان کا گھوڑا ان کے سمیت منزل (یعنی مسجد بنی زریق) کے اندر گھس گیا تھا۔ (۲۶)

مسجد بنی زریق ان تاریخی مساجد میں سے ایک تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مبارکہ سے بھی بہت پہلے یثرب میں معرض وجود میں آ چکی تھیں یہاں بنی زریق کے وہ افراد جنہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ پر اسلام قبول کیا تھا نماز پڑھا کرتے تھے اور قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے حضرت عمر بن حنظلہ ؓ سے مروی ہے [مسجد زریق سب سے پہلی مسجد تھی جہاں (مدینہ طیبہ میں) قرآن کریم پڑھنا شروع کیا گیا جب حضرت ابو رافع بن مالک الزرقی ؓ نے بیعت عقبہ کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو قرآن کریم کا وہ حصہ دیا جو کہ اس وقت تک نازل ہو چکا تھا حضرت ابو رافع ؓ اسے اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لے آئے اور انہوں نے اپنے قبیلے کے افراد کو اکٹھا کیا اور قرآنی سورتوں کی تلاوت اس مسجد میں کرنے لگ گئے] انہوں نے مزید بیان کیا [جب نبی کریم ﷺ نے وہ مسجد دیکھی تو اس کی قبلہ کی سمت صحیح دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا] (۱۶۷) اس لحاظ سے اس مسجد کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہ ہجرت مبارکہ سے پہلے سب سے اولین مسجد تھی جو کہ مدینہ طیبہ میں بنائی گئی تھی جہاں قرآن کریم کی تلاوت ہوتی اور جس میں رسول اللہ ﷺ نے چند نمازیں بھی ادا فرمائی تھیں۔ (۱۶۸)

مسجد السبق
(مسجد بنی زریق)
کی ایک قدیم تصویر

مسجد بنی زریق مسجد نبوی شریف کے جنوب میں واقع السوق الحرم یعنی قدیم درب الجنائز (موجودہ قصر الحکم شریعہ کورٹ اور مسجد الغمامہ کے درمیانی حصے میں) کے کسی حصے پر ہوا کرتی تھی۔ (۱۶۹) اب اس تاریخی مسجد کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔

یہ مسجد رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں موجود تھی اور بعض روایات کے مطابق آقائے دو جہاں ﷺ نے ایک یا اس سے زیادہ مرتبہ وہاں نماز بھی ادا فرمائی تھی، لیکن جہاں تک مسجد السبق کا تعلق ہے اس نام کی کوئی مسجد نہ تو رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں موجود تھی اور نہ ہی ابتدائی صدیوں

مسجد سبق کا مقام

میں اس کا کسی نے ذکر کیا ہے ابن شبہ ابن نجار اور نہ ہی مطری یا مراغی نے اس کا کہیں ذکر کیا ہے یہ نویں صدی ہجری میں معروف ہوئی۔ یہاں آکر یہ مسجد سبق کے نام سے اس کی شہرت اس وجہ سے تھی کہ رسول اللہ ﷺ گھڑ دوڑ کے مقابلے کروایا کرتے تھے تاکہ مسلمانوں میں جنگی استعداد اور قابلیت برقرار رہے اور چونکہ یہ تمام مقابلے (مسابقات) دو جگہوں کے درمیان ہوا کرتے تھے یعنی ثنیات الوداع (جو کہ شمالی جانب سے مسجد سبق کے قریب تھی) اور مسجد بنی زریق کے درمیانی علاقے۔ جو ایک دوسرے سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھے (۷۰)۔ لہٰذا اس جگہ پر جو مسجد تعمیر ہوئی اس کو مسجد سبق یعنی مقابلوں والی مسجد کہا جانے لگا۔ سید احمد العباسی کے مطابق نویں صدی ہجری میں قاضی الحرمین الشریفین سید محی الدین الحسینی نے اس مسجد کی تعمیر کا اہتمام کیا گھڑ دوڑ کے مقابلوں کے ساتھ اس جگہ کی نسبت سے اس مسجد کو مسجد السبق کہا جانے لگا۔ (۱۷۱) یہی بات دوسرے کا ظہور عام مصنفین نے کیا ہے۔ (۱۷۲)

مسجد سبق اب سعودی پبلک ٹرانسپورٹ کمپنی (SAPTCO) کے بس کے اڈے سے ملحقہ شمالی حصے پر واقع ہے شاہ فیصل مرحوم کے دور میں اس کی تعمیر نو اور توسیع ہوئی۔ اس کے قبلہ کی جانب SAPTCO کمپاؤنڈ کی طرف ہے اور جنوبی جانب اس کی عمارت میں حجاموں کی دکانیں ہیں جو کہ قدیم مدنی طرز کے فصد وغیرہ کے طریقہ علاج میں مہارت رکھتے ہیں (دسمبر ۲۰۰۴ء میں یہ مسجد منہدم کردی گئی ہے)

مسجد بنی دینار

ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ آنے پر سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے بنی دینار بن النجار کی ایک خاتون سے شادی کی تھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی اور آپ حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ حضور نور مجسم ﷺ ان کے گھر میں نماز ادا کر کے اسے منور کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے بخوشی ان کی دعوت قبول فرمائی اور درخواست کو منظور فرما کر وہاں نماز کی امامت فرمائی (۱۷۳) حضرت ایوب بن صالح الدیناری ؓ سے مروی ہے کہ [حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان کے قبیلے کی ایک خاتون سے شادی کی پھر ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لائیں اور نماز ادا کریں تاکہ وہ بھی اس جگہ نماز ادا کیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے شفقت تمام اس کی درخواست قبول فرمائی اور اس جگہ نماز ادا کی جہاں اب مسجد بنی دینار ہے] (۱۷۴) ابن شبہ نے بھی مسجد بنی دینار کو ان مساجد میں شامل کیا ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے کم از کم ایک بار نماز ادا کی تھی (۱۷۵) انہوں نے حضرت عقبہ بن عبدالمالک ؓ کی روایت نقل کی ہے جنہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سی نمازیں بنی دینار کی مسجد میں ادا کی تھیں۔ (۱۷۶) ابن اسحاق اور ابن زبالہ کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علاقہ جو کہ بئر سقیاء کے جنوب مغرب میں ہے، وہاں قبیلہ خزرج کی شاخ بنی دینار کی آبادی تھی۔ آج کل کے مدینہ طیبہ میں یہ علاقہ مسجد عنبریہ کے جنوب میں پل کے پاس واقع ہے اس میں ایک قدیم تاریخی لوح سنگ نصب ہے جس پر قدیم کوفی رسم الخط میں "مسجد رسول اللہ ﷺ" لکھا ہوا ہے

مسجد بنی دینار
(تصویر ۲۰۰۱ء)

بنی دینار کا یہ علاقہ بعد میں غسالین (دھوبیوں کا علاقہ) کا علاقہ مشہور ہوا کیونکہ مدینہ طیبہ کی شہر پناہ کے باہر کی جانب اس جانب دھوبیوں نے اپنے دھوبی گھاٹ بنائے تھے جس کی وجہ سے شہر پناہ کا اس طرف کا دروازہ باب مغیسلہ کہلاتا تھا۔ بنی دینار کی مسجد اسی علاقے میں تھی حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد بنا دی تھی جسے مسجد بنی دینار کہا جاتا تھا تاہم بعد میں جب تمام علاقہ دھوبیوں کا علاقہ مشہور ہو گیا تو اس مسجد کو مسجد غسالین کہا جانے لگا آج کل بھی علاقے کے لوگوں میں یہ مسجد مغیسلہ ہی کے نام سے مشہور ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے یہ (شہر پناہ مدینہ طیبہ میں واقع) سابقہ باب معیسلہ کی طرف واقع تھی اس مسجد کے قریب ہی ایک اور بڑی مسجد بن گئی ہے جو کہ تمام جدید سہولتوں سے آراستہ ہے جس کی وجہ سے لوگوں کا رجحان اس کی طرف زیادہ ہو گیا ہے۔ اس تاریخی مسجد کے قرب جوار میں اس بڑی مسجد کے بنائے جانے سے یہ اثر رسول مقبول ﷺ اور اثر صحابی جلیل حضرت ابوبکر صدیق ؓ گمنامی کی دھند لکے میں آ گئی ہے اور اب تو یہ حال ہے کہ قریب بسنے والے لوگوں سے استفسار کرنے پر بھی اس کا اتہ پتہ لگانا محال ہے

یہ اس آبادی (محلہ اصالحہ) مدرسہ عسکریہ کے عقب میں واقع ہے جو کہ مسجد کتیبہ کی جنوب کی طرف ہے اور آبادی میں تقریباً آدھا کلومیٹر اندر کی طرف جانا پڑتا ہے یہ کافی گنجان آباد علاقہ ہے مگر حیرانی کی بات ہے کہ اکثر و بیشتر لوگ اس اہم تاریخی مسجد سے ناواقف ہیں مؤلف ہٰذا نے پہلی بار اس مسجد کی اگست ۲۰۰۱ء میں زیارت کی دروازہ بند تھا لیکن دروازے کے باہر پینے کے پانی کا ایک کولر نصب تھا جو کہ راہگیروں کو ٹھنڈا پانی مہیا کرتا تھا یہ قدیم طرز کی عمارت ہے لیکن اس کی شکل و شباہت سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی دیکھ بھال اچھی طرح سے کی جاتی ہے اور وقتاً فوقتاً اسے رنگ و روغن اور سفیدی کی جاتی ہے دیکھنے میں تو یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے مگر تاریخی اہمیت کے لحاظ سے اس کا مقام ان دیگر مساجد سے کم نہیں جہاں رسول اللہ ﷺ کے قدمین شریفین لگے تھے اور جسے سرور دو عالم ﷺ کی جبین طاہرہ نے سجدہ ریزی کر کے رشک ثریا بنا دیا تھا

مسجد کتیبہ (کاتیبہ)

حضرت ابو رافع بن مالک الزریق ؓ نے بیعت عقبہ اول میں اپنے قبیلے بنی زریق کے نقیب کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی غزوہ احد میں ان کی شہادت ہوئی لیکن ان کی تدفین مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی۔ دست رسول مقبول ﷺ پر بیعت کرنے کے بعد وہ قرآن کریم کا ایک حصہ جو کہ اس وقت تک نازل ہو چکا تھا اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لائے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے انہوں نے مدینہ طیبہ میں سب سے پہلی مسجد تعمیر کی جس میں قرآن کریم کے ان حصوں کی تلاوت کی جاتی تھی۔ آپ ان چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جن کی میتیں احد میں شہادت کے بعد مدینہ طیبہ لائی گئی تھیں اور اپنے اپنے قبیلے کے علاقوں میں ان کی تدفین کردی گئی تھی۔ آپ کو بھی ان کے اپنے گھر میں ہی دفن کیا گیا تھا بعد میں ان کے لواحقین نے اس گھر پر ایک مسجد تعمیر کروا دی تھی۔ اس طرح ان کی قبر مبارک اس

مسجد کا تاریخی مینارہ

مسجد کی صحن میں آگئی تھی۔انہیں کی اولاد میں سے مشہور صوفی سلسلہ "سنوسی" کا اجرا ہوا جس کا زیادہ تر نشو ونما افریقہ میں آج بھی ہے

اس مسجد سے ملحقہ علاقے میں عثمانیوں نے اپنی سپاہ کیلیے عارضی بارکیں تعمیر کی ہوئی تھیں چونکہ فوجی چھاؤنی کو عربی میں "کتیبہ" کہا جاتا ہے اسی نسبت سے یہ علاقہ کتیبہ کہلانے لگ گیا تھا اور پھر اسی نسبت سے اس مسجد کو بھی مسجد الکتیبہ کے نام سے پکارا جانے لگا اگرچہ اس مسجد کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ سے تو نہیں لیکن چونکہ یہ مدینہ طیبہ میں اسلام کے ابتدائی ادوار سے متعلق ہے (اور عین ممکن ہے کہ یہ اصحابہ یا تابعین کرام کے ادوار میں تعمیر ہوئی ہو) سے بھی تاریخی مساجد میں شمار کیا جاتا ہے سعودیوں نے حضرت ابو رفیع بن مالک زرقی کی قبر کا تو صفایا کرا دیا ہے اور اسے صحن مسجد میں شامل کر دیا ہے مگر مسجد اب بھی صحیح حالت میں ہے اور اس میں روزانہ نماز پنجگانہ ادا ہوتی ہے پہلے تو یہ سنوسی خاندان کی زیر نگہداشت تھی مگر اب یہ محکمہ اوقاف حرم کی پناہ میں ہے باہر سے دیکھنے سے بھی یہ ایک قدیم عمارت نظر آتی ہے اور مدور شکل ہونے پر بھی ایک مزار یا گھر کا سا سماں پیش کرتی ہے اور مدینہ طیبہ کی قدیم مساجد کی طرح لگتی ہے اوقاف حرم اس کی باقاعدہ دیکھ بھال کرتا ہے اور سفیدی وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے عمارت کے باہر سے مغربی جانب کی دیوار کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کے سیاہ رنگ کے قدیم پتھروں سے سب حصے اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ ترکوں سے بھی پہلے وقت کی یادگار ہے۔اس مسجد کا صرف ایک ہی قدیم طرز کا مینارہ ہے

مسجد منارتین

ابن زبالہ اور یحییٰ کے بیان کے مطابق حضرت حرام بن سعد بن محیصہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر نماز ادا فرمائی تھی جہاں مسجد منارتین ہے جو کہ وادی العقیق الکبیر کے راستے پر واقع ہے۔(۱۷۷) جمال المطری کے دنوں میں یہ مسجد طاق نسیاں کی نذر ہو چکی تھی اور انہوں نے اس کے محل وقوع کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔تاہم سمہودیؒ کی تگ و دو اور تحقیق و تفتیش سے اس تاریخی مسجد کے کھنڈرات کی دریافت کر لی گئی اور یوں یہ تاریخی ورثہ ایک بار پھر نویں صدی ہجری میں منصۂ شہود پر نمودار ہو گیا آج کل کے مدینہ طیبہ میں اگر ہم مسجد نبوی شریف سے شاہراہ عنبریہ (قدیم شاہراہ مکہ) سے ہو کر وادی العقیق کی جانب جائیں تو ریلوے سٹیشن سے تقریباً آدھ کیلومیٹر کے فاصلے پر پٹرول پمپ سے ذرا آگے دائیں ہاتھ میں ایک کھلا میدان نظر آتا ہے جہاں دور سے ہی کچھ کھنڈرات نظر آ جاتے ہیں جو کہ اسی تاریخی مسجد منارتین (دو میناروں والی مسجد) کے ہیں چونکہ یہ کھنڈرات کی صورت میں کس مپرسی کے عالم میں ہے لہذا علاقے کے باسی اس پر کوڑا کرکٹ پھینک کر اس تبرک رسول مقبول ﷺ کے تقدس کی پاسداری کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں۔(نوٹ: مدینہ طیبہ کی ایک حالیہ حاضری کے دوران اس مقام کی زیارت کے لیے جب جانا ہو تو دیکھ کر دل بہت خوش ہوا کہ آخر کار ارباب بست و کشاد کی حمیت جاگ اٹھی ہے اور اب اس مقام پر بہت بڑی مسجد کی تعمیر جاری ہے جسے مسجد منارتین کے نام سے پکارا جائے گا مگر جس جگہ وہ چھوٹی سی مسجد تھی جسے فخر موجودات سرور کائنات ﷺ کی سجدہ گاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا وہ جگہ غلط منصوبہ بندی سے نئی عمارت کے صدر دروازے پر پڑتی ہے جو عمارت مکمل ہونے پر نمازیوں کی جوتیوں کی آماجگاہ بن جائے گی)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اسی مقام سے گزر رہے تھے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت بھی آپ حضور ﷺ کے

مسجد منارتین کی موجودہ حالت

ہمراہ تھی چونکہ حضور پرنور ﷺ کی نگاہ مبارکہ ایک مردہ بکری کی سڑی ہوئی لاش پر پڑی جس سے ماحول میں تعفن پھیل چکا تھا تعفن کی وجہ سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے چند نے اپنے ناک اپنے ہاتھوں سے بند کر لیے جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا [دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس سے بھی کمتر ہے جتنی کہ اس بکری کی مردہ لاش کی اس کے مالک کی نظر میں ہے](۱۷۸) یہ ارشاد گرامی بھی اسی مقام سے گزرتے ہوئے ہوا تھا

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ان چند تاریخی مساجد کے علاوہ مورخین مدینہ طیبہ نے اور بھی بہت سی مساجد کا ذکر کیا ہے جہاں تاجدار مدینہ ﷺ نے کئی یادگار نمازیں ادا فرمائی تھیں لیکن زمانہ قدیم سے ان کے محل ہائے وقوع اور موجودگی بارے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔یہ مساجد ہیں مسجد بنی عمرو بن مبذول، مسجد بنی عدی (حضور ﷺ کے ننھیال)، دار نابغہ (وہ گھر جہاں آقا حضور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب مدفون تھے)، مسجد بنی خدرہ، مسجد بنی عصیہ، مسجد بنی کعبی، مسجد بنی الحارث بن خزرج، مسجد السنح، مسجد بنی ظفرہ، بیت عقبہ بن مالکؓ، بیت سعد بن عدی اور بنی مجمم کے علاقے میں صدقہ زبیر میں بنائی گئی مسجد وغیرہ۔دیگر تاریخی مساجد کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ایک اور بھی مسجد موجود ہے احادیث مبارکہ کے گنج ہائے گراں مایہ میں حضرت جابر بن اسامہؓ سے مروی ہے [میں نے رسول اللہ ﷺ کو اصحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی معیت میں ایک بازار سے گزرتے دیکھا تو اصحابہ کرام سے پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری قوم (یعنی قبیلہ) کے لیے مسجد کی جگہ منتخب کر کے آئے۔میں نے واپس آ کر اپنے اہل قبیلہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے مسجد کی تخطیط کی ہے یعنی مسجد کے لیے جگہ اور زمین کی حد بندی کی ہے اور ہم نے اس جگہ لکڑی گاڑ لی ہے جہاں سرکار دوعالم ﷺ نے نماز کی قضاء فرمائی ہے] یہ مسجد قبیلہ بنی جہینہ کے لیے تخطیط کی گئی تھی جہاں اثر مبارکہ رسول مقبول ﷺ کے طور پر صدیوں تک ایک چھوٹی سی مسجد قائم تھی آج بھی اسی جگہ پر جبل سلع کے دامن میں (جہاں ابتداء میں قبیلہ بنی جہینہ کو بسایا گیا تھا) غار سجدہ کی پہاڑی کے قریب ہی مدرسہ ناصریہ کے پچھواڑے یہ مسجد واقع ہے

ویسے تو روز اول سے جب سے ارض مدینہ طیبہ پر شہ دنیا و دیں اور فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قدمین شریفین رکھے تھے اس شہر خوباں کی ہر گلی اور ہر نکڑ پر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مساجد تعمیر کر دی تھیں مگر عمرانی ترقی کے مختلف ادوار میں بہت سی ایسی مساجد کا صرف نام ہی تاریخ کے اوراق میں محفوظ رہ سکا ہے۔چنانچہ ہم نے صرف ان مساجد کا ذکر کیا ہے جو کسی نہ کسی طور پر موجودہ صدی تک کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہیں

مسجد منارتین

اہل بیت الطاہرہ سے منسوب مساجد میں سے ہم نے مسجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر کیا ہے جو کہ مسجد الغمامہ کے قرب میں اب بھی موجود ہے سیدۃ النساء العالمین سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے منسوب ایک مسجد المناخہ کے علاقہ میں جوار حرم میں ہوا کرتی تھی جو کہ توسیع مسجد نبوی شریف کی وجہ سے اس کے احاطے میں

بستان سلمان فارسیؓ
کے سامنے مسجد سیدۃ
فاطمہ الزہراء

آنے کی وجہ سے مسمار کر دی گئی تھی۔ ان کے نام سے منسوب ایک اور مسجد بستان سیدنا سلمان فارسیؓ کے سامنے پٹرول پمپ کے پاس موجود ہے جو عموماً مسجد سیدہ فاطمۃ الزہراء کے نام سے بھی جانی جاتی ہے جو کہ اس جگہ بنائی گئی تھی جہاں پر بیت بنت الیہودی ہوا کرتا تھا۔ یہاں سیدۃ النساء کی کرامت سے ان کی ایک جاننے والی یہودی لڑکی زندہ ہوئی تھی جب کہ آپ اس کی شادی کے سلسلے میں وہاں مدعو تھیں۔ وہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد آج بھی موجود ہے ملحقہ عمارت میں تحفیظ القرآن کا ایک مدرسہ ہے۔ اب اس مسجد کا نام الخریجی مسجد رکھ دیا گیا ہے جیسا کہ حال ہی میں نصب کیے گئے سائن بورڈ سے ظاہر ہوتا ہے۔

مسجد ضرار (شر کی مسجد)

نوٹ: اس جعلی مسجد کے متعلق تفاصیل مہیا کرنے سے ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدانخواستہ یہ کوئی مسلمانوں کی تاریخی مسجد تھی۔ ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم قاری کو منافقین اور شیطین لوگوں کی ان ریشہ دوانیوں کے متعلق معلومات فراہم کرسکیں جو کہ دشمنان اسلام جناب رسول اللہ ﷺ کے خلاف روز اول سے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے قدمین شریفین اس جگہ پر نہیں دھرے لہذا اس جگہ پر آپ حضور ﷺ کا کوئی نماز ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ہجرت مبارکہ پر رسول اللہ ﷺ کا مدینہ طیبہ میں ورود مسعود اور اسلام کا اثر و نفوذ منافقین اور دشمنان اسلام کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا اور ان کے مختلف ٹولے اسلام اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں سرگرم ہو گئے تھے۔ ان دشمنان اسلام میں سے ایک ابو عامر الراہب (۱۷۹) بھی تھا جس کا تعلق الخزرج قبیلے سے تھا اور وہ قباء میں رہا کرتا تھا۔ اس نے دین مسیحی قبول کیا ہوا تھا اور ان کا پادری بن چکا تھا اور مدینہ طیبہ کے چند بدؤں میں تھوڑی بہت مقبولیت رکھتا تھا۔ عروج اسلام کے خوف سے اس نے منافقین سے گٹھ جوڑ کر کے اسلام دشمن سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اسلام کی معاندت نے اسے اس حد تک اندھا کر دیا تھا کہ وہ ہر اس گروہ سے ملتا تھا جو ابھی حلقہ اسلام میں نہیں آیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف ان کی امداد طلب کرتا تھا۔ ہم غزوہ بدر میں کفار مکہ کی عبرت ناک شکست اور اس کے بعد بنو نضیر کے یہود کی مدینہ بدری سے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھرتا نظر آرہا تھا۔ غزوہ احد میں بھی اس نامراد نے ایک گڑھا کھود کر اس پر گھاس پھوس ڈال دیا تھا اور جب رسول مقبول ﷺ کا گزر اس پر سے ہوا تو آں حضرت ﷺ اس میں گر کر زخمی ہو گئے تھے۔ ان تمام حرکتوں کے باوجود اسے کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ اسی مایوسی میں اس نے روم کا سفر کیا اور شام چلا گیا تا کہ وہاں کے مسیحیوں کی حمایت حاصل کر سکے۔ بعد میں وہ وہیں نصرانی دین پر گمنامی کی موت مرا

مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراء
یا مسجد شمس کی ایک
پرانی تصویر

مدینہ طیبہ سے چلے جانے سے پہلے اس نے ایک گھناؤنی سازش کا ارتکاب کیا اور ایک مسجد بنانے کی سازش کی جس میں اس کا منصوبہ تھا کہ منافقین جمع ہو کریں گے اور نام نہاد اور جعلی مسلمانوں کے روپ میں دارالاسلام کی وحدت پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس بدبخت کا خیال تھا کہ عیسائی ہونے کے ناطے وہ شامی عیسائیوں اور رومی شہنشاہ کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور نجران کی فوجی مدد سے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے اس مسجد کے تعمیر کنندگان کے ارادے خطرناک تھے جس سے وہ مومنوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے اور اس نام نہاد مسجد کو فقط جتھہ بندیوں کے طور پر اسلام کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے (۱۸۰) اگر ان کی سازش کامیاب ہو جاتی تو وہ جعلی مسجد جسے قرآن کریم نے مسجد ضرار (یعنی شر اور نقصان والی مسجد) کہا ہے مسلمانوں کے خلاف منافقین اور کفار کی کارروائیوں کا مضبوط گڑھ بن جاتی۔ رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کے دوران اس نے ایک بار یہ الزام لگایا تھا کہ آپ حضور ﷺ نے دین حنیف میں نئے عقائد کی آمیزش کی ہے اور پھر یہ کہنے لگا "اے میرے اللہ جو بھی جھوٹا ہو وہ بے خانماں غریب الدیار اور بھگوڑا ہو کر مرے" جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ اس دشمن اسلام مکار اور کذاب کے ساتھ بعینہ ایسا ہی ہوا۔ مدینہ طیبہ سے وہ مکہ مکرمہ گیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو وہ طائف چلا گیا اور پھر جب طائف پورا مسلمان ہو گیا تو وہ شام کی طرف نکل گیا اور وہاں بے خانماں غریب الدیار اور بھگوڑا ہی مرا۔ (۱۸۱)

جیسا کہ ہم نے باب 'قباء' میں بیان کیا ہے کہ ہجرت مبارکہ سے پہلے وہ جگہ جہاں مسجد قباء کی بنیاد رکھی گئی تھی، لؤیہ نامی ایک عورت کی ملکیت تھی جو وہاں اپنے بار بردار جانور مثلاً گدھے وغیرہ باندھا کرتی تھی (۱۸۲) رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور وہاں مسجد قباء کی بنیاد پڑنے سے وہ جگہ تقدس کی اوج ثریا پر جا پہنچی لیکن منافقین کا ٹولہ مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا کہ وہ ایک نحس جگہ پر نماز پڑھتے ہیں جہاں کبھی گدھے باندھا کرتے تھے (۱۸۳)

بنو عبید کے ایک منافق خدام بن خالد نے اپنے مکان کا کچھ حصہ ان منافقوں کی نذر کیا تا کہ وہ وہاں مسجد بنائیں۔ اور لوگوں کے علاوہ بنی [illegible] بن الازعر اور عباد بن حنیف اور بنو بحزج اور بنو ثعلبہ کے چند افراد نے مل کر اس کی عمارت تعمیر کی۔ (۱۸۴) غزوہ تبوک سے کچھ ہی عرصہ پہلے جب یہ جعلی مسجد تیار ہو گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ حضور ﷺ وہاں تشریف لائیں اور نماز ادا فرمائیں۔ اس وقت رسول مقبول ﷺ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے چنانچہ آپ حضور ﷺ نے کہلا بھیجا کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ان کی درخواست پر غور فرمائیں گے۔ جب رسول مقبول ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران تشریف لائے اور مدینہ طیبہ سے باہر ذی اوان کے گاؤں میں فروکش تھے جو کہ مدینہ طیبہ سے ایک ساعت کی مسافت پر تھا تو وحی الٰہی کا نزول ہوا اور آپ حضور ﷺ کو منافقین کی ریشہ دوانیوں کی

خبردی گئی ور منتسب کیا گیا: ﴿اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے لیے جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے، اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بے شک جھوٹے ہیں اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا (بلکہ) بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو، اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور پاک اور صاف لوگ اللہ کو پیارے ہیں﴾ (۸۵)

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت مالک بن دخشم ؓ اور چند دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اس مسجد ضرار کو مسمار کر دیں اور اس کو آگ لگا دیں جب وہ نام نہاد مسجد (۱۸۶) مسمار ہو چکی تو حضرت سالم بن عوف ؓ نے اس کے ملبے کو آگ لگا دی پھر رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ کو ایسے ہی پڑا رہنے کا حکم دیا اور لوگوں کو اس جگہ کوڑا کرکٹ پھینکنے کا فرمایا۔(۱۸۷) اس طرح اس سازش کا قلع قمع کر دیا گیا اور ابو عامر الراہب اور دیگر منافقین کے منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے حکم رسالت مآب ﷺ کے مطابق اس علاقے کے لوگ وہاں کوڑا کرکٹ اور مردار جانوروں کی نعشیں پھینکا کرتے تھے۔(۱۸۸) طبری نے خلف بن یمین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ [میں نے منافقین کی نام نہاد مسجد کی جگہ دیکھی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور میں نے اس کے صحن میں موجود اس جگہ کا بھی معائنہ کیا ہے جہاں سے میر المومنین جعفر المنصور (عباسی خلیفہ) کے دور تک دھواں نکلا کرتا تھا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ: [یہ کرہ ارض پر جہنم ہے] (۱۸۹)

اس نام نہاد مسجد کا محل وقوع مسجد قباء کے قریب ہوا کرتا تھا۔ ابن نجار کے زمانے میں چھٹی صدی ہجری میں اس کے گرد دیواروں کا ایک احاطہ سا ہوا کرتا تھا جس پر کسی قسم کی چھت نہیں تھی اور لوگ اس کی دیواروں کے پتھر تک اٹھا کر لے جاتے تھے۔(۱۹۰) تاہم المطری (ت ۷۴۱ ہجری) نے اس بیان سے اتفاق نہیں کیا اور یہ کہا ہے کہ کسی کو بھی پتہ نہیں کہ وہ نام نہاد مسجد کس جگہ تھی۔(۱۹۱) مغربی سیاح العیاشی جس نے مدینہ طیبہ کا سفر گیارھویں صدی میں کیا تھا کہتا ہے کہ ان دنوں میں مسجد قباء کے قریب ایک احاطہ ہوا کرتا تھا جس کو اس نام نہاد مسجد کی جگہ بتایا جاتا تھا۔(۱۹۲) علی بن موسیٰ آفندی (جو کہ ترکوں کے آخری مورخ مدینہ ہوئے ہیں) بھی کہتے ہیں کہ مسجد ضرار کی جگہ مسجد قباء کے شمال میں تھی مگر وہ کسی جگہ کا بطور خاص ذکر نہیں کرتے۔ باور کیا جاتا ہے کہ توسیع شدہ مسجد قباء کے کمپلیکس میں اس کی جگہ آج کل غسل خانے بنوائے گئے ہیں لیکن یہ بات صرف عامۃ الناس کی زبانی ہے جو کہ مدینیوں کی نسل در نسل روائتوں پر منحصر ہے مگر ان کو تاریخی سمجھ لینا بہت بڑی غلطی ہوگی اور شاید یہی وجہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسی شخصیت نے اس پر سرے سے کچھ کہنے سے احتراز کیا ہے

حواشی

(۱) صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۸۳، ۱۳۸۲
(۲) سمہود الدین علی بن احمد السمہودی (ت ۹۱۱ ہجری)، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، دار احیاء التراث العربی، مصر، جزء دوم، ص ۸۸۱
(۳) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی (متوفی دسویں صدی ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، ناشر اسعد درابزونی الحسینی، ۱۳۹۵، صفحات ۹۳-۹۵
(۴) ابن شبہ نمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج ۱، ص ۷
(۵) العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۶۳
(۶) حافظ ابن نجار (ولادت ۵۸۷ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ (تحقیق و تعلیق ڈاکٹر محمد زینہم محمد عزب)، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، قاہرہ ۱۹۹۵، ص ۹۱
(۷) ابن شبہ، مصدر مذکور، ص ۴۷-العباسی، مصدر مذکور، ص ۲۶
(۸) یہی مساجد میں سے جو ۷×۷ ذرع رقبہ پر تعمیر ہوئی تھیں ان میں مسجد بنی خدرہ (مربصہ کے قریب)، مسجد السقیاء (یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، ص ۵۰-۵۲) مسجد الرایہ جو کہ جبل ذباب پر واقع ہے، مسجد غسالین (مسجد بنی دینار جو کہ العباسی ص ۱۹۶ کے بیان کے مطابق ۶×۶ ذرع پر تھی) اور مسجد جہینہ... عبدالقدوس الانصاری کے بیان کے مطابق ۷×۷ ذرع کے رقبے پر تھی ... آج بھی ... جگہ پر موجود ہیں
(۹) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۱۹۱ (بین القوسین صرف تشریح کے لیے ہے)
(۱۰) ابن اسحاق The Life of Muhammad، انگریزی ترجمہ الفریڈ گیوم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۸، ص ۲۲۸
(۱۱) تفسیر قرطبی، ۸، ۸۹، راوی (حضرت محمد ابن سیرینؒ) ایک بہت ہی مشہور اور ثقہ تابعی تھے جو حضرت انس ابن مالکؓ کے خادم تھے اور انہوں نے کثرت سے انہی کے سلسلے سے احادیث کی روایت کی ہے۔
(۱۲) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۲۸
(۱۳) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج ۱، ص ۳۲۰
(۱۴) القرآن الکریم (البقرہ، ۱۴۴)
(۱۵) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۳۱۵
(۱۶) محمد کبریت حسینی مدنی، محاسن المدینۃ المنورہ، ص ۲۲۵
(۱۷) ایضاً
(۱۸) ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری)، وفا باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸، ص ۲۶۳
(۱۹) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج ۱، صفحات ۳۱۵-۳۱۶
(۲۰) تفسیر ابن کثیر، قاہرہ، ج ۱، ص ۹۴
(۲۱) غازی محمد امین الشنقیطی، الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین، ص ۲۳۵
(۲۲) ابن ضیاء المکی (ت ۸۸۵ ہجری)، تاریخ مکۃ المشرفۃ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفۃ والقبر الشریف، المکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمہ، ص ۳۰۶
(۲۳) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۱۹۰
(۲۴) المطری، ص ۵۱
(۲۵) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص ۱۲۹
(۲۶) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۳۱۴
(۲۷) احمد یاسین احمد خیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن ۱۹۹۳، صفحات ۸۷-۸۸

(۸۸) جمال المطری، التعریف، صفحات ۴۹-۵۰
(۸۹) قطب الدین الحنفی، تاریخ مدینہ، مصدر مذکور، ص ۱۳۸
(۹۰) شیخ عباسی، مصدر مذکور، ص ۵۵
(۹۱) سمہودی، وفاء الوفاء، صفحات ۳۸ سے ۳۹
(۹۲) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ، مصدر مذکور، ص ۱۱ (یہ بات کہ یہ کنواں) حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتی ہے کیونکہ مدینہ طیبہ کی قدیم روایات سے آج تک کسی مصنف نے یہ نہیں لکھا ... ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری) کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد ... حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تھی اور ان سے ان کے فرزند ... حضرت حسن علیہ السلام اور پھر حضرت حسین علیہ السلام کو ملا جس سے ان کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن حنفیہؓ کے پاس گئی ... نے کافی طویل زندگی پائی ... آخر میں اس کی بینائی جاتی رہی تھی جس کے نتیجے میں وہ مدینہ طیبہ کے ایک کنویں میں گر پڑی تھی ... اس کنویں سے نکالنا بہت مشکل کام تھا ... سے تیر مار کر شہید کیا تاکہ اس کی مدد کی حس اور یت میں گئی تھی اس سے اسے نجات مل جائے ... ج ۱، ص ۱۳۰
(۹۳) احمد یاسین الخیاری، مصدر مذکور، ص ۱۲۲
(۹۴) اسلامی اصطلاح میں مباہلہ اس چیلنج کو کہتے ہیں کہ فریقین اپنے بچے مرد اور عورتوں کو ساتھ لیکر آئیں اور پھر جھوٹے پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار کریں۔
عبداللہ یوسف علی تفسیر القرآن ... انگریزی ... العربیہ، بیروت، ص ۱۳۸
(۹۵) القرآن الکریم (آل عمران ۳)
(۹۶) شیخ عاطف الزین، خاتم النبیین محمد ﷺ، ج ۵ صفحات ۱۹۸-۱۹۹
(۹۷) صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۵۹۲۳ سنن ابی داؤد، ۰۳۱-۵۹۱۵
(۹۸) شبیر احمد عثمانی تفسیر القرآن، شاہ فہد قرآن کمپلیکس، مدینۃ المنورہ، ص ۷۵
(۹۹) شیخ عاطف الزین، خاتم النبیین محمد ﷺ، ج ۱۵
(۱۰۰) صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص ۴۵۱ قاری اگر اس سلسلے میں مزید معلومات چاہیں تو ہم انہیں شیخ عاطف الزین کی عربی زبان میں سیرت رسول اللہ ﷺ ''خاتم النبیین محمد ﷺ'' تجویز کریں گے جس کو صرف قرآن اور احادیث مبارکہ کی اساس پر مرتب کیا گیا ہے
(۱۰۱) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج ۱، ص ۴۲۰ (تشریح صرف وضاحت کے لیے ہے)
(۱۰۲) محمد لبیب البتنونی، الرحلۃ الحجازیہ، مکتبۃ الثقافیۃ الدینیہ، مصر، ۱۹۹۵، ص ۲۵۷
(۱۰۳) ابراہیم العیاشی المدنی، المدینۃ بین الماضی والحاضر، ص ۲۸۸
(۱۰۴) عبدالقدوس الانصاری، مصدر مذکور، ص ۳۰
(۱۰۵) احمد یاسین احمد الخیاری، مصدر مذکور، ص ۱۲۲ (حاشیہ)
(۱۰۶) محمد کبریت مدنی الحسینی، محاسن المدینہ، ص ۲۵۷
(۱۰۷) شیخ عباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۵
(۱۰۸) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، المکتبۃ العلمیہ، المدینۃ المنورہ، طبع دمشق، ۱۹۷۲، ص ۳۹۸
(۱۰۹) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، صفحات ۸۵-۸۶
(۱۱۰) ابراہیم العیاشی، المدینۃ بین الماضی والحاضر، مصدر مذکور، ص ۳۰۳
(۱۱۱) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۷۳
(۱۱۲) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ، مصدر مذکور، ص ۱۹
(۱۱۳) احمد یاسین الخیاری، تاریخ المدینۃ المنورۃ فی الاشعر العربیہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص ۶۰
(۱۱۴) سعید الدربی، مصدر مذکور، ص ۹

(۱۱۵) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۲۰۸
(۱۱۶) صحیح بخاری، ج ۲، نمبر ۱۶۰ و ج ۳، نمبر ۵۲۹، ج ۳ نمبر ۵۲۹
(۱۱۷) مراغی، مصدر مذکور، ص ۵۸
(۱۱۸) صحیح بخاری، ج نمبر ۱۴۳ و المراغی ص ۵۸
(۱۱۹) ... الحربی، مصدر مذکور، ص ۴۳
(۱۲۰) سعید الدربی، مصدر مذکور، ص ۳
(۱۲۱) الشیخ عباسی، مصدر مذکور، ص ۱۹۰
(۱۲۲) علی بن موسیٰ آفندی، مصدر مذکور، ص ۱۷
(۱۲۳) الشیخ عباسی، مصدر مذکور، ص ۸۷
(۱۲۴) ایضاً صفحات ۸۶-۸۷
(۱۲۵) ابن شبہ، ج ۱، ص ۹۳
(۱۲۶) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرۃ، ص ۲۰۵
(۱۲۷) المراغی تحقیق النصرہ، ص ۴۳
(۱۲۸) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۸۲۵
(۱۲۹) ابن شبہ، ج ۱، ص ۶۹ (بین القوسین اضافہ صرف وضاحت کے لیے کیا گیا ہے)۔
(۱۳۰) القرآن الکریم (المائدہ: ۹۰)
(۱۳۱) محکمہ اوقاف کی طرف سے بھی جو لوح لگائی گئی تھی اس پر بھی مسجد المصلیٰ ہی لکھا ہوتا تھا مگر جنوری ۲۰۰۰ء میں ''مصلیٰ'' کا لفظ حذف کر دیا گیا تھا
(۱۳۲) صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، صفحات ۲۰۲-۲۰۳
(۱۳۳) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۸۲۳
(۱۳۴) عباسی، ص ۱۷۱
(۱۳۵) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۱۰۲۸
(۱۳۶) غالی محمد الامین الشنقیطی، مصدر مذکور، صفحات ۴۰-۴۳
(۱۳۷) احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورۃ قدیماً وحدیثاً، ۱۹۹۳، صفحات ۱۲۴-۱۲۵
(۱۳۸) ... الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، صفحات ۱۹۰-۱۹۱
(۱۳۹) المراغی، مصدر مذکور، صفحات ۳۷-۳۸
(۱۴۰) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۸۲۳ نیز صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۴۴۷ صحیح مسلم ج ۳، نمبر ۴۳۶۸
(۱۴۱) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۷۲
(۱۴۲) ابن شبہ، ج ۱، ص ۷۰ (قوسین میں اضافے صرف تشریح کے لیے کئے گئے)
(۱۴۳) ایضاً، ص ۹۲
(۱۴۴) ایضاً، ص ۷۰
(۱۴۵) سمہودی، مصدر مذکور، ص ۸۲۵
(۱۴۶) احمد یاسین احمد الخیاری، مصدر مذکور، ص ۱۴۷
(۱۴۷) ابن شبہ، ج ۱، ص ۷۸
(۱۴۸) ... عبدالعزیز بن عبدالرحمن، معالم المدینۃ المنورۃ، قسم الجبال، صفحات ۳۱۴-۳۱۵

مدینہ طیبہ میں تاریخی کنویں
اور نظامِ آب رسانی

بعد ان کنوؤں کو شرف زیارت بخش چکے تھے بہت سے ایسے کنویں تھے جن میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اور پھر ان کا پانی تبرک وتقدس کی ان بلندیوں کو چھو لے گا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کا پانی پینا باعث ثواب و سعادت سمجھتے تھے کئی ایسے کنویں تھے جن کے پانی سے رسول مقبول ﷺ نے غسل فرمایا یا وضو اور پینے کے لیے منتخب فرمایا۔ کئی بہت سی احادیث مبارکہ ایسی ہیں جن میں اس بات کا بالصراحت ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کنوؤں کی تلاش میں سرگرداں رہا کرتے تھے جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے جڑ چکی تھی اور ان کنوؤں سے پانی پینا باعث سعادت سمجھتے تھے حضرت سعید بن عبدالرحمن بن رُقَیش سے مروی ہے کہ (حضرت انس بن مالک ہمارے پاس قبا میں آئے اور بئر غرس کے محل وقوع کے متعلق پوچھنے لگے (اور پھر اس کے بعد انہوں نے وہ تمام حدیث مبارکہ بیان فرمائی جس میں رسول اللہ ﷺ کا اس کنویں کے پاس تشریف لانا اور اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالنے کا ذکر ہے)(۳) بہت سے کنویں تو ایسے پائے گئے تھے جب کہ کچھ ایسے بھی تھے جن کا پانی کھارا ہوتا تھا اور پینے کے لیے مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا مؤخر الذکر قسم کے کنوؤں میں لوگ اکثر اوقات کوڑا کرکٹ پھینک دیا کرتے تھے چند کنویں مسجد نبوی شریف کے آس پاس تھے جب کہ کچھ دور دراز علاقوں میں تھے نزدیکی کنوؤں میں سر حضرت ابو ایوب الانصاری ؓ بھی شامل تھا جو کہ اس علاقے میں آ گیا ہے جہاں بقیع الغرقد کی توسیع کر کے گورستان بن چکا ہے اسی کنویں سے پانی نکال کر مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے مٹی اور گارا تیار کیا گیا تھا اور اسی سے اس کی اینٹیں بھی گئی تھیں اسی پانی سے حجرات مبارکہ اور آستانہ مبارکہ بادی صراط مستقیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے لیے اینٹیں اور گارا تیار کیا گیا تھا اس کے علاوہ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کا ایک اور کنواں بھی ہوا کرتا تھا جو کہ بئر حاء کے قریب پڑتا تھا بئر بصہ کا کنواں بقیع الغرقد سے جنوب مشرقی جانب بنو خدرہ کے علاقے میں حضرت ابو سعید الخدریؓ کے گھر کے پاس ہوا کرتا تھا شمالی جانب تو بہت ہی مشہور کنواں تھا جو کہ بئر حاء کے نام سے مشہور تھا اس کے علاوہ شمال مغربی جانب حضرت مالک بن سنانؓ کا کنواں تھا حضرت انس بن مالکؓ کا بھی ایک کنواں ہوا کرتا تھا (۴) حضرت سلمیٰ زوجہ حضرت ابو رافعؓ سے مروی ہے (جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کے ہاں مقیم تھے تو وہ (یعنی حضرت ابو ایوبؓ) سرور کونین محبوب رب المشرقین ورب المغربین ﷺ کے لیے مالک بن نضر کے کنویں سے پانی لایا کرتے تھے (۵)

سیدنا عثمان بن عفانؓ کے زمانہ خلافت راشدہ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے وادی العقیق میں ذوالحلیفہ کے علاقہ میں تیئس-۲۳ کنویں کھدوائے تھے۔ ان کنوؤں سے نہ صرف اس علاقے کی اراضی کی آبیاری ہوتی تھی جو کہ مدینہ طیبہ کے باسیوں کو پھل اور سبزیاں مہیا کرتا تھا بلکہ اکثر لوگ (خاص طور پر حجاج کرام) پینے کے لیے بھی انہیں کنوؤں سے پانی حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عروہ بن زبیرؓ نے جو کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے چھوٹے بھائی اور ایک جلیل القدر تابعی تھے بھی اپنے محل کے قریب رفاہ عامہ کے لیے ایک کنواں وقف کیا ہوا تھا جو کہ مدینہ طیبہ سے وادی ذوالحلیفہ جانے والے راستے پر واقع تھا اور حجاج کرام اور زائرین اس سے پوری طرح مستفید ہوتے تھے اس کے علاوہ اس کنویں نے اہل مدینہ طیبہ کی پانی کی ضروریات پوری کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ جوں جوں مدینہ طیبہ کی آبادی بڑھتی گئی پانی کی ضرورت میں اضافہ ہوتا گیا حضرت معاویہؓ کے حکم پر مروان بن الحکم نے اہلیان مدینہ طیبہ کی سہولت کے لیے قباء میں ایک بہت بڑا کنواں کھدوانے کا اہتمام کیا اور پھر اس کا پانی زیر زمین نالوں کے ذریعے مدینہ طیبہ لایا گیا جس کو عین زرقاء کہا جاتا تھا۔ اسی طرح اہل بیت الطاہرہ میں سے حسین بن زید بن علی بن الحسینؓ نے تین کنویں کھدوائے تھے جن کو عیون حسین کہا جاتا تھا (۶) جو کہ مدینہ طیبہ کے شمال کی جانب کے علاقے میں واقع تھے اور انہی کنوؤں کی نسبت سے آج بھی وہ علاقہ العیون ہی کہلاتا ہے۔ ایک کنواں سیدۃ فاطمہ بنت الحسین بن علی ابن ابی طالبؓ نے اپنے گھر میں حرہ او برہ میں کھدوایا تھا جس سے اردگرد کے علاقے مستفید ہوتے تھے (۷)

... بیل جوت ... کنویں سے پانی کا ... تصویر ... ۱۹۰۲

تاریخ مدینہ طیبہ میں سات کنوؤں نے بہت ہی شہرت پائی ہے کیونکہ ان کا پانی رسول رؤف رحیم ﷺ کی ذات بابرکات نے مختلف مواقع پر منتخب فرمایا تھا امام داری میں روایت کی گئی ایک حدیث مبارکہ میں جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ سے مروی ہے بیان کیا گیا ہے کہ تاجدار مدینہ نبی رحمت علیہ افضل الصلوۃ والسلام نے مرض الموت میں اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سات مختلف کنوؤں سے پانی کے سات مشکیزے لانے کے لیے حکم دیا تھا جس کی تعمیل کی گئی اور پھر انہی سات مشکیزوں سے حیات طیبہ کا آخری غسل سمت فرمایا اور پھر اس کے بعد آخری ... کو شان قدس سے بادہ قدم رنجہ فرمایا تھا اسی نسبت سے وہ کنویں سات متبرک کنویں کہلاتے جن کے نام یہ ہیں

بئر ... بئر الغرس، بئر الروحہ (بئر سیدنا عثمان غنیؓ)، بئر بضاعہ، بئر بصہ، بئر حاء، بئر العہن (۸)

چونکہ مدینہ منورہ میں ان تمام کنوؤں کا پانی کھارا ہوا کرتا تھا ان میں سے اکثر و بیشتر پینے کے لیے بہت کم استعمال ہوا کرتے تھے لیکن جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو ان کنوؤں کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا جب کبھی آپ حضور ﷺ کسی کنویں پر تشریف لے جاتے اور لوگ اس کے پانی کے کھارا ہونے کی شکایت کرتے تو سرور کونین ﷺ اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈال دیتے جس سے ان کنوؤں کا پانی تبرک و تقدس کی معراج پر جا پہنچتا۔ اس معاملے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان کا پانی بابرکت اور شفا آور تھا اور اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اکثر اصحاب کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کنوؤں کے پانی سے غسل کرنے کا نسخہ بتایا کرتی تھیں نسبت رسول مقبول ﷺ سے یہ ساتوں کنویں تاریخ مدینہ طیبہ میں بہت اہمیت کے حامل رہے ہیں اور چودہ صدیوں تک مسلمان جوق در جوق ان کی زیارت کرنے اور ان کے پانی سے شفایاب ہونے کی کوشش کرتے آئے ہیں

مدینہ طیبہ سے نسبت کی وجہ سے ان کنوؤں کی اہمیت کے پیش نظر مدینہ طیبہ کے حکمران ان کنوؤں کی دیکھ بھال کا خاص اہتمام کرتے لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ ان میں سے بعض بے اعتنائی کا شکار بھی رہے اور یوں وہ یا تو وہ منہدم ہو گئے یا پھر ان میں پانی خشک ہو گیا۔ امام المراغی (ت ۸۱۶ ہجری) بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایام میں صرف چھ کنویں مشہور تھے جب کہ ساتویں کی پہچان بھی اکثر لوگوں کو نہیں تھی (۹) تاہم ان کے دو سو سال بعد امام سمہودیؒ نے بہت ہی تگ و دو کے بعد اس ساتویں کنویں کا کھوج لگایا اور کھدائی کروا کر اس کی مرمت کروائی اور عامۃ الناس کو مستفید ہونے کا موقع دیا مختلف ادوار کے حکمرانوں اور مخیر حضرات نے ان کنوؤں کی دیکھ بھال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور یوں وہ کنویں صدیوں تک عاشقان تبرکات نبوی کی پیاس بجھاتے رہے اس دور میں عمرانی ترقی اور ایک مخصوص مکتبہ فکر نے ان تبرکات نبوی شریف کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی بجائے کافی حد تک پس پشت ڈال دیا ہے دو کنویں تو چونکہ مسجد نبوی شریف کے قریب واقع تھے وہ تو اس کے توسیعی منصوبے کی نذر ہو گئے اور ایک مسجد قباء کے چبوترے پر دفن کر دیا گیا ہے چند کو جو ابھی تک موجود ہیں یا تو لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا گیا ہے (بئر روحہ) یا پھر ان کو ڈھانپ دیا گیا ہے (بئر غرس اور بئر عہن) تاکہ کوئی ان سے ایک بوند نہ نکال سکے اگرچہ ان میں سے تین بقید حیات ہیں اور ابھی تک ان میں پانی موجود ہے تاریخی نقطہ نگاہ سے ان کی مسلمہ اہمیت کے پیش

بیرِ اریس کی نادر تصویر انہدام سے پہلے تب یہاں گنبد بھی ہوتا تھا

بیرِ اریس کی ایک نادر تصویر جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈول کی مدد سے پانی نکالا جاتا تھا

تصویر بعہد عثمانی ۱۹۰۲ء

شریف کے اس حصے میں نشان بنا دیئے گئے ہیں۔ جب ہم باب ملک فہد (گیٹ نمبر ۲۱) سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو صرف چند قدم پر پکی ستونوں کی رو میں اگر ہم تھوڑا بائیں طرف چلیں تو دو ستونوں کے درمیان سطح فرش پر تین گول دائرے بنے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ستونوں کی جانب والے دونوں دائرے جھکوں سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں جب کہ درمیانی دائرہ گلابی رنگ کے مرمر سے بنا ہے یہ تینوں دائرے باب نمبر ۲۱ اور ۲۲ کے درمیان سامنے پڑتے ہیں یہی وہ جگہ ہے جہاں کہ مدینۃ الرسول ﷺ میں وہ تاریخی کنواں تھا جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ اکثر تشریف لایا کرتے تھے اور استراحت فرماتے تھے۔ پہلے تنے حصے پر یقین نہیں ہوا کرتا تھا مگر اب کی بار جب ربیع الاول ۱۴۲۳ ہجری کو حاضری ہوئی تو اس جگہ کو یقین سے ڈھونڈ لیا گیا۔ باوثوق ذرائع کے مطابق بیرِ حاء کا مبارک کنواں ابھی تک زیرِ زمین تہہ خانہ میں موجود ہے لیکن چونکہ عام آدمی کی دسترس سے باہر ہے اس لیے لوگ اس کی زیارت یا اس کے پانی سے مستفید ہونے سے محروم ہیں۔ اس کنویں میں آج کے دور میں بھی پانی وافر مقدار میں موجود ہے جو کہ بارشوں کے موسم میں سوئیں کی منڈیروں سے چھلکنے لگ جاتا ہے اور یوں عشاق کی پیاس بجھائے بغیر نکاسیٔ آب کے نظام سے مل کر باہر نکل جاتا ہے۔

بئرِ اریس

ماضی میں مسجد قباء کے نواح میں یہ بہت ہی معروف مبارک کنواں ہوا کرتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں چونکہ اسے اریس نامی یہودی نے بنوایا تھا اس لیے یہ کنواں بئرِ اریس کے نام سے ہی جانا جاتا رہا ہے۔ اسے بئرِ خاتم بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ ایک بار وہ اپنے گھر سے وضوء کر کے یہ کہتے ہوئے نکل پڑے کہ دن تمام دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزاریں گے وہ مسجدِ نبوی شریف آئے اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق استفسار کیا تو پتہ چلا کہ آپ حضور ﷺ فلاں جانب تشریف لے جا چکے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھی آپ حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر اسی طرف چل دیا یہاں تک کہ میں بئرِ اریس پر پہنچ گیا۔ میں اس بستان کے لکڑی کے دروازے پر ہی بیٹھا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے حوائج سے فارغ ہو کر وضوء بنا چکے تھے۔ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ حضور ﷺ نے اس وقت اپنی پنڈلیوں تک تہبند کو اٹھایا ہوا تھا اور کنویں کی منڈیر پر اس انداز سے تشریف فرما تھے کہ پائے مبارک کنویں میں لٹک رہے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا پھر میں واپس دروازے کے اندر کی طرف جا کر بیٹھ گیا تاکہ میں دروازے پر دربانی کر سکوں۔ اتنے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی وہاں تشریف لے آئے اور دروازے پر دستک دی میں نے پوچھا کہ کون ہیں تو انہوں نے فرمایا ابو بکرؓ۔ میں نے عرض کیا کہ انتظار فرمایئے اور میں خود اندر گیا اور عرض کیا کہ ابو بکرؓ اذنِ حاضری چاہتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا انہیں اندر آنے دیں اور

انہیں جنت کی بشارت دیں۔ میں ان کے پاس واپس آیا اور انہیں اندر جانے کے لیے کہا اور ساتھ ہی خوشخبری بھی سنا دی۔ حضرت ابو بکرؓ اندر آئے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی دائیں جانب اسی کنویں کی منڈیر پر اپنی ٹانگیں ویسے ہی لٹکا کر بیٹھ گئے اور جیسے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی پنڈلیاں مبارک سے کپڑا ہٹایا ہوا تھا ویسے ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی کیا۔ میں واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ میں اپنے بھائی کے متعلق سوچ رہا تھا جو کہ وضوء کرنے کی وجہ سے مجھ سے پیچھے رہ گئے تھے اور وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آنے والے تھے۔ میں دل میں کہہ رہا تھا کہ اگر اللہ نے فلاں کے بارے میں بہتری چاہی ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ میرے بھائی کے بارے میں بھی خیر و بہتری چاہے گا اور اسے یہاں لے آئے گا۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا عمر بن الخطابؓ۔ میں نے کہا انتظار فرمایئے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا "عمرؓ اذنِ حاضری کے لیے درخواست گزار ہیں"۔ حضورِ رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہوا، انہیں اندر آنے دیجئے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جنت کی بشارت دے دیجئے۔ اس طرح وہ بھی اندر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب اپنی ٹانگیں کنویں میں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ میں پھر واپس آ کر بیٹھ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ اگر اللہ نے فلاں کے بارے میں بہتری چاہی ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ میرے بھائی کے بارے میں بھی خیر و بہتری چاہے گا اور اسے یہاں لے آئے گا۔ میں ابھی یہی سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میرے استفسار پر انہوں نے کہا عثمان بن عفانؓ۔ میں نے کہا انتظار فرمایئے۔ اور پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور ان کے متعلق عرض کیا۔ جنابِ رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہیں اندر آنے دیجئے اور انہیں بلوہ اور فساد کی خبر دیں جو کہ انہیں درپیش ہوں گے۔ میں نے آ کر ان سے عرض کیا کہ اندر تشریف لے آئیں اور ان کو بہشت کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی ان فتنوں کی اطلاع بھی دی جن کا کہ ان کو سامنا کرنا تھا۔ وہ اندر گئے اور دیکھا کہ کنویں کی منڈیر کا وہ حصہ جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف فرما تھے خالی نہ تھا لہٰذا وہ (آپ حضور ﷺ کے سامنے منڈیر پر) مقابل سمت میں بیٹھ گئے۔ (۲۰) حضرت سعید بن المسیبؓ فرمایا کرتے تھے کہ اس کنویں کی منڈیر پر سرکارِ دو عالم ﷺ کے شانہ بشانہ بیٹھنے کی ترتیب (یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ دائیں جانب اور حضرت عمر بن الخطابؓ بائیں جانب) سے مراد یہ تھی کہ شیخین کریمین رضوان اللہ علیہما بعد از وفات بھی حجرہ مطہرہ میں ایک ہی کمرے میں محوِ استراحت ہوں گے جب کہ سیدنا عثمانؓ جگہ نہ مل سکنے کے باعث ان کے سامنے بیٹھے تھے، یعنی ان کے لیے حجرہ مطہرہ میں جگہ نہ تھی اور اسی لیے وہ بقیع الغرقد میں قدمین شریفین کے سامنے مدفون ہوئے (۲۱)

یہ واقعہ جس مقام پر رونما ہوا تھا وہ بستان اور بئرِ اریس تھا جو کہ فیروز آبادی کے بیان کے مطابق مسجد قباء کی غربی جانب ایک باغ میں ہوا کرتا تھا جو کہ نویں صدی ہجری میں بنی حسین ابن علیؓ کی اولاد اشراف کے قبضہ میں تھا۔ شروع میں یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا جس کا

کا پانی استعمال فرمایا کرتے تھے اور اسی کے پانی سے سرکارِ دو عالم ﷺ کو آخری غسل بھی دیا گیا تھا (۵۸) شیرِ خدا حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب میرا انتقال ہو جائے تو بئرِ غرس سے سات مشکیزے بھر کر اس کے پانی سے مجھے غسل دیا جائے] (۵۹) حضرت باقر بن زین العابدینؒ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ کو غسل دیتے وقت تین بار نہلایا گیا تھا پانی میں سدر (بیری) کے پتے ملے تھے آپ حضور ﷺ کو قمیص میں ہی غسل دیا گیا تھا اور جو پانی غسل کے لیے استعمال ہوا تھا وہ بئرِ غرس سے لایا گیا تھا جو کہ حضرت سعد بن الخیثمہؓ کی ملکیت تھا حضور سرکارِ دو عالم ﷺ حیاتِ طیبہ میں اس کنویں کا پانی پیا کرتے تھے] (۶۰) حضرت سعید بن رقیشؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ نے بئرِ اغرس (بئرِ غرس) کے پانی سے وضو فرمایا اور باقیماندہ پانی اسی کنویں میں واپس لوٹا دیا] حضرت محمد بن حنفیہؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ بئرِ غرس کا پانی پیتے تھے اور اسی کے پانی سے آپ حضور ﷺ کو آخری غسل دیا گیا تھا] (۶۱) چونکہ یہ کنواں حضرت سعد بن خیثمہؓ کی ملکیت تھا، حضرت محمد باقر بن علی زین العابدینؒ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کے لیے اس کنویں سے پانی لایا گیا تھا جو کہ خیثمہؓ کی ملکیت تھا اور اسے بئرِ غرس کہا جاتا تھا (۶۲)

بئرِ عثمان بن عفانؓ
کی ایک نایاب تصویر
عہدِ رفعت پاشا ۱۹۰۸ء

بئرِ غرس اندرونی جانب
دسمبر ۱۹۹۹ء

یہ کنواں مسجدِ قبا سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر وادی بطحان کے کنارے پر واقع ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ارشادِ رسالت مآب ﷺ کی تعمیل میں اس کنویں سے سات مشکیزے بھر کر لائے گئے تھے جن سے آپ حضور ﷺ کو غسل دیا گیا تھا۔ (۶۳) ابن حبان نے حضرت انس بن مالکؓ کے متعلق روایت کی ہے کہ وہ بھی اپنے پینے کے لیے پانی اسی کنویں سے منگوایا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی کنویں سے پانی پیتے اور وضو بناتے دیکھا تھا (۶۴)

ابن نجار کے مطابق چھٹی صدی میں یہ کنواں جس علاقے میں واقع تھا وہ غیر آباد ہو چکا تھا اور اس کنویں کا بہت سا حصہ ختم ہو چکا تھا کیونکہ وادی (وادی بطحان جو کہ اس کے ساتھ ہی سے گزرتی تھی) میں طغیانی کے سبب اس میں طوفان کا پانی بھر گیا تھا یہ کنواں ۱۰ ذراع گہرا تھا جب کہ پانی ۲ ذراع نیچے تھا (۶۵) المطری کے مطابق اسے آٹھویں صدی ہجری میں چند مخیر حضرات نے دوبارہ بنا دیا تھا سمہودی نے بھی لکھا ہے کہ اسے خواجہ حسین بن ابو الحسن الخواجگی نامی شخص نے مرمت کروایا تھا اور اس کے نواح میں ۸۸۲ ہجری میں ایک باغ بھی لگوا دیا تھا انہوں نے اس کے پانی کی سطح تک پہنچنے کے لیے اس میں زینہ بھی لگوایا اور اسے فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا۔ (۶۶)

اس متبرک کنویں کے متعلق لکھتے ہوئے شیخ جعفر برزنجی نے تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں بیان کیا ہے کہ کافی عرصے سے اس کنویں کے گرد ایک قبرستان بن چکا تھا (۶۷) تاہم آج کے مدینہ طیبہ میں (۱۴۲۱ ہجری میں) 'جنت کے چشموں میں سے یہ چشمہ' اوپر سے ڈھانپ کر ممنوع اور متروک الاستعمال کر دیا گیا ہے۔ بہت بھونڈے طریقے سے اس کی منڈیروں پر لکڑیوں کے تختے ڈال دیے گئے ہیں اس کے گرد کسی قبرستان کا نشان بھی باقی نہیں بچا ترکوں کے دور میں اس قبرستان کے گرد جو چار دیواری کر دی گئی تھی وہ بھی منہدم ہو گئی ہے البتہ اس کے دروازے کے دو ستون آثارِ قدیمہ کی کھنڈرات کی شکل میں ہر آنے جانے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زبانِ حال سے شکوہ سنج ہیں کہ کل جہاں اہلِ مدینہ کی کثیر تعداد مدفون تھی آج وہاں اہلِ محلہ کے بچے آزادی سے فٹ بال کھیلتے ہیں جس کنویں سے پانی پینا حضرت انس ابن مالکؓ جیسے جلیل القدر صحابی اپنے لیے اتباعِ سنتِ رسولِ مقبول ﷺ کی ایک علامت اور دلیل سمجھتے تھے اور باعثِ سعادت گردانتے تھے آج اگر کوئی اس کنویں کی تلاش میں سرگرداں وہاں نظر آ جائے تو اسے شرک کا مرتکب قرار دے دیا جاتا ہے

بئرِ الرومہ

مسجدِ قبلتین کے شمال میں تقریباً دو میل کے فاصلے پر بئرِ رومہ واقع ہے جو کہ دراصل وادی العقیق الاصغر کے زیریں حصے میں قدیم وادی اضم کے اس حصے کے قریب واقع ہے جہاں کبھی وادی العقیق کی طغیانی کا پانی آ کر جمع ہوا کرتا تھا آج کل یہ کنواں مختلف انواع کھجوروں کے نخلستان میں واقع ہے

شہرِ حبیب میں ابتدائی ایام میں پانی کی شدید قلت ہوا کرتی تھی اور قدرت کا یہ عظیم سرمایہ ان دنوں اکثر و بیشتر یہود بے بہبود کی اجارہ داری میں تھا جن میں سے بعض تو اسے تجارتی بنیادوں پر چلاتے تھے اور پانی کے ایک ایک ڈول کے بدلے درہم بٹورتے تھے ہجرتِ مبارکہ اور مدینہ طیبہ میں مہاجرین کی آبادکاری کا ذکر ہوتا ہے تو بئرِ رومہ کا کردار آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے جس نے سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے جود و کرم نے ارضِ مقدس کے ان مسکین دبے آمیز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے اپنے آبی وسائل پیش کرنے کا منہ کھول دیا تھا

بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ کنواں رومہ نامی ایک یہودی کی ملکیت تھا جس کی نسبت سے اسے بئرِ رومہ کہا جانے لگا تھا وہ اس کے پانی کو بہت مہنگے داموں بیچتا ہجرتِ مبارکہ کے بعد جب مدینہ طیبہ میں پانی کی قلت محسوس ہونے لگی تو اس نے پانی کے ایک ڈول کے دام اور بڑھا دیے۔ ابن عبدالبر کی روایت کے مطابق "یہ ایک یہودی کی ملکیت تھا جو کہ مسلمانوں کو اس کا پانی بیچا کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو کوئی اس کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرے گا، اس میں سے نکالے جانے والے ہر پانی کے ڈول کے بدلے اللہ رب العزت اسے جنت میں انعام سے نوازے گا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ اس یہودی کے پاس گئے اور اسے خریدنے کا عندیہ دیا لیکن یہودی نے اسے بیچنے سے انکار کر دیا لہٰذا حضرت عثمانؓ نے اس کا آدھا حصہ مبلغ ۱۲،۰۰۰ درہم میں خرید لیا اور اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا"

"خرید و فروخت کے معاہدے کے تحت یہ کنواں ایک دن مسلمانوں کے لیے مختص ہو گیا تھا کہ وہ اس سے پانی نکالیں اور دوسرے دن اس یہودی کی باری ہوتی تھی تاکہ وہ اس کے پانی کو بیچ سکے۔ چند دنوں کے بعد یہودی نے محسوس کیا کہ اپنی باری کے دن مسلمانوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے جب کہ دوسرے دن جب کہ یہودی کی باری ہوتی تھی کوئی بھی پانی لینے نہیں آتا تھا لہٰذا تنگ آ کر اس نے اس کا دوسرا حصہ یعنی دوسرے دن استعمال کرنے کا حق بھی حضرت عثمانؓ کو بیچ دیا جس کے عوض اسے ۸،۰۰۰ درہم ملے۔" (۶۸)

بئرِ رومہ ۱۹۰۰ء

تاہم بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ کنواں دراصل بنی مزنی قبیلے کے ایک فرد کی ملکیت تھا جس نے اسے غفاری قبیلے کے ایک فرد کے ہاتھ بیچ دیا تھا جس کا نام رومہ تھا اس شخص کا کوئی اور ذریعہ معاش نہ تھا لہٰذا وہ اس کا پانی بیچ کر اپنی روزی کماتا تھا مگر وہ شخص بھی اسے بہت مہنگے داموں فروخت کرتا تھا

بئر سقیا کی قدیم ورنادر تصویر تقریباً ۱۹۵۰ء

کی قضاء میں مسجد سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ میں رب ذوالجلال کے حضور سجدہ ریزی کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد سقیاء اور بئر سقیاء دونوں قریب قریب واقع تھے یہ بعید از قیاس ہے کہ مسجد سقیاء تو اسی مقام پر تھی مگر بئر سقیاء ذوالحلیفہ کی جانب دو کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا جیسا کہ چند لوگوں نے لکھ کر الجھاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے درحقیقت دونوں مقام ایک ہی علاقے میں ایک دوسرے کے قریب واقع تھے

یہی وہ مقام تھا جہاں تاجدار حرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے رشکِ حرم ہونے کا اعلان کیا اور جہاں اہل مدینہ طیبہ کے لیے خصوصی دعا فرمائی کہ اللہ کریم ان کے صاع اور مد میں برکت فرما اور ان کے رزق میں فراخی اور برکت عطا فرما۔ سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے [ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں روانہ ہوئے اور بئر سقیاء پہنچے جو کہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ملکیت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضوء کے لیے پانی لایا جائے۔ جب آپ حضور ﷺ وضوء فرما چکے تو قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہی اور پھر یوں دعا کی اے اللہ بیشک ابراہیم تیرے بندے اور تیرے خلیل نے اہل مکہ کے لیے دعا کی تھی اور بیشک محمد (ﷺ) تیرا بندہ اور تیرا رسول، اسی طرح جیسے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا تھا، اہل مدینہ کے لیے ان کے صاع اور مد میں اور ان کے پھلوں میں دگنی برکات کے لیے تیرے حضور دعا گو ہے](۷۷)

بئر سقیاء مسجد سقیاء کے قریب ہوا کرتا تھا بائیں ہاتھ پرانے مدینہ ریلوے اسٹیشن کی عمارت بھی نظر آ رہی ہے

المطری (ت ۷۴۱ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں یہ کنواں بہت ہی ناگفتہ بہ حالت میں تھا، لیکن پھر بھی پانی سے بھرپور تھا جو قدرے نمکین لگتا تھا۔ (۷۸) تاہم انہوں نے یہ بات بالصراحت لکھی ہے کہ ان دنوں میں بئر سقیاء کے متعلق اہل مدینہ دو رائے رکھتے تھے دونوں مقامات ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے کچھ عجمی درویشوں نے ۷۷۸ ہجری میں اس کی مرمت کروائی تھی اور اسی نسبت سے بعد میں اسے بئر عجم کہا جانے لگا تھا (۷۹) المراغی (ت ۸۱۶ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں بئر السقیاء (جسے ان دنوں میں سقیاء السعدؓ کہا جاتا تھا) خشک ہو چکا تھا اور بہت ہی خستہ حالت میں تھا۔ (۸۰)
عبدالقدوس الانصاری نے آثار مدینہ میں جو پہلی بار ۱۹۳۵ء میں چھپی تھی نے بہت ہی کھلے الفاظ میں کہا ہے کہ بئر سقیاء اور مسجد سقیاء دونوں ایک دوسرے کے قریب واقع تھے یہ مسجد تو ترکوں کے بنائے ہوئے ریلوے اسٹیشن کے احاطے کے اندر آ گئی تھی مگر بئر سقیاء عمرانی ضروریات کے تحت بنائی جانے والی مکہ روڈ (موجودہ نام عنبریہ روڈ) کے سن پر چلا گیا تھا (۸۱) ابراہیم العیاشی نے بھی اسی رائے کی تائید کی ہے "قسطر رہیں بئر سقیاء ریلوے اسٹیشن کے جنوب مغرب میں واقع ہے جب کہ مسجد سقیاء ریلوے اسٹیشن کے احاطے کے اندر واقع ہے۔ دونوں کے درمیان صرف ایک سڑک (عنبریہ روڈ) حد فاصل ہے۔" (۸۲)

بئر العہن جس کا قدیم نام بئر العسیرہ تھا اس علاقے کو بنی کل قربانیا سلطانہ العہن کہا جاتا ہے

علی حافظ نے بیان کے مطابق جو کہ مدینہ طیبہ کی بلدیہ کے رئیس رہے تھے بئر سقیاء تو عنبریہ روڈ کے نیچے چلا گیا ہے (۸۳)، جب کہ مسجد سقیاء ریلوے اسٹیشن کے احاطے کے اندر واقع ہے مشہور سعودی تاریخ دان احمد یاسر نے یہ کہتے ہوئے اس بیان کی پرزور تائید کی ہے "بئر سقیاء ریلوے اسٹیشن کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ وہ سڑک جو باب العنبریہ کی طرف جاتی ہے اسے ریلوے اسٹیشن سے علیحدہ کرتی ہے اور یہ میدان عنبریہ سے (باب عنبریہ کی طرف) جاتے ہوئے بائیں ہاتھ (تقریباً ۱۰۰ میٹر دور) پڑتا ہے بئر عروہ بن زبیرؓ کی طرف جانے والی طریق عنبریہ (عنبریہ روڈ) بناتے وقت یہ بئر سقیاء زیر زمین دفن ہو کر رہ گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مستقبل میں اسے دوبارہ نکال لیا جائے گا تاکہ اس کے پانی سے عنبریہ کے میدان میں لگے اشجار کو سینچا جا سکے" (۸۴) بیچارے احمد یاسر یہ حسرت دل میں لیے اس دنیا سے سدھار گئے ہیں
ان تمام محققانہ آراء کے باوجود ہم قارئین کی توجہ مدینہ طیبہ کے باسی اور مورخ احمد یاسین الخیاری کے بیان کی طرف بھی مبذول کروانا چاہیں گے جنہوں نے تمام مورخین کی آراء سے ہٹ کر نہایت ہی چونکا دینے والا بیان دیا ہے کہ بئر سقیاء دراصل بئر انس بن مالکؓ تھا اور اسی طرح انہوں نے بئر یہاب (اہاب) کو بئر زمزم کے ساتھ گڈمڈ کر دیا ہے مگر حقیقت وہی ہے جو کہ ابن شبہ سے لے کر احمد الجاسر بیان کر گئے ہیں

بئر العہن

یہ کنواں مسجد شمس کے سامنے کی طرف تقریباً ۵۰۰ میٹر کے فاصلے پر مسجد قباء کی شرقی جانب کھنڈرات کے درمیان (اس وقت جلے ہوئے) کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ میں واقع ہے اگرچہ باہر سے دیکھنے پر یہ کنواں سوکھا ہوا لگتا ہے جیسے کہ اس میں پانی نہیں، مگر قریب جا کر دیکھیں تو پانی نظر آ جاتا ہے اسے لکڑی کے تختوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ ترکوں کے دور کی پرانی موٹریں ابھی بھی اس میں نصب ہیں۔ اردگرد آثار قدیمہ کے مکانات ہیں اور ساتھ ہی وہ پرانی بستی ہے جہاں کبھی مہاجرین کو آباد کیا گیا تھا یہاں ہی چند کھجوروں کے درخت ہیں جنہیں جلا کر خاکستر کر دیا گیا ہے مگر ان کے جھکے ہوئے نیم جلے تنے زبان حال سے خاموش احتجاج کر رہے ہیں کہ "دیکھو آثار نبویہ کا تقدس کس طرح پامال کیا گیا ہے۔" یہ کنواں ان سات کنوؤں میں شامل تھا جن کو یہ سعادت عظیم حاصل تھی کہ رسول رحمت ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک ان میں ڈالا تھا اور پھر صدیوں تک عشاق اس کے پانی سے روحانی لذت حاصل کرتے رہے تھے۔
روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کنویں پر تشریف لائے تھے اور آپ حضور ﷺ نے اس کا پانی نوش فرمایا اور وہاں وضوء بھی فرمایا تھا۔ (۸۵) یہ کنواں العالیہ میں بنی امیہ بن زید کی ملکیت تھا اور زمانہ جاہلیت میں اسے بئر العسیرہ (یا بئر العسرہ۔ یعنی تنگدستی کا کنواں) کہا جاتا تھا۔ ابن زبالہ کے بیان میں بروایت حضرت سعد بن عمروؓ کے مطابق [رسول اللہ ﷺ نے بنی امیہ بن زید کے گھروں کو اپنے قدوم میمنت لزوم

سے نوازا اور جب اس کنویں کو دیکھا تو فرمایا [اس کنویں کا کیا نام ہے؟] انہوں نے عرض کیا: ''عسرۃ'' جس پر رسول رحمت ﷺ نے فرمایا [نہیں اس کا نام ''یسرۃ'' ہے.] انہوں نے مزید بیان کیا ہے کہ [رسول اللہ ﷺ نے اس کنویں میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا تھا اور اس کا پانی بھی استعمال فرمایا تھا](۸۶) اس کے بعد سے اس کنویں کو ''بئر الیسرۃ'' یا ''بئر الیسیرہ'' کہا جاتا رہا ہے (۸۷) المطری (ت ۷۴۱ ہجری) رقمطراز ہیں: ''بئر العہن عالیہ میں ہے اور اس کے گرد ایک زراعتی فارم ہے اور اس کے قریب تاریخی درخت بھی ہے اس کنویں کو دوسرے ناموں سے بھی جانا جاتا ہے یہ بھی ذاتی ملکیت میں چلا گیا ہے کیونکہ اسے علی بن المطرف العمری شہید نے خرید لیا تھا اس کا پانی کھارا ہے اور یہ اونچی سطح پر واقع ہے'' (۸۸) شیخ العباسی نے بیان کیا ہے کہ دسویں صدی ہجری میں یہ اعوف کے درمیان واقع تھا (یہ رہے اعوف کا قدیم نام جیسا کہ احادیث مبارکہ میں بھی درج ہے وہ عالیہ کی ہے. اس علاقے کو آج کل قربان بھی کہا جاتا ہے) اور اس کا پانی تھوڑا کھارا سا ہے اور یہ کہ اس وقت یہ کنواں علی بن الحسن الحسینی المدنی کی ملکیت ہے (۸۹) صاحب 'وصف المدینۃ المنورۃ' ولی ۱۳۰۳ ہجری ۸۸۵ نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اس دور میں اس کنویں میں وافر مقدار میں پانی ہوا کرتا تھا اور یہ زیر استعمال بھی تھا آج بھی (۲۰۰۲ء) گر اس کنویں کی زیارت کی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ارد گرد چند تاریخی کھنڈرات اور اجڑا ہوا باغ چند دہائیاں پہلے تک اسی کنویں سے آبیاری حاصل کرتے تھے

ابراہیم العیاشی نے بیان کیا ہے کہ وہ کنواں جس کا ذکر المطری نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ وہ العالیہ میں ہے، دراصل وہی کنواں ہے جو کہ قربان میں ہے. بئر الیسرہ یا بئر الیسیرہ کی بجائے اسے بئر العہن کہا جاتا ہے (۹۰) درحقیقت اس کنویں کے ارد گرد کے علاقے کو آج بھی ''منطقۃ العہن'' کہا جاتا ہے جیسا کہ اس کے باہر لگے ہوئے ایک قدیم بورڈ سے ظاہر ہے

دیگر تاریخی کنویں جو اہل مدینہ طیبہ کو پانی فراہم کرتے رہے ہیں

بئر زمزم

بئر سقیاء کے نواح میں ایک اور کنواں بھی ہوا کرتا تھا جسے عرف عام میں زمزم کا کنواں (بئر زمزم) کہا جاتا تھا. اسے ''بئر فاطمہ (بنت حسین ابن علیؓ)'' بھی کہا جاتا تھا (۹۱) ولید بن عبد الملک کے دور میں جب اہل بیت طاہرہ کو حجرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے قوت کے بل بوتے پر نکال باہر کیا گیا تھا، تو امام عالی مقام کی شہزادی سیدۃ فاطمہ بنت الحسینؓ حرہ غربیہ کی سطح مرتفع میں آباد ہو گئی تھیں. اپنے نئے گھر میں انہوں نے ایک کنواں کھودنے کا حکم دیا. یہ سطح مرتفع چونکہ سخت لاوے کی چٹانوں سے بنی تھی اس لیے اس کنویں کی کھدائی میں کافی دشواری پیش

آ رہی تھی جب یہ مشکل سیدۃ فاطمہ بنت حسینؓ کے علم میں لائی گئی تو انہوں نے وضو کر کے اس چٹان پر دو رکعت نفل ادا کیے اور دعا فرمائی (۹۲) اس کے بعد جب کھدائی کا کام شروع کیا گیا تو سب مشکلیں آسان ہو چکی تھیں اور کام بغیر کسی رکاوٹ کے مکمل ہو گیا اور بہترین پانی نکل آیا. اہل بیت اطہار کے معتقدین نے اسے بئر زمزم کہنا شروع کر دیا تھا مراغی کے بیان کے مطابق ان کے دور میں حجاج کرام اس کا پانی نیت کر بیت اللہ کی طرف سب چار دانگ عالم میں لے جایا کرتے تھے

ان حوالوں نے اس کنویں کا ذکر نہیں کیا تاہم جمال المطری (ت ۷۴۱ ہجری) نے ''التعریف'' میں اس کنویں پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس بات کا خصوصی ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کی رائے اس سلسلے میں منقسم ہے کہ آیا یہ بئر سقیا ہی بئر زمزم ہے یا یہ کہ پہاڑی کی چوٹی پر واقع کنواں بئر زمزم ہے ان کی رائے میں چونکہ پہاڑی پر واقع کنویں کا پانی دور دراز علاقوں میں لے جایا جاتا ہے یہی کنواں بئر زمزم ہے. بنی امیہ کے دور میں ہشام بن عبد الملک کے بیٹے نے اسے خرید لیا تھا کیونکہ اسے ''پہاڑی پر واقع علاقہ بہت اچھا لگتا تھا'' (۹۳) مزید برآں جیسا کہ بئر سقیاء کے ضمن میں ہم نے مختلف معاصر مورخین مدینہ طیبہ کی آراء سے یہ ثابت کیا ہے کہ بئر سقیا تو دراصل اب عنبریہ روڈ کے نیچے دفن ہو چکا ہے، تو وہی کنواں جو اس سے تھوڑا آگے چل کر پہاڑی پر واقع ہے اور جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں غالب ہے کہ وہی کنواں بئر زمزم ہو سکتا ہے

ابراہیم العیاشی (جو کہ مدینہ طیبہ میں آثار قدیمہ کے بانی اور استاد سمجھے جاتے ہیں) کی تحقیق کے مطابق جبل احمر (وہی پہاڑی جس کا ذکر ہم نے کیا ہے) پر واقع کنواں ہی دراصل سکینہ بنت الحسین کا کنواں ہے (۹۱) تاہم اس معاملے میں امام مراغی (ت ۸۱۶ ہجری) کا بیان اس سے متضاد ہے جو کہ اسی کنویں کو بئر سعدؓ (یعنی بئر سقیاء) سمجھتے ہیں (۹۷) علی بن موسیٰ آفندی نے انیسویں صدی کے اختتام پر بھی یہ لکھا ہے کہ ان کے دور میں بئر زمزم پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھا (۹۸) مولف نے اس موقع کا ملاحظہ کیا ہے باہر سے دیکھنے پر کنویں کی دیواریں نظر آتی ہیں مگر اوپر جا کر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دیواروں کے کچھ حصوں کو گرا کر اس کنویں کو بھر دیا گیا ہے اور یوں یہ کنواں اپنے ہی ملبے سے اٹا ہوا ہے

اس مقام پر ہم ایک اور معاصر مدنی محقق کی تحقیق بھی قاری کی نظروں میں لانا چاہیں گے غازی بن سالم التمام نے باصراحت لکھا ہے کہ بئر زمزم جی الزمزم میں (عنبریہ سٹیشن کے شمال مغرب میں) اس علاقے میں واقع تھا جس کو آج کل حارۃ الغربیہ کہا جاتا ہے. اسے مسمار کر دیا گیا تھا اور اس کا موجودہ محل وقوع ''محطۃ سقط للمحروقات'' کے نیچے دفن ہو چکا ہے (۹۹)

بئر عروہ بن زبیر جس میں
پانی کے لیے پائپ لگائے
ہوئی تھیں

بئر ایہاب (اہاب)

یہ کنواں بھی حرۃ الغربیہ میں واقع تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی استعمال فرمایا تھا اور اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈال کر اسے تبریک کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا ابتداء میں یہ کنواں حضرت سعد بن عثمانؓ کی ملکیت تھا مگر بنی امیہ کے دور میں اسے اسماعیل بن ولید بن ہشام نے خرید لیا تھا اور اس کے پاس اپنا محل بنوایا تھا حضرت محمد بن عبدالرحمن سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ اہاب پر تشریف لائے جو کہ حرہ میں ہے اور ان دنوں حضرت سعد بن عثمانؓ کی ملکیت تھا، وہاں آپ حضور ﷺ نے ان کے بیٹے عبادہ بن سعد " کو دیکھا جو کہ کنویں پر تعمیر شدہ دو ستونوں سے بندھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھول دیا بعد میں جب سعد " آئے تو پوچھا کہ کون آئے تھے بیٹے نے والد سے سب ماجرا کہا تو انہوں نے کہا یقیناً آپ رسول اللہ ﷺ تھے وہ (حضرت عبادہؓ) آپ حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور جلد ہی آپ حضور ﷺ تک پہنچ گئے، رسول اللہ ﷺ نے پیار سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی، انہوں نے بیان کیا کہ وہ (عبادہؓ) اسی سال کے ہو کر فوت ہوئے اور اس وقت بھی جوان نظر آتے تھے انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کنویں میں اپنا لعاب دہن مبارک بھی ڈالا تھا۔] اس کنویں کے محل وقوع کے بارے میں ابتدائی مورخین بھی مخمصے کا شکار رہے ہیں بعض نے تو اسے بئر زمزم کا دوسرا نام ہی کہہ دیا ہے شیخ سمہودی " بھی اس سلسلے میں تذبذب کا شکار ہیں، وہ انہوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہی کنواں بئر زمزم ہو تاہم شیخ عباسی (ت دسویں صدی ہجری) نے واضح طور پر لکھا ہے کہ بئر ایہاب اور بئر زمزم دونوں مختلف کنویں تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آج بھی یہ کنواں حرہ غربیہ میں مسجد مسارتین کی غربی جانب تھوڑے فاصلے پر سڑکوں کے اڈے کے درمیان واقع ہے۔ اسی کنویں کی نسبت سے یہ علاقہ آج اہاب یعنی اہاب کا علاقہ کہلاتا ہے اس پر موجود قدیم عمارت کو عمداً مسمار کر دیا گیا ہے مگر کنویں میں آج بھی پانی ہے۔

بئر عروہ بن الزبیرؓ

بئر عروہ بن زبیر
ستمبر ۲۰۰۲ء

اس کنویں کی باقیات وادی العقیق میں حضرت عروہ بن زبیرؓ کے محل کے کھنڈرات کے سامنے موجود ہیں ذوالحلیفہ کی طرف جانے والے وادی العقیق کے پل کے شروع میں بائیں جانب یہ دونوں تاریخی آثار واقع ہیں دونوں کے درمیان ایک چھوٹی سی سڑک گزرتی ہے کبھی ایسا بھی دور تھا جب کہ اس کنویں کا پانی عباسی خلفاء کے لیے بغداد تک لے جایا جاتا تھا ہارون الرشید کے لیے تو خاص طور پر اس کا پانی بوتلوں میں بھر کر لے جایا جاتا تھا (۰۰) چونکہ حضرت عروہ بن زبیرؓ پہلی صدی ہجری کے سات فقہاء

بئر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
اگست ۲۰۰۳ء

کے سرخیل سمجھے جاتے تھے، وہ لوگ ان سے علمی استفادہ کے لیے ان کے محل کا چکر لگایا کرتے تھے، اس لیے ہر آنے والا ان کے کنویں کے پانی سے بھی مستفید ہوتا تھا، یوں ابتدائے تاریخ مدینہ سے ہی یہ کنواں شہرت کے ساتویں آسمان پر پہنچ گیا تھا

صدیوں تک اس کا میٹھا پانی اہل مدینہ کی پیاس بجھاتا رہا بیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں تک یہ کنواں خدمت اہل مدینہ میں پیش پیش رہا کیونکہ یہ اس بڑی شاہراہ پر واقع تھا جو کہ مسجد نبوی شریف سے براستہ ذوالحلیفہ براہ راست مکۃ المکرمہ تک جاتی ہے آج بھی اس کنویں میں پانی موجود ہے اور پرانے اہل مدینہ کے اقوال کے مطابق اس کا پانی گردے میں پتھری کے علاج کے لیے اکسیر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے پاس ہی اس عمارت کی باقیات بھی موجود ہیں جن سے گزر کر ایک زینہ اس کی سطح آب تک جاتا تھا۔ اب اس کنویں کے دہانے پر مضبوط لوہے کا جال ڈال کر اس سے پانی کے استعمال کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے، اگرچہ یہ وادی العقیق کے بطن میں واقع ہے مگر اس کنویں کی گہرائی بہت زیادہ نظر آتی ہے

بئر علی کرم اللہ وجہہ (ابیار یا آبار علی کرم اللہ وجہہ)

کنووں کی ایک کثیر تعداد جو کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے وادی العقیق میں ذوالحلیفہ کے علاقے میں کھدوائے تھے آج بھی موجود ہے۔ ان کنووں کی شہرت نے تو ذوالحلیفہ کے نام کو بھی گہنایا ہوا ہے، وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے منسوب ہونے کی وجہ سے یہ تمام علاقہ 'ابیار علی' یا 'آبار علی' کہلاتا ہے۔ ان تمام کنووں کے متعلق تفاصیل ہم نے وادی العقیق کے ضمن میں باب "مدینہ طیبہ کی وادیاں" میں فراہم کی ہیں

بئر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
اگست ۲۰۰۲ء

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے لگوائے گئے تیس کنووں سے ابھی تک چند موجود ہیں اور وافر مقدار میں پانی مہیا کرتے ہیں یہ دونوں کنویں ایک دوسرے کے قریب ہی ایک کھجوروں کے باغ میں واقع ہیں (تصویر جولائی ۲۰۰۳ء)۔

مدینہ طیبہ میں قدیم فراہمی آب کا نظام۔ عین الزرقاء

ایام جاہلیت سے لے کر ہجرت مبارکہ تک اور پھر اس کے بعد سے موجودہ صدی کے شروع تک مدینہ طیبہ میں فراہمی آب کا بڑا ذریعہ کنویں ہی تھے جن میں مندرجہ بالا سات متبرک کنویں بھی شامل تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ عین الزرقاء (یا عین الازرق) کے زیر زمین پانی کی فراہمی کے نظام نے بھی اہل مدینہ کی ضروریات پوری کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے، حضرت معاویہؓ کے دور میں مروان بن حکم نے اہل مدینہ کی آبی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جو زیر زمین نظام تعمیر کروایا تھا وہ بلاشبہ اموی دور کا شاہکار ہے۔ اس نظام کی تعمیر کے وقت کئی مرتبہ حضرت معاویہؓ نے بذات خود اس منصوبے کی نگرانی بھی کی تھی۔ (۱۰۱)

اس نظام کے تحت مسجد قباء کی غربی جانب ایک بہت بڑا کنواں کھودا گیا تھا جس کا پانی زیر زمین بڑی نالیوں کے ذریعے مدینہ شہر تک لایا گیا

بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں مدینہ طیبہ کی آبادی میں بے تحاشا اضافہ ہونے لگا شہر کی قدیم فصیلیں آہستہ آہستہ ختم کر دی گئیں۔ جب صرف آبادی پھیل گئی جس کی وجہ سے عین الزرقا کا قدیم نظام جدید تقاضوں سے ہم آہنگی برقرار نہ رکھ سکا۔ پرانے شہر کے گرد نئی آبادیاں بن گئی تھیں جن تک اس نظام کہنہ کو لے جانا ممکن نہ تھا۔ ان مشکلات کے پیش نظر سعودی حکومت نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے ذمہ یہ فرائض تھے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ مدینہ طیبہ کی بڑھتی ہوئی آبی ضروریات کو کیسے پورا کیا جائے۔ مختلف تجاویز پر غور و خوض کے بعد ۱۹۷۸ء میں اس کمیٹی نے سفارشات پیش کیں کہ ایک نیا محکمہ تشکیل دیا جائے جو پورے کا پورا انتظام بدل دے۔ یا نظام فراہمی آب چلائے۔ ان سفارشات کے تحت ایک شاہی فرمان جاری ہوا جس کے تحت ایک نیا محکمہ قائم ہوا جو کہ محکمہ آب رسانی و نکاسی آب (Water and Sewage Department) تھا جس کا پہلا سالانہ بجٹ ۳۱۴ ملین سعودی ریال تھا قدیم محکمہ عین الزرقاء کے تمام ملازمین کو اس نئے محکمے میں شامل کیا گیا۔

اپنے آخری ایام میں عثمانیوں نے بھی اس معاملے پر غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ آب رسانی کا نیا نظام روشناس کرایا جائے۔ پہلی جنگ عظیم میں ان کے ایک ترکی گورنر بصری پاشا نے ایک منصوبے کی منظوری دی تھی جس کے تحت جبل عیر کے علاقے میں ایک بہت بڑا کنواں کھودا جانا تھا جس سے بجلی سے چلنے والی موٹروں سے پانی نکال کر پائپوں کے ذریعے شہر کو سپلائی کیا جانا تھا۔ اس کام کے لیے ۱۲ انچ قطر کے مضبوط فولادی پائپ نصب کیے جانے لگے تھے جو مسجد عنبریہ تک پہنچ گئے تھے جہاں ایک قامت خزان تعمیر کیے گئے تھے تاہم چونکہ ترکوں کی حکومت ختم ہو جانے سے یہ منصوبہ ادھورے کا ادھورا رہ گیا البتہ سعودی دور میں ان نصب شدہ پائپوں کو عین الزرقاء کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے استعمال کیا گیا تھا سعودی دور میں جب مسجد نبوی شریف کے پہلی توسیعی منصوبہ پر عمل درآمد شروع ہوا تو محمد بن لادن نے جبل تیاب کی چوٹی پر ایک بہت بڑا خزان تعمیر کروا دیا جہاں سے پانی پائپوں کی مدد سے نیچے لایا جاتا تھا۔ اس منصوبے کی کامیابی نے بڑے منصوبوں کی راہ کھول دی اور بحیرہ احمر سے پانی لے جانے کے منصوبے ترتیب دیے گئے۔ ان منصوبوں کی تکمیل پر کھارے سمندری پانی سے نمکیات زائل کر کے صاف پانی بڑے نلوں کے ذریعے ایک بہت بڑے خزان میں لایا جاتا ہے جو کہ مسجد قباء سے ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس خزان میں ۹۰,۰۰۰ کیوبک میٹر پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہے۔ اس نظام کا سب سے بڑا پلانٹ بحیرہ احمر کے قریب اور ینبع سے ۳۱ کیلومیٹر دور لگایا گیا تھا۔ اس عظیم تر منصوبے کا مقصد نہ صرف مدینہ طیبہ کو پانی فراہم کرنا تھا بلکہ ینبع کے بندرگاہی شہر کو بھی سیراب کرنا تھا۔ اس نئے نظام نے نظام کہنہ کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ فراہمی آب کے لیے زیر زمین ۱۲۲ انچ قطر کا بڑا پائپ استعمال کیا گیا جو ۱۷۶ کیلومیٹر کی مسافت طے کر کے قباء پہنچتا ہے۔ اس نئے نظام کے تحت روزانہ ۲۰ ملین گیلن پانی مدینہ طیبہ پہنچتا ہے جو صارفین کو گھر گھر پہنچایا جاتا ہے۔ اس نئے نظام نے شہر نبوی میں طرز زندگی کو ایک نئی سمت عطا کر دی ہے۔

اگرچہ اب مدینہ طیبہ کی آبادی کئی گنا بڑھ چکی ہے مگر فراہمی آب کا جدید نظام اتنی مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے کہ مواسم حج میں بھی لوگوں کو پانی کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ مدینہ طیبہ کے ارد گرد تو واٹر ٹریٹمنٹ پلانٹ لگ چکے ہیں کہ اب صاف پینے کا معدنی (Mineral Water) پانی بوتلوں میں بند وافر مقدار میں ہر گلی اور محلے کی نکڑ پر موجود دکانوں میں دستیاب ہے۔ دیگر فوائد کے علاوہ اس سے بلدیہ مدینہ طیبہ کے نظام آب رسانی پر بوجھ کم ہو گیا ہے۔ چونکہ لوگوں کی قوت خرید بڑھ گئی ہے عام آدمی بھی معدنی پانی کو بلدیہ کے پانی پر ترجیح دیتا ہے۔ بلدیہ کا پانی تو اب گھر کی دیگر ضروریات تک محدود رہ گیا ہے۔

حواشی

(۱) عبدالقدوس انصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص ۲۳۸

(۲) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ ﷺ (The Life of Muhammad)، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، طباعت ۵، ۱۹۷۸ء، ص ۲۷۹

(۳) زین الدین ابی بکر المراغی (ت ۸۱۶ ہجری)، تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرۃ، مکتبۃ العلمیہ، مدینۃ المنورہ، ص ۲۰

(۴) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۵۳۲، ۵۳۵، ۷

(۵) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، بیروت، تیسرا ایڈیشن، ۹۸

(۶) مجدالدین فیروز آبادی، مغانم المطابۃ فی معالم طابہ، ص ۲۹

(۷) جمال مطری (ت ۷۴۱ ہجری)، التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ، ۱۴۰۲ ہجری، ص ۵۹

(۸) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۹۸۳

(۹) المراغی، مصدر مذکور، ص ۱۷۸

(۱۰) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۵۱۱، ج ۲، نمبر ۵۳۰ نیز ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج ۱، ص ۱۵۷

(۱۱) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۲۱۸۵ نیز ۲۱۸۶

(۱۲) ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات ۳۹۸، ۳۹۹ فیروز آبادی، ص ۳۷

(۱۳) ابن شبہ، مصدر مذکور، صفحات ۲۷۲، ۲۷۳

(۱۴) عبدالقدوس انصاری، ص ۲۳۵

(۱۵) فیروز آبادی، ص ۳۷

(۱۶) ابن شبہ، ص ۱۰۳

(۱۷) مطری، مصدر مذکور، ص ۴۷

(۱۸) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ (۱۳۰۳ ہجری بمطابق ۱۸۸۵ء)، ص ۴۷

(۱۹) ابراہیم عیاشی المدنی، المدینۃ بین الماضی والحاضر، ص ۱۹۳

(۲۰) صحیح مسلم، ج ۴، نمبر ۵۹۱، صحیح بخاری، ج ۹، نمبر ۳۰۷

(۲۱) المراغی، ص ۱۶۹

(۲۲) فیروز آبادی، ص ۳۵

(۲۳) صحیح بخاری، ج ۷، نمبر ۲۰۷

(۲۴) ایضاً، ج ۷، نمبر ۵۷۶

(۲۵) ابن نجار، ص ۱۰۳

(۲۶) فیروز آبادی، صفحات ۲۷-۲۸

(۲۷) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج ۱، صفحات ۳۹۸-۳۹۹۔

(۲۸) قاری شریف احمد، معین الحج، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، چھٹا ایڈیشن، ص ۲۸۸۔

(۸۹) ایضاً، ص ۲۹۱

(۹۰) ابراہیم عیاشی ص ۲۵۰

(۹۱) محمد کبریت الحسینی المدنی (ت ۱۰۷۰ ہجری) ... ۱۹۹۹ء صفحات ۴۸ ۔ ۴۹

(۹۲) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۵۱۹ ... سیدہ فاطمہ ... کے خود کدال ... کر کھدوائی ... تھی ... جسے ... دیکھتے ... پانی کا ... سے ... گیا

(۹۳) مراغی ص ۱۸۰

(۹۴) شیخ احمد بن عبد الحمید عباسی ص ۳۳۳

(۹۵) علی حافظ کی Archaeological Guide Map to Medina al-Munawwara

(۹۶) ابراہیم عیاشی، ص ۲۲۶

(۹۷) المراغی، ص ۱۸۰

(۹۸) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ، ص ۳۳

(۹۹) غازی بن سالم التمام، ص ۷۱

(۱۰۰) شیخ احمد بن عبد الحمید عباسی، ص ۲۵۰

(۱۰۱) محمد کبریت الحسینی المدنی، ص ۲۹۴

(۱۰۲) المراغی، ص ۸۷ نیز فیروز آبادی، ص ۲۹۶

(۱۰۳) عبد القدوس الانصاری، صفحات ۲۵۹ ۔ ۲۶۱

(۱۰۴) رچرڈ برٹن، Personal Narrative of a Pilgrimage to Al-Medinah & Mecca

Vol. 1, a Reprint in 1964 of the Memorial Edition originally published

by Tylston and Edwards in 1893, Dover Publications, New York, ISBN 486-21217

(۱۰۵) ایضاً

(اب موجودہ باب جبرئیل کے سامنے) مدینہ طیبہ میں ہجرت فرمانے پر حضرت ابو ایوب انصاری کے کاشانہ کو شرف اقامت بخشا۔ اس وقت تک وہ قریں ہے سب سے چند مکانات آباد تھے باقی زمین زیادہ تر خالی تھی یہاں چند کھجوروں کے درخت ہوا کرتے تھے جن سے مسجد نبوی کے ساتھ ملتی تھی جہاں کے مسلمان لوگ آرام کرتے اور اپنے مویشیوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے مروی ہے۔ آپ ہی سے متعلق مروی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے بعثت کی روایت اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر کے آس پاس اور مسجد نبوی شریف کے دور دراز ایک قبیلہ خزرج کے مختلف شعوب کے چند گھر تھے جن میں بنی ساعدہ کا چھوٹا سا گاؤں تھا (موجودہ سقیفہ بنی ساعدہ کے آس پاس) جب کہ اس سے متصل شرقی جانب دور دور تک بستیاں تھیں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ جب تاریخ اسلام نے مدینہ طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو اس وقت انصار کے گاؤں (چھوٹی چھوٹی آبادیاں) اس علاقے میں آباد تھے جہاں مختلف شعوب و قبائل کے لوگ رہتے تھے اور یہ لوگ کھجوروں کے درخت اور کھیتی باڑی کیا کرتے تھے (۱)

جس جگہ پر مسجد نبوی شریف اور کاشانہ اقدس اور حجرات مبارک کی تعمیر عمل میں آئی وہاں بھی کھجور کے درختوں کے جھنڈ ہوا کرتے تھے اور اس کے قریب ہی ایک جگہ تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ یہ تمام علاقہ ان چند بستیوں پر مشتمل تھا جن میں اکثر و بیشتر انصار کے ایک منزلہ مکانات ہوا کرتے تھے جن میں کوئی استثنا بھی تھا کہ دو منزلہ مکانات (جیسے حضرت ابو ایوب انصاری کا گھر) یا قلعہ نما گھر (جیسے حضرت حسان بن ثابت کا محل فارع) یا سقیفے (جیسے سقیفہ بنی ساعدہ) نظر آتے تھے۔ شرقی جانب خزرج کے گھر تھے جب کہ غربی جانب زیادہ تر بنو ساعدہ کی شاخیں آباد تھیں جو مغرب کی جانب قبیلہ بنو ساعدہ آباد تھا۔ یہ تمام آبادیاں زیادہ تر جنوب میں آباد تھیں جو اکا دکا گھروں پر مشتمل ہوا کرتی تھیں۔ بعض احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں مسجد شریف کی غربی جانب جبل سلع تک سوائے بنو ساعدہ کے خال خال ہی کوئی گھر ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح صحابیہ سیدہ عائشہ بنت قدامہ سے مروی حدیث کے الفاظ یوں ہیں [ہم سے جب کوئی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے قریب کھڑا ہوتا تو بغیر کسی رکاوٹ کے رسول اللہ ﷺ کا کاشانہ مبارک نظر آ جاتا تھا] (۲)

بے گھر مہاجرین اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آبادکاری کے لیے رحمت اللعالمین و انیس الغریبین ﷺ نے مسجد نبوی شریف کے اردگرد کی زمین اور وہ اراضی جو کہ انصار نے برضا و رغبت بحضور رسالت مآب ﷺ ہبہ کر دی تھی (مثلاً حضرت حارثہ بن نعمانؓ وغیرہ نے) مختلف حصوں میں تقسیم فرما کر مہاجرین کے لیے مختص فرما دی یوں حیات طیبہ کے دوران مسجد شریف کے چاروں اطراف میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھر بن گئے تھے قربت کاشانہ اقدس رسالت مآب ﷺ کے حصول کی خاطر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تگ و دو بھی کرتے تھے حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے [بنی سلمہ کے لوگ مسجد نبوی شریف کے قریب منتقل ہونا چاہتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ بستی کا شہر ہوئی ویران ہو جائے سو آپ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا [اے معشر بنی سلمہ! کیا تم نہیں چاہتے کہ تم مسجد نبوی میں آنے کے لیے جتنے زیادہ قدم چلو گے اس کا اتنا ہی ثواب ملے گا؟ اس پر انہوں نے اپنی پرانی آبادی میں ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا۔] (۳)

مغربی جانب سب سے معروف گھر سیدنا ابوبکر صدیقؓ (خوخہ ابوبکرؓ) اور سیدنا عمر بن الخطابؓ (دار قضاء الدین) تھے اس طرف سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ایک چھوٹا سا گھر ہوا کرتا تھا جس میں سے ایک چھوٹا سا دروازہ یا دریچہ (عربی میں خوخہ کہلاتا تھا) مسجد شریف میں کھلتا تھا بڑے دروازوں کے علاوہ جو کہ باہر کی گلیوں کی طرف ہوا کرتے تھے مسجد شریف سے متصل گھروں کی کھڑکیاں

مدینہ طیبہ دارالہجرۃ کا عمومی نقشہ ۲۰۰۵ء

دروازے جو مسجد شریف میں کھلتے تھے جس سے ان سے آتیں کا مسجد شریف میں آنا جانا آسان بنا دیا تھا جہاں تک ایسے دروازوں کا تعلق ہے جو کہ مسجد میں کھلتے تھے ان کو غزوہ احد سے پہلے ہی بند کرنے کے احکام ہو گئے تھے سوائے حجرات مبارکہ رسول امین ﷺ اور بیت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے بقیہ کھڑکیاں اور خوخے (دریچے) کھلے رہنے دیے گئے تھے مگر ان کو بھی حیاۃ طیبہ کے آخری ایام میں بند کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا سوائے خوخہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے جس کو استثنائے خصوصی سے روا رکھا گیا تھا یہ خوخہ اس وقت کی مسجد شریف کی غربی دیوار سے متصل اور موجودہ مقام منبر شریف کے قریب تھا

مسجد شریف کی غربی جانب اس مقام کی طرف جہاں بعد میں مسجد الغمامہ تعمیر ہوئی زیادہ تر علاقہ خالی تھا جہاں بعد میں بے گھر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خیمے نصب کر لیے تھے اور اسی نسبت سے یہ علاقہ 'فساطیط' (یعنی خیموں کا علاقہ) کہلاتا تھا یہاں دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ کا خیمہ بھی کافی دیر تک رہا تھا حضرت محمد بن عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے [رسول اللہ ﷺ عیدین کی نمازوں کے لیے مصلّیٰ (موجودہ مقام مسجد الغمامہ) تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس گزرگاہ سے تشریف لے جاتے تھے جو کہ "اصحاب الفساطیط" (خیموں یا جھونپڑیوں والے اصحاب) کے علاقے سے گزرتی تھی۔] (۴) تاہم شرقی جانب پکے اور پکے مستقل گھر بن چکے تھے جن میں سے بعض تو زمانہ قدیم سے تعلق رکھتے تھے جن میں سب سے زیادہ اہم و مشہور گھر دار ابو ایوب انصاریؓ اور دار اسعد بن زرارہؓ تھے۔ اس اراضی کا معتدبہ حصہ حضرت حارثہ بن نعمان الانصاریؓ کی آبائی ملکیت تھا جن کے ایک سے زیادہ گھر اس علاقے میں ہوا کرتے تھے۔ یکے بعد دیگرے انہوں نے اپنے تمام گھر شہ دوسرا خیر الوریٰ ﷺ کو ہبہ کر دیے تھے جن میں سے بعض پر تو حجرات مطہرات تعمیر ہوئے اور بعض کی زمین مہاجر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دے دی گئی تھی

یوں چند ہی سالوں میں گرد و نواح میں تمام علاقہ گنجان آباد ہو گیا تھا کیونکہ انصار و مہاجرین سب قربت کاشانہ اقدس میں اسی طرف کھنچے چلے آتے تھے اور گرد کے کھلے علاقے کو پلاٹوں میں منقسم کر کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مختلف گروہوں میں بانٹ دیا گیا تھا جنوبی جانب کے علاقے میں ہاشمی و مطلبی آباد کیے گئے تھے (حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ، سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، سیدہ فاطمہ بنت اسدؓ (ام علی کرم اللہ وجہہ)، جب کہ شرقی جانب بغیر سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عثمان

۱- دارحضرت ابوایوب انصاریؓ
۲- دارحضرت عثمانؓ (بڑا گھر)
۳- دارحضرت عثمانؓ (چھوٹا گھر)
۴- دار ریطہ
۵- دارحضرت ابوبکر صدیقؓ
۶- دار جبلہ بن عمرو ساعدی
۷- دار حضرت خالد بن ولیدؓ
۸- دارحضرت عمرو بن العاصؓ
۹- دار موسیٰ بن ابراہیم
۱۰- دار عبداللہ بن حسن الاصغر بن علی بن زین العابدینؒ
۱۱- دار آل حسنؓ
۱۲- دار آل عمرؓ
۱۳- دارحضرت حارثہ بن نعمانؓ (بعد میں یہ گھر دار حضرت جعفر صادقؒ کے نام سے مشہور ہوا)
۱۴- دار مروان بن حکم
۱۵- دارحضرت عباس بن عبدالمطلبؓ
۱۶- خوخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

بن عفانؓ کے گھر تھے کچھ عرصہ بعد جب حضرت خالد بن ابو سیدؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کو بھی اسی جانب گھر عطا ہوئے تاہم مسجد نبوی شریف سے متصل شرقی جانب کا حصہ پہلے تو حضرت حارثہ بن النعمانؓ کی ملکیت تھا مگر جوں جوں امہات المومنین رضوان اللہ علیہن زوجیت مطہرہ میں آتی گئیں وہاں سرکار دوعالم ﷺ کے حجرات مبارکہ بنتے گئے نبی کے درمیان خوخہ علی کرم اللہ وجہہ تھا اور انہیں کے مابین حجرہ مطہرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہرہ تعمیر ہوا تھا اس جگہ پہلے حضرت حارثہ بن نعمانؓ کا ایک گھر تھا جن کو رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریبی ہمسایہ ہونے کا شرف ڈیڑھ دو سال تک رہا آستانہ مبارکہ کے تمام حجرات مبارکہ شرقی جانب ہی تھے اور سب کے دروازے مسجد شریف میں ہی کھلتے تھے

شرقی جانب دار سیدنا عثمانؓ اور دار ابی بکرؓ کے درمیان ایک چھوٹی سی گلی نکلتی تھی جو بارگاہ سید الانبیاء اور بقیع سید المومنین ﷺ تھی جہاں سے ہو کر آپ حضور ﷺ بقیع الغرقد بنی عبد الاشہل اور دیگر اوس قبائل شاروں کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے دار سیدنا عثمانؓ اور حجرات مبارکہ کے درمیان ایک چھوٹی سی گلی تھی جہاں ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جنازے پڑھائے گئے جو کہ حیات طیبہ میں انتقال کرتے رہے اسی نسبت سے یہ جگہ جنازگاہ (موضع الجنائز) بن گئی جہاں بعد میں بھی جنازے رکھے جایا کرتے تھے مغربی جانب سب سے اہم گھر خود سیدنا صدیق اکبرؓ اور دار عمر بن الخطابؓ تھا اسی جانب حضرت عمار بن یاسرؓ کا گھر بھی تھا

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہ گھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ورثاء کو منتقل ہوتے رہے اور پھر یکے بعد دیگرے ان کی ملکیتوں کے تحت آتے رہے مگر زیادہ تر یہ گھر ان کے اصل بنانے والوں کے نام سے ہی مشہور رہے، مثلاً دار آل عمرؓ دار آل عثمانؓ، دار خالد بن ولید اور دار ابو بکرؓ وغیرہ وجو کہ زیادہ تر شرقی، غربی اور جنوبی طرف میں تھے شمالی جانب ابتداء میں بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات تھے جن میں سے چند تو حضرت حارثہ بن النعمانؓ کی ملکیت میں تھے اور باقی ماندہ گھروں میں زیادہ مشہور گھر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ کے تھے جب بھی مسجد نبوی شریف کی توسیع عمل میں آئی تو زیادہ تر شمالی جانب کا علاقہ ہی حاصل کر کے اس میں شامل کیا جاتا رہا۔ خواہ وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی حیوۃ طیبہ میں غزوہ خیبر کے بعد ہو یا سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں ہو یا سیدنا عثمانؓ کی خلافت راشدہ میں یا پھر مہدی عباسی اور اس کے بعد کے ادوار میں ہو۔ زیادہ تر اسی جانب واقع مکانات کو خرید کر مسجد شریف میں شامل کیا گیا اس لیے اس جانب بسنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات میں سے چند کے نام صرف تاریخی حوالوں کی صورت میں باقی رہ سکے جب کہ ان کے ورثاء دوسری جگہوں پر منتقل ہوتے گئے ان میں سے بہت سے گھروں کے مقیمین نے تو برضا ورغبت اپنے مکانات مسجد شریف کے لیے ہبہ کر دیے تھے مگر کچھ کو بہت بحث وتمحیص کے بعد بیچنے پر رضامند اور قائل کیا جا سکا تھا پچھلے صفحے پر دیے گئے خاکہ میں جسے بہت سے مشاہیر مورخین کی کتب میں دیے گئے اشاروں اور جدید مدینہ طیبہ کے ماضی قریب میں بنائے گئے نقشوں سے (کیونکہ بہت سے مشہور مکانات ۱۹۸۰ء تک موجود تھے) اخذ کیا گیا ہے چند معروف گھروں کا تقریبی نقشہ پیش کیا گیا ہے جن کی تفصیل نیچے دی گئی ہے

دار ابو ایوب الانصاریؓ

وہ پہلا مبارک گھر جس کو مدینہ طیبہ میں شہ لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت مبارکہ کے بعد شرف اقامت سے نوازا تھا وہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر تھا جہاں نہ صرف کہ شہ دوسرا ﷺ سات ماہ تک اقامت پذیر رہے بلکہ جہاں جبریل امین علیہ السلام اس

تمام عرصہ میں وحی الٰہی سے سرفراز ہوتے رہے۔ اس گھر کے شمال کی جانب قریب ہی چھوٹی سی گلی کی دوسری جانب سیدنا عثمان بن عفانؓ کا مکان تھا۔ یہ مکان تاریخ مدینہ طیبہ میں بہت سی وجوہات کی بنا پر بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ازمنہ قدیم میں یمنی بادشاہ تبع نے اسے بنوایا تھا جس نے یثرب کو تاخت و تاراج کرنے کی غرض سے اس پر چڑھائی کر دی تھی مگر جونہی اسے معلوم ہوا کہ یہ مقام نبی موعود و عالی مقام خلیل و نوید مسیح ﷺ کی ہجرت کا مقام تھا تو اس نے پسپائی اختیار کر لی۔ اس نے رسول منتظر اور ہادی برحق جناب رسالت مآب ﷺ کے نام ایک خط لکھا اور اپنے ایک نمائندہ کو وہاں ٹھہرنے کا حکم دیا جس کے لیے اس نے یہ مکان بھی تعمیر کروایا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اسی نمائندے کی اولاد سے تھے اور نسل در نسل وہ خط ان کے پاس محفوظ تھا جب کہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مخرج صدق (مکۃ المکرمہ) سے ہجرت فرما کر مدخل صدق (مدینہ طیبہ) منتقل ہوئے (۵) حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے انتقال کے بعد یہ مکان ان کے آزاد کردہ غلام (حضرت افلحؓ) کی ملکیت میں چلا گیا جنہوں نے اسے مغیرہ بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کے ہاتھ ۱۰۰۰ دینار میں فروخت کر دیا (۶) جس نے اس کی مرمت کروا کر اسے مدینہ طیبہ کے فقراء کے نام وقف کر دیا تھا۔ اس نے مکان کے صحن میں ایک کنواں بھی کھدوا دیا جس سے مسجد نبوی شریف میں نمازیوں کے پینے کا پانی فراہم کیا جاتا تھا (۷) ایوبی خاندان کے شاہ شہاب الدین غازی نے اسے خرید کر وقف عام کر دیا اور وہاں ایک دینی مدرسہ قائم کر دیا جسے "مدرسہ شہابیہ مذاہب اربعہ" کہا جاتا تھا (۸) تیرھویں صدی ہجری میں اس جگہ ایک مسجد تعمیر کر دی گئی جب بعد میں زاویہ جنید کا قیام عمل میں آیا (۹) ابراہیم رفعت پاشا نے بیان کیا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں اس مکان میں ایک محراب قبلہ موجود ہوا کرتی تھی جس کے متعلق مشہور تھا کہ یہ وہ جگہ تھی جہاں آپ نے قیام مبارک کے دوران رسول اللہ ﷺ نماز ادا کیا کرتے تھے (۱۰)

اگرچہ یہ مکان اوقاف مدینہ طیبہ کی تحویل میں رہا مگر اس علاقے کی تجارتی قدر و قیمت میں اتنا اضافہ ہو گیا تھا کہ اس کی نچلی منزل میں دکانیں بنا دی گئی تھیں۔ مندرجہ بالا تصویر جو کہ اس کے انہدام سے پہلے ۱۹۷۲ء میں لی گئی تھی ظاہر کرتی ہے کہ اس کے کونے میں زیورات کی دکان ہوا کرتی تھی جب کہ ایک جانب ایک چھوٹی سی دکان اور بھی تھی جس میں بچوں کی دلچسپی کا سامان اور مدینہ طیبہ کی سوغاتیں بکا کرتی تھیں۔ یہ تمام علاقہ مسمار کر کے مسجد نبوی شریف کے سامنے کی جانب کھلا علاقہ بنا دیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل تصویر میں تقریبی طور پر اس جگہ کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں کبھی یہ مبارک گھر ہوا کرتا تھا جسے سرکار دو عالم ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا۔

دار سیدنا عثمان بن عفانؓ

سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دو مکان تھے جو کہ مسجد نبوی شریف میں باب جبریل علیہ السلام کے مقابل تھے۔ ان میں سے ایک کو 'الدار الکبریٰ' اور دوسرے کو 'الدار الصغریٰ' کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں مکان رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں تعمیر ہو چکے تھے۔ سیدنا عثمانؓ کے گھر اور دار ابو ایوب انصاریؓ کے درمیان ایک تنگ گلی حد فاصل ہوا کرتی تھی جسے زقاق حبشہ کہا جاتا تھا۔ ابن جبیر کے مطابق "حضرت عثمان بن عفانؓ کو دار کبریٰ میں شہید کیا گیا تھا۔ اس مکان کے ایک حصے کو اسد الدین شیرکوہ (سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے چچا) نے خرید کر اس میں اپنے لیے انہوں نے قبر تعمیر کروائی تھی پھر بعد میں جب شیرکوہ اور ان کے بھائی نجم الدین ایوبی (پدر صلاح الدین

ایوبی) کا انتقال ہوا تو ان کی میتیں مدینہ طیبہ لائی گئیں اور ان دونوں کے اجساد خاکی کو مکان کے اسی حصے میں دفن کیا گیا تھا (۱۱) جمال الدین اصفہانی نے جو کہ نور الدین زنگی کے وزیر تھے اس مکان کے بقیہ حصے کو خرید کر اس میں ایک وقف (رباط) قائم کر دی تھی جسے رباط اصفہانی کہا جاتا تھا۔ یہ رباط قائم کرتے وقت انہوں نے اس کا مقصد وحید ان حجاج کرام کو مفت رہائش مہیا کرنا تھا جو کہ بلاد عجم (ایران، افغانستان اور ہندوستان) سے آئے ہوتے تھے، اس لیے اسے رباط عجم بھی کہا جاتا تھا۔ اصفہانی نے بھی اپنے لیے اس کے ایک کونے میں قبر کی جگہ بنائی تھی اور وصیت کی تھی کہ جب ان کا انتقال ہو جائے تو ان کی میت مدینہ طیبہ لا کر اسی جگہ دفن کی جائے (۱۲) اور ایسا ہی کیا گیا۔ موصل کے قلعے میں وہ پابند سلاسل تھے جب ان کی موت واقع ہوئی مگر حسب وصیت ان کی میت پہلے مکہ اور پھر مدینہ طیبہ لائی گئی اور اسی مقام پر دفن ہوئی جو کہ مدفن حرمین کے بالکل سامنے اسی دار سیدنا عثمانؓ میں تھی۔

عثمانی دور میں اسے دار شیخ حرم بھی کہا جاتا تھا۔ دار سیدنا عثمانؓ کے چھوٹے حصے (دار الصغریٰ) میں بھی ایک رباط قائم تھی جسے مراکشی حجاج نے تعمیر کروایا تھا اور رباط سیدنا عثمان کہلاتی تھی (۱۳)

دار سیدنا ابا بکر الصدیقؓ

رسول اللہ ﷺ نے اپنے یار غار اور سیدنا صدیق اکبرؓ کو دار عثمان الصغریٰ کے سامنے جگہ عطا کی تھی جہاں انہوں نے اپنا مکان بنوایا (غربی جانب ان کا ایک چھوٹا سا مکان بھی تھا جس کو خوخہ ابو بکر صدیقؓ کہا جاتا تھا جو کہ اس مکان کے علاوہ تھا) خلیفہ رسول اللہ ﷺ بن جانے کے بعد وہ اسی مکان میں مقیم رہے تھے۔ انہوں نے اپنا دوسرا مکان (خوخہ ابو بکرؓ) ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے ہاتھ ۴۰۰۰ درہم میں بیچ دیا تھا۔ پھر تاحیات مشرقی جانب والے مکان میں رہے اور وہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔ امرور ایام سے اس مکان کی ملکیت میں تبدیلی آتی رہی اور بالآخر دار ریطہ میں ضم ہو گیا جہاں زاویہ سمان قائم تھا۔ اس کے علاوہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا ایک اور گھر عوالی میں السنح کے محلے میں بھی ہوا کرتا تھا جو کہ مسجد نبوی شریف سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا۔

دار ریطہ

باب النساء کے مقابل ریطہ بنت ابی العباس السفاح کا مکان تھا جنوبی جانب اس کے مقابل دار سیدنا ابو بکر صدیقؓ تھا جہاں خلیفہ راشد اول کا انتقال ہوا تھا۔ بعد میں یازکوج نامی ایک شامی شہزادے نے اسے خرید لیا تھا اور اس جگہ ایک دینی مدرسہ "مدرسہ الحنفیہ" قائم کر دیا تھا جسے عرف عام میں مدرسہ یازکوجیہ کہا جاتا تھا۔ اس نے بھی یہ وصیت کی تھی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی میت کو مدینہ طیبہ لا کر اسی جگہ دفن کی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (۱۴)

اس مکان کے متعلق عبد القدوس الانصاری لکھتے ہیں "دار ریطہ آج کا زاویہ سمان ہے۔ یہ بہت ہی وسیع مکان ہے جس کا دروازہ باب النساء کے سامنے ہے۔ مطری نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ مکان دراصل دار سیدنا ابو بکر صدیقؓ ہے مگر امام سمہودیؒ نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ دار ابو بکر صدیقؓ اس مکان کے پچھواڑے میں دار عثمان الصغریٰ کے مقابل تھا جہاں کسی زمانے

دار آل عثمان بن عفانؓ کا قدیم دروازہ، تصویر ۱۹۵۰ء

مکتبہ عارف حکمت
(دار آل حسنؓ)

میں زاویہ شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ تھا جو کہ بعد میں زاویہ تاشکندی کہلانے لگا تھا لیکن مرور ایام سے یہ دونوں مکان ایک دوسرے میں ضم ہو گئے تھے اور مدینہ طیبہ کے سلسلہ قادریہ کے شیوخ 'اسمان' یہاں رہائش پذیر تھے یوں رفتہ رفتہ زاویہ شیخ عبدالقادر جیلانی 'زاویہ ان' کہلانے لگ گیا تھا اسی مکان کے ایک حصے میں بعد میں پاکستان ہاؤس قائم ہو گیا تھا

دار عبداللہ ابن عمر بن الخطابؓ

جب سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع کی تو جنوب کی جانب وسعت دینے کے لیے چند مکانات کی اراضی کو خریدنا پڑا اس توسیع میں حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ حفصہؓ بھی متاثر ہوا تھا باہمی مفاہمت سے ان سے حجرہ مطہرہ کا کچھ حصہ لے کر جنوب میں اس سے ملحقہ زمین تبادل میں ان کو دے دی گئی پہلے یہ خالی زمین ہوا کرتی تھی اور یہاں کھجوروں کے سکھانے کے لیے ایک احاطہ سا بنا ہوا تھا حجرہ مطہرہ کے بدلے ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کو اس جگہ پر مکان تعمیر کروا دیا گیا جہاں وہ تاحیات مقیم رہیں تاہم اپنے انتقال سے پہلے انہوں نے وہ مکان اپنی بھتیجی یعنی (حضرت زید بن الخطاب کی صاحبزادی) کو تاحیات ہبہ کر دیا تھا۔(۱۵) ان کے انتقال کے بعد یہ مکان حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حصے میں آ گیا اور پھر ان کے بعد ان کی اولاد نسل در نسل وہیں آباد رہی اسی لیے اس مکان کو دار آل عمرؓ کہا جاتا تھا

ولید بن عبدالملک کے دور میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد شریف کی توسیع کے منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا تو یہ مکان ایک بار پھر توسیع کی زد میں آ گیا انہیں اس کا مزید کچھ حصہ جانب قبلہ کو وسیع کرنے کے لیے درکار تھا۔ بہت بحث و تمحیص کے بعد حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ اس بات پر راضی ہوئے کہ انہیں مزید باہر کی طرف کچھ جگہ دے دی جائے اور اس کے بدلے میں وہ حجرہ مطہرہ کی جانب کا حصہ دینے پر تیار ہو گئے۔ بشرطیکہ ان کے مکان سے ایک خوخہ یا گزرگاہ سیدھی حجرہ شریف تک بنا دی جائے چنانچہ ایک سرداب کے ذریعے اس مکان کو اندر تک رسائی دے دی گئی تھی۔ اس اتفاق کے بعد آل عمرؓ ہمیشہ اسی مکان میں رہے عبدالقدوس الانصاری کے بیان کے مطابق جب ۱۳۵۲ ہجری (۱۹۳۳ء) میں انہوں نے اس مکان کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ عمارت بہت بوسیدہ ہو چکی تھی اور دیکھنے میں یہ گھر کم مگر مدرسہ زیادہ لگتا تھا صحن میں ایک خشک اور متروک کنواں اور ایک قدیم درخت بھی تھا یہ مکان بہت سے کمروں پر مشتمل تھا جن کو مسجد نبوی شریف کے لیے بطور سٹور استعمال کیا جاتا تھا۔ مواجہ شریفہ تک آنے جانے کے لیے ایک سرنگ (سرداب) تھی جو کہ محراب عثمانی کے پاس

دار آل حسن (عارف حکمت لائبریری) جو مسجد نبوی شریف کے ہاں میں تھا موجود تھا مگر تعمیر کے وقت ختم کر دیا گیا ہے

سے گزرتی تھی

ستر کی دہائی میں اسے مسمار کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک سڑک نے لے لی جو کہ جانب قبلہ کے آگے سے گزرتی تھی تاہم بعد میں جب توسیع حرم نبوی شریف کا عظیم تر منصوبہ شروع ہوا تو اس کی جگہ ایک طویل و عریض ہال تعمیر کر دیا گیا جو کہ دیوار قبلہ سے متصل شرقاً غرباً جاتا ہے اب یہاں جنازے کے لیے آنے والی میتیں رکھی جاتی ہیں اور کچھ حصہ بڑی شخصیتوں کے لیے مدخل کا کام دیتا ہے۔ درمیان میں جنوبی جانب سے ایک دروازہ بھی بنا دیا گیا ہے جو امام صاحب اور دیگر ممتاز شخصیتوں کی گزرگاہ کے طور پر مختص ہے تاہم وہ خوخہ جو کہ شباک آل عمرؓ کے نام سے مشہور تھا اس کی جگہ مواجہ شریف کے مقابل ایک خوبصورت کھڑکی ہے جہاں اس وقت محراب عثمانی کی بائیں جانب ٹی وی کے بڑے بڑے کیمرے نصب ہیں۔

دار حسن بن زید (دار آل حسنؓ)

یہ گھر دار ابو ایوب انصاریؓ اور دار جعفر الصادقؒ کے مقابل واقع تھا۔ سمہودیؒ کے مطابق دار جعفر الصادقؒ دار ابو ایوب انصاریؓ سے متصل جانب قبلہ ہوا کرتا تھا جب کہ دار حسن بن زید ان دونوں کے مقابل غربی جانب تھا اور ان کے درمیان ایک گلی حد فاصل تھی دراصل شروع میں یہ ایک حرم کی طرز پر بنایا گیا تھا مگر جب حسن بن زید بن الحسنؒ وہاں منتقل ہوئے تو انہوں نے اسے مسمار کر کے اسے از سر نو ایک عام گھر کی طرز پر بنایا۔ بعد میں ایک دور مرحلہ آیا جب کہ اس مکان میں شیخ الاسلام عارف حکمت کی لائبریری قائم کر دی گئی جو کہ مدینہ طیبہ کی بہترین قدیم لائبریریوں میں شمار ہوتی تھی جس میں بہت ہی نادر قلمی نسخے موجود ہوا کرتے تھے۔ اس لائبریری پر ایک گنبد بنایا گیا تھا تاہم مسجد نبوی شریف کے توسیعی منصوبے کے تحت اسے مسمار کر کے تمام صندوق کھول دیا گیا اور اس میں موجود علم کے موتی مکتبۃ الحرم میں منتقل کر دیے گئے

دار حضرت امام جعفر الصادقؒ

ابتداء میں یہ گھر حضرت حارثہ بن النعمان الانصاریؓ کی ملکیت تھا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ان کے اور بھی کچھ گھر تھے جو کہ مسجد نبوی شریف سے متصل تھے یہ گھر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر سے متصل جنوب کی طرف تھا اور اس لیے زیادہ مشہور تھا کہ اس جگہ سرکار دو عالم ﷺ کے اہل خانہ (ام المومنین سیدۃ سودہؓ اور سیدات الطاہرات سیدۃ زینبؓ و سیدۃ النساء بتولؓ بنات الرسول ﷺ) نے

ہجرت کے بعد وہاں کچھ دیر قیام فرمایا تھا اور پھر جب ان کے حجرات مبارکہ بن کر تیار ہو گئے تو تمام اہل خانہ اس مکان سے منتقل ہو گئے تھے۔ بعد میں اسی مکان میں ناقہ رسول مقبول ﷺ قصویٰ بندھا کرتی تھی اور یہیں مبرک ناقہ بھی تھی جو صدیوں تک قائم رہی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں یہ مکان حضرت حسن بن الحسنؓ (حسن مثنیٰ) کو ان کے آبائی حجرہ مبارک سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کے عوض دے دیا گیا۔ اہل بیت اطہار کی ملکیت میں یہ مکان مختلف اصحاب کے پاس رہا اور آخر کار اس مکان میں حضرت جعفر صادقؓ مقیم ہوئے جنہوں نے اس میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ اسی مقام پر حضرت جعفر صادقؓ درس دیا کرتے تھے۔

فاطمیوں کے دور میں ایک امیر نے مسجد کو منہدم کر کے اس گھر پر قبضہ کر لیا اور تبرکات اہل بیت میں سے جو بھی ان کے ہاتھ لگا جن میں حضرت جعفر صادقؓ کے قلمی مخطوطے بھی شامل تھے لے کر مصر چلا گیا۔ صدیوں تک یہ گھر جعفر صادقؓ کے نام سے ہی مشہور رہا۔ بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں اسے شیخ عرم شاہین اجمال الشجاعی نے خرید لیا اور اسے اپنی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ادارۃ اوقاف المدینۃ المنورہ کے ریکارڈ کے مطابق ۱۲۵۵ ہجری میں اسے وقف جائیداد تسلیم کر لیا گیا اور پھر اس کے بعد سے دار ناب الحرم کہا جانے لگا۔ جب نائب الحرم کا عہدہ سعودی دور میں ختم کر دیا گیا تو اس مکان کو گرا کر برابر کر دیا گیا۔ اب اس کا نشان تک بھی باقی نہیں ہے کیونکہ اب یہ تمام علاقہ ہموار کر کے کھلا ایریا بنا دیا گیا ہے۔

دارالقضاء (دار قضاء الدین) اور غربی جانب دوسرے مکانات

یہ گھر جو کہ خوخہ سیدنا ابو بکرؓ سے متصل اس کی غربی جانب ہوا کرتا تھا سیدنا عمر فاروقؓ کی ملکیت تھا۔ سیدنا عمر فاروقؓ کی وصیت کے مطابق اس گھر کو ان کے قرضہ جات چکانے کے لیے بیچ دیا گیا تھا جو کہ وقت شہادت ان کے ذمہ واجب الادا تھے۔ اسے حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ نے خریدا تھا۔ چونکہ یہ گھر ایک خاص مقصد کے لیے فروخت کیا گیا تھا یعنی قرضہ جات کی ادائیگی (قضاء الدین) کے لیے اس لیے یہ گھر ابتداء میں تو دار قضاء الدین کے نام سے مشہور ہوا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے صرف دارالقضاء کہا جانے لگا۔ شہادت کے وقت سیدنا عمر فاروقؓ کے ذمہ کچھ قرضہ جات واجب الادا تھے جس کے لیے انہوں نے ام المومنین سیدۃ حفصہؓ اور اپنے فرزند ارجمند حضرت عبد اللہؓ کو وصیت کی تھی کہ ان کا قرضہ ادا کرنے کے لیے وہ گھر بیچ دیا جائے جسے اس وقت حضرت معاویہؓ نے خرید لیا۔ (۱۷) بعد میں کچھ عرصہ وہاں دار المال اور دیوان کے دفاتر بھی قائم رہے۔ (۱۸) چند روایات اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ اسی گھر میں حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے تیسرے خلیفہ راشد کے چناؤ کے لیے تحکیم کی تھی اور اس سلسلے میں جتنے اجلاس بھی ہوئے اسی مقام پر ہوئے اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کی ابتدائی بیعت بھی اسی مکان میں ہوئی تھی۔ (۱۹) عربی میں قضاء کا ایک مطلب فیصلہ کرنا بھی ہے۔ چونکہ خلافت راشدہ کا فیصلہ بحق سیدنا عثمانؓ بھی اسی جگہ ہوا تھا اس لیے بھی اس مکان کو دارالقضاء کہا جانے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے۔ (۲۰) روایات کے مطابق بعد میں اس مکان کو سیدنا عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ سے خرید لیا تھا۔

جب عباسیوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لی تو ابو العباس السفاح کے حکم سے اس گھر کو مسمار کر کے اسے مسجد نبوی شریف کے ساتھ ملحق کر دیا جو کہ ایک کھلے صحن کی شکل میں تھا جو باب اسلام سے لے کر باب الرحمۃ تک پھیلا ہوا تھا۔ ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ جب ۱۳۸ ہجری میں زید بن عبد اللہ مدینہ طیبہ کے گورنر ہوئے تو انہوں نے اسے مسمار کر کے اسے ایک ملحق (Annexe) کی شکل دے دی جس کا دروازہ مسجد نبوی شریف میں کھلتا تھا۔ (۲۱) بعد میں ۸۸۸ ہجری میں اسی جگہ مدرسہ اشرفیہ قائم ہوا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے یہاں شرعی عدالت (محکمہ شرعیہ-قضاء المدینہ) بھی قائم ہوئی جسے ترکوں کے دور میں باہر منتقل کر کے اسے مدرسہ المحمودیہ بنا دیا گیا۔ (۲۲)

دروازہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی (...)
۱۹۴۱ء
تصویر ۱۹۳۳ء

متصل ہی اس کے غربی جانب متصل ایک اور گھر ہوا کرتا تھا جو کہ عبد اللہ بن مطمل بن عوف بن عبد الحارث بن زہرہ کی ملکیت تھا جو کہ انہیں حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے مسکونہ ہبہ کر دیا تھا۔ اس گھر تھا جس کے متعلق اس سے پہلے مالک نے رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی تھی کہ جب سے وہ اس مکان میں منتقل ہوئے تھے انہیں نظر بد نے آ لیا تھا اور ان کا خاندان منتشر ہو گیا تھا اور ان کی امیری غربت و افلاس میں بدل گئی تھی، جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ [یہ گھر چھوڑ دو یہ منحوس گھر ہے (یعنی اس گھر کی نحوست کے سبب تم پر یہ افتاد پڑی ہے)] (۲۳)

اس کے قریب ہی ایک اور گھر ہوا کرتا تھا جسے دار النمری کہا جاتا تھا۔ اس مکان کی اہمیت یہ تھی کہ یہ پہلا گھر تھا جسے کسی مہاجر صحابی نے سب سے پہلے بنایا تھا اور اس کی بنیاد رسول مقبول ﷺ نے بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے مہمان اسی گھر میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ یہ وہی گھر ہے جہاں سے ایک مہمان رات کی تاریکی میں اس گیسٹ ہاؤس کی کچھ چیزیں چرا کر لے گیا تھا جس کی شکایت حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں کی تھی۔

ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ کا 'فارع' نامی اطم بھی مسجد نبوی شریف کی اسی جانب واقع تھا جس کے گرد بعد میں سیدۃ سکینہ بنت الحسینؓ اور جعفر بن یحییٰ البرمکی نے اپنے گھر بنائے تھے۔ (۲۴) یہ گھر اندازاً باب الرحمۃ کے مقابل کچھ فاصلے پر ہوا کرتے تھے۔ سمہودیؒ کے بیان کے مطابق یہ مکان جعفر برمکی کی حویلی کے نزدیک پڑتا تھا جو کہ باب الرحمۃ کے مقابل تھی۔ اسی اطم کے سائے میں رسول اللہ ﷺ کے آرام فرمانے کی روایت بھی ملتی ہے (خلاصۃ الوفاء، ص ۵۸۹) اسی جانب ذرا مزید آگے کی طرف حضرت سعد بن ابو وقاصؓ کے دو گھر ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک میں حضرت ابی رافعؓ غلام سید الابرار سرور کونین ﷺ نے ایک چھوٹی سی دوکان کھول لی تھی۔ (۲۵)

دار خالد بن الولیدؓ

یہ گھر بھی دراصل حضرت حارثہ بن النعمانؓ کی آبائی جائیداد میں سے تھا اور انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کر دیا تھا۔ جب حضرت خالد بن ولید حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے اس کا کچھ حصہ ان کو عطا کر دیا۔ (۲۶) یہ جگہ مسجد نبوی شریف کے گرد دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات سے چھوٹی تھی جس کے لیے حضرت خالد بن ولید نے سرکار دو عالم ﷺ سے استدعا کی تھی۔ مگر چونکہ اس وقت رہائشی اراضی کی شدید قلت ہو چکی تھی تو رسول مقبول ﷺ نے انہیں یہ فرما کر جواب دے دیا کہ اس گھر کو افقی طور پر پھیلانے کی بجائے آسمان کی طرف بڑھا دیا جائے (یعنی کثیر المنزلی بنا لیا جائے)۔ (۲۷) اگرچہ حضرت خالد بن ولیدؓ دمشق منتقل ہو گئے تھے مگر یہ گھر انہیں کے لواحقین کے قبضہ میں رہا۔ تاہم مدت مدید کے بعد اس مکان میں ایک رباط بنا دی گئی جسے رباط السبیل کہا جاتا تھا۔ بعض لوگ اسے رباط خالد بن الولیدؓ بھی کہتے تھے۔ اس کے اوپر بہت خوبصورت گنبد بنا ہوا تھا۔ جنگ عظیم اول میں فخری پاشا نے اس رباط اور گنبد کو مسمار کروا دیا تھا۔ (۲۸)

اس گھر کے عقب میں دار عمرو بن العاصؓ ہوا کرتا تھا جو کہ فاتح مصر اور بطل اجنادین حضرت عمرو بن العاصؓ کی ملکیت ہوا کرتا تھا

دارمروان بن الحکم

یہ گھر مسجد نبوی شریف کی جانب قبلہ کی دیوار سے متصل جنوب مغربی کونے میں واقع تھا جب حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع کی تو ان کو مسجد کو جنوبی جانب بڑھانے کی غرض سے بنی ہاشم کے چند مکانات یا ان کے کچھ حصے خریدنے پڑے تھے یہ مکان حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا تھا۔اس مکان کا کچھ حصہ مسجد شریف میں آ گیا اور باقیماندہ حصہ پر آل عباس کا قبضہ رہے مگر بعد میں جب مروان بن الحکم گورنر مدینہ طیبہ بنا تو اس نے وہ حصہ ان سے خرید لیا اور یوں یہ گھر دار مروان بن الحکم کہلانے لگا۔بحیثیت گورنر وہ اس مکان میں رہائش پذیر رہا تھا۔اس کے بعد بھی اس گھر میں بنوامیہ کے امراء اور گورنر یہاں رہتے رہے اور یوں یہ گھر ایک طرح کا گورنر ہاؤس بن گیا تھا اگر خلیفہ وقت مدینہ طیبہ آتے تو بھی اسی مکان میں ٹھہرتے تھے عباسی دور کے شروع میں حضرت امام مالکؒ بھی اس مکان میں رہے اور اسی مکان میں وہ تاحیات درس حدیث و فقہ دیتے رہے ۶۶۸ ہجری میں سلطان قلادون نے یہاں ایک دینی مدرسہ قائم کر دیا جو کہ مدرسہ شیریہ کہلاتا تھا۔یہاں کے فارغ التحصیل علماء اسلام نے بہت سی مشاہیر علماء ہوئے ہیں

دار ابو ہریرہؓ اور دار سعد بن ابی وقاصؓ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ان کا گھر مسجد نبوی شریف اور مصلاۃ العید (مسجد الغمامہ) کے درمیان ہوا کرتا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ عیدین کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو اسی گزرگاہ سے جاتے جہاں سے گزرتے وقت ان کا مکان رسول اللہ ﷺ کے بائیں ہاتھ پڑتا۔(۳۰) نبی اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ اور معمول یہ تھا کہ جب مسجد العید تشریف لے جاتے تو جاتے وقت ایک گزرگاہ سے تشریف لے جاتے اور جب واپس لوٹتے تو دوسرا راستہ اختیار فرماتے ایک حدیث مبارکہ میں روایت ہے کہ ایک بار نماز عید کے لیے جب سرور کائنات ﷺ نکلے تو راستے میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے گھروں کو شرف زیارت اور سعادت بخشا۔(۳۱) اس سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں کے گھر دو مختلف گزرگاہوں پر واقع تھے اور دونوں مسجد نبوی شریف اور مسجد مصلیٰ کے درمیان ہوا کرتے تھے۔تاہم بعد میں جب حضرت ابو ہریرہؓ حضرت معاویہؓ کے دور میں گورنر مدینہ ہوئے تو انہوں نے اپنے لیے ایک محل وادی عقیق میں بنا لیا تھا جو کہ وادی العقیق کی ایک شاخ ہے اور شہر حبیب کے جنوب میں واقع ہے جہاں آج بھی ان کے محل کے کھنڈرات موجود ہیں۔اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بھی ایک محل وادی العقیق میں تھا جہاں حضرت معاویہؓ کے دور میں ان کا انتقال ہوا تھا

دار مروان بن الحکم اور مسجد المصلیٰ (مسجد الغمامہ) کے درمیان ۱۰۰۰ ذراع (۵۰۰ میٹر) کا فاصلہ تھا۔اس جانب جن دیگر اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھر ہوا کرتے تھے ان میں حضرت مطیع بن اسودؓ کا گھر بھی تھا جو کہ دار العقاء کہلاتا تھا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے حضرت حسان بن ثابتؓ کا اطم "فارع" بھی باب الرحمہ کی سیدھ میں ہوا کرتا تھا غزوہ احزاب کے دوران رسول اللہ ﷺ نے خواتین اور بچوں کی حفاظت کے لیے مختلف اطموں میں ٹھہرا دیا تھا تاکہ یہودی کوئی گزند نہ پہنچا سکیں سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ عمۂ رسول ﷺ کو چند دیگر خواتین کے ساتھ حضرت حسان بن ثابت کے اسی اطم میں ٹھہرایا گیا تھا اور جب ایک یہودی نے اس اطم پر چڑھنے کی کوشش کی تو انہوں نے تلوار سونت لی اور اس کا کام تمام کر دیا اور یوں تاریخ اسلام میں وہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے کسی غزوے کے دوران کسی کافر کو ہلاک کیا تھا۔

چونکہ مسجد نبوی شریف سے مسجد الغمامہ تک کے تمام علاقے پر پکا فرش بنا دیا گیا تھا اس لیے اسے بلاط کہا جاتا تھا۔بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی جانب اپنے گھر بنائے ہوئے تھے (جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ) ان میں سے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مکانات صدقہ کے طور پر وقف علی الاولاد کر دیے تھے (یعنی ایسے گھر جو کہ ان کی اولاد کے استعمال میں تو رہے مگر وہ انہیں فروخت یا ہبہ کرنے کے مجاز نہ تھے) مزید برآں چونکہ سوق مدینہ طیبہ کی جانب واقع تھا یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ غربی جانب بہت سے گھروں میں دکانیں بن گئی تھیں، جیسے کہ ان میں سے ایک گھر دار الدقاقین کہلاتا تھا مسجد الغمامہ سے مزید مغرب کی جانب قبیلہ بنی غفار کے گھر ہوا کرتے تھے (۳۳) ان میں سے کئی مکانات ایسے بھی تھی جہاں رسول اللہ ﷺ سے ایک بار یا دو بار نماز ادا کی تھی کیونکہ سرکار دوعالم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لیے ان کے گھروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اگر ایسے میں وقت نماز آ جاتا یا اہل خانہ خاص طور پر درخواست کرتے تو وہیں نماز بھی ادا کر دیتے تھے

مسجد نبوی شریف کی جنوبی طرف بھی گنجان آباد علاقہ تھا مسجد سے متصل اسی طرف تو بنی ہاشم کے مکانات تھے جن میں حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، سید الشہداء حضرت حمزہؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ وغیرہ۔ان میں سے اکثر مکانات تو وقتاً فوقتاً مسجد شریف کی توسیع میں کام آتے رہے جس کی تفصیل مسجد نبوی شریف کے زمرے میں دی گئی ہے ان میں سے بہت سے مکانات کی بنیادیں رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے رکھی گئی تھیں جیسے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا مکان تھا جس کا پرنالہ تک رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حضرت عباسؓ کے کندھے پر کھڑے ہو کر نصب فرمایا تھا۔حضرت عمار بن یاسرؓ کا مکان سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں توسیع کے کام آیا تھا جس کے بدلے سیدنا عمر فاروقؓ نے ان کو اسی جانب ذرا فاصلے پر زمین دے دی تھی جب حضرت عمار بن یاسرؓ جہاد شام پر نکلے تو میدان جنگ سے حضرت عمر فاروقؓ کو درخواست بھیجی کہ ان کا گھر تعمیر کر دیا جائے چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا گھر ان کی جہاد سے واپسی سے پہلے اپنی نگرانی میں تعمیر کروا دیا۔(۳۴)

اسی جانب ذرا آگے بنی زریق کا قبیلہ آباد تھا جہاں حضرت ابن ام مکتومؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفیؓ اور ابو سعیدؓ کے مکانات بھی تھے جہاں آج کل سوق الحرم کے نام کا بازار ہے وہاں بہت سے صحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بسا کرتے تھے۔انہیں گھروں میں ایک مکان رویشد الثقفی کا بھی تھا جہاں سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ اس گھر میں شراب کشید کیا کرتا تھا جونہی سیدنا عمر فاروقؓ کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے اس تمام گھر کو جلا کر خاکستر بنا دیا تھا۔(۳۵)

جیسا کہ ہم نے اس سے پچھلے باب میں بیان کیا ہے کہ وہ مکانات جو کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسجد نبوی شریف سے دور دراز تعمیر کیے تھے اگرچہ شروع میں ان کے ورثاء کی ملکیت میں منتقل ہوتے رہتے تھے تاہم ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو ان کے مالکان کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ یہ تمام مکانات اپنے اصل مالکوں کی نسبت سے صدیوں تک پہچانے جاتے رہے مثلاً دار ... حضرت عثمان ... جب انہیں ... ختم کر دیا گیا تو ان کی اراضی، باغات اور مکانات کی قیمت ... یا تو مسجد ... میں ... اور خمس کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے قبضہ اختیار میں آئیں ... ان میں سے ... صدقات نبی ﷺ کے طور پر وقف ہو گئیں حتیٰ کہ وہ جائیداد بھی جو کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے مختص کی تھی (مثلاً باغ فدک) ان سے بھی صرف امہات المومنین رسول اللہ ﷺ کا ... تھا ... کی آمدنی امت اسلامیہ ... کی جاتی تھی۔ تابع رسول مقبول ﷺ میں اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنی تمام جائیدادوں کو صدقات کے طور پر وقف کر دیا تھا۔ یہ تصدق صرف انہی اموال غنیمت سے حاصل ہونے والی جائیدادوں پر ہی موقوف نہیں تھا جیسا کہ حضرت ... نے ... معاملے میں کیا اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ... معاملے میں تو اپنی آمدنی ... جائیدادوں کو بھی وقف و تصدق کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ صدقات نبوی میں سرفہرست الفقیر نامی کھجوروں کا باغ تھا جو کہ دراصل بستان فدکی کا اصل نام تھا (بعض روایات کے مطابق الفقیر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا صدقہ تھا) جو کہ بنو قریظہ کے خاتمے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں آ گیا تھا جسے سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کی نگرانی میں امت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عبد الرحمن بن عوف نے وہ باغ جو کہ غزوہ بنی نضیر کے بعد انہیں عطا ہوا تھا اسے تصدق (وقف) کر دیا تھا۔ ایسے ہی ایک اور باغ جو کہ ابھی چند سال پہلے تک موجود تھا وہ صدقہ عباس بن عبد المطلب کے نام سے مشہور تھا۔ یہ وقف باغات چودہ سو سال سے وقف حیثیت سے ہی موجود رہے ہیں اور ... حکومت ان کی دیکھ بھال کی ذمہ دار تھی کیونکہ عامۃ الناس کی امانت کے طور پر ... تھے۔ یہ آج بھی موجود ہیں مگر ... اپنے ... رہے ہیں۔ اپنی جانوں کے علاوہ اپنا مال و متاع تصدق کرنے میں اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ... میں کسی ایسے مہاجر یا انصاری کو نہیں جانتا جس نے اپنی جائیداد میں سے کچھ نہ کچھ تصدق نہ کیا ہو۔ امام شافعی کے قول کے مطابق جسے بیہقی نے روایت کیا ہے "رسول اللہ ﷺ ... آپ حضور ﷺ کا صدقہ موجود ہے، اس کے پاس ہی حضرت زبیر کا صدقہ ہے اس کے علاوہ حضرت عمر بن الخطاب کا صدقہ بھی موجود ہے، اور ایسے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عثمان بن عفان اور سیدۃ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے صدقات ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار صدقات ہیں جو کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کی جانب سے تھے اور جو کہ ابھی تک مدینہ طیبہ اور اس کے مضافات میں موجود ہیں" (سمہودی، صفحات ۹۹۸-۹۹۹)۔

ابن شبہ نے تو اس وقف نامے کا پورا متن اپنی تاریخ مدینہ میں دے دیا ہے جو کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے تحریر کیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا وہ وقف شدہ گھر نہ تو بذریعہ وراثت ورثاء کی کسی بیعنامہ کی رو سے ان کے ورثاء میں منتقل ہو مگر یہ کہ وہ ان کی اولاد کے قبضہ و اختیار میں رہتا کہ وہ اسے صدقہ و خیرات کے کاموں کے لیے استعمال کر سکیں (۲) تاریخ اسلام میں شاید یہ سب سے اولین وثیقہ وقف نامہ ہے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے صدقات کے متعلق یہ تحریری حکم دیا تھا [یہ جائیدادیں وراثت میں منتقل نہیں ہوں گی اور نہ ہی ان کا ہبہ کیا جا سکے گا مگر یہ صرف مساکین، دردمندوں ... غریب الدیار مسافرین (ابناء سبیل) کے لیے وقف رہیں گی۔ یہ امر زمانہ امن و جنگ دونوں میں یکساں طور پر نافذ العمل رہے گا۔ ان کا انتظام و انصرام صرف وہی لوگ کر سکیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین پر حکومت کا حق دیا ہوگا] (۳)

حارۃ الاغوات کا وہ ... جہاں ... کی قدیم ترین ... مشتمل ...

تقویٰ اور پرہیزگاری کی یہ مثالیں سامنے رکھتے ہوئے بہت سے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مکانات اور اراضی صدقہ کے طور پر وقف کر دی تھیں۔ تاریخ مدینہ طیبہ میں صدقات حضرت عباس بن عبد المطلب، صدقات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، صدقات حضرت زبیر بن العوام بہت ہی شہرت کے حامل رہے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بہت سے کنویں اور مکانات کو غرباء، مساکین، ابناء السبیل (غریب الدیار مسافروں) اور اپنے ان اقرباء پر تصدق کر دیا تھا جو محتاج و ضرورت مند تھے (۴) یہ صدقات نہ صرف مدینہ طیبہ کی حدود میں بلکہ مدینہ طیبہ کے باہر بھی واقع تھے اور ان میں مسافرین اور غرباء و فقراء کے لیے مفت کھانے اور رہائش کا بندوبست کیا جاتا تھا تاکہ وہ شہر مقدس میں حاضری پر اپنے آپ کو بے یار و مددگار نہ محسوس کریں۔

اسی روایت کو زندہ رکھتے ہوئے مدینہ طیبہ میں بعد کے ادوار میں بھی یہ رجحان قائم رہا اور لوگ اپنے گھروں کو وقف قرار دے دیا کرتے تھے۔ تاریخ کے جھروکوں سے جھانکنے پر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ایسے تمام مکانات جو کہ وقف کر دیے گئے تھے ان میں سے اکثر مسجد

نبوی شریف کے مرکز اور کی شرقی، جنوبی اور شمالی جوانب ہوا کرتے تھے۔ صاحب ثروت لوگ یا امراء دوسرے معاملے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ وہاں کی کوشش ہوتی تھی کہ اس بقعۂ مبارکہ کے مرکز انوار و تجلیات کے قرب میں کوئی سا بھی مکان لے کر تصدق کیا جائے۔

وہ بہت سے مکانات یا عمارتیں جو ماضی میں کسی نہ کسی اصحابی جلیل یا کسی بڑی شخصیت کے نام سے منسوب تھیں مختلف ہاتھوں میں خرید و فروخت ہوتی رہیں۔ ایسی عمارات کو خریدنے کا زیادہ تر رجحان بنو امیہ کے دور میں شروع ہوا پھر عباسیوں اور مملوک دور تک جاری رہا۔ اس کی ایک مثال "دار عاتکہ" کی ہے جو کہ باب رحمت کے سامنے ایک گھر تھا جو ایک صحابیہ سیدہ عاتکہ سے خریدا اور پھر مختلف ہاتھوں میں بکتا عباسی دور میں جعفر برمکی کی ملکیت میں چلا گیا۔ پانچویں صدی کے بعد ہمیں ان عمارتوں کی خرید و فروخت میں تیزی کا ایک خاص رجحان نظر آتا ہے کہ کثیر نئے مشتری یہ مکانات محض اس وجہ سے خریدنے لگ گئے تھے تاکہ وہ مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں فی سبیل اللہ کے لیے ان کو وقف کر سکیں۔ ان تمام صدقات اور اوقاف کو "رباط" (جمع ربط) کہا جاتا تھا۔ ایسی تمام رباطیں غرباء اور مساکین کے لیے پناہ گاہوں (Assylumn) سے کم نہیں تھیں کیونکہ ان میں رہنے والوں کو مفت رہائش اور دو وقت کا کھانا مہیا کیا جاتا تھا۔

ایسی رباطیں اور وقف مکانات مسجد نبوی شریف کی شرقی جانب کثرت سے معرض وجود میں آئے جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ روز اول سے اس جانب مسجد نبوی شریف کی توسیع بہت ہی معمولی حد تک ہوئی تھی اور مخیر حضرات یہ اندازہ لگانے میں حق بجانب تھے کہ ان کے بنائے ہوئے اوقاف تا ابد قائم رہیں گے۔ آخری توسیع کے وقت اس علاقے میں پائی جانے والی رباطوں میں بعض رباطیں آٹھ یا نو سو سال پرانی تھیں۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ خدام حرم نبوی الشریف (آغا صاحبان۔ اغوات) زیادہ تر اسی جانب حارۃ الاغوات میں رہائش پذیر تھے اور لوگ خدام حجرہ مطہرہ کی زیادہ سے زیادہ خدمت بجا لانا چاہتے تھے۔ عبدالقدوس الانصاری کی تحقیق کے مطابق ان میں سے ایک رباط کے دروازے پر نصب لوح سنگ کے الفاظ کچھ یوں تھے "اس مبارک رباط کو وقف فی سبیل اللہ کے طور پر فقیر یاقوت المظفری المنصوری المار دینی نے فقراء، مساکین اور غریب مردوں کے لیے (نہ کہ خواتین کے لیے) بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس عطا کرے۔ مورخہ ۷۰۶ ہجری"۔ دو مزید قطع نظر کہ اس عمارت کی شکل و شباہت اور کہنہ طرز تعمیر کی بناء پر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ رباط آٹھویں صدی ہجری میں رائج مدنی طرز تعمیر کی عکاسی کرتی تھی (۵)۔ ایسی ہی چند رباطیں مغربی جانب بھی تھیں۔

ان وقف عمارتوں اور پناہ گاہوں (Assy Lumn) نے شہر حبیب میں تقویٰ اور سنجیدگی کے ماحول کو برقرار رکھنے میں بہت بلند کردار ادا کیا تھا۔ مدینہ طیبہ رسول اللہ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے ہی علم کا گہوارہ اور تعلیم و تدریس کا مرکز رہا ہے اور اکناف عالم سے علم کے پیاسے اپنی پیاس بجھانے اسی شہر مقدس کا رخ کرتے آئے ہیں اور اسی مرکز نور سے علم و عرفان کے پھوٹنے والے سوتے دین اسلام کو ایک غالب قوت کے طور پر زندہ رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہوئے ہیں۔ اسی بقعہ نور سے فقہاء، علماء، عرفاء و مشائخ اپنے سینوں کو منور کر کے نیر تاباں کی طرح آسمان اسلام پر طلوع ہوتے رہے۔ کسی کے پاس زاد راہ نہ ہوتی اور کسی کے پاس نان و نفقہ کا فقدان ہوتا مگر جونہی اس شہر نبوی کی فصیل کے اندر داخل ہو جاتے تو یہ رباطیں اور وقف ادارے اپنے دروازے اور وسائل ان پر کھول دیتے اور ان کی ذمہ داری اٹھا لیتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں سے بہت سے وقف اداروں نے تعلیم و تدریس کے لیے ان رباطوں میں مدرسے اور زاویے بھی قائم کر دیے تھے تاکہ شہر نبی میں آنے والا علم کا متلاشی کہیں پیاسا واپس لوٹ نہ جائے۔ اس طرح یہ سب رباطیں ضیوف الرسول (رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں) کے لیے وقف تھیں۔

بہت سے اوقاف اور رباطیں تو براہ راست وقف الحرم اور اوقاف المسجد سے منسلک ہو گئے تھے جب کہ دیگر خاندانی اوقاف کے

رہا کرتے تھے یا پھر کسی نہ کسی خیراتی ادارے یا عمارت (کمپلیکس) سے منسلک تھے۔ رباط یا وقف مدنی طرز زندگی کا ایک جزو لاینفک بن گیا تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ فصیل شہر سے باہر بننے والی حویلیاں اور وہ اپنی حاطوں میں چند کمرے غرباء، مساکین اور ابناء السبیل کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ ان میں سے بعض تو صرف مردوں کے لیے مختص تھیں جب کہ مستورات کے لیے علیحدہ رباطیں موجود تھیں۔ کچھ ایسی بھی تھیں جن کے خالقین نے ان کی خدمات کو صرف صوفیاء کے لیے مختص کیا ہوا تھا۔ بعض رباطیں علاقائی حجاج کے لیے بھی مختص تھیں جہاں کسی خاص خطے یا ریاست سے آنے والوں کو ترجیح دی جاتی تھی۔ ایسی رباطیں پاک و ہند اور وسط ایشیا کی چند ریاستوں کے نوابوں اور والیوں نے قائم کی تھیں مثلاً رباط بہاولپور، رباط بھوپال، رباط حیدرآباد، رباط داغستانی وغیرہ۔ کچھ ایسی بھی تھیں جہاں کسی خاص مکتبہ فکر یا کسی خاص شیخ کے مریدین ہی آ کر ٹھہر سکتے تھے مثلاً رباط پیر جماعت علی شاہ وغیرہ۔

قدیم رباطوں میں سے زیادہ تر کی عمارتیں پتھر کی اینٹوں سے بنائی گئی تھیں جن میں چونہ وغیرہ استعمال کیا گیا تھا۔ کچھ ایک منزلہ تھیں اور کچھ۰۰۰ منزلہ بھی تھیں لیکن عبدالقدوس انصاری کے بیان کے مطابق مدینہ طیبہ میں تین منزلہ کوئی رباط تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ ایسی تمام رباطیں جو کہ دور مسجد نبوی شریف میں صدیوں سے قائم تھیں وہ سب کی سب مسجد شریف کے توسیعی منصوبے سے متاثر ہوئیں اور مسمار کر دی گئیں۔ ان میں سے بعض رباطوں کی عمارتوں اور اراضی کے عوض جن کے خالقین اگلی دنیا سدھار گئے یا ملک میں موجود تھے مدینہ طیبہ میں دوسرے مقامات پر وقف عمارتیں تعمیر کروا دی گئی تھیں اور انہیں تجارتی بنیادوں پر کرائے پر دے کر ان سے حاصل شدہ رقم حرم مدنی کے کھاتے میں چلی جاتی ہے اور یہ عمارتیں اوقاف مدینہ کے زیر انصرام ہیں۔ ایسی نئی تعمیر کی جانے والی وقف عمارتیں کثیر المنزل ہیں اور جدید سہولتوں سے آراستہ ہیں۔

اب بڑی بڑی قدیم رباطیں مسجد نبوی شریف کی توسیع کی وجہ سے معدوم ہو چکی ہیں مگر ابھی بھی چند ایک بعض علاقوں میں بچی ہوئی ہیں۔ عنبریہ کے علاقے میں بھی چند رباطیں تھیں مگر پچھلے دو سال سے وہ علاقہ بھی توسیع کی زد میں آ گیا ہے اور وہاں موجود رباطیں راہی ملک عدم ہو چکی ہیں۔ اور سحانیہ میں موجود رباطیں اپنی باری اور وجود کے خاتمے کا انتظار کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر محمد شوقی ابراہیم کے سروے اور مہیا کردہ شماریات کے مطابق مدینہ طیبہ کے قدیم شہر میں رہائشی عمارتوں کا ۲۳٪ حصہ وقف عمارات پر مشتمل تھا (۲)۔ مدینہ طیبہ کی موجودہ عمرانی ترقی سے پہلے دور میں کل کتنی وقف عمارات اور رباطیں تھیں اس کا اندازہ لگانا محال ہے لیکن اگر ہم ابراہیم رفعت پاشا کے مہیا کیے ہوئے اعداد و شمار پر انحصار کریں تو اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں مدینہ طیبہ میں ۸۰ کے لگ بھگ رباطیں موجود تھیں۔ ان میں دو کمروں پر مشتمل رباطوں سے لے کر تکیہ مصریہ تک کمپلیکس شامل تھے جس میں ۱۰۰ سے زیادہ کمرے تھے۔ ان وقف عمارتوں کو عام طور پر رباطوں کے نام سے جانا جاتا تھا مگر کچھ ایسی عمارتیں بھی تھیں جو کہ "تکیہ جات" کہلاتے تھے۔ ان ۱۰۸ رباطوں کے علاوہ تکیوں کی تعداد ۸ تھی۔ علی بن موسیٰ آفندی کی مہیا کردہ معلومات کے مطابق ۱۸۸۵ء میں مشہور ترین رباطوں کی تعداد ۸ تھی جب کہ صوفیاء کے لیے ۱۹ زاویے (خانقاہیں) تھے جن میں سب سے زیادہ مشہور زاویہ سمان تھا جو کہ باب النساء کے مقابل حارۃ الاغوات میں واقع تھا۔ یہ سلسلہ قادریہ کے صوفی مسلک سے منسلک تھا۔

لغوی طور پر رباط کا مطلب قلعہ یا حصار ہوتا ہے جو کہ اپنے اندر مقیمین کو بیرونی خطرات اور حملوں سے بچاؤ مہیا کرتا ہے تاہم مجازی معنوں میں اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے اندر مقیمین کو مادی، دینی اور روحانی حملوں سے محفوظ رکھتا ہے (۸)۔ یہ لفظ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں وارد ہونے والے لفظ سے ماخوذ ہے

﴿یا ایہا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون﴾

اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو (۹)۔

ذیل میں ہم چند مشہور رباطوں کا ذکر کریں گے۔

رباط اصفہانی

نورالدین زنگی کے وزیر اور معتمد خاص جمال الدین محمد بن علی بن منصور اصفہانی (جنہیں تاریخ مدینہ طیبہ میں محسن جواد رنگی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے شہر حبیب کی بے پناہ خدمت کی تھی اور بہت سی تاریخی مساجد اور عمارتوں کی تعمیر نو اور تجدید کروائی تھی) نے دار عثمان المصری کو خرید کر اس میں چھٹی صدی ہجری کے تقاضوں پر وقف میں دو منزلہ ایک نہایت ہی وسیع، شاندار عمارت قائم کروائی تھی چونکہ یہ رباط بالخصوص عجمی (ایرانی، عراقی اور ہندوستانی) نادار اور مفلس حجاج اور زائرین کے لیے وقف کی گئی تھی اس لیے لوگوں نے اسے رباط عجم کہنا شروع کر دیا تھا۔ جمال الدین اصفہانی نے اس کے ایک کونے میں اپنے لیے ایک قبر اپنی زندگی میں تیار کروا لی تھی اور وصیت کی تھی کہ موت کے بعد انہیں وہاں دفن کیا جائے جس کے مطابق انہیں وہیں دفن کیا گیا تھا (۰) ابن الاثیر کے بیان کے مطابق ان کی موت کے بعد ان کی میت پہلے مکۃ المکرمہ لائی گئی اور طواف کعبہ کے بعد عرفات کی ایک تہائی کی معیت میں مدینہ طیبہ منتقل کیا گیا اور پھر حجرہ مطہرہ سے ۱۵ ذراع کے فاصلے پر دفن کیا گیا (۱)

رباط سیدنا عثمان بن عفانؓ

دار عثمان بن عفانؓ میں پہلی رباط دیار مغرب (وہ خطہ جو کہ اب مراکش، تیونس، الجزائر اور لیبیا پر مشتمل ہے) کے چند تاجروں نے قائم کروائی تھی۔ ۳۳۳ ہجری میں وہاں کے چند تاجروں نے دار عثمان بن عفانؓ (دار الصغری) کا وہ حصہ جو کہ مسجد نبوی شریف کے مقابل تھا خرید لیا اور اس کو ان طلباء کے لیے وقف کر دیا جو المغرب کے خطے سے علم کی تلاش میں مدینہ طیبہ آتے تھے صرف موسم حج میں اسے خالی کر لیا جاتا تھا اور اس کے دروازے انہیں علاقوں کے حجاج کرام کے لیے کھول دیے جاتے تھے تاہم بعد میں اسے ایک لائبریری میں تبدیل کر دیا گیا اور صدیوں تک یہ لائبریری مدینہ طیبہ کی سب سے بہترین لائبریری سمجھی جاتی تھی۔ بارھویں صدی میں جب عثمانی سلطان محمود نے مدرسہ محمودیہ قائم کیا تو اس لائبریری کی تمام کتب (بمع الماریوں کے) وہاں منتقل کر دی گئیں۔ لبیب بتنونی نے جنہوں نے خدیو مصر کے شاہی وفد کے ممبر کی حیثیت سے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ اسی دار الصغری کے باہر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پر لکھا ہوا تھا ''سیدنا عثمان بن عفانؓ کو اس مکان میں شہید کیا گیا تھا'' (۱۴)

رباط خالد بن الولیدؓ

۶۲۰ ہجری میں افغانستان کے چند غزنوی تجار اور حجاج کرام نے دار خالد بن ولیدؓ اور دار عمرو بن العاصؓ کے تاریخی مکانات کو جو کہ باب جبریل علیہ السلام کے مقابل واقع تھے خرید کر ان کو ایک رباط کی حیثیت سے وقف کر دیا جو کہ صرف افغانستان اور ہندوستان کے مفلس و نادار حجاج کرام کے لیے مختص تھی (۵) اس رباط کی تاریخ خاصی دلچسپ رہی ہے کیونکہ یہ مختلف مخیر حضرات کے ہاتھوں بکتی رہی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت میں اضافہ ہوتا رہا۔

ایک مرحلے پر یہاں قادریہ سلسلہ طریقت کی خانقاہ ''زاویۃ الشیخ عبدالقادر جیلانی'' قائم ہو گئی جو کہ اس رباط کے اس حصے میں تھا جو دار عمرو بن العاصؓ تھا بعد میں یہی زاویہ ''زاویہ سمان'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ مدینہ طیبہ میں شیخ سمان کا خاندان صدیوں سے سلسلہ قادریہ کا سرخیل رہا تھا ۱۸۵۲ میں جب انگریز جاسوس رچرڈ برٹن ایک مسلمان کے بھیس میں مدینہ طیبہ آیا تو اس نے بہت سے مشاہیر کا ذکر اپنے سفرنامہ میں کیا اس کے مطابق اس وقت مدینہ طیبہ میں شیخ سمان کے خاندان کا طوطی بولتا تھا اور انہیں اہل مدینہ طیبہ بہت عزت و احترام کی

نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

بعد میں اسی عمارت کے ایک گوشے میں رباط سبیل بھی قائم ہوئی۔ مدینہ طیبہ میں اموی دور کا رائج کردہ نظام مفراہمی آب ''عین زرقاء'' اہل مدینہ کے لیے ایک بہت بڑی نعمت تصور کیا جاتا تھا۔ یہ زیر زمین نظام فراہمی آب مختلف مقامات پر مخرجوں کے ذریعے اہل مدینہ کو پانی فراہم کرتا تھا اسی نظام سے منسلک پانی کی سبیل اگر کسی مقام پر نصب ہو جاتی تھی تو لوگ جوق در جوق اسی مقام کا رخ کرنے لگ جاتے تھے۔ اس دور میں یہ پہلی سبیل تھی جو کہ رفاہ عامہ کے لیے کسی رباط میں لگائی گئی تھی۔ چنانچہ اسی نسبت سے اسے رباط سبیل کہا جانے لگا تھا۔ بیسویں صدی کے شروع میں ریاست بہاولپور کے نواب نے دار خالد بن ولیدؓ اور دار عمرو بن العاصؓ کا کچھ حصہ خرید کر وہاں رباط بہاولپور قائم کر دی تھی۔ نواب آف بہاولپور جب حج پر آئے تو شاہ عبدالعزیز السعود نے ان سے حرمین شریفین میں مسلم امت کی بہبود کے لیے کار خیر کرنے کا کہا چنانچہ انہوں نے مکۃ المکرمہ میں ایک دینی مدرسہ ''مدرسہ الصولتیہ'' (ان کی بیگم کا نام صولت بیگم تھا) کے نام پر قائم کیا جس نے مکۃ المکرمہ میں تعلیم کے میدان میں بے پناہ خدمات انجام دی ہیں اور آج بھی مملکت سعودی عرب کے بہت سے نامور علماء اسی مدرسہ صولتیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ مدینہ طیبہ میں دیگر رفاہی کاموں کے علاوہ انہوں نے باب جبریل کے سامنے مذکورہ دار خالد بن الولیدؓ اور دار عمرو بن العاصؓ کے کچھ حصے پر رباط بہاولپور قائم کی جو کہ ریاست بہاولپور سے آنے والے حجاج کرام کے لیے وقف تھی۔ بعد میں جب مملکت خداداد پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور ریاست بہاولپور اس میں ضم ہو گئی تو یہی رباط بہاولپور ''پاکستان ہاؤس'' بن گئی جو باب جبریل کے سامنے کئی دہائیوں تک اہل پاکستان کے لیے باعث افتخار رہی۔

جب مسجد نبوی شریف کی عظیم تر توسیع کے منصوبے پر عمل درآمد شروع ہوا تو دیگر رباطوں کی طرح جو اس حارۃ الاغوات میں ہوا کرتی تھیں اسے بھی بحق سرکار حاصل کر لیا گیا اور اس کے بدلے میں حاصل ہونے والے زر تلافی سے حکومت پاکستان نے جبل سلع کے دامن میں دو ''پاکستان ہاؤس'' تعمیر کروا دیے۔

رباط ناصر الدین اللہ

عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ نے ۵۷۰ ہجری میں مستحق طلباء کے لیے جو کہ دور دراز سے تحصیل علم کے لیے مدینہ طیبہ کا رخ کرتے تھے ایک رباط قائم کی جو کہ مسجد نبوی شریف کے باب النساء کے مقابل تھی

رباط ام ناصر الدین اللہ

عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ کی والدہ نے مدینہ طیبہ میں بہت سے رفاہی کام کیے جن میں چند مساجد کی تعمیر نو اور مسجد نبوی شریف کے آنگن کے وسط میں ایک قبہ کی تعمیر بھی شامل ہے جہاں مصاحف قرآنیہ کے نادر قلمی نسخے (بشمول مصحف عثمانؓ) اور دیگر تبرکات نبوی شریف کو بحفاظت رکھا گیا تھا ۵۹۹ ہجری میں انہوں نے اپنے نام سے باب جبریل کے سامنے ایک رباط کا اجراء کیا جو کہ باہر کے ممالک سے آنے والے نادار زائرین اور حجاج کرام کے لیے وقف تھی۔

رباط المراغی

یہ رباط ۷۰۷ ہجری میں شیخ ابوبکر بن عبداللہ المراغی نے قائم کی تھی جو کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں قاضی القضاۃ تھے یہ رباط مغربی جانب باب السلام کے سامنے واقع تھی وقف نامہ کے مطابق اس رباط کی تخلیق کا مقصد وحید یہ تھا کہ اسے صرف ان مستحق صوفیاء اور اولیاء کرام کے لیے مختص کیا جائے جو کہ مدینہ طیبہ میں کچھ عرصہ تک قیام کرنے کے خواہش مند ہوں تاہم مواسم حج میں ان کے دروازے عام حجاج

کر مہ پر کھول دیئے جاتے تھے

رباط النساء

دار خالد بن الولید کے قریب ہی یک تاریخی گھر دار سماء بنت حسین بن عبداللہ بن عبید بن عباس بن عبد مطلب ہوا کرتا تھا شروع میں تو یہ گھر ایک نصاری تابعی جبلہ بن عمرو اسعدی کا تھا جنہوں نے اسے سعید بن خالد بن عمرو بن عثمان بن عفان کے ہاتھ بیچ دیا تھا انہوں نے اس گھر کو مذکورہ سماء بنت حسین کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا چھٹی صدی ہجری میں یہ گھر رباط النساء بن گیا جو کہ باب النساء کے سامنے کی جانب ہو کرتی تھی

رباط الشہر زوری

دار عمرو بن عاص کا کچھ حصہ جو کہ دار ابوبکر صدیق سے ملحق تھا مدینہ طیبہ کے قاضی القضاۃ کمال الدین ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن القاسم الشہر زوری نے خرید یا اور وہاں اپنے نام سے یک رباط وقف کر دی جو کہ مدینہ طیبہ میں ایسے حجاج کرام کے لیے وقف تھی جو کہ وہاں جا کر افلاس وتنگدستی میں مبتلا ہو جاتے تھے

رباط الزنجیبی

اس وقف کا اجراء ۵۷۹ ہجری میں عدن سے یک نائب گورنر عثمان بن علی الزنجیبی نے کیا یہ رباط صرف ان لوگوں کے لیے وقف تھی جو کہ فقہ حنفیہ کے پیروکار تھے یا جو عدن سے مدینہ طیبہ حاضر ہو کرتے تھے

رباط البخاریہ

یہ رباط باب الرحمہ کے سامنے مغربی جانب واقع تھی اور صرف حرم النبوی شریف کے مجاورین کے لیے وقف تھی البتہ ان کے عدم موجودگی میں اسے فقراء ومساکین کے قیام کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا

رباط المظہر الاحمدی (مظہر الفاروقی النقشبندی)

حارۃ الاغوات کے وسط میں واقع یہ مشہور ومعروف رباط مدینہ طیبہ کی چند نہایت ہی اہم رباطوں میں گنی جاتی تھی اسے ۱۸۷۵ء میں شیخ مظہر النقشبندی (مظہر جان جاناں) کی یاد میں یک مدرسہ اور تکیہ کے لیے بنایا گیا تھا جسے خاص طور پر سلسلہ نقشبندیہ کے پیروکاروں کے لیے وقف کیا گیا تھا اسے خانقاہ اور دار التصوف بھی کہا جاتا تھا بعد میں یہ رباط مکتبہ محمد مظہر الفاروقی میں تبدیل ہو گئی تھی جو کہ مدینہ طیبہ کی سب سے بڑی پرائیویٹ لائبریری تصور ہوتی تھی شہر حبیب میں سب سے زیادہ نادر اور نایاب قلمی نسخے اور تاریخی مخطوطے اسی لائبریری میں محفوظ ہوا کرتے تھے تاریخ مدینہ منورہ کے سرخیل ابن شبہ المصری (۱۷۱-۲۶۲ ہجری) کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ کا واحد نسخہ جو کہ دنیا میں کہیں محفوظ نہ تھا وہ اسی لائبریری کے توشہ خانے میں تھا (۹) دیگر رباطوں کی نسبت چونکہ یہ رباط اور دار التصوف انیسویں صدی کے آخری ربع میں معرض وجود میں آئی تھی اور اس پر زر کثیر صرف کیا گیا تھا اس کی عمارت قابل دید تھی اور مدینہ طیبہ کی رباطوں اور وقف عمارت میں سے

حارۃ الاغوات میں قائم رباط مکیس المعروف رباط مصر

حارۃ الاغوات میں قائم رباط مکیس المعروف برباط المصری کا ایک دور تصویر قبل از انہدام

چند عظیم الشان عمارتوں میں تصور ہوتی تھی جہاں محافل ذکر وفکر کے علاوہ اس کے توشہ خانہ کے بحر ذخار سے اکناف عالم سے آئے ہوئے محققین نایاب اور نادر علم کے لولوئے لالہ ودر شہوار تلاش کرنے آتے تھے

چند دیگر رباطیں اور تعلیمی ادارے

مندرجہ بالا چند رباطوں کے علاوہ شہر حبیب کے مختلف حصوں میں اور بھی بہت سے رباطیں تھیں جو کہ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں قائم کی گئی تھیں ایسی رباطوں میں زیادہ تر تعداد ان وقف عمارات اور رباطوں کی تھی جو کہ ایران اور برصغیر کے رؤساء اور والیان ریاست کے تعاون پر بنی تھیں ان جدید رباطوں کے ساتھ ملحقہ مدارس یا یتیم خانے بھی ہوا کرتے تھے ان میں سب سے مشہور رباط "رباط بھوپال" تھی جس کے ساتھ یک بہت بڑا یتیم خانہ بھی قائم کیا گیا تھا اسے نواب آف بھوپال نے تعمیر کروایا تھا (۲۰) دوسری اہم رباط "رباط حیدر آباد" تھی جسے نظام حیدر آباد نے قائم کیا تھا یک رباط نواب آف بہاولپور نے بھی قائم کی تھی جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے انہی خطوط پر چند اور رباطیں بھی تھیں جنہیں کسی خاص کمیونٹی یا علاقے کے لوگوں نے اپنے اپنے علاقے یا کمیونٹی کے لیے وقف کیا ہوا تھا اور عموماً ایسی رباطوں کی تعمیر میں مخیر حضرات نے نمایاں کردار ادا کیا تھا اس زمرے میں آنے والی ہم چند رباطوں کا ذکر کرنا چاہیں گے جو کہ رباط میمنی، رباط بوہرہ، رباط ترکستانی اور رباط جماعت علی شاہ (آخر الذکر رباط کی دو وقف عمارتیں مسجد الاجابہ کے سامنے ابھی تک موجود ہیں) ایسی تمام رباطیں اپنے اپنے مکتب فکر یا کمیونٹی کی خدمت انجام دیتی تھیں

اس نوعیت کی سب سے بڑی رباط یا تکیہ ''تکیہ مصریہ'' تھا جو کہ مرکز مدینہ طیبہ (مسجد نبوی شریف) سے کچھ فاصلے پر حجاز ریلوے سٹیشن کے اس پار مغرب کی جانب واقع تھا۔ مدینہ طیبہ کے آٹھ تکیوں میں سب سے بڑا یہ تکیہ والی مصر محمد علی پاشا نے ۱۸۱۶-۱۸۱۹ میں وہابیوں کو شکست دینے کے بعد بنوایا تھا۔ اس تکیے کا رقبہ ۸۹×۵۰ میٹر پر محیط تھا۔ چاروں طرف کمرے اور برآمدے تھے اور وسط صحن میں ایک نمائشی گنبد تھا۔ ترک عہد میں بنا ہوا یہ تکیہ مخصوص ترک فن تعمیر کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس کی چھت کو قبوں اور گنبدوں سے مزین کیا گیا تھا۔ یہاں پر زیادہ تر ترک اور مصری سرکاری وفود جن میں محمل مصری بھی شامل ہوتا تھا قیام کرتے مگر عام دنوں میں اس کے دروازے خاص و عام پر کھلے رہتے تھے۔ ابراہیم رفعت پاشا کے بیان کے مطابق یہ تکیہ اپنی ذات میں ایک مکمل وحدت (Self-contained unit) تھا جس کے اندر کھانا پکانے کے لیے تنور اور مطبخ تعمیر کئے گئے تھے۔ یک وقت میں اس کے مائدہ پر ۸۰۰ فقراء اور مساکین کھانا کھاتے تھے۔ سعودی عمل دخل کے بعد اس کی رفاہی سرگرمیاں کافی حد تک پس منظر میں چلی گئیں کیونکہ اسے تکیہ کی نسبت سرکاری گیسٹ ہاؤس اور دیگر سرکاری کاموں کے لیے استعمال کیا جانے لگا تھا اور پھر جوں جوں مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی ہوتی گئی اسے مسمار کر کے اس کی جگہ دیگر عمارات نے لے لی۔

ایسا ہی ایک اور وقف ادارہ ''وقف داؤدیہ'' کے نام سے مشہور تھا جو کہ داؤد پاشا نے (جو کہ اس وقت گورنر مدینہ طیبہ تھے جب کہ سلطان عبدالمجید کے دور میں مسجد نبوی شریف تعمیر کی گئی تھی) تعمیر کروایا تھا۔ اس عظیم وقف عمارت کے مسمار کئے جانے کے بعد اوقاف حرم سے ملنے والی تعویض و رقوم سے محلہ باب تمار کے اس پار شارع سیدنا ابوبکر صدیق کے دائیں ہاتھ ایک وسیع و عریض علاقے پر کثیر المنزل وقف عمارت تعمیر کر دی گئی ہے جو کہ مدینہ جدید کی چند عظیم الشان عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی پہلی منزل تجارتی مقاصد مثلاً دکانوں اور تجارتی مراکز اور شوروم وغیرہ کے لیے مختص ہے جب کہ اوپر کی منازل کمپنیوں کے دفاتر وغیرہ کے لیے مخصوص ہیں۔ رہائشی مقاصد کے لیے اپارٹمنٹس کی ان گنت تعداد اس کے علاوہ ہے۔ وزارت حج و اوقاف کے زیر انصرام یہ عمارت پچھلے تین سال سے اکثر و بیشتر خالی نظر آتی ہے جب کہ کسی صدقہ اور رباط میں سکن کے مستحق زائر سڑکوں پر آسمان کے سائے تلے سو رہے ہوتے ہیں۔

مدرسہ محمودیہ جو ۱۸۲۱ء میں قائم ہوا اب توسیع مسجد نبوی شریف میں شامل ہے

ایسے اوقاف کے ضمن میں ہم ایک ایسے ادارے کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جسے ایک پاکستانی حاجی عبدالغنی داد نے بیسویں صدی کے وسط میں یتیم خانہ کے طور پر بنوا کر وقف کیا تھا۔ یہ مشہور یتیم خانہ ''دار الایتام الاسلامیہ'' کہلاتا تھا اور مدینہ طیبہ کے سب سے بڑے یتیم خانوں میں شمار ہوتا تھا جو کہ یتیم بچوں کو نہ صرف قیام و طعام کی سہولت بہم پہنچاتا تھا بلکہ اس کے ساتھ ایک پیشہ ورانہ مدرسہ بھی ملحق تھا جہاں ان یتیموں کو دینی تعلیم کے علاوہ جدید بنیادوں پر مختلف پیشوں کی تعلیم و ٹریننگ بھی دی جاتی تھی تاکہ جوان ہو کر وہ معاشرہ کے کارآمد اور فعال رکن بن سکیں۔ یہاں انگریزی کی تعلیم کا بندوبست بھی تھا۔ (۲۱)

مکتب و مسجد الرستمیہ قبل از انہدام

مصری سلطان اشرف قیتبائی کے قائم کئے ہوئے اوقاف

مسجد نبوی شریف اور حجرہ مطہرہ کی تعمیر کے بعد جب سلطان اشرف قیتبائی حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے اپنی تمام تر توجہ دیار شہر حبیب کی فلاح و بہبود پر مرتکز کر دی۔ انہوں نے مسجد نبوی شریف کے گردونواح میں واقع بہت سی جائیداد اور اراضی خرید کر وہاں خیراتی اور وقف ادارے قائم کئے جن میں رباطیں، مدارس اور دیگر خیراتی ادارے شامل تھے تاکہ غریب الدیار مفلس اور نادار زائرین اور حجاج کرام کو قیام و طعام کی مفت سہولتیں میسر ہو سکیں۔ وہ پہلے حکمران تھے جنہوں نے محض طعام و قیام کے علاوہ مدینہ طیبہ کے دیگر باسیوں کے لیے بہت سے دوسرے سماجی ادارے بھی بنائے جن میں مدینہ طیبہ میں عامۃ الناس کے لیے ایک پبلک حمام کا قیام بھی شامل تھا جو کہ اپنی نوعیت کا پہلا حمام تھا جو اس ارض مقدس پر بنایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مدینہ طیبہ میں آٹا پیسنے کی چکیاں لگوائیں جس پر اس وقت ۶۰،۰۰۰ دینار صرف ہوئے تھے اور ان تمام کی آمدنی خیراتی کاموں کے لیے وقف کر دی گئی۔ اس کے علاوہ انہوں نے مصر میں بہت بڑے بڑے زرعی اراضی کے وقف قائم کئے جن سے حاصل ہونے والی آمدنی شہر نبوی شریف پر تصدق تھی جن سے سلطان قیتبائی کے قائم کردہ وقف اداروں کو فنڈز مہیا کئے جاتے تھے۔ ان سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی بھی ایسے بہت سے بڑے بڑے گاؤں حرم نبوی شریف کے لیے وقف کر چکے تھے۔ عثمانی اس معاملے میں ایک قدم اور آگے بڑھ گئے اور انہوں نے بلاد مصر سے حاصل ہونے والے تمام خراج و ریونیوز کے پانچویں حصے کو حرمین الشریفین کے لیے وقف کر دیا۔ یوں دریائے نیل کے کنارے واقع بہت سے گاؤں اور زرعی اراضی حرمین الشریفین کے لیے تصدق اور مختص ہو گئے تھے۔ ان سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی جن میں اناج اور غلہ بھی شامل ہوتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ چندہ کی رقوم بھی شامل ہوتی تھیں مدینہ طیبہ روانہ کر دی جاتی تھیں۔ سلطان قیتبائی نے دینی علوم کی مختلف اصناف پر مشتمل ہزاروں کتابوں کا مجموعہ مدینہ طیبہ روانہ کیا تھا جو صدیوں تک مدرسہ اشرفیہ کی لائبریری سے استفادہ کرنے والے ہزاروں طلبائے حق اور علم کے متلاشیوں کی پیاس بجھاتا رہا۔ بعد میں مدرسہ اشرفیہ کی تعمیر نو اور توسیع کر کے ترک سلطان محمود نے اسے مدرسہ محمودیہ میں ضم کر دیا۔ اس سے مصر کے مملوک سلاطین کی مدینہ طیبہ سے وابستگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مکتب و مسجد الرستمیہ

ترکوں کے بنائے ہوئے وقف اور رفاہی ادارے

جب ترکوں نے بلاد الحجاز کا انتظام و انصرام سنبھالا تو انہوں نے اہالیان مدینہ طیبہ کی فلاح و بہبود پر بہت توجہ دی۔ فلاحی اداروں کے علاوہ انہوں نے نقد رقوم بھی ارسال کرنی شروع کر دیں۔ ترک سلاطین کی شہر حبیب سے

دارالایتام اسلامیہ ۔۱۹۸۰

محبت کا اندازہ سلطان محمد الفاتح کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے جو کہ انہوں نے قسطنطنیہ (موجودہ نام استنبول) فتح کرتے اور اس شہر میں داخل ہوتے وقت کہے تھے: ''میں آج سے قیصر ان روم کے پورے شہر کو رسول اللہ ﷺ کے شہر حبیب پر تصدق کرنے کا اعلان کرتا ہوں'' (۲۳) یوں استنبول میں واقع ہزاروں تجارتی مراکز سے حاصل ہونے والی آمدنی صدیوں تک شہر حبیب کے باسیوں کے قدموں میں نچھاور کی جاتی رہی۔ ان کے علاوہ ان کے جانشینوں نے شہر مصطفی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام میں خیراتی ادارے اور اوقاف قائم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شیخ جعفر البرزنجی نے اس بات کا خصوصی تذکرہ کیا ہے کہ بوسنیا اور ریاست ہائے بلقان کی فتح کے وقت وہاں سے حاصل ہونے والے ہیرے جواہرات انہوں نے بدیتاً حجرہ مطہرہ کی نذر کر دیئے تھے۔ سلطان کے علاوہ عثمانی حکومت کے دیگر اہل کار بھی ان معاملوں میں پیچھے نہ رہتے تھے اور یوں مدینہ طیبہ میں جا بجا وقف عمارتیں اور رباطیں نظر آنے لگی تھیں۔ وقف داؤد یہ صرف ایک مثال ہے جس کو ترک گورنر داؤد پاشا نے قائم کیا تھا جہاں یہ وقف قائم کیا گیا وہ تمام محلہ اسی داؤدیہ کے نام سے شہرت پا گیا تھا۔

ایسے ادارے صرف سلاطین اسلام یا حکومت وقت کے کارندوں کے مرہون منت نہ تھے۔ بلکہ علماء و فضلاء حتی کہ خدام حجرہ نبویہ مبارکہ 'اغوات کرام' بھی اس کار خیر سے پیچھے نہ رہے تھے۔ ایسا ہی ایک وقف مدینہ طیبہ کے شہرہ آفاق مورخ امام سمہودی کا بھی تھا جنہوں نے اپنا گھر حرم مدنی پر تصدق کر دیا تھا جو کہ پہلی سعودی توسیع تک وقف دار سمہودی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ یہاں ہم ایک اور بات قارئین کی توجہ میں لانا چاہیں گے کہ مسجد نبوی شریف کی غربی جانب قدیم سوق النبی یعنی المناخہ کا علاقہ تھا۔ یہ کھلا میدان ہوا کرتا تھا اور 'برالمناخہ' کہلاتا تھا جہاں مواسم حج میں اذن عام ہوا کرتا تھا کہ جو حاجی بھی چاہے وہاں اپنا خیمہ نصب کر سکتا تھا اور وہ لوگ جن کو کسی سرائے یا رباط میں جگہ نہ مل سکی ہوتی وہ وہاں اپنا خیمہ نصب کر کے رہ لیتا تھا۔

خیراتی اور تعلیمی ادارے

گیارھویں صدی ہجری میں مدینہ طیبہ میں موجود دینی و تعلیمی اداروں کے متعلق مشہور ترک سیاح اولیا چلپی (وفات ۱۰۹۰ ہجری) رقمطراز ہیں: ''باب الرحمہ کے باہر مدرسہ سلطان سیف الدین ہے جو کہ ۸۲۴ ہجری میں سلطان سیف الدین خوش قدم اور اس کی ملکہ کی مساعی جمیلہ سے بنایا گیا تھا۔ اس سے متصل سلطان قیتبائی کا مدرسہ ہے۔ دوسری جانب باب جبریل کے سامنے ایک مدرسہ ہے جسے سوقوللی محمد پاشا نے جو کہ سلطان سلیمان القانونی کے مشیر تھے قائم کیا تھا۔ باب اسلام کے سامنے سلطان محمود سوئم کا قائم کیا ہوا ایک بہت بڑا وقف ادارہ ہے۔ سب
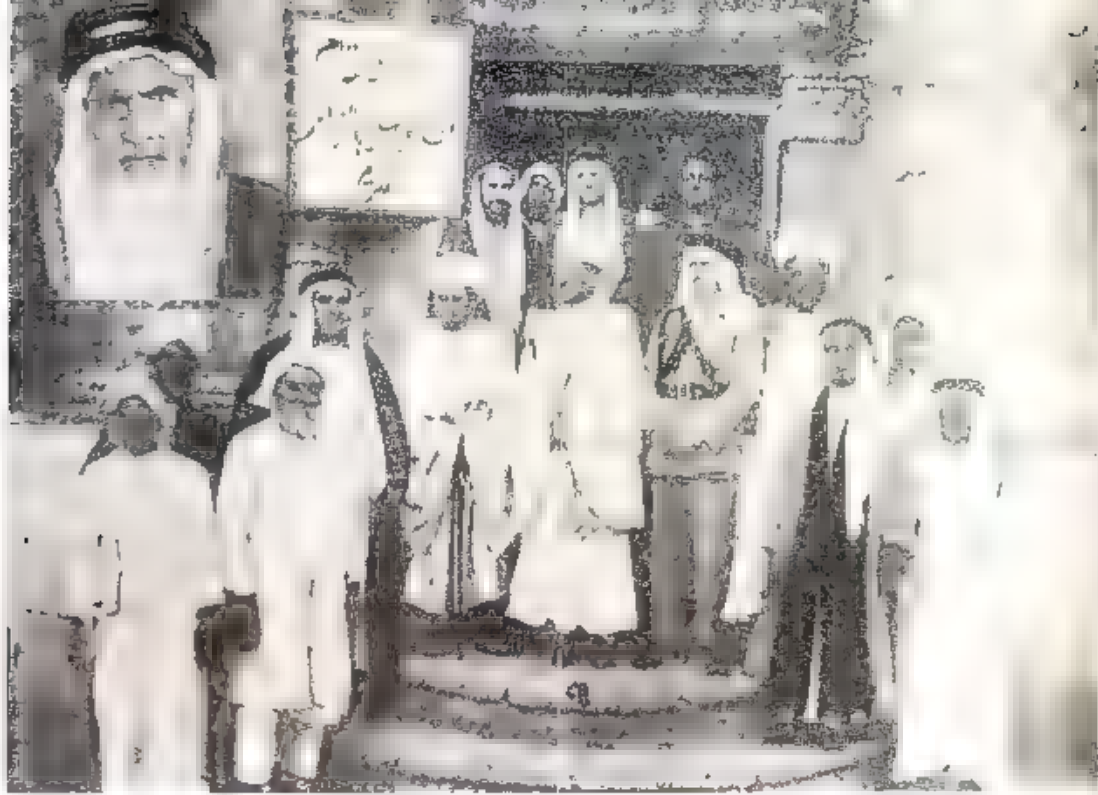
دور ایتام اسلامیہ کے طالب علموں کی ایک یادگار تصویر

کو ملا کر اس وقت مدینہ طیبہ میں ۸ مدرسے ہیں۔'' (۲۴) اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ۲۰ کتاب تھے (جن کو بعد میں لغت عام میں کتاتیب کہا جانے لگا تھا اور یہ بچوں کی تعلیم کے لیے مختص تھے)، سات دار القراء (مدارس القرآن کے مدرسے) اور سات دار الحدیث تھے۔ سات سرائیں تھیں جہاں مفلس و غریب الدیار زائرین کے قیام و طعام کا بندوبست تھا۔ ان تمام اداروں کو چلانے کے لیے بڑے بڑے وقف موجود تھے۔ یہ تمام مدرسے اور تعلیمی ادارے ''صرہ'' کے ذریعے موصول ہونے والی رقوم سے پورے کیے جاتے تھے۔ صرہ ان رقوم کے مجموعے کو کہا جاتا تھا جو کہ عثمانی سلاطین مقررہ وقفوں کے بعد سادات و نقیبوں پر ارسال کیا کرتے تھے جن میں زر نقد کے علاوہ اجناس اور دیگر سامان خورد و نوش بھی ہوا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ایسے بہت سے مقامات تھے جہاں صبح و شام غریب الدیار لوگوں میں مفت لنگر بٹا کرتا تھا۔ (۲۵)

سرائیں و بیشتر رباطیں مفت دینی تعلیم کا بندوبست بھی کرتی تھیں جن کے لیے مختلف مدرسوں سے الحاق کیا جاتا تھا جہاں علوم القرآن کریم، علم حدیث اور علوم الفقہ کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ ان مدارس میں چند کے نام یہ ہیں:

(۱) مدرسہ بشیریہ (جو کہ دار مروان میں قائم تھا) (۲) مدرسہ کشمیریہ

(۳) مدرسہ رستمیہ (۴) مدرسہ وزیر علم الدین

(۵) مدرسہ حسن آغا (۶) مدرسہ جمیلہ

(۷) مدرسہ الشفاء (۸) مدرسہ الاحسانیہ

(۹) مدرسہ ثورۃ قندی

(۱۰) مدرسہ العلوم الشرعیہ (جسے شیخ احمد فیض آبادی نے مسجد نبوی شریف کے سامنے شمال مشرقی کونے کے قریب قائم کیا تھا)

(۱۱) حسین احمد مدنی کا قائم کیا ہوا مدرسہ

مدرسہ العلوم الشرعیہ سے بہت سے معاصر علمائے کرام نے تحصیل علم کی ہے۔ سعودی دور میں شیخ احمد فیض آبادی اور حسین احمد مدنی نے تعلیم کے میدان میں بہت کوشش کی تھی۔ دینی تعلیم کے انتظام کے علاوہ حسین احمد مدنی نے عام مدنی کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے انتھک کوششیں کیں اور مدینہ طیبہ کے مضافات میں زرعی فارم بھی قائم کیے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو سوگ میں بہت سے معاصر شعراء نے ان پر مرثیے لکھے تھے۔
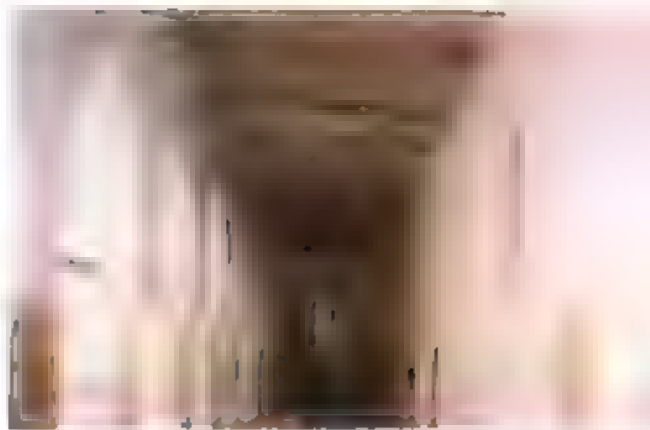
مدینہ طیبہ میں سب سے پہلا پرائمری سکول رشدی بیگ والی حجاز کے نام پر "مدرسۃ الرشیدیہ" ترک دور کا سب سے پہلا جدید مدرسہ تھا اس سے پہلے جتنے مدرس تھے وہ درس نظامی کے نصاب کی بنیادوں پر چلائے جاتے تھے اور خیراتی اداروں کے مرہون منت تھے۔ بعد میں اسی مدرسے کو مڈل سکول کا درجہ دے دیا گیا۔ ترکوں کے آخری ایام تک صرف چار مڈل سکول تھے اور تین پرائمری سکول۔ رات کے وقت تعلیم بالغاں کے دو مدرسے بھی ہوا کرتے تھے تعلیم کے میدان میں سب سے زیادہ پیش رفت اس وقت ہوئی جب ترکوں نے ۱۳۱۸ ہجری میں پہلے ثانوی سکول کا افتتاح کیا یہ سکول باب مجیدی کے باہر واقع تھا اور سعود دور میں اس کا نام بدل کر "مدرسہ ناصریہ" رکھ دیا گیا تھا اور جب پہلی توسیع عمل میں آئی تو اس مدرسے کی عمارت ۱۳۷۲ ہجری میں مسجد نبوی شریف میں آ گئی۔ سب سے پہلا کالج جو ارض طیبہ پر قائم ہوا وہ "کلیۃ صلاح الدین الایوبی" تھا جس میں سکولوں کے فارغ التحصیل طلبہ داخل کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ۱۳۲۷ ہجری میں "دار المعلمین" کے نام سے اساتذہ کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ لساحہ کے علاقے میں کھولا گیا ترغیب دینے کے لیے اس کے طلباء کو تین مجیدی اشرفیوں کا ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا

رباط مظہر فاروقی کا اندرونی منظر

اپنی حکومت کے آخری دنوں میں ترکوں کا ارادہ تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس کے لیے وسیع بنیادوں پر منصوبہ بندی کی جا رہی تھی اس سلسلے میں امت اسلامیہ سے بھرپور امداد کی اپیل کی گئی تھی۔ پہلی جنگ عظیم کی تباہکاریوں کے باوجود ترکوں نے اس منصوبے پر کام جاری رکھا یونیورسٹی کے لیے جگہ کا انتخاب کر کے اس پر عمارت زیر تعمیر تھی کہ جب ہاشمیوں نے بغاوت کر کے ترکوں کی بساط الٹ دی۔ درحجاز میں شریف حسین نے مملکت ہاشمیہ کی بنیاد ڈال دی۔ یوں یونیورسٹی کی تعمیر کا کام جہاں تھا وہیں رک گیا تقریباً دو دہائیوں تک وہ خالی عمارت ایسے لگتی تھی جیسے کوئی بھوت بنگلہ ہو تاہم جب سعودی حکومت نے اپنے پاؤں جما لیے تو انہوں نے اس کام کو دوبارہ شروع کیا اور اسی مقام پر مدینہ طیبہ کا پہلا مدرسہ قائم ہوا جو جدید خطوط پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اسے "مدرسہ طیبہ" کہا جاتا تھا۔ (ماخوذ از یاسین احمد یاسین اخیاری، صور من الحیاۃ الاجتماعیہ بالمدینۃ المنورہ، دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۵، صفحات ۱۷۷-۸۲)

مدینہ طیبہ میں پہلے ثانوی بورڈ (معہد الثانوی) کا قیام ۱۳۸۱ ہجری میں عمل میں آیا اور معہد المتوسط ۱۳۸۶ ہجری میں بنا۔ جامعہ اسلامیہ کی تاسیس ۲۵/۳/۱۳۸۱ ہجری میں عمل میں آئی۔ وادی العقیق کی پرکیف فضا میں اس کا کیمپس تعمیر ہوا اس کے ساتھ مندرجہ ذیل کالج منسلک کیے گئے تھے

شریعت کالج (کلیۃ الشریعہ) ۱۳۸۱ میں قائم کیا گیا جس میں مدرسہ علوم الشرعیہ بھی ضم کر دیا گیا تھا

"کلیہ الدعوۃ واصول الدین" ۱۳۸۶ ہجری میں قائم ہوا

کلیہ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیہ ۱۳۹۴ ہجری میں قائم ہوا۔

کلیہ اللغۃ العربیہ کی بنیاد ۱۳۹۵ ہجری میں رکھی گئی

کلیہ الحدیث الشریف والدراسات الاسلامیہ ۱۳۹۶ ہجری میں قائم ہوا (اس سے پہلے ۱۳۵۰ ہجری میں دار الحدیث کا قیام عمل میں آ چکا تھا)۔
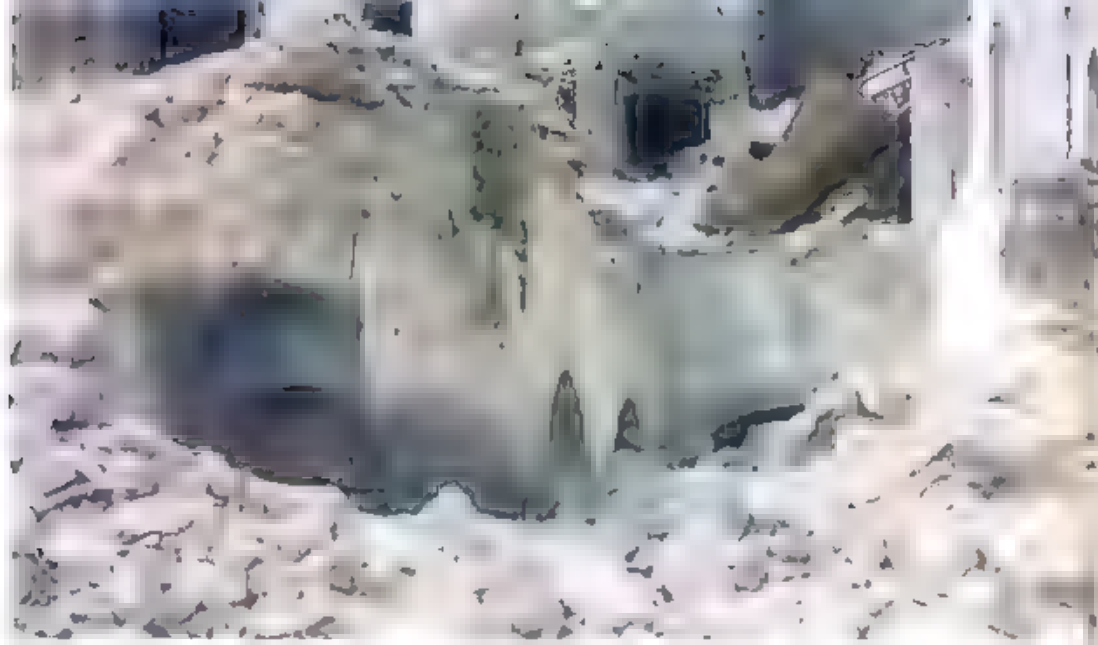
مدرسہ حسین آغا توسیع مسجد نبوی شریف میں آ جانے کی وجہ سے گرایا جا رہا ہے

ماضی میں مدینہ طیبہ میں صوفیانہ خانقاہیں اور زاویے

روز اول سے ہی مدینہ طیبہ اسلامی علوم کا گہوارہ رہا ہے علوم دین خواہ وہ تفسیر قرآن کریم ہو، یا علم احادیث، فقہی گتھیوں کو سلجھانے کا معاملہ ہو یا تصوف و عرفان کے اسرار و رموز۔ ان تمام اصناف علوم میں شہر حبیب نے مینارہ نور کا کردار ادا کیا ہے چار دانگ عالم سے ان علوم کے متلاشی نہ صرف اپنے آقا و مولا شاہ بطحاء و تاج دار کائنات ﷺ کے دربار اقدس میں حاضری دینے بلکہ اپنے اپنے اختصاص میں اپنے افکار و فہم کو مزید جلا دینے کے لیے شہر مصطفوی کا رخ کرتے اور اپنے اپنے ظرف اور سعی کے مطابق اپنی پیاس بجھا کر چلے جاتے تھے۔ یہ مقدس شہر نہ صرف علماء کرام کی پیاس بجھاتا بلکہ ریاضت و مجاہدے کے میدان کے کھلاڑی، پیران طریقت اور معرفت و عرفان کے متوالے اپنا نفس گم کیے ہوئے طیبہ کی گلیوں میں سرگرداں رہتے تھے۔ اس کے علم و عرفان اور روحانی منبعوں اور سوتوں سے سیراب ہونے والوں میں جنید و بایزید، احمد الرفاعی اور سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی بھی شامل ہیں

آج کل مروجہ مکتب فکر کے آہنی ہاتھوں نے اگرچہ بادی النظر میں تصوف و اہل تصوف کو کافی حد تک پس منظر میں دھکیل دیا ہے، مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ تصوف کا ہر رستہ اور ہر طریقہ (سلسلہ) صرف اور صرف مدینہ طیبہ کے قلب میں واقع مرکز نور و تجلیات ہی کی طرف جاتا ہے۔ ذکر و فکر کی ہر محفل ذکر حبیب ﷺ سے شروع ہوتی ہے، فضائل مدینہ طیبہ پر جا کر ختم ہو جاتی ہے ہر ملک اور ہر کمیونٹی، ہر رنگ نسل اور ہر زبان وحدت مدینہ طیبہ میں گم ہو کر یک رنگ و یک زبان ہو جاتی ہے اور مدینہ طیبہ کی پرکیف فضاؤں میں صل علی نبینا اور صل علی محمد کے نغمے بکھیر دیتی ہے صوفیانہ طریقت کے کتنے ہی متوالے مدینہ طیبہ کی گلیوں میں آج بھی نفس گم کیے سرگرداں نظر آتے ہیں جہاں سے کتنے جنید و بایزید، کتنے شبلی و غزالی، کتنے رکن عالم اور معین الدین، کتنے ہجویری اور فرید الدین، کتنے سہروردی، نقشبندی، کتنے شاذلی و رفاعی اور نہ جانے کون کون سے بانیان طریقہ ہائے تصوف اپنے سر نیاز و تسلیم خم کیے چلا کرتے تھے ہر سو کو بکو کتنے مستانے آج بھی اس آستانہ اقدس پر سربگریباں بیٹھے عالم استغراق میں عرفان کے جام پر جام پی جاتے ہیں، در پس بیٹھوں کو خبر تک نہیں ہوتی جا بجا متوالوں کے جھرمٹ صلوۃ و سلام کی سوغات لیے گنبد خضریٰ کے سائے میں دربار رسالت مآب ﷺ میں زبان حال اور زبان قال سے گلہائے عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں جذب و شوق کا اظہار جب حضرت حسان بن ثابتؓ، امام بوصیریؒ اور جامیؒ و رومیؒ کی زبان میں ہو تو کون پرواہ کرتا ہے بھیڑ بھاڑ کی؟ تصوف تو ہے ہی اپنے محبوب کے لیے جبر سہہ جانے کا نام اور ہر سرزنش پر اپنے لب سی لینے کا نام! سبز گنبد پر ٹکا ہیں گاڑے ہر آنکھ پرنم اور ہر لب سسکیاں لیتا نظر آتا ہے کون کہتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں ذکر و فکر، مجاہدے، و مشاہدے نہیں ہوتے؟

اگرچہ آج لفظ تصوف پر بہت سی بھنویں چڑھ جاتی ہیں اور بہت سے چہرے چیں بجبیں ہو جاتے ہیں، مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ

مدرسہ حسین آغا کا تفصیلی نقشہ

فردوسِ مدینہ ﷺ کی مبارک وادیاں

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے

اب تو لوگ یہاں آباد ہو چکے ہیں

(۹) القرآن الکریم (آلِ عمران ۲۰۰)

(۱۰) جمال المطری (ت ۷۴۱ ہجری)، التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ (۱۴۰۲ ہجری)، ص ۳۵

(۱۱) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج ۹، ص ۳۱۳

(۱۲) ڈاکٹر سلیمان عبدالغنی مالکی، بلد الحجاز، ص ۱۵۶

(۱۳) عبدالقدوس الانصاری، ص ۵۰

(۱۴) محمد لبیب البتنونی، الرحلۃ الحجازیہ، دار الآفاق العربیہ، قاہرہ، ص ۳۲۰

(۱۵) ڈاکٹر سلیمان عبدالغنی مالکی، مصدر مذکور، ص ۱۵۸

(۱۶) المطری، ص ۳۶

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً، ص ۵۷

(۱۹) صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، صفحات ۲۱۵-۲۱۷

(۲۰) اصلی رباط بھوپال محلہ مجیدیہ میں قدیم شہر میں واقع ہوا کرتی تھی جسے مسجد نبوی شریف کے توسیعی منصوبے کے لیے مسمار کر دیا گیا تھا، اس کی جگہ اس کے عوض حاصل ہونے والی رقوم سے تین مختلف عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں جن میں سے دو تو شاہرہ ستین پر واقع ہیں۔ نئی عمارتیں بھی وقف عمارتیں ہیں، درجن اور زائرین کو کرائے پر دی جاتی ہیں۔

(۲۱) ہاشم دفتر دار، ذکریات طیبہ، پہلا ایڈیشن، ۹۵، ص ۲۰۰

(۲۲) ڈاکٹر محمد سعد وکیل، المسجد النبوی عبر التاریخ، پہلا ایڈیشن، دار المجتمع، جدہ، ۱۹۸۸ء، ص ۴۸

(۲۳) سید مناظر احسن گیلانی، دربارِ نبوت کی حاضری (۱۹۲۷ء میں ان کے سفر حرمین الشریفین کا حال)، الفرقان بک ڈپو، لکھنؤ، ہند، ۱۹۸۹ء، ص ۲۳

(۲۴) اولیا چلبی (ولادت ۱۰۲۰ ہجری)، سیاحت نامہ، عربی ترجمہ بعنوان الرحلۃ الحجازیہ، ص ۱۲۸

(۲۵) ماخوذ از اولیا چلبی، مصدر مذکور، صفحات ۱۳۷-۴۰

(۲۶) سید مناظر احسن گیلانی، مصدر مذکور، ص ۲۳

(۲۷) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینۃ المنورۃ فی ۸۸۵، ناشر حمد الجاسر۔ جو کہ "رسائل فی تاریخ المدینۃ" کے جزو کے طور پر شائع ہوا تھا

مدینہ منورہ کے قریب سے وادی عقیق کی تصویر

بھائی سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ بہر حال ذیل میں ہم چند مشہور وادیوں سے متعلق تفصیل پیش کریں گے۔

وادی العقیق

ارض مقدس کی سب سے طویل اور عریض وادی، وادی عقیق ہے جیسا کہ بعض احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے یہ ارض مقدس کی سب سے مبارک وادی ہے اور جنت کی وادیوں میں سے ایک ہے حضرت عمر فاروق ؓ سے مروی ہے [وادی العقیق میں قیام کے دوران میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا "آج رات میرے اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور مجھے اس مبارک وادی میں نماز ادا کرنے کا کہا اور حج و عمرہ کا اکٹھا احرام باندھنے کا کہا"(۱) اور دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ سے رات کے پچھلے پہر جب کہ آپ حضور ﷺ ذو الحلیفہ میں محو استراحت تھے ایک رویائے صادقہ دیکھا جس میں آپ حضور ﷺ سے کہا گیا کہ [آپ اس وقت بہت ہی مبارک بطحاء (وادی کا بالائی حصہ) میں ہیں (۱۷)] ذوالحلیفہ وادی العقیق کے بطن میں واقع ہے جو کہ بقعہ برکات و فضائل ہے (۱۸)

یہ وادی مدینہ طیبہ سے تقریباً ۲۰۰ کیلومیٹر دور حرہ بنی سلیم سے شروع ہوتی ہے اور مدینہ طیبہ کے مغرب سے حرہ او برہ کے اس پار سے گزرتی ہے جبل عیر کے مغربی کونے کے پاس سے بل کھاتی ہوئی یہ وادی گزر کر ارض مقدس میں داخل ہو جاتی ہے اس مقام اور نقطہ پر چونکہ عمرانی آبادکاری کا عمل تا حال نہیں ہو سکا یہاں یہ مبارک وادی بہت ہی حسین مناظر پیش کرتی ہے اور اگر کہیں شدید بارانی موسم میں یہ وادی طغیانی سے بھر پور ہو کر چل پڑے تو مختلف پہاڑیوں کے درمیان سے اپنا راستہ بناتی ہوئی کبھی کبھی تو آپے سے باہر ہو جاتی ہے کہ دیکھنے والے کا اس کے قدرتی حسن سے حظ اٹھانے کی بجائے دل دہلنے لگ جاتا ہے قدیم روایات میں ہے کہ جب یمنی بادشاہ تبع یثرب پر چڑھائی کی غرض سے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا تو اس نے اس عظیم وادی کو دیکھا جو دو پتھریلے اور سنگلاخ علاقوں کو چیر کر گزرتی تھی جس پر اس نے اسے 'العقیق' کہا جس کا مطلب 'چیر کر علیحدہ کرنے والا' ہے ایک دوسری تھیوری جو اس کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی زمین اور سنگلاخ علاقے سرخ اور سرخی مائل بھورے رنگ کے ہیں جس کی کچھ مشابہت عقیق کے پتھر سے ہے چونکہ عقیق بلادالعرب میں بہت مقبول پتھر رہا ہے اس لیے اس علاقے کو العقیق کہا جانے لگا تھا۔ حالانکہ ارضیاتی ساخت کے اعتبار سے اس تھیوری کی کوئی بنیاد نہیں تاہم اس بات میں صداقت ضرور ہے کہ اس کے گردونواح میں سرخ رنگ کے پہاڑ ہیں جن میں سے تین پہاڑیوں سے جن کو جماء ام خالد کہا جاتا ہے سرخ رنگ کا سینڈ سٹون (ریتلا نرم پتھر) حاصل ہوتا تھا جس سے سلطان عبدالمجید کے دور میں ۱۲۶۷ ہجری میں مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو ہوئی تھی۔ وجہ تسمیہ خواہ کچھ بھی ہو زمانہ قبل از اسلام سے یہ وادی، وادی العقیق ہی کہلاتی رہی ہے۔

جغرافیائی طور پر اس مبارک وادی کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے العقیق الاصغر، العقیق الکبیر اور العقیق الاکبر بیر ارومہ (سیدنا عثمان ؓ کا کنواں) وادی العقیق الاصغر میں واقع ہے جب کہ بیر حضرت عروہ بن زبیر ؓ وادی العقیق الکبیر میں پڑتا ہے ابیار علی کرم اللہ وجہہ (یا آبار علی) وادی العقیق الاکبر میں واقع ہیں۔ وادی العقیق الاکبر مدینہ طیبہ کے قریب سب سے زیادہ مشہور ہے یہ وادی اتنی وسیع و عریض ہے کہ اس نے اپنے دامن برکات میں بڑے بڑے میدانوں کو بھی سمویا ہے، جیسا کہ البیداء کا میدان ہے جہاں مدینہ طیبہ کا ٹیلی ویژن سٹیشن اور بجلی کی تولید و ترسیل کا نظام نصب کیا گیا ہے۔ اس حصے کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وادی العقیق الاکبر کے آنگن میں آبار علی کرم اللہ وجہہ کا میدان ہے جہاں وہ مبارک میقات واقع ہے جہاں پر رسول اللہ ﷺ نے حج اور عمرے کے لیے احرام زیب تن فرمایا تھا۔ اس علاقے میں رہائشی آبادیاں بھی
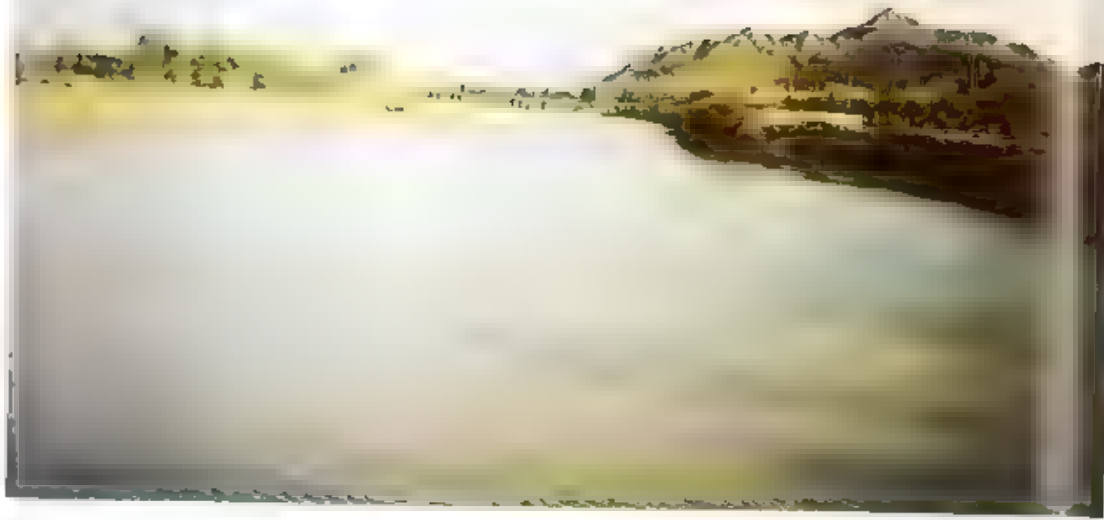
بارشوں کی زیادتی سے طغیانی کی وجہ سے حد نگاہ تک وادی عقیق میں پانی ہی پانی نظر آتا ہے

تصویر ... حافظ ...

بن گئی ہیں مدینہ طیبہ کے قریب ہی اس وادی میں دو بہت مشہور میدانی علاقے آتے ہیں جن کو 'العرصتین' کہا جاتا ہے بڑا میدانی علاقہ عرصہ الکبری کہلاتا ہے جو کہ جماوات کی پہاڑیوں کے دامن سے شروع ہو کر سعید بن العاص کے محلات کے کھنڈرات تک پھیلا ہوا ہے ان دنوں اس جگہ شاہی محل (قصر الصیافہ) بن چکا ہے۔ دوسرا میدان قدرے چھوٹا ہے اور العرصہ الصغری کہلاتا ہے جس میں آج کل مدینہ طیبہ کی اسلامی یونیورسٹی (الجامعۃ الاسلامیہ)، شیرٹون ہوٹل، شاہ فہد کا مرکزی ہسپتال، مدینۃ الحجاج، اور کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی واقع ہیں

ان میں سب سے بڑا میدان 'البیداء' کا تاریخی میدان ہے جس کے ساتھ تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات جڑے ہوئے ہیں آج کل دیگر مقامات کے علاوہ یہاں پر مدینہ طیبہ کا ٹیلی ویژن سٹیشن قائم ہے۔ وہ مشہور واقعہ جس میں ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ کا ہار گم ہو گیا تھا اسی میدان کے اس حصے میں ہوا تھا جسے ذات الجیش کہا جاتا ہے جب کہ ایک غزوے سے واپسی پر لشکر اسلام میر امم اور سردار رسل مقبول ﷺ کی سرکردگی میں ایک رات کے لیے وہاں خیمہ زن ہوا تھا چونکہ یہاں جیش اسلام نے پڑاؤ کیا تھا اس لیے اس حصے کو ذات الجیش کہا جانے لگا تھا جو کہ میدان البیداء کے وسط میں واقع ہے ان دنوں یہ غیر آباد اور خشک علاقہ ہوا کرتا تھا اور پانی بالکل نایاب تھا نہ وہاں کوئی کنواں تھا اور نہ ہی کوئی چشمہ۔ پڑاؤ کے دوران اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وضوء کے لیے پانی کی شدید قلت کا سامنا تھا فجر کا وقت نکلا جا رہا تھا اور لوگ ادھر ادھر پانی کی تلاش بسیار کے بعد ناامید ہو چکے تھے ہار گم ہو جانے کی وجہ سے فرزندان توحید کا یہ قافلہ نہ جانے ماندن نہ پائے رفتن کے مخمصے میں تھا رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ کی گود میں رکھے محو استراحت تھے یہی وہ مقام اور موقع تھا کہ وحی مبارک کا نزول ہوا کہ اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر لیا جائے (القرآن الکریم، المائدہ ۶۔۵)(۲۰) یہ بات بھی محل نظر رہے کہ حدود حرم المدینۃ النبویہ اسی مقام ذات الجیش تک ہے اور یوں البیداء کا کچھ حصہ حرم مدنی شریف کا حصہ ہے مزید برآں حجۃ الوداع پر روانگی کے وقت ذوالحلیفہ پر احرام زیب تن فرمانے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ ۲۵ ذوالقعدہ کو اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں البیداء میں داخل ہوئے جہاں سے تلبیہ کہنا شروع کیا گیا اور اپنے ساتھ ہدی کے جو اونٹ لے کر روانہ ہوئے تھے ان کو اسی میدان میں حج پر قربانی دینے کے لیے ہار پہنائے گئے تھے (۲)

میدان البیداء کی اہمیت ایک اور وجہ سے بھی ہے کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ شام کی جانب سے ایک لشکر جرار مدینہ طیبہ پر حملہ کی غرض سے اس پر چڑھائی کے لیے نہیں آئے گا یہ لشکر شامی جانب سے وارد ہو گا اور جب میدان البیداء میں پہنچے گا تو اللہ رب العزت جل جلالہ مسلمانوں پر اپنی کمال مہربانی سے اس لشکر عدو کو اسی میدان البیداء میں غرق کر دیں گے۔ اس ضمن میں بہت سی احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں (ابن شبہ، جلد اول صفحات ۲۰۹-۱۰) دیگر باتوں

وادی عقیق میں بکھرے
قدیم کھنڈرات
۲۰۰۰
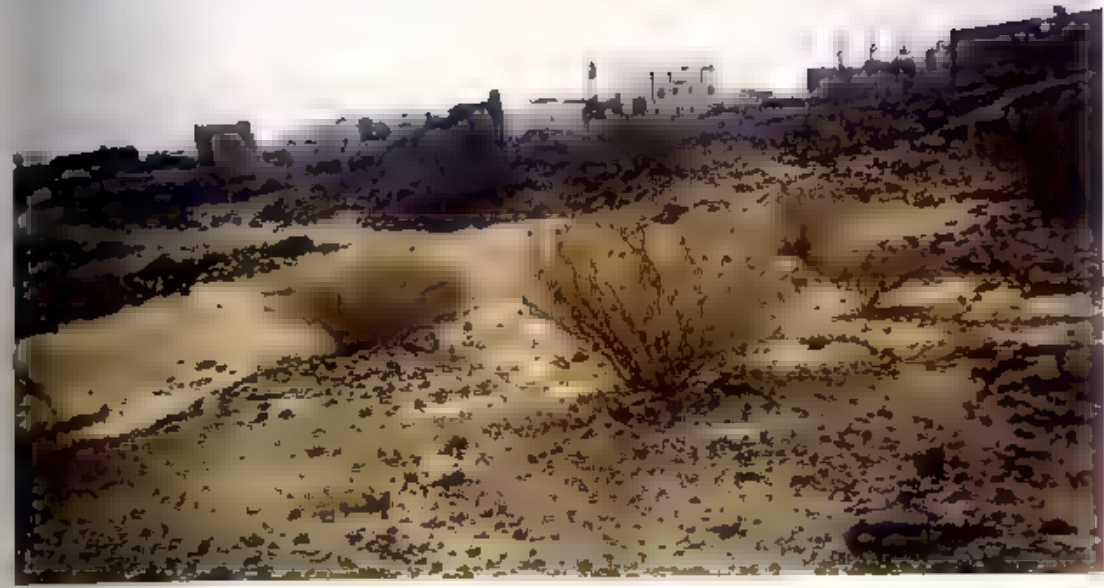
کے علاوہ حدیث مبارکہ میں اس بات کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ لشکر مدوے غرق ہونے کا واقعہ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے رونما ہوگا۔ (صحیح مسلم، ج ۳ نمبر ۲۲۹، وراس الشرف نج اص ۲۰)

موجودہ دور میں شہر حبیب اور وادی العقیق سے اس پیار و تعلق و عقیدت کی وجہ سے ساتھ نسبت کرنے کے لیے اس پر پانچ مختلف مقامات پر بنا دیے گئے ہیں جو کہ وہاں سے گزرتے ہوئے شہر حبیب سے عقیدت میں آسانی پیدا کرتے ہیں مثلاً جامعہ اسلامیہ کا پل، شمالی محل کا پل، شاہراہ تبوک کا پل، عروہ بن زبیرؓ کا پل (جس سے گزر کر وہ تحقیقی جایا جاتا ہے)

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول خدا ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے باہر وادی عقیق کی طرف گئے آپ نے فرمایا [اے انس اس وادی کے پانی سے قضا بھرو ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں اور یہ ہم سے محبت رکھتی ہے] (جذب القلوب ص ۱۶۶)

حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے [میں شکار کیا کرتا تھا اور شکار سے حاصل ہونے والا گوشت حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا کرتا تھا ایک مرتبہ میں کافی دنوں تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری نہ دے سکا اور جب حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اس تاخیر کا سبب دریافت فرمایا "اے سلمہ کہاں رہے ہو؟" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان دنوں شکار کے لیے بہت دور تک جانا پڑتا ہے مجھے اس کی تلاش میں اس مقام تک جانا پڑتا ہے جہاں سے ثیب کے قریب سے وادی قناۃ کا آغاز ہوتا ہے۔ آپ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم العقیق میں شکار کرنے جاؤ تو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا اور میں وادی العقیق پر تمہیں الوداع کروں گا اور تمہاری واپسی تک میں وہیں تمنا کروں گا کیونکہ مجھے وادی العقیق سے بہت پیار ہے] (۲۲) اس حدیث مبارکہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس مبارک وادی سے کتنی محبت فرمایا کرتے تھے

وادی العقیق کے نواح میں واقع اراضی کے بہت سے قطعات کو رسول اللہ ﷺ نے اکثر مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم فرما دیا تھا حضرت سعید ابن زیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ میں سے ہر دو کے زرعی فارم وادی العقیق میں ذوالحلیفہ کے نزدیک واقع تھے (۲۳) اسمہودی نے ایسے بہت سے کنووں اور ندیوں کا ذکر کیا ہے جو کہ بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اراضی کو سیراب کرنے کے لیے مختص تھے جیسے کہ بیر عروہ بن زبیرؓ، حوش عمرو بن زبیرؓ اور خلیج حضرت نائلہؓ زوجہ محترمہ سیدنا عثمان بن عفانؓ وغیرہ خلیج نائلہؓ تو ایک کافی طویل ندی تھی جس سے سیدنا عثمان بن عفانؓ کی اراضی سیراب ہوا کرتی تھی (۲۴) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا انگوروں کا باغ بھی وادی عقیق میں ہوا کرتا تھا اس باغ کا انگور بہت ہی اعلیٰ قسم کا ہوا کرتا تھا جس سے انہیں کافی منافع ہوتا تھا، یہاں تک کہ عموماً اس سے ۲۰۰۰ دینار تک کی آمدنی ہو جایا کرتی تھی بعض روایات میں ہے کہ ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ ان کے انگوروں سے بعض

حضرت عروہ بن زبیرؓ
کے محل کے کھنڈرات
تصویر ۲۰۰۰ء

وجوہات شراب کشید کیا کرتے تھے اس بات کا انہیں اتنا صدمہ پہنچا کہ سود و زیاں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انہوں نے اپنے باغ سے انگوروں کی تمام بیلیں اکھاڑ کر جلا دیں اور اس باغ کو ویران کرا دیا

العقیق کی اراضی سے جو کہ ذوالحلیفہ کے قریب تھی ایک حصہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو بھی ملا تھا جنہوں نے وہاں اپنا زرعی فارم بنا لیا تھا سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی اس اراضی کو سیراب کرنے کے لیے اس کے مختلف علاقوں میں ۲۳ کنوئیں کھدوائے اور یوں یہ علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا، ہر طرف سبزہ لہراتا تھا اس کی پیداوار جو کہ زیادہ تر سبزیاں اور پھل ہوا کرتے تھے اہل مدینہ کو بیچے جاتے تھے یہ تیئیس کنوئیں نہ صرف شیر خدا سیدنا علیؓ کی اراضی کو سیراب کرتے تھے بلکہ اردگرد کے باسیوں کی آبی ضروریات کی تکمیل بھی کرتے تھے آہستہ آہستہ یہ کنوئیں اتنی شہرت پا گئے کہ یہ تمام علاقہ "آبار علیؓ" کے نام سے جانا جانے لگا جو کہ آج بھی ہے

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سے بہت سے کنوئیں سوکھ گئے اور کچھ معدوم ہو گئے ۹۸۲ ہجری میں مدینہ طیبہ کے اشراف (سادات خاندان کو حجاز میں اشراف کہا جاتا ہے) کے ایک فرد محمد بن سعد الحسینی نے اس وقت کے ایک وزیر محمد پاشا کے ایماء پر ان کنووں کی مرمت کروائی اور ان میں سے چند میں سطح آب تک رسائی کے لیے زینے بھی لگوا دیے آج بھی یہ علاقہ "آبار علی" کے نام سے ہی مشہور ہے۔ ان میں سے بہت سے کنوئیں تو وقت کی ستم ظریفی کی نذر ہو چکے ہیں جب کہ باقیوں میں سے بھی چند اور متروک الاستعمال ہیں، تاہم ان میں سے کچھ میں ابھی تک پانی موجود ہے اور پینے میں اپنی ایک خاص لذت رکھتا ہے۔ مدینہ طیبہ کی بلدیہ کے پانی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ان میں سے چند میں ٹیوب ویل نصب کروائے گئے تھے خوبصورت کھجوروں کے جھرمٹ میں یہ کنوئیں آج بھی اپنے حسن و جمال سے اردگرد کے ماحول کو پر کیف اور پرسرور بنا رہے ہیں یہ علاقہ ذوالحلیفہ سے زیادہ دور نہیں اور اگر زائر کے پاس وقت ہو تو پندرہ بیس منٹ کی پیدل مسافت پر ان کنووں کی زیارت کی جا سکتی ہے

آبار علی کے ان باغات کی موجودہ حیثیت پرائیویٹ پراپرٹی کی سی ہے کیونکہ ان باغات کا کچھ حصہ مرحوم منصور الفریدی نے خرید لیا تھا آج بھی بہت سے زائرین اس جگہ جا کر ان کنووں کے پانی سے فیضیاب ہوتے ہیں اور بعض حضرات تو اس کا پانی بھر کر دور دراز ساتھ لے جاتے ہیں اور علاقے کے لوگوں میں اس پانی سے شفاء حاصل ہو جانے کے بہت سے قصے بھی مشہور ہیں، تاہم ہم یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھیں گے کہ چونکہ بہت سے زائرین اس جانب کا رخ کرتے تھے جس سے مطوع حضرات چیں بجبیں ہوتے تھے لہذا انہوں نے (۲۰۰۱ء) میں اس پمپ جو کہ ایک بیر علی سے پانی لے کر باہر کی ٹونٹیوں سے آنے جانے والوں کے لیے پینے کا پانی مہیا کرتا تھا منقطع کر دیا ہے اور اس کی بجائے پیچھے سے اسے بلدیہ کے پانی کے ساتھ منسلک کر دیا گیا ہے، جس سے شیدایان علی کرم اللہ وجہہ اصلی ابیار علی کے پانی سے محروم کر دیے

وادی عقیق کا بارش کے بعد ایک خوبصورت منظر

گئے ہیں ابتہ اگر نماز کا وقت ہو تو اندر جا کر نماز کرنے کا ارادہ ہو تو باغ کے اندر چھوٹی سی مسجد میں وضوء کا پانی انہیں کنوؤں سے مہیا کیا جاتا ہے.

تاریخ مدینہ طیبہ کے ابتدائی چند سالوں میں ایک اور مشہور واقع بھی وادی العقیق سے جڑا ہوا ہے. رسول اللہ ﷺ نے وادی العقیق کی اراضی کا بہت سا حصہ حضرت بلال بن حارث المزنی ؓ کو عطا کر دیا تھا. اس عطا نامے کی نص کا ترجمہ درج ذیل ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس وثیقے کی رو سے محمد الرسول اللہ (ﷺ) بلال بن الحارث المزنی کو العقیق سے اراضی عنایت کرتے ہیں تاکہ وہ ان سے مستفید ہو سکیں

مہر محمد رسول اللہ (ﷺ)

تحریر کنندہ معاویہ بن ابو سفیان ؓ

چونکہ یہ زرعی اراضی دو مختلف وقتوں میں حضرت بلال بن الحارث ؓ کو عطا ہوئی تھی، اس لیے دوسرے حصے کے لیے ایک اور عطا نامہ تیار کیا گیا تھا جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشہل اور جزعہ کے علاقے بلال المزنی کو دیئے جاتے ہیں اس کے علاوہ المزعہ اور غیبہ کے علاقے بھی انہیں عنایت کیے جاتے ہیں. ان علاقوں میں جو بھی نشیب و فراز کی زمین ہے وہ سب انہیں کی ہوگی. اس علاقے میں واقع کانیں بھی ان کی ہوں گی بشرطیکہ ان کا قبیلہ اسلام پر کاربند رہے گا.

مہر محمد رسول اللہ (ﷺ)

تحریر کنندہ ابی بن کعب ؓ

وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ سیدنا عمر فاروق ؓ کی خلافت راشدہ کا دور آ گیا، مگر وہ تمام زمین ویسے کی ویسے ہی پڑی رہی اور حضرت بلال المزنی ؓ یا ان کے اہل خانہ اس سے خاطر خواہ مستفید نہ کر سکے. چنانچہ سیدنا عمر فاروق ؓ نے حکم دے دیا کہ چونکہ وہ لوگ اس زمین کو کاشت کر کے اس سے پیداوار حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے جو کہ قدرتی وسائل کے ضیاع کے مترادف ہے لہٰذا اس زمین کے کچھ حصے کا عطاء نامہ بحق سرکار ضبط کر لیا جائے. بنی مزنہ کا استدلال یہ تھا کہ وہ عطاء جو کہ رسول اللہ ﷺ نے کی ہو کسی کو اس کے چھیننے کا حق نہیں جب کہ خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق ؓ کا استدلال یہ تھا کہ یہ زمین محض نمائش کے لیے انہیں نہیں دی گئی تھی بلکہ اس کا مقصود یہ تھا کہ اس سے استفادہ کیا

قلعہ عروہ بن زبیر بن عوام ؓ کے کھنڈرات ۱۹۵۵ء

جائے. بنی مزنی کو وہ حصہ واپس کرنا پڑا جو کہ وہ اس وقت تک زیر استعمال نہ لا سکے تھے. یہ حصہ واپس لیے جانے کے بعد بھی بنو مزنی کے پاس کافی زمین باقی بچ رہی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہت سی اراضی، پہاڑیاں اور معدنی کانیں عطا فرمائی تھیں. حضرت بلال بن حارث کی اولاد نے باقیماندہ اراضی کا ایک حصہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا جو کہ بڑی لگن اور محنت شاقہ سے اس زمین میں موجود ایک کان سے معدنیاتی وسائل کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہو گئے. جب بنی مزنی کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ سے رجوع کیا اور دلیل پیش کی کہ جب انہوں نے وہ زمین فروخت کی تھی تو یہ بات ان کے علم میں نہ تھی کہ وہ زمین معدنی وسائل سے مالا مال ہے. چونکہ سودا طے کرتے وقت اس زمین کی اصلی قدر و قیمت ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اس لیے وہ اس سے مناسب مالی منفعت حاصل کرنے سے محروم رہ گئے تھے. جب انہوں نے استدعا کی کہ انہیں اس کا مناسب معاوضہ دیا جائے حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے ان کو اپنے ان اخراجات سے مطلع کیا جو کہ ان وسائل کو بروئے کار لانے میں صرف ہوئے تھے اور پھر اپنے اخراجات کو نکال کر ان کان سے حاصل شدہ منافع کا مناسب حصہ ان کو عطا کر دیا. (۲۷)

وادی العقیق کی دیکھ بھال کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت خیثم المزنی ؓ کو وہاں کا والی مقرر کیا تھا. بعد کے ادوار میں اگرچہ مدینہ طیبہ کا والی (گورنر) ہو کرتا تھا مگر وادی العقیق کے لیے ایک الگ والی مقرر کیا جاتا تھا تاہم ۱۹۸ ہجری میں یہ عہدہ ختم کر دیا گیا. یہ عباسی دور میں داؤد بن عیسیٰ کے گورنری کے دوران ہوا. (۲۸)

وادی عقیق ۲۰۰۱ء

مدینہ طیبہ کی ارض مقدس پر واقع تاریخی کنوؤں میں سے دو کنویں اسی وادی العقیق میں واقع ہیں جو کہ بیر الرومہ (سیدنا عثمان ؓ کا کنواں) اور بیر العروہ بن الزبیر ؓ ہیں. بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زرعی اراضی اور مکانات اور محلات بھی اسی وادی مبارکہ میں بحرف کے منطقہ میں تھے، جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ، حضرت عبداللہ بن عمر ؓ (۲۹) کی رہائش یا حضرت ابو ہریرہ ؓ کی اراضی اور محل وغیرہ. بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہاں دائمی رہائش اختیار کر لی تھی اور بعض کے محلات تو بہت عالیشان ہوا کرتے تھے. حضرت سعید بن زید ؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ (جو کہ عشرۃ مبشرہ میں شامل تھے)، حضرت عروہ بن زبیر ؓ اور سیدنا عثمان بن عفان ؓ کے صاحبزادوں میں سے چند نے وہاں عظیم الشان محلات (قصور) تعمیر کروا لیے تھے. حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کے باغات سے اعلیٰ قسم کا انگور حاصل ہوتا تھا. مسعودی (ت: ۳۴۶ ہجری) رقمطراز ہیں "اور سعد بن ابی وقاص ؓ نے اپنا محل العقیق میں تعمیر کروایا. اس کی دیواریں بہت بلند تھیں. یہ

وادی عقیق میں
مسجد عروہ بن زبیرؓ
کے کھنڈرات اس سے
متصل قبرستان میں
آپ مدفون ہیں

یک بہت ہی وسیع وعریض محل تھا جس کی چھت پر گیلریاں بنی ہوئی تھیں۔" (۳۱)

پہلی صدی ہجری کے اختتام تک وادی العقیق کا علاقہ بہت پوش رہائشی علاقہ بن چکا تھا جہاں جگہ جگہ عالی شان محلات نظر آتے تھے ان میں سے بہت سے محلات تو قدیم الطموں کی طرز پر قلعوں کی طرح بنائے گئے تھے۔ وادی العقیق کے میدانی علاقوں (اور بالخصوص عرصہ) میں رہائشی مکانات اور محلات کے لیے زمین کم پڑ رہی تھی جس کی وجہ سے یہاں موجود زمین کی الاٹمنٹ کے لیے طریقہ کار اتنا پیچیدہ بنا دیا گیا تھا کہ نئے درخواست کنندگان کی حوصلہ شکنی ہو جاتی تھی۔ یہ پلاٹوں کی منظوری دمشق سے خلیفہ وقت سے براہ راست ملتی ہوتی تھی (۳۲) امویوں کے عمل دخل کی وجہ سے زیادہ تر یہ پلاٹ، امویہ خاندان کے امراء اور روساء یا ان کے ہمنواؤں کے قبضے میں آ گئے تھے محلات کی عمارات کی شان وشکوہ کا اندازہ المطری کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے جس کے مطابق سعید بن العاص نے (جو کہ حضرت معاویہؓ اور یزید بن معاویہ کے دور میں مدینہ طیبہ کا گورنر تھا) اپنے محل کی تعمیر پر ۲۰۰،۰۰۰ دینار کا زر کثیر خرچ کیا تھا جب یہ محل تعمیر ہوا تو سعید بن العاص ہی العقیق کا والی بھی تھا ان دنوں میں العقیق کے علاقے میں بسنے والوں کی تعداد میں ہوشربا اضافہ ہوا اور یہاں کی آبادی ۲۰،۰۰۰ نفوس تک پہنچ گئی وادی العقیق کی خوبصورتی زبان زد عام تھی اور یہی وجہ ہے کہ اس دور کے اکثر شعراء نے اسے اپنے عشقیہ اشعار کا موضوع بنایا تھا ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے

وہ باد بہاری جو العقیق سے گزر کرتی ہے

مجھے اس کا اور زیادہ دیوانہ بنا دیتی ہے

اور یہ میرے جذب ومستی کو ایک نئی مہمیز لگا جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

بارانی مواسم میں چونکہ اس وادی مبارکہ میں طغیانی کا خدشہ رہا کرتا تھا اس لیے ایسے تمام محلات اس کے کناروں پر تعمیر ہوئے تھے مورخین مدینہ طیبہ نے ان محلات اور عمارات میں بعض کے نام بھی گنوائے ہیں جو کہ وہاں پہلی اور دوسری صدی تک مقیم رہے تھے ان میں سے چند مشاہیر کے نام گرامی یہ ہیں

(۱) محل عروہ بن زبیرؓ

(۲) محل عاصم بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ

(۳) محل عنبسہ بن عمرو بن عثمانؓ

(۴) محل عبد اللہ بن ابی بکر بن عمرو بن عثمانؓ

وادی عقیق کا
یک منظر
۲۰۰۳

(۵) محل سعید بن العاص

(۶) محل عنبسہ بن سعید بن العاص جو کہ بیر رومہ سے قریب تھا

(۷) محل ابی بکر بن عبد اللہ بن مصعب الزبیری

(۸) محل اسحاق بن ایوب المخزومی (ان کے اس علاقے میں بہت سے محلات تھے)

(۹) محل ابراہیم بن ہشام

(۱۰) محل سیدۃ سکینہ بنت الحسین بن علی ابن ابی طالبؓ (حرہ وبرہ کی غربی جانب)

(۱۱) محل مروان بن الحکم

(۱۲) محل عبد اللہ بن عامر (بیر رومہ سے قریب)

(۱۳) محل عبداللہ بن سعید بن العاص

حضرت عروہ بن زبیرؓ نے عبد اللہ بن عباس بن عتبہ سے بہت سی اراضی خریدی تھی اور اس میں ایک بہت ہی عالیشان محل تعمیر کروایا تھا تاریخی مورخین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا محل سب سے زیادہ خوبصورت ہوا کرتا تھا۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی خالہ (ام المومنین سیدۃ عائشہؓ) کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا جب انہوں نے ان کے محل کی شان وشکوہ اور اپنے لیے تیار کرائے گئے انواع واقسام کے کھانوں کو دیکھا تو ان سے ضبط نہ ہو سکا اور منہ دیوار کی طرف کر کے بے اختیار رونے لگ گئیں اور فرمانے لگیں رسول اللہ ﷺ نے نہایت ہی صبر اور کفایت شعاری میں اپنی زندگی گزاری تھی درآں حالیکہ آپ حضور ﷺ کا حکم پورے جزیرۃ العرب پر چلتا تھا اور آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ دو کھجور کے دانوں اور سادہ پانی پر پورا پورا دن گزارا کرتے تھے۔ یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ان دنوں العقیق کی آبادی ہزاروں نفوس تک پہنچ گئی تھی اور وہاں بسنے والے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بہت سوں کی تدفین بھی اسی وادی العقیق کے کنارے ہوئی تھی حضرت عروہ بن زبیرؓ بھی اپنے کنوئیں کے قریب ہی ایک قبرستان میں دفن ہوئے تھے (۳۳) اس قبرستان کے نشانات آج بھی موجود ہیں

محلات کے علاوہ وادی عقیق کے قرب وجوار میں چند صحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زرعی فارم بھی تھے جن میں سے مزارع ابی ہریرہؓ، مزارع عروہ بن الزبیرؓ بساتین عبداللہ بن بکیرؓ اور بستان سعید بن العاص بہت مشہور تھے

ان تمام محلات کے کھنڈرات صدیوں سے زائرین کی توجہ کا مرکز رہے ہیں بارھویں صدی تک تو ان آثار قدیمہ کی نگہداشت بہت

جیسا کہ ہم نے پانچویں باب ''ارض طیبہ کے جغرافیائی اور ارضیاتی خدوخال اور خصائص'' میں بیان کیا ہے مدینہ طیبہ کا زیادہ تر حصہ ناہموار سطح مرتفع اور سنگلاخ چٹانوں سے مل کر بنا تھا جب کہ اس کا تھوڑا سا حصہ جو کہ قلب مدینہ میں واقع تھا میدانی تھا جسے ''جوف المدینہ'' کہا جاتا تھا شمال اور جنوب میں دو بلند و بالا پہاڑوں نے اس کی حد بندی کی ہوئی ہے جنوب میں جبل عیر ہے اور شمال میں جبل احد شمالی اور جنوبی سلسلہ ہائے کوہسار کے علاوہ اس میں بہت سے کم بلندی والے پہاڑ بھی ہیں جو کہ مغربی جانب پھیلے ہوئے ہیں شرقی جانب نسبتاً چھوٹے پہاڑ ہیں اور وہ بھی کافی مسافت پر ہیں۔ اب یہ پہاڑ شہر مصطفوی کی قدرتی جغرافیائی فصیل کا کام دیتے ہیں تاہم آج کے مدینہ طیبہ میں ازمنہ قدیم سے پائی جانے والی سنگلاخ سطوح مرتفع ہموار کر دی گئی ہیں اور ایک نیا شہر یہ اندازہ بھی نہیں کر سکتا کہ ماضی قریب میں یہ ارض مقدس کیسی لگا کرتی تھی یہ تمام پربت اور سطوح مرتفع (جن کو عرف عام میں حرہ کہا جاتا ہے)۔ شرقی اور غربی حرہ جات۔ ہمیں اس مقدس منطقہ ارضی کے آتش فشانی ابھار سے پر ماضی کی یاد دلاتے ہیں کیونکہ زمانہ قبل از تاریخ میں ہزاروں یا لاکھوں سال پہلے اس کی سرزمین پر آتش فشانی عمل جاری رہا تھا جو کہ ایک طویل عرصے پر محیط رہا ہو گا ارضیاتی تکوین کے نقطہ نظر سے اگر اس ارض مقدس کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مدینہ طیبہ کے پہاڑ بیسالٹ اور گریناٹ چٹانوں پر مشتمل ہیں جو کہ آتش فشانی عمل سے ریزہ ریزہ گرینائٹ کے مادے کے پگھلنے سے معرض وجود میں آئی تھیں ان میں سے کچھ تو بہت ٹھوس اور سخت چٹانیں ہیں جب کہ کچھ ایسے بھی پہاڑ ہیں (مثلاً جبل بنو قریضہ) جو کہ محض آتش فشانی راکھ اور پگھلے ہوئے لاوے سے مل کر بنے ہیں جن کا وزن حیران کن حد تک ہلکا اور خفیف ہے ایسے پہاڑ ٹیلے زیادہ لگتے ہیں اور پہاڑ کم مندرجہ ذیل صفحات میں ہم نے چند پہاڑوں کے خصائص اور فضائل و محاسن پر بحث کی ہے جو کہ کسی نہ کسی طور پر اسلامی تاریخ کے چند ان اہم واقعات سے جو سرکار دو عالم ﷺ کے اس ارض طیبہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازنے کے بعد وقوع پذیر ہوئے تھے منسلک رہے ہیں

جبل احد

حدود حرم مدنی کے اندر واقع یہ پہاڑ سطح سمندر سے ۱۰۰ میٹر بلندی پر مدینہ طیبہ کے شمالی جانب شہر نبوی سے تقریباً ساڑھے تین کیلومیٹر دور واقع ہے مسجد نبوی شریف کے باب فہد کے سامنے کھڑے ہو کر اگر ہم شمال کی جانب نظر اٹھائیں تو ہماری نگاہیں اس متبرک پہاڑ کی دور سے ایک جھلک دیکھ لیتی ہیں جو کہ احادیث مبارکہ کی رو سے جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ یہ بابرکت کوہ رحمت گرینائٹ کی چٹانوں سے بنا ہے جو کہ سرخی مائل نظر آتی ہیں تاہم اس کے کچھ حصے گہرے بھورے رنگ کے بھی ہیں۔ ماہرین ارضیات کے تجزیوں کے مطابق اس کی سرخی مائل چٹانیں مائکرو کرسٹیلائن بلوری مادے (M crocrysta ne structures) سے بنی ہیں بلاشبہ اس کی چٹانیں زمین کے بطن سے نکلنے والے لاوا کے مادے سے معرض وجود میں آئی ہیں جو کہ زمین سے باہر آنے پر ٹھنڈا ہو کر ٹھوس اور بہت ہی سخت شکل اختیار کر گیا تھا

جبل احد کی چٹانوں کی ساخت

جبل احد کی وجہ تسمیہ اس کا یکتا پن (stand alone) اور ایک وحدت کے طور پر سب سے الگ اور منفرد ہونا (compact unit) اور مدینہ طیبہ کے دیگر سلسلہ ہائے کوہسار (جو کہ مدینہ طیبہ کے دیگر حصوں میں ایک سے دوسرے کے ساتھ جڑ کر ایک سلسلے کے طور پر پائے جاتے ہیں) سے بالکل علیحدہ ہونا ہے۔ (۲) لفظ احد عربی کے احد یا احدیت سے مشتق ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ احد کا لفظ عبرانی زبان سے مستعار ہے عبرانی میں بھی لفظ احد ''یکتا'' اور ''اکیلا'' کے معانی میں استعمال ہوا ہے جس سے اس نظریے کو کچھ تقویت ملتی ہے۔ ویسے بھی یہود کے ہاں یہ لفظ اسم معرفہ کے طور پر مستعمل ہے اور چونکہ

جبل احد کی وہ معروف غار جس میں آپ ﷺ نے تھوڑا سا استراحت فرمائی تھی
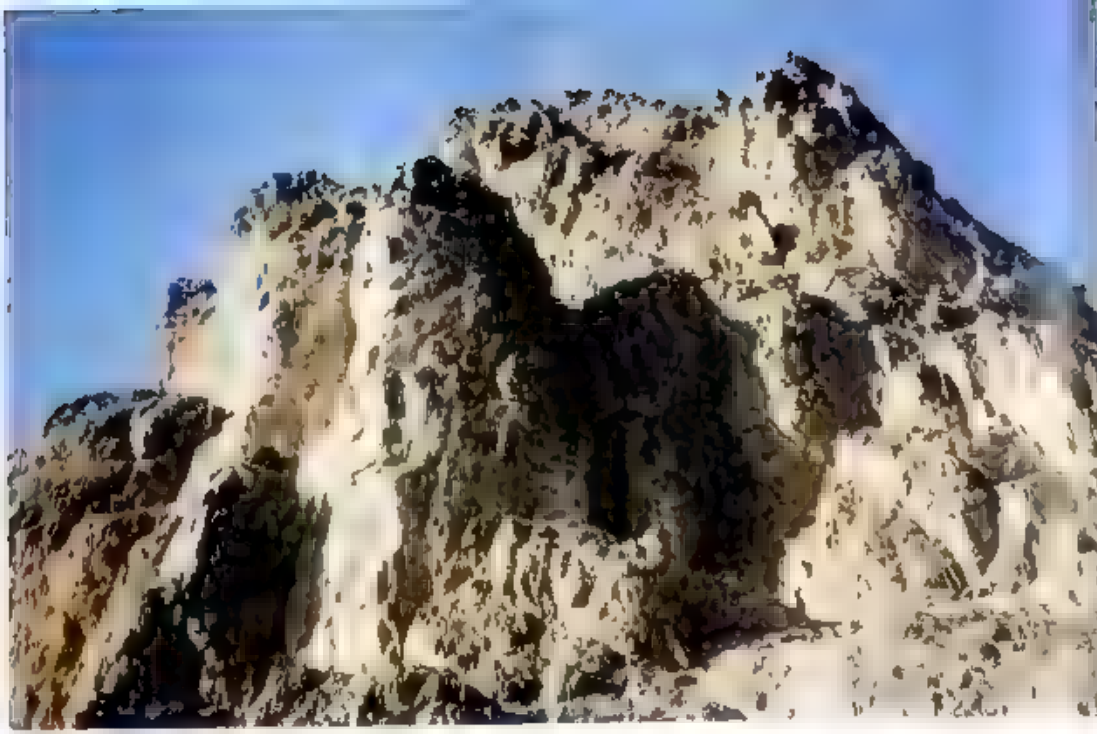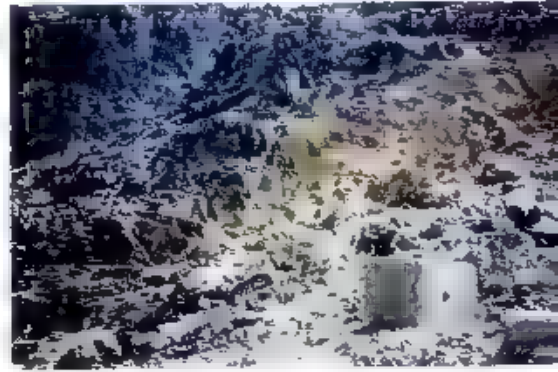
یہود یہاں ایک زمانے سے رہتے آئے تھے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ یہ نام انہوں نے ہی رکھا ہو جب حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر حضرت یعقوب علیہ السلام مصر گئے تو ان کے ہمراہ بہت سے یہودی قبائل کے افراد بھی تھے جن میں سے ایک قبیلہ احد یا وحود بھی تھا۔ (۳)

مدینہ طیبہ کا یہ سب سے اہم اور متبرک پہاڑ ہے جس سے سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات جڑے ہوئے ہیں یہ پہاڑ ہر آنے والے کو زبان حال سے غزوہ احد کا ایک ایک ورق کھول کر سناتا ہے کہ اس کے آنگن میں کونسا معرکہ حق و باطل ہوا تھا۔ فخر و وقار سے اپنا سر آسمان تک بلند کیے ہوئے یہ جبل احد آج بھی اپنی اس تنگ وادی کی طرف اشارہ کر کے بتاتا ہے کہ یہاں اسی دامن کوہ میں لشکر اسلام خیمہ زن ہو کر کفر سے نبرد آزما ہوا تھا اس کی فضائیں آج بھی ان نعرہ ہائے تکبیر کی صدائے بازگشت سناتی ہیں جو کہ شیر یزداں حیدر کرار نے سیف ذوالفقار لہراتے ہوئے اور ابو دجانہ نے سیف رسول مقبول ﷺ ہاتھ میں لے کر اس کا حق ادا کرتے ہوئے لگائے تھے سیرۃ طیبہ میں کسی اور مشہد نے ایسا مقتل نہیں دیکھا جہاں سرفروشان توحید نے اپنے سالار کارواں اور میر امم علیہ افضل الصلوۃ والسلام کی حفاظت و سلامتی کے لیے اتنا زیادہ خون کا نذرانہ بیک وقت پیش کیا ہو یہیں کہیں اسی جبل احد کے دامن میں حضرت ام عمارہ کا کٹا ہوا ایک بازو بھی دفن ہے جس کے باوجود بھی اس صحابیہ جلیلہ نے حفاظت رسول مقبول ﷺ کا حق ادا کر کے تا ابد خواتین اسلام کا سر بلند کر دیا تھا نگاہ جذب و مستی سے اگر دیکھا جائے تو اس کی چٹانوں کا سرخی مائل رنگ، اس کی وادیوں کی سرخ سرخ مٹی اور اس کے دامن میں کھلے ہوئے ہر پھول کی سرخی اسی داستان خوں چکاں کی یاد دلاتی ہے جس سے عہدہ برآ ہو کر انصار و مہاجرین مدینہ کی جاں نثاری جریدہ عالم پر ثبت ہو گئی تھی۔ اسی کی مٹی میں آج بھی ستر سرفروشان اسلام محو استراحت ہیں جن میں شہدائے اسلام کے سرخیل سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ اور حضرت مصعب ابن عمیر بھی شامل تھے۔ فرمان رب ذوالجلال کے مطابق یہ سب کے سب زندہ ہیں اور اللہ سے رزق لیتے ہیں مگر ہمیں شعور نہیں یہ ہر آنے والے کے سلام کا جواب دے کر اس پہاڑ کی عظمت کو چار چاند لگا دیتے ہیں

اسی کی ایک غار میں مضمحل و مضطرب جگر گوشہ رسول سیدۃ بتول نے اپنے والد گرامی کے زخم دھوئے تھے اسی کی ایک ہموار چوٹی پر میر کارواں نے زخموں سے چور فدائیوں کی نئے سرے سے شیرازہ بندی کر کے نہایت ہی مشکل ترین حالت میں ثابت قدم رہنے کا لافانی درس دیا تھا اسی کی ایک گھاٹی پر کھڑے سعد ابن ابی وقاص تیروں سے کفار کے سینے چھلنی کر رہے تھے کہ رحمت دو عالم جوش میں آ گئی

جبل احد اور بہار کا درخت ۲۰۰۲ء

اور سرکار دو عالم اور تاجدار کائنات ﷺ آفرین آفرین کہتے ہوئے پکار رہے تھے، [میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں!] اور اسی کی ایک گھاٹی پر کھڑے ہو کر جب ابوسفیان نے یہ کہا 'ہمارے پاس ہبل ہے اور تمہارے پاس کوئی ہبل کا بت نہیں' تو رسول برحق ﷺ نے عمر فاروق کو حکم دیا کہ اعلان کر دو [اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں]، اور پھر جب کفار بے نیل و مرام واپس ہوئے تو اسی جبل احد کی جھولی میں سرور کائنات ﷺ نے اپنے اور اپنے جاں نثاروں کے سجدوں کی سوغات ڈال دی۔ جگہ چھوٹی سی تھی مگر جبل احد تو تنگ دامن نہیں تھا اس نے جھولی پھیلا دی۔ رسول رحمت ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ سکڑ کر بیٹھ جاؤ اور اسی چھوٹی سی جگہ پر بیٹھ کر سب کے سب سربسجود ہو گئے زخمی ہونے کی وجہ سے نماز امامت رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر پڑھائی تھی اور سب نے اقتداء میں بیٹھ کر ہی ادا کی تھی یہ جگہ آج بھی "مسجد فسح" (سکڑ کر بیٹھنے کی مسجد) کے نام سے ان سعادتوں اور فیوض و برکات کی طرف اشارہ کرتی ہے جن سے جبل احد کا دامن مالا مال ہو گیا تھا۔

جبل احد پر یہ نوازشات صرف جنگ احد تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ سرور دین و سرور کائنات ﷺ اپنے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں اکثر وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ جبل احد پر تشریف لے گئے سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ بھی ہمراہ تھے۔ پہاڑ کانپ اٹھا اور لرزہ براندام ہو گیا یوں لگتا تھا کہ اس کے رگ و پے پر وجد طاری ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا قدم مبارک اس پر مار کر فرمایا [اے احد جم کر کھڑے رہو تمہارے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہداء ہی تو کھڑے ہیں] (۴) سیدنا عثمان بن عفانؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جبل احد کو ثبیر بھی کہا جاتا تھا جب بلوائیوں کا گیا ہوا سیدنا عثمانؓ کا محاصرہ بہت طول پکڑ گیا تو ایک دن بالا خانے پر آ کر انہوں نے بلوائیوں کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا [اللہ تمہیں برباد کرے کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ ثبیر پر تشریف لے گئے اور آپ حضور ﷺ کی معیت میں ابوبکرؓ، عمرؓ اور میں بھی تھا پہاڑ لرزہ براندام ہو گیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کی چٹانیں گرنا شروع ہو جاتیں تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [جم کر کھڑے رہو کیونکہ تمہاری پشت پر نبی، صدیق اور شہید ہیں!] انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہوا تھا اس پر انہوں نے فرمایا رب کعبہ کے ہاں میری اس بات پر گواہ رہنا] (ابی عمرو خلیفہ بن خیاط ابن ابی ہبیرہ اللیثی العصفری الملقب بشباب (ت ۲۴۰ ہجری) تاریخ خلیفہ بن خیاط، دار الکتب العلمیہ، بیروت ص ۰)

آپ حضور ﷺ اکثر فرماتے [یہ (یعنی احد) ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔] (۵) حضرت انس ابن مالکؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔] (۶) الطبرانی نے حضرت سعد بن سہل الساعدیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [جبل احد جنت کے کونوں میں سے ایک کونا ہے۔] حضرت سوید انصاریؓ سے مروی ہے [ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ فتح خیبر سے واپس لوٹ رہے تھے جب آپ حضور ﷺ کی نگاہ مبارک احد پر پڑی تو فرمانے لگے "یہ پہاڑ ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں، یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اور (جبل عیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا یہ جبل عیر ہے جو کہ ہم سے بغض رکھتا ہے اور ہم اس سے بغض رکھتے ہیں یہ جہنم کے ایک دروازے پر واقع ہے۔] (۸) ایک اور روایت میں حضرت انس ابن مالک نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد پر ایک نگاہ ڈالی اور

جبل احد اور اس کی وادی

۱۔ جبل احد
۲۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت گاہ
۳۔ جبل احد
۴۔ سرکار ﷺ کے دندان مبارک اس جگہ شہید ہوئے
۵۔ مدفن شہدائے احد
۶۔ جنگ احد اس جگہ ہوئی

فرمایا [احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔] (۹) چونکہ یہ پہاڑ حدود حرم کے اندر واقع ہے اور حرم نبوی شریف کا ایک حصہ ہے، اس کے نباتات اور جانور بھی ایسے حقوق رکھتے ہیں کہ ان کی پاسداری اور احترام ہر مسلمان پر واجب ہے۔ لہٰذا زائر کو یہاں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے مبادا کہ کسی ذی روح یا نباتات کو پامال نہ کر بیٹھے۔ بعض روایات میں ہے کہ احد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جب وہاں سے گزرو تو اس کے درختوں سے میوہ کھاؤ اور اگر نہ ملے تو اس کے صحراء کی گھاس استعمال کر لیا کرو۔ حضرت زینب بنت نبیطؓ (حضرت انس بن مالکؓ کی زوجہ محترمہ) اپنے بچوں کو جبل احد پر یہ کہہ کر بھیجا کرتی تھیں "جاؤ جبل احد سے میرے لیے بوٹیوں اور درختوں کے پتے لے کر آؤ اگر تمہیں کچھ نہ مل سکے تو میرے لیے بوں کے پتے ہی لے آنا۔" (۱۰) اور پھر وہ ان پتوں کو اپنے بچوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں کہ وہ ان کو چبائیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے جبل احد رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ کے سوانح کی ان گنت یادوں کا امین ہے یہیں اس کے دامن میں اسلام کا دوسرا معرکہ حق و باطل گرم ہوا جس میں حیاۃ طیبہ کے دوران سب سے زیادہ مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا اور خود رسول اللہ ﷺ زخمی ہو گئے اور آپ حضور ﷺ کا ایک دانت مبارک شہید ہو گیا تھا، چہرہ اقدس سے خون بہا تو احد نے دامن پھیلا دیا وہ عہد و پیماں جو کہ صادق الوعد الامین ﷺ نے بیعت عقبہ میں انصاریوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے ہوئے کیا تھا کہ "تمہارا خون اور میرا خون ایک ہے، جہاں تمہارا خون گرے گا وہاں میرا خون بھی گرے گا" مشیت ایزدی نے پورا کر دکھایا اور جہاں ستر کے قریب انصاری جاں نثاروں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا وہاں سید مکی و مدنی ﷺ کا خون بھی اسی جبل احد کے دامن کو رنگین کر گیا صادق و مصدوق علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اپنا کیا ہوا عہد نبھانے کے لیے جس رشک فردوس مقام کو عز و شرف بخشا وہ یہی دامن کوہ تھا۔ یہیں پر سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ نے رسول اللہ ﷺ کی مرہم پٹی بھی کی تھی حضرت ابو حازمؓ سے مروی ہے [لوگوں میں اس بارے میں اختلاف تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو یوم احد کس قسم کی مرہم پٹی کی گئی تھی چنانچہ انہوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے پوچھا جو کہ اس واقعہ کے عینی شاہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے مدینہ طیبہ میں اس وقت صرف اکیلے زندہ بچے تھے۔ انہوں نے فرمایا [مدینہ طیبہ میں اس وقت میرے سوا کوئی بہتر نہیں جانتا۔ فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس سے خون دھو رہی تھیں اور علی کرم اللہ وجہہ اپنے خود میں پانی بھر کر لا رہے تھے اور پھر کھجور کے پتوں سے بنی ایک چٹائی جلائی گئی اور اس کی راکھ زخم میں بھر دی گئی تھی] (۱۱)

شہدائے احد کے مزارات اس چار دیواری کے اندر موجود ہیں

اس نقطہ نظر سے احد کی اہمیت مسلمہ ہے اور حجاج کرام اور زائرین جب مدینہ طیبہ جاتے ہیں تو دین اسلام کیلئے ان بطل ہائے حریت کی قبور مطہرہ پر سلام کے لیے ضرور حاضری دیتے ہیں۔ اتباع سنت رسول مقبول ﷺ میں ہر آدمی وہاں جا کر سلام و دعا کے گلہائے عقیدت بہت احترام سے پیش کرتا ہے اور یوں واقعات یوم احد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ماضی میں حج و زیارت کے علاوہ اہل مدینہ طیبہ جوق در جوق ہر جمعرات

مسجد سیدنا حمزہؓ
انہدام کے وقت
۱۹۲۵ء

کردیا گیا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جس میں تین قبور حضرت عمرو بن الجموحؓ ان کے ایک غلام اور ان کے ایک بھتیجے کی ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے پہلی بار حضرت عمرو بن الجموحؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن الحرامؓ کو اکٹھے ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا، مگر جب تدفین نو ہوئی تو ان کو علیحدہ علیحدہ قبروں میں دفن کیا گیا واقدی کے مطابق اس قبرستان میں حضرت خارجہ بن زیدؓ، حضرت سعد بن الربیعؓ، حضرت النعمان بن مالکؓ اور حضرت عبد بن الحسحسؓ بھی مدفون ہیں (۲) اس کے علاوہ صحابہ کرام میں سے دو اور حضرات حضرات ابو ایمنؓ اور حضرت خلاد بن عمرو بن الجموحؓ بھی وہیں مدفون ہیں۔ (۲۲)

رسول اللہ ﷺ شہدائے احد کی زیارت کو اکثر تشریف لے جاتے تھے اور قرآن کریم کی آیت تلاوت کرتے ہوئے ان کو سلام کہتے ﴿سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار﴾ (سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کے بدلے تمہیں عقبی میں کیا خوب گھر ملا ہے)۔(۲۳) یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت طاہرہ ہے کہ ان شہداء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبور کی زیارت کی جائے آپ حضور ﷺ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی قبر طہر پر بھی جاتے اور دعا فرماتے ثعلبی نے اپنی مشہور تفسیر میں ابی اسحاق بن سفیانؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں یوں کیا گیا ہے کہ [رسول اللہ ﷺ شہداء کے قبور پر ہر سال تشریف لے جاتے اور وہاں پہنچ کر یوں فرماتے تم پر سلامتی ہو تمہارا صبر اسی انعام کا مستحق تھا] پہلے تین خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی سنت کا اتباع کرتے تھے (یعنی ہر سال وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے) جب حضرت معاویہؓ نے حج کیا اور مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے بھی اسی سنت کی پیروی کی] (۲۴)

سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ بھی باقاعدگی سے سیدنا حمزہ بن عبد المطلبؓ کی قبر طہر پر جایا کرتی تھیں وہ ان کی دیکھ بھال کرتیں اور جب ضروری ہوتا تو اس کی مرمت بھی فرما دیتیں ان کی قبر پر نشانی کے طور پر ایک پتھر رکھا رہتا تھا۔(۲۵) سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ ان شہدائے احد کی قبور پر ہر دو یا تین دن کے بعد تشریف لے جایا کرتی تھیں۔(۲۶) حضرت جعفر الصادقؓ سے مروی ہے کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ ہر دو یا تین دن بعد شہدائے احد کی قبور پر جاتی تھیں۔ وہ وہاں نماز بھی ادا کرتیں اور ان کے لیے دعا بھی فرماتیں اور ان کے غم میں رو دیا کرتی تھیں یہ وہ اس وقت تک کرتی رہیں جب تک کہ ان کا انتقال نہ ہو گیا۔(۲۷)

مسجد سید الشہدا
قبل از انہدام
تصویر دور عثمانی

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے [قیامت تک جو بھی ان شہداء کی زیارت کے لیے جا کر سلام پیش کرے گا وہ اس کا جواب دیں گے۔](۲۸) امام البیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک حدیث مبارکہ نقل کی ہے۔ [رسول اللہ ﷺ شہدائے احد کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے: [اے اللہ تمہارا بندہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ شہداء ہیں اور ہر اس آدمی کے سلام کا جواب دیتے ہیں جو ان کو سلام کرتا ہے یہ یوم القیامت تک ہوتا رہے گا](۲۹)

مسجد و مزار اقدس
حضرت سیدنا حمزہؓ
قبل از انہدام
۱۹۰۸ء

امام بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ [میرے والد عمر اور میں طلوع آفتاب سے پہلے جمعہ کے دن شہدائے احد کی زیارت کو گئے۔ میرے والد نے ان سب کو سلام کیا ہم نے ان کا جواب سنا میرے والد نے مجھے پوچھا کیا تم نے میرے سلام کا جواب دیا ہے؟ میں نے عرض کیا، نہیں! یہ جواب شہداء نے دیا ہے پھر انہوں نے مجھے اپنے داہنے ہاتھ پر ساتھ لے جا کر سب کو علیحدہ علیحدہ سلام پیش کیا ہم نے ان سب کو علیحدہ علیحدہ ہمارے سلام کا جواب دیتے ہوئے سنا میرے والد محترم سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگ گئے]

سیدنا امیر حمزہ بن عبد المطلبؓ جبل الرماہ (جبل العینین) کے دامن میں شرقی جانب سرخ وادی میں شہید ہوئے تھے۔ انہیں ان کے اپنے بردہ میں ہی دفن کیا گیا تھا۔(۳۰) انہیں اور حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔(۳۱) ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ چھٹی صدی میں ان کی قبر پر ایک گنبد ہوا کرتا تھا اس جانب واقع قبور میں سے صرف یہی ایک قبر تھی جس کی پہچان ممکن تھی جب کہ دوسرے شہداء کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور کی پہچان نہ تھی اس مزار شریف پر عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ کی والدہ نے گنبد تعمیر کروایا تھا یہ ایک بہت بڑا مزار تھا جس کا دروازہ شیشم کی منقش لکڑی سے بنا تھا عام قبرستان کے گرد ایک چار دیواری تھی جس کا دروازہ عوام کے لیے ہر جمعرات کو کھول دیا جاتا تھا۔(۳۲) سیدنا امیر حمزہؓ کی قبر کے ساتھ والی دوسری قبر دربار کے ایک متولی ترک کی تھی۔ المطری نے بیان کیا ہے کہ شہدائے احد کا عام قبرستان جبل احد کی قبلہ کی جانب واقع تھا اور سوائے قبر سیدنا امیر حمزہؓ کے کسی اور قبر کی پہچان نہ تھی جہاں تک ان قبور کا تعلق ہے جو کہ مقبرہ امیر حمزہؓ سے شمالی جانب ہیں، یہ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی بتائی جاتی ہیں جو کہ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں آنے والے شدید قحط سے جاں بحق ہوئے تھے ان میں سے کوئی قبر بھی شہدائے احد کی نہیں سب سے پہلے مقبرہ کے آثار کے طور پر شہدائے احد کے قبرستان کے باہر ایک بورڈ ہوا کرتا تھا جس پر اس کا سن تعمیر ۲۷۵ ہجری لکھا ہوتا تھا۔(مرآۃ الحرمین، جزء اول، ص ۳۹۳)

سعودی حکومت نے جب تمام قبہ جات گرائے تو مشہد سید الشہداءؓ پر واقع گنبد کو مسمار کر دیا گیا

شہدائے احد کی
قبور کا ایک دور منظر
۱۹۶۰ء

جبل عینین

ارضیاتی طور پر یہ چھوٹی سی پہاڑی جبل احد ہی کا ایک حصہ ہے جسے ایک تنگ وادی (ندی۔ جسے وادی قناۃ کہا جاتا ہے اور جو کہ دو خطاۃ سے الگ ہونے سے بنی ہے) ایک دوسرے سے الگ کرتی تھی۔ اس کی چٹانی ساخت بالکل جبل احد کی چٹانوں سے ملتی ہے۔ یہ الگ تھلگ سی علیحدہ پہاڑی (stand-alone hillock) اسلامی تاریخ میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے اور تاریخ جہاد اسلامی میں ایک سنگ میل سے کم نہیں
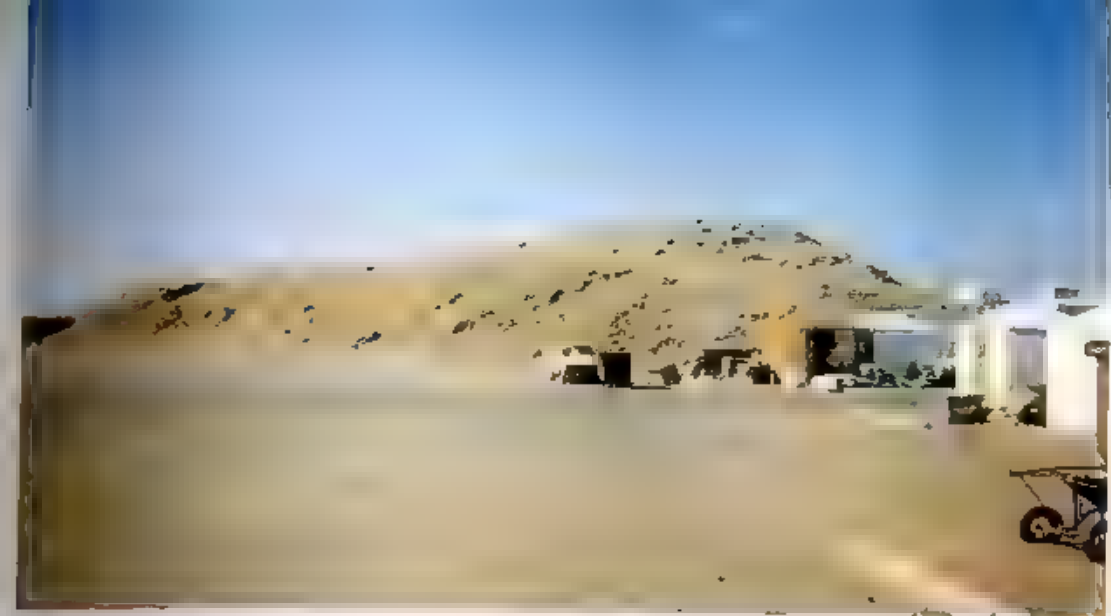
جبل عینین کی پہاڑی جس پر پچاس تیر انداز متعین کیے گئے تھے

اس نقطۂ نظر سے اگر یہ کہا جائے کہ یہ مقام غزوہ احد کا ایک جیتا جاگتا میموریل ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا اس کی دفاعی اہمیت کے محل وقوع کی وجہ سے سالارِ اعظم جناب رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ اس پر متعین کیا تھا جن کو سخت احکامات جاری کیے گئے تھے کہ وہ کسی بھی حالت میں اس سٹریٹیجک چوکی کو خالی نہ چھوڑیں

تاہم جونہی رزمِ حق و باطل شروع ہوئی تو دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان جنگ سے فرار ہوتے نظر آنے لگے۔ اس سے اس چوکی پر متعین تیر اندازوں کے دستے نے یہ اندازہ لگایا کہ جنگ کا حتمی فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہو چکا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے احکام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ اس پہاڑی سے نیچے اتر آئے چوکی خالی ہوتے ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور بظاہر ابتدائی فتح ہزیمت میں بدل گئی خالد ابن ولید کے گھڑ سوار دستے نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان تیر اندازوں کو گھیر کر شہید کر دیا تیر اندازوں کے شہید ہو جانے کے بعد وحشی اسی پہاڑی کی ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا اور جونہی عم رسول اللہ ﷺ سیدنا امیر حمزہؓ اس کے نشانے پر آئے اس نے ان پر اپنا نیزہ کس دیا جو ان کے جسم کے آر پار ہو گیا اور وہ تھوڑی دور جا کر شہید ہو کر گر پڑے۔ جنگ ختم ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہداء کی میتوں کا معائنہ فرمایا اور اس چوٹی پر بھی گئے جہاں پر تعینات دستے کی حکم عدولی سے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا تھا بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس چوٹی پر نماز بھی ادا فرمائی تھی جس کی یاد میں اس پر ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی مختلف ادوار میں اس پر موجود مسجد اور عمارتوں کی تاریخی ورثے کی حیثیت سے دیکھ بھال ہوتی رہی سعودی دور کے شروع میں جبل عینین پر اس کی شرقی جانب مسجد اور دیگر عمارتیں تھیں، مگر اسلامی ورثے سے بے اعتنائی نے اپنا رنگ دکھایا اور یوں پچھلی تین دہائیوں کے اندر اندر وہ سب عمارتیں صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہیں اس پہاڑی پر اس مسجد کا نام و نشان تک نہیں ملتا جہاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں اپنی جبین طاہرہ سجدہ ریز کی تھی اس پہاڑی کے بغور معائنے کے بعد اس مسجد کی بچی کھچی چند اینٹیں نظر آ جاتی ہیں جو کہ اس کی بنیادوں میں استعمال ہوئی تھیں المطری کے مطابق یہ وہی جگہ تھی جہاں پر سے چھپ کر وحشی نے عم رسول حضرت حمزہؓ پر وار کیا تھا۔ (۳۳)

جبل سلع کی یہ فضائی تصویر اس وقت کی ہے جب مسجد نبوی شریف کی توسیع و تعمیر ہو رہی تھی

عربی میں 'عینین' کا مطلب 'دو چشمے' ہوتا ہے چونکہ اس پہاڑی کے قریب ہی میٹھے پانی کے چشمے ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک چشمہ عین سیدنا امیر حمزہؓ بہت ہی مشہور تھا اس لیے عین ممکن ہے کہ اس پہاڑی کا نام عینین اسی وجہ سے پڑ گیا ہوگا پرانے وقتوں میں اس مقام پر دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں بھی ہوا کرتی تھیں جن میں سے ایک تو پہاڑی کی چوٹی پر شرقی جانب تھی جب کہ دوسری قریب ہی سطح زمین پر مشرقی جانب تھی یہ دونوں مساجد غزوہ احد کی یاد میں تعمیر کی گئی تھیں جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی فیروز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ ہجری) رقمطراز ہیں "جبل عینین پر دو مساجد ہیں ایک تو اس کے شرقی کونے میں ہے جب کہ دوسری قریب کی شرقی جانب
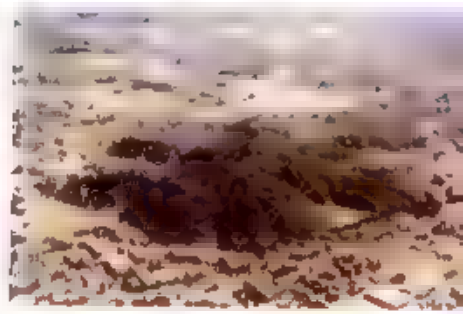
مسجد جبل عینین کے کھنڈرات پس منظر میں مسجد سید الشہداؓ نظر آ رہی ہے

وادی کے کنارے پر واقع ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سیدنا امیر حمزہؓ اسی مقام پر زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو کر گر پڑے تھے" (۳۴) یہ دونوں مساجد موجود ہوا کرتی تھیں کیونکہ ترکوں نے ان کی تعمیر نو کر دی تھی تاہم جیسے کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اب وہاں کسی مسجد کے آثار تک باقی نہیں ہیں

جبل احد میں موجود غار

جبل احد کے درمیان واقع میدان (جہاں جیش اسلامی خیمہ زن تھا) کی طرف جاتے ہوئے دائیں جانب ذرا بلندی پر وہ غار نظر آتی ہے جہاں بعض روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ زخمی ہو جانے کے بعد کچھ دیر کے لیے آرام فرمایا تھا یہ غار اتنی بڑی ہے کہ اس کے اندر ایک آدمی آرام سے لیٹ سکے۔ (۳۵) عموماً اس غار کی زیارت پر وہاں کے کرتے دھرتے ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور موجودہ مکتب فکر اسے رسول اللہ ﷺ کا "غار مبارک" کہنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

مورخین مدینہ طیبہ کے بعض بیانات نے اس کی تاریخی حیثیت کو وجہ نزاع بنانے میں بہت کردار ادا کیا ہے۔ وہ زیادہ تر حضرت مطلب بن عبداللہؓ کی روایت سے استناد کرتے ہیں جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کبھی بھی اس غار میں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ (۳۶) ابن ہشام نے بھی حضرت عکرمہؓ کی روایت پر انحصار کرتے ہوئے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس غار میں نہیں گئے تھے (۳۷) اسی غار کا ذکر کرتے ہوئے ابن نجار نے کہا ہے کہ اہل مدینہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصے کے لیے وہاں آرام فرمایا تھا جس کے قریب ہی ایک مسجد ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں آپ حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی اور یہ بھی کہ قریب ہی ایک چٹان میں ایک آدمی کے سر کے برابر ایک نشان ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنا سر مبارک آرام کی غرض سے رکھا تھا جس سے چٹان کے اس حصے میں نشان پڑ گیا تھا۔ انہوں نے اس بات کی صراحت بہت پرزور انداز میں کی ہے کہ ایسی تمام روایات غیر مصدقہ ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں۔ (۳۸)

جبل احد میں موجود مشہور غار

تاہم امام المورخین مدینہ طیبہ امام سمہودیؒ نے ابن نجار کے اس بیان کی کھل کر مخالفت کی ہے۔ اور کہا ہے کہ "جہاں تک اس غار کے قریب واقع مسجد کا تعلق ہے، اس کے بارے میں ناقابل تردید شواہد موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی تھی جیسا کہ دوسری مساجد کے بارے میں ہے۔" لہذا خود بخود ابن نجار کی رائے کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے۔

مندرجہ بالا روایت کا ذکر کرنے کے بعد جسے ابن شبہ نے بھی بیان کیا ہے، امام سمہودیؒ ایک اور روایت بواسطہ امام
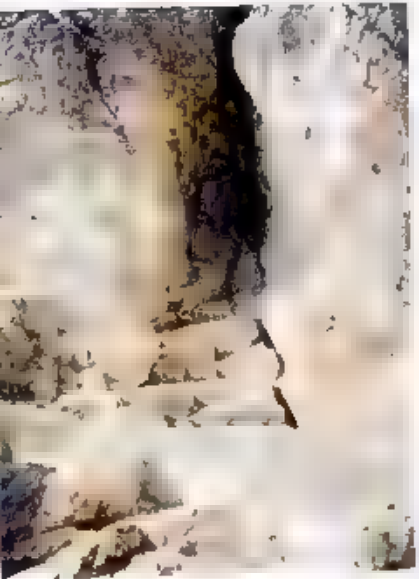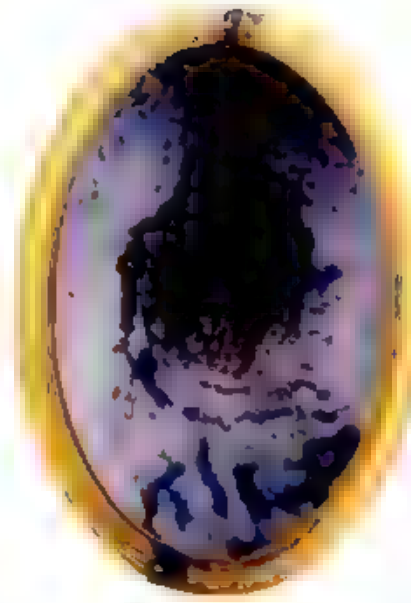
احد لے کر آتے ہیں جو کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے [اس کے بعد مسلمان پہاڑ (احد) کی طرف دوڑ پڑے (رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں) اور جب وہ آپ حضور ﷺ کو تلاش نہ کر سکے تو کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ غار، غار جو کہ محراس (پانی کے چشمے) کے نیچے تھی اور پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے ان کی جانب آنے کا ذکر کرتے ہیں] اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام سمہودی لکھتے ہیں "یہ صاف ظاہر ہے کہ وہاں اس غار کے علاوہ اور کوئی غار نہیں جو کہ چشمے کے نیچے تھی، وہ جو کہ آج تک مشہور غار ہے" "حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر اس غار میں آرام فرمایا تھا جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محراس پر گئے تھے (جو کہ آج بھی اس غار کے اوپر احد کی چوٹی پر واقع ہے) تاکہ چہرہ اقدس پر آنے والے زخم دھوئے جا سکیں۔ یہاں ایک سوال ذہن میں ضرور ابھرتا ہے کہ کن کی روایت پر انحصار کیا جائے حضرت عباسؓ کی روایت پر جو کہ اس جنگ میں شریک تھے یا دوسرے راوی پر جو کہ اس غزوہ میں سرے سے شریک ہی نہ تھے؟ مزید برآں امام سمہودی کی رائے اس لیے بھی فوقیت رکھتی ہے کہ انہوں نے اپنی رائے بہت گہری تحقیق و تدقیق کے بعد قائم کی تھی لہذا ہماری رائے میں امام سمہودی کی رائے نہ صرف پر وزن ہے بلکہ حقائق پر مبنی ہے
اس غار کے متعلق لکھتے ہوئے مدینہ طیبہ کے مشہور سعودی مورخ عبد القدوس الانصاری لکھتے ہیں

"اس غار (جس میں مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تھوڑی دیر کے لیے آرام فرمایا تھا) کے عقب میں شمالی جانب کی چٹانوں پر قدیم کوفی رسم الخط میں بہت سی تحریریں کندہ ہیں" (۳۹)

سمہودی کی محققانہ رائے کے علاوہ ان چٹانوں پر قدیم کوفی رسم الخط کی تحریریں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ پہلی صدی میں ان تحریروں کے لکھنے والے بھی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس غار میں کچھ دیر کے لیے آرام فرمایا تھا یہی وجہ تھی کہ ان تحریروں کے محررین نہ صرف اس غار تک گئے بلکہ اس کے اوپر اور عقب میں بھی پہنچے اور پھر وہاں انہوں نے پتھر کی سطحوں پر اپنی یادداشتیں ثبت کر دیں۔ افسوس کہ اب ان تحریروں تک رسائی کی اجازت نہیں زائرین کا اس غار تک پہنچنا بھی جان جوکھوں کا کام ہے اس کے رستہ میں بھی روڑے اٹکائے جاتے ہیں کبھی تو اس کے دہانے کے آگے دیوار کھینچ دی جاتی ہے اور کبھی لوہے کی خاردار تار

غار جبل احد کے
اندر [illegible] ﷺ
سے مس قدس کا نشان

جبل ثور کی ایک تصویر
شمال مشرق کی طرف سے

جبل ثور کی ایک
اور تصویر

جبل ثور
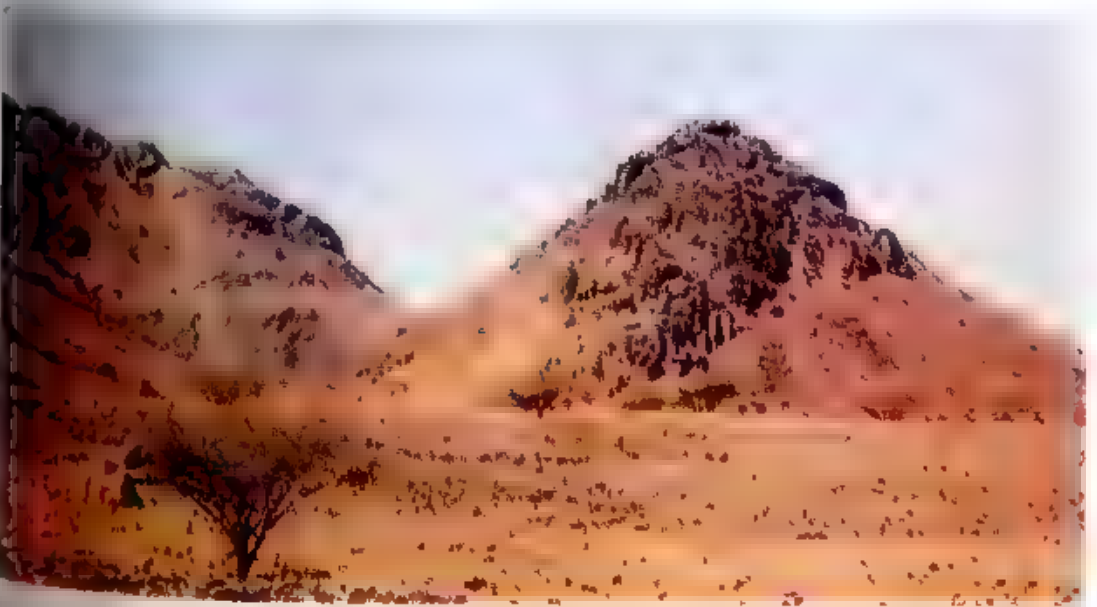
جبل ثور ایک مخروطی شکل کی پہاڑی ہے جو کہ جبل احد کے عقب میں شمالی جانب واقع ہے لغوی معانی میں ثور کا مطلب بیل ہوتا ہے عین ممکن ہے کہ اس کی مخروطی شکل کی بیل کی کوہان سے مماثلت کی وجہ سے قدیم زمانے میں لوگوں نے اس کو جبل ثور کہنا شروع کر دیا ہوگا یہ پہاڑ حجم کے حد سے بہت چھوٹا سا ہے مگر اہمیت کے لحاظ سے بہت عظمت اور فوقیت والا ہے یہاں سے حرم مدنی کی شمالی حدود شروع ہوتی ہیں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے [جو بھی جبل عیر اور جبل ثور کے درمیان ہے وہ الحرم ہے۔]

مدینہ طیبہ کے زائرین بعض اوقات اس مخمصے کا شکار ہو جاتے ہیں کہ جبل ثور تو مکہ مکرمہ کے قریب واقع ہے جو کہ ہجرت مبارکہ کے موقع پر اپنی غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کی تین دن تک میزبانی کا شرف حاصل کر کے شہرت کے آسمان پر پہنچ چکا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں بھی اسی نام کا ایک چھوٹا سا پہاڑ واقع ہے جو کہ مکہ مکرمہ کے جبل ثور یا غار ثور سے بالکل مختلف ہے۔ یہ جبل احد کے عقب میں واقع ہے اور زمانہ قبل از اسلام سے جبل ثور ہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دور حاضر کے چند سعودی مورخین نے یہ کہہ کر رہی سہی کسر نکال دی ہے کہ جبل ثور سے مراد جبل تیاب ہے جس کے اوپر پانی کا ٹینک بنا ہوا ہے یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ جبل تیاب ہی جبل ثور ہے تو اس معاملے کی دوسری شرط بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں جہاں شمالاً جنوباً حدود حرم کا تعین کیا گیا ہے کہ وہ جبل عیر سے جبل ثور کے اندر ہے وہاں اس بات کی بھی متعدد بار صراحت کر دی گئی ہے کہ اس کی شرقاً غرباً حدود دونوں لابوں (لاوا سے بنی ہوئی حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کی سنگلاخ زمینیں) کے اندر ہیں۔ اگر ان مورخین کا استدلال مان لیا جائے تو اس مخمصے کو کون حل کرے گا کہ جبل تیاب تو دونوں حروں کے باہر بہت دور مشرق میں واقع ہے؟ تو ایسے میں شرقاً غرباً حدود کا تعین کیسے کیا جائے گا؟

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ جبل ثور ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جو کہ جبل احد کے عقب میں شمالی جانب ہے۔ یہ ایک الگ پہاڑی ہے اور جبل احد سے متصل نہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک قدیم قبرستان بھی ہے قبیلہ ودمحمد کے افراد جو کہ وہاں صدیوں سے مقیم چلے آ رہے ہیں اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یہی پہاڑی صدیوں سے جبل ثور کہلاتی ہے اور طلوع اسلام کے بعد جب سے اسے حرم نبوی شریف کی حد بتایا گیا تھا وہ قبیلہ (جس کے افراد اس سے بہت دور شمال میں رہتے آئے ہیں) اپنی میتوں کو کندھوں پر اٹھا کر اس پہاڑی کے اس پار حدود حرم میں دفنانے کے لیے لاتے رہے ہیں (۴۱) اس سلسلہ میں مزید تفاصیل باب الحرم النبوی الشریف میں دی گئی ہیں

غار سجدہ ۱۹۰۹ء

جبل سلع

مسجد نبوی شریف کے شمال مغربی کونے کی سیدھ میں طریق سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے تقریباً آدھے میل کی مسافت پر وہ مشہور تاریخی پہاڑ ہے جسے زمانہ قدیم سے جبل سلع کے نام سے پکارا جاتا ہے

فیروز آبادی کے مطابق سلع کا مطلب دو پہاڑوں کے درمیان واقع درہ کا نام ہے (۴۲) اس پہاڑ کا نام زمانہ قدیم سے ہی 'سلع' رہا ہے اسے کب اس نام سے پکارا جانے لگا، یہ جاننا تو محال ہے مگر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں نے اسے یہ نام دیا تھا. ارامائی زبان میں سلع کا مطلب 'چٹان' ہوتا ہے جو کہ اسم نکرہ ہے اس کے مسلسل استعمال سے آہستہ آہستہ اس پہاڑ کا یہی نام اسم معرفہ بن گیا لہذا قدیم یثرب کے باسی یہود و عرب سب اسے اسی نام سے پکارتے تھے جیسا کہ بہت سی احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے

اگرچہ اس کی شہرت کی دیگر وجوہات بھی ہیں مگر سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے مغربی اور شمالی جانب وہ مشہور زمانہ خندق کھودی گئی تھی جس نے غزوہ احزاب میں مدینہ طیبہ کی دفاعی لائن کا کام دیا تھا دوران جنگ جیش اسلام کے اگلے مورچے اسی پہاڑ کی چوٹی اور اس کے دامن میں سجے تھے وہ سات مساجد جو کہ ان خیموں کی جگہ تعمیر ہوئی تھیں جہاں اس دفاعی جنگ کے کمانڈروں نے دوران جنگ قیام فرمایا تھا اسی جبل سلع کے دامن میں واقع ہیں اور اس غزوہ کی یاد تازہ کرتی ہیں.

ارضیاتی ساخت کے اعتبار سے اس پہاڑ کی چٹانیں مدینہ طیبہ کے دوسرے پہاڑوں سے زیادہ مختلف نہیں اور یہ بھی زمانہ قبل از تاریخ میں ہونے والے آتش فشانی انفجار کے عمل کے نتیجے میں معرض وجود میں آئی تھیں. لیکن ارضیاتی معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی چٹانیں دوسرے پہاڑوں کی چٹانوں کی نسبت زیادہ سخت و ٹھوس ہیں. اس پر مختلف جھاڑیوں اور نباتات کا وجود اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ اس کے زیر زمین پانی کے وافر ذخائر ہیں جن کی وجہ سے یہاں دوسرے پہاڑوں کی نسبت ہریالی پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر موجود درختوں نے اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے ہیں جس نے بہت سے عربی شعراء کے کلام میں اسے بہت اونچا مقام دیا ہے

غار سجدہ کے اوپر ایک اور دوسری غار

اسے جبل ثواب بھی کہا جاتا رہا ہے جیسا کہ حضرت ابی قتادہؓ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں ہے حضرت معاذ ابن جبلؓ اپنے گھر سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کی
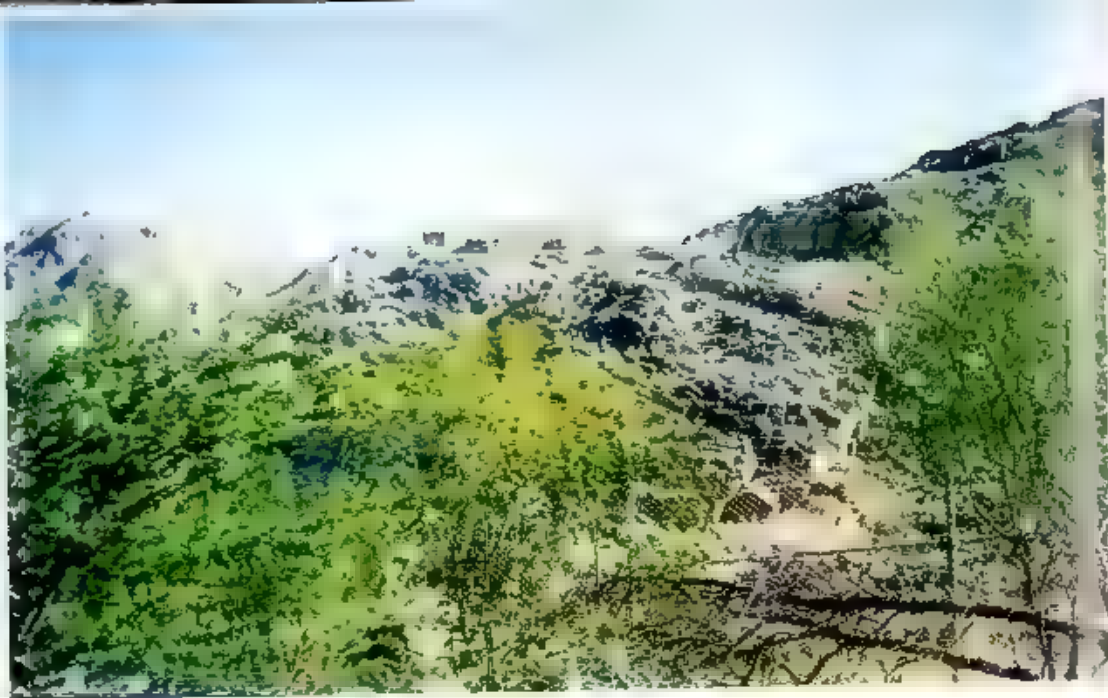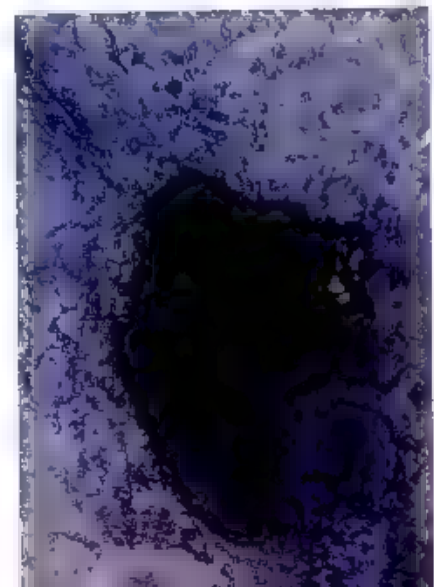
جبل سلع کی چوٹی
پتھر یلی ڈھلوانیں

طرف گئے مگر وہاں آپ حضور ﷺ کو نہ پا سکے پھر وہ آپ حضور ﷺ کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہے یہاں تک کہ انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ جبل ثواب کی طرف گئے ہیں لہذا وہ جبل ثواب پر چڑھ گئے اور دائیں بائیں دیکھنے کے بعد انہوں نے آپ حضور ﷺ کو ایک غار میں دیکھ لیا جس پر جانے کے لیے آج کل لوگوں نے رستہ بنا دیا ہے تاکہ مسجد نبوی شریف آتے جاتے وہاں جا سکیں.] (۴۳)

جیسا کہ ہم نے تفصیل سے اس کتاب کے باب ۹ ''مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد'' میں بیان کیا ہے کہ جہاں جہاں غزوہ احزاب کے دوران رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب جلیل رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خیمے گاڑے تھے وہاں مساجد تعمیر کر دی گئی تھیں. وہ تمام مساجد جبل سلع کے دامن میں واقع ہیں اور یہ علاقہ سبع مساجد کے نام سے مشہور رہا ہے ان میں سب سے زیادہ اہم اور مشہور مسجد الفتح ہے جو کہ جبل سلع کی ایک چوٹی پر واقع ہے جیسا کہ سامنے دی گئی تصویر سے واضح ہے

چونکہ وادی بطحان کا پانی جبل سلع کے گرد واقع تمام اراضی کی آبیاری کرتا تھا یہ ساری زمین بہت زرخیز ہو گئی تھی جہاں ہر طرف مرغزار اور چراگاہیں ہوا کرتی تھیں جہاں چرواہے اپنے مویشی چرایا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کعب بن مالکؓ کی ایک کنیز ان کے قبیلے کے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اس پہاڑی کے دامن میں چرایا کرتی تھی جو کہ سوق مدینہ کے قریب تھا (یعنی جبل سلع). (۴۴) اس کے علاوہ بہت سے قبائل نے اپنی رہائش اسی پہاڑ کے دامن میں منتقل کر لی تھیں جس سے وہ مسجد نبوی شریف کے قریب آ گئے تھے سب سے پہلے جو لوگ وہاں منتقل ہوئے وہ بنی جہینہ تھے بعد میں رسول اللہ ﷺ کے اذن خاص سے بنو حرام اور بنو اشجع بھی وہاں آباد ہو گئے تھے

آبشار ۲۰۰۱ء

غزوہ احزاب میں حربی عملیات کے مرکز (Theatre of Operations) ہونے کے علاوہ جبل سلع اور بھی کئی اندار میں سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے مختلف واقعات سے نسبت رکھتا ہے جن کی ایک مثال وہ غار ہے جہاں حضرت معاذ ابن جبلؓ نے تلاش بسیار کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈا تھا یہ غار 'کہف بنو حرام' کے نام سے جبل سلع ہی کی ایک چوٹی پر واقع ہے اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزہ جس سے چٹانوں سے پانی کے چشمہ کا اجراء تھا وہ بھی اسی کی چوٹی پر ہوا تھا.

علاوہ ازیں جبل سلع بہت سے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تحریروں اور
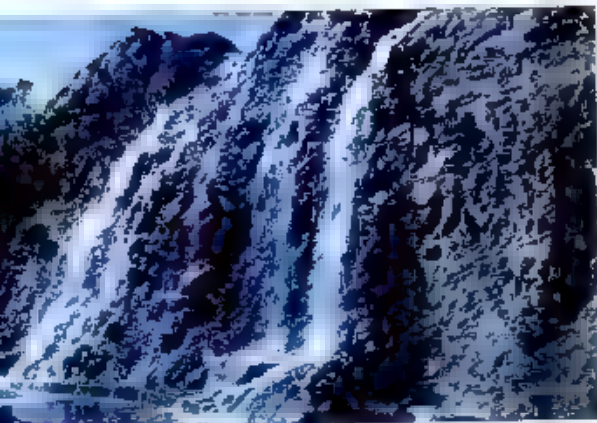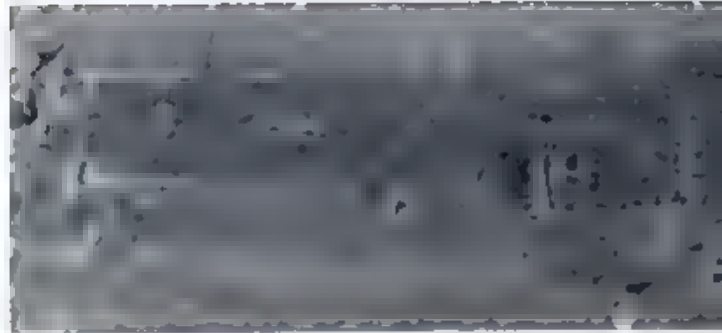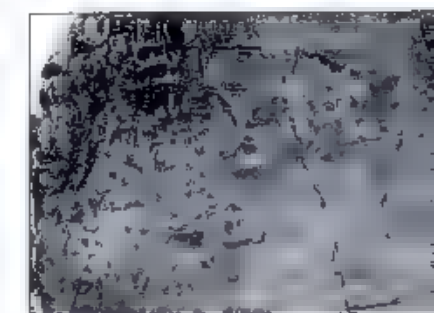
یادداشتوں کا علم تھا جو کہ اس کی مختلف چٹانوں پر کندہ کی گئی تھیں جن میں سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا علی بن ابی طالب اور حضرت سعد بن معاذ کی یادداشتیں شامل تھیں جو کہ انہوں نے اپنے دست ہائے مبارک سے ان چٹانوں پر غزوہ خندق کے دوران ثبت کی تھیں صدیوں سے یہ تحریریں اس بات کا ناقابل تردید ثبوت رہی آرہی تھیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کوئی رسم خط میں مہارت رکھتے تھے اور یہ کہ رسم الخط میں لکھے گئے مصحف شریف کے نسخے انہیں ہستیوں کے ہاتھوں سے تحریر ہوئے تھے حقیقت تو یہ ہے کہ ہجرت مبارکہ کے چوتھے سال کے یہ نقوش تاریخ اسلام کا ایک بہت ہی نادر خزینہ تھے لیکن بدقسمتی سے وہ تمام تحریریں اس علاقے میں بسنے والوں کی بے حسی اور بے عقلی سے صرف اس لیے راہی ملک عدم ہو گئیں کہ کسے قدر لوگوں نے ان چٹانوں کو توڑ کر ان کی جگہ پر مستقل تعمیر کر دیے ہیں (۴۵)

ان تحریروں کا ضیاع موجودہ ارباب حل و عقد کے ماتھے پر ایک سیاہ داغ سے کم نہیں جن کی بے پروائی سے اسلامی تاریخ کے ابتدائی باب کا وہ زریں ورق ہمیشہ کے لیے ضائع ہو گیا جس پر نہ صرف اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں سے غزوہ احزاب کے متعلق تحریریں کندہ تھیں بلکہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں رائج عربی رسم خط پر روشنی پڑتی تھی لیکن اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی مساعی جمیلہ سے ان تحریروں کی تصویریں جریدہ تاریخ مدینہ طیبہ میں محفوظ ہو گئی ہیں یہ ڈاکٹر حمید اللہ ہی تھے جنہوں نے ان تحریروں کی دریافت میں ان تصویروں کو اپنے کیمرے میں اتار کر پہلی بار تحقیقی رسالوں کی نذر کیا تھا اور ابراہیم رفعت پاشا کی طبع شدہ تصاویر بہت حد تک مبہم اور دھندلی ہیں جن کی اشاعت بھی کسی طور سود مند نہیں

عثمانی دور میں جبل سلع پر عسکری عمارت کی تعمیر ہوئی تھی جن میں سے بعض کے کھنڈرات آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں

مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی کی دوڑ کا اثر اس پہاڑ کے گردونواح پر بھی پڑا اور چونکہ یہ علاقہ مسجد نبوی شریف کے بالکل قریب تھا اس لیے اس کے نواح سے صاف کی جانے والی زمین سونے کے بھاؤ بکنے لگی یہاں کثیر منزلہ مکانات، ہوٹل اور تجارتی مراکز تعمیر ہو چکے ہیں اور اب یہ علاقہ مدینہ طیبہ کا گنجان ترین علاقہ تصور ہوتا ہے جو کہ مسجد نبوی شریف کے قریب ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔ جبل سلع کا کچھ حصہ توڑ کر وہاں سے حرم النبوی شریف کے گرد سڑکوں کے جال کو بچھانے کے لیے شاہراہیں گزاری گئی ہیں ٹوٹے ہوئے حصے پر مصنوعی آبشار بنا دی گئی ہے جبل سلع پر دیگر آثار نبویہ شریفہ کے علاوہ کہف بنو حرام (بنی حرام کی غار) اور عین النبی (رسول اللہ ﷺ کا چشمہ) بھی تھے۔ غار کے اوپر تعمیر شدہ قبہ مسمار کر دیا گیا ہے مگر کہف بنی حرام سلامت ہے اور اس کے اوپر کی جانب ایک اور چھوٹی سی غار ہے جس سے عین النبی ﷺ جاری ہوا تھا مگر وہ صدیوں سے سوکھا ہوا ہے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اس غار میں بہت دیر تک سجدے میں چلے گئے تھے چونکہ اس کے اردگرد قبیلہ بنو حرام آباد ہو گیا تھا اس لیے اس غار کو کہف بنی حرام کہا جانے لگا تھا لوگ وہاں جا کر نوافل ادا کرتے تھے۔ اسی طرح کسی غزوہ کے دوران رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پانی کی کمیابی کی شکایت کی تو معجزہ رسول مقبول ﷺ سے اسی جبل سلع کے سینے سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا جسے عین النبی کہا جاتا تھا۔

جبل سلع ہی کے دامن میں شرقی جانب وہ قدیم درہ تھا جہاں سے سرور کائنات ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران ہو کر مدینہ شریف میں داخل ہوئے تھے۔ یہ شہرہ آفاق جگہ ثنیات الوداع کے نام سے جانی جاتی تھی۔ اسی مقام پر مدینہ طیبہ کے

جبل سلع۔ چودھویں صدی کی کندہ تحریریں جو اب ہمیشہ کے لیے ضائع ہو چکی ہیں (تصویر: بادن خاص)

جبل عیر ۲۰۰۳ء

بچوں نے دف بجا بجا کر "طلع البدر علینا" کا وہ روح پرور نغمہ گایا تھا جس کے میٹھے بول آج بھی کانوں میں رس گھول رہے ہیں عبرانی زبان میں لفظ "سلع" کا مطلب "چٹان" ہوتا ہے اور انجیل کی ایک پیشین گوئی کے مطابق یہ بتا دیا گیا تھا کہ "قادموا الی قلیط" وہ نبی جو کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے ہوں گے مراد انبیاء اور سب نبیوں کی غایت اولیٰ کا شاندار استقبال یہاں پر ہوگا یعنی سلع پر حضرت یوشع علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق [ویرانوں اور آبادیوں کو بلند آواز میں ان گاؤں اور قریوں کے متعلق گانا چاہیے۔ سلع (چٹان) کے باشندوں کو حمد گانا چاہیے انہیں چاہیے کہ وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سے حمد گائیں اور اپنے رب کی پاکی بیان کریں اور اس کی حمد ہر جگہ پہنچا دیں] (۴۴) یہودی علماء نے جب اپنے صحف سماوی کے تراجم کیے تو لفظ "سلع" کو جو کہ دراصل ایک اسم معرفہ تھا اور بغیر حاجت ترجمہ کا محتاج نہ تھا، اسم نکرہ کی صورت میں "چٹان" کر دیا اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو جبل سلع بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کا نام زمانہ قبل از اسلام انجیل میں بھی مذکور تھا اور جیسے ان پیشین گوئیوں کے مطابق یہ فخر نصیب ہونا تھا کہ وہاں نبی موعود رسول اللہ ﷺ کا شاندار استقبال ہونا تھا اور ایسا ہو بھی تھا اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی مگر وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا اور جہاں سرور کونین ﷺ کا استقبال بہت ہی والہانہ انداز میں ہوا تھا اسے بھی ملیامیٹ کر دیا گیا ہے اب وہاں سے ابوبکر الصدیق روڈ (سابقاً سلطانہ روڈ) گزرتی ہے۔ نہ وہاں مسجد ہے اور نہ ہی ثنیات الوداع کی گھاٹیاں ہیں جدید عمرانی دوڑ میں بے حسی نے وہ کرشمے دکھائے ہیں کہ ثنیات الوداع جیسے اہم ترین تاریخی مقامات بھی زیر زمین یا سڑکوں کے نیچے دفن ہو کر رہ گئے ہیں۔ مدینہ طیبہ یا مکۃ المکرمہ کے جو ارحرم میں جہاں آڈیو کیسٹس بکتی ہیں وہاں طلع البدر علینا کا نغمہ شب و روز با آواز بلند لگا ہوتا ہے تاکہ اس کے تحصیل سے مالی منفعت حاصل کی جا سکے مگر کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ثنیۃ الوداع کا مقام معدوم ہے وہاں سے سڑک گزار دی گئی ہے

اسی پہاڑی کی ایک چوٹی پر کہف بنی حرام تھی جس پر دو گنبد بنے ہوئے ہوتے تھے جو کہ ناصریہ پرائمری سکول کے عقب میں اس علاقے میں واقع تھی جہاں کبھی بنو جہینہ آباد ہوئے تھے غزوہ احزاب کی عسکری کارروائیوں کے دوران رسول اللہ ﷺ نے وہاں استراحت فرمائی تھی۔ اسے "کہف الکبیر" کہا جاتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ وہ غار جہاں حضرت معاذ ابن جبل نے رسول اللہ ﷺ کو تلاش بسیار کے بعد پایا تھا وہ اس کے علاوہ ہے جسے "کہف الصغیر" کہا جاتا تھا جو کہ جبل سلع کے دوسری جانب واقع تھی جہاں ترکوں نے ایک خوبصورت گنبد بنا دیا تھا جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے

جبل عیر

جبل عیر ۱۹۶۰ء

جنوبی جانب سے حرم مدنی کی حد بندی کرنے کے علاوہ جبل عیر اس طرف سے مدینہ طیبہ اور حجاز کے باقیماندہ علاقوں کے مابین جغرافیائی طور پر ایک قدرتی حد فاصل ہے۔ مکۃ المکرمہ اور اسی جانب سے دوسرے شہروں سے بذریعہ طریق الہجرہ آنے والوں کو اسی پہاڑ کے پاس سے گزر کر شہر
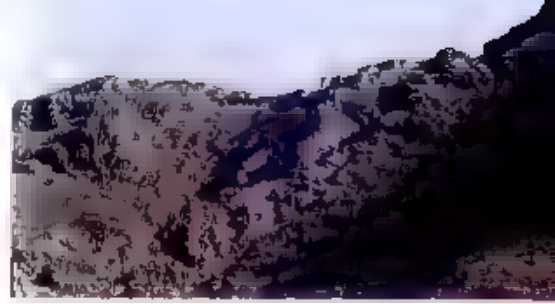
حبیب آ نا پڑتا ہے مرکز مدینہ طیبہ سے تقریباً سات کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع یہ بلند و بالا پربت طریق الہجرہ کی غربی جانب صرف ایک کیلومیٹر پر واقع ہے. وادی العقیق جو کہ مدینہ طیبہ سے ۲۰۰ کیلومیٹر دور سے جاری ہوتی ہے وہ اسی پہاڑ کے مغربی کونے کے پاس سے بل کھاتی ہوئی گزر کر ارض مقدس میں داخل ہوتی ہے

ارض مقدس کے دیگر پہاڑوں کی طرح جبل عیر بھی آتش فشانی انجماد کے عمل کی پیداوار ہے. اس کی چٹانیں زیادہ تر گہرے بھورے رنگ کی ہیں مگر بعض مقامات پر ان میں سرخ و سپید دھاریاں بھی پائی جاتی ہیں. یہ پہاڑ ۳،۵ (ساڑھے تین) کیلومیٹر چوڑا اور تقریباً چھ کیلومیٹر لمبا ہے اور سطح سمندر سے ۳۰۰ میٹر بلند ہے. اس کی چٹانیں بہت سخت اور بھوری گرینائٹ (Solidified crystallized granite GP) سے بنی ہیں مگر کہیں کہیں آتش فشانی راکھ اور نرم مٹی بھی ملتی ہے. جبل عیر خود تو ایک خشک اور بے آب و گیاہ پہاڑ ہے مگر اس کے چند حصے جو کہ اس سے کٹے ہوئے ہیں اور ذوالحلیفہ اور آبار علی تک چلے گئے ہیں وہ زیر زمین پانی کی نعمت سے مالا مال ہیں. وہاں پر خاردار جھاڑیاں بکثرت پائی جاتی ہیں. جبل عیر پر کہیں کہیں پائی جانے والی نباتات مغیلاں و ببول قسم کے خاردار خودرو پودے ہیں. چھوٹے چھوٹے قد والا بلسم (بحرف عام بلسان) کا درخت بھی اسی پہاڑ پر پایا جاتا ہے. جب اس کے تنے کے چھلکے میں چھید لگا دیئے جاتے ہیں تو ان چھیدوں سے ایک عجیب قسم کی خوشبودار گوند بہنے لگ جاتی ہے جو بعض طبی خصائص کی حامل ہے اور اسی لیے زمانہ قدیم سے وہ مختلف امراض کے علاج کے لیے استعمال ہوتی ہے. مدینہ طیبہ کی اکثر دکانوں پر یہی گوند روغن بلیساں کے نام سے بکتی ہے اور خالص روغن بیسان خاصا مہنگا ہوتا ہے. اس کے علاوہ ایک اور جڑی بوٹی بھی یہاں کثرت سے پائی جاتی ہے جسے لغت عام میں 'سنا' یا 'سنائی' کہا جاتا ہے جو کہ جلاب آور خصائص کی وجہ سے بلاد عرب سے باہر بھی عطاروں اور حکماء میں مقبول ہے

پہاڑیوں کا یہ طویل و عریض سلسلہ جسے اب سلسلہ جبال العیر کہا جاتا ہے ماضی بعید میں مدینہ طیبہ کے لیے ناقابل تسخیر قدرتی دفاعی لائن کا کام دیتا رہا ہے اور اس سے ملنے والے شرقی و غربی حرہ جات (حرۃ واقم اور حرۃ الوبرہ) نے مل کر مدینہ طیبہ کو تین اطراف سے ہمیشہ بیرونی جارحیت سے محفوظ رکھا ہے. اس کے ساتھ ساتھ ان پہاڑیوں میں قدرتی چشموں اور ندی نالوں نے ان تینوں اطراف میں ازمنہ قدیم سے پہلے تو اہل یثرب اور پھر اہالیان مدینہ طیبہ کے بادیہ نشینوں کے لیے سامان زیست مہیا کرنے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں. بہت سے بدو قبائل انہیں علاقوں میں بسنا پسند کرتے تھے جن میں سرفہرست المزنی شعوب تھے. ابتدائے اسلام میں جب وادی العقیق مدینہ طیبہ کا سب سے زیادہ پر رونق علاقہ ہوا کرتا تھا تو بنو امیہ کے بہت سے امراء و رؤساء جبل عیر کے دامن کو وہ تک اپنے محلات کو لے گئے تھے. ماضی میں ان قدیم محلات کے کھنڈرات بہت مشہور رہے ہیں. بعض کی باقیات تو ابھی تک موجود ہیں جن میں ابراہیم بن ہشام اور اسحاق بن ایوب المخزومی کے محلات اور طلحہ اور سفیان بن عاصم کے مکانات کے کھنڈرات شامل ہیں. جبل عیر کی بعض چٹانوں پر کوفی رسم الخط میں بعض تحریریں ملتی ہیں جو اس علاقے کی عمرانی تاریخ پر روشنی ڈالتی ہیں جن میں سے کچھ تحریریں تو ۵۸۵ ہجری میں کندہ کی گئی تھیں.

ابراہیم التیمیؒ نے اپنے والد کی روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ: "حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ہمیں خطاب فرمایا: وہ شخص جو یہ سوچتا ہے کہ ہم اہل بیت رسول مقبول ﷺ کتاب اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی تلاوت کرتے ہیں (اور انہوں نے اس صحیفہ کی جانب اشارہ کیا جو کہ ان کی تلوار کی نیام سے بندھا تھا) دروغ گوئی کا مرتکب ہے. اسی صحیفے میں تمام مشاکل کے حل درج ہیں جن میں اونٹوں کی عمروں سے لے کر

جبل سلع پر قلعہ ترک
۲۰۰۳ء

جبل سلع پہ مارکدہ
کے اوپر چھوٹی غار
۲۰۰۳ء
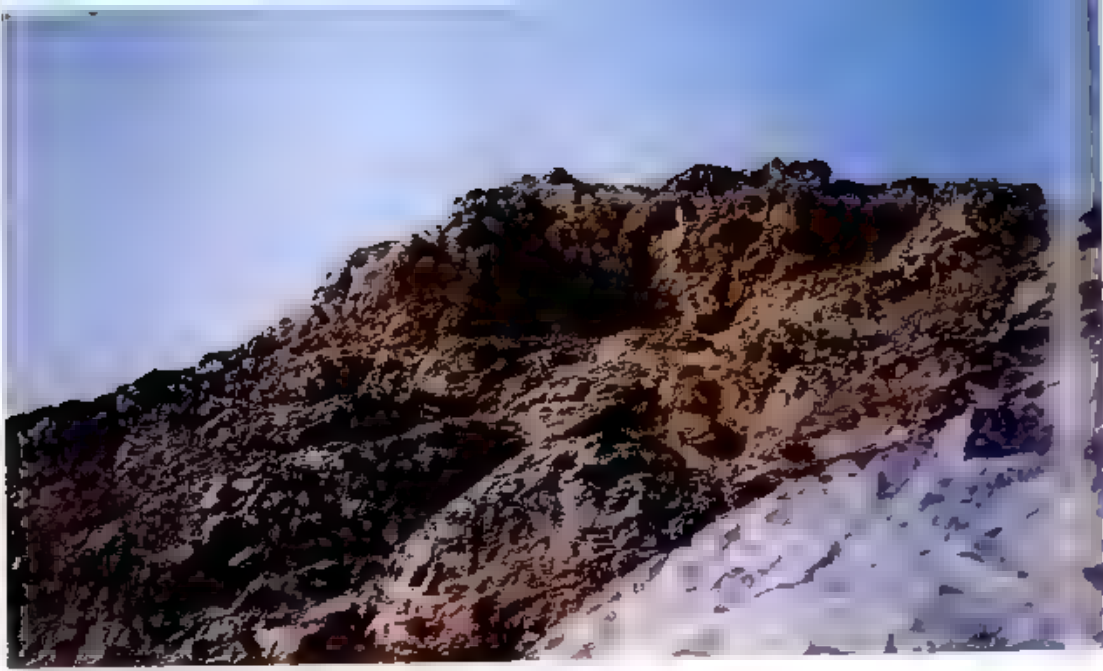
قصاص تک کے احکامات درج ہیں اور اس میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان کریم بھی شامل ہے کہ [مدینہ طیبہ جبل عیر سے جبل ثور تک حرم ہے وہ شخص جو اس میں کسی بدعت کا اجراء کرتا ہے اور کسی مدعی کو پناہ دیتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی، اس کے فرشتوں اور تمام مسلم امت کی لعنت ہو." بیہقی نے بھی اسی روایت کو نقل کیا ہے. (۵۰)

لغوی لحاظ سے العیر کا مطلب عرب میں جانوروں کی وہ قسم ہے جس میں صحرائی گدھے وغیرہ شامل ہیں. (۵۱) سمہودی نے کہا ہے کہ العیر (نہ کہ العِیر) جنگلی گدھے کو کہتے ہیں. یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو کہ مدینہ طیبہ کے قبلہ کی جانب العقیق کی شرقی جانب واقع ہے (۵۲) ماضی جدید سے مختلف ادوار میں سے جبل عیر، عِیر (زبر کے ساتھ) عیارہ اور العیر (زیر کے ساتھ) بولا جاتا رہا ہے. اسے یہ نام کب اور کیوں ملا اس بارے میں کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچی تاہم چند مورخین جن میں ابراہیم العیاشی بھی شامل ہیں اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اسے العیر (یعنی جنگلی گدھا) اس لیے کہا جاتا ہوگا کیونکہ دور سے دیکھنے سے اس کی سطح ایک گدھے کی کمر کی مانند نظر آتی ہے. (۵۳) تاہم بعض مورخین کا خیال ہے (جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی شامل ہیں) کہ دور سے اگر اسے دیکھا جائے تو اس کی سطح خمدار تلوار کی پشت کی سی لگتی ہے (۵۴)

چونکہ وحشی گدھے برے اخلاق اور پست صفتوں کے مالک ہوتے ہیں اس لیے اسی نام کی مناسبت سے اس پہاڑ کو بغض والا پہاڑ کہا گیا ہے. منافقین کی دست پناہی زیادہ تر اسی جانب سے ہوا کرتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عداوت اسلام میں جو مسجد ضرار تعمیر کی وہ بھی مدینہ طیبہ کی اسی جانب تھی، جب کہ جانب احد ان کی دسترس نہ ہوسکی تھی، حتیٰ کہ یوم احد پر بھی اللہ رب العزت نے ان کا اس کے دامن میں جانا گوارا نہ کیا اور وہ راستہ ہی سے لوٹ آئے. ابن ابی رئیس المنافقین کا محل بھی جنوبی جانب ہی تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے خلاف شورشوں کی آماجگاہ تھا. تاہم وہ کون سی وجوہات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ [العیر ہم سے بغض رکھتا ہے اور ہم اس سے بغض رکھتے ہیں] (۵۵) وہ تو صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو ہی معلوم ہیں. بعض احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ العیر دوزخ کا پہاڑ ہے (۵۶) یہی وجہ ہے کہ یہ پہاڑ عامۃ المسلمین کے دلوں میں کوئی محبت نہ پا سکا اور نہ ہی کوئی وہاں اس کی زیارت کرنے جاتا ہے. اس کے برعکس شعراء اور ادباء نے جبل سلع اور جبل احد کے بارے میں زمانہ قبل از اسلام سے لیکر موجودہ دور تک بہت سے قصیدے اور تعریفی اشعار لکھے ہیں. عثمانی دور میں ترکوں نے جبل عیر کی چوٹی پر ایک قلعہ تعمیر کروایا تھا تاکہ جنوب کی طرف سے ممکنہ حملہ آوروں سے بروقت آگاہی ہو سکے.

جبل ذباب

جبل سلع کی بغل میں شرقی جانب یہ چھوٹی سی پہاڑی جبل ذباب کہلاتی ہے جو کہ العیون کے علاقے میں واقع ہے یہ ایک بہت ہی خوبصورت گنجان آباد محلے میں کثیر المنزل مکانات کے درمیان گھری ہوئی پہاڑی ہے جس کی وجہ سے اکثر اوقات یہ لوگوں کی نظر سے اوجھل رہتی ہے اس پہاڑی کی چوٹی تک مکانات کا سلسلہ قائم ہے اب تو اس پہاڑی کا بہت سا حصہ کاٹ کر زمین ہموار کر دی گئی ہے تاکہ علاقے کے باسیوں کے لیے کمیونٹی ایریا مہیا کیا جا سکے ساخت کے لحاظ سے اس کی چٹانیں بھی آتش فشانی عمل کی مرہون منت ہیں

دیکھنے میں تو یہ پہاڑی بہت چھوٹی سی ہے مگر نسبت رسول مقبول ﷺ نے اسے عظمت و تقدس کی ان رفعتوں پر پہنچا دیا ہے کہ آسمان کی بلندیاں بھی اس پر رشک کناں ہیں غزوہ احزاب کے دوران اس پہاڑی کو یہ فخر اور سعادت نصیب ہوئی کہ فخر موجودات فخر نوع انسانی ﷺ نے اس کے اوپر اپنا خیمہ نصب کرایا تھا چونکہ یہ پہاڑی ایک ایسے مقام پر واقع تھی جہاں سے اس خندق پر جو کہ رسول اللہ ﷺ نے کھدوائی تھی پوری طرح نظر رکھی جا سکتی تھی، اس لیے سالار رسالت ﷺ نے اس اہم چوکی کا انتخاب فرمایا۔(۵۷) حضرت رابح بن عبدالرحمن بن ابی سعید الخدری ؓ کی روایت ہے [رسول اللہ کا خیمہ جبل ذباب کی چوٹی پر نصب کیا گیا تھا](۵۸) یوں اس پہاڑی کے نصیب جاگ اٹھے کہ میر کارواں اور مومنین کے سالار اعظم ﷺ نے اس غزوہ کے دوران اپنا کیمپ نفس نفیس وہاں قائم فرمایا رسول اللہ ﷺ کے لیے لگنے والا یہ خیمہ سرخ چمڑے سے بنا تھا اور نہ جانے کتنی ہی دفاعی نوعیت کے اجلاس وہاں منعقد ہوئے تھے امہات المومنین میں سے سیدتنا عائشہ ؓ، سیدتنا ام سلمہ اور سیدتنا زینب ؓ باری باری ہمراہی رسول مقبول ﷺ کے لیے تشریف لاتیں اب اس خیمہ کی جگہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دنوں میں ہی تعمیر ہو گئی تھی اور جسے بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے از سر نو تعمیر کروایا تھا ۱۰×۱۰ ذرع کے رقبے کی یہ مسجد ''مسجد ذباب'' کے نام سے جانی جاتی ہے اس کے علاوہ اسے ''مسجد الرایہ'' بھی کہا گیا ہے

ان دنوں جبل ذباب کا تقریباً آدھا حصہ توڑ کر اس کے نیچے سے زمین ہموار کر دی گئی ہے تاکہ علاقے کے لوگوں کے لیے پارکنگ کا ایریا نکالا جا سکے، لیکن دوسرا آدھا حصہ جس پر وہ مسجد شریف ہے ویسے ہی رہنے دیا گیا ہے یہ مسجد آثار نبویہ میں سے ایک ہے جو کہ ابھی تک نماز پنجگانہ کے لیے کھلتی ہے اس کے گرد آبادی پرانی طرز کی ہے اور اس کی گلیاں تنگ ہیں۔ چند عمارتیں نئی بھی ہیں مگر مسجد کی عمارت قدیم ہے اور اوقاف کے زیر انصرام ہے

جبل الجرف

جبل الجرف
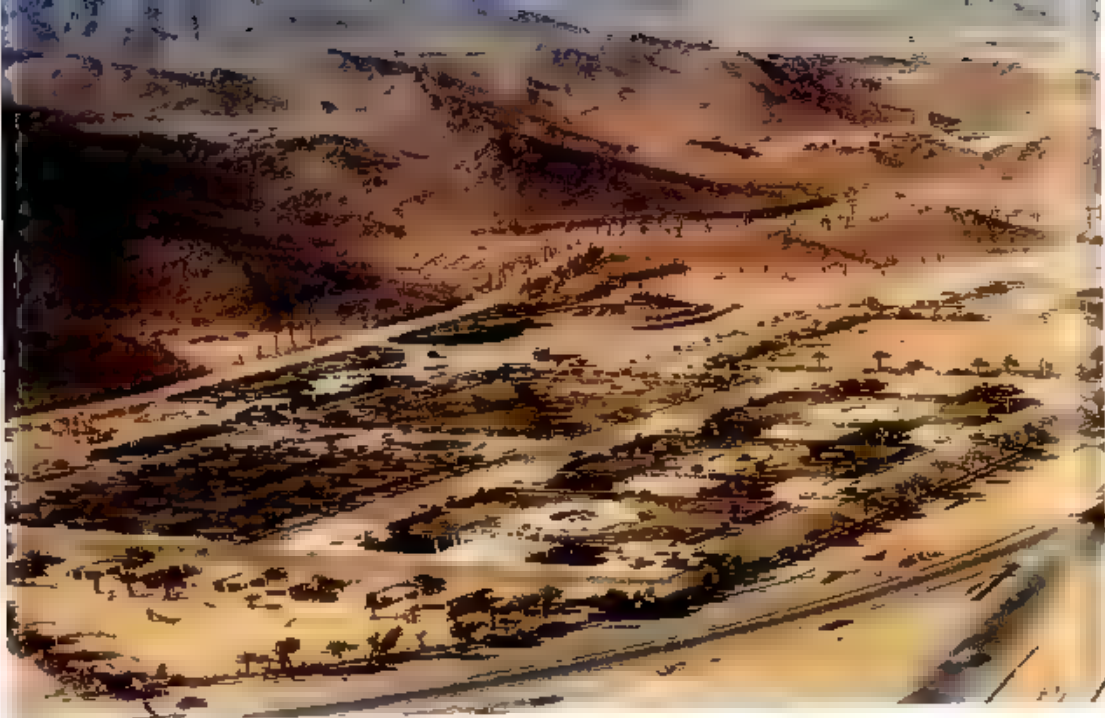
الجرف کا منطقہ مدینہ طیبہ کی جدید سیٹیلائٹ آبادیوں میں سے سب سے خوبصورت علاقہ ہے اس کا نام جبل الجرف سے مشتق ہے یہ علاقہ مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں واقع ہے اور جبل احد کے انتہائی غربی جانب سے شروع ہو کر طریق خوجات تک پھیل چکا ہے قبل از تاریخ کے دھندلکوں میں اگر جھانک کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ماضی بعید میں اسے اعرض کہا جاتا تھا مگر تبع کے اس کو اجرف کہنے سے اس کا نام جرف پڑ گیا اس کا شمار مدینہ طیبہ کے زرخیز ترین علاقوں میں ہوتا رہا ہے۔ فجر اسلام میں اس کی وجہ شہرت کا سبب وہاں پر عساکر اسلام کی عارضی چھاؤنی کا قیام تھا جو کہ سامانی و بیرونی باطنی سرپھروں کی سرکوبی اور ان حکومتوں کے خاتمے کے لیے وہاں خیمہ زن ہو کرتے تھے

کبھی کبھار تو رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جیش اسلامی کی ترسیل و ترحیل کے لیے ان کے ساتھ ساتھ الجرف تک تشریف لے جاتے اور مجاہدین اسلام کو الوداع فرماتے تھے بعض روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ حضرت معاذ بن جبل کے ساتھ الجرف تک تشریف لے گئے تھے جب کہ موخر الذکر کو یمن کے والی کے طور پر تعینات کر کے بھیجا گیا تھا اسی مقام کو یہ شرف بھی حاصل رہا کہ وہ لشکر اسلام جو کہ حضرت اسامہ بن زید ؓ کی سپہ سالاری میں روانہ ہوا (جو حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں آخری لشکر اسلام تھا جو کہ کسی مہم پر روانہ ہوا تھا) اس کا پڑاؤ بھی جبل الجرف کے دامن میں لگا تھا۔ پھر خلافت راشدہ کے زریں دور میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا تو سیدنا عمر بن الخطاب ؓ نے افواج اسلام کے لیے وہاں دائمی چھاؤنی بنانے کا بندوبست کر دیا تھا۔ عثمانی ترکوں نے اسی پہاڑ پر ایک مضبوط قلعہ بھی تعمیر کروایا تھا تاکہ کسی بھی ممکنہ بیرونی جارحیت کا سدباب ہو سکے۔ صلیبی جنگوں کے دوران یہ خطرہ بڑی شدت سے محسوس ہوتا رہا تھا کہ وہ لوگ کہیں مدینہ طیبہ پر لشکر کشی نہ کر دیں ترک دور میں اگرچہ صلیبی اپنی موت مر چکے تھے مگر پھر بھی حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے دفاع مدینہ طیبہ کے لیے چاروں اطراف میں مضبوط قلعے تعمیر کروائے تھے جن میں سے ایک جبل الجرف پر بھی تھا یہ قدیم قلعہ آج بھی موجود ہے اور اس جانب مدینہ طیبہ کے حسن و جمال میں اضافے کا سبب ہے

الجرف کا علاقہ زیادہ تر وادی العقیق میں پڑتا ہے بیر اروما کا تاریخی کنواں بھی العقیق کے اس حصے میں ہے جو کہ الجرف کا جزو ہے۔ زمانہ قبل از اسلام سے اس کی زرخیزی مشہور و معروف تھی، جب یمنی تبع نے قبل از اسلام کے یثرب پر یلغار کی تو وہ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں واقع سلسلہ ہائے کوہسار کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا ''میں نے چاروں اطراف کا معائنہ کیا ہے۔ جہاں تک وادی قناۃ کا تعلق ہے یہ بھی سبزہ گاتی ہے مگر یہاں انجیر کے اشجار کا فقدان ہے، جہاں تک حرہ جات کے علاقوں کا تعلق ہے یہ بنجر ہیں اور وہاں نہ تو سبزہ ہی اگتا ہے اور نہ

۲۰۰۰ء

ہی انجیر تمام میں نے اجرف کو دیکھا ہے۔ یہاں غلے اور انجیر دونوں کی بہتات ہے''(۶۰)

یہ اسی زمین کی زرخیزی تھی کہ بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اجرف کے علاقے میں اپنے زرعی فارم قائم کر لیے تھے فیروز آبادی کے مطابق الجرف ایک ایسا علاقہ ہے جو کہ مدینہ طیبہ کے شہر سے تین میل دور شامی جانب واقع ہے اس میں وہ زمینیں بھی تھیں جو کہ حضرت عمر فاروق ؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ملکیت تھیں بیر جشم اور بیر جمل اسی علاقے میں واقع ہیں ؑ(۶۱) حضرت عثمان بن عفان ؓ نے اجرف کے علاقے میں ایک نہر کھدوانے کا بھی اہتمام کیا تھا جو ان کی زمینوں کو سیراب کرتی تھی جو کہ ان کی شہادت کے بعد حضرت نائلہ کے بطن سے پیدا ہونے والی ان کی بیٹیوں کی وراثت میں آگئی تھیں اس نہر کو تبیع نائلہ ؒ کہا جاتا تھا یوں ارض مدینہ طیبہ میں مصنوعی نہر سے آبپاشی کے نظام کا تجربہ سب سے پہلے جرف کی اراضی پر ہوا جس سے ان کی زمینوں نے سونا اگلنا شروع کر دیا بیسویں صدی کے وسط تک یہ علاقہ پھل اور سبزیاں اگانے میں بہت شہرت رکھتا تھا

جبل اجرف کی شہرت کی ایک اور وجہ وہ حدیث مبارکہ ہے جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ آخری ایام میں جب دجال ملعون اس شہر حبیب کا رخ کرے گا تو جبل الجرف پر آکر رک جائے گا حضرت محجن بن الادرع ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن لوگوں سے خطاب فرمایا [یوم نجات تمہیں کیا معلوم کہ یوم نجات کیا ہے؟

اور پھر اسی سوال کو تین بار دہرایا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دجال جبل احد پر چڑھ جائے گا اور مدینہ طیبہ کی جانب دیکھے گا اور اپنے پیروکاروں سے کہے گا جانتے ہو کہ وہ سفید محل کیا ہے؟ یہ مسجد احمد ہے پھر وہ مدینہ طیبہ کی جانب اترے گا اور تب اس کو پتہ چلے گا کہ اس میں داخلے کے راستوں پر اس کی جانب فرشتے تلواریں سونت کر کھڑے ہوں گے پھر وہ الجرف کی سبخہ (کلر اور شوریلی زمین) کی جانب اپنا رخ کرے گا اور وہاں خیمہ زن ہو جائے گا پھر مدینہ طیبہ پر تین بار زلزلہ آئے گا اس پر کوئی بھی منافق مرد اور عورت مدینہ طیبہ میں نہیں رہیں گے اور اسے ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیں گے، یہ دن مدینہ طیبہ کے لیے یوم نجات ہوگا](۶۲)

جبل اجرف کو یہ بھی فخر حاصل رہا ہے کہ وہاں ''مزرعۃ النبی'' ﷺ بھی ہوا کرتا تھا جو کہ صدقات النبوی الشریف میں شامل تھا (محمد محمد حسن شراب، اخبار الوادی المبارک (العقیق)، مکتبۃ دار التراث، المدینۃ المنورہ، ۱۹۸۵ء، ص ۲۰۶) وہاں بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مکانات اور محلات تعمیر کیے ہوئے تھے حضرت مقداد بن الاسود ؓ بھی وہیں رہا کرتے تھے

جماوات

اوسط درجے کی بلندی کی تین پہاڑیوں کا ایک سلسلہ جو کہ مسجد نبوی شریف کے مغرب میں واقع ہے 'جماوات' کہلاتا ہے ان میں سے ایک جماء تضارع کہلاتی ہے جبکہ دوسری دونوں جماء ام خالد اور جماء العاقر (یا العاقل) کہلاتی ہیں ان میں سے پہلی دو (یعنی جماء تضارع اور جماء ام خالد) جڑواں پہاڑیاں لگتی ہیں جب کہ تیسری پہاڑی جماء عاقر ان سے الگ تھلگ ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ پہاڑیاں وادی العقیق اور حرہ غربیہ کے درمیان واقع ہیں یہ تینوں پہاڑیاں بھی دیگر سلسلہ جبال کی طرح آتش فشانی عمل کی پیداوار ہیں اور بھورے

جماوات کی پہاڑیاں ۲۰۰۵ء

رنگ کے گرینائٹ بیسالٹ کے مادے سے بنی ہیں

وادی العقیق کی شرقی جانب اور مدینہ طیبہ کی غربی جانب ان پہاڑیوں کے دامن میں واقع علاقہ اپنی زرخیزی، آبی وسائل اور سرسبز لہلہاتے کھیتوں کی وجہ سے مشہور رہا ہے بلاذری کے بیان کے مطابق مدینہ طیبہ میں تین جماوات ہیں، ان میں سے ایک جماء تضارع ہے جس سے بارش کی طغیانی کا پانی بہہ کر ام عاصم اور بیر عروہ بن زبیر ؓ کی جانب نکل جاتا ہے (۶۳) وادی العقیق کے نواح میں ہونے کی وجہ سے بہت سے مدنی ان پہاڑیوں کو جماوات العقیق بھی کہتے ہیں ان تینوں پہاڑیوں کو اور دوسرے ناموں سے بھی پکارا جاتا رہا ہے مثلاً جماء تضارع کو جبل غرابہ بھی کہا جاتا ہے لغوی لحاظ سے جماء کے معنی پانی کے چشمے کے ہیں اس کا دوسرا مطلب ایسی بکری کا سر بھی ہوتا ہے جس پر کوئی سینگ نہ ہوں اور کسی ایسی عورت کو بھی جماء کہا جاتا ہے جو کہ بہت موٹی ہو (۶۴) چونکہ جماوات کی چٹانیں سینگوں کی طرح زیادہ نوکیلی نہیں ہیں بلکہ منحنی ہیں اسی لیے اسے ایسی بکری کے سر سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر کوئی سینگ نہ ہو ایک حدیث مبارکہ میں مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ''جماء'' بتایا گیا ہے

جیسا کہ اوپر تصویر میں دکھایا گیا ہے بقیع الغرقد کی جانب کھڑا ہو کر اگر مسجد نبوی شریف کا نظارہ کیا جائے تو دور افق میں جو پہاڑیاں نظر آتی ہیں وہی جماوات ہیں

جب بنی زید بن الحارث نے قبول اسلام کیا تو رسول اللہ ﷺ نے جماوات کے علاقے میں بہت سی زمین ان کو الاٹ کر دی تھی اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دین اسلام پر ثابت قدم رہیں گے اور مشرکین کے خلاف جہاد کریں گے۔ اس کے لیے ایک عطاء نامہ تیار کیا گیا جسے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے تحریر کیا تھا (۶۵) اس کے بعد بنو امیہ نے اس علاقے کی ترقی میں بہت دلچسپی لی اور پہلی صدی میں اس علاقے میں بہت سے زرعی فارم اور کھجوروں کے باغات لہلہانے لگے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان پہاڑیوں کے ارد گرد خالی قطعہ ارضی کا حصول محال ہو گیا تھا کیونکہ وہاں محلات اور عالیشان مکانات کی کثرت ہو گئی تھی جو کہ بنو امیہ کے امراء کے ہوا کرتے تھے۔ اس کی غربی جانب بہت سے قدیم محلات کے کھنڈرات بھی ہیں جن میں سب سے مشہور حضرت عروہ بن زبیر ؓ، عاصم بن عمر بن عثمان بن عفان ؓ، عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان ؓ وغیرہ کے محلات کی باقیات ہیں۔ ان میں سے بہت سے تو جدید عمرانی ضروریات کی نذر ہو چکے ہیں لیکن بہت سے تاریخی آثار کھنڈرات کے ڈھیر کی صورت میں اپنی عظمت رفتہ پر نوحہ کناں ہیں ان کی غربی جانب وادی ملیکین بھی ہے جو کہ وادی العقیق کا ہی ایک علیحدہ ہونے والا حصہ ہے جہاں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی زمین اور محل ہوا کرتے تھے

ان پہاڑوں کے نواح کا علاقہ فجر اسلام کے بہت سے واقعات سے جڑا ہوا ہے۔ ان پہاڑیوں کے مغرب میں وہ میدانی علاقہ جو کہ وادی العقیق کے قلب تک چلا گیا تھا چراگاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ کے اونٹ چرائے جاتے تھے ابن ہشام کے مطابق 'عرینہ' نجدی قبیلے کے چند افراد کو جنہوں نے بظاہر تو اسلام قبول کیا ہوا تھا مگر اندر سے منافق تھے، انہی

جبل ... مشرق کی طرف سے

...چراگاہوں میں بھیجا گیا تھا انہوں نے بدعہدی کی، اور رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں کے چرانے والے غلام، حضرت یسارؓ کو شہید کر دیا اور اونٹ لے کر فرار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت کرزؓ بن جابر الفہریؓ کو ان کے تعاقب میں بھیجا انہوں نے ان مجرموں کو جلدی جا لیا اور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے آئے جن کو قرآن کریم کی ہدایت کی روشنی میں سزا دی گئی جو کہ اس موقع پر نازل ہوئی تھیں ﴿وہ لوگ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دیے جائیں، یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔﴾ (۶۶) یہ واقعہ انہیں پہاڑیوں کے دامن میں غربی جانب ہوا تھا

احادیث مبارکہ میں روایت ہے کہ [قیامت کی گھڑی اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک کہ دو آدمیوں کو ان کے خیموں میں جماء کے قریب قتل نہ کیا جائے گا] اس حدیث مبارکہ کے متعلق فیروز آبادی نے کہا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں مذکورہ واقعہ ان تین میں سے کسی جماء کے دامن میں ہوگا (۶۷) مدینہ طیبہ کے قدیم مورخین نے دو قدیم قبروں کا ذکر بھی کیا ہے جو کہ ایک جماء یعنی ام خالد پر واقع تھیں۔ ابن شہابؒ کی روایت ہے ''ایک وسیع و عریض قبر (۴۰×۴۰ میٹر) جماء ام خالد پر پائی گئی تھی جس پر ایک لوح سنگ نصب تھی ''میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اور نینوا سے ہوں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نمائندہ ہوں جسے اس قریہ میں بھیجا گیا تھا مجھے موت نے آ لیا ہے اور میں نے وصیت کی ہے کہ مجھے جماء ام خالد پر دفن کیا جائے'' (۶۸) سمہودیؒ نے ایک اور ایسی ہی قبر کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ اس کے علاوہ تھی جس پر نصب لوح سنگ کچھ اس طرح تھی: ''میں اسود بن سوادہ ہوں اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نمائندے کے طور پر اس قریے کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں'' (۶۹) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں بہت کوششیں کی گئیں کہ ان کو پڑھا جا سکے۔ ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ دونوں الواح سنگ کو پڑھنے کی غرض سے اتار ا گیا ایک تو بہت بھاری ثابت ہوئی اور اسے اسی جماء پر ہی پھینک دیا گیا جب کہ دوسری کو ایسے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا جو کہ اسے پڑھ سکتے تھے اس پر کندہ عبارت حمیری زبان میں تھی اور یمنی اسے پڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر مکتوب تھا: ''میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اور نبی سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی جانب سے یثرب کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ یہ لکھتے وقت میں اس شہر (یثرب) کے مغربی جانب ہوں'' (۷۰)

ان آثار قدیمہ میں سے کسی کا وجود بعد میں نہیں ملا کیونکہ معاصرین میں سے بہت سے مورخین نے بہت تگ و دو کی ہے کہ ان کا کوئی سراغ مل سکے مگر ان کو ان دونوں میں سے کسی قبر کے آثار نہ مل سکے (۔)

جبل حرم و حرم سے کبوتروں کے گھونسلے

وادی عقیق کی طرف سے دیکھیں تو
۱ جبل حمراء ...
۲ جبل المکمن

مدینہ طیبہ کے دیگر پہاڑ

جبل الحرم

جب ہم مسجد نبوی شریف سے میقات ذوالحلیفہ کی جانب جاتے ہیں تو حرم نبوی شریف کی حدود میں واقع یہ تینوں پہاڑیاں طریق الہجرت (غیر مسلموں کی سڑک) کے دونوں جانب نظر آتی ہیں ان میں سے بڑی پہاڑی کو 'جبل الحرم الاکبر' کہا جاتا ہے جب کہ دوسری جبل الحرم الاوسط اور تیسری کو 'جبل الحرم الاصغر' کہا جاتا ہے ان تینوں پہاڑیوں کو یہ فخر عظیم حاصل ہے کہ ان سے حاصل کی گئی پتھر کی سلوں سے مسجد نبوی شریف کے اگلے حصے (مجیدیہ کا پورا حصہ) کی عمارت کے لیے میٹیریل نکالا گیا تھا جس کی تعمیر ۱۲۶۵-۱۲۷۷ ہجری (۱۸۴۸-۱۸۶۱ء) میں ہوئی تھی

حجرہ مطہرہ کے اندر اور باہر لگنے والی تمام سلیں اور ستونوں میں استعمال ہونے والا پتھر اور ریاض الجنۃ میں استعمال ہونے والا میٹیریل انہیں تینوں جبال الحرم سے لیا گیا تھا۔ جب کام پورے زور شور سے جاری تھا تو کاریگر سنگ تراشوں اور معماروں کی ایک بہت بڑی ٹیم انہیں پہاڑیوں کے دامن میں ٹھہری ہوئی تھی۔ پتھر نکالنے سے ان پہاڑیوں میں گہرے گڑھے پڑ گئے تھے جو کہ ابھی تک اس واقعہ کی یاد دلاتے ہیں۔

جبل بنو قریظہ
تصویر ۲۰۰۳ء

جبل بنو قریظہ

یہ پہاڑ مدینہ طیبہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے اور یہ بنو قریظہ کے یہودی قبائل کی رہائش اور زرعی زمین کی آخری حد ہوا کرتی تھی جہاں تک وادی مہزور بہا کرتی تھی سخت آتش فشانی چٹانوں کی بجائے اس کے تودے آتش فشانی راکھ سے مکون ہیں جن میں کہیں کہیں پگھلا ہوا میگما (Megma) اور لاوا (Lava) پایا جاتا ہے اس کا کثیر حصہ بلدیہ مدینہ طیبہ نے کھدوایا تھا تاکہ یہ
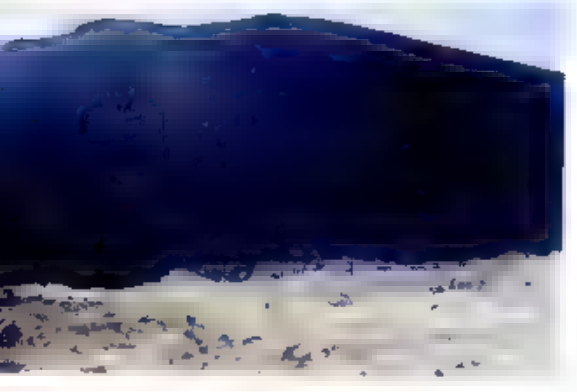
معلوم کیا جا سکے کہ کہیں اس کی تہوں میں کوئی قیمتی معدنیات تو نہیں مگر ایسی کوئی چیز نہ پا کر اس منصوبے کو ادھورا ہی ترک کر دیا گیا تھا

جبل مکیمین

یہ سرخ رنگ کا پہاڑ جماء تضارع کے جنوب میں وادی مکیمین کے کنارے واقع ہے۔ اس وادی کو شہرت حضرت ابو ہریرہؓ کی وجہ سے ملی کیونکہ انہوں نے اپنا محل اس علاقے میں بنایا تھا جہاں ان کو زرعی زمین بھی الاٹ ہوئی تھی۔ وہ وہاں کچھ دیر مقیم بھی رہے تھے اور پھر انہوں نے اپنے بیٹے کے حق میں اسے صدقہ (وقف للاولاد) بنا دیا تھا۔ یہ علاقہ حرہ بیضاء کہلاتا تھا یہیں حضرت معز بن مالک اسلمیؓ کو سنگسار کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے زناء کا اعتراف کر لیا تھا۔ (۷۲)

حواشی

(۱) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۳۲۰۸
(۲) ابن الکثیر (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ و النہایہ، دار الرشید، حلب، جز ۴، ص ۹
(۳) Genesis, 46 10 and Exodus 6 15
(۴) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۲۶۲ مزید دیکھیے نمبر ۳۵ و ۴۹
(۵) ایضاً، ج ۹، نمبر ۳۳۳ نیز ج ۲، نمبر ۵۵۹ نیز الموطاء امام مالک، ۳/۴۵،۱۰
(۶) منقول از ابی سعید المفضل بن محمد الجندی المکی (ت۔ ۳۰۸)، فضائل المدینہ، ص:۲
(۷) الطبرانی، المعجم الکبیر، ۶/۱۸۵_۱۸۶
(۸) مسند امام احمد، ۳/۳۳۲، و طبرانی المعجم الکبیر، ۷/۱۰۶، ابن الکثیر، مصدر مذکور، جز ۴، ص ۹
(۹) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۲۰۱۸
(۱۰) ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳_۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج۱، ص ۸۳
(۱۱) صحیح بخاری، ج ۷، نمبر ۷۵
(۱۲) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۹۲۵، ج ۱، صفحات ۳۹۲_۳۹۳
(۱۳) حضرت ہشام بن عامر الانصاریؓ کی روایت کے مطابق جنگ احد کے بعد بڑی بڑی قبریں کھودی گئی تھیں تا کہ ان میں دو دو یا تین تین شہداء کرام رضوان اللہ علیہم کی تدفین کی جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ سب سے پہلے قبر میں سے داخل کیا جائے جسے سب سے زیادہ قرآن کریم آتا ہو
(۱۴) الموطاء امام مالکؒ، ج ۱، نمبر ۲۳، تفصیل سے یہ دیکھئے ابن شبہ، ج ۱، ص ۱۲۸

(۱۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج ۳، صفحات ۵۶۲_۵۶۳
(۱۶) سمہودیؒ وفاء الوفاء، ص ۹۳۸_۹۳۹
(۱۷) ... ج ۱، نمبر ۱۰۲۳
(۱۸) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ۔ انگریزی ترجمہ (The Life of Muhammad)، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، پانچویں طباعت ۱۹۷۸ء
صفحات ۳۲۸_۳۸۹
(۱۹) ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ (ت ۲۳۵ ہجری)، کتاب المغازی، دار اشبیلیا، ریاض، ۱۹۹۹ء، ص:۲۴۴
(۲۰) ابن شبہ، ج ۱، ص ۱۲۹
(۲۱) ایضاً
(۲۲) الشیخ احمد بن عبد الحمید العباسی (متوفی قرن عاشر ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، صفحات ۱۵۹_۶۰
(۲۳) القرآن الکریم (رعد ۲۴) نیز ابن شبہ، ج ۱، ص ۳۲
(۲۴) العباسی، مصدر مذکور، ص ۵۹
(۲۵) ابن شبہ، ج ۱، ص ۱۳۲
(۲۶) سمہودیؒ، ص ۹۳۲
(۲۷) ابن النجار (ولادت ۵۷۸ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ مدینہ، پورٹ سعید، مصر، ص ۱۲۷
(۲۸) ابن شبہ، ص ۱۳۳
(۲۹) منقول از سمہودیؒ، وفاء الوفاء، صفحات ۹۳۲_۹۳۳
(۳۰) ابن شبہ، ص ۱۲۸
(۳۱) سمہودیؒ، ص ۹۳۶
(۳۲) ابن النجار، ص ۱۲۷
(۳۳) سمہودیؒ، ص ۸۴۸
(۳۴) مجد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی (۷۲۹_۸۱۷ ہجری)، مغانم مطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، ص ۲۸۹
(۳۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Battlefields of the Prophet Muhammad)، ص ۲۷ مولف ہذا نے اس غار کی کئی مرتبہ زیارت کی ہے۔ اکتوبر ۲۰۰۰ میں دیکھا کہ اس کا اندرونی حصہ پتھروں سے پٹا ہوا تھا۔ غار کے اندر کی جگہ عام جسامت کے دو یا تین حضرات کے بیٹھنے یا لیٹنے کے لیے کافی ہے
(۳۶) ابن شبہ، ج ۱، ص ۶۰، ۷۶ نیز فیروز آبادی، ص ۱۲
(۳۷) ابن اسحاق، مصدر مذکور، جز ۲، ابن ہشام کے نوٹس، ص ۷۵۵
(۳۸) ابن النجار، ص ۱۲۷
(۳۹) عبد القدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص ۹۲
(۴۰) صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۹۳ نیز ج ۹، نمبر ۳۰۳ صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۶۰۱
(۴۱) مسعود بن عبد المحی الساعدی و یوسف بن مطر المحمدی، معالم تاریخ المعرکہ۔ تحقیقات، مدینہ طیبہ، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۲، صفحات ۳۳_۴۴
(۴۲) فیروز آبادی، ص ۸۳
(۴۳) ابراہیم العیاشی المدنی، المدینۃ بین الماضی والحاضر، ص ۷۸
(۴۴) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۱۲۵۵

(۴۵) الخیر عبدالعزیز بن عبدالرحمن کعکی، معالم المدینۃ منورہ، ج ۱ ص ۲۹۳
(۴۶) Isa ah xlir 11 12
(۴۷) عبرانی میں سلع کا مطلب چٹان ہے (یہاں پر عبرانی لفظ کی شکل دی جائے)
(۴۸) الخیر عبدالعزیز بن عبدالرحمن کعکی، مصدر مذکور، ص ۳۴۷
(۴۹) صحیح مسلم، ج ۲، نمبر ۳۲۰۱
(۵۰) بیہقی، سنن الکبریٰ ۵ ۹۶
(۵۱) فیروز آبادی، صفحات ۴۰۳ـ۵۷۵
(۵۲) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۲۴۹
(۵۳) ابراہیم العدنی العیاشی، ص ۴۷۲
(۵۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب (اردو ترجمہ دیار محبوب تاریخ مدینہ از حکیم سید عرفان علی، تاج کمپنی، دہلی)، ص
(۵۵) مسند امام احمد ۳ ۳۳۳، طبرانی معجم الکبیر ۷ ۱۰۲، ابن الکثیر، مصدر مذکور، جز ۴، ص ۹
(۵۶) ایضاً
(۵۷) ابن شبہ، ج ص ۶۲
(۵۸) ایضاً
(۵۹) ایضاً
(۶۰) فیروز آبادی، ص ۸۸
(۶۱) ایضاً
(۶۲) ابن الکثیر (ت ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج ۵ ص ۶۸۔ یہ حدیث مبارکہ احادیث کی بہت سی کتابوں میں منقول ہے
(۶۳) منقول، فیروز آبادی، ص ۹۱
(۶۴) ایضاً ص ۰
(۶۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱ ص ۲۶۸
(۶۶) القرآن الکریم (المائدہ ۳۳)
(۶۷) فیروز آبادی، ص ۹۱
(۶۸) ابن شبہ، ج ص ۱۳۹
(۶۹) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۶۴۰
(۷۰) الخیر عبدالعزیز بن عبدالرحمن کعکی، جز ۱، ج ۱، ص ۳۹۵
(۷۱) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۳۳۲ ـ نیز العیاشی ص ۲۰۹
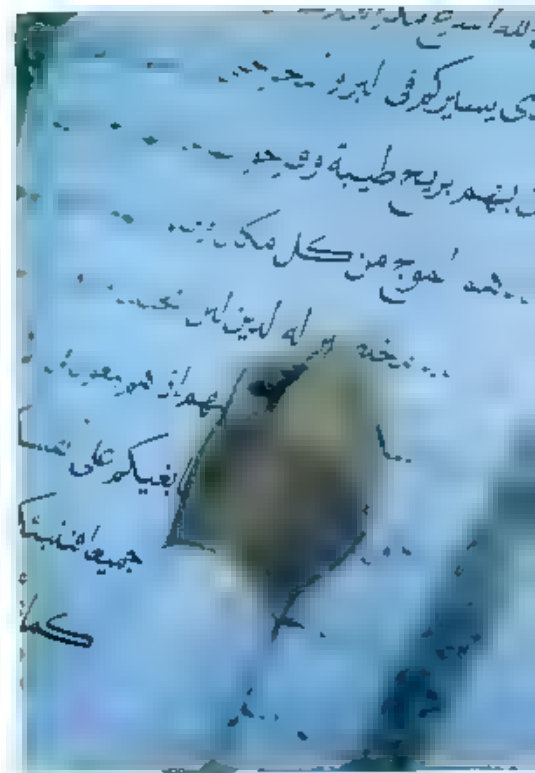
مدینہ طیبہ ایک ایسا مرکز ہے جسے جس سمت سے بھی دیکھیں تو دل کو موہ لینے والا ایک نیا رنگ نظر آتا ہے ہم نے بہت کوشش کی کہ اس کے ہمہ جہتی منورہ تاباں خصائص میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ باب ہو مگر آخر پر یہ محسوس ہوا کہ اس کے بہت سے پہلو ابھی بھی تشنگی کے شکوہ کناں ہیں۔ لہٰذا ہم نے مناسب جانا کہ کتاب کے آخر میں چند متفرقات سے متعلق ایک طائرانہ سی نظر ڈال دی جائے جس میں ان خاص مقامات کا اگر مکمل احاطہ نہیں تو کم از کم تذکرہ ہی ہو جائے ان میں جدید دور کے شاہکار بھی ہیں اور قدیم شہ پاروں کا بھی ذکر ہے جو کہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں

عصر حاضر کے شاہکار

مدینہ طیبہ میں جدید عمرانی ترقی کے قدم سعودی عرب کے دیگر شہروں کے برعکس نسبتاً کافی تاخیر سے لگے، مگر جب ایک بار ارباب اختیار کی نظر التفات یہاں سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والے بیکراں اور متنوع منافع پر پڑی تو انہوں نے اس کی پسماندگی کو دور کرنے کا تہیہ کر لیا پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں اس کی کایا پلٹ گئی اور شہر مصطفوی جو کہ ماضی میں اپنی معیشت کے لیے صرف زائرین کی آمد و رفت پر انحصار کرتا تھا ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گیا اور یہاں سرمایہ داروں اور صنعتوں کا قیام عمل میں آیا کہ نہ صرف یہ معاشی طور پر خود کفیل ہو گیا بلکہ بہت سے معاملات میں تو عالمی سطح پر مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے لگا ہے اس ضمن میں سب سے زیادہ ترقی ہوٹل انڈسٹری کو ملی ہے عمرانی ترقی کے نتیجے میں جگہ جگہ فلک بوس ہوٹل، بازار اور عظیم الشان عمارتیں سر اٹھائے نظر آتی ہیں تیرہ یا چودہ منزلہ عمارتیں تو عام ہیں مگر ہم نے ان میں سے صرف ان مقامات کو چنا ہے جو عالمی شہرت حاصل کر چکے ہیں یا جو کہ مدنی زندگی میں بہت اہمیت کے حامل شہ پارے ہیں

ملک فہد قرآن کمپلیکس کی عظیم الشان عمارت

مجمع ملک فہد برائے مصحف الشریف

طریق تبوک پر مدینہ طیبہ کی شمال مغربی جانب واقع یہ عظیم الشان کمپلیکس ملک فہد قرآن کمپلیکس کے نام سے جانا جاتا ہے جو کہ اپنی نوعیت کا پوری دنیا میں قرآن مجید فرقان حمید کے لیے سب سے بڑا طباعتی ادارہ ہے ماضی میں سعودی عرب میں طباعت کی سہولتیں نہ ہونے سے بڑی تشویش تھی اور حرمین الشریفین کے علاوہ دیگر مساجد میں قرآن کریم کے مصاحف کی بیرونی ممالک سے درآمد کر کے پوری کی جاتی تھی قرآن کریم جیسے صحیفے کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا اس کی وحی یہیں ہوئی اور یہیں اس کو عملی طور پر نافذ بھی کیا گیا اور اسی شہر میں اسے ایک مصحف کی شکل میں یکجا بھی کیا گیا درس و تدریس اور تفہیم قرآن کریم کی کرنیں بھی دور رسالت مآب ﷺ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اہل فقہ کے دور میں مسجد نبوی شریف کے مرکز سے ہی پھوٹتی رہیں صدیوں پر محیط اس عمل کو مزید چار چاند لگانے کے لیے رب ذوالجلال نے ایک بار پھر اس شہر حبیب کا انتخاب کیا اور یوں خادم الحرمین الشریفین کے ہاتھوں اس عزت و افتخار کا ہار بھی اسی شہر نبوی شریف کے گلے میں ڈالا گیا

جب ۱۴۰۳ ہجری میں اس منصوبے کا اجراء ہوا تو اس کا مقصد وحید یہ قرار دیا گیا کہ اسی شہر انور سے ترجیحات کے حوالے سے عالمی سطح پر کلام اللہ کی اشاعت وسیع بنیادوں پر کی جائے اس کمپلیکس کا سنگ بنیاد خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے ۶ محرم الحرام ۱۴۰۳ ہجری کو رکھا اور دو سال کی قلیل مدت میں اس عظیم الشان منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا گیا جس پر ۳۸۶ ملین ریال کا زر کثیر صرف ہوا

۶ صفر المظفر ۱۴۰۵ ہجری (۳۰-اکتوبر ۱۹۸۴ء) کو اس کا باقاعدہ افتتاح ہوا اس موقع پر شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا

ملک فہد قرآن کمپلیکس میں واقع مسجد

''یہیں اسی شہر میں آج سے دو ماہ پہلے میں نے اس عظیم الشان منصوبے کی خشت اول رکھی تھی۔ یہی وہ شہر ہے جہاں کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ورود مسعود پر بے انتہا خوشیوں کا اظہار کیا تھا نیز آپ حضور ﷺ کی صداقت حق پر لبیک کہا تھا جس سے نوع انسانی کی تقدیر بدل گئی۔ آج یہ خواب پورا ہو گیا ہے اور اب سعودی عرب کے ہر شہری کا فرض ہے کہ اس نعمت عظیم کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں۔''

۲۵۰,۰۰۰ مربع میٹر پر محیط رقبے پر واقع یہ کمپلیکس ایک خود کفیل وحدت ہے جو کہ ایک بہت بڑے مطبع، تنظیمی امور کی عمارات، نقول تیار کرنے اور جلد بندی کے ہال اور تحقیق کے لیے قائم کیے گئے اداروں، فنی دیکھ بھال کے ادارے، ایک عالیشان مسجد، ایک لائبریری، ایک کیفے ٹیریا، سٹور، اور رہائشی عمارات اور تفریحی علاقوں (جن میں ایک کلب اور کھیل کا میدان بھی شامل ہے) اور دیگر ضروری سہولیات پر مشتمل ہے۔ اس عظیم الشان عمارت کے فرش سنگ مرمر کی چمکدار سلوں سے بنے ہیں اور داخلی دروازے کے قریب اندر کی جانب علامت کے طور پر قرآن کریم کا ایک بہت بڑا مجسمہ (icon) نصب کیا گیا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ عظیم کمپلیکس صرف اور صرف قرآن حکیم کے علوم و اشاعت کے لیے وقف ہے۔

انتظامی طور پر یہ ادارہ وزارت اسلامی امور، اوقاف و دعوہ و تبلیغ کے زیر انصرام ہے جس کے روزمرہ امور کو نبٹانے کے لیے ایک جنرل ٹرسٹ قائم کی گئی ہے۔ اس میں سالانہ مصحف شریف کے تیس ملین نسخے تیار کرنے کی گنجائش ہے تاہم سردست ہر سال اس سے ۱۰ ملین نسخے چھپ کر باہر آتے ہیں۔ اس کے چھاپہ خانہ میں عصری تقاضوں سے ہم آہنگ جدید ترین آلات نشر و طباعت، کمپیوٹرز اور مشینری نصب کی گئی ہے جہاں طباعت کے علاوہ جدید جلد بندی کے آلات اور آڈیو ریکارڈنگ کے نظام بھی مہیا کیے گئے ہیں۔ فرقان مجید کی طباعت کے لیے ہر مرحلے پر سائنسی اور الیکٹرانک اور کمپیوٹر کے نظام بروئے کار لائے گئے ہیں جس کے نتیجے میں مصحف شریف اب مختلف کتابی سائزوں اور شکلوں میں اور مختلف رسوم الخط میں بہت سے انواع و اقسام کے دیدہ زیب کاغذ اور جلدوں میں دستیاب ہے۔ چاروں دانگ عالم میں قارئین کی سہولت کے لیے اس کی کتابت کے لیے الگ الگ دیدہ زیب فونٹ (خطوط) اور خط کا انداز اپنایا جاتا ہے مثلاً جنوبی افریقہ، سینیگال، چاڈ اور نائیجیریا میں بسنے والے قاریوں کے لیے ورش (جنہوں نے نافع لمدنی سے روایت کی ہے) کا انداز اپنایا گیا ہے کیونکہ ان ممالک میں یہی رسم الخط مقبول ہے جب کہ برصغیر پاک و ہند و ایران و افغانستان کے لیے خط نسخ اختیار کیا گیا ہے۔ سوڈان میں رہنے والے لوگوں کے لیے ایک اور خط چنا گیا ہے (۱) یہاں سے پاکٹ سائز سے لیکر بڑی بڑی تقطیع میں مصحف شریف چھپ کر نکلتے ہیں عربی زبان کے علاوہ قرآن کریم کے بیس سے زائد عالمی زبانوں میں تراجم و تفاسیر شائع کی جاتی ہیں۔ یہ سہرا بھی قرآن کمپلیکس کے سر ہے کہ تاریخ اسلام میں پہلی بار بریل نظام کے تحت نابینا حضرات کے لیے کئی جلدوں میں مصحف تیار کیا گیا ہے تاکہ وہ بھی قرآن مجید کے مستفید ہو سکیں

کمپلیکس کی ایک عمارت میں آڈیو ریکارڈنگ کی بڑی بڑی مشینیں مشہور قراء کرام کی زبان میں ریکارڈنگ کرتی ہیں۔ اس کا ایک ریسرچ سینٹر ہے جو کہ قرآنی علوم میں تحقیق کے لیے مختص ہے۔ ۱۴۲۰ ہجری کے اختتام پر قرآن کمپلیکس میں ۴۰ انجینئر، ماہرین، علماء اور عملے کے دیگر ارکان تعینات تھے۔ (۲) جب کہ پورے عملے کی تعداد دو ہزار سے متجاوز تھی

جامعہ اسلامیہ (مدینہ اسلامی یونیورسٹی) کے تعاون سے قرآنی علوم، علوم الحدیث اور سیرۃ النبویہ پر انسائیکلو پیڈیا اور ضخیم کتب شائع کرنے کا منصوبہ بھی زیر تجویز ہے سمعی اور بصری آلات (Audio Visual Aids) سے مزین اور ملٹی میڈیا ٹیکنالوجی سے لیس یہ قرآن کمپلیکس قرآن حکیم کے تراجم کو ان زبانوں میں شائع کرتا ہے جو کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں زیادہ بولی جاتی ہیں جن میں انگریزی، جرمن، فرانسیسی، یونانی، ایطالی، پرتگالی، روسی، و دیگر زبانیں یورپی ممالک کے لیے اور بنگالی، برمی، چینی، ہوسا، کوریائی، فارسی، سندھی، ترکی، اردو اور دوسری زبانیں شامل ہیں جو کہ ایشیا افریقہ و مشرق بعید میں بولی جاتی ہیں جبکہ قرآن کریم پر مشتمل ایک البم قرآن کریم پر لگائے گئے اعراب اور

شرعی عدالت کی عمارت اور کمپلیکس

تشکیل کی نگرانی کرتی ہے صوتی تسجیل اور ریکارڈنگ جدید ترین آڈیو ریکارڈنگ نظام کے ذریعے کی جاتی ہے

باہر سے آنے والے ہر حاجی کو قرآن کریم کا ایک نسخہ شاہ فہد کی جانب سے تحفہ دیا جاتا ہے قرآن کریم کی اشاعت و تفہیم کے لیے بیرونی خطوں میں بڑے پیمانے پر مصحف شریف کے نسخے ارسال کیے جاتے ہیں ۱۴۲۰ ہجری کے اختتام تک ۹۹ ملین مفت نسخے ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ و حجاج کرام میں مفت تقسیم کیے گئے تھے (۳) اس کمپلیکس سے مطبوعہ ۱۶ ملین نسخے مساجد، مدارس، یونیورسٹیوں، سکولوں اور دیگر دینی اداروں اور سعودی عرب میں واقع کتب خانوں میں ارسال کیے جاتے ہیں مدینہ طیبہ کے زائرین اور حجاج کرام کو تحفتاً مصحف شریف کے نسخے پیش کیے جاتے ہیں مملکت سعودی عرب کے سفارت خانے دیگر ممالک اور دینی اداروں کو اس کی ترسیل میں مدد دیتے ہیں۔ ۱۴۲۱ ہجری کے اختتام تک شاہ فہد قرآن کمپلیکس میں طبع ہونے والے مصحف کے نسخوں کی کل تعداد ۱۴۳،۹۰۷،۳۰۰ تک پہنچ چکی تھی

شرعی عدالت کی عمارت اور کمپلیکس

مسجد نبوی شریف کے قبلہ کی جانب حجرہ مبارک کے قریب تاریخی گاؤں کی جگہ مدینہ طیبہ کی شرعی عدالت کی عمارت ہے یہ عمارت روایتی مدنی طرز تعمیر اور جدید تعمیراتی ضروریات کا حسین امتزاج ہے اس کی بیرونی عمارت قدیم طرز کے مختلف محرابدار برآمدوں پر مشتمل ہے جو کہ مدنی عمارات کا طرۂ امتیاز ہے

یہ عالی شان چار منزلہ عمارت ۳۰۰، ۷ مربع میٹر کے چھتے ہوئے علاقے (Covered Area) پر محیط ہے۔ پہلی منزل پر رئیس العام اور اس کے نائبین اور قانونی مشیروں کے دفاتر ہیں، ساتھ ہی انتظامی امور کا شعبہ اور ریکارڈ آفس ہے۔ قانونی چارہ جوئی کے لیے آنے والوں کے لیے انتظار کا ایک وسیع و عریض ہال بنایا گیا ہے۔ دوسری منزل میں مختلف عدالتوں اور قاضی صاحبان کے دفاتر ہیں جو کہ آٹھ شرعی عدالتوں پر مشتمل ہیں جن میں سے چھ میں عدالت علیا (Supreme Court) کے چیمبر قائم ہیں عمارت کے تہہ خانے میں پارکنگ ایریا ہے جہاں عدالتوں کے کارندوں اور عوام کے لیے کار پارکنگ کی سہولت موجود ہے

مدینہ یونیورسٹی

ہجرت مبارکہ پر ریاست مدینہ طیبہ کی بنیاد رکھنے کے بعد دیگر اہم باتوں کے علاوہ سید العرب والعجم نبی امی و حکیم و علیم ﷺ نے اس بات پر بہت زور دیا کہ امت کے نوجوان زیور تعلیم سے آراستہ ہوں اس ضمن میں ہمیں بے شمار احادیث مبارکہ ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے رسول مدنی ﷺ نے حصول علم پر بہت زور دیا۔ مدینہ طیبہ میں اس وقت پڑھے لکھے حضرات کی شدید قلت تھی اور جتنے مدارس (Midrashes) تھے وہ یہود کے بنائے ہوئے تھے اور انہی کے زیر انصرام چلتے تھے جہاں وہ اپنی دینی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اور مسلمانوں کے لیے معلمین کا فقدان تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غزوہ بدر میں قریش کے قیدیوں کی فدیہ کے عوض رہائی کا مسئلہ آیا تو سرور کائنات ﷺ نے ایک یہ شرط رکھ دی

ملک فہد قرآن کمپلیکس جس سے دنیا کی بہترین پرنٹنگ مشینوں پر قرآن کریم کی اشاعت ہوتی ہے

کہ جو قیدی فدیہ نہ دینا چاہتا ہو وہ اس کی جگہ اپنی رہائی کے عوض مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے
اسی طرح مسجد نبوی شریف میں مقام الصفہ پر یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ وہاں پر مقیم نادار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن لکھنا اور پڑھنا سکھاتے تھے جو پڑھے لکھے تھے۔ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ مسجد نبوی شریف (جس کے اندر مقام الصفہ جہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد مقیم تھی جن کا نان و نفقہ بھی مدنیوں کے باہمی تعاون سے ریاست مدینہ طیبہ کے ذمہ تھا) دنیا کی پہلی درسگاہ یا یونیورسٹی تھی جہاں تعلیم کے علاوہ مستحق افراد کی رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست بھی تھا صرف یہی نہیں بلکہ یہود سے ہر سطح پر مقابلہ کرنے کے لیے اس بات کی ترغیب دی گئی کہ مسلمان ان کی زبان (عبرانی) بھی لکھنا پڑھنا سیکھیں اس سلسلے میں حضرت زید بن ثابت ؓ کی مثال بہت درخشندہ ہے جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی دعائے مبارکہ سے بہت ہی کم عرصہ میں عبرانی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا

رسول اکرم ﷺ کے فرمان مبارک [طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ] سے مسلم مرد و زن پر حصول علم فرض اور لازم ہو گیا تھا اور شمع رسالت کے پروانے فرمان مصطفوی پر دل و جان سے عمل کیا کرتے تھے۔ پھر خلافت راشدہ کے سنہری دور میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا کہ بچوں اور بالغوں کی تعلیم کا مناسب بندوبست ہو۔ سیدنا عمر فاروق ؓ نے تجوید اور تعلیم القرآن کے لیے مدارس کی بنیاد ڈالی جو وقت کے ساتھ ساتھ ارتقاء کی منازل طے کر کے ایک ہمہ جہتی نظام تعلیم کا پیش خیمہ بنے۔ پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کے اوائل میں آسمان اسلام پر طلوع ہونے والے درخشندہ ستارے (آئمہ کرام، محدثین اور فقہاء کرام) انہیں مدارس کے فارغ التحصیل تھے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بڑے بڑے مدارس بھی ان آئمہ کرام کی رہائش گاہوں سے رشک کرتے تھے کیونکہ علم کے متلاشی شب و روز ان کے گھروں کے چکر زیادہ لگایا کرتے تھے اس سلسلے میں حضرت ربیعہ ابن الرائے اور حضرت امام مالک ؒ کے حلقہ ہائے دروس خاص طور پر قابل ذکر ہیں حضرت امام جعفر الصادق ؓ کا حلقہ درس اتنا وسیع ہوا کرتا تھا کہ بڑے بڑے آئمہ کرام کے علاوہ بیک ایک وقت میں چار یا پانچ ہزار طالب علم ان کے لیکچر سننے اور املاء لینے کے لیے جمع ہو جایا کرتے تھے اور ان کے گھر کے ارد گرد مدینہ طیبہ کی گلیاں بھی ان کے لیے تنگ پڑ جایا کرتی تھیں اور مجبوراً ان کو اپنی درسگاہ پہلے تو جبل احد کے دامن میں منتقل کرنا پڑی اور پھر جب وہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو اسے مدینہ طیبہ سے باہر اس جگہ منتقل کیا گیا جہاں بعد میں علی العریضؓ کا مزار بنا۔ موجودہ مدینہ طیبہ میں غلط العام میں جو جگہ مزار ابو ہریرہؓ یا ان کی درسگاہ مشہور ہے وہ دراصل حضرت امام جعفر الصادقؓ کی درسگاہ تھی جسے دوسری صدی کی مشہور مدنی یونیورسٹی کا مقام حاصل تھا یوں معلم انسانیت رسول رشد و ہدایہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے فرمان [بلاشبہ ایک وقت آئے گا کہ لوگ اپنے اونٹوں کو تازیانے لگا لگا کر ان کو دوڑنے پر مجبور کریں گے تاکہ علم کی تلاش میں ایک دوسرے پر سبقت لے جا سکیں مگر انہیں مدینہ طیبہ سے زیادہ کسی اور جگہ پر جید عالم اور فاضل لوگ نہیں ملیں گے] (۴) کے مصداق مدینہ طیبہ صحیح معنوں میں علم کا گہوارہ بن گیا جہاں سے ہمہ وقت علم و عرفان کے سوتے پھوٹتے تھے اور تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کے لیے اکناف عالم سے کشاں کشاں عازم مدینہ ہوتے تھے عباسی دور میں تو مدینہ طیبہ کی درسگاہیں صرف روحانیت اور دینی علوم کے لیے ہی نہیں بلکہ معاصر علوم کی تمام شاخوں کا کما حقہ احاطہ کرتی تھیں۔

دیگر بلاد اسلامیہ کی طرح عثمانی دور حکومت میں مدینہ طیبہ میں نظامیہ نظام تعلیم رائج تھا جس کے تحت بڑے بڑے مدارس اور کتاتیب تعلیم و تدریس کے مبارک فریضے کو انجام دیتے تھے۔ بایں ہمہ مسجد نبوی شریف کا اپنا ایک منفرد مقام تھا جس کے جوار رحمت میں مدرسہ محمودیہ یا

مدینہ یونیورسٹی کا صدر دروازہ

دیگر اسلامی مدارس منارہ ہائے نور کی طرح ہر سو علم کی روشنی پھیلاتے تھے مسجد نبوی شریف کے صحن میں سلطان عبدالمجید کے حکم سے باب مجیدی کے اوپر کتاتیب تعمیر کیے گئے تھے جہاں طلباء کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ انیسویں صدی میں جب جدید نظریہ تعلیم کا غلغلہ بلند ہوا تو ترکوں نے ان مدارس (کتاتیب) کو جدید بنیادوں پر استوار کرنا شروع کر دیا تاکہ ارض طیبہ کے نونہالوں کو معاصر علوم سے روشناس کرایا جا سکے ان کتاتیب میں ذریعہ تعلیم ترکی اور عربی ہوا کرتا تھا اور بعض میں تو فارسی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی اس بات کا اہتمام بھی کیا گیا تھا کہ ان کتاتیب میں دینی تعلیم کے علاوہ طالب علم کو دیگر علوم سے بھی روشناس کرایا جائے۔ وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر ان کتاتیب کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا رہا، کچھ کتاتیب تو سرکار عثمانی کے زیر انصرام چلتے تھے اور کچھ مخیر حضرات کی تگ و دو کا نتیجہ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ نجی کتاتیب کی تعداد زیادہ ہوا کرتی تھی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں مدینہ طیبہ میں ان کتاتیب کی تعداد کچھ اس طرح تھی

کتاتیب امیریہ	۳
کتاتیب الاہلیہ	۲
کتاتیب برائے بنات	۲

ان مدارس سے سالانہ لگ بھگ چار سو طلباء فارغ التحصیل ہوتے تھے۔ بیسویں صدی کے وسط تک ایسے کتاتیب کی تعداد بڑھ کر ۱۵ ہو گئی تھی جن میں طلباء کی تعداد ۱۰۵۰ تھی۔

اپنی حکومت کے آخری سالوں میں عثمانی حکومت نے مدینہ طیبہ میں ایک یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ بنایا اور اس سلسلے میں آستانہ استنبول میں کافی عرصے سوچ بچار ہوتا رہا تھا اس کام کے لیے انہوں نے عنبریہ ریلوے سٹیشن کی جانب جگہ کا انتخاب کر کے اس پر عملی طور پر تعمیراتی کام بھی شروع کر دیا تھا مگر ابھی زیادہ پیش رفت نہ ہو پائی تھی کہ مدینہ طیبہ میں شریف مکہ کی بغاوت اور ہاشمیہ حکومت کے قیام نے تمام منصوبے کی بساط الٹ دی اور ترکیوں کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ تقریباً دو دہائیوں تک یہاں پر نامکمل عمارتیں بھوت بنگلہ نظر آیا کرتی تھیں تاہم اس کے بعد سعودی حکومت کو اس کی زبوں حالی پر ترس آ گیا اور ۱۹۴۲ء میں اس جگہ مدینہ طیبہ کا پہلا سیکنڈری سکول (مدرسہ طیبہ ثانویہ) بنا دیا گیا

اسی اثنا میں برصغیر پاک و ہند سے ایک معروف سماجی شخصیت شیخ احمد الفیض آبادی نے ہندوستان کے صاحب ثروت لوگوں کی مدد سے مدینہ طیبہ میں پہلا جدید بنیادوں پر استوار مدرسہ "مدرسہ علوم الشرعیہ" قائم کیا۔ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ مدرسہ دیگر علوم و فنون میں بھی تعلیم دیتا تھا، مثلاً مختلف زبانیں، ریاضی اور جدید سائنس وغیرہ۔ (۵)

۱۹۳۳ء میں بانی مدرسہ نے اس میں مزید توسیع کا منصوبہ بنایا اور مدینہ طیبہ کے نوجوانوں کو فنی اور پیشہ ورانہ تربیت دینے کے لیے اسی مدرسہ کی ایک شاخ کا افتتاح کیا گیا جہاں حسب معمول پیشہ ورانہ تعلیم اور عملی ٹریننگ دی جاتی تھی مدرسہ کی یہ شاخ بلدۃ الطیبہ شہر مصطفوی میں معاشی خود کفالت کے حصول کی جانب سب سے پہلا اور ایک بہت بڑا قدم تھی جس کے فیصلے کے اہل مدینہ آج تک معترف ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شیخ احمد الشیمی آبادی نے اس کی مزید شاخیں قائم کیں مثلاً دار الحدیث (۱۹۳۰ء) دار الایتام۔ یتیم خانہ (۱۹۳۲ء) مدرسہ العلوم الشرعیہ (۱۹۳۲ء)، جماعۃ الخیریہ لتحفیظ القرآن الکریم (۱۹۶۳ء)، معہد دار الہجرہ (۱۹۶۹ء) سلسلہ ہائے مدارس بعنوان مدارس منارۃ المدینہ (۱۹۷۹ء) مدرسہ رحمانیہ تحفیظ القرآن الکریم (۱۹۸۶ء) (۲) اسی طرح ایک اور درد دل رکھنے والے پاکستانی حاجی عبد الغنی اللہ والے نے ایک بہت بڑا یتیم خانہ (دار الایتام الاسلامیہ) کھولا جہاں پر صرف مستحق طلباء اور یتیموں کو مفت کھانا اور رہائش دی جاتی تھی بلکہ عام تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی اور پیشہ ورانہ تعلیم اور عملی ٹریننگ بھی دی جاتی تھی (۷) مدینہ طیبہ میں تحفظ القرآن کے لیے بیٹھکیں، مدرسوں کی مساجد میں بھی قابل ذکر ہیں

۱۳۴۴ ہجری (۱۹۲۴ء) میں مدینہ طیبہ میں باقاعدہ محکمہ تعلیم قائم ہوا جس نے ابتدائی طور پر پہلے سے موجود مدارس کے انتظام و انصرام کے علاوہ نئے مدارس کا قیام اور ایک معیاری نصاب تعلیم کا تقرر بھی شامل تھا محکمہ تعلیم نے ۱۹۴۲ء میں شہر مقدسہ پر پہلا ثانوی سکول (مدرسہ طیبہ) کھولا اور پھر ۱۹۶۷ء میں ایک مڈل سکول (مدرسہ صدیق متوسط) قائم کیا اس کے ساتھ ساتھ مزید مدرسوں اور اداروں کو بھی قائم کیا گیا مثلاً انسٹیٹیوٹ آف سائنس (۱۹۶۰ء) ہیلتھ انسٹی ٹیوٹ (۱۹۸۲ء) سیکنڈری کامرس سکول (۱۹۷۶ء) اور فنی اور پیشہ ورانہ تربیت کا مرکز (۱۹۷۶ء)

ان ابتدائی کاوشوں کے ساتھ ساتھ سعودی حکومت نے مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی بھی منصوبہ بندی کی اور یوں ۱۹۶۱ء میں وادی العقیق کے دامن میں ایک نہایت ہی پرفضا جگہ پر مدینہ یونیورسٹی کے کیمپس کی تعمیر عمل میں آئی اس کے علاوہ ارض طیبہ کے ہونہاروں کے لیے کنگ عبد العزیز یونیورسٹی اور امام محمد بن سعود یونیورسٹی کی شاخیں بھی مدینہ طیبہ میں ۱۹۷۷ء میں کھول دی گئیں ان تمام تعلیمی اداروں میں سب سے افضل ادارہ مدینہ طیبہ کی اسلامی یونیورسٹی (الجامعۃ الاسلامیہ بالمدینۃ المنورہ) ہے جو پچھلے چالیس سالوں میں اپنے بے تحریدہ (؟) میں ایک منفرد مقام بنا چکی ہے اس کے نصاب اور نظام تعلیم وضع کرنے میں مصری علماء اور بالخصوص جمعیۃ اخوان المسلمون کا ہاتھ زیادہ رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل حضرات کے دل و دماغ پر اخوان کے طرز تفکر کی گہری چھاپ واضح نظر آتی ہے جدید آلات اور سہولتوں سے مزین یہ جامعہ مندرجہ ذیل کالجوں پر مشتمل ہے

۱۔ کلیۃ الشریعہ
۲۔ کلیۃ الدعوۃ و اصول الدین
۳۔ کلیۃ القرآن الکریم و الدراسات الاسلامیہ
۴۔ کلیۃ اللغۃ العربیہ و الآداب
۵۔ کلیۃ الحدیث الشریف و الدراسات الاسلامیہ

سعودی طلباء کے علاوہ جامعہ الاسلامیہ مدینۃ المنورہ بدیشی طلباء کو وظیفے اور داخلے کا بھی اہتمام کرتی ہے جس کی وجہ سے دور دراز سے آئے ہوئے تشنگان علم آج بھی مدینہ طیبہ کی بابرکت فضاء میں اس موقر تعلیمی ادارے میں علم حاصل کرتے ہیں

کالجوں کے علاوہ ایسے مدارس (لڑکوں کے لیے) کی تعداد ساڑھے چار سو کے لگ بھگ ہے جو کہ مدینہ یونیورسٹی کے دائرہ کار میں

آتے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

(۱)	پرائمری اور تحفیظ القرآن	۲۲۲
(۲)	مڈل اور تحفیظ القرآن	۱۰
(۳)	سیکنڈری اور تحفیظ القرآن	۴۴
(۴)	مدارس تعلیم بالغاں	۵۴
(۵)	ٹریننگ انسٹی ٹیوٹس	۳
(۶)	مڈل سکول (صبح و شام کے اوقات کے لیے)	۷
(۷)	سیکنڈری سکول (صبح و شام کے اوقات کے لیے)	۵
	کل تعداد	۳۴۴ سکول

مدینہ کی ایک لائبریری میں نہایت قیمتی خطی قرآن کریم

ایجوکیشن بورڈ کی ۱۴۰۸ ہجری کی سالانہ رپورٹ کے مطابق صرف مدینہ طیبہ میں لڑکیوں کے سکولوں کی تعداد ۵۲۳ ہے لڑکوں کی طرح لڑکیوں کے لیے بھی تحفیظ القرآن کا خاص اہتمام کیا گیا ہے ماضی میں بھی مدینہ طیبہ میں تعلیم البنات پر لڑکوں کے برابر زور دیا جاتا تھا مگر ان کے زیادہ تر مدارس پرائیویٹ ادارے چلاتے تھے جو مخیر حضرات کے چندوں کے مرہون منت تھے لیکن اس بات سے انکار نہیں کہ ان اداروں اور مدرسوں نے اپنی بساط کے مطابق ہی سہی شہر مصطفوی کی بڑی قدر خدمت انجام دی تھی قدیم مدارس میں سے چند کے نام تو ابھی تک زبان زد عام ہیں مثلاً

مدرسہ فاطمۃ الزہراء الترکیہ	(تاسیس ۱۹۳۳ء)
مدرسہ فوز والنجاح	(تاسیس: ۱۹۳۸ء)
مدرسہ مقاصد اسلامیہ	(تاسیس: ۱۹۳۵ء)
مدرسہ بنوک الخیر وثیہ	(تاسیس: ۱۹۴۶ء)
مدرسہ الہدایت الاسلامیہ	(تاسیس ۱۹۴۲ء)

بعد میں جب محکمہ تعلیم کا قیام عمل میں آیا تو یہ تمام مدارس سرکاری نظامیہ سکولوں میں ضم کر دیئے گئے جن کے لیے بعد میں الگ محکمہ ادارۃ تعلیم البنات قائم کیا گیا تھا اب مدینہ طیبہ کے ریجن میں کل ۵۲۳ مدارس ہیں جو لڑکیوں کے لیے مختص ہیں اور مدینہ یونیورسٹی کے تحت ہیں

مدینہ طیبہ کی مشہور لائبریریوں پر ایک نظر

آفاق یثرب پر صدر اعلیٰ درنور الہدیٰ کے بدر الدجیٰ ﷺ کے طلوع ہو جانے اور اس کی مدینۃ النبی کی صورت میں پہلی مثالی اسلامی ریاست بن جانے کے دن سے مدینہ طیبہ علم کا گہوارہ بن گیا تھا اور اس کا یہ مقام آخر زمان تک رہے گا قرآن کریم کے معتد بہ حصے کا نزول اسی شہر مقدس میں ہوا اور پھر خلافت راشدہ میں پورے قرآن کو کتابی شکل دے کر ایک مصحف کی شکل میں جمع بھی اسی شہر مقدس میں کیا گیا تجمیع حدیث شریف کا زیادہ تر کام بھی اسی پاک دھرتی پر ہوا اور حدیث پاک کی کتابت اور تدوین بھی کافی حد تک یہیں پر ہوئی صحاح ستہ میں سے موطا امام مالکؒ کو تو آخری شکل بھی مسجد نبوی شریف کے احاطے میں ہی دی گئی جبکہ امام بخاریؒ نے اپنی جامع الاحادیث (جو اب صحیح بخاری شریف کے نام سے جانی جاتی ہے) بھی مدینہ طیبہ کی سرزمین پر قیام کر کے مکمل کی تھی جس محلے میں وہ قیام پذیر تھے وہ محلہ بخاریاں

حجاز ریلوے کی تعمیر اور افتتاح کی نادر تصویریں ۱۹۰۸

ادب اور احترام کے ساتھ منزل بہ منزل اس مبارک سفر کو طے کر لیتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ طویل راستے اور موسمی اثرات سے بیمار اور معمر زائرین سب سے زیادہ متاثر ہوتے تھے مگر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی تو نہ تھا اوپر سے راستے میں بسنے والے بدوؤں (جو صحرائی قزاق کے نام سے مشہور تھے) کی مار دھاڑ کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا

بقول اقبال

قافلہ لوٹا گیا صحرا میں اور منزل ہے دور	اس بیاباں یعنی بحر خشک کا ساحل ہے دور
ہم سفر میرے شکار دشنۂ رہزن ہوئے	بچ گئے جو ہو کے بیدل سوئے بیت اللہ پھرے
اس بخاری نوجواں نے کس خوشی سے جان دی	موت کے زہراب میں پائی ہے اس نے زندگی
خنجر رہزن اسے گویا ہلال عید تھا	'ہائے یثرب' دل میں لب پر نعرۂ توحید تھا
خوف کہتا ہے کہ "یثرب کی طرف تنہا نہ چل"	شوق کہتا ہے کہ "تو مسلم ہے بیباکانہ چل"

یوں رہ نوردان شوق چاروں اور سے ذوق وشوق سے پر خطر عبور کر کے مدینہ طیبہ پہنچتے تھے سمندری سفر کی سہولتوں نے اس معاملے میں حجاج کرام کی بہت معاونت کی تھی مگر یہ وسیلہ سفر سمندری حدود والے علاقوں کے لیے زیادہ سود مند تھا گو کہ یہ بھی قزاقی سے محفوظ نہیں تھا چنانچہ زیادہ تر سفر قافلوں کی صورت میں ہوتا تھا جو تکلیف دہ ہونے کے علاوہ پر خطر بھی تھا خطرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حجاج کرام کے قوافل کی حفاظت کے لیے کئی مقام پر چوکیاں قائم کر دی تھیں اور عثمانیوں کے دور میں تو قافلے کسی ایک محفوظ مقام پر پڑاؤ لگائے رکھتے تھے تا آنکہ ان میں شامل حجاج کرام اور زائرین کی تعداد اتنی ہو جاتی کہ وہ راہزنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتے۔ اس کے علاوہ ترک افواج کے مسلح دستے بھی ان کے ہمراہ بھیجے جاتے تھے تاکہ سفر حجاز بحفاظت تمام ہو سکے۔ موٹر موبائل نے بھی کافی حد تک اس سفر کو آسان بنانے میں مدد دی مگر ابتداء میں لوگ اس کے ذریعے سفر کرنے سے کتراتے تھے۔ دور دراز سے آنے والے قافلے تو ایک طرف مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان طریق سلطانی بھی ان راہزنوں کی دست برد سے محفوظ نہ تھا۔ کئی کئی ہفتوں کے بعد طریق سلطانی پر ایک آدھ لاری چلا کرتی تھی حجاز میں بسنے والے مختلف قبائل محفوظ سفر کے بدلے راہداری وصول کیا کرتے

حجاز ریلوے کی باقیات کی چند نادر تصاویر

تھے اور مہنگی قیمتوں پر باربردار جانور اور سفری اونٹ مہیا کیا کرتے تھے اندرون شہر سفر کے لیے محمل یا گدھا گاڑی یا اونٹ گاڑی استعمال ہوتی تھی محمل اور پالکیاں تو متمول گھرانوں کے لیے مخصوص تھیں جب کہ دوسری سواری (اونٹ وغیرہ) عام آدمی کے آنے جانے میں بہت مددگار تھی اور بہت آسانی سے مل جایا کرتی تھی سفری صعوبتوں کے پیش نظر بہت سے لوگ حجاز کا رخ کرنے سے گھبراتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ پچھلی تیرہ صدیوں میں حجاج کرام اور زائرین کی تعداد میں وہ اضافہ نہ ہو سکا تھا جتنا کہ اب سفری سہولتیں عام ہونے کے بعد ہو گیا ہے

ان سفری صعوبتوں کو کم کرنے کے لیے انیسویں صدی کے آخر میں ترک حکومت نے ایک بہت ہی انقلابی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور یہ طے پایا کہ حجاز مقدس کو بذریعہ ریل براستہ دمشق اور عمان ارض حجاز سے منسلک کر دیا جائے اپنی نوعیت کا یہ ایک بہت بڑا منصوبہ تھا جس کے لیے طویل جد وجہد اور کثیر وسائل درکار تھے سرکاری طور پر اس ریلوے لائن کو "ترک حجاز تیموری ریلوے" "عثمانی" (TURKISH HICAZ DEMIRYOLU) کہا جاتا تھا جس کے ذریعے استنبول سے مدینہ طیبہ تک ریلوے لائن بچھائی گئی تھی دراصل عثمانی حکومت کی یہ خواہش تھی کہ ان تمام بڑے بڑے علاقوں کو جو کہ ترک عملداری میں آتے تھے اور مختلف صحراؤں اور بحیروں کی وجہ سے ایک دوسرے سے کٹے ہوئے تھے ریلوے لائن کے ذریعے اراضی مقدسہ سے منسلک کر دیا جائے یہی وجہ تھی کہ منصوبہ سازوں نے استنبول سے دمشق اور پھر وہاں سے عمان اور وہاں سے مزید آگے مدینہ طیبہ تک ریلوے لائن بچھانے کا عزم کیا منصوبے کی تکمیل پر یہ ریلوے لائن مکۃ المکرمہ تک لے جانی تھی تاکہ تینوں مقدس مقامات ایک دوسرے سے منسلک ہو جاتے۔ اس عظیم منصوبے کے لیے سلطان عبد الحمید خاں نے عالم اسلام میں بسنے والے تمام فرزندان توحید سے پر زور اپیلیں کیں کہ وہ اس منصوبے کو کامیاب بنانے کے لیے دل کھول کر چندہ دیں۔ انہوں نے ہر حاجی اور زائر پر ایک ریال کا ٹیکس بھی عائد کیا جو کہ شریف مکہ کے پاس جمع ہوتا تھا۔(۱۲) اپیل کا مشتہر ہونا تھا کہ تمام اکناف عالم سے فرزندان توحید نے اس میں دل کھول کر چندے دینے شروع کر دیے جو کہ شرق اقصیٰ (سنگاپور) سے لے کر مراکش تک بسنے والے مسلمانوں کے ہر طبقے کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا ہندوستان، ایران اور ترکی کے مسلمانوں نے سب سے زیادہ جوش وخروش کا مظاہرہ کیا نظام حیدر آباد دکن نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے عثمانی سلطنت کے تمام ملازمین ہر سال اپنی ایک ماہ کی تنخواہ بطور چندہ دیتے رہے سلطان عبد الحمید نے

حجاز ریلوے کی باقیات کی چند نادر تصاویر

قنطرة سكة حديد الحجاز بالمدينة المنورة في العشرينات الهجرية

حجاز ریلوے کی باقیات

نفقۂ خاص سے ۳۲۰ ہزار لیرے چندہ دیا جب کہ شاہ ایران نے پچاس ہزار نقد رسال کیا اور خدیو مصر نے نقد کے علاوہ بڑی مقدار میں تعمیراتی سامان بھی رسال کیا عالم اسلام کے کونے کونے سے مسلمانوں نے اس کار خیر کے لیے کمیٹیاں بنائیں اور سلطان عبدالحمید خان کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے قربانی کی کھالوں، قومی اور نقد چندوں سے اس منصوبے کے لیے رقوم بھیں۔ چندہ اکٹھا کرنے کی یہ مہم اس منصوبے کی تکمیل تک ہی محدود نہ رہی بلکہ عامۃ المسلمین وحدت اسلامی کا خواب پورا کرنے کے لیے اس کے بہت بعد تک چندہ رسال کرتے رہے تاکہ ریل کی پٹڑی نہ صرف مکۃ المکرمہ بلکہ یمن تک بچھائی جا سکے

ابتداء میں تو منصوبہ یہ تھا کہ اس میں کام کرنے والے کاریگر اور مزدور صرف مسلمان ہی ہوں گے مگر تجربہ اور مہارت کی کمی آڑے آگئی اور اس دور کے ترکی کی غرض سے جرمنی سے ایک غیر مسلم انجینئر بھی لینا پڑا تھا اس کے علاوہ کچھ سٹاف جرمنی، اٹلی، بلجیم اور آسٹریلیا سے بھی منگوایا گیا تھا۔ تاہم زیادہ تر کام ترکی کی ماہرین فوج اور مزدوروں نے نبھایا جس کی تعداد اسی ہزار روپے تک پہنچی تھی ستمبر ۱۹۰۰ء میں دمشق سے منصوبے پر کام کی ابتدا ہوئی منصوبے پر عمل درآمد کے دوران بہت سی کٹھن مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا جن میں موسمی اثرات (برف، طوفان اور سیلاب) اور عرب بدوؤں کی بے جا مخالفت بھی شامل تھی صحرائی بدو اس منصوبے کو اپنے صدیوں پرانے اونٹوں کے کاروبار کے لیے زہر قاتل سمجھ رہے تھے اور آئے دن لوٹ مار میں مصروف رہتے تھے اور کاریگروں کو قتل کر کے سامان وغیرہ اٹھا کر لے جایا کرتے تھے مگر ان تمام تر صعوبتوں کے باوجود کام اپنی پوری رفتار اور لگن کے ساتھ جاری رہا اور اس منصوبے کو پانچ مرحلوں میں مکمل کیا گیا -

(۱) دمشق سے عمان تک کام ۱۹۰۳ء میں مکمل ہوا

(۲) عمان سے معان تک کام ۱۹۰۴ء میں مکمل ہوا

(۳) معان سے تبوک تک کام ۱۹۰۶ء میں مکمل ہوا

(۴) تبوک سے مدائن صالح تک کام ۱۹۰۷ء میں مکمل ہوا

(۵) مدائن صالح سے مدینہ منورہ تک منصوبے کی تکمیل ۱۹۰۸ء میں ہوئی

حجاز ریلوے کی تختی کی نایاب تصویر

منصوبے کے اختتام پر پہلی ریل گاڑی مدینہ طیبہ کے ریلوے سٹیشن پر ۲۲ اگست ۱۹۰۸ء (۲۷ رجب ۱۳۲۶ ہجری - یعنی شب معراج) میں آ کر رکی۔ سرکاری طور پر اس کا افتتاح ۲۸ اگست ۱۹۰۸ء کو کیا گیا۔ (۱۷) یعنی ۳ شعبان کو اس کا افتتاح ہوا۔ اس وقت اس عظیم منصوبے پر ۳۰ لاکھ برطانوی پاؤنڈ خرچ ہوئے جس میں سے دس لاکھ پاؤنڈ سے زاید رقم عالم اسلام کے مسلمانوں کے چندوں سے جمع ہوئی تھی

ریلوے لائن کے بچھ جانے سے سفری سہولیات میں ایک دم اضافہ ہو گیا اور وہ مجبور و بیکس لوگ جو مدتوں سے اپنے دلوں میں حسرتیں سمیٹے بیٹھے تھے وہ بھی اس مبارک سفر پر روانہ ہونے کے لیے مچلنے لگ گئے۔ پہلے جو سفر اونٹوں کے ذریعے ایک ماہ سے بھی زیادہ کا

مدینہ منورہ کا تاریخی ریلوے اسٹیشن

عرصہ لیتا تھا اب وہ صرف ۳۶ گھنٹوں میں طے ہونے لگ گیا تھا سلطان عبدالحمید کی ہدایت پر ترکوں نے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا تھا کہ جہاں جہاں مقصود کونین سرور کائنات ﷺ نے کسی غزوے یا سفر کی غرض سے مدینہ طیبہ سے نکلنے کے بعد پڑاؤ کیا تھا وہاں کوئی آثار مبارکہ موجود تھے وہاں ریلوے سٹیشن بنا دیا گیا تھا تاکہ زائرین ان مقامات مقدسہ کی زیارت سے بھی بہرہ ور ہو سکیں سرزمین حجاز میں بڑے بڑے سٹیشن معان اور تبوک تھے۔ یہ اس وقت کا بہت ہی محفوظ اور سستا سفر سمجھا جاتا تھا دمشق سے مدینہ طیبہ تک ایک طرف کا تھرڈ کلاس کا کرایہ صرف ۳ پاؤنڈ اور ۱۰ شلنگ ہوا کرتا تھا اس سفر میں دوسری سہولت یہ بھی تھی کہ سابقہ ایام کی طرح راستے کے خطرات یکسر ختم ہو گئے تھے۔ ماضی میں تو قافلے لوٹ لیے جاتے تھے مردوں کو قتل کر دیا جاتا تھا اور بے بس عورتیں اور مال اسباب چھین لیا جاتا تھا۔ مگر اب ریل میں ترک فوج کے جوان بھی ساتھ ہوتے تھے اور یوں یہ سفر بہت حد تک محفوظ ہو گیا تھا۔ روس کی دور دراز ریاستوں سے لے کر مسلمان علاقوں کے انتہائی شمال اور مصر اور افریقہ تک کے وہ لوگ جو پہلے اس طرف آنے پر خطرات کا سوچ کر حج و عمرہ و زیارات سے محروم رہ جاتے تھے وہ سب اراضی مقدسہ کی طرف جوق در جوق آنے لگے مصری قافل صحرائے سیناء کو عبور کر کے حیفہ تک آ جاتے تھے اور پھر ایک برانچ لائن سے حجاز ریلوے سے مستفید ہو جاتے تھے اور یوں مدینہ طیبہ تک مسافروں کی قطاریں لگی رہتی تھیں

تاہم یہ کہنا کہ خطرات یکسر معدوم ہو گئے تھے مبالغہ آرائی ہوگا کیونکہ وقتاً فوقتاً بدو قبائل ریلوے کاروانوں پر بھی حملہ آور ہونے سے باز نہ آتے تھے۔ وہ لوگ جن کا کاروبار ہی صدیوں سے قافلوں کو لوٹنا بن چکا تھا اور وہ یک لخت اپنے شکار سے یکسر محروم ہو گئے تھے وہ بھلا اس نئی سفری سہولت کو کیسے برداشت کر سکتے تھے یوں کئی بار انہوں نے ریلوے ٹریفک کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی پہلی بار ۱۹۱۲ء میں اور پھر ۱۹۱۴ء میں انہوں نے ریل کی پٹڑیاں تک اکھاڑ دیں۔ عالم اسلام کا دیرینہ دشمن جو کہ صلیبی جنگوں میں خاک چاٹنے پر مجبور ہو گیا تھا جنگ عظیم اول کے بعد ایک بار پھر ہوشیار ہو گیا اور دوبارہ اس کے دل میں وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگ گئی۔ برطانوی سامراج جو کہ عالم اسلام میں جگہ جگہ اپنے جبر و استبداد کے پنجے گاڑے بیٹھا تھا پھٹی ہوئی آنکھوں سے یہ دیکھ رہا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کی توحید ملت اسلامیہ کی صرف ایک صداء پر ہر گلی کوچے کی نکڑ پر چندہ جمع کرنے کے لیے صندوق رکھ دیئے گئے تھے جس میں بقدر ہمت اوست ہر مسلمان نے اپنا نذرانہ پیش کر رہا تھا اس سے وہ بھانپ گیا تھا کہ اس ٹوٹے ہوئے تارے کو مکمل بننے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی چالاک صلیبی یہ بھی جان چکا تھا کہ یہ منصوبہ صرف مدینہ طیبہ یا مکۃ المکرمہ تک ختم نہیں ہوگا بلکہ بالآخر تمام عالم اسلام کو ایک شیرازے میں منسلک کر کے دم لے گا چنانچہ دشمن اسلام عرب بدوؤں کی باغیانہ اور سبوتاژ کی حرکتوں کو مزید ہوا دینے لگ گیا برطانوی کرنل ٹی ای لارنس (جو کہ عربی تاریخ میں لارنس آف عریبیہ کے نام سے جانا جاتا ہے) نے برطانوی حکومت کے ایماء پر اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور بدوؤں

مدینہ ریلوے کو دوبارہ چلانے اور ڈرائی پورٹ بنانے کے منصوبے کا اعلان

arab news

2 MONDAY, NOVEMBER 26, 2001

NATIONWIDE

Plan for dry port in Madinah

MADINAH — Madinah Governor Prince Muqrin on Saturday underscored the importance of the proposed railway expansion project linking various parts of the Kingdom and said it would facilitate transportation of pilgrims and goods. Opening the 44th meeting of the Council of Saudi Chambers of Commerce and Industry here, the governor also revealed the plan to establish a dry port in Madinah. Referring to domestic tourism, he said there are about 4,000 religious, historical and tourist places in the Kingdom, of which nearly 1,000 are in Madinah. (SPA)

میں عرب قومیت کا رہبر بن کر وحدت امت مسلمہ پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ حجاز ریلوے سٹیشن کو پہلے تو ۱۹۱۴ء میں سبوتاژ کرنے کی کوشش کی گئی مگر یہ وسیلہ سفر رواں دواں رہا آخر کار بدوؤں کی مدد سے وہ مجرم ۱۹۱۷ء میں اسے بری طرح تباہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد ریلوے لائن صرف ۱۹۲۴ء میں تھوڑے عرصے کے لیے چل سکی مگر پھر حکومت نے ایک اور پلٹا کھایا اور یہ ریلوے لائن جو کہ امت کی وحدت کی علامت بن چکی تھی اور جس سے دیار مغرب برہم ہو چکا تھا ٹوٹ کر کئی حصوں اور بخروں میں تقسیم ہو گئی اور بالآخر اپنی موت آپ مر گئی پھر جب سعودی حکومت کا سورج طلوع ہوا تو تحریک خلافت کے رہنماؤں نے اس میں نئی روح پھونکنے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ قوتیں جو وحدت امت کو پارہ پارہ کرنے میں سرگرم تھیں آڑے آگئیں اور یہ عظیم الشان منصوبہ بے موت مر گیا انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا آن لائن کے الفاظ میں

اس (منصوبے) کی بڑی لائن ۱۹۰۰-۱۹۰۸ میں تعمیر ہوئی تھی جس کا بظاہر مقصد تو مسلمانوں کی عرب میں واقع اراضی مقدسہ تک رسائی کو ممکن بنانا تھا مگر اس کے درپردہ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ترک حکومت کا دور دراز صوبوں پر کنٹرول مضبوط کیا جائے یہ طویل لائن جس کو بنانے کے لیے کثیر افرادی قوت انسانی صرف ہوئی تھی اور جسے ایک جرمن انجینئر کی نگرانی میں پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا تھا مختلف و مشکل ارضیاتی سطوح مرتفع سے گزرتی ہوئی ۸۲۰ میل (۱۳۲۰ کلومیٹر) کی مسافت طے کرتی تھی حیرانی کی بات ہے کہ یہ عظیم الشان اور محیر العقول منصوبہ صرف آٹھ سال کی قلیل مدت میں پایہ تکمیل تک پہنچا تھا یہ دمشق سے جنوب کی جانب درعا کی طرف چلتی تھی جہاں سے اردن کے علاقوں سے گزرتی ہوئی زرقاء، القطرانہ اور معان سے ہوتی ہوئی یہ ریلوے لائن شمال مغربی عرب میں داخل ہو جاتی تھی اور پھر وہاں سے ذات الحج اور العلاء سے ہوتی ہوئی یہ لائن مدینہ طیبہ تک پہنچ جاتی تھی۔ اس کا بڑا حصہ جو کہ ۱۰۰ میل تک پھیلا ہوا تھا اور درعا سے فلسطین کے شمال میں بحر قلزم کے کنارے حیفہ تک تھا وہ تو ۱۹۰۵ء میں ہی بن کر تیار ہو گیا تھا۔" (۱۸)

ریلوے لائن کی کل لمبائی ۱۳۲۰ کلومیٹر تھی پہلے مرحلے پر اس نے دو مقدس مقامات کو آپس میں منسلک کیا تھا۔ ایک طرف بیت المقدس (اردن میں یہ ٹرین عمان میں بھی رکا کرتی تھی) اور دوسری طرف مدینہ طیبہ تھا۔ ابتداء میں مدینہ طیبہ میں عنبریہ ریلوے سٹیشن اس کا آخری سٹیشن ہوا کرتا تھا مگر جب فخری پاشا نے مدینہ طیبہ کے گورنر کی حیثیت سے باگ ڈور سنبھالی تو اس نے باب السلام تک ریل کی پٹریاں بچھوا کر اسے مسجد نبوی شریف کی دہلیز تک پہنچا دیا۔ دوسرے مرحلے پر اسے مزید آگے تک بڑھایا جانا تھا یعنی مکہ المکرمہ تک مگر بدقسمتی سے وہ نوبت ہی نہ آسکی۔ پہلے تو جنگ عظیم اول نے اس عظیم منصوبے کی توسیع کے کام کو سرد خانے میں ڈال دیا اور پھر اس کے بعد عرب بغاوت نے رہی سہی کسر نکال دی اور یوں وحدت امت مسلمہ کا خواب اپنی تعبیر سے پہلے ہی بکھر گیا طول و عرض میں پھیلی ہوئی عظیم مملکت عثمانیہ حصوں بخروں میں تقسیم کر دی گئی تھی اور شرق اوسط کا جغرافیہ تبدیل کر کے عرب قومیت (Arab National.sm) کے زہر ہلاہل نے "ایک امت" کے نظریے کا جنازہ بڑی دھوم سے نکال دیا ہم ایک بار پھر انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا آن لائن کے الفاظ کا ترجمہ پیش کرنا چاہیں گے:

"جنگ عظیم سے پہلے ہی (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء) عرب کے صحرائی بدوؤں نے اس ریلوے لائن پر متواتر حملے کر کے ناکارہ بنا دیا تھا کیونکہ اس سے ان کے صدیوں پرانے حج کے راستے اور کاروبار بری طرح متاثر ہو رہے تھے۔ پھر جب حجاز کے عربوں نے ترک حکومت کے خلاف ۱۹۱۶ء میں بغاوت کر دی، تو لائن کا وہ حصہ جو کہ معان سے مدینہ طیبہ تک جاتا تھا، عرب حملہ آوروں نے ناکارہ بنا دیا تھا لیکن اس میں انہیں ٹی ای لارنس کی شہہ اور آشیرباد حاصل تھی" (۱۹)

جہاں ریلوے لائن بچھائے جانے سے مدینہ طیبہ تک سفری سہولتوں میں اضافہ ہوا وہاں ایک اور فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس کے ساتھ ساتھ بجلی اور ٹیلیگراف کی ترسیل بھی ممکن ہو گئی جو ایک نعمت غیر مترقبہ بن کر آئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ طیبہ کی معاشی اور معاشرتی زندگی

مسجد جبل الرماۃ کی باقیات
اب یہ باقیات بھی ختم ہو چکی
ہیں (تصویر ۱۹۸۰ء)

میں انقلاب آنے کا سبب بن گئی

پونی صدی تک مدینہ طیبہ کا ریلوے سٹیشن اور اس میں بکھرے ہوئے ریل کے انجن اور ڈبے تو حید امت مسلمہ کی بھرپور کوشش کو سبوتاژ کیے جانے پر زبان حال سے نوحہ کناں رہے مگر آخر کار ارباب بست و کشاد کو اس کی ایک افادیت نظر آئی اور اب اس ریلوے سٹیشن کو تاریخی ورثہ اور آثار قدیمہ سمجھ لیا گیا ہے اور اس کے کچھ حصے پر عجائب گھر تعمیر کیا گیا ہے جہاں چند قدیم آثار کی نمائش کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ جن میں چند تلواریں، قرآن کریم کے چند نسخے اور زمانہ قبل از اسلام کی چند قبور سے دریافت شدہ الواح سنگ وغیرہ رکھے گئے ہیں آج کل اس عمارت پر کام ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مسجد سقیاء کی قسمت کا ستارہ بھی چمک اٹھا ہے اور اسے بھی بنایا اور سنوارا گیا ہے ریلوے سٹیشن کے احاطے میں کھجوروں کی شجر کاری کی گئی ہے اور اسے دیدہ زیب پارک کی شکل دی جا رہی ہے۔ تاہم مدینہ طیبہ کے قریب ہی چھوٹے چھوٹے سٹیشنوں پر واقع عمارتوں کے فرش کو بری طرح کھود کر ان کو نیم منہدم کیا گیا ہے اور ارد گرد بسنے والے بدوؤں نے مشہور کر رکھا ہے کہ وہاں جلدی میں بھاگتے ہوئے ترکوں نے خزائن دفن کر دیے تھے، لہذا ان خزائن کو دریافت کرنے کی غرض سے جگہ جگہ کھدائی کر کے ان میں گڑھے ڈال دیے گئے ہیں (۲۰) ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ حال میں سعودی حکومت نے اس مردہ گھوڑے میں جان ڈالنے پر سوچ بچار شروع کی ہے اور ان کی کوشش ہے کہ اسے اندرون ملک ریلوے راستوں سے ملا دیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ مدینہ طیبہ میں ڈرائی پورٹ (خشک گودی) کا قیام بھی زیر غور ہے

مدینہ ائرپورٹ

ذرائع آمد و رفت کے سلسلے میں مدینہ طیبہ میں جہاں ہوشربا ترقی ہوئی ہے وہاں ہم شہری ہوا بازی کی پریذیڈنسی کی کوششوں کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے مدینہ طیبہ میں العقول کے جوار میں ایک درمیانے درجے کی ائرپورٹ تعمیر کرا دی تھی جسے پرنس محمد ائرپورٹ کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ائرپورٹ جدید ترین سہولیات اور سامان ہوا بازی سے لیس ہے اور مملکت سعودی عرب کی تمام دوسری ائرپورٹوں سے منسلک ہے۔ حج کے موسم میں تو ائر ٹریفک کے حجم کے لحاظ سے جدہ ائرپورٹ کے بعد اس ائرپورٹ کا نمبر آتا ہے۔ اسے حال ہی میں مزید توسیع دی گئی ہے۔ اس کے نئے لاؤنجز کا افتتاح ۲۴ دسمبر ۲۰۰۱ء کو شہزادہ سلطان بن عبدالعزیز کے ہاتھوں ہوا تھا حج کے موسم میں یہ ائرپورٹ تقریباً چار لاکھ مسافروں کو سفر کی سہولتیں مہیا کرتی ہے جس کی روزانہ اوسطاً تعداد تقریباً ۱۶،۴۰۰ مسافر بنتی ہے۔ (۲۱)

وہ مساجد یا تاریخی مقامات جو اب قصہ پارینہ بن چکے ہیں

مدینۃ النبی ﷺ اسلام کا گہوارہ تھا اور اسی کی گود میں تاریخ اسلامی نے نشو و نما اور پھر درجہ کمال تک پہنچنے کے لیے ارتقاء کی منازل طے

مسجد دار سعد بن خیثمہ

کی تھیں دریوں اس کی پاک دھرتی نہ صرف تبرکات نبوی شریف بلکہ صدیوں کی تاریخ کے بے شمار انمٹ نقوش کی امین بن گئی جیسا کہ شہزادہ مقرن بن عبدالعزیز گورنر مدینہ طیبہ کے مندرجہ بالا خبری تراشے میں بیان سے ظاہر ہوتا ہے یہ بلدۃ الطیبہ تقریباً ایک ہزار آثار مقدسہ کا امین ہے تاہم وقت کے دھارے نے ان میں سے بہت سے تبرکات اور آثار مبارکہ کو نگل لیا ہے اور صرف چند ایک معروف ومشہور آثار ہی بچ پائے ہیں جن میں سے صرف چند کا احاطہ ہم نے اس کتاب میں کیا ہے بیسویں صدی میں ان مفقود آثار میں سے بہت سوں کے محل وقوع موجود اور معلوم تھے مگر لاپروائی اور مصلحتیں آڑے آئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے تاریخ مدینہ طیبہ کے ان نگینوں کو سوئے ملک عدم ترسیل پر مجبور کر دیا گیا اب ان تمام مفقود گوہر ہائے گراں مایہ کا احاطہ تو ناممکنات میں سے ہے مگر پھر بھی ہم نے کوشش کی ہے کہ ان مشہور مساجد اور مقامات کا ذکر ضرور کر دیں جو کہ بیسویں صدی کے اواخر تک موجود تھے مگر اب یا تو سرے سے ان کا وجود ہی ختم کر دیا گیا ہے یا پھر وہ بھی انتہائی کس مپرسی کے عالم میں کمر باندھے ہوئے ملک عدم سدھارنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں

(۱) **مسجد جبل الرماۃ** یہ متبرک مسجد اس پہاڑی پر واقع تھی جہاں رسول اللہ ﷺ نے دوران غزوہ احد پچاس تیراندازوں کو تعینات فرمایا تھا جونہی جنگ کی گرد بیٹھی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے جانباز شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تدفین کروائی اور اسی پہاڑی کی چوٹی پر نماز ظہر ادا فرمائی (۲۲) اسی سجدہ نیاز کی یاد میں وہاں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی تھی (۲۳) جو مرور ایام اور کئی حکمرانوں کی لاپروائی کے باوجود بھی اس جبل عینین پر اپنا سر بلند کیے کھڑی رہی عثمانیوں کے دور میں اس کے اردگرد دیگر عمارتیں بھی تعمیر

مسجد بنات النجار انہدام سے پہلے اور بعد میں

مسجد الفتح

ہو چکی تھیں انیس سو ستر کی دہائی تک تو وہ مسجد کافی اچھی حالت میں قائم تھی مگر آہستہ آہستہ روبہ تنزل ہوتی گئی اور پھر بالآخر اس کے کھنڈرات بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے

(۲) **مسجد عرفات** یہ مسجد قبا کی جنوبی جانب اس سطح مرتفع پر واقع تھی جہاں اصحاب الصفہ اور مہاجرین کی بستی بسائی گئی تھی ۸ ہجری میں جب مسلمانوں نے پہلی بار سیدنا صدیق اکبرؓ کی سرکردگی میں حج ادا کیا تو رسول اللہ ﷺ باقیماندہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو لے کر اس سطح مرتفع پر تشریف لے گئے جہاں اصحاب صفہ کے نادار اصحابہ مقیم تھے۔ یوم عرفات کو جب حج کے شرکاء صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وقوف عرفات کر رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزے نے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو اس سعادت سے محروم رہ گئے تھے حج اصحابہ کرام کا تمام منظر دکھا دیا (۲۴) اس محیر العقول معجزے کی یاد میں اس مقام پر اہل مدینہ نے ایک مسجد تعمیر کر دی تھی جو بیسویں صدی کے وسط تک موجود رہی مگر بعد میں اسے منہدم کر دیا گیا

(۳) **مسجد بنات النجار**۔ ہجرت مبارکہ پر جب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام قباء سے سوئے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تو بنی نجار کے علاقے میں اس قبیلے کی بچیوں نے دف بجا کر استقبالیہ نغمہ گا کر رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا تھا ان بچیوں کے ترحیبی کلمات میں بنی نجار کا ذکر خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ بنی نجار رشتہ میں سید العرب والعجم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کے ننہال تھے ترحیبی نغمے کا مطلع یہ تھا

نحن جوار من بني النجار   يا حبذا محمد من جار

بعض مورخین کے مطابق بنو نجار کی بچیوں نے یہ استقبالیہ نغمہ مسجد نبوی شریف کے جوار میں گایا تھا کیونکہ وہاں بھی بنو نجار کے لوگ آباد تھے تاہم یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسجد الجمعہ کے سامنے بھی بنی نجار کے کچھ افراد بستے تھے اور انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کو استقبالیہ دیا تھا اس تاریخی مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جس کا ذکر کم وبیش ہر مورخ مدینہ طیبہ نے کیا ہے مسجد الجمعہ کے سامنے ایک احاطے کے اندر یہ مسجد ہوا کرتی تھی (۲۵) یہ چھوٹی سی مسجد غیر مسقف ہوا کرتی تھی ثنیۃ الوداع کی طرح اس مسجد کا بھی اپنا تاریخی تشخص اور مقام تھا مگر پچھلے تین سالوں سے یہ مسجد منہدم کر دی گئی ہے اور اس کھلے احاطے میں اہل محلہ کے بچے اپنے کھیل کود کا شوق پورا کرتے ہیں اور بڑے لوگ اپنی گاڑیاں پارک کر کے اس متبرک مقام کے تقدس کا حق ادا کرتے ہیں۔

(۴) **مسجد الفتح**: اس مسجد کا تفصیلی ذکر باب "مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد" میں کیا ہے اس متبرک مسجد کے کھنڈرات کے گرد خاردار تار لگا کر اس تک پہنچنا دشوار بنا دیا گیا ہے زائرین وہاں پر دیکھے جائیں تو پاسبان شریعت ناک بھوں چڑھاتے ہیں مگر

مسجد مشربہ ام ابراہیمؓ کی موجودہ حالت

چونکہ اس سے متصل جگہ پر بھیڑ بکریوں کا باڑہ ہے اس لیے وہ بے شعور جانور اس متبرک مسجد کے تقدس کو بری طرح مجروح کرتے رہتے ہیں اور دیکھنے والا اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا ہے کہ وہ رشک جناں مقام جس پر تقدس کو سو سو ناز ہے کہ وہاں سرکار دو عالم جان کائنات ﷺ نے اپنا سر نیاز بحضور رب ذوالجلال سجدہ ریز کیا تھا اور جہاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروا دی تھی وہاں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے نظر آتے ہیں اور اگر کوئی اس تمام بے ہودگی کے باوجود دل کڑا کر کے تحیۃ المسجد کے لیے وہاں رکوع و سجود کرنے کی جسارت کر بھی لے تو اسے مشرک گردان کر اس کی عزت افزائی کی جاتی ہے مزید تفصیل باب "تاریخی مساجد" میں دی گئی ہے

(۵) **مسجد ابوبکر الصدیقؓ:** یہ مسجد سبع مساجد میں سے ایک تھی جو کہ جبل سلع کے دامن میں اس یادگار کے طور پر بنائی گئی تھی کہ وہاں غزوہ خندق کے دوران اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خیمے نصب تھے قرون اولیٰ میں تو یہ مسجد سیدنا علی ابن ابی طالبؓ کے نام سے منسوب تھی اور وہ مسجد جو کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے اب منسوب ہے وہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی مسجد مشہور تھی پچھلی دو دہائیوں میں سبعہ مساجد کی جگہ صرف خمسہ مساجد ہی رہ گئی تھیں جن میں ۱۹۹۹ء کے آخیر تک مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ شامل تھی مگر پھر اسے منہدم کر کے اس کا رقبہ گاڑیوں کو پارک کرنے کے لیے استعمال کر لیا گیا البتہ ۲۰۰۲ء کے اواخر میں اس علاقے میں ایک بڑی مسجد کا منصوبہ شروع کیا گیا ہے جو مسجد خندق کہلائے گی گو کہ یہ مسجد ایک تاریخی یادگار رہی ہو گی مگر کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان چھوٹی چھوٹی مساجد کی جگہ پر بڑی مساجد بنا دی جاتیں تا کہ آنے والی نسلوں کو یہ تو معلوم رہتا کہ ان کٹھن حالات میں لشکر اسلامی کے عمائدین نے کہاں کہاں خیمے لگائے تھے۔

(۶) **مسجد ابی بن کعبؓ:** یہ چھوٹی سی مسجد بقیع الغرقد کے اندر واقع تھی اور اسے مسجد مقام النبی ﷺ بھی کہا جاتا تھا قدیم ترین مورخین سے لے کر (ابن زبالہ) مدینہ طیبہ کے معاصر مورخین نے اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور بیسویں صدی کے وسط تک یہ مسجد موجود رہی اور بعد میں بقیع الغرقد کے گورکنوں نے وہاں اپنے اوزار گورکنی وغیرہ رکھنے شروع کر دیئے تھے اور پھر بعد میں جب بقیع الغرقد کی توسیع کی گئی تو اس مسجد کو مسمار کر دیا گیا اور وہاں زائرین کے کھڑے ہونے کی جگہ بنا دی گئی اسے مسجد ابی بن کعبؓ کے علاوہ مسجد بنی جدیلہ اور کبھی مسجد مقام النبی ﷺ بھی کہا جاتا رہا ہے۔ اس کے متعلق مزید تفاصیل ہم نے بقیع الغرقد کے باب میں دی ہیں

(۷) **مسجد مشربہ ام ابراہیمؓ:** مشربہ سیدتنا ام ابراہیمؓ العوالی کے علاقے میں واقع ہے جہاں سیدۃ ماریہ قبطیہؓ رہائش پذیر تھیں اور سرکار دو عالم ﷺ اکثر وہاں تشریف لایا کرتے تھے اور ایک بار تو پورے ۲۹ دن شہ دوسرا ﷺ نے اسی مشربہ میں گزارے تھے چنانچہ آپ حضور ﷺ نے اتنے دن نماز بھی وہیں ادا فرمائی۔ ابن شبہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ کو بار ہا شرف

سجدہ ریزی سے نوازا تھا (۲۶) اس دوران جب امام الانبیاء اور سید الامم ﷺ نے وہاں قیام فرمایا تھا تو یہ قدرتی عمل تھا کہ آپ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی آپ حضور ﷺ کی اقتداء میں وہیں دو زانو ہوا کرتے تھے صحیح بخاری نے سیدنا عمر فاروقؓ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ وہ آپ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں مشربہ ام ابراہیمؓ حاضر ہوئے تھے اس مشربہ کی جگہ ابتدائی دور میں ہی ایک مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جو کہ مسجد مشربہ ام ابراہیمؓ کہلاتی تھی بعض روایات میں تو یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ سیدۃ ماریہ قبطیہؓ بھی اسی مشربہ کے بستان میں مدفون ہیں گو کہ یہ بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی البتہ یہ تاثر ضرور ہے کہ دوسری صدی میں اہل بیت اطہار کے چند برگزیدہ افراد وہاں قیام پذیر ہو گئے تھے اور یوں کئی نسلوں تک یہ جگہ نہ صرف ان کی اقامت گاہ رہی بلکہ ملحقہ بستان آہستہ آہستہ اہل بیت اطہار کی آخری آرامگاہ بن گیا اس مسجد کے ساتھ ایک کنواں بھی ہوا کرتا تھا دسمبر ۱۹۲۵ء میں جب وہابیوں نے مدینہ طیبہ پر قبضہ کیا تو دیگر آثار کے ساتھ ساتھ اس مسجد کو بھی مسمار کر دیا گیا تھا کھنڈرات کی صورت میں اس اثر مبارکہ نے کئی دہائیوں تک زبان حال سے اپنی بقا کے لیے احتجاج جاری رکھا مگر بالآخر نئی صدی کی دہائی میں اس کے کھنڈرات بھی زمین بوس ہو گئے اب اس مسجد کا نشان تک باقی نہیں رہا مگر قبرستان کے طور پر اس کے گرد اگرد مضبوط دیوار کھڑی کر دی گئی ہے تا کہ عشاق آثار جو یہاں مدفون اہل بیت اطہار وہ اندر جھانک بھی نہ پائیں۔ ہاں البتہ زائرین کو بیوقوف بنانے کے لیے مشربہ کے احاطے کے باہر ایک مسجد کا غیر مکمل ڈھانچہ کھڑا کر دیا گیا ہے اور اکثر مسجد مشربہ کے متعلق سوال کیا جائے تو اس ادھوری مسجد کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے حالانکہ نہ تو وہ مشربہ کے اندر ہے اور نہ ہی اسے اس تاریخی مسجد سے کوئی نسبت و رابطہ ہے

(۸) **مسجد عتبان ابن مالکؓ:** اپنی عمر کے ایک حصے میں حضرت عتبان ابن مالکؓ اپنی آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے تھے اور ان کے لیے وادی رانونا عبور کر کے مسجد الجمعہ میں نماز پنجگانہ کے لیے آنا دشوار تھا چنانچہ انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ سے اپنے گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت طلب کی اور التماس کی کہ تاجدار حرم منبع جود و الکرم ﷺ ان کے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں اور وہاں ایک نماز ادا کریں۔ دربار رسالت مآب ﷺ میں ان کی یہ درخواست منظور ہوئی اور آپ حضور ﷺ نے ان کے گھر نماز ادا فرمائی اور پھر انہوں نے وہاں اپنی ایک مسجد تعمیر کروا دی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروا دی تھی یہ مسجد الجمعہ کے سامنے کے علاقے میں شمال مشرقی جانب حضرت عتبان بن مالکؓ کے اطم کے اندر تھی جو کہ کھنڈرات کی شکل میں بیسویں صدی کے اواخر تک بقید حیات تھا رو بہ انہدام ہونے کی وجہ سے وہ اطم بھی اب نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے اور اب تو اس کی باقیات بھی ہٹا دی گئی ہیں

(۹) **مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ:** جبل سلع کے دامن میں غربی جانب سبعہ مساجد میں سے ایک چھوٹی سے مسجد سیدۃ النساء العالمین سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے بھی منسوب تھی تاریخی طور پر اس مسجد کو مسجد بنو ظفرؓ کہا جاتا تھا قرون اولیٰ میں سے مسجد سعد بن معاذؓ بھی کہا جاتا رہا تھا۔ ستر کی دہائی میں تو یہ غیر مسقف تھی مگر بعد میں اس پر چھت ڈال دی گئی تھی مگر پچھلے چار پانچ سال سے اس کے دروازے کے آگے دیوار کھڑی کر کے اس میں داخلے کو ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ دیگر سبعہ مساجد کی طرح یہ مسجد بھی زیر تعمیر نئی مسجد خندق میں ضم ہو جائے گی۔

مشربہ ام ابراہیمؓ کی دیوار کے ساتھ یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی کریم ﷺ نے وضو کرتے ہوئے کلی کا پانی پھینکا تھا اس جگہ پر پودے اگ آئے جو بار بار کاٹنے کے باوجود دوبارہ اگ آتے ہیں

(۱۰) **مسجد الشمس**: یہ مسجد جس کو چند معاصر مورخین مدینہ طیبہ نے مسجد الفضیخ کے ساتھ گڈمڈ کر دیا ہے العوالی میں وادی بطحان کے کنارے ایک چار دیواری کے احاطے کے اندر ہوا کرتی تھی شاہ فیصل مرحوم کے دور میں ایک دو بار اس کو بنانے کی سعی حاصل کی گئی مگر جونہی شیعہ حضرات کا وہاں جمگھٹا لگنے لگا اسے مسمار کر دیا جاتا تھا اور یوں اب وہ خالی احاطہ ہی رہ گیا ہے اور اس میں مسجد الشمس کے کھنڈرات کی چند باقیات ابھی تک مدعی کی ملامت کر رہی ہیں

(۱۱) **مسجد فضیخ**: العوالی میں بہت مشہور مسجد تھی جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے محاصرہ بنو قریظہ کے دوران دو ہفتے تک قیام فرمایا تھا اور نماز پنجگانہ ادا فرمائی تھی۔ اگست ۲۰۰۱ء میں اسے مسمار کر کے اس کی جگہ اہل محلہ کے لیے کھول دی گئی ہے تاکہ ایک وارثِ مصطفیٰ ﷺ کا تقدس مجروح کر سکیں۔ اس معاملے میں ہم نے بہت سی تفصیل "مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد" میں بھی دی ہیں

(۱۲) **مسجد سیدۃ فاطمۃ بنت حسین ابن علی رضوان اللہ علیہم** حرۃ الوبرہ (جسے آج کل حارۃ غربیہ کہا جاتا ہے) میں مسجد نبوی شریف کے مغرب میں عنبریہ ریلوے اسٹیشن کے اس پار حضرت فاطمہ بنت حسینؓ کا گھر اور مسجد ہوا کرتی تھی اور زیارت گاہ خاص و عام تھی ان کو مسمار کر کے اس جگہ پر "نفط" کا پٹرول پمپ اور گیس اسٹیشن بنا دیا گیا ہے

(۱۳) **مسجد ثنیۃ الوداع**: ثنیۃ الوداع کی گھاٹیاں ایک درے کی صورت میں جبل سلع کے شرقی جانب ہوا کرتی تھیں جہاں محسن انسانیت سرکار دو عالم ﷺ کا استقبال اہل مدینہ نے "طلع البدر علینا" کی نعت دف بجا کر کیا تھا اس گھاٹی پر یادگار کے طور پر ایک مسجد صدیوں سے قائم تھی۔ یہ سیدنا ابوبکر الصدیقؓ روڈ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ روڈ کے چوک کے پاس ہوا کرتی تھی لیکن جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ روڈ کا نئے سرے سے تعمیر ہوا تو اسے منہدم کر کے وہاں سے سڑک گزار دی گئی اس کا بچا کھچا حصہ ایک تکونی صورت میں اب بھی باقی ہے مگر کسی قسم کا سائن بورڈ لگانے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی۔ اس کا تھوڑا سا حصہ بچ پایا ہے اور وہاں خوبصورتی کے لیے شجر کاری کر دی گئی ہے۔ سوائے چند مدنیوں کے اب اس جگہ یا اس کی تاریخی اہمیت اور مقام کو کوئی بھی نہیں جانتا اور ایک دو نسلوں کے بعد تو یہ جگہ بالکل قصہ پارینہ بن جائے گی

(۱۴) **مشہد النفس الذکیہ**: محمد بن عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن ابن علی رضوان اللہ علیہم کا مزار (مشہد) جو کہ عباسیوں کے ہاتھوں ۱۴۳ ہجری میں شہید ہو گئے تھے موجودہ نقل جماعی کے بسوں کے اڈے کے پاس ہوا کرتا تھا۔ وہاں ایک مسجد بھی ہوا کرتی تھی جو کہ نماز پنجگانہ کے لیے کھلتی تھی اور ساتھ ہی عین الزرقاء کا چشمہ تھا جہاں سے مدینہ طیبہ کے باسیوں کو پانی مہیا کیا جاتا تھا۔ پانی کے منبع کی اہمیت کے پیش نظر یہ پورا علاقہ سبیل النفس الذکیہ یا عین الذکیہ کہلاتا تھا مگر جونہی آب رسانی کے دیگر ذرائع نے مدینہ طیبہ کے لیے پانی مہیا کرنا شروع کیا اس کی اہمیت ختم ہو گئی اور پلک جھپکنے میں اسے زمین بوس کر کے بلدیہ مدینہ نے اس مسجد کو شہید اور مشہد کو زائل کر دیا۔

مدینہ طیبہ کے چند مشہور و معروف علاقے اور آبادیاں

العوالی

سطح مرتفع کے لحاظ سے مدینۃ النبی ﷺ ارضیاتی ساخت کے تفاوت اور نشیب و فراز کے علاوہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک وہ حصہ ہے جہاں سے جنوبی جانب سے ندی نالے بہہ کر مدینہ طیبہ کی ارض مقدس سے ہو کر گزرتے ہیں۔ یہ تمام علاقہ اونچا ہے جہاں سے ڈھلوان کی طرف پانی کا بہاؤ ہوتا ہے یہاں ارض طیبہ بالائی اور زیریں علاقوں پر مشتمل ہے عربی زبان میں بالائی علاقے کو "العالیہ" اور زیریں علاقے کو "السافلہ" کہا جاتا ہے احادیث مبارکہ میں دونوں علاقوں کا العالیہ اور السافلہ کے نام سے ذکر ہے وہ میدانی علاقے جو بالائی حصے میں تھے وہ العوالی (العالیہ کی جمع) کہلانے لگے تھے اور یوں وہ گاؤں جو کہ اس علاقے میں واقع تھا اسے کبھی تو العالیہ اور کبھی العوالی کہا جاتا تھا اور آج تک یہ تمام علاقہ اسی نام سے جانا جاتا ہے۔ گو کہ قباء کا گاؤں شروع سے ہی اپنے نام یعنی قباء سے جانا جاتا تھا مگر جغرافیائی لحاظ سے یہ بھی العوالی ہی کی ایک توسیع تھی اور اسی میں شامل تھا۔ مدینہ طیبہ کی مشہور وادیاں، "بطحان"، "مذینب"، "مہزور" اور "جفاف" اسی العوالی سے ہو کر زیریں علاقوں کی طرف بہتی تھیں۔ راستے میں مسجد نبوی شریف اور اس کے ارد گرد کا کچھ علاقہ میدانی تھا جو کہ جوف مدینہ کہلاتا تھا اور اس سے آگے پھر ڈھلوان آ جاتی تھی جو کہ سافلہ کہلاتا تھا جو کہ وادی قناۃ تک چلا جاتا تھا مسجد نبوی شریف کے شمال میں مسجد ابوذر الغفاریؓ کو مسجد سافلہ اسی نسبت سے کہا جاتا تھا

زمانہ قدیم سے یہ علاقہ وادیوں کی بدولت بہت زرخیز رہا ہے اور اسی علاقے میں مدینہ طیبہ کے مشہور کھجوروں کے باغات ہوا کرتے تھے اور اسی علاقے میں زیادہ تر کھیتی باڑی بھی ہوا کرتی تھی۔ آج سے چالیس یا پچاس سال پہلے تک تو مدنی زراعت کا نوے فیصد حصہ اسی العوالی میں ہوتا تھا مگر اب عمرانی ضرورتوں نے بہت سے باغات اور کھیتوں کو رہائشی علاقوں میں بدل دیا ہے۔ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باغات بھی اسی علاقے میں تھے جن میں بستان حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور بستان حضرت عباس بن عبد المطلبؓ تو آج تک مشہور وقف باغات ہیں۔ اسی طرح تاریخی اور متبرک کنوؤں میں سے بئر غرس اور بئر عہن بھی اسی العوالی میں ہیں۔ ابتدائے اسلام میں یہاں بہت سے مشاہیر صحابہ رہائش پذیر تھے جن میں سیدنا عمر فاروقؓ کا گھر بھی شامل تھا جو کہ اب بھی مٹی کے بنے ہوئے کھنڈرات کی شکل میں موجود ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس علاقے کا کثرت سے ذکر ملتا ہے

قربان

زمانہ قدیم میں قربان 'العوالی' کے ایک کونے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہوا کرتا تھا العوالی کے جنوبی جانب تھی جب کہ مسجد نبوی شریف اس کے شمال میں تھی مگر آج کا قربان اتنا پھیل چکا ہے کہ عملی طور پر اب العوالی اور قربان یک جان ہو چکے ہیں اس کی ابتداء و وجہ تسمیہ کا کھوج لگاتے ہوئے سید محمد کبریت الحسینی نے گیارھویں صدی ہجری میں بیان کیا ہے کہ دراصل قربان ایک مدنی کا نام تھا جو کہ اس گاؤں میں رہا کرتا تھا۔ وہ صاحب حیثیت تھا اور ایک بہت بڑے بستان (کھجوروں کا باغ) کا مالک تھا جس میں ایک کنواں بھی تھا جو کہ اسی کے نام سے شہرت پا گیا تھا اس کی یہ جائیداد مسجد الشمس کے قریب مشرقی جانب ہوا کرتی تھی یہ گاؤں اور یہ کنواں اتنا مشہور ہوا کہ بالآخر تمام علاقہ اسی قربان کے نام سے جانا جانے لگا یہاں تک کہ العوالی کا معتدبہ حصہ بھی اب اسی نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ (۲۷)

ابھی چند ہی دہائیاں پہلے کی بات ہے کہ قربان کی زمین سونا اگلتی تھی اور یہاں کی نوع و اقسام کی کھجور، میٹھے اور طرح طرح کے پھل اور اجناس اہل مدینہ طیبہ کی غذائی ضروریات پوری کرتی تھیں، مگر جب شہر طیبہ کی آبادی بے محابا بڑھنے لگی تو ان باغات کی جگہ مختلف آبادیوں نے لے لی۔ قدیم مدینہ طیبہ کی نسبت چونکہ یہاں آبادکاری اور عمرانی ترقی بعد کے وقت میں آئی ہے جب کہ جدید تعمیراتی ہوتیں اور پیسے کی ریل پیل ہے اس لیے اس آبادی کے لیے مناسب شہری منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ سڑکیں کھلی اور بازار جدید ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر بنائے گئے ہیں اور عمارات کے نقشے باقاعدہ منظور کروانے پڑتے ہیں اب جب کہ مناخہ اور ساحہ کے تمام علاقے خالی ہو گئے ہیں تو اس وقت مسجد نبوی شریف کی قریب ترین آبادی قربان ہی ہے جو کہ بقیع الغرقد کے اس پار سے شروع ہو جاتی ہے اگر ہم بقیع الغرقد سے جنوب کی طرف قربان روڈ پر چل نکلیں تو سب سے پہلے سبز رنگ کے جدید ہوادار گنبد پر نظر پڑتی ہے جو کہ مسجد سیدنا

قیمت جو کہ حضرت زبیر بن عوامؓ کی ملکیت تھی پچاس ملین سے بھی متجاوز تھی باقی اراضی جو بچ رہی تھی وہ ان کے ورثاء میں تقسیم ہوئی۔ اسی میں سے ایک حصہ "وقف زبیر بن العوامؓ" کے نام سے آج تک موجود ہے۔

مذکورہ بالا قیمت خرید اور قیمت فروخت میں ہوشربا فرق سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سے زرعی پیداوار حاصل کرنے کے لیے کتنی مساعی کی ہوں گی اور کتنا زر کثیر صرف کیا ہوگا کہ نصف صدی کے قلیل عرصے میں اغوار کے جنگلات سے قابل کاشت بنائی گئی زرعی زمین سونے کے بھاؤ بکنے لگ گئی تھی اگرچہ روایات میں ان مساعی کی تفصیل کا تو ذکر نہیں ملتا مگر ان کے وقف میں واقع ان تاریخی آثار سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ وقتاً انہوں نے اس زمین پر شب و روز بے محابا محنت کی ہوگی جبل احد کی شرقی جانب ان کے وقف میں آج بھی ایک بہت بڑے تالاب کے تاریخی آثار ملتے ہیں جہاں حضرت زبیرؓ کے کنووں سے پانی کشید کر کے ذخیرہ کیا جاتا تھا جس سے الغابہ میں ان کی اراضی سیراب ہوتی تھی یہ مربع شکل کا ایک بہت بڑا تالاب ہے جس کے بیچ بیچ آثار قدیمہ کی پیمائش کے مطابق اس کا رقبہ ۲۵ x ۲۳.۵ x ۲۲ میٹر (۷۱۲ مربع میٹر) بنتا ہے۔ اس کی گہرائی ۲۵ میٹر ہے اور اس کی دیواریں جو کہ سنگ سیاہ سے بنی ہیں ۳۔۵ میٹر چوڑی ہیں۔ (۳۴)

وقف حضرت زبیر بن العوامؓ کا علاقہ

حرہ شرقیہ یا حرہ واقم

مسجد نبوی شریف سے ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر مشرق میں بقیع الغرقد کے پار کا علاقہ حرہ شرقیہ یا حرہ واقم کہلاتا ہے جیسے کہ ہم نے تفصیل سے "مدینہ طیبہ کے طبعی اور ارضیاتی خدوخال" میں بیان کیا ہے، عربی میں 'حرہ' اس سنگلاخ زمین کو کہتے ہیں جو کہ آتش فشانی عمل کے نتیجے میں بنتے ہوئے لاوے سے بنی ہو۔ مدینہ منورہ کے شرقی اور غربی جانب ایسے دو مشہور 'حرے' کا ذکر اکثر احادیث مبارکہ میں ملتا ہے جن سے حرم مدنی کی شرقی اور غربی حدود کا تعین ہوتا ہے۔ شرقی جانب کا حرہ 'حرہ واقم' کہلاتا تھا جس کی وجہ تسمیہ بنو عبد الاشہل الاوسی کے واقم نامی ایک شخص کا اطم تھا جو کہ زمانہ قدیم میں وہاں بنایا گیا تھا۔ (۳۵)

اسے حرہ زہرہ بھی کہا گیا ہے۔ ایک بار سرکار دوعالم صادق مصدوق ﷺ اسی حرے کے علاقے سے اپنے بعض اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں گزر رہے تھے کہ ایک مقام پر رک کر چہلے تو آپ حضور ﷺ نے استرجاع فرمایا یعنی فرمایا [انا للہ وانا الیہ راجعون] اور پھر بعد میں فرمایا کہ اس مقام پر میری امت کے بہت سے برگزیدہ افراد اور صحابی شہید کر دیے جائیں گے۔ ۶۳ ہجری میں یزید پلید نے مدینہ طیبہ پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لیے دس ہزار شامی فوج روانہ کی جس کی کمان مسرف بن عقبہ کر رہا تھا۔ انہوں نے حرم نبوی شریف کے تقدس کو پامال کیا اور ہزاروں کی تعداد میں مدنی حضرات تہہ تیغ کر دیے گئے۔ مدینہ طیبہ کی تاریخ کا سب سے بڑا مقتل یہی حرہ زہرہ بنا جیسا کہ سرکار دوعالم ﷺ بہت پہلے فرما چکے تھے آج کے مدینہ طیبہ میں اس مقتل کی تحدید کرنا محال ہے کیونکہ حرہ کی سنگلاخ سطح مرتفع کے نشیب و فراز ہموار کر کے تمام علاقے پر آبادیاں قائم ہو چکی ہیں تاہم بعض معاصر مورخین مدینہ طیبہ نے اس جگہ کا تعین کرنے کی سعی کی ہے جس کے مطابق اس مقتل کی جگہ مسجد بنو زغفار کے مشرق میں تقریباً دو یا تین فرلانگ کے فاصلے پر تھی غالی الشنقیطی کے بقول یہ مقتل معریض اور مدینہ کے درمیان واقع تھا (۳۶) دراصل حرہ شرقیہ بہت وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا اور وثوق کے ساتھ اس مقتل کا تعین خاصہ دشوار ہے۔ بریگیڈیئر ہم اعجاز شیخ (جنہوں نے اس موضوع پر بہت تحقیق کی تھی) کی رائے میں یہ جگہ شاہراہ ستین (موجودہ شارع فیصل) پر مسجد جابر اور مسجد ابوذر الغفاری کے درمیان مدینہ طیبہ کے مرکزی پولیس آفس (شرطہ المدینہ المرکزیہ) کے سامنے واقع تھی۔ (۳۷)

مسجد نبوی میں پہلے پہل جب بجلی کے قمقمے روشن کیے گئے اس دور کی ایک نایاب تصویر ۱۹۰۸ء

حرہ غربیہ یا حرہ وبرہ

حرہ غربیہ کا سنگلاخ علاقہ مسجد نبوی شریف کی غربی جانب مسجد عنبریہ (ریلوے سٹیشن) کے اس پار سے شروع ہو کر وادی العقیق تک چلا گیا تھا۔ یہ تمام علاقہ بھی لاوے سے بنی چٹانوں سے اٹا ہوا تھا جس میں بے شمار نشیب و فراز تھے حرہ غربیہ کا علاقہ عموماً اہل بیت الطاہرہ کا علاقہ کہلاتا تھا کیونکہ مسجد نبوی شریف کے جوار سے ان کے جبری انخلاء کے بعد اہل بیت الطاہرہ کے بہت سے سرکردہ افراد اسی سنگلاخ علاقے میں آباد ہو گئے تھے جن میں سب سے زیادہ مشہور سیدۃ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا اور ان کے اہل خانہ تھے۔ یہ علاقہ سرکار دوعالم ﷺ کے دور مبارکہ میں خودرو جھاڑیوں اور درختوں سے اٹا ہوتا تھا جس کی وجہ سے یہ مدینہ طیبہ کی قریب ترین اور آسان چراگاہ کا کام دیتا تھا۔ ایک بار عرینی قبیلے کے چند افراد نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیوں کو چرانے والے غلامان مصطفیٰ ﷺ کو شہید کر کے آپ حضور ﷺ کی اونٹنیوں کو ہانک کر لے جانے کی سعی لا حاصل کی تھی جب وہ بدطینت فرار ہو کر پکڑے گئے تو سرکار دوعالم ﷺ حرہ وبرہ یعنی حرہ غربیہ تشریف لے گئے اور ان کو موت کی سزا سنائی جس پر عملدرآمد بھی اسی حرہ غربیہ میں کسی مقام پر کیا گیا۔ (۳۸)

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ بھی اسی حرہ غربیہ سے متعلق ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ [میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک چرواہا اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ تھا کہ ایک بھیڑیا ایک بھیڑ کو لے کر چلتا بنا چرواہے نے بھیڑیے کا پیچھا کیا اور اس سے اپنے جانور کو چھڑا لیا۔ اس پر وہ بھیڑیا ان سے مخاطب ہوا۔ اس دن اس ریوڑ کی رکھوالی کون کرے گا جب کہ یہاں وحشی جانوروں کا راج ہوگا اور میرے (یعنی خونخوار بھیڑیے) کے علاوہ کوئی ان کا نگہبان نہ ہوگا؟] (۳۹) فتح الباری کے مطابق یہ واقعہ جس میں قرب قیامت کی ایک علامت کا ذکر ہے اسی حرہ غربیہ میں کسی مقام پر ہوا تھا

قدیم باب مجیدی کے سامنے دار الضیافہ کی تصویر جہاں پہلا جنرل ٹیلیفون نصب ہوا تھا

حرہ شرقیہ کی طرح حرہ وبرہ یا حرہ غربیہ کی زمین کو بھی ہموار کر کے وہاں آبادکاری کر لی گئی ہے اور وہاں مدینہ طیبہ کی چند خوبصورت عمارات بن چکی ہیں تاہم ریلوے سٹیشن کی غربی جانب ابھی بھی ایک قدیم آبادی ہے جو کہ 'حارہ غربیہ' کہلاتی ہے جس کی اکثر زمین ابھی تک ناہموار ہے۔ اس علاقے میں تاریخی مقامات میں سے مسجد منارتین اور سیدۃ سکینہ بنت حسینؓ کا مکان تھا جس کی باقیات کھنڈرات کی شکل میں ملتی ہیں۔

باب مجیدی کے سامنے صبح کے وقت کبوتروں کی ٹولیاں دانہ چگ رہے ہیں

مسجد نبوی شریف میں پہلی بار برقی روشنی کی آمد

شہر حبیب میں ریل کی آمد کے ساتھ ساتھ دیگر سہولتوں کے علاوہ پہلی بار بجلی کی ترسیل بھی ممکن ہو گئی۔ ریلوے سٹیشن کا افتتاح مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۰۸ء (۲۷ رجب المرجب ۱۳۲۶ ہجری) کو ہوا جب کہ مسجد نبوی شریف میں بجلی کا پہلا قمقمہ ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ ہجری کو روشن ہوا یہ دن اہل مدینہ طیبہ کے لیے بہت خوشی کا دن تھا کیونکہ مرکز انوار وتجلیات کے آنگن برقی روشنی سے منور و تاباں ہوئے جس سے عابدین اور زائرین کے لیے شب بیداری اور قیام اللیل میں بہت سہولت ہو گئی بدقسمتی سے اسی دن بجلی کے قمقمے کی تنصیب اور ترکیب کے وقت ایک حادثہ ہو گیا اور وہ الیکٹریشن جو اس کام پر مامور تھا بجلی کے جھٹکے سے دم توڑ گیا۔ اصل منصوبے کے مطابق تو رمضان ۱۳۲۶ ہجری میں قیام اللیل کے وقت بجلی کی روشنی مہیا کی جانی تھی مگر اس حادثہ کی وجہ سے سب پہلے کی طرح چراغوں پر انحصار کرنا پڑا تا آنکہ آستانہ عالیہ سے نیا الیکٹریشن بھیجا خوبصورت کھمبے مسجد نبوی شریف کے صحن میں اور مسجد شریف کے باہر گلیوں میں مختلف جگہوں پر لگائے گئے تھے۔ باب مجیدی کے باہر دار الضیافہ میں پہلا بجلی کا سب سٹیشن قائم کیا گیا (۴۰) مدینہ طیبہ میں بجلی کی ترسیل کے لیے نظام حیدر آباد دکن نے خاص طور پر مالی نذرانہ پیش کیا تھا اور یوں مناسب جنریٹرز وغیرہ کا بندوبست کیا گیا شروع میں بجلی کی سہولت صرف مسجد نبوی شریف تک محدود تھی مگر بعد میں مزید مشینری منگوا کر اسے مدینہ طیبہ کے باسیوں کے لیے بھی مہیا کیا گیا۔

ابتداء میں بجلی کا استعمال صرف روشنی حاصل کرنے کے لیے محدود تھا مگر جب سعودی دور میں مسجد مبارک کی پہلی توسیع عمل میں آئی تو اسے دوسرے مقاصد یعنی پنکھوں وغیرہ کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا (۴۱) مزید جنریٹرز منگوا کر لگائے جاتے رہے اور اس کار خیر میں مخیر حضرات کا بہت زیادہ ہاتھ رہا ہے بن لادن خاندان کے افراد نے بھی اس معاملے میں بہت مالی معاونت کی بجلی کو تجارتی بنیادوں پر مہیا کرنے کے لیے بڑے بڑے جنریٹر منگوائے گئے اور انہیں شہر سے دور آبار علی کے علاقے میں نصب کیا گیا اہل مدینہ کو زیادہ وسیع بجلی کی ترسیل صرف ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ممکن ہو سکی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر منورہ جہاں ہر لحظہ نور و تجلیات الٰہی کی باران رحمت ہوتی ہے عہد جدید کا روشنیوں کا شہر بن گیا اب تو صرف مسجد نبوی شریف اور اس کے گرد و نواح میں بجلی کی تنویر کے وہ مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ دیکھنے والے کی نگاہ خیرہ ہو کر جاتی ہے۔ اس وقت شہر نبوی میں دو بہت ہی طاقتور پاور سٹیشن بجلی سپلائی کرتے ہیں۔ ایک ائرپورٹ روڈ پر ہے جب کہ دوسرا آبار علی کے علاقے میں واقع ہے۔ ہر دو کی قوت تولید ۳۷ میگاواٹ ہے

حرم نبوی شریف میں کبوتروں کی موجودگی اور زائرین کی نظر میں ان کا مقام

کتاب کے آخر میں ہم مدینہ طیبہ کی ایک ایسی خصوصیت کا ذکر کرنا چاہیں گے جو کہ عشاق مدینہ کے دل میں بہت بلند مقام رکھتی ہے۔ حرم مدنی شریف کے دیگر بے شمار خصائص کے علاوہ یہاں کے مانوس کبوتر ہیں جن کے جھنڈ کے جھنڈ روضہ اقدس پر پروانہ وار منڈلاتے رہتے

بقیع الغرقد کے چند کبوتر

ہیں طلوع آفتاب پر تو یہ منظر بہت دیدنی ہوتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ سبز رنگ قدسیوں کے ساتھ ساتھ یہ ان گنت طائران حرم بھی پھڑ پھڑاتے ہوئے صلوات و سلام کی ڈولیاں در اقدس پر نچھاور کرتے ہیں زائرین ان طائران حرم نبوی شریف کو بہت قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

عشاق اور مورخین نے حرمین الشریفین میں صدیوں سے کبوتروں کی کثیر تعداد میں پائے جانے کی وجہ کی کھوج لگانے کی کوشش کی ہے اور اس موضوع پر تحقیقاتی مقالے بھی لکھے ہیں اس سلسلے میں ہمیں دو روایات ملتی ہیں

(۱) طوفان نوح علیہ السلام جب ختم ہو چکا تو انہوں نے اپنے کبوتروں کو جبل جودی سے حکم دیا کہ روئے زمین کا جائزہ لے کر آئیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کون کون سا خطہ ہے جو کہ سوکھ چکا ہو شرق و غرب کا چکر لگانے کے بعد واپس ہونے والے کبوتروں نے اس بات کا انکشاف کیا کہ ارض کعبۃ المشرفہ سوکھ چکی تھی سیدنا نوح علیہ السلام نے ان کبوتروں کے پنجوں میں بلد حرم کی سرخ مٹی بھی دیکھی انہوں نے ان کبوتروں کے لیے خاص دعا فرمائی۔ روایت میں ہے کہ حرمین الشریفین میں موجود کبوتر انہی کبوتروں کی اولاد سے ہیں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی روایت سے اس بات کو تقویت ملتی ہے جس کے مطابق انہوں نے بیان کیا کہ طوفان نوح علیہ السلام کے دوران سفینہ حضرت نوح چالیس دن تک کعبۃ اللہ کا طواف کرتا رہا اور پھر حکم الٰہی سے جبل جودی کو روانہ ہو گیا جس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتروں کو زمین کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا جو واپسی پر زیتون کے پتے لے کر آئے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے پاؤں مٹی سے بھرے ہوئے تھے

(۲) دوسری روایت یہ ہے کہ بوقت ہجرت مبارک جب مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں غار ثور میں داخل ہوئے تو حرم کعبہ کے کبوتر بھی ذکر ساتھ آئے تھے اور غار کے دہانے پر انڈے دے کر وہیں بیٹھ رہے تھے غار سے باہر تشریف لانے پر سرکار دو عالم ﷺ نے ان کبوتروں کے لیے خاص دعائے رحمت و برکت فرمائی تھی اور یہ کہ وہ کبوتر دونوں یاران غار کے قافلے کے ساتھ ساتھ اڑانیں بھرتے ہوئے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ موجودہ کبوتر جنہیں حمام مکی کہا جاتا ہے انہیں کبوتروں کی نسل سے ہیں بزار نے اپنی مسند میں اور الہیثمی نے مجمع الزوائد و منبع الفوائد میں حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت درج کی ہے جس میں تینوں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بات کی توثیق کی تھی کہ حمام حرم انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں جنہوں نے غار ثور کے دہانے انڈے دیئے تھے

ہمارے آقا ﷺ کے شہر مدینہ کے چند کبوتر
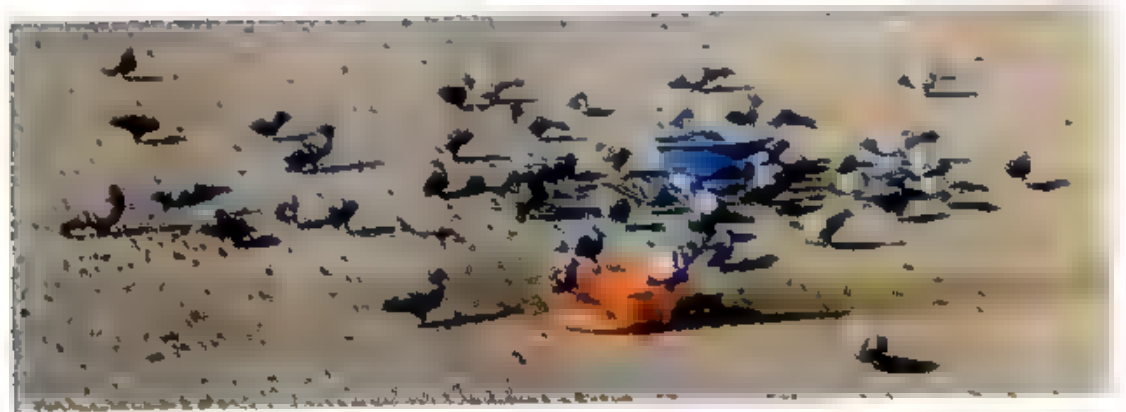
علامہ حمد یاسین الخیاری نے اس موضوع پر ایک مستقل مقالہ لکھا تھا جس کا عنوان ہے "حمام الحمی الحجازی" انہوں نے اپنے اس رسالے میں اہل حجاز کی نظروں میں ان حمام حرم نبوی شریف کی تکریم کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ دیگر باتوں کے علاوہ انہوں نے مندرجہ ذیل نکات پر خاص طور پر روشنی ڈالی ہے

(۱) اہل مدینہ طیبہ ان کبوتروں کو بہت عزت اور پیار کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور کوئی مدنی ان کے شکار کا تصور تک نہیں کرتا

(۲) یوم حج میں پانچ ذوالحجہ کو حرم مدنی شریف کے تمام کبوتر گروہ در گروہ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور پھر جب حج اختتام پذیر ہوتا ہے تو پندرہ ذوالحجہ کو حماموں کے جھنڈ کے جھنڈ واپس آکر روضہ اقدس پر منڈلانے لگتے ہیں۔ اس سے اہل مدینہ طیبہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ مبارک حمام الحمی ہر سال فریضہ حج ادا کرتے ہیں۔

(۳) مدینہ طیبہ کے بچے بھی اس حد تک محتاط ہیں کہ وہ کبھی ان سے کھلواڑ نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے انڈوں یا بچوں کو پکڑتے ہیں

(۴) مسجد نبوی شریف کے گردونواح میں واقع مکانات کے چھتوں پر اکثر اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ دانہ دُنکا ڈال دیا جاتا اور برتنوں میں پانی رکھا جاتا ہے تاکہ طائران حرم جب چاہیں آکر شکم سیر ہو سکیں۔ کسی کی چھت پر حمام حرم کا آکر بیٹھ جانا باعث رحمت تصور کیا جاتا ہے۔ موجودہ عمرانی ریلے سے پہلے پرانے مدینہ طیبہ میں اونچے مکانات کی چھت پر ایک طرف کبوتروں کے لیے خاص جگہ تعمیر کر دی جاتی تھی جہاں یہ حجازی کبوتر آزادی سے رہ سکتے تھے۔ ایسی جگہ کو "طیرمہ" کہا جاتا تھا اور اسی خصوصیت سے حارۃ الاغوات میں قدیم ترین عمارت میں سے چند ایسی بلند عمارات بھی تھیں جو کہ طیرمہ کے نام سے مشہور تھی

(۵) نسل در نسل تجربات کی بنا پر اہل مدینہ طیبہ میں اس بات کا خاص طور پر چرچا ہے کہ اگر کسی کا بچہ تین یا چار سال کا ہو کر بولنے کی قدرت سے محروم ہو یا اس کی زبان میں لکنت ظاہر ہو تو اہل خانہ ان کبوتروں کے انڈے لیتے ہیں اور ان کو ابال کر اس بچے کو تین دن تک ایک انڈہ روزانہ کھلاتے ہیں اور قدرت الہیہ سے وہ بچہ دیگر بچوں کی طرح بولنے لگ جاتا ہے۔ احمد یاسین خیاری کے الفاظ میں یہ بات مدنیوں میں "وہذا امر معروف ومقرر ومشہود ومشہور" ہے

(۶) سلطنت عثمانیہ کے دنوں میں ان طائران حرم کی نگہداشت کے لیے آستانہ عالیہ سے بعض لوگوں کو مشاہرہ ملتا تھا تاکہ وہ مسجد نبوی شریف کے اردگرد دانے اور پانی کا وافر انتظام کر سکیں

(۷) عصر حاضر میں زائرین مدینہ طیبہ کثیر تعداد میں دانہ خرید کر مناسب جگہوں پر بکھیر دیتے ہیں۔ بقیع الغرقد کے سامنے دانہ بیچنے والوں کی کثیر تعداد بیٹھی ہوتی ہے جن میں خواتین و حضرات اور بچے شامل ہوتے ہیں

حواشی

(۱) شاہ فہد کے بیس سال، روزنامہ عرب نیوز کا سپیشل ایڈیشن جو کہ شاہ فہد بن عبدالعزیز کے بیس سالہ دور حکومت کے دوران ان کی حسن کارکردگی پر شائع کیا گیا تھا۔ اشاعت نومبر ۲۰۰۱ء

(۲) الحرمات الشریفات و مشاعر فی عہد السعودی الظاہر، کتابچہ مطبوعات وزارت اطلاعات جو کہ سعودی حکومت کے صد سالہ جشن کے سلسلے میں اس نے ۱۴۲۰ ہجری میں جاری کی تھیں، صفحات ۹۳-۹۸

(۳) انجینیر عبدالعزیز بن عبدالرحمن کعکی، معالم مدینۃ المنورہ بین العمارۃ والتاریخ، جز ۲، ص ۲۶۹

(۴) ترمذی شریف، اردو ترجمہ بدیع الزمان، ناشر ضیاء احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸ء ج ۲ صفحات ۲۲۰-۲۲۱۔ حاکم نے بھی اس حدیث مبارکہ کو مستدرک میں درج کیا ہے

(۵) دکتور/مختار محمد بلول، المدینۃ المنورہ ودرۃ المدائن، دار بلول للنشر، مدینۃ المنورہ ۲۰۰۰ء، ص ۳۱۹

(۶) ایضاً ص ۳۲۰

(۷) ہاشم نفترد، دکریت طیبہ، پہلا ایڈیشن ۱۹۵۱ء ص ۲۰۰

(۸) غالی محمد مین، الشنقیطی، مصدر مذکور صفحات ۹۷-۱۰۹

(۹) امام سمہودی، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، ص ۵۳۵

(۱۰) صحیح بخاری، ج ۹ نمبر ۳۳۲

(۱۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۵۷

(۱۲) تاہم بعض سیرۃ نگاروں نے اس بیان سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کے مطابق نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ مسجد مصلیٰ کے احاطے میں پڑھائی گئی تھی۔

(۱۳) صحیح بخاری، ج ۳ نمبر ۱۵۹

(۱۴) ابن سعد، مصدر مذکور، ج ۱، ص ۲۵۰

(۱۵) ابن شبہ النمری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج ۱، ص ۹

(۱۶) الدارہ، دارۃ الملک عبدالعزیز ریاض کا مجلہ، الریاض، اگست ۱۹۸۷ء، مقالہ حجاز ریلوے سٹیشن، دکتور احمد عبد القادر، ص ۹

(۱۷) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، ص ۳۰۱

(۱۸) انجینیر عبدالعزیز بن عبدالرحمن کعکی، مصدر مذکور ص ۱۹۱

(۱۹) "Hejaz Railway",Encyclopaedia Britannica Online

http //members eb com/boi/topic? ndexref=251981[accessed October 2 2001]

(۲۰) اردو نیوز (عرب نیوز کا ایک ڈیلی روزنامہ)، مقالہ از ارسلان ہاشمی، مدینۃ المنورہ، اشاعت ۵ دسمبر ۲۰۰۱

(۲۱) عرب نیوز، ریاض، ۳۰ دسمبر ۲۰۰۱ء

(۲۲) ابن شبہ، ج ۱، ص ۷۰

(۲۳) الشیخ احمد بن عبد حمید العباسی، مصدر مذکور ص ۸۵

(۲۴) فیروز آبادی، مصدر مذکور صفحات ۲۵۹-۲۶۰

(۲۵) خیاری، مصدر مذکور، ص ۱۷ (حاشیہ)
(۲۶) صحیح بخاری، ج ۱، نمبر ۳۷۵ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دورِ رسالت مآب میں مشربہ ام ابراہیمؓ پر حاضر ہوئے تو انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی اقتداء میں بیٹھ کر نماز ادا کی کیونکہ آں حضرت ﷺ گھٹنے یا کندھے کی درد میں مبتلا تھے نیز ابن شبہ ج ۱، ۶۹
(۲۷) محمد کبریت المدنی الحسینی، مصدر مذکور، ص ۲۳۰
(۲۸) صحیح مسلم، کتاب ۴، نمبر ۱۱
(۲۹) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۵۰۷
(۳۰) سمہودیؒ، ص ۱۲۷۶
(۳۱) ایضاً
(۳۲) الموطا امام مالکؒ، ۳۶-۳۳-۴۰
(۳۳) سمہودیؒ، ص ۱۲۷۶
(۳۴) عبدالقدوس الانصاری، مصدر مذکور، ص ۷۸
(۳۵) فیروز آبادی، ص ۳۲۳
(۳۶) شنقیطی، ص ۵۶
(۳۷) ابراہیم عیاشی، ص ۳۱۰
(۳۸) محمد سید موکیل، المدینۃ المنورۃ معالم وحضارۃ، دار القلم، دمشق ۱۹۹۶، ص ۱۵۹
(۳۹) صحیح بخاری، ج ۵، نمبر ۵
(۴۰) احمد سعید بن سلم، المدینۃ المنورۃ فی القرن الرابع عشر الہجری، دار استار، قاہرہ؛ دار الضیافہ مسجد نبوی شریف کے شمال میں پرانے باب مجیدی کے سامنے ہوا کرتا تھا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں نور الدین زنگیؒ نے مدینہ طیبہ میں حاضری کے دوران قیام کیا تھا اور مجرموں کو پکڑنے کے لیے وہاں بیٹھ کر خیرات تقسیم کی تھی۔
(۴۱) ایضاً

فہرست مضامین

فہرست المراجع

(عربی کتابیں)

١ – **وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ ﷺ**: نورالدين علي بن أحمد السمهودی، ت ٩١١هـ، دارالاحياء التراث العربي، بيروت
٢ – **خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ ﷺ**: نورالدين علي بن أحمد السمهودی، ت ٩١١ هـ، المكتبة العلمية، المدينة المنورة
٣ – **الوفاء بما يجب لحضرة المصطفیٰ ﷺ**: نورالدين علي بن أحمد السمهودی، ت ٩١١ هـ
٤ – **أخبار المدينة**: محمد بن الحسن ابن زبالة (ت: ١٩٩ هـ) جمع و توثيق و دراسة: صلاح عبدالعزيز بن سلامه، مركز بحوث ودراسات المدينة المنورة، ١٤٢٤ هـ
٥ – **تاريخ المدينة المنورة**: ابو زيد عمر بن شبة النميری البصری (١٨٣-٢٦٢ هجری)، حققه فهيم محمد شلتوت، مصر (٤ مجلدات)
٦ – **التحفة اللطيفة فی تاريخ المدينة الشريفة**: الامام شمس الدين السخاوی، دارلكتب العلمية، بيروت
٧ – **الدرة الثمينة فی اخبار المدينة**: ابن نجار (ت: ٦٤٣ هـ)
٨ – **التعريف بما أنست الهجرة من معالم دارالهجرة**: محمد بن احمد المطری (ت: ٧٤١ هـ)، المكتبة العلمية، المدينة المنورة
٩ – **تحقيق النصرة بتلخيص معالم دار الهجرة**: الامام زين الدين المراغی، المكتبة العلمية، المدينة المنورة
١٠ – **معالم دارالهجرة**: يوسف عبدالرزاق، منشورات المكتبة العلمية، المدينة المنورة ١٤٠١ هـ
١١ – **بهجة النفوس والأسرار فی تاريخ دار هجرة المختار**: ابو محمد عبدالله القرطبی المرجانی (٧٢٤-٧٨١ هـ) مطبعة الرحمن ١٤٢٥ هـ
١٢ – **عمدة الاخبار فی مدينة المختار**: الشيخ احمد بن عبدالحميد العباسی، المكتبة العلمية، المدينة المنورة
١٣ – **مرآة الحرمين**: اللواء ابراهيم رفعت باشا، مطبعة دارالكتب المصرية بالقاهرة، ١٩٢٥
١٤ – **الرحلة الحجازية**: أوليا شلبی، دار الآفاق العربية، قاهرة
١٥ – **الرحلة الحجازية**: محمد لبيب البتنولی، مكتبة الثقافة الدينية، قاهرة
١٦ – **رحلة ابن جبير**: ابی الحسين محمد بن أحمد الاندلسی
١٧ – **الرحالة الميمون**: عبدالله محمد الحبشی، مكتبة الارشاد، صنعاء، اليمن
١٨ – **المدينة المنورة فی فجر الاسلام والعصر الراشدين**: محمد محمد حسن شراب، دارالقلم، دمشق
١٩ – **المدينة فی صدر الاسلام ـ الحياة الاجتماعية والسياسية والثقافة**: الدكتور محمد العيد الخطراوی، موسسة علوم القرآن، بيروت
٢٠ – **المدينة فی صدر الاسلام ـ الحياة الادبية**: الدكتور محمد العيد الخطراوی، موسسة علوم القرآن، بيروت
٢١ – **المدينة فی العصر الاموی**: محمد محمد حسن شراب، موسسة علوم القرآن، بيروت
٢٢ – **المدينة المنورة فی العصر المملوكی**: (٦٤٨ ـ ٩٢٣ هـ) عبدالرحمن المديرس، مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الاسلامية
٢٣ – **المدينة المنورة ـ اقتصاديات، المكان، السكان، المورفولوجية**: دكتور عمر الفاروق السيد رجب، دار الشروق، جدة
٢٤ – **تاريخ المدينة**: الامام قطب الدين محمد بن علاء الدين النهروانی الحنفی، دارالكتب العلمية، بيروت
٢٥ – **ابواب ذكر مدينة الرسول**: ابی الفرج عبدالرحمن بن الجوزی (ت: ٥٩٧ هـ)
٢٦ – **المغانم المطابة فی معالم طابة**: مجدالدين ابی طاهر الفيروزآبادی (٧٢٩ ـ ٨١٧ هـ) داراليمامة للبحث والترجمة والنشر، الرياض
٢٧ – **الجواهر الثمينة فی محاسن المدينة**: السيد محمد كبريت الحسينی المدنی (ت: ١٠٧٠ هـ)

٢٨ – آثار المدينة المنورة: عبدالقدوس الانصارى، الطبعة الرابعة، المكتبة العلمية التجارية، المدينة المنورة ١٤٠٦ هـ

٢٩ – نزهة الناظرين فى مسجد سيدالاولين والآخرين: السيد جعفربن اسماعيل البرزنجى، دار الكتب والوثائق المصرية، قاهرة

٣٠ – المدينة بين الماضى والحاضر: ابراهيم بن علي العياشي، مكتبة الثقافة، المدينة المنورة

٣١ – رسائل فى تاريخ المدينة: حمد الجاسر، دار اليمامة للبحث والترجمة والنشر، الرياض

٣٢ – تاريخ معالم المدينة المنورة . قديما و حديثا: احمد ياسين الخيارى الحسينى المدنى (ت ١٣٨٠ هـ) المدينة المنورة

٣٣ – التحفة الشما فى تاريخ العين الزرقاء: احمد ياسين الخيارى الحسينى المدنى (ت ١٣٨٠ هـ) المدينة المنورة

٣٤ – المدينة المنورة واليهود: محمد احمد ياسين الخيارى الحسينى المدنى، دار العلم، جدة

٣٥ – المدينة بين الادب والتاريخ: عاصم حمدان علي حمدان، نادى المدينة المنورة الادبى ١٤١٣هـ

٣٦ – المدينة المنورة . تطورها العمرانى و تراثها المعمارى: صالح لمعى مصطفى، دار النهضة العربية، بيروت، ١٩٨١

٣٧ – دليل المدينة المنورة الاسلامى: يهجت صادق المفتى، الرياض، ١٤٢٤هـ

٣٨ – اخبار الوادى المبارك (العقيق): محمد محمد حسن شراب، مكتبة دار التراث، المدينة المنورة ١٤٠٥هـ

٣٩ – حسن النبأ فى فضل مسجد قبا: محمد بن على ابن علان المكى الصديقى (ت 1057هـ)، الرياض، 1418هـ

٤٠ – اتحاف المومنين بتاريخ مسجد خاتم المرسلين: مصطفى بن محمد الرافعى، المكتبة العلمية بالمدينة المنورة 1402–1984ء

٤١ – عنوان النجابة فى معرفة من مات بالمدينة المنورة من مشاهير الصحابه: مصطفى بن محمد الرافعى، المكتبة العلمية بالمدينة المنورة، 1402ء

٤٢ – المدينة المنورة فى آثار المولفين والباحثين قديما و حديثا: الدكتور عبدالله بن عبدالرحيم عسيلان، المدينة المنورة 1413–1993ء

٤٣ – اهل الحجاز بعبقهم التاريخى: حسن عبدالحى قزاز، دار القلم، جدة، الطبعة الولى، 1415– 1995ء

٤٤ – المدينة المنورة –عاداتها و تقاليدها: عبدالله فرج الزامل الخزرجى، مطبوعات تهامة، 1999ء

٤٥ – الروضة المستطابة فيمن دفن بالبقيع من الصحابة: المحقق عادل عبدالمنعم ابوالعباس، مكتبة الثقافة بالمدينة المنورة

٤٦ – المدينة المنورة – عاصمة الاسلام الاولى: الدكتور محمد السيد الوكيل، دار المجتمع للنشر والتوزيع، الطبعة الثانية 1909–1989ء

٤٧ – دراسات فى الحضارة الاسلامية: الدكتور حسن الباشا، دار النهضة العربية بالقاهرة 1975ء

٤٨ – الآثار الاسلامية فى شمال غرب المملكة: الدكتور على بن ابراهيم غبان، الرياض، البطعة الولى، 1414–1993ء

٤٩ – كتاب تاريخ القويم بمكة و بيت الله الكريم (6مجلدات): محمد طاهر الكردى، البطعة الولى، 1401–4101ء

٥٠ – المدينة المنورة فى القرن الرابع العشر الهجرى: احمد سعيد بن سالم، الطبعة الولى 1404–1984ء

٥١ – طيبة و فنها الرفيع: المهندس حاتم طه، المدينة المنورة 1404–1984ء

٥٢ – مواد تاريخ الوهابيين (الرحلة جوهان لودفيج بور كهارت): الدكتور عبدالله صالح العثيمين، جامعة ملك سعود، الرياض 1412-1991ء

٥٣ – معالم المدينة المنورة بين العمارة والتاريخ: المهندس اعبدالعزيز الكعكى مجلد اول: الجبال – مجلد الثانى: الحرات والاودية – مجلد الثالث: بين العمارة والتاريخ: دار الاحيا التراث العربى، بيروت، الطبعة الاولى 1419-1998ء

٥٤ – صور من حياة الاجتماعية بالمدينة المنور: السيد ياسين احمد ياسين الخيارى، المدينة المنورة، البطعة الاولى1411-1991ء

٥٥ – الدر الثمين فى معالم دار الرسول الامين: غالى محمد الشنقيطى، المدينة المنورة، البطعة الاولى 1411-1991ء

٥٦ – كتاب الفصول السنية فى الفلاحة المدينة (الرطب و الزراعة): محمد كبريت المدنى (1012-1070هـ) المدينة المنورة، الطبعة الاولى 1416ء

٥٧ – حارة الاغوات: الدكتور عاصم حمدان على حمدان، دار القبلة للثقافة الاسلامية، البطعة الاولى 1413-1992ء

٥٨ – تمور الطابة: المهندس اديب عمر الحصرى، المدينة المنورة الطبعة الاولى، 1419هـ

٥٩ – كتاب الفلاحة المدينة لبلدة الخير البرية: الشيخ ابراهيم بن احمد خربوتى المدنى، درالاشاد للزراعة بالمدينة المنورة

٦٠ – النخيل فى عهد النبى: اديب عمر الحصرى، المدينة المنورة 1414-1951ء

٦١ – ذكريات طيبة: هاشم محمد سعيد دفتردار، مكتبة الفقية المدينة المنورة 1370-1951ء

٦٢ – عمارة الحرم النبوى الشريف: سلمى سمر دملوجى – لندن

٦٣ – القبة الخضراء و محاولات سرقة الجسد الشريف: محمد على قطب دار الثقافة للنشر، قاهره 1419-1999ء

٦٤ – الحجرات الشريفة: سيرة و تاريخها، صفوان عدنان داوودى، دار القبلة للثقافة الاسلامية، جدة الطبعة الاولى 1413-1993ء

٦٥ – العرب قبل الاسلام: جرجى زيدان، درا مكتبة الحياة، بيروت

٦٦ – مدينة يثرب قبل الاسلام: الدكتور ياسين غضبان، درالبشير، بيروت 1413-1993ء

٦٧ – تاريخ العرب القديم و العصر الجاهلى: الدكتور نبيه عاقل، دارة الملك عبدالعزيز بالرياض 1403-1983ء

٦٨ – الاستراتيجية و دور عباقرة الفكر العسكرى: اللواء يوسف بن عبدالرحمن حمل الليل، الرياض، 1413هـ

٦٩ – القباب فى العمارة المصرية الاسلامية: الدكتور محمد حمزة اسماعيل على الحداد، مكتبة الثقافية الاسلامية بالقاهرة – 1413-1993ء

٧٠ – المدينة بين الادب و التاريخ: الدكتور عاسم حمدان على حمدان، نادى المدينة المنورة الادبى، الطبعة الاولى 1412-1991ء

٧١ – تاريخ المكة المشرفة والمسجد الحرام: محمد بن محمد ابن ضياء المكى، المكتبة التجارية، مكة المكرمة الطبعة الاولى، 1406–1996ء

٧٢ – الرحاب الطاهرة: وزارة الاعلام، الرياض، 1414-1993ء

٧٣ – مثير الغرام الساكن الى اشرف الاماكن: ابن الجوزى (المتوفى 597 هـ)، درالكتب العلمية، بيروت1994ء

٧٤ – الحرف و الصناعة فى الحجاز فى عصر الرسول: الدكتور عبدالعزيز بن ابراهيم العمرى، دار الاشبيليا للنشر والتواريخ الرياض2000ء

٧٥ – ترغيب اهل المودة و الوفاء فى سكنى دار حبيب المصطفى: اسماعيل بن عبدالله الاسكدارى مكتبة الثقافة، بالمدينة المنورة 1414هـ

٧٦ – نظام الحكم و الادارة فى الدولة الاسلامية منذ صدر الاسلام الى سقوط الدولى العباسية: الدكتور محمد بن عبدالله الشباتى، دار عالم الكتب، الرياض، الطبعة الثالثة، 1411-1999ء

٧٧ – دراسات حول المدينة المنورة: محاضرات النادى الادبى، مدينة المنورة

٧٨ – المدينة المنورة فى مئة مخطوطة: مركز البحوث و دراسات المدينة المنورة، المدينة المنورة

٧٩ – تاريخ الكعبة: الدكتور على حسنى الخربوطلى، دار الجيل، بيروت، البطعة الثانية، 1408-1978ء

٨٠ – فضل الحجر الاسود و مقام ابراهيم: سائد بكداش، دار البشائر الاسلامية، بيروت

٨١ – الحرمان الشريفان والمشاعر فى عهد السعودى الظاهر: وزارة الاعلام، الرياض 1420هـ

(اردو کتب)

۱۔ جذب القلوب (تاریخ مدینہ) : الشیخ عبدالحق محدث الدہلوی، نوری کتاب خانہ، لاہور

۲۔ مغازی رسول اللہ ﷺ : حضرت عروہ بن زبیر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور

۳۔ غزوۂ احد : محمد احمد باشمیل، نفیس اکیڈمی، لاہور

۴۔ محمد عربی ﷺ میدانِ جنگ میں : علامہ نور بخش توکلی، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد

۵۔ غزوۂ بنی قریظہ : محمد احمد باشمیل، نفیس اکیڈمی، لاہور

۶۔ حرمین الشریفین اور تبرکاتِ نبوی : علی اصغر چودھری، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور

۷۔ رسولِ عربی کے ہزار معجزات : حرملی خاتون، اورینٹل پبلی کیشنز، گنج بخش مارکیٹ، لاہور

۸۔ مدینۃ الرسول : علامہ ابوالنصر منظور احمد، مکتبہ نظامیہ، ساہیوال

English Books

1. **Towards Understanding the Quran** *(Taf'him Al-Quran)*
   Abu Al-Ala Al-Maududi, The Islamic Foundation, UK

2. **Tafsir-ul-Quran**
   Maulana Abdul Majid Daryabadi, Taj Publishers, Bombay

3. **The Noble Quran** *(English Translation & Commentary by)*
   Published by King Fahad Quran Complex, Medina.

4. **Sahih Bukhari**
   English Translation by Dr. Muhammad Muhsin Khan
   Darul Arabia, Beirut

5. **Sahih Muslim** English Translation
   Abdul Hamid Siddiqi, International Islamic Publishing House, Riyadh

6. **Al-Muwatta** English Translation
   Dr. Mahmoud Matarji, Dar Al-Fikr, Beirut

7. **Seerat Rasool Allah** by Ibn Is'haq Tr. By

8. **A.Guillaume as "The Life of Muhammad"**
   Oxford University Press, Karachi, 1978

9. **Muhammad – His Life based on the Earliest Sources**
   Dr. Martin Lings, Suhail Academy, Lahore-1983.

10. **The Life of Muhammad**
    Muhammad Hussayn Haykal, Darul Isha'at, Karachi-1989

11. **Muhammad at Medina**
    Montgomery Watt, Oxford University Press, Karachi, 1981

12. **When the Moon Split**
    Safi-ur-Rehman Mubarakpuri, Dar-us-Salam, Riyadh

13. **The Life and Work of the Prophet of Islam**
    Dr. Muhammad Hamidullah
    English translation of Le Prophete del'Islam: Sa Vie et Son Oeuvre
    by Mahmood Ahmad Ghazi, Islamic Research Institute, Islamabad, 1998.

14. **Sunshine at Medina**
    Dr. Zakaria Bashir, Islamic Foundation, UK 1990

15. **The Emergence of Islam,**
    Dr. Muhammad Hamidullah (Translated and edited by Afzal Iqbal)
    Islamic Research Institute Islamabad, 1993

16. **Islam and the Destiny of Man**
    Charles le Gai Eaton (Hasan 'Abd al-Hakim)
    First Edition, Suhail Academy, Lahore, 1997

17. **The Battlefields of Prophet Muhammad**
    Dr. Muhammad Hamidullah, Huzaifa Publications Karachi

18. **The Prophet's Concept of War**
    Brigadier Gulzar Ahmed (Retd.), Islamic Book Foundation, Lahore

19. **Ghazawat-e-Rasool Allah**
    Brigadier Gulzar Ahmed (Retd.), Islamic Publications 1988

20. **Medinan Society at the Time of the Prophet**

21. Akram Diya Al-Umari, International Islamic Publishing House, Riyadh

22. **The Rightly Guided Caliphs**
    Dr. Ahmad Zidan, Islamic Inc., Cairo

23. **The Battles of the Prophet**
    Dr. Ahmad Zidan, Islamic Inc., Cairo

24. **The Bible**
    Authorized King James Version

25. **History of Arabs**
    Philip K. Hitti, Tenth Edition, St. Martin's Press, New York, 1970.

26. **The Geography of Arabia (two volumes)**
    Rev. Charles Forster
    (First published in 1844 for the Archbishop of Canterbury)
    Republished in 1984.

27. **Saudi Arabia and Its Place in the World**
    Ministry of Information, Dar Ash-Shrouq, Jeddah, 1979

28. **An Introduction to Saudi Arabian Antiquities**
    A publication of Department of Antiquities and Museums,
    Ministry of Education Riyadh, 1975

29. **Asir – Heritage and Civilization**
    Ministry of Information

30. **Faith & Power – Politics in Islam**
    Edward Mortimer, Vintage Books, NY 1982

31. **Saladin and the Fall of the Kingdom of Jerusalem**
Stanley Lane Poole, Sind Sagar Academy, Lahore

32. **Hijaz Before World War I – A Handbook**
Col. David George Hogarth, Arab Bureau, Cairo
Reprint by Falcon-Oleander, 1978

33. **Ihya Ulum-ed-Din**
Imam Ghazali – (Tr. Fazul-ul-Karim)
Sind Sagar Academy, Lahore

34. **This Beloved Muhammad (Hadha Al-Habeeb)**
Abu Bakr Bajir Al-Jazairi, Dar Al-Fikr, Beirut 1998

35. **A Short History of Saracens**
Sayed Amir Ali, McMillan & Co., London, 1955

36. **Muslim Art (English Translation)**
Alexandre Papadopoulo, Thames and Hudson UK

37. **Art and Cities of Islam**
R.A. Jairazbhoy, Ferozesons, Lahore, 1996

38. **Personal Narrative of a Pilgrimage to Al-Medina and Mecca**
Richard Francis Burton
A reprint of the Memorial Edition originally published
by Tylston and Edwards in 1893, Vol. I - Dover Publications, New York, 1964

39. **Mecca the Blessed, Medina the Radiant: The Holiest Cities of Islam**
Seyyed Hossein Nasr & Kazuyoshi Nomachi
Aperture Publications, UK.

40. **History of Arabia before Muhammad**
De Lacy O'Leary, D.D.
Alliance Publishers, Lahore, reprinted 1989

41. **A Shi'ite Pilgrimage to Mecca (1885-1886)**
An English Translation of Safarnameh of Mirza Muhammad Hosayn Farahani, By Hafez Farmayan and Elton Daniel, Univ. of Texas Press, Austin, 1990.